من فلسوں تُو

امائیہ سردار خان

کتاب گھر کے لیے لکھا جانے والا خصوصی ناول، جس کی ہر قسط پہلی بار صرف کتاب گھر پر پیش کی جائے گی۔

http://kitaabghar.com

اِک فسُون تو

امائیہ سردار خان

نوٹ:۔

اس ناول کے جملہ حقوق بنام کتاب گھر (http://kitaabghar.com) محفوظ ہیں۔لہٰذا اس تحریر کی کسی بھی رسالے، ڈائجسٹ، میگزین، ویب سائٹ، سیل فون ایپ یا انٹرنیٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا خلافِ قانون ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی کارروائی کا سامنا اور بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

http://kitaabghar.com

انتساب

والد زندگی کا اہم ترین ستون ہوتا ہے
بچوں کے لئے ایک آسمان ہوتا ہے
میں اپنا یہ ناول اپنے والد کے نام کرتی ہوں
جو میری زندگی کا ستون ہیں اور اہم ترین حصہ!

پیش لفظ

میں نے پچھلے ناول عشق جان طور آمد میں محبت کا جو ذکر کیا تھا۔اس محبت کے سلسلے کی پیش قدمی کا نام اک فسون تو ہے۔اس ناول کا پلاٹ اس وقت تیار تھا اور میں نے ارادہ باندھ لیا تھا کہ اگلا ناول اک فسون تو ہوگا،سو عشق جان طور آمد کی پذیرائی نے میرے حوصلے بڑھا دیئے اور مجھے لکھنے کیلئے اور توانا کیا۔اس کے لئے اپنے ریڈرز کی شکر گزار ہوں۔بہت شکریہ اتنی محبت دینے کے لئے۔جب محبت ملتی ہے تو توقعات کئی گناہ زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔مجھے اس کا اندازہ تھا سو میں نے آپ سب کی توقعات پر پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔میرے یہ ناولز ایک رکا ہوا تسلسل اور بہاؤ ہیں۔میں بہت عرصے تک قلم سے سلسلہ نہیں جوڑ سکی۔تعلیم حاصل کرنے کے دوران ناولز لکھنا کچھ مشکل رہا سو میں نے جو سلسلہ موقوف کیا تھا وہ روانی اور فلو میرے اندر سرگرداں رہا اور اب جب قلم سنبھالا ہے تو وہ بہاؤ لفظوں کی صورت آپ تک پہنچ رہا ہے۔

اک فسون تو محبت کی کہانی ہے محبت کوئی نیا ذکر نہیں مگر ہر ذکر اپنے اندر ایک خاص کشش اور مقناطیسیت رکھتا ہے یہ مقناطیسیت محبت ہے اور محبت کی بات بھی۔اس ناول کو لکھتے ہوئے میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں۔کردار،عنوان،کہانی،ناول کا پلان،موضوع۔میں اس ناول کو محبت کی ایک کڑی رکھنا ضرور چاہتی تھی مگر محبت کی ہر کڑی پچھلی کڑی سے زیادہ مضبوط اور کہیں زیادہ مختلف ہوتی ہے سو یہ ناول محبت کی ایک نئی کڑی ضرور ہے مگر اس کڑی میں نئے اسلوب ہیں۔محبت کی ایک نئی داستان ہے سو باتیں تذکرے،حوالے،سب نئے ہیں،پچھلے ناول سے زیادہ Focused رہی ہوں میں،تجربہ بڑھا ہے کسی قدر۔ایک نیا قدم لینے میں اتنی ہچکچاہٹ نہیں رہی۔آپ کی بہت زیادہ پذیرائی نے محبت بڑھا دی ہے۔اعتماد بحال کر دیا ہے۔

آپ جاننا چاہتے ہیں اک فسون تو کیا ہے تو اس کے لئے آپ کو اس ناول کو پڑھنا پڑے گا۔اس ناول کے کرداروں سے ملنا پڑے گا محبت کی کوئی کہانی نئی نہیں ہوتی مگر اسلوب نئے سرے سے مزین ہو تو بات دلچسپی بڑھا دیتی ہے اور یہاں اور جدت بھی دکھائی دینے لگی ہے۔یہ ناول رشتوں کی کہانی ہے محبت کی کہانی ہے اعتبار کی کہانی ہے رشتوں میں پنپتی محبت کی کہانی آگے بڑھتے ہوئے کس طرح رنگ بدلتی ہے یا کن پیرائے سے گزرتی ہے اور کیا حالات اسے درپیش رہتے ہیں۔یہ ناول انہی سب کی بات کرتا ہے جن سے محبت دبے پاؤں گزرتی ہے اور کوئی آہٹ بھی نہیں کرتی۔محبت کا اپنا دور ہے،اپنا سکہ رائج الوقت ہے اپنی کرامات ہیں اور اپنے طور طریقے،محبت کی

ریاست بھی اپنی ہے اور اس پر حکومت کا شرف بھی محبت کے ہاتھ آتا ہے۔ محبت ہوا کی مانند سرسراتی ہے حکمرانی کے بھید کھولتی ہے کئی راز کہتی ہے۔ کچھ سمجھ آتے ہیں کچھ سمجھ نہیں آتے مگر اس کی اہمیت اسی طور قائم رہتی ہے۔ یہ اسرار قائم رہتا ہے اور بھید جو آدھے چھپے رہتے ہیں اور تو جہ اپنی طرف مبذول کرواتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ محبت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ محبت چپ رہ کر بولتی ہے اور بات نہ کر کے بھی سارے ماحول کو مٹھی میں دبوچے رہتی ہے۔

اس ناول کے کردار اظل سیام مرزا اور ھین شایان شاہ آپ کے دلوں کے جیتنے کے لیے آپ سے بھرپور ملاقات کریں گے۔ امید ہے ان کرداروں سے مل کر آپ کو خوشی ہوگی اور ناول کے ساتھ وہ کردار بھی آپ کی یاداشت میں برسوں کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لونگی۔ آپ کو ناول کے کرداروں سے ملنے کے لئے آگے بڑھنے دوں گی۔ اجازت چاہوں گی پھر کبھی اگلے ناول پر بات ہوگی اپنا خیال رکھئے اور دعاؤں میں یاد رکھیئے۔

فی امان اللہ

امائیہ سردار خان

20 جون 2016

http://kitaabghar.com

اس نے ستاروں پر کمند ڈالنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔ مگر زندگی نے اس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ مشکلوں کو آسان کرنا قدرے دشوار لگنے لگا تھا۔ مگر ہارنا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو رکی تھی اور وہ خوف بھی رک گیا تھا۔ اس ڈر کے قدم بھی تھم گئے تھے۔ نانی جان ہمیشہ کہتی تھیں ''اگر تم خوف سے ڈر جاؤ گی تو وہ تمہارا پیچھا کرتا رہے گا۔ تمہیں ڈراتا رہے گا مگر جب اس خوف کے سامنے تن کر کھڑی ہو جاؤ گی تو خوف ڈر کر بھاگ جائے گا۔ وہ اپنے قدم روک لے گا۔ موڑ لے گا۔ ڈر سے کبھی مت ڈرنا میرے بچے۔'' ان کے الفاظ بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ تبھی وہ بھاگتے بھاگتے اچانک رک گئی تھی۔ اس خوف کے قدم جیسے زمین پر جم گئے تھے۔ اس نے صاف دیکھا تھا۔ ایک لمحے میں ان کی کہی بات واضح ہو گئی تھی۔!!

اس خوف کے قدم جیسے زمین پر جم گئے تھے۔ مگر اس خوف کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جیسے شکار کو کمزور پڑتا دیکھ کر بھیڑیے کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ اس میں جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی اس نے زمین پر پڑی لکڑی اٹھائی تھی۔ خوف اس پر نگاہیں جمائے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی کم ہمتی سے واقف تھا کہ وہ وار کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ مگر خوف کے تصور کے برعکس ہوا تھا۔ اس نے پھرتی سے ہاتھ گھمایا اور پوری طاقت سے لکڑی اس خوف کے سر پر دے ماری تھی۔ اور اس کے بعد پے در پے وار کیے تھے۔ وہ خوف جو کچھ لمحے پہلے اسے ڈرا رہا تھا اب وہ زمین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ گرد میں اٹ چکا تھا۔

اچانک اس کے دل میں ایک خیال کودا تھا۔ ایک ڈر نے دل کو دہلا دیا تھا۔ اگر وہ خوف مر گیا تھا۔ تو پھر۔ اس کا دل ایک لمحے کو ساکن ہو گیا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نیچے جھک کر دیکھا تھا۔ کچھ بھی تھا اس کے اندر انسانیت زندہ تھی۔ خوف کی نبض چل رہی تھی۔ وہ زندہ تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔ اس کا مقصد اسے مارنا نہیں تھا۔ مگر خوف کا مقابلہ کرنا ضروری تھا۔ اس کے بڑھتے قدموں کو روکنا ضروری تھا۔ یہاں کھڑا رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ لوگ اسے تلاش کر سکتے تھے۔ اس نے بھاگنے کا عمل پوری رفتار سے پھر سے شروع کر دیا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے تھکنے لگی تھی۔ تبھی اس کے قدموں کی رفتار معدوم ہوئی تھی۔ ایک معصوم سی ہرن بھاگتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ تبھی ایک سنسناتی ہو گولی جانے کہاں سے آئی تھی۔ اور اگلے ہی پل وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔ اس نے گرنے کی آواز سنی تھی۔ وہ شکار کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایک ہرنی بھاگتی ہوتی ادھر آ نکلی تھی اور اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔ وہ سمجھا تھا شاید ہرنی شکار ہو چکی تھی۔ اس کی گولی نشانے پر لگی تھی۔ مگر وہ اسے زمین پر ڈھیر دیکھ کر ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔ وہ ہرنی تو نہیں تھی۔ مگر ایک نازک سا وجود تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی جو بری طرح سے زخمی تھی۔ اسے سمجھنے

میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ لڑکی شاید کہیں سے بھاگتی ہوئی سامنے آ گئی تھی اور گولی اس کے بازو کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اس نے جھک کر اطمینان کرنا چاہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی نمایاں تھی۔ اس نے اس کی سانس کی رفتار محسوس کی تھی۔ وہ مدھم مدھم سانسیں لے رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ اس کے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا شکار اس پر بھاری پڑنے والا تھا۔ وہ اس پر جھکا پکار رہا تھا۔

''سنیئے اٹھئے۔ کون ہیں آپ؟؟ کہاں سے آئیں آپ؟؟ آنکھیں کھولیں پلیز۔!'' لہجے میں فکرمندی تھی۔ وہ شکار کرنے کے لئے آیا تھا۔ مگر یہ حادثہ دل کو ہلا دینے والا تھا۔ ایسا اس کے لیے یقیناً نیا تھا، اس کی پریشانی کا سبب بن گیا تھا۔ وہ جانے کہاں سے اور کیسے یہاں تک پہنچی تھی۔ وہ بے سدھ دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑی تھی۔ اظل سیام مرزا پھر اس کی دھڑکنوں کو محسوس کر کے اطمینان کرنا چاہا تھا۔ اسے پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ اس کی دھڑکنیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے اپنا رومال جیب سے نکال کر اس کے بازو پر باندھا تھا پھر ملازم کو پکار رہا تھا۔

اسے پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔ ایک معصوم اور بے گناہ کی جان جاتے جاتے بچی تھی۔ بلکہ ابھی خطرے میں تھی۔ وہ جانے کیسے بھاگتی ہوئی اچانک آ گئی یا پھر ادھر آنا اس معصوم ہرنی کو بچانے کا تصور کرتے ہوئے سامنے آ گئی تھی۔ وجہ جو بھی تھی۔ حیران کن بات یہ تھی جو اسے حیرت کدوں میں ڈبو رہی تھی۔ اتنے ویران بیابان جنگل میں ایک لڑکی کیا کر رہی تھی۔ وہ جاننے سے قاصر تھا مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔ وہ مالک کی ایک آواز پر بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تھے اور سامنے کا منظر ان کے لیے بھی اتنا ہی حیران کن تھا۔

''حسنان جلدی کرو۔ گاڑی یہاں قریب لاؤ۔ فاخر تم ادھر اُدھر دیکھو شاید کوئی سراغ مل جائے۔ جانے کون ہے۔ لگتا ہے کسی مشکل میں تھی۔ شاید اپنی فیملی سے بچھڑ گئی ہے۔ ابھی فرسٹ ایڈ ضروری ہے۔ جلدی پتہ کر کے مجھے بتاؤ۔

پرتحکم لہجے میں ہدایات دی تھیں۔ پھر اس کے نازک سے وجود کو بانہوں میں بھرا تھا۔ اور تیزی سے چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ حسنان گاڑی کا دروازہ کھولے مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔ اس نے وجود کو احتیاط سے سیٹ پر لٹایا تھا اور خود بھی بیٹھ گیا تھا۔ پھر پرتحکم بھرے لہجے میں حسنان کو ہدایت دی تھی۔

''تیز چلاؤ گاڑی۔ نزدیک ترین ہاسپٹل میں جانے کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا تمہیں؟؟''

وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

''چھوٹے صاحب یہاں تو دور تک کوئی اسپتال نہیں ہے۔ ایک گھنٹہ تو لگ جائے گا اس نے مؤدب انداز میں کہا تھا۔''

اس نے فون نکال کر کوئی نمبر ملایا تھا۔

ڈاکٹر باسط۔ میں اظل سیام مرزا بات کر رہا ہوں۔ ایمرجنسی ہے پندرہ منٹ میں گھر پہنچ جائیں!!'' اور فون ڈس کنیکٹ کر دیا تھا۔

''گاڑی گھر کی طرف موڑو۔''اس نے مدھم لہجے میں حکم دیا تھا۔اور پھر اپنی ساری توجہ اس نازک سے وجود پر مبذول کردی تھی۔وہ مدھم مدھم انداز میں بمشکل سانس لے رہی تھی۔

اس کا ہاتھ ان کے بازو پر تھا اور اس کا سر اسکی گود میں تھا۔اس پر جو رومال باندھا تھا وہ خون سے سرخ ہو چکا تھا اور اظل سیام مرزا کے ہاتھوں پر اب بھی خون لگا ہوا تھا۔گاڑی برق رفتاری سے گھر جانے والے راستوں پر بڑھ رہی تھی۔

''حسنان میں نے کہا ہے گاڑی تیز چلاؤ۔تمہیں سنائی نہیں دیتا کیا؟؟''اس نے مدھم لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

''جی صاحب۔!!''اس نے اسپیڈ بڑھادی تھی۔گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔چند منٹوں بعد ہی دور سے حویلی کا اونچا اور مضبوط دروازہ نظر آنا شروع ہوگیا تھا۔جگہ جگہ سرسوں کے پھول کھلے اپنی چمک دکھا رہے تھے۔دور دور تک ہریالی ہی ہریالی تھی۔سورج کی سنہری کرنیں ان پھولوں پر پڑ رہی تھیں اور ان کی تازگی کو اور بھی بڑھا رہی تھیں۔گاڑی حویلی کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔اور اگلے ہی منٹ وہ حویلی کے اندر داخل ہو چکے تھے۔حسنان گاڑی سے برق رفتار سے اترا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔اظل سیام مرزا گاڑی سے اترا تھا اور پھر دوسری طرف سے دروازہ کھول کر اسے اٹھایا تھا اور اندر کی جانب بڑھا تھا۔سب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔کتنی ہی متجسس آنکھیں اس پر لگی تھیں۔مگر پوچھنے کی بھی ہمت کسی میں نہیں تھی۔اس کے ملازم اندر کی طرف بڑھے تھے اور اپنے کمرے میں پہنچ کر اسے بیڈ پر لٹایا تھا۔اور پلٹ کر دیکھا تھا۔حسنان جیسے اگلے حکم کا منتظر تھا۔ڈاکٹر باسط کو ساتھ لے کر اندر چھوڑ کر باہر پلٹ کر دروازے کے باہر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر باسط نے اس کا چیک اپ کیا تھا۔زخم صاف کر کے ڈریسنگ کی تھی۔

اظل سیام مرزا بے چینی سے کمرے کے چکر لگا رہا تھا۔پھر بے تابی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔

''ڈاکٹر اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔یہ بہت خاص ہے میرے لیے۔!!اس کا ٹھیک ہونا بے حد ضروری ہے۔''اس کے مدھم لہجے میں بے چینیاں تھی۔

اور ڈاکٹر باسط جوان کے فیملی ڈاکٹر تھے۔برسوں سے اس خاندان کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔پچھلے کچھ سالوں سے انھوں نے یہیں پر بسیرا کر لیا تھا۔انھیں لگتا تھا۔یہاں کے لوگوں کو ان کی ضرورت زیادہ تھی۔وہ اظل سیام مرزا سے اچھی طرح واقف تھے کہ چھوٹی یا معمولی بات پر قطعی پریشان نہیں ہوتا تھا۔نہایت ہی مضبوط عصاب کا مالک تھا۔مگر اس لمحے اگر بے چین تھا پریشان تھا تو وجہ تو کوئی خاص تھی۔ان کو اندازہ لگانے میں قطعی دقت نہیں ہوئی تھی۔کہ وجہ کیا تھی۔

''خطرے کی بات تو نہیں ہے نا؟؟یہ ٹھیک تو ہو جائیں گی نا۔؟؟''بے تابی سے ایک اور سوال داغا تھا۔وہ جیسے ایک امتحان سے گزر رہا تھا۔جیسے اس کی سانسوں کے ساتھ اس کی زندگی جڑی ہوئی تھی۔

''نہیں خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر زخم کافی گہرا ہے۔ ان کو کافی گہرے زخم لگے ہیں۔ پیروں میں کتنے ہی کانٹے چبھے ہوئے تھے۔ بازوؤں پر اور ہاتھوں پر شاید درختوں کی ٹہنیوں کی وجہ سے خراشیں آئیں ہیں۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہیں۔'' وہ تفصیل سے چیک اپ کر کے بات کر رہے تھے۔

''کتنی دیر لگے گی انھیں ہوش میں آنے میں!! یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہی ہیں؟؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''ان کو تھوڑی دیر میں ہوش آجائے گا۔ میں چلتا ہوں۔ کچھ دوائیں لکھ کر دے رہا ہوں وہ منگوالیں اور میں کل پھر آؤں گا۔ میں چلتا ہوں۔!!'' ڈاکٹر باسط نے خالصتاً پروفیشنل انداز میں کہا تھا۔

''حسنان ڈاکٹر صاحب کو باہر تک چھوڑ کر آؤ اور Prescription لے جاؤ ان کے لیے میڈلکل اسٹور سے میڈیسن لے کر آنا!!'' انھوں نے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے تھے۔ اور حسنان میکانکی انداز میں مڑا تھا اور چلتا ہوا ڈاکٹر صاحب کا میڈیکل باکس پکڑے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اچانک دروازہ کھلا تھا اور دادا جان اندر داخل ہوئے تھے۔

''اظل کیا ہوا ہے؟ کون ہے یہ لڑکی؟ مجھے ابھی حسنان نے بتایا۔'' وہ اظل کی طرف دیکھتے ہوئے وضاحت مانگ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کتنے سوال تھے۔

''میں نہیں جانتا دادا جان۔ میں نے تو ہرنی کو مارنے کے لیے فائر کیا تھا۔ یہ نجانے کہاں سے بھاگتی ہوئی درمیان میں آگئی اور گولی اس کے بازو کو چیرتی ہوئی گزر گئی تھی۔ مگر میں ابھی تک حیران ہوں جنگل میں ایک لڑکی کہاں سے نمودار ہوگئی اچانک سے۔ حلیے سے تو کسی اچھے گھرانے کی لگ رہی ہے۔ میں نے ملازمین کو ادھر ادھر دیکھنے کے لے کہا تا کہ کچھ سراغ مل سکے۔ اسکے زخموں کو دیکھ کر تو صاف لگ رہا ہے جیسے وہ کسی خطرے کے پیش نظر بھاگ رہی تھی۔!!'' اس نے فکرمندی سے کہا تھا۔ اور دادا جان کو تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

''تمہیں خود دیکھنا چاہیے تھا اظل۔ معاملہ حساس ہے۔ ایک لڑکی کی عزت اور وقار کی بات ہے۔ نوکروں کو اور کسی کو یہ بات پتہ نہیں چلنا چاہے۔ تم نے ڈاکٹر باسط کو تو نہیں بتایا کچھ؟؟'' انھوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''نہیں دادا جان۔ میں جانتا ہوں۔ ان کی عزت اور حرمت کا پورا احساس ہے مجھے ایک لڑکی کی عزت اور وقار کتنا اہم ہوتا ہے میں سمجھ سکتا ہوں۔ اندازہ ہے مجھے۔ ان کو کچھ نہیں بتایا۔ بس اتنا کہا کہ یہ بہت اہم ہیں، خاص ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ حسنان اور فاخر وفادار ملازمین ہیں۔ وہ کچھ نہیں بولیں گے!!'' اس نے مدھم لہجے میں دادا جان کے خدشات کو سمجھتے ہوئے تفصیلاً آگاہ کیا تھا۔

دادا جان نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ ان کے چہرے پر فکرمندی نمایاں تھی۔ ''سب ٹھیک ہوجائے گا۔ مگر اس کا ہوش میں آنا ضروری ہے تبھی کچھ پتہ چل پائے گا۔ ایسے اندازاً کچھ بھی کہنا ابھی دشوار ہے!!'' وہ مدھم لہجے میں دادا جان کو وضاحت دے رہا تھا۔ تفصیلاً واقعہ ان

کے گوش گزار کیا تھا۔

''اللہ کرے یہ بچی جلد ہوش میں آجائے جانے کس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔لگتا ہے کسی مصیبت سے بھاگ رہی تھی۔یہاں کی تو نہیں لگتی۔مقامی لوگوں سے کافی مختلف لگ رہی ہے!!داداجان کی جہاں دیدہ نظروں نے لمحوں میں بھانپ لیا تھا۔

اور اظل نے ان کی تائید کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔جی داداجان آپ درست کہتے ہیں۔!وہ ان کی تائید کر رہا تھا۔یہ بات واقعی حیران کن ہے اس ویران بیابان جنگل میں ایک لڑکی کیسے بھٹک رہی تھی۔اتنے خطرناک جانور تھے وہاں۔قدم قدم پر خطرہ تھا۔وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان خطرات میں کیسے گھر گئی تھی۔

''میں نے پوچھنے کی کوشش کی بھی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔مگر کچھ خاص فائدہ نہیں ہوا تھا۔وہ شاید کسی خوف کے زیر اثر تھی۔تبھی بے ہوش ہوگئی تھی۔اور مجھے اسے اٹھا کر یہاں لانا پڑا انسانیت کے ناطے۔ویسے بھی میری گولی سے زخمی ہوئی تھی۔اتنا تو فرض بنتا تھا میرا۔میرے اندر کا انسان ابھی زندہ ہے۔مگر مجھے تب تک احساس جرم ستاتا رہے گا جب تک یہ ہوش میں نہیں آجاتی۔'' وہ مدھم اور مودب انداز میں داداجان کو پوری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے۔تم نے اچھا کیا اسے یہاں لے آئے وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔اگر وہ کسی مصیبت میں ہے تو ہمارا فرض ہے اس کی مدد کرنا۔اور تم نے جان بوجھ کر تو نہیں مارا نا۔وہ اچانک غلطی سے نشانے کے سامنے آگئی اور گولی اسے زخمی کر گئی۔یہ ایک حادثہ تھا۔مگر اطمینان بخش بات یہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔خطرے کی بات نہیں ہے۔!!''انھوں نے پوتے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تھپکی دی تھی۔

''مجھے تم پر فخر ہے تم نے انسانیت کا مظاہرہ کیا اور اس کی مدد میں تاخیر نہیں کی ورنہ خون زیادہ بہہ جاتا تو کچھ بھی ہو سکتا تھا!!'' انھوں نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔انھوں نے پوتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کو کھانا کھا لینا چاہیے تھا داداجان اگر مجھے دیر ہو جاتی تو پھر آپ کو میڈیسن تو لینی تھی۔آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''اظل نے ان کی طرف دیکھتے کیئرنگ انداز میں کہا تھا۔

''تمہیں دیکھ لینے کے بعد میں بھلا چنگا ہو جاتا ہوں۔ساری بیماری اپنے آپ بھاگ کھڑی ہو جاتی ہے۔مجھے کچھ نہیں ہوگا۔میں ٹھیک ہوں اور تم میری برداشت سے تو واقف ہونا۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کروا رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں داداجان۔مگر میری نااہلی کی وجہ سے آپ ابھی تک بھوکے ہیں۔میں نے اصرار کیا تھا شکار پر جانے کا۔آپ نے کتنا منع کیا تھا!!''اس نے اپنی نااہلی کا اعتراف کیا تھا۔

''دیکھو اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی ہے۔لگتا ہے اسے ہوش آرہا ہے۔''انھوں نے اسکی توجہ اس کی طرف مبذول کروائی تھی۔

اظل نے دو قدم آگے بڑھ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اس کے اوپر جھکا تھا۔

اور اسے ہولے سے پکارا تھا۔

''سنیئے۔ اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا!!'' اس نے توجہ سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

اور اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اسکی آنکھوں میں وہ چہرہ آ گیا تھا۔ وہ ایک آواز اسکے کانوں میں گردش کر رہی تھی۔

''اے لڑکی کون ہو تم۔ اور کہاں سے آ گئیں درمیان میں؟؟''

''آنکھیں کھولیں آپ ٹھیک تو ہیں؟؟''

''کہاں تک بھاگو گی تم۔ مجھ سے بچ کر تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا۔ تم نے خود دیکھ لیا تھا اپنی آنکھوں سے۔ سب نے تمہیں جھٹلایا۔ اب تم میرے رحم و کرم پر ہو کہاں تک بھاگو گی۔ کب تک بچو گی۔'' وہ خوف کا چہرہ اس خباثت سے مسکرا رہا تھا اور اسکی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی جیسے کمزور شکار کو دیکھ کر بھیڑیے کی آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔ کتنی ہی سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ کتنی آواز کی بازگشت گونج رہی تھی اسکے کانوں میں۔ اس نے خوف سے آنکھوں کھول دیں تھیں۔ کوئی اس پر جھکا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''بیٹا آپ ٹھیک ہیں نا۔ آپ کو درد تو نہیں ہو رہا؟؟'' وہ مہربان سا چہرہ فکرمندی سے جاننا چاہتا تھا اس نے آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لینا چاہا تھا۔ کہاں تھی وہ۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ کہیں وہ اس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی۔ کہیں اس نے اس کی تلاش تو نہیں کر لی۔ ایک خوف اس کے اندر سرایت کر گیا تھا۔ اور دادا جان اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے سمجھ گئے تھے وہ کسی خوف کے زیر اثر ابھی تک ہے۔

''بیٹا آپ محفوظ ہیں مکمل طور پر۔ اور زخم گہرا ہے لیٹے رہو آپ اٹھنے کی کوشش مت کریں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ کیا نام ہے آپ کا گھر کہاں ہے آپ کا۔ مجھے بتائیں میں آپ کے والدین کو اطلاع کرتا ہوں۔ وہ ضرور فکرمند ہوں گے۔ آپ کو تلاش کر رہے ہونگے!!'' دادا جان نے پوچھا تھا۔ اور والدین کے نام پر اس کی آنکھیں چھلک پڑیں تھیں وہ سوچ رہی تھی وہ تو ضرور پریشان ہونگے۔ ان کی پیاری بیٹی کس حال میں ہے۔ در بدر بھٹک رہی ہے۔ ان کو جنت میں بھی سکون نہیں ہوگا۔ انکی روحیں تڑپ رہی ہونگی۔

''آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے کیا؟'' اظل سیام مرزا اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔ کتنی فکرمندی تھی اس کی لہجے میں اور وہ بزرگ کا لہجہ کتنا مہربان تھا حالانکہ وہ تو اس کے کچھ بھی نہیں تھے اور جو اس کے اپنے تھے وہ انہی کے خوف سے بھاگ رہی تھی۔ وہ ہوش اور بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور ذہن میں کتنی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ اس کی آواز اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ رعونت بھرا لہجہ تھا اسکا۔

''پرانی چیزیں جو بوسیدہ ہو جاتی ہیں ان کو زندگی سے متروک کر دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ تم بھی میری زندگی میں متروک اقدار کی

طرح ہو۔ جس کو ماننا تو دور، ان کے بارے میں سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ تم شاید نہیں جانتیں۔ قدریں جب متروک ہو جائیں تو ان کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے۔ تم بھی میری زندگی سے متروک ہو چکی ہو۔ تمہارا گزر بھی میری سوچوں میں نہیں ہوتا۔ تمہارے بارے میں سوچنے کا تصور کرنا بھی عبث ہے میرے لیے۔ تمہاری رسائی میری سوچوں تک کبھی ہو یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ ترش لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اسے جتا رہا تھا۔

''میرے لفظ ضرور تمہارے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح جم گئے ہوں گے۔ مگر تمھیں یہ جان لینا چاہیے حین شایان شاہ۔ تمہارا وجود میرے لیے بے معنی ہے۔ ان چاہا رشتہ صرف ایک بوجھ کی طرح ہوتا ہے جس کو ڈھونا جاں گسل لمحہ ہوتا ہے۔ میں اس کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں!!'' وہ کڑوے لفظوں کے ساتھ اس کے اندر تک کڑواہٹ گھول رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم میرے سامنے آتی ہو تو دل چاہتا ہے تمھیں نیست و نابود کر دوں۔ صفحہ ہستی سے مٹا دوں۔ اندھیروں کو تمہارا مقدر بنا دوں۔ ان آنکھوں پر جلتے انگارے رکھ دوں کہ تم آس بھری نگاہوں سے میری طرف مت دیکھو۔ مجھے چڑ ہے تمہاری ان الزام دیتی ہوئی آنکھوں سے جو مجھے قصوروار قرار دیتی ہیں!!'' وہ غصے سے بھڑک رہا تھا۔ سخت لفظوں میں نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔

''مجھے سرے سے تم سے کوئی امید ہی نہیں ہے۔ کوئی آس نہیں ہے۔ کیونکہ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم جھوٹ کا پلندہ کھولے بے سمت ترکش کے تیر چلا رہے ہو۔ تم مجھے قطعی نہیں جانتے اس لیے فضول باتیں کرنے سے گریز کریں۔'' اس نے مدھم لہجے میں تنبیہ کی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ پھر دھیمے مگر ترش لہجے میں گویا ہوا تھا۔ تم جو یوں تفاخر سے میرے سامنے سر اٹھائے مجھے مرغوب کرنے کی کوشش کرنے کے جتن کر رہی ہو۔ تم میری آنکھوں کو شب بیداری سونپنے کے لیے بے تاب ہو۔ اپنی آنکھوں کی ٹمٹماتی روشنی کی بھول بھلیوں میں مجھے الجھانا چاہتی ہو۔ بھٹکانا چاہتی ہو۔ مگر افسوس کوئی حربہ کارگر نہیں ہوگا!!''

وہ مذاق اڑانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم نے کسی کھنڈر بنی خستہ عمارت کو دیکھا ہے کبھی؟ بوسیدہ سی جس کے اوپر برسوں کی دھول مٹی نے اسے بدحال کر دیا ہو۔ گرد سے اٹی ہوئی منہدم ہونے کی منتظر یاسیت بھری نظروں سے زندگی اور اس کے رنگوں سے کچھ رنگ چرانے کی حسرت لیے دیکھ رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے اس کا مقدر تو تباہی ہی ہے وہ تو ایک ہی جھٹکے میں ڈھے جانے والی ہوتی ہے۔ ہمارے رشتے کی بھی یہی حالت ہے۔'' وہ کھردرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

حین شایان شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا جو اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ تفاخر سے بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں اس رشتے کو پھر سے مانتی ہی نہیں اسے روز اول سے کالعدم قرار دے چکی ہوں۔ متروک ہو چکا ہے یہ رشتہ میرے لیے۔

یہ بلکہ وہ رشتہ ہے جس کے دعوی دار تم بن کر آئے ہوں میں نہیں۔ میرے والدین نے کبھی کسی رشتے کی بات نہیں کی۔ انہوں نے کبھی کسی رشتے کے بارے میں نہیں بتایا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو ضرور بتا دیتے۔ تم جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے تمہاری کسی بات پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نا ہی تم قابل بھروسہ ہو۔'' اس نے اسے جھٹلایا تھا اور وہ اس کے جھٹلانے پر تلملا گیا تھا۔

''غلط میں نہیں ہوں۔ یہ رشتہ تو تمہاری پیدائش سے بھی پہلے طے ہو چکا تھا۔ مگر یہ مجھے قطعی قبول نہیں ہے۔ جھوٹ تمہارے والدین نے تم سے بولا جو تمہیں اس بات سے بے خبر رکھا۔ قصور تو ان کا ہے۔ اور تم کیا رد کرو گی مجھے۔ میں خود تمہیں ہزاروں بار رد کروں گا۔'' وہ غصے میں آگ اگل رہا تھا۔

''تم نے جوہڑ میں ٹھہرے ہوئے پانی کو دیکھا ہے جس پر کائی جم چکی ہوتی ہے۔ ہری کائی کی کتنی ہی تہیں اس پانی کی سطح پر ٹھہری ہوتی ہیں۔ ٹھہرا ہو پانی وقت کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہوا بدبودار شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بدرنگ اور سیاہ ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی تہوں پر پھپھوندی نمودار ہو جاتی ہے۔ جو اس پر بدبودار رشتے کو کاٹتی رہتی ہے۔ اپنی خوراک بنا لیتی ہے۔ اس رشتے کو یہی حالت ہے۔ تم اگر خوش فہمیوں میں جی رہی تھیں تو مان لو۔'' وہ ترش لہجے میں اسے بے وقعت کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

''جوہڑ تو تمہاری سوچیں بھی بن گئی ہیں۔ انھوں نے بھی کچھ ایسی ہی جہت اختیار کر لی ہے۔ ٹھہری ہوئی جامد سوچیں جن کے بہاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' وہ مدھم مگر پرسکون لہجے میں باور کروا رہی تھی۔

''تم مجھے جوہڑ دکھا رہی ہو۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں میں نے Havard یونیورسٹی سے BA کیا ہے مگر یہ الگ بات ہے تمہارا نالج خاصا محدود ہے تم میرے لائق نہیں ہو۔ تمہارا اور میرا کوئی میل نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔ اور یہ گلے پڑا ڈھول بجانا بھی نہیں چاہتا۔ سو چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤں۔ میرے خواب دیکھنے کی حسرت بھی مت کرنا۔ ورنہ تمہاری ان چمکتی آنکھوں کی روشنی گل کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

گدھے کے اوپر کتابیں رکھ دینے سے کوئی پڑھا لکھا نہیں ہو جاتا عمل سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم نے اس کو کتنا شعور اور آگہی دی ہے۔ میں کسی نام نہاد فیصلے کی نظر کبھی نہیں ہونگی۔ مجھے کمزور ہرگز مت سمجھنا۔ مجھ میں اتنی عقل ہے کہ اپنے لیے اچھا فیصلہ کر سکوں مجھے اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا آتا ہے۔ کوئی مجھ پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کر سکتا۔ بے فکر رہیں میں تمہارے سے کسی رشتے کو ماننے سے انکاری ہوں۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ ازلی خود اعتمادی سے اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ اس کے رعونت بھرے انداز کو برداشت کر رہی تھی۔ وہ اس سے مرعوب نہیں تھی۔

''بہت بے خوف ہو نا تم۔ میں چاہوں تو ایک لمحے میں ان بے خوف آنکھوں میں خوف کا جہان آباد کر سکتا ہوں۔ سارے وسوسوں کا ڈیرہ تمہاری آنکھوں میں بسا سکتا ہوں۔ ڈر کا گھر تمہاری چمکتی آنکھوں میں بنا سکتا ہوں۔ ایک لمحے کا تعرض کیے بغیر بے بسی کا

سامنا تم سے کروا سکتا ہوں۔تم جو بے خوف وخطر نظر آنے کے جتن کر رہی وہ تمہاری خواعتمادی کو لمحوں میں ہوا میں تحلیل کر سکتا ہوں مگر تم پر رحم آجاتا ہے۔'' وہ کرخت لہجے میں جتا رہا تھا۔اور جانے اس کی نظروں میں کیا تھا۔حسین چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔حالانکہ وہ اس سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

جانے وہ اور کیا کیا کہہ رہا تھا۔مگر وہ سن نہیں رہی تھیں۔اس کی آواز بازگشت بن کر اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ساری آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

کوئی محبت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔آواز میں کتنی بے چینیاں تھیں۔

''آپ کو خبر ہے کیا؟؟ آپ میرے دل ودماغ پر چھا گئی ہیں۔میری روح کی غزل ہیں۔میرے دل کا ردھم ہیں۔میں آپ کو سوچتا ہوں تو میرے دل کی گہرائی میں ایک آگ لگ جاتی ہے۔جب دل تمہیں سامنے نہیں پاتا تو دل جھلستا رہتا ہے،سلگتا رہتا ہے۔میرا دل تمہارے بغیر جل رہا ہے بے بسی سے پگھل رہا ہے۔میرے دل میں گہرائی میں خواہشیں مر رہی ہیں۔اس تپش سے تپ رہی ہیں.....میں خواہشوں کو جلتا دیکھ کر اندر ہی اندر مر رہا ہوں۔بے چینیوں نے میرے اندر پڑاؤ ڈال لیا ہے۔میرے تصورات اور خواب شکوہ کناں نظروں سے میری جانب دیکھ رہے ہیں۔بے چین دل میں طغیانی بڑھ جاتی ہے۔میری روح تمہاری طرف لپکتی ہے۔تمہارے راگ الاپتی رہتی ہے۔دل بے مول غلام کی طرح تمہاری طرف کھنچتا جاتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔

وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔حیرت سے اس کی آنکھیں مزید کھل گئی تھیں۔

''تم انجان ہو بے پرواہ ہو۔اپنے دل کے دروازے بند کر لیتی ہو ان کواڑوں پر قفل لگا دیتی ہو۔اس دروازے کے سامنے کھڑا میرا دل در کھلنے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔یقین کے دیئے جلاتا ہے۔ان کواڑوں کے سامنے اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے۔وہیں خیمہ زن ہو جاتا ہے۔ایک امید کے ساتھ چٹھیاں بھیجتا رہتا ہے۔مدھم پڑتی دھڑکنوں کے ساتھ بے چین سا بولایا بولایا پھرتا ہے۔پھر تھک کر اسی در پر بیٹھ جاتا ہے۔چپ چاپ بے اعتنائی سہتا رہتا ہے۔خاموشی کے ساتھ تغافل کو برداشت کرتا ہے۔مگر حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔!!'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔

''کاش مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہہ سکتا اور تمہاری آنکھوں کی گہرائی میں چھپے ان اسرار ورموز سے آگاہی پا جاتا جن تک میری رسائی ناممکن ہے۔مگر میری ہمت ناپید ہے۔مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ان آنکھوں میں دیکھ سکوں۔ان کی گہرائی کو ناپ سکوں۔جان سکوں کہ ان آنکھوں میں جو اچانک تغیرات بھر جاتے ہیں اس کی وجوہات کیا ہیں؟ در پردہ کیا حقائق ہیں؟؟ ان ٹھہرے ہوئے گہرے پرسکون سمندروں میں اچانک طغیانی کیوں چھا جاتی ہے؟؟ ایک طوفان سا کیوں اٹھا جاتا ہے۔؟؟ اس ارتعاش میں میرا دل ڈوب اور ابھر رہا ہوتا ہے۔ایک عجیب سی بے بسی میں گھر جاتا ہے۔تمہیں کیسے بتاؤں کس قدر دشوار ترین مرحلہ

ہوتا ہے!!وہ دھیمے لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔

ھین شایان شاہ کے ذہن میں جھکڑ چل رہے۔ساری باتیں گڈمڈ ہو رہیں تھیں۔سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔سوچیں الجھ کر گنجلک ہوگئی تھیں۔اس نے آنکھیں زور سے میچ لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

جانے کتنا وقت گزر چکا تھا۔اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔انجان اور اجنبی جگہ.....''میں کہاں ہوں؟؟ آپ کون ہیں اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔کہیں آپ بھی ان لوگوں کے ساتھی تو نہیں ہیں؟؟''اس نے نحیف لہجے میں پوچھا تھا۔اس کے ذہن میں ایک لمحے میں جھماکا ہوا تھا اگر یہ لوگ بھی اس کے ساتھی نکلے تو.....اور اس کے آگے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا تھا۔اس کا دل ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔اس نے تصدیق چاہی تھی۔سوالیہ نظروں سے اظل سیام مرزا کی طرف دیکھا تھا۔اس کی آنکھیں ریاکاری سے پاک اور شفاف تھیں۔

تبھی دادا جان آگے بڑھے تھے۔

''بیٹا میرا نام فیضان مرزا ہے یہ میرا پوتا ہے یہ شہر سے آیا ہے۔وہاں اس کا کافی بڑا بزنس ہے جس کی شاخیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئیں ہیں۔ہماری فیملی معتبر اور قابل بھروسہ ہے۔آپ بے فکر رہیں آپ اگر کسی مصیبت میں بھی تھیں تو اب نہیں ہیں۔آپ محفوظ پناہ میں ہیں۔اسے اپنا ہی گھر سمجھیں آپ میری پوتی کی ہی ہم عمر ہیں تو میرے لیے آپ میری پوتی جیسی ہی ہو۔اب یہ بتاؤ آپ کا نام کیا ہے۔آپ کے والدین کہاں رہتے ہیں۔ان کا کونٹیکٹ نمبر بتا دیں ہم ان کو انفارم کر دیتے ہیں۔آپ جنگل میں کیا کر رہی تھیں۔آپ کو گولی لگتے لگتے بچی ہے۔میرا پوتا شکار پر گیا ہوا تھا۔آپ اچانک اس کے نشانے کے سامنے آگئی تھیں آپ کو اپنی زندگی عزیز ہے کیا۔وہ تو اچھا ہوا بچت ہوگئی۔ورنہ گولی آپ کو نقصان پہنچا سکتی تھی اس سے بھی زیادہ!!''وہ اس کو تفصیلاً بتا کر اس کا خوف کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اور والدین کے ذکر پر اس کی آنکھوں کے کناروں سے کتنے سمندر بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

''آپ رو کیوں رہی ہیں کچھ تو کہیں؟؟ میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔''اظل نے اس سے پوچھا تھا۔اسے لگا شاید تکلیف اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔اس نے کال کرنے کے لیے نمبر ملایا تھا۔

''نہیں۔اس کی ضرورت نہیں۔''اس نے نقاہت سے اسے منع کیا تھا اور اظل کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔اظل نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے والا خوف کم ہوا تھا۔اسے شاید یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ محفوظ جگہ پر تھی۔

''بیٹا.....''دادا جان نے پکارا تھا۔

اس نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ یقین کر سکتی ہو ہم پر۔ بھروسہ کر سکتی ہیں۔ اگر بتانا نہیں چاہتی تو میں اصرار نہیں کرونگا۔ آپ ٹھیک ہو جائیں تو جہاں کہیں گی وہیں چھوڑ دے گا اظل آپ کو۔!!'' دادا جان نے پر شفقت لہجے میں کہا تھا۔ ''اگر آپ کو اعتبار نہیں تو کوئی بات نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

اور اتنی تو اس کو پہچان ہو گئی تھی۔ وقت نے اسے اتنا سکھا دیا تھا کہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے۔ وہ اچھائی کو پرکھ سکتی تھی۔ اور ان کی اچھائی اور مخلصی ان کے چہرے سے چمک رہی تھی۔ وہ ان کی پاک صاف شفاف آنکھیں دیکھ کر اندازہ لگا چکی تھی۔ ان پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں دکھ سے بھیگنے لگیں تھیں۔ وہ دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''میرے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں۔ کچھ مہینے پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ان کی موت واقع ہو گئی تھی اور۔!!'' وہ جملہ مکمل نہیں کر سکی تھی اور اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''اوہ۔!!'' دادا جان کے ساتھ ساتھ وہ بھی شاکڈ تھا۔ ساری کہانی اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''میں.....'' وہ بولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آواز دکھ سے بیٹھ گئی تھی۔ اور الفاظ کھو گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے بتائے۔ کہاں سے شروع کرنا چاہئے تھا۔

''میں بہت مشکل میں تھی۔ آپ کا شکریہ آپ نے مجھے بچایا.....!!'' اس نے اظل کی طرح دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

اور اظل کا دل ایک لمحے میں پسیج گیا تھا اس کے دکھ پر۔ اسے شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا تھا۔ وہ بہت حساس تھا وہ تو کسی کو بھی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اس معصوم سی لڑکی سے اس ایک دکھ تو مشترک تھا۔ وہ حیرت سے اس کی طرح دیکھ رہا تھا۔

''میں نے آپ کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ میری وجہ سے تو آپ کی جان جاتے جاتے بچی ہے۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے کبھی کسی کو تکلیف پہنچانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں مگر آپ کی تکلیف کا سبب بن گیا۔ میں تو حقیقتاً آپ کو درد میں دیکھ کر احساس ندامت سے سر نہیں اٹھا رہا ہوں۔ میرا ایک شوق آپ کی تکلیف کا باعث بن گیا.....!!'' وہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔ آنکھوں میں ندامت کے سائے تھے۔

''نہیں آپ کی وجہ سے میں محفوظ رہی بلکہ میری جان بھی بچ گئی ورنہ!!'' اس نے ایک خوف سے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ بمشکل کھول رہی تھی ان کو۔ دادا جان اسکی حالت سے اندازہ لگا چکے تھے تبھی گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا آپ آرام کریں۔ یہاں آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں آپ کا بھی ایسے ہی دادا ہوں جیسا اظل کا ہوں۔ آپ اب میری ذمہ داری ہیں ٹھیک ہے جائیں تو ہم پھر بات کریں گے۔ ابھی آپ دواؤں کے زیر اثر ہیں۔ انھوں نے کہا تھا اور پھر ملازم کو اشارہ کر کے پاس بلایا تھا۔ اور اس کو کچھ کہا تھا۔ وہ باہر نکل گیا تھا جب واپس آیا تو ایک ادھیڑ عمر عورت اس کے ساتھ داخل ہوئی تھی۔

''جی بڑے صاحب حکم کیجئے۔''اس نے مودب سے انداز میں پوچھا تھا۔

''جنت بی بی یہ میری پوتی ہے۔اس کا خاص خیال رکھنا ہے میں ایک ذرا سی غفلت یا کوتاہی برداشت نہیں کروں گا اس کے معاملے میں.....''انھوں نے باور کروایا تھا۔

''جی بڑے صاحب.....آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔میں بی بی جی کا پورا خیال رکھوں گی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔آپ بے فکر رہیے۔ میں شکایت کا موقع نہیں دونگی۔آج سے پہلے بھی کبھی نہیں دیا آپ جانتے ہیں۔''اس نے یقین دہانی کروائی تھی۔

''تم قابل بھروسہ ہو اس لیے تو تمہیں اپنی پیاری پوتی کی تیمارداری کے لیے بلوایا ہے۔یہ کل ہی امریکہ سے آئی تھی اظل کے ساتھ شکار پر جانے کی ضد کر بیٹھی تھی اور وہاں زخمی ہوگئی۔اس کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرنا ایک لمحے کے لیے بھی اسے اکیلے نہیں چھوڑنا۔اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔یہ میری خاص ہدایات ہیں۔ابھی آپ جائیں اور سوپ بنالاؤ اس کے لیے۔پھر میڈیسن دینی ہیں۔انھوں نے کہانی بنائی تھی اور وہ جانتے تھے اب وہی بات کہی جائے گی جو انھوں نے کہی تھی۔

''جی بہتر۔''وہ باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''بیٹا کیا نام ہے تمہارا.....''انھوں نے شفقت سے پوچھا تھا۔اس نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''عین شایان شاہ۔''اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔اور اظل سیام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اپنے نام کی طرح خوبصورت تھی یا اس کا نام زیادہ خوبصورت تھا۔پہلی بار اس کو غور سے دیکھا تھا۔

''جیتی رہو بیٹا۔آپ ریسٹ کریں پھر ملتے ہیں۔وہ جانے کے لیے باہر کی جانب بڑھے تھے۔اظل نے بھی اس کو دیکھا تھا اور پھر قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔اس نے ان کو جاتے دیکھا تھا تو ایک لمحے کو ایک سوچ.....ایک خیال آ گیا تھا۔

''سنئے.....!!''

اظل نے پلٹ کر دیکھا تھا۔نظروں میں سوال تھے۔میرے ماموں جان کو فون کر سکتے ہیں پلیز۔اس نے کہا تھا۔اس کے لہجے میں درخواست کی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کی طرف آیا تھا اور فون اس کی طرف بڑھایا تھا۔

اس نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔مگر ذہن پر دباؤ شاید زیادہ تھا۔وہ خالی نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی مگر نمبر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر کے فون اس کی طرف بڑھایا تھا۔اس نے فون اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

''آپ ذہن پر زیادہ دباؤ مت ڈالیں۔بعد میں یاد آ جائے گا۔''

تبھی جنت بی بی سوپ کا پیالہ ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ اس طرح آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ اس نے ایک نظر دیکھا پھر قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ وہ شاید سو چکی تھی۔

''بی بی جی۔'' اس نے پکارا تھا۔ اطمینان کرنا چاہا تھا اگر وہ سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر احتیاط سے اس کا کمبل درست کیا تھا۔ اس کے ذہن میں کتنے سوال تھے مگر زبان بند تھی۔ وہ پوچھنے کی جسارت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنی حیثیت سے واقف تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کی اس گھر میں باقی نوکروں کے مقابلے میں اہمیت زیادہ تھی۔ کیونکہ وہ اور اس کی تین نسلیں اس خاندان کی خدمت کر رہی تھی۔ اس نے سوچوں کو جھٹکا تھا اور اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی جیسے برسوں کے بعد سوئی تھی۔ ایک غیر جگہ ہوتے ہوئے بھی وہ اطمینان سے سو رہی تھی۔ حیرت کی بات تھی۔

☆.....☆.....☆

حمیرا بیگم نوکروں پر چلا رہی تھیں۔

''کہاں مر گئے ہو تم سب۔ کس لئے رکھا ہوا ہے تم لوگوں کو۔ مفت کی کھا کھا کر ہٹے کٹے ہو رہے ہو۔ کھایا پیا حرام کر رہے ہو تم لوگ۔ ایک معمولی سی لڑکی تم لوگوں کو چکما دے کر بھاگ گئی اور میرے بھائی کو زخمی کیا اس نے۔ بلکہ ادھموا کر کے پھینک دیا۔ تم سب کہاں مر گئے تھے۔ اسے اٹھا کر میرے سامنے لاتے ہوئے تم لوگوں کو شرم نہیں آئی۔ سب نکمے ہو تم لوگ۔ کسی کام کے نہیں ہو۔ اس سے بہتر ہے چوڑیاں پہن لو۔ میرے بھائی کو کچھ ہو جاتا تو تم سب کو قطار میں کھڑا کر کے گولی مار دیتی یا پھر کتوں کے آگے ڈال دیتی۔ جانتے ہو نا تم لوگ مجھے میرا بھائی کس قدر عزیز ہے۔ اور ویسے بھی اس لڑکی سے تو پرانے حساب بے باق کرنے تھے مجھے۔ میرے ہاتھ سے آیا ہوا شکار نکل گیا تم لوگوں کی وجہ سے۔ تم لوگوں کی نالائقی کی وجہ سے یہ سب ہوا۔ صدیوں اس ایک لمحے کا انتظار کیا تھا۔ تم لوگوں کی ایک لمحے کی غفلت نے سارا بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ ابھی جاؤ تم سب اور تلاش کرو اسے وہ زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ اس گھنے جنگل میں زندہ رہنا دشوار ہے۔ اس سے پہلے کوئی جنگلی جانور اسے کھا کر آسان موت دے تم لوگ اسے میرے سامنے لاؤ تاکہ میں اسے وہ سزا دو جو اس کی آنے والی سات نسلوں کے چودہ طبق روشن کر دے۔ اور اگر وہ نا ملی تو سوچ لینا تم لوگوں کا میں کیا حال کروں گی۔ برسوں سے اس تکلیف سے گزری ہوں۔ اس سے ایک ایک لمحے کا جب تک حساب نہ لے لوں چین نہیں ملے گا مجھے.....!!'' وہ آگ بگولہ ہو رہی تھیں غصے سے۔ ان کی ماتھے کی رگیں تنی ہوئیں تھیں۔ سارے نوکر ایک قطار میں سر جھکائے کھڑے کانپ رہے تھے۔ وہ ان کے غصے سے واقف تھے وہ جو کہتیں تھی وہ کر گزرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگاتیں تھیں۔

وہ ان لوگوں کے جھکے سر دیکھ کر دھاڑ رہی تھیں۔ ''اس لڑکی نے اپنے حصے میں ایک گناہ اور لکھوا دیا۔ جتنے زخم اس نے میرے بھائی کو دیے ہیں اس کا خمیازہ تو اسے بھگتنا ہی ہو گا۔ کچھ بھی کرو۔ اگر وہ زمین کے اندر بھی چھپ گئی تو نکال کر اسے میرے سامنے کھڑا

کردو۔ ورنہ تم لوگوں کی خیر نہیں ہے۔'' انھوں نے آگ اگلتی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا اور لہجہ تحکم بھرا تھا۔ لہجے میں رعونت تھی۔

''اب یہاں کھڑے میرا منہ کیوں دیکھ رہے ہو۔ دفعہ ہو جاؤ نظروں کے سامنے سے اور خالی ہاتھ واپس مت آنا۔'' انھوں نے تنبیہ کی تھی۔

''بیگم صاحبہ ہمیں ایک موقع دے دیں۔ جانے نگاہ کیسے چوک گئی۔ وہ تیر کی تیزی سے بھاگی تھی اور گھنے جنگل میں غائب ہو گئی اچانک۔ تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی تھی۔ چپہ چپہ چھان مارا تھا مگر اسے تو لگتا ہے جیسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا ہو۔ مگر آپ بے فکر رہیں۔ ہم اسے ڈھونڈ ہی لیں گے۔ آخر بچ کر کہاں جائے گی۔'' خادم نے کہا اور پھر الٹے قدموں چلتا ہوا باہر نکلتے ہوئے باقی ملازمین ساتھ لے گیا تھا اور حمیرا بیگم نے ایک نظر بے سدھ پڑے بھائی کو دیکھا تھا۔ پھر ملازم کو پکارا تھا۔

''ظفرو۔''

وہ وہ تو جیسے حکم کا منتظر باہر کھڑا تھا اگلے ہی لمحے وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ۔ حکم کریں!!''

تم یہاں سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ادھر ادھر نہیں ہو گے۔ یہاں سے ہلو گے بھی نہیں جب تک کہ غضنفر کو ہوش نہیں آ جاتا۔ اس کی پلنگ کی پٹی کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاؤ ورنہ.....'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''جی بیگم صاحبہ۔ میں ان کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔'' اس نے یقین دہانی کروائی تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اور قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے پھر جاتے جاتے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ جب اسے ہوش آ جائے تو مجھے مطلع کر دینا۔'' انھوں نے حکم دیا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کو اطلاع کر دونگا فوراً۔'' وہ مؤدب انداز میں کہہ رہا تھا۔

اور حمیرا بیگم مطمئن ہو کر باہر کی طرف بڑھی تھی۔ آنکھوں میں غصے کی آگ اسی طور بھڑک رہی تھی۔ اسے اس لڑکی کی ہمت کی داد دینی چاہئے تھی جو ان کے چنگل سے نکل بھاگی تھی۔ اس میں ضرور اس بڑھیا کا ہاتھ ہو گا۔ اس کے دماغ میں ایک جھماکا ہوا تھا۔ اور وہ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے دماغ میں یہ پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ اس سارے واقعے کے پیچھے ضرور اس بڑھیا کا دماغ چل رہا ہو گا ورنہ اس کی ایسی ہمت۔ اس نے سوچا تھا اور غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''صاحب جی وہ فخرو آیا ہے۔ آپ سے کچھ خاص بات کرنی ہے اسے۔ میں نے پوچھا بھی مگر بتا نہیں رہا ہے۔ آپ کا حکم ہو تو اندر بھیج دوں؟'' ملازم نے اندر آ کر اطلاع دی تھی۔ اظل سیام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

اور پھر تحکم بھرے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''جلدی اندر بھیجوا سے اور سنو۔'' ملازم کے بڑھتے قدم رکے تھے اور اس نے پلٹ کر مالک کی طرف دیکھا تھا۔''کسی کو کمرے میں آنے کی اجازت مت دینا جب تک میں نہ کہوں۔''اس نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''جی مالک۔خیال رہے گا۔''اور ملازم باہر کی طرف بڑھا تھا۔

تبھی فخرو نے اندر آنے کی اجازت چاہی تھی۔

''کیا خبر لائے ہو فخرو؟''اظل سیام مرزا نے پوچھا تھا۔

''سب پتہ چل گیا ہے صاحب۔''اس نے پوری کہانی اس کے گوش گزار کر دی تھی اور اظل سیام مرزا نے بے یقین نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہیں پورا یقین ہے فخرو جو خبر تم لائے ہو اس میں کوئی صداقت ہے؟؟''انھوں نے تحکم بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''جی صاحب۔خبر سولہ آنے کھری ہے۔ سچی ہے۔اس سچائی کو ماننے سے دماغ انکاری ہے۔مگر رشتوں کا خون سفید ہونے والے محاورے کی صداقت اس پر ہی لکھی ہے۔''اس نے کہا تھا۔''آپ جانتے ہیں نا صاحب میں آپ کا وفادار ہوں غلط خبر یا کوئی غلط اطلاع آپ کو کبھی نہیں پہنچاتا۔جو سچ اپنے اثر ورسوخ سے پتہ چلا وہ آپ کے گوش گزار کیا۔''

تبھی دادا جان اندر داخل ہوئے تھے۔فخرو باہر نکل گیا تھا۔

انھوں نے پوچھا تھا۔

''فیض بتا رہا تھا فخرو کوئی خاص خبر لے کر آیا ہے تو مجھے لگا کوئی خبر ضرور اس بچی سے جڑی ہوئی ہوگی۔تبھی میں چلا آیا۔میرا تو دل بے حد پریشان ہے اس کو اس حالت میں دیکھ کر جانے کس کے دل کا ٹکڑا ہے۔والدین کے گزر جانے کے بعد کیسی صعوبتوں سے گزرنا پڑا ہوگا اسے۔اتنی خوف زدہ لگ رہی ہے۔میں نے تمہاری دادی جان کو فون کر کے اطلاع دے دی ہے وہ آتی ہی ہوگی۔تب وہ اس صورتحال کو بہتر طور پر ہینڈل کر سکے گی۔وہ بچی ضرور اس پر بھروسہ کرے گی۔شاید اس کو بتانے میں اسے کوئی قباحت نہیں ہوگی۔''انھوں نے کہا تھا۔

''آپ نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے دادا جان۔وہ ضرور ان کو سنبھال لیں گی۔''تبھی اس نے وہ ساری باتیں ان کو بتا دیں تھیں جو اسے فخرو سے پتہ چلی تھیں۔

دادا جان ساکت سے دیکھ رہے تھے۔''تبھی مجھے لگا تھا وہ یہاں کی نہیں لگتی۔میرا اندازہ صحیح تھا۔''انھوں نے سر افسوس سے ہلایا تھا۔

''جی دادا جان آپ کا اندازہ درست تھا۔اب اس لڑکی سے ہی اصل حقیت پتہ چلے گی۔ابھی تو وہ دواؤں کے زیر اثر ہے۔نیم غنودگی میں ہے۔میں دو تین مرتبہ اسے جا کر دیکھ چکا ہوں۔گہری نیند میں ہے۔جیسے برسوں کے بعد چین کی نیند سوئی ہو۔یا پھر دواؤں کا

اثر ہے۔ درد کی شدت کم ہے شاید۔ جنت بی بی بتا رہی تھیں ایک دو بار آنکھیں کھلی تھیں ان کی مگر پھر سو گئیں تھیں۔ کچھ کھایا پیا نہیں ہے انھوں نے۔ سوپ یونہی پڑا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ میں نے جنت بی بی سے کہا تھا جیسے ہی بی بی جاگیں مجھے اطلاع دینا۔'' وہ تفصیلاً دادا جان کو بتا رہا تھا۔

''تم نے اچھا کیا ہے۔ شاید تمہارے ہاتھوں اس معصوم لڑکی کی زندگی بچنا لکھا تھا۔ تم سبب بن گئے۔'' انھوں نے دھیمے لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ فکر مندی اور بے چینی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''میری وجہ سے تو وہ مرتے مرتے بچی ہے دادا جان۔ میں تو بے حد برا محسوس کر رہا ہوں میں نے تو اسے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ تو.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو بیٹا۔ وہ ابھی ٹھیک ہے معمولی سے زخم ہیں وہ تو بھر ہی جائیں گے۔ مگر تم اس طرح سوچو گے تو غلط ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے وہ محفوظ ہے اور وہ زندہ سلامت بھی۔'' انھوں نے فکر مندی سے اسے دیکھتے ہوئے سمجھایا تھا۔

''دیکھو اگر تم پریشان ہو گے تو میں بھی فکر مند ہو جاؤں گا۔ تم جانتے ہو نا تم مجھے کس قدر عزیز ہو۔ تم میں تو میری جان ہے بیٹا۔ فرحانہ نے تمہیں میرے ہاتھوں میں سونپا تھا۔ تم ہو تو میں ہوں۔'' انھوں نے اسے گلے لگایا تھا۔

''وہ بچی بہت بہادر ہے۔ اس نے حوصلے سے ان حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ امید ہے وہ جاگے گی تو قدرے بہتر ہوگی۔ کیونکہ نیند تو تندرستی کی علامت ہوتی ہے۔ بیمار انسان کو تو نیند بھی نہیں آتی۔'' انھوں نے مدھم لہجے میں سمجھایا تھا۔

''آپ آرام کیجئے دادا جان میری وجہ سے آپ بھی ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

''تم مجھ سے الگ تو نہیں ہونا۔ تم نے مجھے پریشان نہیں کیا بلکہ مجھے تو ہمیشہ سے ہی تم پر ناز تھا اب اور بھی ہو گیا ہے۔ کیونکہ تم میں انسانیت ہے۔ تمہارا دل نرم ہے۔'' انھوں نے اسے سراہا تھا۔

''چلئے ابھی آپ آرام کریں میں آپکو کمرے میں چھوڑ آتا ہوں۔'' انھوں نے کہا تھا

''نہیں میں خود چلا جاؤں گا۔ میں ابھی جوان ہوں۔ بوڑھا تھوڑی ہوا ہوں۔'' انھوں نے مسکرائے ہوتے ہوئے ماحول کی کثافت کو دور کیا تھا۔

''ٹھیک کہتے ہیں آپ تو ابھی تک تندرست و توانا ہیں۔ آپکے ساتھ بھاگتے ہوئے میں ہمیشہ پیچھے رہ جاتا ہوں، ہار جاتا ہوں''۔ وہ مسکرائے ہوئے تسلیم کر رہا تھا۔

''تم جانتے ہو۔ جب تم مسکراتے ہو تو میرے اندر سیروں خون بڑھ جاتا ہے اور میں خود کو اور بھی جوان اور تر و تازہ محسوس کرتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''میں جاتے جاتے اس بچی کو بھی دیکھ لوں گا۔'' انھوں نے جانے کے لئے قدم بڑھائے تھے۔

اظل نے ان کو جاتا ہوا دیکھا تھا۔ان کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر خود الجھنوں میں گھر گیا تھا۔اس نے فون اٹھایا تھا اور کوئی نمبر ڈائل کیا تھا۔پھر فون کان سے لگایا تھا۔جواب کا انتظار کیا تھا۔بیل مسلسل ہو رہی تھی۔پاپا فون نہیں اٹھا رہے تھے۔اسے پریشانی ہوئی تھی۔اس نے دوبارہ ٹرائی کیا تھا مگر جواب ناپید تھا۔تیسری مرتبہ ٹرائی کرنے پر کسی نے فون پک کر لیا تھا۔

''پاپا آپ ٹھیک تو ہیں میں کب سے آپ کو فون کر رہا ہوں آپ کال کیوں پک نہیں کر رہے تھے؟؟''میں تو فکر مند ہو گیا تھا۔اس نے پریشانی سے کہا تھا۔

تمہیں کوئی کام ہے؟؟ بار بار فون کر کے کیوں ڈسٹرب کر رہے ہو تم۔وہ ابھی باہر نکلے ہیں جلدی میں فون گھر میں بھول گئے ہیں۔ابھی ڈایئور آ رہا ہے فون لینے پھر جی بھر کے بات کر لینا ان سے۔''مسز عالیہ نے تلخی سے کہا تھا اور اس نے گہرا سانس لیا تھا۔اس کے سارے منہ میں کڑواہٹ سی گھل گئی تھی۔

وہ اس سے بات کرنے سے ہمیشہ کتراتا تھا۔اس کا بس چلتا تو اس سے کبھی بات ہی نہ کرتا۔وہ حتی الامکان کوشش کرتا تھا اس سے سامنے نہ ہو۔اگر کبھی ہو بھی جاتا تو کنی کترا کر انھیں نظر انداز کر کے گزر جانا چاہتا تھا۔مگر مروتاً بابا کی خاطر ان سے بات کرنی پڑ جاتی تھی مگر ان کا لہجہ ہمیشہ اتنا ہی سخت ہوتا تھا۔آج بھی وہ کب کا فون رکھ چکی تھیں۔

وہ نہیں جانتا تھا ان کو کس رشتے سے مخاطب کرنا چاہئے۔وہ بابا کی بیوی تھیں مگر اس کی ماں نہیں بن سکی تھیں۔انھوں نے اپنے تلخ برتاؤ سے اس کے اندر بھی تلخی بھر دی تھی۔ایک کڑواہٹ سی بھر گئی تھی اس کے اندر۔وہ انہیں مما کہتا تھا مگر انھوں نے منع کر دیا تھا ایک مرتبہ۔انھوں نے کہا تھا۔وہ اس کی ماں نہیں تھی اس لیے وہ انہیں آنٹی کہہ سکتا ہے۔مگر اس نے اس کے بعد ان کو مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔اور جب اس نے ہوش سنبھالا اس نے انھیں مسز عالیہ کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔پاپا نے حیرت سے وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی۔تب عالیہ نے کہا تھا کہ انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔اگر وہ اسے مسز عالیہ پکارتا تھا اور اسے اپنی ماں نہیں سمجھتا۔اور وہ ان کی دوہری پالیسی سے حیران ہوا تھا مگر پھر اسے سمجھ آنے لگا تھا۔وقت اسے سمجھا رہا تھا۔اور وہ سمجھ بھی گیا تھا۔اور جب وہ بابا کے ساتھ بزنس سنبھالنے لگا تھا تب ان کو اعتراض ہوا تھا۔مگر بابا کے سامنے ان کی زیادہ چلی نہیں تھی۔ان کے اندر ایک احساس پل رہا تھا کہ کہیں وہ سارے بزنس پر قابض نہ ہو جائے۔تب اس کے بچوں کا مستقبل غیر محفوظ ہو جائے گا۔جانے اور کتنے ڈر تھے ان کے اندر مگر اس کا رشتہ کچھ اتنا اچھا نہیں تھا ان کے ساتھ۔مگر بظاہر سب ٹھیک تھا۔اسے ذاتی طور پر ان سے کوئی شکوہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایشو تھے ان کے ساتھ۔ابھی بھی ان کی آواز سن کر ایک عجیب سا احساس اس کے اندر بھر گیا تھا۔ایک کڑواہٹ اندر گھل گئی تھی۔یہاں آ کر وہ ساری تلخی جانے کہاں بھاگ جاتی تھی۔شاید یہاں محبت تھی جو اس کڑواہٹ پر بھاری پڑ جاتی تھی۔اس نے سوچوں کو جھٹکا تھا اور پھر باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ جانے کتنی دیر سے سو رہی تھی۔ مگر درد کا احساس نیند میں بھی تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کو نہایت نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول کر کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ اور پھر اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی۔ سر قدرے بھاری ہو رہا تھا۔

جنت بی بی نے اسے اٹھتے دیکھا تھا تو تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے قریب پہنچی تھی۔

''صبح بخیر بی بی جی۔ آپ ٹھیک محسوس کر رہی ہیں اب؟؟'' اس نے تابعداری سے پوچھا تھا۔

اور وہ حیران رہ گئی تھی اتنی دیر وہ سوتی رہی تھی۔ کیسے سو پائی وہ اتنی بے خبری کی نیند ایک عرصے کے بعد۔

اس نے بازو اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر درد کی ٹیس اٹھ گئی تھی۔

''بی بی جی آپ ٹھہریئے مجھے بتایئے کیا چاہیے۔ میں کر دونگی۔ آپ حکم کریں۔'' اس نے تابعداری سے پوچھا تھا۔

''وہ دادا جان؟؟'' اس نے دادا جان کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس کے ذہن میں ان کا چہرہ ٹھہر گیا تھا۔ انھوں نے کتنی شفقت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''وہ کافی بار آ چکے ہیں کل سے۔ آپ اتنی گہری نیند میں تھیں کہ اٹھانا مناسب نہیں سمجھا وہ آپ کے آرام میں خلل نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کی خاص ہدایت تھی کہ کوئی آپ کو ڈسٹرب نہ کرے۔ ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ کے اٹھنے کا انتظار تھا۔ اگر آپ چل سکتی ہیں تو میں آپ کا منہ ہاتھ دھلوا دیتی ہوں۔'' اس نے تفصیلاً بتایا تھا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔ میں خود کر لوں گی۔'' اس نے کہا تھا اور اٹھنے کی کوشش کی تھی قدم زمین پر رکھے تھے۔ اور وہ اپنے پیر دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اتنے سوجے ہوئے پیر اور جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ اسے کل کا سارا منظر یاد آ گیا تھا۔ جب وہ جنگل میں بھاگ رہی تھی۔ جوتا جانے کہاں کھو گیا تھا۔ شاید وہ ننگے پاؤں تھی۔ اسے کچھ خاص یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پیر بمشکل زمین پر لگ پائے تھے۔ وہ تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے دو قدم چلی تھی۔ گرنے والی تھی مگر تبھی جنت بی بی نے تھام لیا تھا۔

''یہ چپل لیں بی بی جی آپ چل نہیں سکتیں زخم گہرے ہیں۔ بڑے صاحب کو پتہ چل گیا تو میری نوکری چلی جائے گی۔'' اس نے دہائی دی تھی۔ بے بسی سے کہا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا۔؟؟ اس نے تحکم بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''میرا نام جنت ہے بی بی جی۔ میں اس خاندان کی وفادار ملازم ہوں۔ میرے خاندان کی گزشتہ تین نسلوں نے اس خاندان سے وفاداری نبھائی ہے۔ آپ مجھ بروسہ کر سکتی ہیں۔ آپ اس خاندان کی بیٹی ہیں۔ اس گھر کی عزت ہیں۔ آپ کیلئے جان بھی حاضر ہے۔!!''

وہ اپنی وفاداری کا یقین دلا رہی تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ منہ دھوتے ہوئے شیشے میں اچانک اپنا عکس دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ یہ وہ تھی۔ اتنی اجڑی ہوئی

شکل۔ الجھے اور بکھرے ہوئے بال۔ چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا تھا۔ جانے اسے کیا سوجھی تھی۔ اس نے بینڈ تیج اتار کر ڈسٹ بن میں ڈالی تھی اور خود شاور کے نیچے کھڑی ہو گئی تھی۔

جنت بی بی باہر کھڑی چیخ رہی تھی۔

''بی بی جی زخموں پر پانی نہیں لگنے دیں۔ زخم خراب ہو جائیں گے۔!!'' وہ حکم کی غلام تھی۔ مالکوں سے وفاداری اس کی سرشت میں تھا۔ مگر حین شایان شاہ نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی مالک کو بتانا ضروری تھا وہ جاگ چکی ہیں۔ انھوں نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا سو کچن میں جا کر ضروری ہدایات دیں تھیں اور جب واپس کمرے میں داخل ہوئی تو وہ شاور لے کر کمرے میں واپس آ چکی تھی۔

بی بی یہ کیا آپ گیلے کپڑوں میں کیوں کھڑی ہیں۔ آپ کا وارڈ روب تو کپڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ ابھی دادا جان آ گئے تو میری تو خیر نہیں۔ چلئے میرے ساتھ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واش روم میں لے کر گئی تھی۔ اس کی وارڈ روب کھول کر ایک ڈریس نکال کر اسے دیا تھا۔ پھر کہا تھا۔

''آپکی دادی جان آ چکی ہیں وہ آپ سے ملنے کو بے تاب ہیں انھوں نے ناشتے میں آپ کے لیے بہت کچھ بنایا ہے۔ آپ جلدی سے تیار ہو جایئے!!'' وہ کہہ کر پلٹی تھی۔

''میں باہر کھڑی ہوں بی بی جی!!''

حین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اور وہ چینج کر کے باہر نکلی تو ایک نفیس سی خاتون اس کی طرف بڑھیں تھی۔

''کیسی ہے میری بیٹی اب؟؟'' انھوں نے شفقت سے اسے گلے سے لگایا تھا۔

اور حین شایان شاہ حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ وہ لوگ اتنے شفیق کیسے ہو سکتے ہیں اس خود غرض دنیا میں جہاں اپنے بھی دشمن بن کر دھاک لگائے بیٹھے تھے۔

چیر پھاڑ کر کھانے میں ایک لمحے کی دیر ہی نہیں لگاتے تھے۔

تبھی جنت بی بی ناشتے کی بھری ہوئی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

''چلو ناشتہ کرو بیٹا۔'' انھوں نے پر شفقت لہجے میں کہا تھا۔

اور پھر اس کو اپنے ہاتھ سے کھلانے لگیں تھیں۔

''میں خود کھا لونگی۔'' ایک کمزور سا احتجاج کیا تھا۔

؟؟تم ضرور خود کھانا مگر جب تمہارا بازو ٹھیک ہو جائے گا۔ کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا ڈاکٹر کب سے انتظار میں آیا بیٹھا ہوا ہے۔

تم نے زخموں پر پانی لگا دیا۔ ابھی بینڈ یج ضروری ہے۔ اب جلدی سے کھاؤ۔'' انھوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''جنت بی بی تم جاؤ جب ضرورت ہوگی تو تمہیں بلا لوں گی۔'' رضیہ بیگم نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا اور جنت بی بی نے حکم کی تعمیل کی تھی۔

ان کو لگ رہا تھا وہ نوکرانی کے سامنے کچھ کمفرٹ ایبل نہیں محسوس کر رہی تھی تبھی انھوں نے اس کے خیال اسے باہر بھجوا دیا تھا۔

''بیٹا تم ہم پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ میں تمہاری دادی جیسی ہوں۔ تم جو چاہو وہ کہہ سکتی ہو۔ کہیں بھی جا سکتی ہوں تم پر کوئی پابندی نہیں ہے مگر ترجیح تمہاری صحت ہے۔ یہاں کوئی ڈر کوئی خوف نہیں ہے۔ میں اظل کی دادی ہوں اس ناطے سے تم بھی مجھے دادی بلا سکتی ہو اور تمہارا کھانا بے حد ضروری ہے کیونکہ اگر کھانا نہیں کھایا تو طاقت کیسے آئے گی اور طاقت نہیں ہوگی تو خطرات کا مقابلہ کیسے کر پاؤ گی۔''

اور اس کی آنکھیں اچانک ہی بھر آئی تھیں۔ اس نے تو کتنے دنوں سے یا شاید مہینوں سے ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔ ماما پاپا کیا گئے تھے اس کی بھوک پیاس بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اس کی خوشیاں۔ اس کی زندگی۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی دفن ہو گیا تھا۔ وہ تو چلتی پھرتی بے جان جسم تھی شاید۔ جسے جینے کے لیے ایک ایک لمحہ جنگ کرنی پڑ رہی تھی۔

نفیسہ بیگم کی جہاں دیدہ نگاہوں نے راز پا لیا تھا شاید۔ اسے تھام کر سینے سے لگایا تھا۔ ان کی ممتا بے قرار ہو گئی تھی۔ ان کی تو بھی ایک بیٹی تھی جس کی موت انہیں آج بھی دہلا دیتی تھی۔ سوتے میں سے جگا دیتی تھی۔ انھوں نے زندگی کے اتار چڑھاؤ دیکھے تھے۔ وہ جانتی تھیں وہ معصوم سی لڑکی جو زخموں سے چور چور تھی کیسی تکلیف سے گزر رہی تھی مگر بڑی بہادری سے لڑ رہی تھی۔ شاید کبھی کبھی بہت کچھ بتانے کے لیے ڈھیر سارے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ساری صورت حال بیان ہو جاتی ہے بنا کہے ہی۔ آنسو اور چہرہ ساری داستان بیان کرتے دیتے ہیں۔ سارے احوال سنا دیتے ہیں۔

''بیٹا تمہارے والدین کا سن کر گہرا صدمہ ہوا۔ یہاں کس کے پاس ٹھہری تھی تم؟ کوئی اپنا سگا تو ہوگا جس پر تم بھروسہ کر سکتی ہو؟؟'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ایک ماموں جان ہیں مگر کل مجھے ان کا نمبر یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ میرا سیل فون کہیں گر گیا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ تم نام بتا دینا اپنے دادا جان کو۔ وہ سب پتا چلا لیں گے۔ ان کے کافی اثر و رسوخ ہیں۔ تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔'' انھوں نے اطمینان دلایا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ابھی بھی ایک خوف کی تصویر آ رہی تھی۔

''مجھے اپنی نانی جان کو بتانا ہے ان کو اپنی خیریت سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' اس نے فکرمندی سے کہا تھا۔ نانی جان کا پرنور چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم گیا تھا۔ وہ کتنی بے بس تھیں نا۔ نانا جان کی موت نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ وہ گھر

جس میں راج کرتیں تھیں بااختیار تھیں مگر نانا جان کی موت کے بعد بہو اور بیٹوں نے سارے اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ اور ان کو ایک کمرے میں ڈال دیا تھا۔ جب وہ وہاں آئی تھی تو ان کو دیکھ کر دکھ سے اس کا دل بھر گیا تھا۔ وہ بھی ان جیسی ہی بے بس تھی۔ ماما پاپا کی اچانک موت نے اس کو پوری دنیا میں تنہا کر دیا تھا۔ جو رشتے دار تھے ان کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ملنا تو دور اس کے گھر میں تو کبھی ان کا ذکر بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی دنیا تو ماما پاپا اور وہ ان کی اکلوتی بیٹی جوان کی محبت کی بلاشرکت غیرے مالک تھی۔ وہ صرف مجاہد ماموں کو جانتی تھی جو کبھی کبھی چکر لگا لیتے تھے۔ وہ جب بھی آتے ہولے ہولے کچھ کہتے تھے ان کی باتیں بہت مخفی ہوتی تھیں۔ جب وہ اندر داخل ہوتی تو وہ چپ ہو جاتے تھے۔ ماما کی آنکھوں میں بھی ایک ایسا ہی خوف بھر جاتا تھا۔ جیسا اس کی آنکھوں میں اس وقت بھرا ہوا تھا۔ وہ کتنی پرسکون تھی مگر اب۔ اس سے کچھ سوچا نہیں جا رہا تھا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔

''تم دماغ پر زیادہ زور نہ دو۔ آرام کرو۔'' انھوں نے اس پر دست شفقت رکھا تھا اور پھر قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔

اور ھین شایان شاہ نے سر بے بسی سے تکیے پر رکھ دیا تھا۔ سوچوں نے اس پر غلبہ پالیا تھا تبھی ڈاکٹر کو ساتھ لیے جنت بی بی اندر داخل ہوئی تھی۔

''بیٹا کیسے ہیں آپ؟؟ درد کل سے کم ہے نا؟؟'' پھر اسکے زخم کو بغور دیکھا تھا اور بینڈیج کر دی تھی اور پھر اسکی طرف مڑے تھے۔

''میڈیسن ٹائم پر لیجیے گا۔ آج قدرے بہتر ہے زخم۔'' انھوں نے کہا تھا۔

وہ جا چکے تھے اور جنت بی بی ان کو چھوڑنے باہر گئی تھی۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ وہ ساتھ ٹیبل پر بڑا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالنے کے لیے مڑی تھی مگر گلاس ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

تبھی اظل نے دروازے پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت چاہی تھی اور پھر تیزی سے طرف بڑھا تھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو جنت بی بی کہاں غائب ہو گئی ہیں؟'' اس نے غصے سے کہا تھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو فریش تھی کل سے بالکل الگ لگ رہی تھی

''آپ کو کچھ چاہیے؟؟'' اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔

وہ پانی پینا تھا۔'' اس نے بمشکل کہا تھا۔

وہ چلتا ہوا سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا تھا اور پانی کی بوتل اس کی طرف کھول کر بڑھائی تھی۔ اس نے پانی پینے کے بعد بوتل اس کی طرف بڑھائی تھی جو منتظر سا کھڑا تھا۔ وہ اپنے عمل پر حیران تھا۔ وہ کیسے اس کے سامنے مودب سا کھڑا تھا حالانکہ اس نے خود کبھی ہل کر پانی نہیں پیا تھا۔

''کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔ ڈاکٹر باسط کہہ رہے تھے آپ کے زخم قدرے بہتر ہیں آج مگر بخار ابھی ہے مگر کل سے کم ہے۔

آپ نے ناشتہ تو کیا ہے نا اچھی طرح؟؟؟'' وہ اس کے سامنے کھڑا نظریں اس کے چہرے پر جمائے پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس نے اطمینان کیا تھا پھر کتنی ہی دیر تک خاموشی رہی تھی وہ جانے کے لیے پلٹا تھا۔

''سنیے.....!!'' اس نے اسے جاتے دیکھ کر پکارا تھا۔

جی کہیے!!'' اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نظروں میں کتنے سوال تھے وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ میری رہائش کا کہیں انتظام کر سکتے ہیں جب تک ماموں آ نہیں جاتے؟؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی کل ہی تو ملی تھی اس سے۔ اس سے پوچھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر یہ ضروری تھا۔ اس کے اندر چھپی غیرت مند لڑکی کا کسی کا احسان لینا برا لگا رہا تھا۔ اس نے دوپٹے کو مضبوطی سے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

اظل سیام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''یہاں آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟ کیا ہم اچھی مہمان نوازی کرنے میں ناکام رہے ہیں جو آپ اس طرح سے کہہ رہی ہیں؟؟ آپ ہمیں احساس دلا رہی ہیں کہ ہم اچھے مہمان نواز نہیں ہیں۔ ایک بار جو ہماری پناہ میں آتا ہے مدد کی درخواست کرتا ہے تو ہم جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کو پناہ دیتے اور محفوظ رکھتے ہیں چاہے اس میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ ہم اپنی روایت اور اقدار سے جڑے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمیں انسانوں کی پہچان ہے۔ جو خوف آپ کی آنکھوں میں چھپا ہے اور ایک ڈر نے آپ کو ہراساں کر دیا ہے۔ اس کی وجہ تو سمجھ میں آ رہی ہے مگر اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے تک کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کو کہیں بھی جانا ہو تو آپ آ جا سکتیں ہیں۔ نوکروں کی ایک قطار ہے آپ کے ایک حکم پر دوڑے چلے آئیں گے۔'' انھوں نے بارعب لہجے میں اس کی یقین دہانی کروائی تھی۔

''مگر مجھے کسی کا بھی احسان لینا پسند نہیں ہے۔ میں آپ کا مزید احسان نہیں لے سکتی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں دبا دبا سا احتجاج کیا تھا۔ جیسے اسے اختلاف تھا اس کی باتوں سے۔

''میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ بلکہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ آپ صحیح سلامت ہیں۔ اگر آپ کو گولی لگ گئی ہوتی تو شاید میں ساری عمر ایک احساس جرم میں گزارتا۔ میں شاید اس جرم کا بوجھ اٹھا نہ پاتا۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ھین شایان شاہ نے نظروں کا رخ پھیرا تھا۔

''آپ ٹھیک ہو جایئے تب آپ کو اجازت ہوگی۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے نا ہی کوئی قدغن لگائی ہوئی ہے۔ آپ قید میں قطعی نہیں ہیں۔ اب میں اس بات کی یقین دہانی کرواتا ہوں اور ایک بات اور.....'' وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔ شاید اس کی توجہ چاہی تھی۔ وہ جو چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اس کے رک جانے پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں مگر اچھائی کی پہچان اور اس کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ دل خود کسی پر اعتبار کرنا جانتا ہے۔ وہ ترغیب دیتا ہے کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور کون قابل بھروسہ نہیں ہے۔ آپ کو بھی یہ پہچان ہونی چاہے۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے۔ میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں آپ غیرت مند اور خوددار ہیں۔ احسان لینا پسند نہیں کرتیں ہیں آپ۔ مگر مہمان بن کر خدمت کا موقع تو دے سکتیں ہیں نا جب تک آپ کے ماموں جان آپ کو لینے کے لیے نہیں آجاتے اور جب تک ہم مطمئن نہیں ہو جاتے کہ وہ واقعی آپ کے ساتھ سنسیئر ہیں بھی یا نہیں۔ اس بات کا اطمینان کرنا ضروری ہے۔ یہاں لوگ کم ہیں۔ علاقہ بڑا نہیں ہے کسی بھی بات کا پتہ چلانا مشکل نہیں ہے۔ کوئی بات چھپ نہیں سکتی زیادہ دیر تک اور پتہ چلنا کچھ زیادہ دشوار بھی نہیں ہوتا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں باور کروایا تھا۔ وہ در پردہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سب جان گیا تھا۔ اس سے چھپا ہوا نہیں تھا وہ کن حالات سے گزر کر یہاں تک آئی تھی۔

''عین شایان شاہ نے نگاہوں میں حیرت لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔ تو کیا وہ سب جان گیا تھا۔ اسے ایک احساس مار گیا تھا۔ اس کے خاندان کی سبکی اس کے سامنے ہو گئی تھی۔ جس بات کو وہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ رشتوں پر سے جو اس کا اعتبار ٹوٹا تھا اس کو کسی اور کو بتا کر ہمدردی حاصل کرنا اس کا مقصد قطعی نہیں تھا۔ نا ہی اسکی یہ عادت تھی اور نا ہی فطرت۔ اسکی ماما ہمیشہ ایک بات کہتی تھی۔ اپنی کمزوری کو کسی اور کے سامنے عیاں کبھی مت کرنا۔ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرے گا!!'' وہ اپنی ماما کی کہی ہوئی بات کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

''مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے نا ہی کوئی شکایت۔ ہر کوئی اپنی کیے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جو جیسا کرے گا وہ ویسا بھرے گا۔ میں کسی کے لیے برا نہیں سوچ سکتی خواہ وہ مجھے تکلیف ہی کیوں نہ پہنچا دے۔ میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی!!'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''مگر کل اس انسان کو ایسا سبق سکھایا اسے تو مہینوں لگیں گے بستر سے اٹھنے میں۔ میں کسی کو آسانی سے معاف نہیں کر سکتا۔ حق کے لیے آواز اٹھانی پڑتی ہے ورنہ دوسرے آپ کو کمزور سمجھ کر آپ پر قدم رکھ کر گزر جانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ بالکل ایسے ہی جیسے مگر مچھ چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتا ہے!!'' وہ اس کو باور کروا رہا تھا اور اسے سخت برا لگا تھا اس کا اس طرح جتانا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں ہو گئے تھے۔

''میں کمزور قطعی نہیں ہوں۔ اور اپنے معاملے کو حل کرنے کے لیے مجھے کسی اور کی مدد کی ضرورت قطعی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کوئی مدد کی درخواست کی ہے۔ میں کم ہمت اور کم حوصلہ نہیں ہوں۔ اپنی بقا کی جنگ خود لڑ سکتی ہوں۔ اور آپ کو کسی کو بھی سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اس نے کھلے لفظوں میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ عمل اسے پسند نہیں آیا تھا۔

''آپ خود بھی تو انسانیت کے زمرے سے نکل رہے تھے۔ آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟ معصوم جانور پر گولی چلانا ان کی جان لینا اپنے مفاد کے لیے۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے.....؟؟ ان معصوم جانوروں پرندوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟؟'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی

تھی۔ غصے سے اس کو کھری کھری سنائی تھیں۔ وہ کل والی لڑکی قدرے مختلف روپ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ چہرے پر خود اعتمادی اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

''وہ معصوم پرندے تو ہجرت کر کے اس لیے میلوں کا سفر طے کر کے آتے ہیں کہ کتنی ہی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہیں۔ مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو بدلتے موسموں سے شکوہ ہوتا ہے۔ بدلتے موسموں کے رنگ انہیں نہیں بھاتے۔ موسم کی تمازتوں کو سہنا دشوار لگنے لگتا ہے ان کو۔ اپنا گھر باہر چھوڑ کر دور دیسوں کی مسافت طے کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو راستے کی مصیبتوں کو برداشت نہیں کر پاتے اور دم توڑ دیتے ہیں مگر باقی اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہوئے یہاں آتے ہیں اور آپ اپنے شوق کی تسکین کے لیے ان کی جان لے لیتے ہیں۔ وہ میلوں کی مسافت سے محفوظ رہتے ہیں مگر انسانوں کے ظلم سے بچ نہیں پاتے۔ آپ کی خوراک بن جاتے ہیں۔ بے چارے معصوم پرندے۔ وہ امن کے سفیر آپ جیسے لوگوں کی ہوس کی آگ تو بجھا دیتے ہیں مگر آپ نے کبھی سوچا ہے۔ ان کے دل میں محبت ہوتی ہے وہ بھی روتے ہیں ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے ان کی بھی دکھ ہوتا ہے۔ مگر آپ یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔ اگر سمجھتے تو کبھی ان کو نہیں مارتے۔ آپ طاقت کا مظاہرہ ان پر نہ کرتے۔

وہ معصوم سی ہرنی۔ یہ گولی جو مجھے چھوتی ہوئی گزر گئی تھی جس کا احساس بروقت آپ کو میری مدد کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ جس کا احساس آپ کو بے چین کرتا ہے۔ اگر یہ گولی اپنے نشانے پر لگتی تو مزے سے اسے روسٹ کر کے کھا چکے ہوتے اور آپ کو اس معصوم کو مارنے کا کوئی ملال بھی نہیں ہوتا۔'' وہ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تیر رہا تھا۔ اور وہ اس کو غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوتے نہایت ہی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا یہ روپ بے حد دلفریب تھا۔ اس نے ایسا نظارہ کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ ایسا نہیں تھا اس نے زندگی میں کسی لڑکی کو نہیں دیکھا تھا یا کبھی کسی سے نہیں ملا تھا۔ مگر یہ ان سب سے جدا تھی۔ وہ خود انسانوں کے ظلم کا شکار ہوئی تھی اور معصوم جانور کے حق میں بولتی ہوئی ایک ہی جست میں چاروں شانے چت کر چکی تھی۔ اور وہ سراہ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا پہلی بار بے ساختہ مسکرا رہا تھا۔ وہ درست ہی تو کہہ رہی تھی اور وہ اس کے ردعمل کی پرواہ کیے بغیر کہہ رہی تھی۔

''اس معصوم سی ہرنی کو دیکھا تھا آپ نے۔ آپ نے کہاں دیکھا ہوگا۔ آپ کو وہ روسٹ شکل میں نظر آ رہی ہوگی۔ میں نے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوف تھا ایک ڈر تھا کتنے وسوسے تھے۔ ایک احساس تھا بچھڑنے کا۔ وہ تکلیف میں تھی کہ اس کے معصوم بچوں کو تنہا زمانے کی مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں گی وہ زمانے کے سرد گرم کو برداشت کریں گے۔ ماں کے بغیر تو بچے کی زندگی تپتے صحرا جیسی ہوتی ہے نا جس کی گرم جھلستی ریت پر اسے ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے۔ اس تڑپ کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ یہ عمل اذیت ناک ہوتا ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ کاش میں آپ کو بتا سکتی۔ سمجھا سکتی۔ اس درد سے گزرنا بے حد تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

اور اظل سیام مرزا کے دل پر اچانک کسی نے گھونسا مارا تھا۔ وہ بھی تو اس احساس سے گزر رہا تھا۔ وہ بھی تو اس تکلیف کے احساس سے گزر رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو کھویا تھا۔ اس صحرا سے وہ بھی تو گزر رہا تھا۔ پھر وہ ان کے درد کو کیسے محسوس نہ کر پایا تھا۔ اس لڑکی کا اور اس کا درد قدرے مشترک تھا۔ پھر وہ کیسے محسوس نہ کر سکا جو وہ محسوس کر رہی تھی اور اسے ماننا پڑا، اس کا عمل قدرے غلط تھا۔ اس نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا اور اس ایک لمحے میں ہی اس کا دل ڈول گیا تھا۔ بس ایک وہ لمحہ اور اس نے ان آنکھوں میں اپنا آپ کھو دیا تھا۔

''میں نے بھی تو کل ایک ایسی معصوم بھولی بھالی ہرنی کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی خوف کے سائے صاف تیرتے نظر آ رہے تھے۔ اس ہرنی کو ایک بھیڑیے نے شکار بنانے کی ناکام کوشش کی تھی مگر ہرنی بہادر تھی اپنا دفاع کرنا جانتی تھی۔ اپنی بقا کی جنگ جیت گئی تھی۔ اس کا Survival ہو گیا تھا اور اس نے کسی اور زندگی کو بھی بچا دیا تھا اور زندگی کو ایک لمحے میں بدل بھی دیا۔ کہانی ناقابل یقین سی لگی ہے مگر یقین کرتے ہی بنتی ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔ اور عقل کو ماننا ہی پڑتا ہے!!'' وہ مدھم لہجے میں داستان کو بیان کر رہا تھا۔

حین شایان شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نظروں میں حیرت نمایاں تھی۔

''میرا آپ کے ساتھ مذاق والا کوئی رشتہ نہیں ہے اور آپ کو میری باتیں مذاق لگ رہی ہیں؟؟'' اس کو برا لگا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں۔ میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا قطعی نہیں تھا۔ میں تو آپ کی بہادری کی تعریف کر رہا تھا۔ آپ واقعی ٹھیک کہہ رہی ہیں میں نے اپنی limits کو شاید کراس کیا ہے۔ آپ سے مذاق کرنے کی جسارت کی۔ غلطی تو ہوئی ہے مگر میں کہنا چاہتا ہوں آپ کا دل حساس ہے۔ یہاں تو لوگ انسانوں کو مار کر بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ دل کو قدموں تلے روند دیتے اور انھیں کوئی ملال تک نہیں ستاتا۔ ان میں انسانیت کی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ آج کل کے مفاد پرست زمانے میں آپ جیسے حساس دل لوگ خال خال ہی ہیں جن کو جانوروں کے درد پر بھی دکھ ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہا تھا۔

مگر آپ نے مجھے احساس ندامت سے میرے دل پر کچوکے لگائے ہیں۔ مجھے اس احساس نے بے چین کر دیا ہے کہ میں ان معصوم جانوروں اور پرندوں کو مار کر گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ میں تہہ دل سے شرمندہ محسوس کر رہا ہوں!!'' اس نے اعتراف کیا تھا۔ دھیمے لہجے میں اپنی غلطی کو مان رہا تھا۔

تبھی دادا جان اندر داخل ہوئے تھے اور اس کے آخری جملے کو سنا تھا۔

''کس بات کی شرمندگی ہے بیٹا.....؟؟'' انھوں نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا پھر حین شایان شاہ کی طرف پلٹے تھے۔

''بیٹا آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں آج.....؟؟'' انھوں نے شفقت سے پوچھا تھا۔

''میں قدرے بہتر ہوں دادا ابا۔'' اس نے اپنائیت سے جواب دیا تھا۔

''جیتی رہو بیٹا.....اس طرح کہہ کر آپ نے تو میری بیٹی کی یاد دلا دی.....!!''انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

اور عین شایان شاہ کا دل ایک لمحے کے لیے رکا تھا اسے لگا جیسے جلتے تپتے صحرا میں اچانک ایک گھنا سایہ میسر ہو گیا تھا۔ جیسے جھلستے موسم میں اچانک بادل چھا گئے تھے۔ جھلستی دھوپ کے بعد اچانک سائے دار چھاؤں کا احساس اندر تک طمانیت بھر دیتا تھا۔ بے آسرا کو اچانک مکان ملنے۔ چھت میسر آنے کی خوشی شاید لفظوں میں بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ سوچوں میں ڈوب گئی تھی جب ان کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے نکال لائی تھی۔ وہ کچھ پوچھ رہے تھے مگر وہ خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بیٹا کیا ہوا.....؟؟''وہ فکر مندی سے پوچھ رہے تھے۔''مجھے لگتا ہے آپ کو آرام کی ضرورت ہے.....آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا.....!!''انھوں نے کہا تھا۔

''جی.....''اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''دادا ابا مجھے ماموں جان سے بات کرنی ہے۔ آپ کا فون مل سکتا ہے کیا؟؟''اس نے درخواست کی تھی۔''دادی جان کے فون سے بھی دو تین بار ٹرائی کیا تھا مگر ان کا نمبر respond نہیں کر رہا تھا۔''

''کیوں نہیں۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے.....!!''انھوں نے فون اس کی طرف بڑھایا تھا۔''اظل بیٹی کے لیے فون آرڈر کروا بھی اور باقی ضرورت کی چیزیں بھی۔ اپنی دادی جان کو ساتھ لے جاؤ یا خود جاؤ۔ جیسے بھی ہو۔ تم سمجھ گئے ہو نا؟؟''انھوں نے پوچھا تھا۔

اس نے کتنی ہی بار ٹرائی کیا تھا۔ مگر ماموں جان کا نمبر نہیں مل رہا تھا۔ اسے فکر ہوئی تھی۔ اس نے آخری بار ٹرائی کیا تھا اور اس بار نمبر مل گیا تھا۔ اس نے ہیلو کہا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے کال ڈسکنیکٹ ہو گئی تھی۔ اس نے فون سکرین کو دیکھا تھا اور نمبر دوبارہ ڈائل کیا تھا مگر کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کے دل میں جو امید کی ایک کرن جاگی تھی وہ بھی معدوم ہو گئی تھی۔ اس نے بے بسی سے سر جھکا دیا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ وہ ان کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ نجانے کیا وجہ تھی ماموں جان فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے۔ وہ کال پک کیوں نہیں کر رہے تھے۔ اگر ان کو کچھ ہو گیا تو.....!!اور اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا تھا۔ اس نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا تھا۔ جب جب وہ ہمت ہارنے لگتی ماما پاپا کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا اور اس کے اندر توانائی بھر جاتی تھی۔ اس کی امید پھر زندہ ہو جاتی تھی۔

''کیا ہوا بیٹا؟؟''دادا جان اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی ان سے چھپی ہوئی نہیں ہوئی تھی۔ ان کا دل بھر آیا تھا۔

''بیٹا آپ کو اب اپنا فون جلد مل جائے گا پھر چاہے جتنی بار مرضی ٹرائی کریں۔''انھوں نے کہا تھا۔

''نہیں دادا جی۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی کا احسان نہیں لے سکتی۔ ابھی بھی آپ لوگوں کا ایک بہت بڑا

احسان ہے مجھ پر۔مگر میں مزید کسی احسان کی متحمل نہیں ہوسکتی۔''اس نے انکار کیا تھا۔

''احسان کیسا بیٹا۔آپ ہماری بیٹی ہی تو ہو۔آپ کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے آپ ٹھیک ہو رہی ہیں۔آپ کی صحت ہمارے لیے اہم ہے۔اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو ہم کبھی اپنے آپ کو معاف نہ کر پاتے۔''انھوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''ہم جانتے ہیں آپ ایک بہت اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔آپ کی تربیت اچھے اصولوں پر ہوئی ہے۔ہم جانتے ہیں آپ ایک خوددار اور بہادر لڑکی ہیں۔آپ ہمیں اپنا سمجھ سکتی ہیں جب تک آپ کے ماموں آنہیں جاتے اور اگر کسی اور رشتہ دار کا نمبر ہے تو.....!!''انھوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اظل نے نگاہیں اس پر جما دیں تھیں۔

اس کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے کے لیے بدلنے لگے تھے۔آنکھوں میں ایک تغیر ٹھہر گیا تھا۔

اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔تم دماغ پر اتنا زور نہ ڈالو اگر آپ بتانا نہیں چاہتے ہیں تو کوئی دباؤ نہیں ہے۔جب تم مناسب سمجھو اور اگر آپ کو لگے کہ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں تو آپ ہمیں ساری بات بتا سکتی ہیں ورنہ آپ کی مرضی۔آپ ہماری بیٹی ہیں۔ہم نے آپ کو اپنی بیٹی کہا ہے اور ہم اپنی زبان پر قائم رہنے والے لوگ ہیں۔اپنی زبان پر کٹ مرنے والے ہیں۔جو کہتے ہیں وہ ضرور پورا کرتے ہیں۔ہماری زبان ہمارا مان ہے اور اپنی عزت کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔''انھوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بہنے لگے تھے۔اسے ماما پاپا کی یاد شدت سے آرہی تھی۔

''وہ لوگ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں پر بھی آجائیں گے مجھے واپس جانا ہوگا۔''اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔

اس کی آنکھوں میں ایک خوف ٹھہر گیا تھا۔

''کون لوگ.....؟؟ آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟؟ وہ کون تھا؟؟ اس دن جو آپ کو مارنے کے لیے آپ کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور آپ نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیا تھا شاید تبھی وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا تھا اور مجھے سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور رہی سہی میں نے پوری کر دی تھی.....!!''اظل سیام مرزا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی اس کو جانچ رہی تھیں۔اس کے چہرے کے تاثرات لمحہ بھر کو بدلے تھے اور پھر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا پھر دھیمے سے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''وہ لوگ کوئی اور نہیں میرے اپنے رشتہ دار ہیں اور مجھے انہی سے خطرہ ہے.....!!شاید رشتوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔ایسا نانی جان کہتی ہیں تو ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہتیں.....!!''یہ پہلی بار تھی جب اس نے اپنے کسی رشتہ دار کا ذکر کیا تھا اور ان کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کے تاثرات نمایاں ہو گئے تھے۔

''آپکی نانی جان درست کہتی ہیں زمانہ بدل رہا ہے۔رشتوں کی ترجیحات بدل جاتیں ہیں مگر بیٹا ہم تمام رشتوں پر شک نہیں کر سکتے۔رشتے ہی ہیں جو ہمیں ایک محبت کی مضبوط ڈور سے باندھ دیتے ہیں۔ہمیں جکڑ لیتے ہیں۔ہمارے قدم زمین پر جم جاتے ہیں اور ان محبت بھرے رشتوں کو چھوڑ کر جانے کو دل نہیں کرتا۔کہیں بھی چلے جاؤ لوٹ کر واپس وہیں آنا پڑتا ہے.....!!''انھوں نے عمر کا تجربہ بیان کیا تھا۔

''مگر کچھ رشتے تو اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ ان کو تو آواز بھی سنائی نہیں دیتی اور وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔کوئی ہے جو ان کے بغیر رہ نہیں سکتا۔جس کا سانس لینا بھی ان کے بغیر محال تھا مگر وہ پرواہ کیے بغیر چلے جاتے ہیں۔وہ واپس کیوں لوٹ کر نہیں آتے دادا جان.....؟؟ وہ ایسے سفر پر کیوں نکل جاتے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا.....!!''اس کے مدھم لہجے میں گہرا دکھ بول رہا تھا۔وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی تبھی دادی جان چلتی ہوئی اندر داخل ہوئیں تھیں اور اس کا آخری جملہ سن لیا تھا۔وہ چلتی ہوئی اس کے پاس جا کر رک گئی تھیں اور پھر اس کو گلے سے لگا لیا تھا اور حسین شایان شاہ ضبط کھونے لگی تھی۔وہ جو بہادری بنی کھڑی تھی۔کمزور پڑنے لگی تھی۔

''بیٹا یہاں آپ بالکل محفوظ ہیں۔آس پاس کے سب علاقوں میں ہماری عزت اور مرتبے اور حیثیت کا اندازہ سب کو ہے اور ہماری طاقت کا بھی۔آپ کو فکر کرنے یا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔آپ ہماری بیٹی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔آپ جب اپنے گھر چلی جاؤ گی تب بھی جب چاہے ملنے آنا۔اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو بیٹا۔اور زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ہم تو بے اختیار ہیں۔لاچار بندے ہیں جانے والے لوٹ کر نہیں آتے یہ دکھ جان لیوا ہوتا ہے مگر صبر آ ہی جاتا ہے۔اسی کو زندگی کہتے ہیں۔جینا تو ہے ہی نا بیٹا۔تم بہادر ہو اور سمجھدار بھی۔آپ کے والدین کی روحیں بے چین ہوں گی۔اگر وہ آپ کو روتا ہوا دیکھیں گی تو.....!! شاباش اب آنسو صاف کرو اور آئندہ کبھی نہیں رونا.....!! بہادر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے۔''انھوں نے کہا تھا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔

اور وہ جو دادی جان کے گلے لگی ہوئی تھی۔اس نے آنسو صاف کیے تھے اور ان سے الگ ہو گی تھی۔اور اظل سیام مرزا کو یہ دھوپ چھاؤں کا منظر عجیب لگا تھا۔اس کا دل تو ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔وہ روتے ہوئے ایک لمحے کے لیے مسکرائی تھی۔شاید مروتاً یا پھر اپنی تکلیف کو چھپانے کے لیے یا پھر شاید ان محبت کرنے والی ہستیوں کا خیال تھا جو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لا رہا تھا مگر اگلے ہی پل معدوم ہو گئی تھی اور وہ جو آج تک اپنے دل کو ایک مضبوط قلعے میں بند کیے بیٹھا تھا۔اپنے دل کے اردگرد ایک مضبوط باڑ لگائے ہوئے تھا۔بقول اس کے اس کا دل پتھر کا تھا۔مگر اس ایک لمحے میں، اسے اپنے دل مقام سے ہٹا ہوا صاف محسوس ہوا تھا اور اگلے ہی پل وہ جگہ خالی تھی۔وہ حیرت زدہ سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔جو ہر بات سے بے خبر۔اس چانک ہونے والے حادثے سے انجان دادی اور دادا جان کی باتوں کو بغور سن رہی تھی۔جانے کیسے اہم امور تھے۔وہ ہر بات سے بے خبر تھی۔مگر اب اس کے چہرے پر قدرے اطمینان آ گیا تھا۔آنکھوں میں اب بھی ایک خوف کی رمق باقی تھی۔اس دھوپ چھاؤں کے بدلتے رنگوں والے چہرے پر سے اس کی آنکھیں ہٹ نہیں رہی تھیں۔

وہ شاید اس کی آنکھوں کی تپش کو محسوس کر گئی تھی۔ تبھی اس کی طرف سوالیہ نظروں سے حیرت بھری آنکھوں سے دیکھا تھا اور ایک لمحے کو نگاہیں ملی تھیں۔ وہ نگاہیں چراہ گیا تھا اور اپنی نگاہوں کا رخ نہ چاہتے ہوئے بھی موڑا تھا۔

''مجھے نانی جان کو بتانا ہوگا۔ انھیں اپنی خیریت سے آگاہ کرنا ہوگا۔ وہ بہت پریشان ہو رہی ہونگی۔'' اس نے دادی جان سے کہا تھا۔

''ضرور بیٹا آپ ان کی اطلاع دے دیں اور اگر آپ کہیں تو ہم آپ کو ان سے ملا دیتے ہیں!!'' دادی جان نے کہا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں.....!! مل نہیں سکتی ہیں وہ.....!! مجھے فکر ہے میری وجہ سے ان کی جان مشکل میں نہ پڑ گئی ہو.....!!'' اس نے اپنے گلے میں پڑے پینڈنٹ کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے دوپٹے کے کونوں کو.....!!! اظل نے نوٹس کیا تھا وہ جب سے ہوش میں آئی تھی مسلسل دوپٹے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی اور اگر کوئی رشتہ داروں کا ذکر کرتی تو گلے میں بیضوی شکل کا روبی جڑا ہوا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لیتی تھی۔ جیسے اس کے لیے بہت قیمتی ہوں جیسے۔

I know one thing truth could be lie and lie could be truth!!"

''میں چیزوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی میں کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ مگر مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے۔ اگر ان کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ وہ اس دنیا میں واحد ایک ہیں جن کی محبت پر میں کبھی شک نہیں کر سکتی۔ وہ میری نانی اماں ہیں۔ انھوں نے مجھے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا انھوں نے اپنا فرض نبھایا مگر چیزیں حد سے زیادہ تجاوز کرنے لگی تھیں۔ حتمی قدم اٹھانا ضروری ہو گیا تھا.....!!'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اظل کی دادی جان نے اپنا فون اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''ان کو اطلاع کرنا ضروری ہے بیٹا میں سمجھ سکتی ہوں۔ ان کا درد اور وہ تکلیف جو انھوں نے تمھیں خود سے جدا کرتے وقت محسوس کی ہوگی۔ تم ٹھیک ہو اور زندہ سلامت یہ ان کی دعاؤں کا ہی ثمر ہے جواب محفوظ پناہ میں ہو.....!!'' انھوں نے بردباری سے کہا تھا۔ بات ان کو سمجھ آ گئی تھی۔ اور اظل نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ شاید ادھوری باتیں کرنے کی عادی تھی یا پھر ادھورے قصے سنا کر بے خبر بن جاتی تھی۔ اور وہ مطلب تلاش کرنا شروع کر دیتا تھا۔

اس نے دادی جان کے ہاتھوں سے فون لیا تھا اور کانپتے ہاتھوں سے کوئی نمبر ملایا تھا۔ پھر ڈرتے ڈرتے ہیلو کہا تھا۔ دوسری طرف سے شاید مطلوبہ شخص نے کال پک کر لی تھی۔

''نانی اماں.....'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''میری جان۔ کیسی ہے تم.....!!'' انھوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''میری بات غور سے سنو۔ کچھ بھی ہو یہاں واپس آنے کی بارے میں کبھی مت سوچنا۔ میں تم سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ وہ بار ہا مجھ سے پوچھ چکے ہیں۔ ان کو شک ہو گیا ہے مجھ پر۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے تم محفوظ ہو۔ کوئی آ رہا ہے میں کال ڈسکنیکٹ کرتی ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ فی امان اللہ.....!!'' انھوں نے کہا تھا اور حسین شایان شاہ نے کتنی ہی دیر تک خالی خالی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھا تھا۔ ان کی آواز سن کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے فون دادی جان کی طرف بڑھا دیا تھا اور شکر گزار نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ایسے وقت میں جب وہ اپنے خونی رشتوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہی تھی تو ان غیروں نے اسے پناہ دی تھی۔ اس کی حفاظت کی تھی اور اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ بلکہ محبت سے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس پر بھروسہ کر رہے تھے۔

''شکریہ دادی جان۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''اپنوں کو شکریہ نہیں کہتے بیٹا۔ مگر تمہاری نانی جان ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ انھوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمہیں وہاں سے نکالا ہے جو کہ ناممکن سی بات لگتی ہے مگر یہ انھیں کی خواہش ہے۔ ان کی قربانی کو رائیگاں نہ جانے دینا.....!!'' انھوں نے سمجھایا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

مگر جانے کونسا خوف تھا جس نے اس کے اندر سرایت کر لی تھی۔ اس نے ساری ہمتیں جمع کی تھیں۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ میں تھک گئی ہوں.....!!'' اس نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا آپ آرام کریں.....!!'' دادی جان نے کہا تھا اور انھوں نے قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔

وہ چلتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھے تھے جب اظل کو کچھ یاد آ گیا تھا۔

''دادا جان مجھے لگتا ہے میں انھیں جانتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی انھیں کہیں دیکھا ہے مگر کہاں یہ یاد نہیں آ رہا.....!!'' اور دادا جان کے چلتے قدم رک گئے تھے۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم.....؟؟ کہاں ملے تھے تم اس بچی سے.....؟؟'' وہ حیران سے پوچھ رہے تھے۔

''میں نہیں جانتا۔ مجھے یاد نہیں۔ مگر اس کا چہرہ نہیں بھولا ہوں.....!!'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''بات کیا ہے آثار کچھ اچھے نہیں لگ رہے مجھے.....!!'' دادا جان نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں جانتا دادا جان بس ایک بدحواسی چھائی ہوئی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا مگر کچھ تو ہے۔ ایک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے دل میں۔ ایسا کبھی پہلے تو نہیں ہوا۔ انجان ہوں اس احساس سے۔ کچھ الگ لگ رہا ہے دادا جان.....!!'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ دادا جان سے کافی بے تکلف تھا۔

''میں جانتا ہوں تمھیں اچھی طرح۔ تمہارے چہرے سے دل کا حال عیاں ہو رہا ہے۔ مجھے لگا شاید اسے تمہارے ہاتھ سے گولی لگی

ہے یہ اسکی وجہ سے ہے مگر ماجرا تو کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔لگتا ہے شکاری خود ہی شکار ہو گیا ہے.....!!'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے دادا جان.....؟؟'' وہ سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے تو صاف لگ رہا ہے۔تمھیں کسی کے لیے اس سے پہلے میں نے کبھی اتنا بے چین نہیں دیکھا اور نا ہی کبھی اتنا فکر مند.....!!'' انھوں نے کمال تجزیہ پیش کیا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ دادا جان.....!!'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔فکر مند تھا۔

''بیٹا اگر محبت ہو گئی تو اس سے انکار ممکن نہیں ہوتا.....!!'' انھوں نے تجربہ کی بنیاد پر کہا تھا۔

''وہ معصوم سی ہے دادا جان۔اس کی آنکھیں دیکھ کر لگتا ہے وہ ایک معصوم ہرنی ہے جو راستہ بھٹک کر صحرا میں نکل آئی ہو۔ایک خوف اس کی آنکھوں میں تیرتا صاف نظر آتا ہے۔ایک خوف اس کی آنکھوں میں ساکت ہو جاتا ہے۔اس کی پتلیوں میں تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''دیکھ لیں اس معصوم ہرنی کی طاقت جس نے ایک ہی جست میں ایک طاقت ور شیر کو سیکنڈوں میں چاروں شانے چت کر دیا ہے۔بے خبری میں مار گرایا ہے۔سوچیں اگر باخبر ہو گی تو کیسے کیسے حربے نہیں آزمائے گی۔کیسے گر رکھتی ہو گی اپنے اندر اپنے دفاع کے لئے۔اسکے حملوں سے بچنا دشوار گزار عمل لگتا ہے۔چاہوں بھی تو بچنے کی تو صورت نظر نہیں آتی.....!!'' وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہا تھا۔

''مار دینے کے سارے وصف ہیں اس میں۔اس کی طاقت تو بے پناہ ہے۔اسکی خوف زدہ آنکھوں میں جانے کیسا فسوں ہے۔ایک لمحے کو دبوچ کر ساکت سا کر دیا ہے۔دل کی حالت غیر ہے سانسیں جیسے تھم گئی ہیں اور دل حیران سا کھڑا دیکھتا رہ گیا ہے۔ہراساں سا ہے۔متجسس سا اس کی طرف قدم بڑھاتا جا رہا ہے۔ایک فسوں میں بندھتا جا رہا ہے۔اسے کسی رکاوٹ یا قدغن کی پرواہ ہی نہیں۔دل کو ادراک ہو گیا ہے۔شکست کے آثار تو واضح نظر آنے شروع ہو گئے ہیں حالانکہ جانتا ہے اسباب کچھ بھی رہے ہوں۔سد باب ہو نہیں سکتا۔کتنی ہی کوشش کر لیں حاصل حصول تو کچھ نہیں ہونے والا۔پھر بھی نتیجہ تو صفر ہی رہنا ہے مگر دل نادان ہے گھبرا گیا ہے۔شکست کو تسلیم کرنے سے ڈر رہا ہے۔ہتھیار ڈالنے میں ہچکی محسوس کر رہا ہے.....!!'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔

''بیٹا یہ شکست بھی لطف دیتی ہے۔اس شکست کا بھی اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔شکستگی میں بھی ایک دھیمی دھیمی آگ سلگتی رہتی ہے۔دل میں میٹھا میٹھا درد ہوتا رہتا ہے۔دل بظاہر لاکھ سر پٹخے اندر سے مسرور رہتا ہے۔اترایا اترایا سا پھرتا ہے۔جیسے ہاتھ قارون کا خزانہ لگ گیا ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے تجربہ کی روشنی میں حتمی رائے دے رہے تھے۔انھوں نے اس کے کندے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تم اسے معصوم کہہ رہے تھے۔مگر میرے خیال میں وہ بلا کی ذہین اور بہادر شیرنی ہے۔اس نے جس ہمت سے اس خوف کا مقابلہ کیا ہے۔اس بہادری کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ایک لڑکی کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔اپنی جان پر کھیل کر اپنی عزت اور حرمت کی

حفاظت کرنا چاہے۔ میری نظر میں اس کی قدر اور بھی بڑھ چکی ہے۔ وہ ایک ہیرا صفت لڑکی ہے۔ جن مشکلات کا وہ تنہا مقابلہ کر رہی ہے۔ میری دعا ہے وہ اس میں کامیاب ہو۔ اس کے والدین جنت میں اپنی بیٹی کی بہادری پر ضرور خوش ہو رہے ہونگے کہ ان کی دعاؤں کی بدولت آج وہ محفوظ ہے۔ بڑی ہی سعادت مند بچی ہے۔ میرا تو دل پسیج گیا اس کو روتے دیکھ کر۔ اس کے والدین نے اس کی تربیت اچھی کی ہے۔ اس کے والدین کی کتنی خواہش ہوگی اسے اپنے ہاتھوں سے رخصت کریں، ایک اچھی اور محفوظ زندگی دیں۔

کیسے خواب نہیں ہونگے اپنی بیٹی کو لے کر۔ مگر وقت نے انھیں مہلت ہی نہیں دی اور آج ان کے جگر کا ٹکڑا یوں بے یار و مددگار بھٹک رہا ہے۔ اللہ کرے اسکے ماموں جلد مل جائیں۔ وہ ہم پر بوجھ نہیں ہے۔ مگر وہ پریشان ہے۔ یہ بات مجھے مزید پریشان کر رہی ہے۔ اس بچی کے لیے جلدی کچھ کرو.....!!'' انھوں نے فکرمندی سے کہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا جان۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔ جلد کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ آپ فکرمند نہ ہوں.....!!'' اس نے کہا تھا۔ انھیں یقین دہانی کروائی تھی۔ انھوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے اس بچی کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ خون کے رشتے بھی ایسا کر سکتے ہیں سوچ کر دل دہل جاتا ہے۔ لگتا ان لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے قیامت کے روز۔ ان لوگوں کو تو آخرت کا بھی ڈر نہیں لگتا ہے جیسے۔ میری دعا ہے اللہ اس بچی کو ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔'' انھوں نے فکرمندی سے کہا تھا۔

''سہام کا فون آیا تھا۔ میں نے سارا واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا ہے۔ وہ بہت فکرمند ہو رہا تھا۔ شاید آج ہی آ جائے.....!!'' انھوں نے دھیمے سے کہا تھا۔

''آپ نے پاپا کو کیوں بتایا وہ فکرمند ہو جائیں گے تبھی میں نے انھیں نہیں بتایا تھا۔'' اس نے فکرمندی سے کہا تھا۔ وہ جانتا تھا پاپا اسے کس قدر چاہتے تھے۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھتے تھے۔ اسے یقین تھا وہ چند لمحوں میں یہاں ہونگے۔

''بیٹا تم والدین کے دل کو نہیں سمجھ سکتے۔ نہ ہی بتاؤ ان کو میلوں کی دوری پر بھی سوجھ ہو جاتی ہے۔ یہ تم تب سمجھو گے جب تم خود والد بن جاؤ گے.....!!'' انھوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

''بیٹا فون پک کرو ہو سکتا ہے کوئی ضروری کال ہو۔ بعد میں بات کریں گے.....!! انھوں نے کہا تھا اور قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ کال سنتا ہوا چلتا ہوا کوریڈور میں سے گزر رہا تھا تبھی کوئی بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تھا اور اس سے بری طرح ٹکرا گیا تھا۔ اس

نے حیرت سے اس وجود کو دیکھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ وجود زمین بوس ہوتا اس نے تھام لیا تھا۔اس کا فون گرتے گرتے بچا تھا۔

اس نے حیرت سے اس وجود کو دیکھا تھا۔وہ کوئی اور نہیں تھی وہ خوفزدہ تھی ہرنی جیسی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اتنی زخمی حالت میں وہ کہاں اور کیوں بھاگ رہی تھی۔ایسی کیا افتاد آ گئی تھی۔جو وہ یوں پرجوش تھی بھاگ رہی تھی حالانکہ وہ تو گھر کے راستوں سے بھی انجان تھی۔

''کیا ہوا؟ آپ اتنی بدحواس سی ہو رہی ہیں ایسے کیوں گھبرائی ہوئی ہیں؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''وہ.....وہ.....''اس کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

''پلیز آپ ری لیکس ہو جائیں۔چلئے میرے ساتھ اور اطمینان سے بتائیں کیا ہوا ہے۔''وہ اسے چلتا ہوا ساتھ لے کر باہر کی طرف بڑھا تھا۔اسے بیٹھایا تھا اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

اس نے بمشکل پانی پیا تھا۔کتنا ہی پانی اس کے کپڑوں پر چھلک کر بھگو گیا تھا۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''اب بتائیے۔کیا ہوا ہے آپ اتنی خوفزدہ کیوں ہیں.....؟؟''وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ.....ان کا فون آیا ہے۔انھیں پتہ چل گیا ہے۔سراغ پا گئے ہیں وہ.....وہ یہاں آ رہے ہیں۔''وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اور ایک لمحے میں اسے جیسے بات سمجھ آنے لگی تھی۔

''کیا۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے اور آپ اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہیں؟ میرے ہوتے ہوئے کسی کی ہمت بھی نہیں ہے کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔لے کر جانا تو بہت دور کی بات ہے۔ہمیں اپنی عزت کی حفاظت کرنی اچھی طرح آتی ہے۔وہ مدہم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

❁ ❁

ناول اک فسون تو ابھی جاری ہے۔دوسری قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

''میں نہیں جانتی کیا ہونے والا ہے۔ ہر بار میرے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے۔ ساری ناانصافی میرے ساتھ ہی کیوں ہوتی ہے۔ آپ نہیں جانتے ان لوگوں کو۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ میں اچھا ہونے کی امید نہیں کر سکتی جب سب غلط ہی ہو رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بمشکل کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمکین سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے آج سب کچھ بہا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

''آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ پلیز آپ پریشان بالکل بھی نا ہوں وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ کوئی بھی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔''

اظل سیام مرزا نے کہا تھا۔ یقین دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس کو جیسے اس کی یقین دہانی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''آپ ایک کام کر سکتے ہیں کیا؟'' ھین شایان شاہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ حکم کیجئے آپ کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔'' اظل سیام مرزا کا لہجہ اٹل تھا۔ جیسے سب کچھ کر گزرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔

''مسٹر توقیر ضیاء میرے وکیل ہیں لندن میں سارے قانونی مسائل وہی حل کرتے تھے بابا کے، میں ان پر بھروسہ کر سکتی ہوں، برسوں پرانے تعلقات ہیں۔ میری بات کروا دیں ان سے، اگر یہ ممکن ہو تو؟'' مدھم لہجے میں درخواست کی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

اور اظل سیام مرزا کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ جیسے کسی نے اس کا دل ہاتھ میں مسل دیا تھا۔

''سنیں'' اس نے بے قراری سے پکارا تھا۔ وہ جیسے کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اور ھین شایان شاہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''شادی کریں گی مجھ سے.....؟'' اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

''کیا.....؟'' ھین شاہ کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ وہ شاکڈ سی اس سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں میرے خیال میں یہ بہترین اور بروقت فیصلہ ہے۔ آپ کی حفاظت کا اس سے بڑھ کر کوئی راستہ نہیں نکل سکتا۔'' اظل سیام مرزا نے حتمی فیصلہ سنایا تھا۔

''مگر؟'' اس نے انکار کیا تھا۔ توجیحات پیش کیں تھیں۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے، میں آپ کو قطعی نہیں جانتی، میرے لیے یہ ناممکن ہے سوچنا بھی محال ہے۔'' ھین شایان شاہ نے انکار کیا تھا۔

''آپ نے تو کہا تھا آپ کو لوگوں کی پہچان ہے؟'' اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہے۔آپ کا جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے قبول ہے جو بھی ہو،آپ میری ذمہ داری ہیں۔میں نے آپ کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہے۔آپ کو اپنا قول دیا ہے۔مجھے اپنے لفظوں کا پاس ہے۔ہم اپنے لفظوں پر مر مٹنے والے لوگ ہیں۔جو کہتے ہیں کر کے دکھاتے ہیں۔ہم اپنے لفظوں کا پاس کرتے ہیں۔میں اپنی زبان پر کٹ مرنے والا انسان ہوں۔آپ کو یقین نہ ہو مگر یہ حقیقت ہے۔جب تک آپ کو آپ کے اپنوں تک نہیں پہنچا دیتا میں ایک قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔اگر میں نہ رہا تو میرا قول میرے ساتھ نہیں مرے گا۔اس قول کو کوئی اور پورا کرے گا۔میں کسی اور کو سونپ کر جاؤں گا۔جو میرے لفظوں کو پورا کرے گا۔یہ میرا وعدہ ہے۔'' مدھم لہجے میں دبدبہ اور رعب تھا۔تحکم لہجے میں وہ اسے یقین سونپ رہا تھا۔

''مجھے آپ کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔میں اپنی مدد خود کر سکتی ہوں۔آپ کے بلند و بانگ دعوے کام آنے والے نہیں ہیں۔آپ جذباتی انداز میں جلد بازی میں غلط روش اختیار کر رہے ہیں۔لیکن میں جانتی ہوں عقل کو خواہش پر مکمل طور پر فضیلت حاصل ہے۔عقل جذبات کو نہیں مانتی۔دلائل کو مانتی ہے۔حقائق کے ساتھ چلتی ہے۔عقل شعور اور آگہی دیتی ہے حقیقت سے روشناس کرواتی ہے۔ہماری آگہی ہمیں مشکلات سے لڑنے کا حوصلہ دیتی ہے اور عقل سمجھنے کی طاقت کو اور بھی بڑھا دیتی ہے۔ایسا میرے پاپا کہا کرتے تھے۔میں کمزور ہرگز نہیں ہوں.....!'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا رہی تھی۔وہ کچھ دیر قبل والی حسین شایان شاہ سے قدرے مختلف تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی اور لہجے میں مضبوطی تھی۔

اظل سیام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کے پاپا بالکل درست کہتے تھے۔'' وہ اس کی تائید کر رہا تھا۔نانی اماں کہا کرتیں تھیں زمین پر اگر سہل اور کشادہ راستہ ہو تو انسان بغیر کسی تردد کے بے خوف و خطر مطمئن ہو کر چلتا ہے۔اس کو کوئی وہم ہراساں نہیں کرتا۔نہ ہی ابہام ستاتے ہیں مگر جب راستہ قدرے تنگ ہو۔خستہ اور ٹوٹے پھوٹے اور اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر چلنا دشوار گزار ہوتا ہے۔ہم گریزاں ہوتے ہیں ان اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر چلنے سے کتراتے ہیں خوف سے آنکھیں میچ لیتے ہیں۔سانسیں روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔گرنے کا احتمال ستاتا رہتا ہے۔اوندھے منہ گرنے کا خوف اندر تک سرایت کر جاتا ہے۔دل مارے خوف کے کپکپاتا رہتا ہے۔ہر قدم لڑکھڑاتا ہے اور گرنے کا احتمال اور بھی بڑھ جاتا ہے،مگر حوصلے کے ساتھ راہوں کو پار کر لینا ہی اصل جیت ہوتی ہے'' وہ مدھم لہجے میں حقائق بیان کر رہی تھی۔اس کے مضبوط لہجے میں کسی خوف کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔

اور اظل اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔شاید وہ وقتی طور پر پریشان ہو گئی تھی۔اور اپنے آپ کو بظاہر بہادر ثابت کر کے حقیقت سے نظریں چرانا چاہتی تھی۔

اظل سیام مرزا نے اپنا فون اس کی طرف بڑھا دیا تھا اور حسین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔اور پھر فون اس کے ہاتھ سے لیے

باہر نکل کر تو قیر ضیاء کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہیلو انکل میں ہوں ھین۔آپ کیسے ہیں؟'' اس نے کہا تھا۔اور دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا تھا۔اس کی آنکھوں سے ٹھہرے ہوئے آنسو قطرہ قطرہ اس کے رخسار پر گر رہے تھے اور اسے کسی بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔کسی اپنے کا شفقت بھرا لہجہ اسے کمزور کر رہا تھا۔

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں تھیں۔

وہ تفصیل پوچھ رہے تھے۔ھین شایان شاہ نے فون اس کی طرف بڑھا دیا تھا اور نگاہیں اس کے چہرے پر لگا دیں تھیں اور اظل چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور ھین شایان شاہ کو فکروں نے گھیر لیا تھا۔جانے انکل تو قیر کیا کچھ پوچھ رہے تھے۔انہوں نے وعدہ کیا تھا وہ جلد آ رہے تھے۔وہ پاپا کے بہترین دوست تھے ان پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔وہ بہت اچھے انسان ہونے کے ساتھ کامیاب وکیل بھی تھے۔شایان شاہ کے لیگل ایڈوائزر تھے۔ان کے سارے قانونی امور وہی دیکھتے تھے۔

وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔بظاہر وہ مضبوطی سے ڈٹی کھڑی تھی مگر پے در پے واقعات اور حادثات نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔مگر ہارنا اسکی سرشت میں شامل نہیں تھا۔وہ اپنی ہمتیں جمع کر رہی تھی۔اس کے خیالوں میں جھکڑ چل رہے تھے۔وہ واپس چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔ھین شایان شاہ نے بے قراری سے دو قدم آگے بڑھی تھی۔

''کیا کہا تو قیر انکل نے؟ کب آ رہے ہیں وہ؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔اب وہ ہی اس کی آخری امید تھے۔وہ انہی پر انحصار کر رہی تھی۔

تبھی دادا جان کمرے میں داخل ہوئے تھے۔اور پھر دادی جان،ھین شایان شاہ کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں تھی۔

''بیٹا ہمیں تم سے بے حد ضروری بات کرنی ہے۔اظل نے تمام حالات سے آگاہ کر دیا ہے اور تو قیر ضیاء نے پوری تفصیل بتائی ہے۔ان حالات میں احتیاتی تدابیر لازم ہو گئیں ہیں۔قانونی طور پر ان کو اس کا منہ توڑ جواب تو دینا ہی ہوگا۔ایک حتمی فیصلہ ضروری ہے۔'' سیام مرزا نے تمہید باندھی تھی۔آپ اپنے ماموں جان کو ایک بار پھر ٹرائی کریں۔شاید وہ جلد پہنچ کر کوئی سدباب کر سکیں۔کوئی حتمی فیصلہ لے کر اس سارے قصے کو ختم کر سکیں جو کہ کافی پیچیدہ معاملہ ہے۔'' سیام مرزا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

اظل ٹھیک کہہ رہا تھا بیٹا،آپ ہماری پناہ میں ہو۔کسی کی مجال نہیں کہ کچھ کہہ سکے۔آپ کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر بھی کریں گے۔آپ بے فکر رہنا۔ہماری پوتی ہو تم۔'' انھوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی دیکھ کر وہ جذباتی ہو گئے تھے۔وہ بہت حساس واقع ہوئے تھے۔

''سچ کہیں تو تمہیں دیکھ کر اپنی بیٹی شدت سے یاد آتی ہے'' انہوں نے کہا تھا۔ ''مجھ پر بھروسہ رکھو بیٹا میں اپنی بیٹی کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کرونگا۔ میرے لفظ پتھر پر لیکر کی طرح ہیں۔ میرے الفاظ اٹل ہیں۔'' انہوں نے پر شفقت لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے یقین دہانی کروا رہے تھے۔

''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں بیٹا تمہارے ہر فیصلے میں جان لو۔ رشتے صرف خون کے ہی نہیں ہوتے، محبت دلوں میں گھر کر لیتی ہے اور اپنے ساتھ باندھ لیتی ہے۔ بھروسہ ان رشتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔ محبت ان رشتوں کے موتیوں کی ایک ڈور میں پرو دیتی ہے۔ یہ قول و فعل کے رشتے اسی قدر اہم ہوتے ہیں جس قدر خونی رشتے۔ میں تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں، اور میرے مرنے کے بعد یہ اہم فرض میں اظل کو سونپ دونگا وہ میرا داہنا ہاتھ ہے میرے جینے کا مقصد ہے وہ، وہ کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دے گا۔ جب تک تمہیں بحفاظت تمہارے ماموں کے ہاتھ تمہارا ہاتھ میں نہیں دے دیتا۔''

انہوں نے کہا تھا اور ھین شایان شاہ کی آنکھوں سے نمکین سمندر بند توڑ کر نکل رہے تھے۔ دل کو جیسے قرار آ رہا تھا۔ کوئی ساتھ تھا۔ وہ اپنے آپ کو مزید مضبوط محسوس کر رہی تھی۔

وہ درست تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا جان رشتے صرف وہی نہیں ہوتے جو خون سے بنتے ہیں کچھ رشتے اعتماد دل سے بنتے ہیں وہ زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتے ہیں، مجھے آپ کے ہر ایک لفظ پر مکمل اعتماد ہے بھروسہ ہے، میں آپ کی شکر گزار ہوں آپ نے مجھے پناہ دی اور محبت بھرے رشتے بھی، اچھائی اس دنیا میں اب بھی باقی ہے۔ آپ کو دیکھ کر مل کر اس بات پر یقین اور بھی بڑھ گیا ہے۔ آپ نے میرے ٹوٹے ہوئے یقین کو پھر سے جوڑ دیا ہے۔ جو درد میں نے اپنوں سے سہا ہے آپ سب کی محبت نے اس اعتمادی کو بحال کر دیا ہے۔ وہ ڈر اور خوف میرے دل سے نکال دیا ہے۔'' اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔ وہ خود اعتمادی سے کھڑی تھی۔ آنکھوں میں کسی خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔

دادا جان اسے فیصلے سے آگاہ کر رہے تھے۔ جو انکل توقیر اور انہوں نے مل کر لیا تھا۔ ماموں جان سے بات ہو گئی تھی۔ وہ جلد آنے والے تھے۔

وہ جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ماما پاپا شدت سے یاد آ رہے تھے۔ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اسے تو لگ رہا تھا وقت جیسے ایک ہی جگہ منجمد ہو گیا تھا۔ سرد ہوا نے اس وقت کو جما دیا تھا۔ ساری ہمتیں جانے کہاں غائب ہو گیں تھیں۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ ایک انجان شخص کے نام خود کو لکھ کر اسکے اندر سے جیسے روح نکل رہی تھی۔ جسم بے جان ہو رہا تھا۔ خود کو بچانے کے چکر میں وہ کہیں مزید تو نہیں پھنس گئی تھی۔ کسی پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ دشوار گزار عمل تھا۔ کتنے خدشات نے سر اٹھا لیا تھا۔

کتنے وسوسے سوالوں کا ٹوکرا اٹھائے ہراساں سے کھڑے تھے؟

کتنے ابہام پریشان سے خوف زدہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، کتنی آوازیں تھیں۔اس نے تمام آوازوں سے کان بند کر لیے تھے مگر آواز کی بازگشت اس کے حواس چھین رہی تھی۔

سب کچھ اچانک ہو گیا تھا۔سب کچھ غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔مگر احتیاطی تدابیر کے طور سد باب ضروری تھے۔آنے والے خدشات کے پیش نظر یہ تدابیر ضروری تھی۔طوفان کی پیشن گوئی ہو چکی تھی۔اس طوفان سے بچاؤ کے لیے بند باندھنا ضروری ہو چکے تھے ورنہ اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتا۔

دادی جان نے اسے کتنا سمجھایا تھا۔حالانکہ اس نے لاکھ منع کیا تھا۔مگران کا کہنا تھا کہ نیگ شگون کو یوں سادگی سے نہیں کرنا چاہیے ۔حالانکہ وہ بھی یہ بات جانتی تھیں یہ ایک سمجھوتہ تھا۔کاغذی طور پر اسکی کوئی اہمیت ہو تو مگر دلی طور پر اس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

تبھی کوئی اندر داخل ہوا تھا اور حین شایان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں۔اس نے فون اور ڈھیر سارے بیگ اس کی طرف بڑھائے تھے۔حین شایان شاہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا تھا۔''اس نے سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔

''میں جانتا ہوں مگر یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں۔آپ ہماری مہمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہادر اور جی دار لڑکی ہیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا پھر یاد لا دوں، اب آپ ہماری ذمہ داری ہیں۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔جتا رہا تھا۔

''میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں۔آپ کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے۔میری جان بچائی ہے۔اس کے عوض آپ لوگوں کا من پسند فیصلہ قبول کرنا پڑا مجھے۔خطرہ تو دونوں طرف ہی تھا مگر میں نے کم خطرے کو چنا، میں نے اس خطرے سے بچنے کے لئے ایک مقابلتاً کم خطرے کو ترجیح دی۔تو قیر انکل میرے لئے پاپا جیسے ہی ہیں ان پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ان کی بات کو میں جھٹلا نہیں سکتی تھی، اور اس وقت تو اور بھی نہیں جب انہوں نے بتایا ماموں بھی اس فیصلے سے متفق ہیں۔اب وہی تو ہیں میرے بڑے اتنی بڑی دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں میں۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔حقائق سے روشناس کرا رہی تھی۔

''آپ نہیں سمجھ سکتے۔تنہا ہونے کا کیا عذاب ہوتا ہے۔تنہائی کا کیا درد ہوتا ہے۔تنہا بے جواز راستوں پر چلنا کس قدر شوار ہوتا ہے۔لامتناہی اور الجھے راستوں پر بے سمت چلنا جاں گسل ہوتا ہے۔بلاوجہ بے قاعدہ بغیر کسی حکمت عملی کے چلتے رہنا کتنی بڑی سزا ہوتی ہے۔راستے طویل اور مزید طویل ہو جاتے ہیں۔ایک خوف پیچھا کرتا رہتا ہے۔پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ سانس لینا دشوار لگنے لگتا ہے مگر چلتے رہنے کا عمل رکتا نہیں ہے۔تھمتا نہیں ہے۔چلتا رہتا ہے۔چاہے پاؤں اپاہج ہی کیوں نہ ہو جائیں کوئی تدارک نہیں نظر آتا۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔اس کی آواز میں یاسیت تھی۔وہ راز منکشف کر رہی تھی۔

اور اس کی طرف ایک ٹک دیکھتے اس کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کی زندگی کو بیان کر رہا تھا۔ وہ بھی تو ایسے دور سے گزرا تھا۔ اس نے بھی تو اپنی ماں کو بچپن میں کھویا تھا۔ تبھی تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تیرتے دکھ کو محسوس کر سکتا تھا۔ جیسے اس کا اور اس کا درد مشترک تھا۔ تبھی وہ اسے خود سے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ نہیں جانتی ہیں۔ آپ کے ساتھ ایک برسوں پرانا رشتہ لگتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے میں صدیوں سے آپ کو جانتا ہوں۔ میں آپ کا دکھ محسوس کر سکتا ہوں۔ اس تکلیف کی شدت سے واقف ہوں۔ آگاہ ہوں اس درد سے، جس اذیت سے آپ گزریں ہیں اس کا اندازہ کر سکتا ہوں میں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کوئی اس درد کو محسوس نہیں کر سکتا یہ صرف کہنے کی بات ہوتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس اذیت کا کوئی شمار نہیں۔ میری زندگی تو اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ ایک گہرا گھپ اندھیرا ہے۔ گہری سیاہی پھیلی ہوئی ہے ہر طرف، چار سو ایک کالی گھٹائی دبیز چادر پھیلی ہوئی ہے۔ اس تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ وہاں کسی خوشی کا کوئی گزر نہیں ہو سکتا۔ صعوبتوں کا ایک انبار لگا ہوتا ہے۔ مصیبتیں اپنی گٹھڑی باندھے قطار در قطار چلی آئیں ہیں۔ میں بس ایک ٹک ان کو دیکھنے کی کوشش کرنے کا جتن کرتی رہی ہوں۔ ایک سے نپٹتی ہوں تو دوسری تیار ہوتی ہے۔ جانے زندگی میں اندھیرے اجالے کا کوئی راستہ بھی نظر آئے گا یا نہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔ کوئی چیز نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے قطرے موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔ وہ جذباتی ہو گئی تھی۔

اظل سیام مرزا کو لگتا تھا جیسے اس کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔ اس آنکھوں سے گرتا ہوا ہر آنسوں کا قطرہ اس کی بے چینیوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ یہ سب بے ساختگی میں ہوا تھا۔

حین شایان شاہ نے حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کا عمل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا مگر اس نے ایک ہی جست میں ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے یوں کھنچا تھا جیسے کسی کرنٹ نے چھو لیا تھا اور اس نے قدم پیچھے ہٹا کر فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کو خوف زدہ کرنا نہیں تھا۔ کیا ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ ہم دونوں میں بہت ساری مشترک ہیں۔

''مجھے لگتا ہے ہم اچھے دوست ثابت ہونگے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟'' وہ دھیمے لہجے میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ اس کے اندر کے خوف کو زائل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتا خوف اسے بے چین کر رہا تھا۔

اور حین شایان شاہ کے کانوں میں اس کی آواز بازگشت کر رہی تھی۔ ہم اچھے دوست ہیں نا، تو کیا اچھے دوست محبت نہیں کر سکتے؟ اگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے بغیر جینا محال ہے، تم دور جاتی ہو تو لگتا ہے میرے جسم سے جان نکال کر اپنے ساتھ لے جاتی ہو، اور وہاں بس ایک ساکت بے جان بت کھڑا چھوڑ جاتی ہو۔ جو بنا سانس لیے بند اور جامد ساکت دل کے ساتھ محو انتظار چپ چاپ کھڑا رہتا ہے۔ لمحے

گنتا ہے۔اس کی حسیات گھڑی کی ٹک ٹک پر لگی ہوئی ہیں۔گھڑی کی سوئیوں پر نگاہ جمائے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا بس لمحوں کی گنتی کرتا رہتا ہوں۔ بے بس سا ان رستوں پر نگاہیں جمائے کھڑا رہتا ہوں۔ جہاں سے تم گزر کر جاتی ہو،اس انتظار میں کہ کب تم واپس آؤ گی تو میں زندگی پا جاؤں گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں حکایتیں سنا رہا تھا۔دھیمے لہجے میں بے بسی تھی۔اور حین شایان کھل کر ہنس پڑی تھی۔

''تم بہت بڑے ڈرامے باز ہو۔تم ہر لڑکی کے ساتھ یہی ڈائیلاگ دہراتے ہو۔تمہاری کسی بات پر مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے۔ مجھے اس کھیل میں شامل مت کرو عفان ضیاء ہاشمی، سمجھ لو میں ان قصوں میں سرے سے انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی۔آنکھوں میں خاصی چمک تھی۔

''حسن اور ذہانت جب ایک ساتھ ہوتے ہیں تو اس کا یہی نقصان ہوتا ہے۔ بے نیازی تمہاری شخصیت کا خاصہ ہے میں جانتا ہوں، تبھی تو میری محبت پر پاؤں رکھ کر گزر جاتی ہو۔میرے دل کے ٹکڑے کر دیتی ہو،معصوم سا دل ہزار منتیں کرتا ہے،فریاد کرتا ہے، واویلا مچاتا ہے۔گزارشات کرتا ہے مگر تم کسی درخواست کو قبول نہیں کرتی ہو،ساری درخواستوں کو رد کر دیتی ہو،تمہیں ادراک ہی نہیں ہوتا میری محبت کا اور میں اس محبت کی سچائی کو ثابت کرنے کا ادرک کر کے ہار جاتا ہوں۔

لاکھ جتن کرتا ہوں جتنی بھی تگ و دو کرتا ہوں۔تمہارے لے لیے وہی ڈھاک کے تین پاٹ ہی نظر آتے ہیں۔میری کوئی تدبیر کارگر ہی نہیں ہوتی،تم ہی کہو کیا کروں کہ تمہیں یقین آ جائے۔'' وہ شدت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بغور دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

سب ہنس دیتے تھے اور حین شایان شاہ نے اسے دکھ دیا تھا اور پول میں گرا دیا تھا۔وہ سب ہنس رہے تھے اور حین شایان شاہ مسکرا رہی تھی۔

''آئندہ یہ فضول قسم کے مجنوں والے قصے مجھے سنانے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہاری شکایت ضیاء انکل کو لگا دونگی، پھر تم ہو گے اور ان کی ڈانٹ،تم جانتے ہو نا،اگر بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو مسکراتا ہوا باہر نکل آیا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''جانتی ہو کیا حین شایان شاہ؟ جب تم نے مجھے گرانے کے لیے پول میں دھکا دیا تھا۔تب تم نے میرے دل پر ہاتھ رکھا تھا اور میرا دل اسی لمحے سے دوگنی شدت سے دھڑک رہا ہے۔ایک برق رفتاری اس کے اندر سرایت کر گئی ہے۔میرا دل جو صدیوں سے لمحوں کو گن رہا تھا اس کی ریاضتوں کا ثمر مل گیا ہے،وہ جو ایک معجزے کے انتظار میں لمحوں کو گن گن کر پھر ایک گھڑی میں باندھتا جا رہا تھا۔ناامید سا چپ چاپ کھڑا تھا،تم نے چھوا اور دل کو امید کی روشنی سے منور کر دیا۔وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔آنکھوں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔ چہرے پر کسی خفگی کا دور تک شائبہ تک نہیں تھا۔

''تم مسکراتے ہوئے اچھی لگتی اور تمہارا یہ مغرور انداز سونے پر سہاگہ ہے۔تمہارے حسن کو اور بھی دو آتشہ کر دیتا ہے۔تم مار دینے

کے سارے وصف آزماتی ہو۔تمہارے سحر سے بچنا محال ہے اور ایک بات اور۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا؟'' عین شایان شاہ نے حیرت سے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔تم پاپا کو کچھ نہیں بتاؤ گی یہ میں جانتا ہوں۔ تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں' بچپن ساتھ گزرا ہے نا، ایسے تم خود ہی کافی ہو اکیلی بھی سو پر بھاری ہو مجھے تو بے سدھ کر دیا ہے۔ پھر ان کو مزید زحمت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی وہ تو تمہاری وکالت کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ عین نامہ صبح ناشتے کی ٹیبل پر شروع ہوتا ہے تو شام کو ڈنر کی ٹیبل پر ختم ہوتا ہے۔ تمہاری اسٹڈی کے بہترین ریکارڈ کو لے کر ایسے ایسے طعنے مارتے ہیں۔ ایسی عزت افزائی کرتے ہیں کہ کیا کہنے۔ بس شرم سے پانی پانی ہونے کی کسر رہ جاتی ہے، تبھی تو تمہیں کہہ رہا ہوں، تم اکیلی ہی کافی ہو مجھ سے نپٹنے کے لیے تو ان کو انوالومنٹ کرو یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے ہم خود ہی حل کر لیں گے نا۔'' وہ مسکین سی صورت بنائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ جانتی تھی وہ ضیاء انکل سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ بہت غصے والے انسان تھے۔ سخت باپ واقع ہوئے تھے، مگر عین کو دیکھ کر ان کا سارا غصہ ہوا ہو جاتا تھا۔ دنیا میں اگر وہ کسی کی مانتے تھے تو وہ عین تھی۔ عفان کو ہر بات کی اجازت درکار ہوتی تھی وہ خود ان سے کہنے کی ہمت کبھی نہیں رکھتا تھا۔ وہ عین کے ذریعے ہی وہ بات ان تک پہنچاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب انکار ممکن نہیں ہوگا۔

عین شایان اس کی عادت سے واقف تھی وہ جانتی تھی عفان ضیاء دل کا بہت اچھا تھا بس تھوڑا شرارتی تھا مگر اس کی دھمکی کارگر ہوئی تھی۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''ٹھیک ہے اگر تم میرے فیورٹ چاکلیٹ کے دو پیکٹ لاتے ہو تو پھر اس کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے''۔ اس نے آنکھیں گھماتے ہوئے فرمائش کی تھی۔

''تم..... کتنی مین ہو نا تم، اپنے اکلوتے دوست کے ساتھ Trade کر رہی ہو اسے ڈیل کا حصہ بنا رہی ہو، میری پاکٹ منی پر نظر جمائے بیٹھی ہو ٹھیک ہے، کھا لینا چاکلیٹ میں اپنی پاکٹ منی کی قربانی دینے کو تیار ہوں کتنے پلان بنائے تھے۔ Hiking پر جانا تھا۔ مگر تم۔'' وہ مسکین سی صورت بنائے نا چاہتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا۔

''سنیے..... کہاں کھو گئی ہیں آپ.....؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا.....'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا وہ نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر وہاں موجود ہو کر بھی موجود نہیں تھی۔

اظل سیام مرزا کی آواز اسے ماضی سے نکال باہر لائی تھی۔ اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔ حقیقت کس قدر تلخ اور دقیق تھی۔

''آپ یہاں ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا ہوں، یہ لمحے کس قدر بھاری ہوئے آپ پر، ایک نام نہاد کے

بندھن میں بندھ جانے کا ملال ستا رہا ہوگا آپکو، پچھتاووں نے گھیر لیا ہوگا آپ کو، کوئی وعدے ہونگے جو وفا نہ ہو پائے ہونگے۔ کئی باتیں صیغۂ راز میں رہ گئی ہونگی مگر مجبوری ہے اب کیا ہوسکتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سب تو برداشت کرنا ہوگا۔ بنا کوئی تردد کیے اس رشتے کو نبھانا ہوگا، جب تک حالات معمول پر نہیں آجاتے، بعد میں آپ کو آزادی ہوگی۔ جو چاہے مرضی کرسکیں گیں وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔"

"تب پھر آپ بنا کسی رکاوٹ اور روک ٹوک کے بنا کسی حیل وحجت اپنی پسند کا کوئی بھی فیصلہ لے سکتیں ہیں، تب کوئی رکاوٹ آپ کا راستہ نہیں روک سکے گی، یہ میں آپ کو یقین دہانی کرواتا ہوں۔" مدھم لہجہ پر یقین تھا۔ بظاہر ایک مضبوط اور اٹل لہجہ جس پر کوئی بھی اعتبار کرسکتا تھا مگر اس کے اندر ایک بے چینی گھر کر گئی تھی وہ کسی اور کو سوچ کر مسکراتی تھی۔

"مانتی ہوں آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ مگر میں کوئی احسان نہیں لے سکتی۔ یہ میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔ میری غیرت گوارا نہیں کرتی میں کوئی چیز قبول نہیں کرسکتی کیونکہ میں جانتی ہوں میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں۔ یہ صرف ایک کاغذی رشتہ ہے۔ جس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ جس کی کوئی اہمیت اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کاش ماما پاپا زندہ ہوتے تو مجھے ان حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہوجائے گا۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

تبھی دادا جان اور دادی جان اندر داخل ہوئے تھے۔ "کیا ہوا بیٹا تم نے چیزیں کھول کر نہیں دیکھیں؟ تم اپنا فون استعمال کرسکتی ہو اب، جس سے چاہو جب چاہو رابطہ کرسکتی ہو انہوں نے حین کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"بہت بڑا احسان کررہے ہیں جس کا بدلہ یہ کبھی نہیں اتار سکتیں جس کے بوجھ تلے تو یہ دب ہی جائیں گی سو یہ سب قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ منکر ہوگئی ہیں آپ لوگوں کے رشتے سے بھی، خود کو اجنبی سمجھ رہی ہیں یہاں بلکہ انھیں تو سر سے ہم پر اعتبار ہی نہیں ہے۔" اظل سیام مرزا نے کھردرے لہجے میں کہا تھا۔ جتا گیا تھا، کتنے الزامات لگا رہا تھا۔

"یہ کیا سن رہا ہوں میں بیٹا۔ تم ہمیں غیر سمجھتی ہو؟" دادا جان کے لہجے میں گہرا دکھ تھا انہیں شاید برا لگا تھا۔

"نہیں دادا جان ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر میں مزید کوئی احسان نہیں لے سکتی مگر ایک شرط پر یہ تمام اشیاء لے لوں گی، اگر آپ کو منظور ہو تو؟" اس نے دادا جان کی طرف دیکھا تھا۔ دادا جان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کہو بیٹا؟ آپ کی ہر شرط منظور ہے ہمیں، بلکہ آپ حق سے کہو اس گھر پر اور ہر اس کی چیز پر آپ کا مکمل اختیار ہے۔ آپ کا ہر لفظ سب کے لیے حکم کا درجہ رکھے گا۔ کسی کی مجال نہیں جو آپ کو انکار کرسکے۔" انہوں نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"کہو بیٹا انہوں نے شفقت سے ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔ حین نے اپنے دوپٹے کا ایک کونہ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ ان کے کہنے پر اس نے اور کونے کو ہاتھ میں لیا تھا۔ اس کا ڈوپٹہ بہت ساری کڑھائی سے مزین تھا۔ کافی بھاری لگ رہا تھا۔ اس نے دھاگے کی ایک ڈور کھینچی تھی اور ڈوپٹے کا کونا ایک طرف سے کھل گیا تھا شاید اس کو ڈبل تہہ کر کے سلائی کیا گیا تھا۔ اس نے بیڈ پر اس کے کونے کو الٹ

دیا تھا، بیڈ پر کتنے سارے نوٹ سونے کے سکے اور کچھ کارڈز پڑے تھے۔ سب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو یہ سب لینے پڑیں گے۔ تب ہی میں یہ تمام چیزیں لے سکوں گی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے رکی تھی آپ میرا برا مت مانیے گا۔ میں نے آج تک کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ ماما پاپا کے ہوتے ہوئے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی تھی مگر نہیں سوچا تھا کسی دن یوں در بدر بھٹکنا پڑے گا میری نانی جان بہت خوددار ہیں ان کی روایت میں یہ شامل نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے اگر کسی کا احسان لے لیا تو پھر تمام عمر اس احسان کو اتارتے ہوئے گزر جائے گی اور پھر بھی احسان کا بوجھ کم نہیں ہوگا۔ جب سے ان مشکل حالات کا حصہ بنی ہوں۔ نانی جان شاید آنے والے خطرات کو بھانپ گئی تھیں۔ شاید وہ آگاہ تھیں۔ تبھی انہوں نے میرے سارے ڈوپٹوں میں مہارت سے کچھ سونے کے سکے کچھ کرنسی اور میرے کارڈ ڈال دیئے تھے، بغیر کسی کے نالج میں لائے سب سے چھپا کر میرے اسی برے وقت کے لئے تاکہ مجھے کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔'' اس نے توجیحات پیش کیں تھیں۔ ان کو تفصیلاً آگاہ کیا تھا۔

''بیٹا آپ کی نانی جان بے حد سمجھدار اور دانا ہیں۔ ان کی دانائی کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔ یہ تو اپنی مثال آپ ہے، مگر یہ سب تم اپنے پاس سنبھال کر رکھو۔ یوں پیسوں کی بات کر کے ہمیں غیرت کا احساس مت دلاؤ۔'' دادی جان نے ڈپٹا تھا۔

''تمہاری نانی جان کی سمجھداری کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ مجھے میری والدہ بتاتی تھی پاکستان بننے دلا تھا۔ ان دنوں حالات بے حد بگڑ گئے تھے۔ ہر طرف ایک جنگ وجدل کا دور دورہ تھا تب وہ کرنسی اور ضروری چیزوں کو ایسے ہی محفوظ رکھتیں تھیں دادی جان نے کہا اور پھر ساری چیزیں بیڈ سے اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیں تھیں۔

''رشتوں کو Materialistic چیزوں کے ترازوں میں نہیں تولتے بیٹا۔ اگر ایک باپ اپنی بیٹی کو کچھ دیتا ہے تو وہ اپنی بیٹی پر احسان قطعی نہیں کرتا۔ اگر تمہارے پاپا یہ عمل کرتے تو کیا تم ان کو بھی انکار کرتیں؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور عین شایان شاہ کی آنکھوں میں سمندر پھر سے رواں ہو گئے تھے۔

جیسے رونے کی کوشش کرتے وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی اس نے چپ چاپ بغیر کسی حیل وحجت کے فون ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''شاباش۔ میری بہادر بچی ہو تم۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا اور پھر قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ دادی جان نے بھی پیش قدمی کی تھی۔ اظل سیام مرزا نے کچھ لمحے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا۔ تبھی اس کی آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

''سنیئے ..... یہ دوسری بار تھا جب اس نے اس طرز تخاطب سے پکارا تھا اور اظل سیام مرزا کی حسایت سماعت بن گئیں تھیں اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شکریہ۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا، وہ بمشکل سن پایا تھا۔ وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا اس کے سامنے آ ٹھہرا تھا۔

''احتیاط اچھی ہوتی ہے۔ مگر کبھی کبھی خدشات اور وسوسوں کو ایک طرف رکھ کر غیر متزلزل اعتبار مضبوطی دینے کے لیے ان لڑکھڑاتی سیڑھیوں کو چڑھنے کے لئے۔ سیڑھیوں کی مضبوط دیوار کے ساتھ سہارا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تبھی بلندی پر جانے کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ یہ سہارا وقتی بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اس بھروسے کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ اس سے بلندی پر جانے کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔'' وہ ناصح بنا حقائق سے روشناس کروا رہا تھا۔ اس نے سر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''آپ نے کہا تھا نا کہ اچھے دوست بن سکتے ہیں سو میں نے سوچا تو لگا یہ ممکن ہوسکتا ہے۔ اس کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''اس بارے میں سوچنے کے لیے اور عزت افزائی کے لئے شکریہ، میں آپ کے اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایک خیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آکر معدوم ہوگئی تھی۔ وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ جانے اسے کیا یاد آگیا تھا جو جاتے جاتے پلٹا تھا۔ جیسے کچھ خاص بات کہنا بھول گیا تھا اور ایک بات اور.....'' اس نے کہا تھا۔

ھین نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر فوراً ہی نگاہیں جھکا گئی تھی۔ ''آپ بے فکر ہوکر سکون سے سونا، سارے خدشات کو ایک پوٹلی میں باندھ کر مجھے تھما دیجئے۔ میں ان خدشات کی خبر لوں گا جو آپ کو ہراساں اور پریشان کرتے ہیں ان کو میرے حوالے کردیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ انداز نا سمجھ میں آنے والا تھا۔ ھین اس کے بدلتے انداز سے حیران تھی، وہ رکا ہوا تھا اس کے جواب کا منتظر تھا مگر وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک لمحہ انتظار کیا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

ھین شایان شاہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور بیڈ پر بیٹھ کر تمام چیزوں کو سمیٹا تھا۔ ماموں کا نمبر کتنی بار ڈائل کیا تھا۔ مگر کوئی response نہیں مل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ سوچوں نے رخ موڑ لیا تھا۔ اطمینان ہونے کی بجائے وہ مزید بے چینیوں میں گھر گئی تھی۔ اس نے بیڈ کی پشت پر ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں تھیں۔ جانے کتنے طوفانوں کا سامنا کرنا باقی تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب آگ کی لپٹوں میں اپنا گھر بھی جل جاتا ہے اور اگر کوئی کسی اور کے لیے گڑھا کھودتا ہے تو خود بھی اس میں گر جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ خوف بن کر اس معصوم کو ڈرا رہا تھا خود خوفزدہ ہو رہا تھا۔ اب خود اس اذیت سے گزر رہا تھا۔ کیے کی سزا بھگت رہا تھا۔

ظفر نے بڑھ کر دیکھا تھا۔ غضنفر درد سے کسمسایا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

وہ تیزی سے بھاگتا ہوا حمیرا بیگم کی طرف بڑھا تھا۔

''بیگم صاحبہ..... غضنفر صاحب کو ہوش آگیا ہے۔ وہ پھولے سانسوں سے بتا رہا تھا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔ میرے بھائی کو ہوش آ گیا۔ تم اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں آ گئے۔ تمہیں وہیں رک کر اس کے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔ کسی اور کو نہیں بھیج سکتے تھے۔ جاؤ اب یہاں سے وہ ایک دم بھڑک اٹھی تھیں۔ سارا غصہ اس پر اتار دیا تھا، وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی عنصر کے کمرے کی طرف بڑھیں تھیں، اسے ہوش میں دیکھ کر گہرا سانس لیا تھا پھر اس پر جھکیں تھیں۔

''کیا ہوا غضنفر.....؟ تم ٹھیک ہونا.....؟ جانتے ہوئے ہر پل سالوں کی طرح لگا تھا مجھے۔ کیا ہوا تھا، اب بتاؤ مجھے، کس نے کی تمہاری یہ حالت.....؟ اور تم جنگل میں کیا کر رہے تھے؟'' ایک ہی سانس میں انہوں نے بے قراری سے کتنے سوال پوچھ لئے تھے۔ بس ایک بار اس کا نام لو جس نے تمہاری یہ حالت کی ہے، پھر دیکھو میں اس کا کیا حال کروں گی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ تکلیف سے کراہ اٹھا تھا۔

''وہ.....لڑکی.....'' وہ بمشکل بول پایا تھا۔

''اس لومڑی کو تو میں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا تو جینا حرام کر دونگی۔ اس کی یہ ہمت کہ میرے بھائی کو لہولہان کرے اس کو خون کے ایک ایک قطرے کا حساب کرنا پڑے گا۔ وہ چالاک و مکار تھی میں اس کو جان گئی تھی۔ بالکل اپنی ماں پر گئی ہے۔ اس کے گناہوں کا کھاتہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک اور گناہ کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ اسے ان تمام گناہوں کی قیمت چکانی ہوگی۔'' حمیرا بیگم نے رعونت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''تم اتنے ہٹے کٹے ہو پھر اس لڑکی سے کیسے پٹ گئے۔ شرم نہیں آئی تمہیں.....؟ وہ چالاک لومڑی تمہیں ادھ موا کر کے فرار ہو گئی۔ ملازم تمہیں اگر اٹھا کر نہ لاتے تو تم تو مر گئے ہوتے.....'' وہ غصے سے اپنے بھائی کو ڈانٹ رہی تھیں۔

''میں کیا کرتا اس نے اتنا شدید حملہ کیا کہ میں تو کچھ کر ہی نہیں سکا، میری ہمت ناپید ہو گئی تھی، اس نے پوری طاقت سے پے در پے وار کر کے مجھے ادھ موا کر دیا تھا۔ جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔ میں نہیں جانتا۔ وہ تو خود شیرنی بن گئی تھی جو اپنے شکار پر جھپٹ پڑتی ہے اور اسے دبوچ کر اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ نحیف آواز میں اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا یا اس کی طاقت اور برتری کا مگر حمیرا بیگم کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

''کیسے بے غیرتوں کی طرح اسکی تعریف کے پل باندھ رہے ہو، بے شرمی کی حد ہے ایک چڑیا جیسی لڑکی سے پٹ گئے تم۔ جانتے تھے نا اتنے سالوں تک اس ایک لمحے کا انتظار کیا تھا۔ سالوں آگ میں جلی ہوں، عالیہ کی حالت دیکھ کر دل جلتا رہتا تھا۔ کڑھتی رہتی تھی۔ میرا بس چلتا تو اسکو دوسری سانس نہ لینے دیتی۔ اسکی ماں نے میری بہن کی ایسی حالت کر دی کہ نہ وہ زندوں میں ہے نا مردوں میں۔''

''اور تم نے.....'' وہ جیسے بولتے بولتے تھکنے لگیں تھیں۔ ''تم نے میرے انتقام کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا ہے۔ اس جلتے الاؤ پر تیل کا کام کیا ہے اس نے، وہ موت بھی مانگے گی تو میں اسے نہیں دونگی۔ اتنا تڑپاؤں گی کہ اس کی روح تک کانپ اٹھے گی۔ اس کا لہجہ

سفاک تھا۔انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے وہ سچ اور جھوٹ کی پرکھ بھول چکی تھی۔اچھائی اور برائی میں فرق کرنا بھول چکی تھی۔

''وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ڈری سہمی ہوئی۔میرا دل آ گیا ہے اس پر۔مجھے تو اس کی مار میں بھی پیار نظر آتا ہے۔''وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

تم اس دنیا کے سب سے بے وقوف انسان ہو۔تمہیں ہزار بار سمجھایا تھا۔صبر کرو۔تھوڑا انتظار کرو،آج تک تمہاری کوئی فرمائش کبھی ٹالی ہے میں نے؟ میری بات پر بھروسہ کیوں نہیں کیا تم نے،اپنی من مانی کر کے دیکھ لیا نا نتیجہ۔اگر ملازم اٹھا کر نالاتے تو جانوروں کی خوراک بن چکے ہوئے مگر تمہاری عقل ناپید ہے،گھاس چرنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔کر لی اپنی مرضی.....؟ وہ تو اچھا ہوا بچ گئے ہو۔ابھی ہڈیوں کو جڑنے میں وقت لگے گا۔ابھی تو سبق سیکھ لو۔''وہ اسے ڈانٹ رہیں تھیں۔وہ جانتا تھا بہن اس سے محبت کرتی ہیں سو خاموشی سے سن رہا تھا۔ان کے لاڈ پیار نے اس کو بگاڑ دیا تھا۔

مجھے اس سے شادی کرنی ہے آپا،کچھ بھی کریں۔''اس نے سلگتے لہجے میں کہا تھا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے،دماغ چل گیا ہے تمہارا؟ لگتا ہے تمہارے دماغ پر گہری چوٹ لگی ہے جو اول فول بول رہے ہو،وہ عمیر شاہ کی منگیتر ہے۔تم کیسے بھول گئے ہو،بچپن سے اس لڑکی کے پیدا ہونے سے پہلے ہی یہ رشتہ طے ہو چکا تھا۔انتقام پورا ہونے کے لیے اسے تو اس گھر میں لانا ہی تھا تا کہ اپنی بہن کی اذیت کا بدلہ لے سکوں اس سے،اسے بھی ویسے ہی تڑپا سکوں جیسے میری بہن نے سسک سسک کر زندگی گزاری ہے۔بوجھ کی طرح ڈھویا ہے زندگی کو۔''وہ کرخت لہجے میں اسے جتا رہی تھیں۔اس کی کم عقل کا ماتم کر رہی تھی۔

''عمیر شاہ اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہے وہ خود سر ہے یہ تو آپ اچھی طرح جانتی ہیں آپا،وہ ہٹ دھرم ہے وہ آپ کی بات کبھی نہیں سنے گا۔وہ سرے سے اس رشتے سے منکر ہے۔پھر ایک ہی صورت نکلتی ہے۔اس کی شادی مجھ سے کروا دیں۔آپ کا انتقام بھی پورا ہو جائے گا اور میری خواہش بھی۔ایک ہی تیر سے دو نشانوں پر اپنا کام کر دکھائے گا۔''اس نے مشورے سے نوازا تھا۔وہ جانتا تھا اس کے بعد آپا کے تابڑ توڑ حملوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔

''اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا منہ بند رکھو،اپنی حد سے مت نکلو،اپنا دماغ چلانے کی ناکام کوشش مت کیا کرو عقل تو نام کی نہیں ہے تم میں خواہ مخواہ اپنے بیمار دماغ کو پریشان مت کرو،جو کام نہیں کر سکتے وہ کرنے کی کوشش بھی کرو گے تو ناکام ہو جاؤ گے۔جس کا کام اسی کو ساجھے۔''اس نے رعونت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''چلو اب آرام کرو،میں چلتی ہوں،ظفر و تمہارے پاس ہے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے کہہ دینا۔''انہوں نے کہا تھا اور قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔

''آپا.....وہ کیسی ہے؟ کہاں ہے وہ آپکی چہیتی جس کے بغیر آپ سے سانس لینا بھی محال لگ رہا ہے۔''وہ بے قراری سے اس

کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''حیرت ہے اتنی مار کھانے کے بعد بھی، اتنی ہڈیاں تڑوانے کے باوجود بھی اس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟''

''وہ چالاک لومڑی تو تمہاری پٹائی کر کے بھاگ گئی تھی مگر اب سراغ مل گیا ہے۔ وہ بڑھیا اس کی مدد کرنے میں پیش پیش تھیں۔ بس صبح ہونے کا انتظار ہے، پھر تو اسے یہیں ہونا ہے نا بھاگ کر کہاں جائے گی۔'' وہ سخت لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ حمیرا بیگم کے کھردرے لہجے میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ تم اگر میرے بھائی نہ ہوتے تو تمہاری ساری بچی کھچی ہڈیاں بھی تڑوا دیتی۔ تم نے میرے ہاتھوں آیا شکار نکال دیا۔ میرا اتنا بڑا نقصان کر دیا مگر تم میرے عزیز بھائی ہو، پیارے بھائی ہو۔''

''تمہیں تو سات خون معاف ہیں مگر تمہیں کچھ تو اندازہ ہوگا۔ کس طرف گئی تھی۔ اگر اطلاع پکی ہے تو کل اسے زمین کی سات تہوں سے بھی نکال لاؤں گی۔''

وہ سفاکی سے کہہ رہی تھیں۔

''وہ تنہا نہیں تھی۔ کوئی تھا اس کے ساتھ، میں نے دیکھا تھا۔ ایک ہیولا، ایک سایہ میری طرف بڑھا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا تھا۔ مگر وہ درمیان میں آ گیا تھا۔ میری یہ حالت اس نے کی تھی۔ مجھے لگا میرا وہم تھا، مگر اب لگ رہا ہے وہ وہم نہیں حقیقت تھی۔ کوئی اس کا ساتھ دے رہا ہے۔ تبھی تو وہ اتنی بہادری دکھا پائی تھی۔ اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

''کیا.....؟'' حمیرا بیگم تعجب سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ تمہارے دماغ میں بھوسا بھرا ہوا ہے۔ کام کی بات سب سے آخر میں بتا رہے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے تمہاری یادداشت پر گہرا اثر ہوا ہے۔ تم نے تو حد کر دی اپنی زبان کھولنے میں، تمہاری عقل سو رہی تھی کیا؟'' وہ بھڑک اٹھیں تھیں۔ آگ بگولا ہو رہی تھی۔

''کون ہو سکتا ہے۔ وہاں اس کی مدد کو کون پہنچا ہوگا اور کیسے.....؟ گتھی سلجھنے کی بجائے مزید الجھ گئی ہے۔ تم سارے نکمے ہو، مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں تم لوگوں پر انحصار نہیں کر سکتی۔'' حمیرا بیگم نے کہا تھا اور پھر ملازم کو آواز دی تھی۔

''ظفر و خادم کو بلاؤ جلدی اور عمر کہاں ہے؟ فوراً سے پہلے اسے میرے کمرے میں بھیجو۔ دیر کی تو تمہاری کھال ادھیڑ دونگی۔''

ظفر وان کے غصے سے واقف تھا۔ تقریباً بھاگتے ہوئے خادم کو بلانے گیا تھا۔ اسے پتا تھا آج کسی کی بھی خیر نہیں تھی۔ حمیرا بیگم اپنے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

مشکل لمحات میں لمحے صدیاں بن جاتے ہیں۔ وقت چیونٹی کی طرح رینگنا شروع کرتا ہے۔ ہر پل طویل سے طویل تر ہو جاتا

ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔رات اتنی سیاہ اور تاریک تھی اور اس کالی لمبی رات کا سویرا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔جانے کیسے خوف نے اس کے اندر گہرائی میں پنجے گاڑ لئے تھے۔اس خوف نے اس کو بستر سے لگا دیا تھا۔وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔اس کا دم گھٹ رہا تھا۔اس نے اٹھ کر کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھول دیں تھی۔اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے نکل کر کہیں بھاگ جائے۔اتنی طویل اور سیاہ رات تھی کہ اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔جانے کیسا بھول بھلیوں جیسا راستہ تھا۔وہ حیران ہو کر دیکھ رہی تھی کہ کس طرف جائے، باہر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ایک راہداری سے گزر رہی تھی تبھی ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور کوئی باہر نکلا تھا۔وہ اس سے ٹکرا گئی تھی۔

''تم.....؟'' وہ حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔کہاں جا رہی ہیں آپ.....؟ کیا ہوا۔آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''

اظل سیام مرزا کی قدموں کی چاپ سے آنکھ کھل گئی تھی۔وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔اس کا چہرہ رہ رہ کر خیالوں میں آ رہا تھا۔اسے اپنے سامنے دیکھ کر اسے تو خواب کا سماں لگ رہا تھا۔ایک لمحے میں اس قدر عزیز ہو گئی تھی۔

''اس نے بے قراری میں کتنے سوال ایک ہی سانس میں کر دیے تھے۔سوالیہ نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر ٹکی ہوئیں تھی۔وہ ٹکٹکی باندھے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ میں..... میں باہر جا رہی تھی۔میرا دم گھٹ رہا ہے اندر، کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی ہوں مگر میں بھٹک گئی ہوں باہر جانے کا راستہ ہی نظر نہیں آ رہا ہے۔لگتا ہے بھول بھلیوں میں کہیں کھو رہی ہوں۔راستے گنجلک ہو رہے ہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں گہری بات کر گئی تھی۔

وہ جانتا تھا وہ کس بارے میں کہہ رہی تھی۔

اس نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔وہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی اور نگاہ چرا گئی تھی اور چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے راستے کہیں کھو گئے ہیں اپنی سمت موڑ گئے ہیں۔جتنا آگے بڑھتی ہوں پیچ دار اور خم دار راستے اور بھی پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں۔پر خار راستوں میں اونچی اونچی فصیلیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور لمبی اور مزید لمبی ہوتی جاتی ہیں۔ان کی اونچائی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔آگے آنے والے موڑ انھیں پوشیدہ کر رہے ہیں۔میں انہیں راستوں میں کہیں بھٹک گئی ہوں۔کھو رہی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں بول رہی تھی اور اظل سیام مرزا اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔وہ ایک قدم آگے بڑھا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔جس پر فکروں کا جال بنا ہوا تھا اور آنکھوں میں ایک خوف بھرا ہوا تھا۔

''میں نے کہا تھا۔ خدشات کو ایک گٹھڑی میں باندھ کر میرے حوالے کر دو، میں نے ان وسوسوں کو ڈپٹا تھا کہ تمہاری ان سرمئی آنکھوں کو ہراساں نہ کریں مگر وہ شکایت کر رہے تھے تم ان کو زبردستی کھینچ کر اپنی آنکھوں میں بھر لیتی ہو ان کو جانے ہی نہیں دیتی ہو، مارے خوف کے وہ تمہاری سرمئی آنکھوں کی پتلیوں کی دیواروں سے چسپاں ہو گئے تھے۔ چپک گئے تھے۔ وہ میرے حکم سے منحرف نہیں ہو سکتے مگر تم نے ان کے باہر نکلنے کے سارے راستے مسدود کر دیے ہیں..... تم ہو کہ ان کو رہائی نہیں دیتی ہو۔'' وہ سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔ آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

اور حین شایان شاہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا طرز تخاطب نیا تھا۔ اس کے لئے اس کا زاویہ حیران کن تھا۔ شاید وہ اس رشتے میں بندھنے کا اثر تھا۔ وہ مکمل استحقاق سے ان سرمئی آنکھوں میں دیکھنے سے خود کو روک ہی نہیں پایا تھا۔

حین کا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں کپکپا رہا تھا۔ بالکل سرد اور جامد سا تھا اس کا ہاتھ۔ اظل سیام مرزا کو لگا جیسے برف کو لے لیا تھا۔

''ہاتھ..... ہاتھ چھوڑیے میرا.....'' اس نے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کی بے تکلفی کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

''یہ ہاتھ تو میں نے عمر بھر کے لیے تھاما ہے۔ آپ کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ ہر مصیبت میں ساتھ نبھانے کا اور اس مصیبت سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ مشکل گھڑی میں آپ کا ہاتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا، اسے جتا رہا تھا۔

''آپ بے جواز باتوں میں وقت کو ضائع کر رہے ہیں ہاتھ چھوڑیے مجھے باہر جانا ہے میرا سانس رک رہا ہے۔ ان اونچی دیواروں میں خود کو قید ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ ایک حبس ہے جو بڑھتی جا رہی ہے۔ رات کے اس پہر آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے.....'' اس نے گھر کا تھا۔ دھیمے لہجے میں خفگی کا اظہار کیا تھا۔

''آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ میں تو حیران تھا مجھے لگ رہا اوہام کو چلتے پھرتے پیچدار راستوں پر چلتے ہوئے دیکھنا ایک عجب منظر تھا..... وہ اوہام ان پیچیدہ راہوں کی پگڈنڈیوں پر چلتا ہوا ان بھول بھلیوں میں کھویا ہوا ہراساں سا کھڑا تھا۔ راستہ بھٹک گیا تھا۔ میں نے چھو کر اوہام کی حقیقت کا یقین کرنا چاہا تھا بس۔'' دھیمے لہجے میں توجیحات پیش کی گئی تھیں۔

''مگر جانتی ہیں کیا.....؟ اس اوہام کا سرد برف جیسا ہاتھ میرے ہاتھ کی حدت سے جیسے زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگا ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر چلتا ہوا ایک قدم آگے بڑھا تھا۔

''آپ آخری بار کب مسکرائیں تھیں.....؟'' اس کا سوال غیر متوقع تھا۔ اس نے اچانک ہی موضوع بدل دیا تھا۔

حین شاہ نے حیرت سے دیکھا تھا۔

''یہاں اس سوال کا کیا جواز بنتا ہے.....؟ تو یہ طے ہے کہ آدھی رات کے وقت آپ کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے.....؟ آپ بے جواز باتوں کو طول دے کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے گھر پر ہوں تو آپ کی غلام ہوں۔ آپ کی قید میں ہوں۔ اپنی مرضی

سے کچھ نہیں کر سکتی؟ سانس لینے کے لیے بھی اب مجھے آپ کی اجازت درکار ہوگی.....؟ آپ کیا خدائی فوجدار بن کر آ گئے ہیں۔ مجھ پر کوئی ریسرچ کر رہے ہیں۔ یوں ٹٹولتی ہوئی نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میں کب مسکراتی ہوں۔ کب روتی ہوں۔ کب ہنستی ہوں۔ کب خوش ہوتی ہوں، کب اداس ہوتی ہوں۔ اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہے۔ آپ خواہ مخواہ کی ہمدردی دکھا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں کمزور ہوں، اگر آپ مجھے کمزور سمجھ رہے ہیں اور سوچ رہے تو میں کچھ نہیں کر سکتی تو یہ سراسر آپ کی خام خیالی ہے۔ آپ کی سوچ غلط ہے کمزور اور علم ناقص ہے۔ آپ کا اس پر سوچنا آپ کی کم فہمی کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ مجھے سے دور رہئے اور اس فرضی تعلق کو لے کر یوں بے تکلفی مت دکھائیں۔ یہ تعلق صرف کاغذی ہے۔ ایک مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے ہے۔ خوش فہمیوں میں مت پڑ جائیں آپ، مجھے کسی کی ضرورت نہیں، میں تنہا ان مصائب کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتی ہوں۔'' اس کا لہجہ سخت تھا۔ وہ جتا رہی تھی۔ اسے باور کروا رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا اور پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ بند کیا تھا اور پھر وہیں فرش پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ سر کو گھٹنوں پر ٹکا دیا تھا۔ سرمئی آنکھوں سے سمندر بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔ سوچوں نے مزید الجھا دیا تھا۔ جان گسل لمحات تھے۔ الجھی ہوئی سوچیں گنجلک ہو گئی تھیں۔ ایک طوفان تھا جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

I was up all night cudgeling my brain for a way to finding my way
I chewed the cud before I spoke
I tried to confirm my preconceived
While I sat in a brain study
I mulled over my suggestion
I rebuffed my calculation
I was afraid of my old pattern would be spurned
I seemed was reluctant to follow my line of reasoning
I weighed the alternatives and decided to stay
What mind conjectured?
It evoked my modus operandi

جب سے رک کر دیکھا تھا نگاہ جیسے اس کے چہرے پر ہی بندھ گئی تھی وہیں ٹک گئی تھیں اور دل کی عجیب سی حالت ہو گئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا اور دل ساکت ہو گیا تھا۔ وہیں تھم گیا تھا۔ وہ جان کر محبت کا آکٹوپس اسے جکڑ چکا تھا۔ محبت کا افسوں اس کے دل کو پکڑ چکا تھا۔ اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا تھا اور وہ بے بس سا کھڑا تھا۔ خود کو بے اختیار سا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جو ہر چیز پر قادر تھا۔ سب کچھ کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ مگر اس گھڑی وہ اضطرابی میں گھر گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں تیرتے سمندر اس سے چھپے نہیں تھے۔ وہ مضطرب سا چلتا ہوا اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ صبح پھوٹنے لگی تھی۔ اس نے خاموشی سے دوسری طرف اس کی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ احساس اس کے اندر طمانیت بھر گیا تھا کہ وہ دوسری طرف موجود تھی۔

''اس نے ڈرتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے پر دستک دی تھی۔ نئی صبح شاید اپنے ساتھ کچھ نیا لانے والی تھی۔ اس کی دستک شاید اس کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی۔

شاید وہ سوری تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی ساری سوچیں شاید ایک نقطے پر آ کر اٹک گئی تھیں۔ اس نے دوبارہ دستک دی تھی اور دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ سرمئی آنکھیں سرخ تھیں۔ پپوٹے سوجھے ہوئے تھے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ چلتا ہوا اس کے دروازے پر کھڑا ہوگا۔ وہ جانے کب سے کھڑا تھا۔

''آپ خفا ہو کر چلی آئیں تھی اور دل آپ کی خفگی کو سہہ نہیں پایا تھا۔ ایک ملال اندر تک سرایت کر کے دل کو ہچکولے لگا رہا تھا۔ آپ کے شدید حملے کے آگے دل سر جھکائے کھڑا تھا۔ مزاحمت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے بارے میں تو سوچنا بھی محال تھا۔ ساری رات اسی تگ و دو میں گزر گئی۔ دل کو کے جتن کر ہار گیا تھا۔ اضطرابیوں کا اندراج کرتے کرتے تھکنے لگا تھا۔ وہ امن کی قراردوں کی منظوری کا کوئی یقین نہیں تھا پھر بھی دل کوششوں میں جت گیا تھا۔ اسی کشمکش میں پہروں کھڑا چپ چاپ انھیں راستوں پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھا جہاں خفگی نے قدموں کو توڑا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ بے چینیوں کو بیان کر رہا تھا۔ پھر ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور چلتا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

وہ حیرانگی سے اس کے جارحیت بھرے انداز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے قدم خواہ مخواہ اس کے ساتھ اٹھتے چلے جا رہے تھے۔

''کیا کہہ رہے تھے آپ.....؟ آپ کو بے معنی باتیں کرنے کا شوق ہو جاتا تھا؟ میرے دروازے کے سامنے کیوں کھڑے تھے آپ.....؟ مجھے آپ سے ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔'' اس نے مدھم لہجے جتایا تھا۔

پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا پھر چلنا شروع کر دیا تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر رک گیا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اب لے لیجئے کھلی فضا میں سانس اور جان لیجئے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے آپ بہت حساس ہیں بہت جلد ہرٹ ہو جاتیں۔ آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا ہرگز نہیں تھا۔ میں جان سکتا ہوں سمجھ سکتا ہوں وہ تمام خوف جو آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا تھا اور وہ خود اپنے الفاظ سے حیران تھا اس نے آج تک کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی تھی مگر اس کے آگے وہ جھک گیا تھا۔ اس کی تکلیف پر دل بے چین ہوا تھا۔

ھین شایان شاہ نے اطراف میں دیکھا تھا۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ اونچے بلند درخت اور سنگی پتھروں سے پہاڑی جس کو پتھروں سے جوڑ کر بڑی مہارت سے بنایا گیا تھا۔ جس پر سے پانی آبشار کی طرح گر رہا تھا اور آبشار جھیل میں گر رہی تھی۔ منصوعی جھیل پر اصل کا گماں ہو رہا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور تازگی کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔

''آپ کی حفاظت کے پیش نظر باہر لے کر نہیں جا سکتا۔ اس لیے نہیں کہ کسی سے ڈرتا ہوں صرف اس لیے کہ آپ کو کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ آئندہ ایسا مت سوچئے گا۔ آج سارے مسئلے حل ہو جائیں گے تو پھر آپ جہاں چاہیں گی میں آپ کو لے جاؤں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں یقین دہانی کروا رہا تھا۔

''آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا ھین.....؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود اپنے فیصلوں میں کسی کی دخل اندازی یا رائے زنی کو پسند نہیں کرتا تھا مگر ابھی اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی مرضی کے خلاف ایک چھوٹا سا فیصلہ لینا بھی محال لگ رہا تھا۔ اس کی خفگی سے جیسے اس کی جان پر بن گئی تھی۔

ھین شاہ نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہ ابھی بھی منتظر نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بنا کسی تردد کے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور اظل سیام مرزا کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہو گئی تھیں۔

''کبھی کبھی ہم بہت سے فیصلے کسی وجہ کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اس فیصلے کی وجوہات ٹھوس اور مدلل ہوتیں ہیں۔ ان سے انحراف کرنا ممکن نہیں ہوتا مگر وہ فیصلے دوسروں پر اچھے یا برے اثرات مرتب ضرور کرتے ہیں۔ ہم ان اثرات کے کم یا زیادہ ہونے کی پیمائش تو قطعی نہیں کر سکتے مگر ایسا ہوتا ضرور ہے مگر یہ بات تو طے ہے مجھے کسی اور کی پرواہ نہیں ہے۔ کوئی کیا سوچتا ہے مجھے اس سے غرض نہیں ہے مگر آپ کیا سوچتی ہے مجھے اس کی پرواہ ہے۔ آپ کیا چاہتی ہیں مجھے اس بات سے غرض ہے۔ آپ کو کسی بات سے تکلیف ہو مجھے اس کا قلق ستاتا رہتا ہے۔ جس فیصلے میں آپ کو کوئی پرابلم ہو میں اس کو ہزاروں بار بدل سکتا ہوں۔ ترمیم کر سکتا ہوں، ان تمام فیصلوں کو آپ کی پسند کے مطابق ڈھال سکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کروا رہا تھا۔ دھیمے لہجے میں مدلل اور ٹھوس دلائل دے کر اسے اپنے حق میں کرنے کی کوشش کی تھی کوئی یا یقین دہانی کرانے کا کوئی طریقہ.....

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا جو بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر نگاہیں ٹکائے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں اپنی طرف سے بھرپور کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کا اعتماد اور بھروسہ جیت سکوں آپ کو احساس دلا سکوں کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ جانتی ہیں کیا.....؟ میں نے یہی جانا ہے کہ آپ بھروسہ کرنے سے خوفزدہ ہیں..... بھروسہ کرنے سے ڈرتی ہیں..... میں صورتحال کو سمجھ سکتا ہوں۔ جان سکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایک لمحے کو رکا تھا اور اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

''لیکن ایک بات کا افسوس ہے.....'' اس نے شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ھین شاہ نے اس منظر سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ ماحول کی تازگی نے اس پر اچھا اثر کیا تھا، کچھ دیر قبل والے تناؤ میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ اب اس کے چہرے پر وہ تناؤ کم ہو گیا تھا۔

''کیا..... کس بات کا افسوس ہے.....؟'' اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔ آپ مجھے دوست بنانے کے قابل نہیں سمجھتیں، مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں۔'' وہ شکوہ کناں تھا۔ مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔

''دوستی کے کچھ اسلوب ہوتے ہیں۔ اس رشتے کے کچھ خواص ہوتے ہیں۔ رشتے یوں استوار نہیں ہوتے، رشتوں کو بننے میں وقت درکار ہوتا ہے۔ ان کی پائیداری کے لیے۔ ان کو سینچنے کے لیے ان کی آبیاری کرنی پڑتی ہے۔ بھروسہ اور اس کی جڑوں کو زمین کی گہرائی تک پہنچنے کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ اس کی جڑیں زمین میں گہرائی تک جا کر اپنی جگہ بنالیں۔ تب کہیں جا کر رشتے ایک نئے اسلوب میں ڈھلتے ہیں۔ تب کہیں جا کر اعتبار کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ تب کہیں اعتماد بحال ہوتا ہے۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ رشتوں کی پائیداری کو کڑی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ مشکل مراحل سے گزنا پڑتا ہے۔ آزمائش کے کتنے عمل سے پرکھا جاتا ہے۔ تب ہم دوستی جیسے رشتے کو بھروسہ سونپتے ہیں۔'' وہ مزید دلائل دے رہی تھی۔ اس کا دھیما لہجہ پر اثر تھا۔ دل کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

''جلد بازی میں رشتوں کی ہیئت اور ساخت بگڑ جاتی ہے، ان رشتوں کو سانچوں میں ڈھلنے میں وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ عمل ضروری ہے ان کی مضبوطی اور دیرپا رکھنے کے لیے، ان کو مستحکم بنانے کے لیے، پوری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے حوصلے اور استقلال سے انتظار کی گھڑیوں کو گزرنا پڑتا ہے۔ جیسے گلاس آور میں ریت کا ایک ایک ذرہ گرتا ہے تو ایک ایک منٹ کی گنتی میں شمار ہو کر وقت کا تعین کرتا ہے۔ یہ طریقہ صدیوں پرانا ہے اور آج بھی رائج ہے۔ دقیانوسی اقدار آج بھی اسی طور رائج ہیں۔ اپنا اثر اسی طور رکھتی ہیں۔ اسی طور اثر پذیر ہوتی ہیں۔ ان اقدار کے اسلوب میں بدلاؤ نہیں ہوتا۔ بدلاؤ کو قبول کرنا شوار ہوتا ہے۔ متروک کر دینا مکمل طور پر ختم کر دینا ممکن نہیں ہوتا۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنے پر اثر دلائل سے مدعا بیان کر رہی تھی۔

اور اظل سیام مرزا کو مان لینا پڑا تھا۔ اگر دل یوں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا ہو تو کچھ غلط تو نہیں ہے۔ اس میں اس دل کا قصور قطعی نہیں تھا۔ لفظوں سے دلوں کو فتح کرنے کے فن سے باخوبی آگاہ تھی۔

''آپ کے کہے ہر لفظ پر ایمان ہے۔ ہر ایک لفظ سچ اور حقائق پر مبنی ہے۔ آپ کی سوچ کی نفی کرنا تو کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ ایسی جسارت کرنے کا تو دل سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب ہماری دوستی کی جڑیں مضبوطی سے زمین کو جکڑ لیں گئیں۔ جب وہ گہرائی میں اپنی جگہ بنالیں گیں اور مجھے یقین ہے یہ ضرور ہوگا۔'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اطمینان سے مسکرایا تھا۔

''آپ نے رشتوں کے اسلوب کو بیان کر کے میرے اندر حوصلے بھر دیے ہیں۔ میں آنکھیں بند کر کے تمہارے کلیات پر چلنے

کے لیے تیار ہوں۔ رشتوں کے استحکام کے لیے تمام آئین سازیاں کرنے کے لیے مستعد ہو چکا ہے۔ کتنی ہی قراردادیں بنا کر پیش کر چکا ہے۔ بس ان قراردادوں کی منظوری کا انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔ پورے استقلال کے ساتھ مصروف عمل ہو چکا ہے۔ بس اس وقت کا انتظار ہے جب اس رشتے کے خواص عملی طور پر اثر انداز ہوں گے۔'' مدھم لہجے یقین تھا ایک عزم تھا۔

''عین شایان شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور لاتعلقی سے نگاہیں دوبارہ اس منظر پر مرکوز کر دیں تھیں اور اظل کو اس کی خاموشی کھل رہی تھی، اسے لگ رہا تھا منظر اچانک ساکت ہو گیا تھا ٹھہر گیا تھا۔ چاروں طرف ایک چپ نے پہرہ لگا دیا تھا۔

''آپ بولتی ہیں تو فضاؤں میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ ساری فضا میں اک فسوں سا پھیل جاتا ہے۔ چار سو رنگ پھیلنے لگتے ہیں آپ کے دلائل پر اثر ہیں۔ آپ قائل کرنے کے گر سے واقف ہیں۔ یہ وصف آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اس سحر سے بچنا شوار گزار عمل ہے۔'' مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔ وہ سرگوشیوں میں بول رہا تھا۔ جیسے خود کلامی کر رہا تھا۔

''آپ کو بولنے کا اتنا خبط کیوں ہے.....؟ کتنی گومگو باتیں کرتے ہیں آپ، آپ کی باتیں اتنی ثقیل ہوتیں ہیں کہ انسان پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے۔ آپ اتنے مشکل استعارے استعمال کرتے ہیں کہ میں تو حیران رہ جاتی ہوں۔ لفظوں کو توڑ موڑ کر یوں اپنے من پسند مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں مگر لفظوں کو موڑنے سے آگے پیچھے کرنے سے معنی نہیں بدل جاتے۔ وہ جوں کے توں رہتے ہیں۔ یہ سمجھنا مشکل ہے مگر یہی حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں سمجھا رہی تھی۔ اس کا یہ تجزیہ کمال کا تھا۔ ماہرانہ رائے تھی تو کمال تھی۔

اظل سیام مرزا کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''تمہارا تجزیہ کمال کا ہے۔ اتنی ماہرانہ رائے دی تم۔ میں تو حیرت کدوں میں کھو گیا تھا۔ اتنے اٹل اور مدلل انداز میں تو کبھی کسی نے ایسے تبصرہ نہیں کیا۔'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تم میرا کوئی بچھڑا ہوا حصہ ہو۔ جب میں ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ صدیوں پہلے کا کوئی بھولا بسرا قصہ ہو۔ ایک پل ایک صدی کے جیسا لگتا ہے مجھے، مدتوں گزریں ایک نگاہ نے مجھے دیکھا تھا اور اسی نگاہ سے میرے اندر ایک انتشار پھیل گیا تھا اور میں حصوں میں چیخ ٹکڑوں میں بٹنے لگا تھا۔ ان تمام حصوں میں ایک جیسے ہی خواص تھے۔ ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو ایک مقناطیسی کشش کی وجہ سے کھنچتا چلا جاتا ہوں۔ تم نہ جانو مگر یہ سچ ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں داستان کو لفظوں میں ڈھال رہا تھا۔

''آپ داستانیں بنا رہے ہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسا کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔'' وہ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور چلتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ وہ دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی مگر دل اس منظر سے بھی اچاٹ ہونے لگا تھا۔ اچانک دل کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا.....؟ تمہاری آنکھوں میں اچانک اندیشوں نے اپنی جگہ بنائی ہے۔ اچانک ہی حملہ آور ہو کر تمہاری آنکھوں کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ ان اندیشوں نے ایک دائرہ سا بنا دیا ہے خدشات کو بھی ساتھ ملا لیا ہے۔ ان خدشات نے بے چینی سوا کر دی ہے۔ بے چینیوں کو

بڑھادیا ہے۔ کشش کو اور بھی بڑھادیا ہے۔ مگر کشمکش نے ایک ہلچل مچادی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حکایتیں بیان کر رہا تھا۔

''میں تھک گئی ہوں۔ میں اندر جارہی ہوں۔'' وہ رکی نہیں تھی۔ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی۔

وہ وہیں کھڑا اسے اندر جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ وہ ابھی بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اور اس پہ نئی افتاد۔ وہ اس کی پریشانی کو اور اس کے خدشات کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کا یوں فکروں میں گھلنا بے جا نہیں تھا۔ وہ اسے اس صورت حال سے نکالنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا ذہن الجھنوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کو اس Tension اور Stress نکالنا ضروری تھا۔ جانے وہ اور کتنی دیر سوچوں میں بزی رہتا۔ تبھی فون کی رنگ ٹون بج اٹھی تھی۔ اس نے پاکٹ سے فون نکال کر چیک کیا تھا۔ اسکرین پر بابا کا نام چمک رہا تھا۔ اس نے اسکرین Unlock کر کے کال پک کی تھی۔

''ہیلو پاپا..... کیسے ہیں آپ.....؟ آپ آرہے ہیں نا۔'' وہ موڈ بہ سا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں بیٹا آرہا ہوں میں یہی بتانے کے لیے فون کیا۔'' انھوں نے کہا تھا اور فون ڈسکنکٹ کر دیا تھا۔

اور اظل سیام مرزا نے اسکرین کو خالی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ ایسے ہی تھے۔ اتنے ہی روکھے پھیکے سے انداز میں بات کرتے تھے۔ اسے ساری محبت دادا جان سے ملی تھی۔ وہ خود کو ان کے قریب زیادہ پرسکون محسوس کرتا تھا۔ اسے لگتا تھا اسد سیام مرزا نے کبھی اس سے محبت کی ہی نہیں تھی۔ اس نے سوچوں کو جھٹکا تھا اور پھر اندر کی جانب بڑھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''حلیمہ..... کہاں رہ گئی ہو تم۔ کتنی بار کہا ہے ایک آواز پر سنائی کیوں نہیں دیتا تمہیں.....؟ کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے کیا.....؟'' حمیرا بیگم غصے سے ڈانٹ رہی تھیں۔

''معاف کریں بیگم صاحبہ میں کچن میں تھی۔'' حلیمہ نے لجاجت سے کہا تھا۔

''یہاں تو لگتا ہے آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ تم سب ملازموں کو ڈھیل دے رکھی ہے میں نے۔ تبھی تم لوگ سر چڑھ گئے ہو۔'' حمیرا بیگم نے غصے کا اظہار کیا تھا۔ اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ عمیر شاہ کو دیکھو اٹھ گیا ہے تو اس کے لیے ناشتہ بناؤ اور خادم کو کہو۔ حیدر شاہ کو میرے پاس بھجوائے۔ اسے کہنا حیدر شاہ سے کوئی ضروری بات ڈسکس کرنی ہے۔'' حمیرا بیگم نے تحکم لہجے میں کہا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ.....'' وہ الٹے قدموں مڑی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ وہ ان کے غصے سے اور سخت طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ سزا دینے سے بھی گریز نہیں کرتیں تھیں۔ وہ لاکھ شکر کر رہی تھی کہ وہ بچ گئی تھی۔ ان کے عتاب کا نشانہ نہیں بنی تھی۔

عمیر شاہ ماں کے سامنے بیٹھا تھا۔

''کہاں غائب تھے تم کل خادم کو کہا تھا تمہیں میرے پاس بھیجے پھر ظفر و نے بتایا تم کہیں باہر گئے تھے رات دیر سے لوٹے تھے تم۔

تمہیں کچھ ہوش بھی ہے کیا ہو رہا ہے گھر میں، وہ چھٹانک بھر کی لڑکی نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ تم سے لاکھ کہا تھا اس کو کنٹرول کر کے رکھو مگر تم سنتے ہی کہاں ہو۔ اس منحوس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ بارہا سمجھایا تھا۔ اس سے رکھ رکھاؤ میں..... دنیا کو دکھانے کے لیے شادی کر کے باندھ کر رکھ تو پھر چاہے مرضی سے شادی کر لینا۔ اس طرح میری خوشی بھی پوری ہو جائے گی اور انتقام پورا کر کے دل کو قرار آ جائے گا۔ برسوں جس انتقام کی آگ میں جلی ہوں میں دل کو سکون مل جائے گا۔ مگر تم ہو کہ ماں کی ایک حسرت پوری نہیں کر سکتے۔ ایک خواہش کرنے میں کیا قیامت ہے۔ اپنی خالہ کی حالت دیکھی ہے نا تم نے.....؟ نازندوں میں نامردوں میں۔ سالوں سے اپنے آپ کو سزا دے رہی ہے۔ اسی شخص کے نام پر زندگی کو بھینٹ چڑھا دیا جس کو اس کی قدر بھی نہیں رہی تھی۔ میں تو حیران ہوں تمہیں میرا دکھ دکھائی نہیں دیتا۔ تم بھی اپنے باپ جیسے ہی ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ بیٹا کو جذباتی کر کے اپنا کام نکالنا چاہتیں تھیں۔ وہ جانتیں تھیں بیٹے کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔

''اماں رونا بند کریں۔ آپ جانتیں ہیں نا آپ کی آنکھوں میں آنسوں برداشت نہیں کر سکتا۔ یوں رو کر مجھے ایموشنل بلیک میل تو مت کریں نا۔'' وہ اس کو گلے لگائے ہوئے تھا۔ آپ جو بھی کہیں میں ماننے کو تیار ہوں۔ کرلوں گا اس لڑکی سے شادی کرلوں گا مگر یاد رکھئے گا۔ میرا اس سے کوئی واسطہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہوں گا۔ بھاگی ہوئی لڑکی سے کوئی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر اگر آپ کی یہ خواہش ہے اور اس سے آپ کا انتقام پورا ہوگا تو ٹھیک ہے۔ یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوں مگر اس کے بعد مجھ سے کوئی امید مت رکھئے گا۔'' وہ اٹل لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہا تھا۔

حمیرا بیگم تو خوشی سے نہال ہو گئی تھیں ان کو اور کسی بات سے کوئی غرض نہیں تھی وہ اس کی ہر شرط ماننے کو تیار تھیں۔

''ٹھیک ہے میرے لعل تم نے تو میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی۔ لگاؤ تو اس لڑکی سے مجھے بھی کوئی نہیں ہے مگر اس کو دیکھتے میری اندر ایک آگ کا لاوا اور بھی بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اس کی ماں کا چہرہ نگاہوں میں سما جاتا ہے ایک پل کو بھی چین نہیں آتا۔ اس لڑکی نے تو میرا سکون چین برباد کر دیا ہے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

''مجھے کام ہیں اماں۔ میں بابا جان کے ساتھ چلا جاؤں گا آپ کی مہارانی کو لینے کے لیے۔ اس عذاب سے مجھے سخت نفرت ہے۔ جتنی آپ کو اس سے انسیت ہے۔ چاہے انتقاماً آپ ایسا کر رہی ہیں مجھے اتنی ہی وحشت ہوتی ہے اسے دیکھ کر۔'' عمیر شاہ نے کہا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور حمیرا بیگم سوچ رہی تھی وہ کامیاب ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''خادم.....ظفرو.....کہاں مر گئے ہو تم لوگ سب کے سب۔ جلدی کرو گاڑیاں نکالو جانا ہے۔'' حیدر شاہ نے تحکم انداز لہجے میں کہا تھا۔

''صاحب.....گاڑیاں تیار ہیں۔آپ کا اور عمیر شاہ کا انتظار ہے۔'' خادم نے مودب انداز میں کہا تھا تبھی عمیر شاہ اندر داخل ہوا تھا اور پیچھے پیچھے عنصر شاہ بھی داخل ہوا تھا۔وہ بمشکل چل پا رہا تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو۔تمہاری حالت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ سفر کرو،تم آرام کرو ہم ہیں نا۔'' حیدر شاہ نے بارعب لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں میں بھی ساتھ جاؤں گا۔'' اس نے اصرار کیا تھا۔

''ٹھیک ہے چلو پھر۔'' حیدر شاہ جانتے تھے وہ حمیرا بیگم کو کس قدر عزیز تھا۔انہوں نے قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے اور عمیر شاہ اور عنصر شاہ نے ان کے ساتھ ہی قدم بڑھائے تھے۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں ایسا مشکل دور بھی آتا ہے جب ایسا لگنے لگتا ہے آزمائش کی گھڑیاں طویل ہونے لگیں ہیں۔ان کی طوالت میں کمی ہونے کی بجائے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ھین کو بھی یہ آزمائش کی گھڑیاں کبھی نہ ختم ہونے والی لگ رہی تھیں۔وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھیں،دل خدشات سے بھرا ہوا تھا۔خوف ایک گھر کر چکا تھا۔وہ بے چین تھیں اور کوئی سد باب نظر نہیں آ رہا تھا۔

دادا جان اس کی حالت سے آگاہ تھے۔تبھی اس کے پاس آئے تھے۔اس کی ہمت بڑھا سکیں۔

''بیٹا تم تنہا نہیں ہو،تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔گھبرانے کی ضرورت ہرگز بھی نہیں ہے۔تم اس گھر کی عزت ہو بیٹا۔تمہارا مان اور مرتبہ بڑا ہے۔کوئی آنکھ اٹھا کر بھی تمہاری طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔تم بے فکر رہو۔'' انہوں نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔تبھی کوئی اندر داخل ہوا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گیں تھیں اور دوسری طرف بھی حالت مختلف نہیں تھی۔

''اسد انکل آپ؟'' وہ تقریباً لمحوں میں فاصلہ طے کر ان تک پہنچی تھی اور اسد سیام مرزا کا بھی یہی حال تھا۔

''ھین بچے.....تم یہاں.....؟'' وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے اور اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''کہاں رہ گئے تم بچے،کتنا تلاش کیا تمہیں اچانک ہی سب ختم ہو گیا۔میرا دوست،حسنیہ بھابھی،لقمہ اجل بن گئے۔وہ لمحے میں کبھی نہیں بھول سکتا،میں تو ان سے مل کر گیا تھا جب ان کے مرنے کی اطلاع ملی،ایکسیڈنٹ بہت شدید تھا۔موقع پر ہی ان کی۔جب ان کی تدفین کے بعد میں تمہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر میں نے اور توقیر نے تو سارا شہر چھان مارا تھا۔'' ان کے دھیمے لہجے میں درد بول رہا تھا۔وہ اسے دیکھ کر شاکڈ رہ گئے تھے۔وہ اس کے عزیز جان دوست کی بیٹی تھی۔اسے کتنی خواہش تھی یہ دوستی رشتے میں بدل جائے۔جب وہ چھوٹی سی تھی تبھی انہوں نے ایک دن ایک خوبصورت سا پنڈنٹ اس کے گلے میں پہنا دیا تھا۔

''شایان شاہ یہ میری بیٹی ہے۔میرے اظل کی دلہن بنے گی۔تم انکار نہیں کر سکتے۔حسینہ بھابھی آپ ہی سفارش کر دیں نا پلیز۔''

وہ درخواست کر رہا تھا اور شایان شاہ مسکرا دیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں انکار کرنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا اسد۔تم نے تب میرا ساتھ دیا جب پوری دنیا میری مخالف تھی۔تم تو میرے لیے سگے بھائی سے بھی بڑھ کر ہو،تم اور تو قیر ہی تھے جنہوں نے میری اور حسینہ کی شادی کو ممکن بنایا۔آج جو کچھ بھی ہوں صرف تم دونوں کی بدولت ہی ہوں۔اب تو بس ایک ہی خواہش ہے کبھی ایک موقع ملے تو واپس جا کر ماں کی گود میں سر رکھ کر سکون سے آنکھیں موندلوں،مگر جانتا ہوں یہ ممکن نہیں ہوگا۔میں اپنے بھائی اور حمیرا بھابھی کو جانتا ہوں۔وہ کبھی معاف نہیں کریں گے بلکہ وہ غصے کی آگ میں بھڑک رہے ہونگے۔ حمیرا بھابھی کو اپنی بہن کی شادی مجھ سے نہ ہونے کا غم ستاتا رہے گا۔یہ بات کھب گئی ہوگی ان کے سینے میں۔میں ان کی فطرت سے آگاہ ہوں۔وہ جلتی پر تیل کا کام کرتیں رہی ہیں ہمیشہ۔ابا جان کے انتقال کے بعد ماں کو کمزور کر دیا تھا انہوں نے۔حمیرا بھابھی نے تو پورے گھر پر قبضہ جما لیا تھا۔میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے،مجھے ان سے کچھ نہیں لینا۔بس ایک بار ماں سے ملنے کی اجازت درکار ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''اسد ایک وعدہ کرو.....'' انہوں نے جیسے درخواست کی تھی۔

اسد نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا.....؟تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے میرے دوست۔تمہارے تو مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔حسینہ کا بتا کر اور اس سے ملا کر تم نے میری بے حد مدد کی ہے،ایک بار کہہ کر تو دیکھو کبھی اپنے وعدے سے نہیں ہٹوں گا۔'' اسد سیام مرزا نے یقین دہانی کروئی تھی اور شایان شاہ ہمتیں جمع کر رہے تھے۔

''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو وعدہ کرو میری ھین کا خیال رکھو گے۔کسی دکھ کا سایہ اس کی زندگی پر نہیں پڑنے دو گے،اس کو کبھی ان لوگوں کے حوالے نہیں کرو گے۔میری بچی کی حفاظت کرو گے،ان لوگوں کی رسائی میری بچی تک نہیں ہونے دو گے۔دن رات اسی ادھیڑ بن میں گزر جاتے ہیں۔ایک فکر دن رات ستاتی رہتی ہے۔ایک خوف کنڈل مارے ہراساں کرتا رہتا ہے اگر مجھے کچھ ہو گیا تو حسینہ اور میری بچی کا خیال کون رکھے گا۔'' شایان شاہ نے جذباتی لہجے میں کہا تھا۔چہرے پر فکروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا،بے فکر رہو اور ھین میری امانت ہے تمہارے پاس،اس کی فکر کرنے کی تمہیں قطعی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے ہی اظل کی تعلیم ختم ہوتی ہے میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر دھوم دھام سے لے کر جاؤں گا اور تم اسے اپنے ہاتھوں سے رخصت کرو گے۔اس بات کا یقین ہے مجھے میں نے تمہیں قول دیا ہے۔میرا وعدہ ہے اور تم جانتے ہو نا میرے لفظ حتمی ہوتے ہیں۔'' اسد سیام مرزا نے یقین دہانی کروائی تھی اور شایان شاہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''حسینہ بھابھی میری بھابھی ہی نہیں بہن کی طرح ہیں۔تم جانتے ہو ھین کی حفاظت میں اپنی جان سے بھی زیادہ کروں گا اور

اظل اپنی ذمہ داری کو نبھانا اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ بے حد جی دار لڑکا ہے۔ سلجھا ہوا اور سمجھدار۔ رشتوں کا احترام کرتا ہے۔ اپنے دادا جان اور دادی جان کی پرورش نے اس کو اور بھی زیادہ مدبر بنا دیا ہے۔ ان کی تربیت نے اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ اور بردباری پیدا کر دی ہے۔ وہ بابا جان کی کاپی ہے۔ اور ان سے تم آگاہ ہونا۔ اپنے اصولوں کا پکا ہے۔ اسے منسلک رشتوں کو نبھانا اسے اچھی طرح آتا ہے۔'' اس نے اظل کی شخصیت کے اوصاف بیان کیے تھے۔

ھین کی آواز اسے خیالوں سے نکل لائی تھی۔ وہ حیران سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سمندر کی طغیانی بڑھ گئی تھی۔

''ھین بچے، تم نہیں جانتی تھیں تمہیں یہاں دیکھ کر کس قدر خوشی محسوس ہو رہی ہے اور بابا جان کی سمجھداری کہ انہوں نے بروقت وہ فیصلہ کیا جو برسوں سے میرے دل میں تھا۔'' اسد سیام مرزا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ ''میں آ گیا ہوں نا سب ٹھیک ہو جائے گا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ کہہ رہے تھے اسے سمجھا رہے تھے۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے نا بیٹا.....؟'' انہوں نے یقین دہانی چاہی تھی اور ھین نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور ایک اطمینان نے اس کے اندر گھر کر لیا تھا۔ اپنے پن کا احساس اس کے اندر طمانیت دے رہا تھا۔ وہ جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

شاید فیصلے کی گھڑی آ گئی تھی۔ آریا پارا اس نے سوچ لیا تھا۔ مضبوطی سے کھڑی رہنا تھا۔ وہ دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی شاید زندگی کے دروازے اس پر کھل جائیں۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اندر سے آتی آوازوں کو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''جو آپ نے کیا وہاں سے انسان کے کردار کی زوال پزیری شروع ہوتی ہے۔ آپ کسی مضبوط انسان کے ساتھ بات کرتے یا اس سے لڑتے تو آپ کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ کی آنکھیں زبان آپ کے جھوٹ کو Deceive کرتے ہیں۔ میں نے اس فعل کے لیے عزم کیا ہے۔ چاہوں تو اس کی کڑی سزا دوں۔ آپ لوگوں کا دماغ اب بھی اندھیروں میں رہ رہا ہے اور دوسری بات ہم آپ کی بوسیدہ اور دقیانوسی روایات کو نہیں مانتے۔'' سہام مرزا غصے سے کہہ رہے تھے۔

''آپ کون ہوتے ہیں ہمارے معاملات میں آنے والے.....؟ دور رہیں آپ ان معاملات سے آپ کی دخل اندازی ہم برداشت ہرگز نہیں کریں گے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ اپنی عزت کی حفاظت کرنے کے لیے ہم کسی بھی حد تک گزر جائیں گے۔ ہم اس لڑکی کے وارث ہیں۔ قانونی طور پر وہ ہمارا خون ہے۔ میری منگیتر ہے۔ میرے نام پر پل بڑھ کر جوان ہوئی ہے۔ میرا نام اس کی گھٹی میں شامل ہے۔ وہ جیے گی تو میرے لیے، مرے گی تو میرے لئے، میرے لئے رہے گی میرے نام پر چاہے ساری عمر کیوں نا بیٹھنا پڑے۔ وہ میرے نام پر بیٹھی رہے گی۔ جیسے میری خالہ نے اپنی زندگی اس کے باپ کے نام پر بسر کر دی۔ یہ ہمارے خاندان کی روایت ہے اور ہم اس روایت سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ان اقدار سے منکر نہیں ہو سکتے۔ آپ چپ چاپ اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیں۔ یہی

آپ لوگوں کے حق میں بہتر ہوگا۔'' وہ سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اورھین شاہ کچھ سن نہیں رہی تھی۔ وہ بھاگتی جارہی تھی۔ کتنی بڑی حویلی تھی۔ کتنی بھول بھلیوں جیسے راستے تھے وہ تو گم ہونے لگی تھی۔ ان الجھے ہوئے راستوں پر بھاگتی جارہی تھی۔ جانے کس طرف نکل آئی تھی۔ وہ خوف شاید کہیں رک گیا تھا۔ وہ اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ یقین کرنا چاہا تھا۔ تصدیق کرنی چاہی تھی۔ وہ ایک بوسیدہ سی آہنی دیوار جیسی لگ رہی تھی۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اس نے گہرے گھپ اندھیرے میں دیکھنا چاہا تھا۔

''کون ہے؟ تمہیں کہا تھا نا مجھے کھانا نہیں کھانا پھر کیوں آئیں تم؟ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ تیسری قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

http://kitaabghar.com

''تم کون ہو؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

اور حین شاہ کی آنکھیں شاید اندھیرے سے مانوس ہو گئیں تھیں۔ وہ اس چہرے کو دیکھ پا رہی تھی۔ دوسری طرف وہ چہرہ شاید اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر ایک ٹک اس کی طرف دیکھیں جا رہی تھیں۔ پھر جیسے پہچان کی منزلیں سر کر گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آشنائی کی چمک آ گئی تھی۔

''تم شایان شاہ کی بیٹی ہو نا؟'' اس نے بے قرار لہجے میں پوچھا تھا اور حین شایان شاہ حیرانگی سے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر خود بخود میکانکی انداز میں اثبات میں ہل گیا تھا۔

تت..... تم..... شایان شاہ..... میں کیسے تمہاری آہٹ نہ پہچان پائی۔ مجھے تو تمہاری قدموں کی چاپ سے سمجھ لینا چاہیے تھا۔ ان کی دھمک سے جان جانا چاہیے تھا یا پھر تمہاری خوشبو سے محسوس کر لینا چاہیے تھا۔ کیسے نہ پہچان پائی تمہیں۔ جاننے میں، سمجھنے میں کتنے پل بتا دیئے۔ سارا قصور ان اندھیروں کا ہے نا۔ اندھیرے محبت کو نگل جاتے ہیں نا ورنہ محبت کے قدموں کی چاپ تو کوسوں دور سے سنائی دیتی ہے۔ محبت کو دیکھنے کے لئے آنکھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔ محبت کے دیئے ان اندھیروں کو جلا کر بھسم کر دیتے ہیں۔ ان جلتے دیئوں کی حرارت سے اندھیروں کی آنکھیں جل جاتیں ہیں۔ ان کے پیروں میں ان دیکھی بیڑیاں پڑ جاتیں ہیں۔ وہ روشنی کی طرف منہ کر ہی نہیں سکتے۔'' وہ مدھم لہجے میں فلسفہ محبت بیان کر رہی تھیں۔ باتوں میں گہرائی تھی اور محبت کا احساس بھی اور حین حیرانگی سے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''آپکو کیسے پتہ چلا میں شایان شاہ کی بیٹی ہوں؟'' اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے اس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیسے جان نہیں سکوں گی۔ تمہارے چہرے پر اس کی آنکھیں جو ہیں۔'' اس چہرے نے دھیمے لہجے میں اس کی کم فہمی پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔

اور اس کا جواب حین شاہ کو حیرت کدوں میں ڈبو گیا تھا۔

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر روشنی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں پھر دیوار پر لگا سوئچ بورڈ نظر آ گیا تھا۔ اس نے دو قدم آگے بڑھ کر سارے بٹن آن کر دیے تھے۔

پھر ایک بٹن نے کام کر دکھایا۔

پھر کمرہ روشنی سے جگمگا گیا تھا۔ ایک پل کے لیے آنکھیں چکا چوند ہو گئیں تھیں پھر صاف دیکھائی دینے لگا تھا۔

وہ اس چہرے کی طرف مڑی تھی اور دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ جو بھی تھیں بے حد حسین رہی ہونگی کیونکہ اس کا صبیح چہرہ اب بھی اسی قدر

دلکش لگ رہا تھا۔اس چہرے کی دلکشی اسی طور قائم تھی۔

''آپ.....کون ہیں آپ؟اور میرے پاپا کو کیسے جانتی ہیں؟''

''میں زرتاج شاہ ہوں۔''انہوں نے شاہانہ انداز میں تعارف کروایا تھا۔

جیسے ان کا نام ہی ان کے تعارف کے لئے کافی تھا۔

''آپ پاپا کو جانتی تھیں؟''اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔انہوں نے اس کے سوال پر اس کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرادیں تھیں۔

''محبت آتی ہے تو اپنے ساتھ روشنی بھی لاتی ہے۔محبت بنا آہٹ کے آتی ہے کہ ہواؤں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔فضا حیرانگی سے ساکت رہ جاتیں ہے۔چاند تجسس سے جھک آتا ہے۔ستاروں کی ضیاء بھی ماند پڑنے لگتی ہے۔سورج مارے حسد کے دور چلا جاتا ہے۔فاصلوں کو بڑھا دیتا ہے۔سرد مہری دکھاتا ہے۔محبت بے پروا بن کر ارد گرد سے بے خبر آگے بڑھتی چلتی جاتی ہے۔اس کے قدم نہ رکتے ہیں نا تھمتے ہیں۔وہ پہاڑوں کا سینہ چیر کر اپنا راستہ بناتی ہے اور ایک خوشنما مقام پر پڑاؤ ڈال لیتی ہے۔''وہ مدھم لہجے میں محبت کی داستان کو بیان کر رہی تھی۔

''میرے دل پر بھی محبت نے قبضہ جما لیا تھا۔ایک لمحے میں جکڑ کر بے سدھ کر دیا تھا۔اپنے حصار میں گھیر کر گھیراؤ تنگ کر دیا تھا۔ہلنے تک کی سکت نہیں چھوڑی تھی۔محبت کے تسلط سے بچنا کسی طور ممکن نہیں ہے۔محبت کے وصف سے انحراف کیا ہی نہیں جا سکتا۔اس کی گرفت سے بچا نہیں سکتا۔بچنے کی کوشش میں مزید چنگل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔''وہ دھیمے لہجے میں محبت کے خواص بتا رہی تھیں۔ان کے چہرے پر ایک ایسی ہی چمک آ گئی تھی جو اس کے چہرے سے روشنی کر رہی تھی۔سارا چہرہ منور ہو گیا تھا۔انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے اور آنکھوں کو چھو کر دیکھا تھا۔

اور حین شاہ کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ان کا ہاتھ برف جیسا سرد تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''حین نے حیرت سے پوچھا تھا۔

پھر ان کے ماتھے کو چھو کر دیکھا تھا۔

''آپ کا جسم تو سرد پڑ رہا ہے۔آپ بیمار ہیں۔کوئی میڈیسن لی آپ نے؟''

اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

اور وہ اس کی فکرمندی پر مسکرادیں تھی۔

''تم تو مجھے نئے موسموں سے آشنا کر رہی ہو تم بالکل شایان شاہ جیسی ہو۔جس کے آتے رنگ سرشار ہو جاتے تھے جان گسل

لمحات سہل ہونے لگتے تھے۔ بیمار سجدہ ریز ہو جاتے تھے وہ زیر کرنے کے گر سے مکمل طور پر آگاہ تھا۔ دلوں کو جیتنے کے فن سے بخوبی واقف تھا۔ تم میں اس کے سارے اوصاف صاف نظر آ رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ان کو بولنے کا شوق تھا یا پھر صرف اسے دیکھ کر صدیوں کی چپ کو توڑ بیٹھیں تھیں۔

''تمہاری آنکھوں میں بھی ویسی ہی چمک ہے۔ خوشنمائی میں مبتلا کر دینے والی سرمئی آنکھیں بے خود کر دینے والی یہ نگاہیں امیدوں کو جگا دیتی ہیں۔ دل مضطرب کو قرار آنے لگتا ہے۔۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''آپ نے بتایا نہیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کے ہاتھ بالکل سرد ہیں۔''

وہ دھیمے لہجے میں فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''وہ دن آج بھی مجھے یاد ہے جب اس نے سرد نگاہ سے میری طرف دیکھا تھا۔ اس کی نگاہ کی ساری یخ بستگی میری روح میں سرایت کر گئی تھی۔ اسی پل میرا دل منجمد ہو گیا تھا۔ اسی جگہ جم گیا تھا۔ دل کے سمندر پر گلیشئر تیرتا رہتا ہے۔ سانسیں بھی جامد ہوتی جا رہی ہیں۔ آنکھوں کی جھیل پر برف تہہ در تہہ مضبوط دیواریں بنا رہی ہیں۔ پورا جسم اسی یخ بستگی سے کپکپا رہا ہے۔ بچ جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔''

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ سرد لہجہ ٹھہرا ہوا سا تھا۔

اس نے کمرے میں نظریں دوڑائی تھیں۔ سائیڈ ٹیبل پر کھانا جوں کا توں ڈھکا ہوا پڑا تھا۔

''آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے کھانا اس کے سامنے رکھا تھا۔

''تم تو پر تحکم لہجے میں مجھ پر رعب جما رہی ہو نا۔ شایان بھی یوں ہی کیا کرتا زبردستی اپنی بات منوایا کرتا تھا۔ انکار تو اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا جو کہہ دیتا تھا وہ حتمی ہوتا تھا تم بھی اس جیسی ہو۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہی تھی۔

ھین نے نوالہ ان کی طرف بڑھایا تھا۔ جانے انہوں نے کب سے کھانا نہیں کھایا تھا بہت لاغر اور کمزور سی لگ رہی تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی تردد کے کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

''آپ کھانا کھائیں میں دروازہ بند کر دیتی ہوں۔ چائے لاؤں آپ کے لیے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''تمہیں کافی بنانا آتی ہے؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا تھا۔ تمہیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ کچھ آتا ہوگا۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کافی لاتی ہوں آپ کے لیے۔'' وہ جانے لگی تھی۔

''دروازہ بند مت کر کے جانا۔ کھلا چھوڑ دینا دروازہ کیونکہ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے کتنی بار دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ اندر دستک دیتی تھی مگر اندر ایک خاموشی تھی۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ میں تھک ہار گئی تھی۔ میں نہیں چاہتی کے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔''

زرتاج شاہ نے کہا تھا اور ھین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

وہ کافی بنا کر لائی تھی اور ان کی طرف بڑھائی تھی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور پھر گرم گرم کافی اندر انڈیلنے لگیں تھیں جیسے صدیوں بعد انہوں نے کافی کی شکل دیکھی تھی۔

''آپ آرام کیجئے میں پھر آؤنگی'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ ان سے اجازت چاہی تھی مگر یقین دہانی کروائی تھی۔

''جانے تم آؤ تو یہ سانس تھم چکی ہوں۔ اب تو جینے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ رات دن تمام کر رہی ہوں۔ محبت کرنے کی سزا بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔ تشنگی کا احساس مار دیتا ہے۔ اندر ہی اندر ایک لاوہ دہکتا رہتا ہے۔ اس کی تپش سے دل جلتا رہتا ہے اور بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہیں تھیں۔

''محبت کی اضطرابی ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اس کتھارسس کو بیان کرنا دشوار گزار عمل ہے۔ جنون دل میں ہلچل مچائے رکھتا ہے۔ ایک طوفان برپا کر دیتا ہے۔ طغیانی ہے کہ ارتعاش کو بڑھا دیتی ہے تیز بہاؤ اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے نشان تک باقی نہیں بچتا۔'' دھیمے لہجے میں محبت کی فسوں خیزیاں بیان کر رہی تھی۔

ھین شاہ اس کی باتوں سے عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر وہ اسے روکنا چاہتی تھیں۔

''تم نے کبھی محبت کی ہے۔ محبت نے کبھی تمہارے دل کو چھوا ہے؟'' انہوں نے عجیب سوال پوچھا تھا۔

ھین نے حیرت زدہ نگاہوں سے انھیں دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''جانتی ہوں تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہے مگر یہاں کیا کر رہی ہو۔ یہاں کی زمین بنجر ہے۔ اس میں سیم وتھور ہے۔ محبت کی کاشت کے لیے کارآمد نہیں ہے۔ اس کو مفید بنانے کو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اسباب جانے کچھ بھی ہوں مگر محبت کی آبکاری اس زمین پر کسی طور ممکن نہیں ہے۔'' وہ باور کرا رہی تھیں۔ جتا رہی تھی یا آگاہ کر رہی تھی یا پھر اسے تنبیہ کر رہی تھی۔

ھین تیزی سے باہر نکلی تھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی نانی جان کے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ سوچوں میں کھو گئی تھی۔ دادی جان کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے کھینچ لائی تھی۔

''ھین تم ٹھیک ہو نا بیٹا؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ بولنے کی سکت شاید اس میں نہیں تھی۔ اس نے توجہ اندر سے آتی آوازوں پر لگا دی تھیں۔ وہ کھردرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ سفاک تھا۔ وہ جیسے زہر اگل رہا تھا۔

''اور ایک بات سن لیں آپ۔ اسے آپ ہمارا احسان مانیں ایک ایسی لڑکی جو کسی بھی مجبوری کے تحت یا کسی بھی مشکل حالات میں ایک رات گھر سے باہر گزارتی ہے تو اس کی پاکیزگی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی عزت اور حرمت کی قسم نہیں کھائی جا سکتی ویسے بھی اب ہمارا بیٹا اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے اور کوئی بھی آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا مگر پھر بھی اس پر کرم کرنے کو تیار ہیں کیونکہ وہ

میرے مرحوم بھائی کی بیٹی ہے۔ وہ آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہے ہوسکتا ہے اس کی پرورش میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ کوئی بھول چوک ہوگئی ہو مگر ہم اس کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ حتیٰ کے اس کے گناہ سے پردہ پوشی کرنا اتنا آسان نہیں ہے مگر پھر بھی ہم بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے سالے کا نکاح اس کے ساتھ کرنے کو تیار ہیں۔ گھر کی عزت گھر میں ہی رہے گی۔ ہم خاندان کی عزت کو باہر رہنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم اس کے گناہ کو ڈھانپ سکتے ہیں۔ بن ماں باپ کے بچی ہے۔ یتیم ویسیر۔ اس کا کوئی آگے پیچھے کوئی نہیں۔ ہمارے سوا اس کا کون..... اپنی بچی ہے۔ ہم اس کی خطا معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہیں۔ ہم اپنے گھر کی عزت کو یوں غیروں کے در پر بھٹکتے نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا ترسی تو ہماری فطرت میں شامل ہے۔ چلئے قاضی صاحب عنصر کا نکاح پڑھایئے۔'' حیدر شاہ نے کہا تھا۔ حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ وہ اپنی طرف سے مکمل تیاری سے آئے تھے جیسے سارے نظامات کر رکھے تھے۔ ایک لمحے کو گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

مگر پھر سہام مرزا کی بارعب آواز نے خاموشی کو توڑا تھا۔'' آپ زبان سنبھال کر بات کریں۔ اگر یہاں مہمان نہ ہوتے تو آپ کی زبان کی کاٹ کو برداشت نہ کرتا۔ وہ ہمارے گھر کی عزت ہے۔ میری بہو ہے وہ اس کا نکاح میرے پوتے کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اب آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کوئی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھے گا تو میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا۔ ان بازوؤں میں اب بھی اتنا دم ہے کہ اپنے گھر کی عزت اور حرمت کی حفاظت کر سکتے ہیں اور آپ کن اقدار کی بات کرتے ہیں۔ جہاں ایک لڑکی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ آپ ایک بچی کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے سفاکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ تو سوچا ہوتا کہ وہ آپ کا ہی خون ہے۔ اس کے کردار اور تربیت پر انگلی اٹھانے کا سوچئے بھی مت وہ اقدار کے ساتھ پلی بڑی ہے۔ وہ میرے پوتے کی شریک حیات بن چکی ہے۔ اس کی عزت اور مرتبہ اونچا ہے۔ میری بیٹی جیسی ہے وہ اور ہمارے خاندان میں بیٹیوں کو سر کی پگڑی کہتے ہیں۔ اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ ان کی توقیر کی حفاظت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں۔ اور اب آپ چائے نوش فرمایئے اور چلے جایئے یہاں سے۔ ہم مہمان نوازی کے اطوار نہیں بھولتے حتیٰ کہ دشمن بھی چل کر میرے گھر آجائے اسی طور اس کی عزت میں کمی واقع نہیں ہونے دیتے۔ یہ ہماری اقدار میں جن کے ساتھ ہم برسوں سے جڑے ہوئے ہیں'' سہام مرزا نے بردباری اور تحمل سے کہا تھا ان کے دھیمے لہجے میں رعب اور دبدبہ اسی طور قائم تھا۔

'' یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ بند کیجئے یہ ڈرامہ بازی۔ اقدار اور تہذیب کی بات کرتے ہوئے آپ اچھے نہیں لگتے سہام صاحب آپ لوگوں کی ہمت بھی کیسے ہوئی ایسا کہنے کی۔ ہمارے گھر کی عزت پر بری نظر ڈالی۔ اس کو جس بے جا میں رکھ کر زبردستی اس کا نکاح اپنے پوتے سے کر دیا؟ آپ کی نظر اس کی جائیداد پر تھی آپ لوگوں کو لگا اس کا کوئی والی وارث تو ہے نہیں ماں باپ مرنے کے بعد سارا کچھ اس کی بیٹی کے نام ہی ہوگا۔ آپ کے ہاتھ تو سونے کی چڑیا لگ گئی۔ تبھی تو بلا تامل ایک لمحہ ضائع کیے آپ نے اس سے اپنے پوتے کا نکاح پڑھوا دیا

مگر ہم اس نکاح کو نہیں مانتے۔اس کی ہماری نظر میں کوئی اہمیت نہیں جب لڑکی پر دباؤ ڈال کر فیصلہ کرایا گیا ہو۔ہم اس فیصلے سے انکاری ہیں۔سامنے لایئے اس لڑکی کو ہم خود اس سے بات کریں گے۔میری بھتیجی ہے وہ۔اس کے باپ کا بھائی ہوں اس کا قانی وارث ہوں۔ میری اجازت اور منشا کے بغیر آپ اس طرح کا ڈرامہ رچانے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں اور آپ کا کیا خیال ہے آپ کہیں گے اور میں اس ڈرامہ کو صحیح مان لونگا جیسے؟ ہم نے کبھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔شکل سے میں آپ کو کوئی بیوقوف لگتا ہوں؟ دنیا ہم نے بھی دیکھی ہے۔ اگر آپ اپنے ہی اقدار کا پاس کرتے تو مشکل گھڑی میں ہمارے ساتھ دیتے۔اس کے ملنے کے بعد ہمیں اطلاع دیتے کہ آپ نے اسے زخمی حالت میں مشکل وقت میں اس کی مدد کی۔ہم آپ کا احسان کبھی نہ بھولتے۔آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دب جاتے مگر آپ نے تو پینترا ہی بدل کر ساری بازی اپنے حق میں کرنے کا فیصلہ کرلیا۔جو کہ آپ کی نیت کے فتور کی نشاندہی کرتی ہے.....معذرت کے ساتھ..... آپ کا یہ عمل مصلحانہ نہیں ہرگز نہیں تھا اور نا ہی مدبرانہ.....ہم اس کی تائید ہرگز نہیں کر سکتے.....اس کو تسلیم نہیں کر سکتے.....!!'' حیدر شاہ کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا.....وہ غصے سے آگ بگولا ہو گئے تھے۔

''بابا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔وہ میری منگ ہے۔وہ صرف میری ہی رہے گی۔اس کے نام کے ساتھ میرا نام جڑا ہوا ہے۔کسی اور کے بارے میں تو وہ بولنے کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔میرے نام پر جینا مرنا ہی اس کی زندگی بن چکا ہے۔آپ یہ جھوٹ کا سلسلہ ترک کر دیجئے۔''معید شاہ نے پرغرور لہجے میں کہا تھا۔

''وہ میری منکوحہ ہے۔میری عزت اور توقیر ہے وہ۔اس کا نام ہی کیا اس کی زندگی کی ہر سانس میرے ساتھ جڑ چکی ہے۔کوئی اور اس کے بارے میں تصور بھی کرے مجھے یہ بھی گوارا نہیں۔اس کی سوچوں اور دل و دماغ پر صرف اس کے زندگی کے ساتھی کا نام ہے اور ہمیشہ رہے گا۔رشتے کوئی کھیل نہیں ہوتے۔ان کے تقدس کا احترام لازم ہے۔اگر مخالف ہوا بھی اسے چھو کر گزرنے کی کوشش کرے گی تو میں ان ہواؤں کے راستے مسدود کروں گا۔ان ہواؤں کا رخ موڑ دوں گا۔اپنی بیوی کا ذکر میں کسی اور کی زبان سے سننا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔آئندہ اس بات کا دھیان رہے۔میری طاقت اور حیثیت سے تو آپ بخوبی واقف ہوں گے نا.....وہ میرے لئے اہم ہے۔ بے حد اہم۔اس کی تمام جائیداد چیئرٹی میں جانے والی ہے۔یہ اس کے والد کا فیصلہ تھا۔اگر وہ جائیداد نہیں لینا چاہے گی تو وہ چیئرٹی میں چلی جائے گی۔اور میرا نہیں خیال وہ کوئی فیصلہ اپنے والدین کی مخالفت میں کرے گی۔میں قانونی طور پر اس کا وارث ہوں۔سارے حق محفوظ رکھتا ہوں۔''اس نے جتایا تھا۔تمکنت بھرے لہجے میں باور کروا رہا تھا.....اور جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا.....

اور ھین شایان شاہ اس کے مکمل استحقاق کے ساتھ بولتے سن کر دھڑکنوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔اس کے ''بیوی'' کہنے پر دل کا ارتعاش بڑھتا چلا گیا تھا۔اس کی آواز کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی.....وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''تم دل کے کواڑوں کو مضبوطی سے بند کر کے قفل لگا کر سمجھتی ہو کہ محبت کے راستے مسدود کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی؟

سدباب کرنے کے لیے آہنی باڑیں لگا کر مطمئن ہوگئی ہو؟ یہ عمل باعث طمانیت ہے کہ اونچی فصیلیں محبت کی راہوں میں رکاوٹ بن جائیں گی؟ اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو نادان ہو۔ تم چاہے کتنی ہی مستعد کیوں نہ ہو۔ کتنے ہی حفاظتی بند باندھ لو۔ محبت دبے پاؤں چور دروازوں سے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا۔ دروازوں کی مہین دراڑوں سے اندر داخل ہونے کے راستے بنا لیتی ہے جب خبر ہوتی ہے تو محبت اپنا قبضہ جما چکی ہے تب اس کے تسلط سے رہائی ممکن نہیں ہوتی۔'' وہ مدھم لہجے میں احوال بیان کر رہا تھا یا اسے جتا رہا تھا۔ حمین شایان شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر گئی تھی۔

''تغافل بھری سرمئی نگاہوں دیکھ کر تم محبت کو ساکت کر دیتی ہو اور سمجھتی ہو کہ اگر محبت کے قدم جکڑ لیے تو تم نے حفاظتی تدابیر کر لی ہیں۔ اگر محبت کے گرد حصار بنا کر آکٹوپس کی طرح دبوچ لیتی ہو۔ محبت کے دل کی سانسوں کو مٹی میں مقید کر روک دیتی ہو۔ پھر بھی تمہارے اندر بے سکونی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جانے کیسے خدشات ہیں۔ کیسا خوف ہے جو تمہیں چین ہی نہیں لینے دیتا۔ تم ایسا کیوں کرتی ہو حمین شاہ؟ آخر تمہیں اتنے وسوسے کیوں ستاتے ہیں؟'' دھیمے لہجے میں کتنے سوالات تھے۔

آج صبح ہی کی تو بات تھی جب پو پھوٹ رہی تھی کتنے دنوں کے بعد جب اس نے کھلے آسمان کو دیکھا تھا تو نگاہیں آسمان پر جمادی تھیں۔ مما پاپا کی یاد شدت سے آگئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کیا ہوگا۔ خدشات سے بھری نگاہوں سے آسمان کی وسعت کو دیکھ رہی تھی اور اظل سہام مرزا اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''جانتی ہو کیا حمین شاہ..... جب زمین کا چہرہ اداس ہوتا ہے تو وہاں سرمئی بادلوں کا جمگھٹا لگ جاتا ہے۔ سرمئی بادل متجسس سے زمین پر جھک آتے ہیں۔ وہ جاننے کے لیے بے چین ہوتے ہیں کہ آخر ماجرہ کیا ہے۔ سب وسوسوں اور تغیرات کے بخارات سے بھرے سرمئی بادلوں کی آنکھیں زمین کی حرارت کی حدت سے مائع بن جاتے ہیں۔ پگھلنے لگتے ہیں اور اس کے خدشات بارش کے قطروں کی صورت میں زمین پر گرتے رہتے ہیں۔ زمین کے رخسار کو بھگوتے رہتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو عجب منظر لگتا ہے۔ نظارہ انوکھا ہے۔ میں حیرت کدوں میں ڈوب جاتا ہوں۔ میں ساکت نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔ سرگوشیوں میں عجیب اصطلاحات بیان کر رہا تھا۔

وہ حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے بہتے آنسو اس کے رخسار پر ٹھہر گئے تھے۔ اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ دی تھیں اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی۔

''حمین بیٹا تم تھک جاؤ گی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی تو زخم تازہ ہیں۔'' دادی جان اسے تنبیہ کر رہی تھیں۔

اور دادی جان کی آواز اسے ہال میں کھینچ لائی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔ اندر اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔ اس لمحے اس کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایسا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اسے یوں بے یار و مددگار رہنا

پڑے گا۔ اپنی بقا کی جنگ لڑنی پڑے گی۔ اسے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوگی بلکہ اس کی ساری زندگی کا دارومدار دوسروں کے فیصلوں پر ہوگا۔ وہ کسی اور کے ساتھ زبردستی بندھ جائے گی۔ ان پر بوجھ بن جائے گی۔ ان کی زندگی میں مشکلات کھڑی کردے گی۔ ان کی چپقلش کی وجہ بن جائے گی۔ اس کی وجہ سے دو خاندانوں میں تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ وہ خود کو ان حالات کا ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔ ایک ملال نے اسے گھیر لیا تھا۔

اندر سے آتی آواز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''حیدر بھائی یہ وہی شخص ہے جس نے مجھے جنگل میں مارا تھا اور میری یہ حالت کردی تھی۔ میری اس حالت کا ذمہ دار یہی شخص ہے۔'' عنصر نے گویا دہائی دی تھی۔

''کیا؟'' حیدر شاہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔ ساری گیم ان کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''اوہ تو یہ ان لوگوں کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ اب ان سے نپٹنے کے لیے قانونی کاروائی کرنی پڑے گی۔ ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانا پڑے گا۔ آپ ہماری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم شرافت سے آپ کو کہہ رہے ہیں مگر لگتا ہے شرافت کی زبان آپ لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے۔ آپ لوگوں کا کوئی لمبا گیم ہے۔ سب سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔ آپ نئے شگوفے چھوڑ رہے ہیں۔ وہ بچی کو تنہا سمجھنے کی غلطی کر رہے ہیں مگر وہ بچی ہرگز تنہا نہیں ہے۔ آپ اس کو یوں حبسِ بے جا میں نہیں رکھ سکتے۔ یوں زبردستی دباؤ ڈال کر اس سے کاغذوں پر دستخط نہیں لے سکتے۔ یوں بڑھ چڑھ بول کر اپنے جرم کی پردہ پوشی نہیں کر سکتے۔'' حیدر شاہ نے سخت لہجے میں تنبیہ کی تھی۔ تبھی کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ آنے والے کی آواز سے وہ واقف تھی اور شاید وہ لوگ بھی جانتے تھے۔ اندر اچانک ایک گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

''معید شاہ تم.....؟'' حیدر شاہ کی آواز میں حیرانگی تھی اور آنکھوں میں برسوں پرانے رشتے کی پہچان۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا یوں اچانک اس سے ملاقات ہو جائے گی۔ وہ اس کا پیارا بھائی تھا۔ اس کے نواز چچا کا بیٹا۔

''جی حیدر بھائی..... میری بھانجی کا مسئلہ تھا تو میں کیسے موجود نہ ہوتا۔ مجھے تو آنا ہی تھا۔ وہ میری بہن کی اکلوتی نشانی ہے۔ مجھے بے حد عزیز ہے۔ صنم سے بڑھ کر ہے وہ میرے لیے۔ اس کی زندگی کا یہ اہم فیصلہ میری رضا سے ہوا ہے اور شایان شاہ اور اسد شاہ کا بھی یہی فیصلہ تھا۔ توقیر ضیاء ان کے قانونی معاملات کو دیکھتا ہے۔ اس کے پاس ان کی یہ ول تھی۔ اسد سہام مرزا ان کا بہترین دوست تھا آپ تو جانتے ہیں۔ وہ تینوں بچپن سے ساتھ ہی رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تب بھی نہیں جب اپنوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور ان کو ان کے گناہوں کی کڑی سزا دی تھی کہ ان کو میرے اور ان کے والد کے انتقال پر بھی نہیں آنے دیا گیا۔ شایان کی کتنی خواہش تھی وہ کتنا تڑپا تھا ایک بار اپنے جیتے جی اپنی ماں سے مل لے۔ ان کی گود میں سر رکھ کر اپنے کیے کی معافی مانگ لے..... مگر.....

وہ کتنی ہی بار آیا بھی مگر آپ نے تو اسے اندر بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ تبھی تو وہ آپ سے زیادہ کسی اور پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے اپنے جگر کا ٹکڑا کسی اور کو سونپ دیا۔ اگر آپ نے اسے ایک موقع دیا ہوتا تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔ اپنی پسند کی شادی کرنا اس کا جرم تھا نا..... حسنہ میری بہن نے بھی اس سزا کو اس کے ساتھ ہی سہا اور ان دونوں کی زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی مگر دونوں نے ایک آخری سانس تک ایک دوسرے کا ساتھ نبھایا..... ان دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔'' معید شاہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ شدت جذبات سے مغلوب ہو گئی تھی۔

''اور آپ قانون اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ ان دونوں کی شادی قانونی طور پر ہوئی ہے۔ توقیر ضیاء کے پاس سارے لیگل پیپرز ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اس نکاح میں دونوں فریقین کی مرضی شامل ہے۔ یہ نکاح میری، اسد سہام مرزا اور توقیر ضیاء اور سہام مرزا کی رضامندی اور باہمی مشورے سے اور سب کی رضامندی سے طے ہوا تھا۔ اس میں کوئی دھوکا فریب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ وہ میری بیٹی کی طرح ہے۔ ویسے تو آپکے ساتھ بھی اس کا خونی رشتہ ہے شاید ہم سب سے زیادہ اہم رشتہ۔ آپ اس کے تایا جان ہیں۔ وہ آپ کو بڑے پاپا کہتی ہے مگر آپ اس کے تحفظ کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکے۔ اگر آپ اسکے سر پر ہاتھ رکھتے تو شاید آج ہمیں یوں آگے آنے کی ضرورت قطعی نہ ہوتی۔ آج سب سے اہم تو آپ ہی ہوتے۔'' وہ دھیمے لہجے میں ان کو باور کروا رہا تھا۔ دبے دبے لفظوں میں جتا رہا تھا۔

اور حیدر شاہ کو احساس ندامت نے گھیر لیا تھا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ معید شاہ اس کا چچازاد بھائی تھا۔ حسنہ کا بڑا بھائی۔ ان کے خاندان میں آپس میں شادیاں کرنے کا رواج تھا۔ جو رشتے طے ہو جاتا اس کو نبھانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی جاتی۔ اس سے انحراف یا انکار کسی طور ممکن ہی نہیں تھا۔

زرتاج شاہ یاسر چچا کی بیٹی تھی۔ حمیرا بیگم کی چھوٹی بہن اور شایان شاہ کی منگیتر مگر شایان شاہ سدا کا ضدی اور من موجی تھا۔ وہ وہی کرتا تھا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے فیصلے صرف اپنے ہوتے تھے۔ وہ کسی اور کے منتخب راستوں پر قطعی طور پر چلنا پسند نہیں کرتا تھا۔ تبھی تو اس نے اپنے راستے چن لیے تھے۔ حسنہ اس کے ساتھ پڑھتی تھی اور اس کا دل جانے کب حسنہ پر فدا ہو گیا تھا۔ اس حقیقت کے جاننے کے باوجود کہ زرتاج اس کی زندگی میں شریک ہونے والا ہے۔ اس کے راستوں نے نئی راہوں کو تلاش کر لیا تھا یا پھر محبت اسے پرخار راستوں پر لے گئی تھی۔

کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ حیدر شاہ کی آواز نے وہ خاموشی توڑی تھی۔

''کیا میں اپنی بیٹی سے مل سکتا ہوں؟ ایک بار اسے گلے لگا سکتا ہوں؟ وہ میرے شایان کی نشانی ہے۔ اس کی خوشبو اس میں بسی ہوئی ہے۔ کاش میں تحمل سے اس کی بات سن لیتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ کتنے پچھتاوے بول رہے تھے ان کے دھیمے لہجے میں۔ اک ملال تھا۔

''کیوں نہیں حیدر شاہ۔ وہ تمہاری ہی بیٹی ہے۔ تم اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھو گے تو اس کی ڈھارس بندھ جائے گی۔ اس کو باپ کی کمی قدرے کم محسوس ہوگی حالانکہ ہم اس کمی کو اور اس خلا کو پر تو نہیں کر سکتے۔ مگر اس کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کو یقین دہانی کرا سکتے ہیں کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ کوئی ہے اس کے ساتھ ہے۔ جسے اس کی پرواہ ہے۔ مشکل گھڑی میں اور زندگی کے ہر مقام پر اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ اس لمحے اس کو حوصلے کی ضرورت ہے۔ آپ سب کا نقصان ہوا ہے مگر اس کا نقصان سب سے زیادہ ہوا ہے۔ ہم اس کے والدین کا نعم البدل ہو نہیں سکتے مگر اس بچی کے دل میں رشتوں کی مضبوطی کا احساس اجاگر کر سکتے ہیں۔'' سہام مرزا نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

اور حیدر شاہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

دادا جان نے حسین شاہ کو اندر بلایا تھا اور حیدر شاہ نے اسے دیکھا تھا اور بے قراری سے آگے بڑھا تھا اور اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''میرے شایان کی نشانی..... میری بچی..... مجھے معاف کر دو..... ہم زندگی میں کبھی غلط فیصلے کر جاتے ہیں ان کا پچھتاوا ساری عمر ستاتا رہتا ہے مگر ہم کوشش تو کر سکتے کہ اگر ازالہ ممکن ہو حالانکہ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ تم مجھے اسی قدر عزیز ہو جس طرح تمہارے پاپا مجھے عزیز تھے۔ تم تنہا ہرگز نہیں ہو۔ میں ہوں تمہارے ساتھ ہمیشہ تک۔ جب بھی کبھی میری ضرورت پڑے بس ایک بار پکارنا اور تمہارے بڑے پاپا وہیں موجود ہوں گے..... اپنی بیٹی کے لیے۔'' انہوں نے جذباتی لہجے میں کہا تھا۔ ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ انہوں نے اسے خود سے الگ کیا تھا اور پھر اس کے پر سر دستِ شفقت رکھ دیا تھا۔

حسین شاہ کی روح تک کو جیسے قرار آ گیا تھا۔ کیسے عجیب رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوتے ہیں ہم۔ یہ رشتے ہمیں کمزور بھی کر دیتے ہیں اور یہی رشتے ہمیں مضبوط بھی بنا دیتے ہیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ان کا لمس اسے پاپا کا احساس دلا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے سمندر رواں ہو گئے تھے۔

''بڑے پاپا!'' اس نے پکارا تھا اور حیدر شاہ کی سماعتیں اس پر لگ گئی تھیں۔

''کہو بیٹا..... کیا کہنا ہے..... بڑے پاپا سے؟'' انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''بڑے پاپا..... پاپا آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ میں نے کئی بار ان کو آپ کا ذکر کر کے روتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اور مام ہمیشہ بات کرتے تھے مگر مجھے دیکھ کر خاموش ہو جاتے تھے یا پھر موضوع بدل دیتے تھے۔ سب میں جان نہیں پائی تھی مگر جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی مجھے سمجھ میں آتا گیا۔ میں تمام رشتوں کے بغیر پلی بڑھی ہوں۔ ان رشتوں کو ترسی ہوں۔ ان رشتوں کو کبھی نہیں برتا میں نے۔ شاید میں نہیں جانتی۔ ان رشتوں کا مان ٹھیک سے نہیں نبھا سکی۔ شاید میں ڈر گئی تھی۔ آئی ایم سوری بڑے پاپا۔ اگر میری وجہ سے آپ کو دکھ اٹھانا پڑا۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور پھر ساری بات ان کے گوش گزار کر دی تھی۔ وہ کیسے اور کن حالات میں

یہاں پہنچی تھی۔

اور وہ حیران سے تمام داستان کو سن رہے تھے۔انہوں نے دوبارہ اسے گلے لگالیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''میری بچی مجھے تو اندازہ نہیں تھا ایسا کچھ ہو جائے گا۔یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا۔اللہ کا شکر ہے تم زندہ ہو۔اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں شاید اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔روز محشر اپنے بھائی کو کیا منہ دکھاتا کہ اس کی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔اچھا باپ نہیں بن سکا۔''انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور پھر اظل کی طرف مڑے تھے۔

''بیٹا آپ کا شکریہ آپ نے میری بیٹی کی جان بچائی۔اس کو بروقت گھر لائے اور بروقت طبی امداد کی وجہ سے اسے بچا سکے۔''

اور پھر سہام مرزا کی طرف مڑے تھے۔

''آپ نے میری بچی کا خیال بے حد اچھے طریقے سے رکھا اور اس کی بات میری چچی سے کرادی اور ان کو اس کی خیرت سے آگاہ کر دیا۔تبھی تو ہم جان پائے۔ہمیں اس تک پہنچنے کا سراغ مل گیا اور آج یہ حقیقت کھل پائی ورنہ ہم تو بہت سی باتوں سے انجان رہتے اور یہ غلط فہمیاں بڑھتی چلی جاتیں۔معید شاہ تم نے آج میری آنکھیں کھول دیں۔مجھے احساس دلا دیا کہ رشتے دنیا میں ہر چیز سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ان کی پاسداری سے اعتماد کی جڑیں اور مضبوط ہوتی ہیں۔رشتوں میں پائیداری کے لیے جتانا ضروری ہوتا ہے۔جتانا پڑتا ہے کہ وہ رشتے کس قدر قیمتی ہوتے ہیں۔کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔''وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہے تھے۔اپنی کوتاہیوں کو مان رہے تھے۔تسلیم کر رہے تھے۔

''سہام انکل آپ تو بابا جان کے دوستوں میں سے ایک ہیں۔آپ کو کوئی سخت الفاظ ہرٹ کر گئے ہوں تو معاف کر دیجئے گا۔میرا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں تھا۔''وہ سہام مرزا کو کہہ رہے تھے۔

''نہیں بیٹا۔تمہاری کوئی غلطی نہیں۔کبھی حالات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ کوئی بات سمجھنا اور اس کے اصل خواص کو پہچاننا ممکن نہیں ہوتا۔جو بھی ہوا ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔تم سب میرے بچے ہو اور بچوں سے بھول چوک ہو بھی جائے تو بڑوں کا فرض ہوتا ہے اس کو نظر انداز کر کے دلوں کے فاصلوں کو بڑھانے کے بجائے کم کریں۔زندگی بہت مختصر ہے۔شکوہ میں بسر کر دینا عقلمندی قطعی نہیں ہے۔''

سہام مرزا نے بردباری سے کہا تھا۔

''آج آپ کی سمجھداری، بردباری اور بہترین حسن سلوک کی وجہ سے معاملات کی ہیئت تبدیل ہو گئی ورنہ جانے کیا ہوتا۔آپ کی دور اندیشی اور سمجھ بوجھ نے بات کو بگڑنے سے بچا لیا۔تبھی کہتے ہیں جس گھر میں بزرگوں کا سایہ سر پر سلامت ہوتا ہے وہاں غلطی کا تناسب قدرے کم ہوتا ہے۔''حیدر شاہ نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''بیٹا تم بھی میرے لیے اسد کی طرح ہی ہو۔جب کبھی کوئی بات پریشان کرے اور فیصلہ لینے میں دشواری ہو، کسی طرح کی کوئی

بھی مدد درکار ہو تو میں یہیں موجود ہوں۔ آپ آسکتے ہیں آپ کا اپنا گھر ہے۔'' سہام مرزا نے دھیمے لہجے میں یقین دہانی کروائی تھی۔

''انکل اگر آپکو کوئی اعتراض نہ ہو تو کیا ہم اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جاسکتے ہیں؟'' حیدر شاہ نے سہام مرزا سے اجازت چاہی تھی۔

''کیوں نہیں۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ ھین سے پوچھ سکتے ہیں اگر وہ جانا چاہتی ہے تو۔'' انہوں نے اجازت دی تھی۔ فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

حیدر شاہ ھین شاہ کی طرف مڑے تھے اور ھین شاہ کی نگاہیں غیر ارادی طور پر سامنے کھڑے اظل سہام مرزا کی طرف اٹھی تھیں۔ اور اظل سہام جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے خدشات ایک لمحے میں پہچان گیا تھا۔

''بڑے پاپا ہم جلد آپ کے پاس آئیں گے بلکہ میں ایک دو دن میں ھین کو خود لے کر آؤں گا۔ ابھی اس کے زخم نہیں بھرے ہیں۔ ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے ورنہ زخم مندمل ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے گا۔'' اظل سہام مرزا نے بڑی مہارت سے بروقت بات کو سنبھالا تھا۔

''امید ہے آپ برا نہیں مانیں گے بڑے پاپا۔'' اظل نے ھین شاہ کے انداز اور اسی کے رشتے سے ان کو پکارا تھا۔

''نہیں بیٹا برا ماننے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہاں یا وہاں گھر تو دونوں اس کے ہی ہیں نا۔ یہ کوئی غیر جگہ تو نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کا کھلے دل سے استقبال کروں گا۔ تم لوگوں کا انتظار کروں گا بے تابی کے ساتھ۔'' انہوں نے شفقت سے ھین شاہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''میں چلتا ہوں بیٹا۔ اپنے گھر جلد آنا۔'' انہوں نے کہا تھا اور پھر اجازت چاہی تھی۔

''آپ ایسے کھائے پیے بغیر تو قطعی نہیں جاسکتے۔ ہمیں مہمان نوازی کا کچھ تو موقع دیں آپ ورنہ ہمیں اچھا نہیں لگے گا۔'' سہام مرزا نے کہا تھا۔

''معذرت کے ساتھ کہوں گا ہم بیٹیوں کے گھر کا پانی بھی نہیں پیتے یہ ہماری روایات ہیں جو صدیوں سے چلی آرہی ہیں۔'' وہ ایک لمحہ رکے تھے۔

''مگر شادی کی ساری رسومات ہمارے گھر میں ہوں گی اور ہم اپنے ہاتھوں سے بڑی دھوم دھام سے اپنی بیٹی کو رخصت کریں گے۔ یہ ہمارا حق ہے آپ اس سے ہمیں محروم مت کیجئے گا۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں درخواست کی تھی۔

''یہ آپ کا حق ہے حیدر شاہ اور فرض بھی۔ ہم جانتے ہیں آپ اپنے تمام فرائض نہایت خوش اسلوبی سے نبھائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے آپ سارے حقوق و فرائض کو احسن طریق سے نبھائیں گے۔'' سہام مرزا نے یقین دہانی کروائی تھی۔

اور حیدر شاہ نے قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ عمیر شاہ اور عنصر نے بھی پیش قدمی کی تھی۔

اور سہام مرزا ھین کی طرف مڑے تھے جو سر جھکائے کھڑی تھی۔ معید شاہ اٹھے تھے اور ھین شاہ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے

تھے پھر دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

''ماموں جان میں نے آپ کو Contact کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر آپ کا نمبر مل ہی نہیں رہا تھا۔'' عین شاہ نے وضاحت دی تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا۔ تمہاری ممانی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نا اسی لیے بہت دنوں تک وہیں رہے۔ اپنی بھی خبر نہیں تھی۔ جب گھر آ کر چیک کیا فون تو پھر میں نے خود کو ٹیکٹ کیا تو پتہ چلا۔'' انہوں نے تفصیلاً آگاہ کیا تھا۔

''ممانی جان اب کیسی ہیں ماموں جان؟ کیا ہوا انہیں؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''اب وہ ٹھیک ہیں بیٹا۔ وہ آئی ہیں ساتھ۔'' انہوں نے اطلاع دی تھی اور سہام مرزا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ نفیسہ بیگم بھی بے قراری سے اندر داخل ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟ تم نے اطلاع کیوں نہیں دی؟ کہاں ہے میری بیٹی تم سے اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟'' انہوں نے ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ ڈالے تھے۔ لہجے میں بے قراری تھی۔

''وہ ٹھیک ہے امی جان۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ تو جانتی ہیں نا۔ آپ لوگوں نے ناطہ توڑا تو اس نے خوشیوں سے منہ موڑ لیا۔ وہ آپ لوگوں کو ناراض کر کے خوش کیسے رہ سکتی تھی۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا مگر میں نے اصرار کیا تو آ گئی مگر ہوٹل میں ٹھہری ہے۔ وہ آنا نہیں چاہتی۔ اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔ کچھ کہتی نہیں ہے۔ کوئی شکوہ نہیں کرتی۔ کوئی شکایت لب پر نہیں لاتی۔ کچھ بتاتی ہی نہیں ہے مگر مجھے خبر ہے کونسی بات اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔ وہ بہت خیال رکھنے والی ہے مگر اپنا خیال نہیں رکھتی۔ ان سوچوں نے اسے الجھایا ہے اور ان الجھنوں نے اس کے دل کو الجھن میں ڈال رکھا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''لیکن رامین میرے ساتھ آئی ہے۔ آپ اس سے مل سکتے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مروتاً مسکرائے تھے۔

''کیا..... رامین آئی ہے؟ تم نے اسے باہر کیوں چھوڑ دیا؟ میری بچی..... میری ماہ نور کی بیٹی۔'' وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھیں۔

''آئی ایم سوری ماموں جان آپ کو میری وجہ سے ایمرجنسی میں آنا پڑا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اگر پتہ ہوتا تو آپ کو قطعی پریشان نہ کرتی۔'' وہ احساس ندامت سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں بیٹا ایسا مت کہو۔ سب اتنا اچانک ہوا تو کچھ پتہ نہیں چلا۔ مجھے اندازہ تھا مگر پھر تو قیر سے پتہ چلا سارے معاملات کو تو فوراً چلا آیا۔'' انہوں نے کہا تھا۔ کچھ لمحے کے لیے رکے تھے پھر کہنے لگے تھے۔

''مگر شکر ہے بروقت پہنچ گیا اور ویسے بھی مجھے اندازہ تھا سہام انکل سب کچھ سنبھال لیں گے۔'' انہوں نے کہا تھا پھر باہر کی

طرف بڑھے تھے۔

اور سہام مرزا پریشان حال چلتے ہوئے جانے کب کے جا چکے تھے۔اس نے اظل کی طرف دیکھا تھا اور وہ مڑی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔سب کچھ سن کر مشکل تھا۔چیزیں وقتی طور پر ٹل ضرور گئی تھیں مگر حالات مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئے تھے اور ھین شاہ کی پریشانی مزید بڑھتی چلی گئی تھی۔حالات بظاہر تو سلجھے لگ رہے تھے مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ بھول بھلیوں کے راستے سے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔لگتا تھا جیسے وہ ان گنجل راستوں میں کھو رہی تھی۔زندگی بھی کچھ ایسی ہی گنجل ہو رہی تھی۔وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی راستہ بھول گئی تھی۔اسے سخت غصہ آ گیا تھا۔اتنی بڑی حویلی بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ایک ہی جیسے بہت سارے راستے کیوں بنائے تھے۔وہ ایک راہداری میں رک گئی تھی۔اس نے استفہامیہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تھا۔تبھی وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ رکا تھا۔

''کیا ہوا؟ یہاں کیوں کھڑی ہو؟ تھک گئی ہو کیا؟''اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ایک بات بتایئے۔''اس نے اس کی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کر کے الٹا سوال پوچھا تھا۔

''کیا؟''اس نے پوری توجہ اس کے صبیح چہرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''آپ کو اتنا الجھا ہوا گھر بنانے کی کیا ضرورت تھی جہاں راستہ تلاش کرنا محال ہوتا ہے؟ ایسا لگتا ہے جیسے میں تو انہی بھول بھلیوں میں کہیں کھو جاتی ہوں۔اتنے گنجل راستے ہیں کہ الجھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔''وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھی۔

اور اظل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ جان گیا تھا وہ کس بات پر الجھی ہوئی تھی۔

''آپ پھر راستہ بھول گئی ہیں؟ آپ تو نہایت الجھی ہوئی لگ رہی ہیں۔وجہ میں جانتا ہوں۔مگر آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اتنے سارے لوگ ہیں آپ کی فکر کرنے کے لیے۔دیکھ لیجئے آپ کی ایک آواز پر سب نے آپ کو گرد ایک حفاظتی گھیرا بنا دیا تھا اور آپ یوں ہی شکوہ کناں ہیں۔آپ اس طرح پریشان ہو گئیں تو وہ سب بھی فکر مند ہو جائیں گے۔''اس نے مدھم لہجے میں سمجھایا تھا۔

ھین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔سب اپنے اہم کام چھوڑ کر میری وجہ سے آ گئے ہیں۔مجھے ان کو یوں پریشان ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا۔مجھے نہایت برا لگ رہا ہے۔اس بات کا ملال ستا رہا ہے۔خواہ مخواہ سب کو زحمت دی۔''اس نے پر ملال لہجے میں کہا تھا۔اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

اس نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہارا یہ پرملال لہجہ کچھ بھلا نہیں لگتا۔تم یوں اس انداز میں بات کرتے ہوئے بہت عجیب سب لگ رہی ہو۔تم نے تب حوصلہ نہیں ہارا تھا جس وقت تو موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہی تھیں اور جب جب سب ٹھیک ہونے کی امید ہو چلی تو تمہارے لہجے میں یہ ناامیدی کیوں ہو رہی ہے۔تمہاری آنکھوں میں تغیرات نے کیوں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔تم دوسروں کے حقوق کے لیے تو لڑ جاتی ہو پھر جب بات اپنی ہوتی ہے تو چپ کیوں سادھ لیتی ہو؟ایسا کیوں کرتی ہو؟یہ فعل کچھ عجیب لگا ہے مجھے۔تمہارا یہ ڈرا سہما سا انداز تم پر بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''جانتی ہو کیا.....ڈر اور خوف تو خود تم سے خوفزدہ ہیں۔تم سے ڈرتے ہیں۔دبک کر ادھر ادھر چھپ جاتے ہیں۔چپ سادھ لیتے ہیں۔یہ عمل کچھ الگ سا لگتا ہے مگر میں نے خود دیکھا ہے بارہا ایسا ہوا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔اس کا موڈ تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ ایک عجیب سی وحشت اس کی آنکھوں میں تیر رہی تھی۔

''آپ نے کیسا جان لیا تھا میں ان کے ساتھ جانے میں تعامل برت رہی تھی۔آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں ان سے خوفزدہ تھی۔اعتبار کرنے سے ڈر رہی تھی؟'' آپ قیاس آرائیاں کر رہے ہیں نا؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔تغافل سے بھری سرخی آنکھوں میں کتنے سوال تیر رہے تھے۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''تمہیں لگا میں نے قیاس آرائی کی تھی؟اگر میں نے ان آنکھوں کی زبان پڑھ لی تھی تو یہ بات تمہیں خوف میں کیوں مبتلا کر رہی ہے؟تمہاری یہ تغافل سے بھری سرمئی آنکھیں اتنا برہم کیوں ہو رہی ہیں؟تم جب خاموش نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں تو تم نے اک لفظ کہے بغیر سارا مدعا اپنی آنکھوں کو سونپ کر مطمئن ہو گئی تھیں اور تمہاری ان سرمئی آنکھوں نے اپنا کام پوری جانفشانی سے شروع کر دیا تھا۔میری آنکھوں کو Hypnotized کر کے اپنے بس میں کر لیا تھا۔اور تمہاری سرمئی آنکھوں نے جو حکم میری آنکھوں کو دیا تھا،آنکھوں نے دل کو اور دل نے دماغ کو منتقل کر دیا تھا۔لمحوں میں میری زبان پیامبر بن گئی تھی۔وہی الفاظ ادا کرنے لگی تھی جو تمہاری آنکھوں میں حکم دیا تھا۔حرف بہ حرف وہی کہا تھا جو تم نے چاہا مگر جب میں نے تمہاری طرف دیکھا تھا تم حیران بھی رہ گئی تھیں کہ تمہارا فسوں چاروں طرف کیسے پھیل گیا۔تم خود پر یقین کیوں نہیں تھیں حنین شاہ؟تم اپنے فسوں سے بے خبر تھیں یا پھر اس کے اتنی جلدی پھیل جانے پر حیران تھیں اور تمہیں یہ قیاس آرائی کیوں لگ رہی تھی۔اگر میں سراغ پا گیا ہوں،چلتا ہوا ان راہوں پر چلا آیا ہوں تو تمہیں یہ فعل ہراساں کیوں کر رہا ہے؟'' مدھم لہجے میں کتنے راز منکشف کر رہا تھا۔

اور حنین شاہ حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی پھر نگاہیں چرانے کے ساتھ چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔پھر اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

''آپ کو بولتے رہنے کا خبط کیوں سوار ہے؟ اتنی طویل باتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ باتوں کو کھینچ رہے ہیں۔ لمحوں کو طوالت دیتے جا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں آپ کی بے ربط باتیں کوئی معنی واضح نہیں کر رہیں۔ آپ نہایت عجیب قسم کے انسان ہیں۔ آپ کو سمجھنا عبث ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور پھر رکی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھا تھا جو اس کی بات پر ایسے مسکرا رہا تھا جیسے کوئی دانا کم فہم بچے کی بات سن کر مسکراتا ہے۔

''آپ نہایت الجھے ہوئے انسان ہیں اور گنجل باتیں کرنے میں تو کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ جتنی الجھی ہوئی یہ حویلی ہے اتنی ہی بھول بھلیوں جیسی آپ کی باتیں ہیں۔'' اس نے تغافل سے بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے چڑ کر حتمی رائے دی تھی۔ اس کا یوں مسکرانا اور اسے کم فہم سمجھنا اسے کچھ خاص بھایا نہیں تھا اور اس کا ردعمل شدید ظاہر ہوا تھا۔ اس نے اسے حویلی کی بھول بھلیوں میں الجھا دیا تھا۔

''حسین شاہ تم نے جو سب باتیں صیغۂ راز میں رکھی تھیں وہ پیغام رسانی کے ذرائع مسدود کر کے راہیں مسدود کر دیتی ہو اور حتیٰ کہ پلکوں کی باڑ گرا کر تمام روشنیوں کو گل کر دیتی ہو۔ اگر کوئی اندھیروں میں چلتا ہوا بھی ادھر ادھر دیکھے اور چپ سادھے رازوں تو رسائی پا جاتا ہے تو تمہیں یہ عمل ناگوار کیوں گزرتا ہے۔ تمہیں یہ کوشش خائف کیوں کرتی ہے؟ اگر میں تگ و دو کر کے ان گھپ اندھیروں میں نگاہوں کو مانوس کر کے سراغ پا جاتا ہوں تو تم حملہ آور ہو کر پھر زیر کر دیتی ہو۔ آخر تمہیں خدشہ کس بات کا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''تم جانتی ہو اگر تنہا ان گنجل راستوں پر چلو گی تو کھو جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ ان گنجل راستوں کو میں آسان بنا سکتا ہوں۔ تبھی تو کہا تھا۔ میری انگلی تھام کر چلنا شروع کر دو۔ تنہا ادھر ادھر بھٹکنے کی کوشش مت کرو۔ میں تو دوستی کا ہاتھ بڑھائے کھڑا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے گنجل راستوں کو آسان کرنا آتا ہے۔ مشکلوں سے گھبرانا میں نے نہیں سیکھا۔ مجھے ڈرانے کی کوشش مت کریں ناکام ہو جائیں گے۔ دوستی کے لیے میں نے بھی سوچا نہیں۔ وقت طے کرے گا اگر آپ واقعی قابل بھروسہ ہوئے تو۔'' اس نے کہا تھا اور چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

وہ وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں تبدیلیاں اتنی تیزی سے ہوتی ہیں کہ انسان حیرتوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ سب کچھ بدلتا جا رہا تھا۔ زندگی کے مفہوم اور معنی بدلنے لگے تھے۔ وہ خود اپنے عمل پر حیران رہ گئی تھی۔ وہ کیسے اور کیوں وہ غیر ارادی عمل کر پائی۔ اس کیوں اس کی طرف دیکھا تھا۔ کیا وہ اس کی مدد چاہتی تھی اور جب اس نے وہ تمام الفاظ حرف حرف ادا کر دیئے تھے۔ جیسا وہ چاہتی تھی تو وہ حیرت کدوں میں کیسے ڈوب گئی تھی۔ اس نے کیسے پڑھ لیے تھے وہ الفاظ اس کی آنکھوں

سے۔وہ تمام پیغامات اور تغیرات جو اس کی آنکھوں میں تھے۔ جتنا سوچ رہی تھی مزید الجھتی جا رہی تھی۔اس نے سر جھٹکا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔اسے لگا تھا میلوں کا سفر طے کر کے اپنے کمرے تک پہنچی تھی مگر کسی کی آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔کوئی کہہ رہا تھا۔لہجہ ترش اور قدرے ہارش تھا۔وہ حیران رہ گئی تھی۔جانے کون سا پہر تھا۔کتنا وقت گزر گیا تھا۔

''کون ہو تم؟ کہاں سے آ گئی ہو اچانک؟ اور میری زندگی پر قبضہ جما کر دھڑلے سے بیٹھ گئی ہو۔کیا سمجھتی ہو تم؟ اتنی آسانی سے تمہیں پلیٹ میں سجا کر پیش کر دیا جائے گا۔کوئی مزاحمت کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔میری زندگی ہے وہ شخص..... میرا بہترین دوست ہے۔ اس پر صرف میرا حق ہے۔بچپن ساتھ گزرا ہے ہمارا۔مجھ سے زیادہ اسے کوئی نہیں جان سکتا۔مانا کہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔وہ تو سرے سے محبت جیسے لفظ سے کوئی آشنائی نہیں رکھتا۔مانا وہ خشک مزاج اور قدرے کھردرا ہے۔محبت سے اسلوب سے بے بہرہ ہے۔تبھی تو میں سر پٹخ کر تھک گئی اور جب اس کو چھوڑ کر جانا چاہا تو..... مجھے پھر لوٹنا پڑا۔مجھے تو کوئی ڈر، کوئی خطرہ نہیں تھا مگر تم اچانک جانے کہاں سے نکل کر آ گئی ہو اس پر اپنا حق جمانے۔اپنا تسلط جمانا چاہتی ہو اس پر؟ اگر تم ایسا کوئی خواب دیکھ رہی ہو تو تم کامیاب ہرگز نہیں ہو گی۔یہ بات تم اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو۔اچھا کچھ بھی ہونے والا نہیں تھا۔اگر تم اور سوچ رہی ہو کہ یہ آسان ہو گا تو یہ سراسر تمہاری خام خیالی ہے۔'' وہ مدھم مگر ترش لہجے میں کہہ رہی تھی۔اس کے الفاظ بہت سخت تھے اور وہ ایک ایک لفظ پر زور دے رہی تھی۔اسے جتا رہی تھی۔

اور ھین شاہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئی تھی۔تو کیا وہ اس شخص سے وابستہ تھی؟ تو اس نے جلدی بازی میں کسی اور کا نقصان کر دیا تھا؟ تو اس نے کسی اور کا حق مارنے کی کوشش کی تھی۔اس پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کی تھی؟ وہ مسلط ہو گئی تھی؟ ان دونوں کے درمیان آ گئی تھی؟'' وہ مدھم لہجے میں خود کلامی کر رہی تھی۔دل دکھ سے بھر گیا تھا۔درد بھر گیا تھا۔جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔اسے تو کسی چیز کا احساس نہیں تھا۔وہ جتنا سوچ رہی تھی مزید الجھتی چلی جا رہی تھی۔کتنی ہی بار دادی جان اسے دیکھنے آئی تھیں۔وہ سوتی بن گئی تھی۔کسی کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔سب کچھ غلط اسی کے ساتھ ہونا کیوں طے تھا۔اس نے چپل میں پاؤں اڑسے تھے اور چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔اب اسے راستوں سے آشنائی ہونے لگی تھی یا پھر اس نے الجھے راستوں میں سے راستہ بنا لیا تھا مگر اسے تو لگتا تھا وہ مزید اس گنجل راستوں میں گھر گئی تھی۔وہ چلتی ہوئی جھیل کے کنارے پہنچی تھی اور پھر پانی میں پاؤں رکھ دیئے تھے۔سفر کا غبار دھونا ضروری ہو گیا تھا۔اس نے نگاہیں آسمان کی طرف ٹکا دی تھیں۔آسمان روشنی سے بھر گیا تھا۔اچانک ہی آسمان سے روشنی کی بارش ہو چکی تھی۔اتنے ہی تارے ٹوٹ کر گر رہے تھے اور تارے تو اس کی آنکھوں سے بھی ٹوٹ کر گر رہے تھے۔جانے وہ کب اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔شاید جنت بی بی نے اسے بتا دیا تھا۔اس نے راستہ بنانے میں مدد کی تھی۔

''جانتی ہو کیا ھین شاہ؟ یہ جو آسمان پر ستاروں کی بارش ہو رہی ہے نا اس کی وجہ جاننا چاہو گی؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور وہ حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ دی تھیں۔اور چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔

''ان ستاروں کا دل اچانک ہی خدشات سے بھر گیا تھا۔ جانے کہاں سے ڈھیر سارے وسوسے بھیس بدل کر آجاتے ہیں اور ان آنکھوں کو خوف سے بھر دیتا ہے۔ ان کے تغیرات کی دبی دبی لہروں میں طغیانی آجاتی ہے۔ ان سمندروں کی پرسکون سطح پر اچانک ہلچل سی ہو جاتی ہے۔ پانی چھلک کر ادھر ادھر گرنے لگتا ہے اور ستاروں کی سمندر آنکھیں چھلکتی جاتی ہیں مگر درد ہے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ارتعاش کی دھمک بڑھتی جاتی ہے۔ میں اور چمکتے ستاروں کے سمندر طغیانی کا یہ منظر دیکھتے ہیں۔ ان کو چھلکتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان ستاروں کو ٹوٹ کر گرتے ہوئے دیکھا ہے۔ روشنی کا ایک جہاں راہوں میں آباد ہو گیا ہے۔ یہ عجیب منظر ہے۔ ستاروں کے رونے سے روشنی کا ایک جہاں میں آباد ہو گیا ہے۔ یہ عجیب منظر ہے۔ ستاروں کے رونے سے روشنی ہی کہ پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ میری نگاہیں اس روشنی میں جلنے لگی ہیں۔ ان ستاروں کی چکا چوند روشنی میں چندھیا گئی ہیں مگر ستاروں کی روشنی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ لگتا ہے ستاروں کا دل درد کی شدت سے بے حال ہے۔ پسیج گیا ہے۔ یہ چمکتے ستارے اپنے دل کے اظہار سے ٹوٹ کر حصوں میں بٹ رہے ہیں اور اس کے آنسوز مین پر گر رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کیسے کیسے انکشافات کر رہا تھا۔

وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے آنسوؤں میں تیزی آگئی تھی۔ شاید وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

''فضا نے کچھ کہا تم سے؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اور حین حیرانگی کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ وہ پھر کیسے جان گیا تھا۔ اسے کیسے پتا چل گیا تھا۔ وہ اس کی باتوں سے ہرٹ ہوئی تھی اور اسے ماما پاپا شدت سے یاد آرہے تھے۔

اور اس کی طرف کوئی جواب نہ موصول ہونے کے باوجود وہ جان گیا تھا کہ اصل وجہ کیا تھی۔

''میری طرف دیکھو حین شاہ۔ کیا کہا اس نے تم سے؟ بولو جواب دو اس کی وجہ سے تم ہرٹ ہوئی ہو؟ یہی سچ ہے نا؟'' وہ جاننا چاہتا تھا۔ اصرار کر رہا تھا۔

اور حین شاہ مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میری وجہ سے بہت سی زندگیوں میں طغیانی برپا ہو گئی ہے۔ وہ ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں ہلچل مچا دی ہے۔ تو اس طرح کا ردعمل تو یقیناً ہونا ہی تھا نا۔ میں کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی مگر ساری گڑبڑ میری وجہ سے ہی ہوئی ہے۔ میں ان تمام حالات کو درست کروں گی۔ مجھے واپس جانا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اتنی ہی جلدی۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ توجیحات پیش کر رہی تھی۔

''اوہ۔ تو تم نے حل تلاش کر لیا؟ تم کیا سمجھتی ہو یہ سب کر کے تم مطمئن ہو جاؤ گی؟ تمہیں ملال ستانا چھوڑ دیں گے؟ اور تم کیا سمجھتی ہو کہ اس سے کسی اور کو خوشی ہو گی؟ تم نے کسی کو خوش کرنے کا بیڑا نہیں اٹھا رکھا۔ سو اس طرح کی سوچوں سے پرہیز کرو۔ اس زاویے سے سوچنا چھوڑ دو۔ یہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔'' وہ اسے ڈپٹ رہا تھا۔ اس کی بیوقوفی پر اسے تنبیہ کر رہا تھا۔

ھین شاہ نے ایک نگاہ اس پر کی تھی اور پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اظل اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھنوں کا جال بنا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

''میں نے کسی کے حق پر قبضہ کیا ہے یہ تو سراسر غلط ہے نا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی کا فائدہ اٹھانا اچھی روش تو ہرگز نہیں ہے۔ مجھے اس سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ میں نے بنا سوچے سمجھے سب کا فیصلہ مان کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے جلد از جلد حالات کو سدھارنا ہوگا۔ میں کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی کیونکہ میں نے جو درد کو سہا ہے میں جانتی ہوں یہ لمحے جان لیوا ہوتے ہیں۔ سانس لینا تک محال ہوتا ہے۔ اس بوجھ کے احساس کے ساتھ جینا بے حد دشوار لگ رہا ہے۔ میں ایسے کیسے کر پائی۔ مجھے اپنی تقدیر کے لکھے کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔ ٹھیک کہتے ہیں جب قسمت کے لکھے سے انحراف کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ نتیجہ تو نکلنا پڑتا ہے نا۔ اس کا خمیازہ کچھ بھی ہو اس سے بچنا آسان نہیں ہے۔ پانی کے بہاؤ کو زبردستی موڑنا یقیناً ممکن نہیں ہوتا۔'' وہ مدھم لہجے میں افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔ دھیما لہجہ پرملال تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا وہ کس کرب سے گزر رہی تھی۔ پے در پے واقعات نے اسے کمزور کر دیا تھا۔

''تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ یہ قسمت کا لکھا ہوا فیصلہ تھا۔ آج سے نہیں برسوں پہلے اس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تم نے کسی کا حق قطعی نہیں مارا ہے۔ کسی کی بات کو اس طرح سیریس لے کر اپنے آپ کو پریشان مت کرو۔ وہ بیوقوف ہے۔ مجھ سے اس کا تعلق اتنا ہے کہ وہ میری بہترین دوست ہے۔ باقی یک طرفہ محبت ہمیشہ تکلیف کا باعث ہی بنتی ہے۔ اس کا اندازہ ہونے لگا ہے مجھے۔'' اس نے ھین شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھایا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کی لکیریں اسے بے چین کر رہی تھیں۔

ھین شاہ نے لاتعلقی سے نگاہیں آسمان کی وسعتوں پر لگا دی تھیں اور اظل کا دل اس کی بے توجہی کو دیکھ کر ہراساں سا ہو گیا تھا۔

''تم نہیں جانتی ھین شاہ محبت جب بے توجہی دکھاتی ہے دل کی عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ دل بے چین ہو کر بے سدھ ہونے لگتا ہے۔ دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ سدھ بدھ کھونے لگتی ہے اور دل امید کے دیے روشن کرنے لگتا ہے۔ مدھم پڑتی دھڑکنوں سے دل کی سانسیں تھمنے لگتی ہیں۔ جانے کیسا خوف سا بھر جاتا ہے۔ بے چینی ہے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ بے قراری بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بے چینیوں کو بیان کر رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کو رکا تھا اور ایک ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا جا رہا تھا اور ھین شاہ جو حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہ جھکا گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کا رنگ بدلا تھا۔ وہ شاید اس لمحے کے حصار سے نکلنا چاہتی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"When I first met you, I thought you were sweet now that I know you what I think of you I can't repeat. I only know that you set me a glow. If I have loat

which could take me toward your heart I would jump in it and row. Row acros the sea straight towards you to know the secret of your heart and when I got there do you know what I would do?"

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پھر ایک لمحے کے لیے رکا تھا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

حین نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا تھا جیسے منتظر تھی وہ کیا کہنے والا تھا۔ سرمئی آنکھوں میں ایک عجیب سا رنگ ٹھہر گیا تھا۔

"I would like to create for you a work of art, so that we never can be a part so that I could reach inside your heart!!"

وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو مجھے لگتا ہے صدیاں بھی کم پڑ جائیں گی تمہیں جاننے کے لیے۔ جتنا میں جاننے کی کوشش کرتا ہوں میں تمہارے دل کی بھول بھلیوں میں کھوتا جا رہا ہوں، گم ہوتا جا رہا ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے میں گمشدہ ہو چکا ہوں۔ تم نے ایک نگاہ سے دیکھا تھا اور میرے دل کو زیروزبر کر دیا تھا۔ میرے دل پر قبضہ جما کر اس کے سارے موسموں کو بدل کر رکھ دیا تھا اور میرے دل نے تمہارے اسرار و رموز کو جاننے کی تگ و دو شروع کر دی تھی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اتنی الجھی ہوئی باتیں کیسے کر لیتے ہیں آپ؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ لہجے میں حیرانگی تھی۔ وہ قدرے الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تمہاری سرد یخ بستہ آنکھوں سے بیگانگی اور لاتعلقی کی دبیز پرتوں کے نیچے اچانک جب آشنائی کی ایک مہین سی لکیر کی رمق دکھائی دیتی ہے جسے تم چھپانے کی کوشش کر کے ہارنے لگتی ہو۔ جانتی ہو کہ بچنے کی راہیں مسدود ہونے لگی ہیں۔ جب تم پلکوں کی باڑ لگا کر آخری کھیل ٹھونک دیتی ہو۔ مگر اس ایک لمحے مجھے تو لگتا ہے جیسے کسی نے سرد جامد اور برف سے ڈھکے گہرے سمندروں کی سطح پر سرخ گلابوں کی تہہ بچھا دی ہو۔ اس قدر انوکھا نظارہ قدرے حیران کن ہوتا ہے اور میں اسی لمحے کے زیر اثر ساکت سا کھڑا دیکھتا رہتا ہوں۔'' مدھم لہجہ عجیب انکشافات کر رہا تھا۔ وہ عجیب داستانیں سنا رہا تھا۔

وہ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ اس سے ملی اور حین جان گئی تھی وہ صبح کی بات کر رہا تھا جب اس نے اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا۔ وہ حیدر شاہ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی اور وہ جان گیا تھا۔ وہ اس لمحے کو بیان کر رہا تھا۔ شاید اس لمحے میں حین شاہ کی آنکھوں میں گہری آشنائی تھی مگر یہ غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔

وہ بولتا تھا تو آسان باتوں کو مشکل بنا دیا تھا۔ وہ اتنا الجھی ہوئی تھی اور وہ اسے مزید مکڑی کے جال جیسی باتوں میں مقید کرتا جا رہا

تھا۔

"Do you know what Hayyain Shah? What she said it was her misperception that misperception her own belief, idea or interpretation about something I know that was completley wrong way. This is an misperception. Do not think about it."

وہ مدھم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ اور حین کی سرمئی آنکھوں میں سمندروں کی طغیانی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے کیئرنگ انداز نے اسے مزید کمزور کر دیا تھا حالانکہ وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ اس کے کمزور لمحوں کو جان جاتا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اس پر کی تھی اور اس کی آنکھوں سے سمندر بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔ اس نے بے بسی سے رخ پھیر لیا تھا اور اظل سہام مرزا کی ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔ دل ساکت سا ہو گیا تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا تھا اور اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ اس کے کندھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھے تھے۔ حین شاہ شاید اس عمل کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ وہ ایک جست میں ایک قدم پیچھے ہٹ کر فاصلوں کو بڑھا چکی تھی۔ اسے اس کا یہ عمل ناپسندیدہ لگا تھا اور اظل سہام مرزا نے بے بسی سے دیکھا تھا۔

''حین شاہ۔'' اس نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

اور حین نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی تھی۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"Do you know Hayyin Shah? My heart can't take breath while I see tears in your eyes."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مشکل لمحات طویل سے طویل ہوتے جاتے ہیں مگر میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں مشکل گھڑیاں جتنی بھی لمبی ہو جائیں ان کے اختتام ضرور ہوتا ہے۔ وقت مدھم رفتار سے گزر رہا ہے کیونکہ تم اس صورتحال کے بدلاؤ کو قبول نہیں کر پا رہی تھی مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ تم کمزور ہو۔ میں جانتا ہوں تم ان حالات کو شکست دے کر زندگی کے سفر میں کامیاب ہو جاؤ گی جیسے ہمیشہ سے ہوتی آئی ہو۔ یہ وقتی الجھنیں ہیں سلجھ جائیں گی سب کوئی مشکل مشکل نہیں لگے گی۔'' وہ مدھم لہجے میں سمجھا رہا تھا۔ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ اس کے اندر حوصلے بھر رہا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو رگڑا تھا اور پھر جانے کے لیے قدم بڑھائے تھے مگر اظل نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔

''سارا قصور تمہارا ہے آپ تو سب حقیقت سے واقف تھے نا پھر کیوں میری مشکلات میں اضافے کا سبب بن گئے آپ؟ کیوں منع نہیں کر دیا تب؟ کیوں آگاہ نہیں کیا کہ اس صورتحال سے بچا جا سکتا۔ راستوں کو بدلا بھی تو جا سکتا تھا نا۔ کچھ اور راہیں بھی تلاش کی جا سکتی تھیں نا؟ سوچوں کے زاویے بھی تو بدلے جا سکتے تھے مگر.....'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھی۔ غصے کا اظہار کر رہی تھی۔ کتنے حق سے ڈانٹ رہی تھی۔ اسے قصوروار ٹھہرا کر شاید مطمئن ہونا چاہتی تھی۔

اور وہ بغور اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا نا اسے جھٹلایا تھا۔ وہ یوں کھڑا تھا جیسے واقعی وہ خطاوار تھا۔ اس کے نقصان کا احتمال اسے ستا رہا تھا اور حین شاہ نے نگاہیں چرا لی تھیں۔ عجیب گریز پائی تھی انداز میں۔

''تم جو یوں گریزاں ہو حین شاہ۔ جب عجیب سی بے توجہی دکھاتی ہو تو میرا دل اپنی دھڑکنیں کھو رہا تھا۔ ساکت سا چپ چاپ سا کھڑا ہے۔ حتیٰ کہ اندرونی جنگ سے نڈھال سا ہو چکا ہے۔ خرد اور دل میں ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ نے خرد کو شکست خوردہ سا کر دیا ہے۔ دل کی دلیلوں کے بہاؤ کے آگے خرد کی متزلزل اور لرزتے قدموں کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی ہے مگر یہ مشکل ترین لمحات ہیں۔ دل کی سانسیں رک گئی ہیں۔ دل خرد کی باتوں پر کان نہیں دھرتا ہے نا سمجھی کی حدوں کو پار کر آگاہی کے راستوں پر قدم رکھ چکا ہے۔ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حکایتیں بیان کر رہا تھا۔

''مجھے تو لگ رہا ہے آپ ہی دشمن ہو گئے ہیں۔ مجھے مزید الجھائے جا رہے ہیں۔ میری الجھنوں کو بڑھانے میں آپ ہی پیش پیش ہیں۔'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے سارا کیا دھرا اسی کا ہو۔ اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"There are no enemies but only friends... friend that will stay by you for eternity and beyond."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اسے یقین دہانی کروا رہا تھا۔

''یوں شکوہ کناں نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے میں مانتا ہوں غلطی میری ہے۔ مجھے سارے حالات کو مکمل طور پر کنٹرول کرنے میں تھوڑی مشکل ضروری ہوئی ہے مگر احتیاطی تدابیر ضروری تھیں۔ آپ کو اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ یہ سب اتنا الجھا ہوا تھا۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ مجھ پر بھروسہ رکھیے آپ۔'' وہ مدھم لہجے میں یقین دہانی کروا رہا تھا۔

''کیا ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں حین شاہ؟ آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں نا؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''میں وہ تمام اسلوب سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سب جاننے کیلئے جت گیا ہوں۔ وہ تمام اسرار و رموز جن سے آگاہی درکار ہے۔ جن تغیرات کو جاننا ضروری ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟'' وہ ایک آس سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں نہیں جانتی کہ آپ کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی کچھ خبر نہیں ہے کہ اگلے پل میں کیا ہوگا۔ سب کچھ اس قدر Unpredictable ہو رہا ہے کہ میں آپکے بارے میں کچھ بھی Predict کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''سب کچھ ناقابل اعتبار ہے۔ کچھ بھی قابل بھروسہ نہیں ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا تھا اور پھر اندر کی طرف بڑھی تھی پھر رکی تھی۔ اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور اظل نے اسکی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔

''آپ سوری کیوں کہہ رہی ہیں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''میں نے آپ کو ڈانٹ دیا۔ آپ پر غصہ کیا حالانکہ آپ کا قصور تو قطعی نہیں ہے۔ آپ نے تو میری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر کیا کروں مجھے تو لگ رہا ہے گھپ اندھیرے نے مجھے اپنے حصار میں بند کر دیا ہو اور مدھم رفتار مدھم ہو گئی ہو۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"The sun will shine, another night is going to pass, another day will bring brighter sunshine far as with clear to light and gaiety of facinating time. You will see now quickly time flow through the hugeglass, but do we care as long as are filled with joy and gratitude on a daily basis."

وہ فراخدلی سے اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ اسے آنے والے روشن دن کی نوید دے رہا تھا۔

حسین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور پھر قدم اندر کی طرف بڑھائے تھے اور وہ وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

حمیرا بیگم صبح سے کوئی دسویں بار ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے پوچھ کر ہار گئی تھیں مگر حیدر شاہ کے نظریات کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھیں۔ وہ نہایت غصے کا اظہار کر رہی تھیں۔

''حیدر شاہ آپ کیسے بھول سب کچھ؟ کیسے معاف کر سکتے ہو اس کے والدین کی غلطیوں کو؟ کیسے بھلا دیا کہ اس کی وجہ سے میری بہن کی زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ آپ یہ سب کچھ آسانی سے بھلا بھی دیں تو میرے لیے یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔ میں صرف سوچتی ہوں تو میری روح تڑپ اٹھتی ہے۔ دل میں ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ اپنی بہن کی زندگی کو موت سے بدترین انداز میں بسر کرتے دیکھا ہے اسے۔ خود کلامی کرتے سنا ہے اسے۔ اس کی تکلیف کو کیسے بھول جاؤں؟ آپ ہی بتائیے میں کہاں غلط ہوں؟'' وہ دھیمے لہجے میں اپنے غصے کو دبا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں حیدر شاہ کے فیصلے کو بدلا نہیں جا سکتا۔ ایک بار جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ وہ اسی لیے حتی الامکان نرمی برت کر ان کو احساس دلا رہی تھیں۔

''میں جانتا ہوں حمیرا بیگم۔ میں سمجھ سکتا ہوں تمہارے جذبات مگر کبھی حالات اس طرح کٹھن ہو جاتے ہیں کہ چیزوں کے بدلاؤ کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے اور کچھ جگہوں پر آپ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ ایسا معاملہ میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ جب میں نے اس بچی کو دیکھا تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھی۔ میرے اندر کا سارا غصہ، ساری تلخی، سارا انتقام اسے دکھ میں دیکھ کر جانے کہاں غائب ہو گیا۔ بچا تو صرف ایک احساس۔ وہ میرے بھائی کی بچی ہے۔ میں اس کو بچا نہ سکا۔ تمہیں بارہا یہی سمجھایا کہ تم اپنے انتقام کی آگ میں اس قدر جل رہی ہو کہ تمہیں اس بچی کے دکھ اور تکلیف کا کوئی احساس ہی نہیں ہوا مگر اب اور نہیں۔ قطعی نہیں۔ بھول جاؤ۔ بھلا دو۔ معاف کر دینے والے کا ظرف اور دل دونوں بڑے ہوتے ہیں۔ وہ تو معلوم ہے اس کا کیا قصور اور قصور تو شاید شایان شاہ کا بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ تو محبت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا مگر اس نے کتنی ہی بار معافی مانگی تھی۔ کتنی ہی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی کتنی خواہش تھی ماں سے ملے، ان کی گود میں سر رکھ کر دل کا ملال دھو سکے مگر میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ اس بات کا ملال مجھے ہمیشہ ستاتا رہے گا اور اب اگر اس بچی کے ساتھ کچھ غلط ہونے دیتا تو روز حشر اپنے بھائی کو کیا منہ دکھاتا۔ وہ تو اچھا ہوا سب باتوں سے آگاہی پا گیا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ مدھم لہجہ پر ملال تھا۔

''کاش یہ کرنا اتنا آسان ہوتا میرے لیے جتنا کہ آپ کے لیے ہے مگر دل جلتا ہے۔ ان کا قصور اتنا چھوٹا ہو گز نہیں تھا کہ دل پسیج جائے۔ میری بہن؟'' وہ کہنے جا رہی تھیں جب حیدر شاہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ اس کی سخت طبیعت سے واقف تھا۔ وہ دل میں باتیں دبا کر رکھتی تھیں اور آسانی سے معاف نہیں کرتی تھیں۔

''حمیرا بیگم آپ زرتاج کی بات مت کریں۔ ہم نے اس کی شادی فرحان شاہ سے کرنے کے لیے کہا تھا۔ رشتہ بھی بھجوایا تھا مگر زرتاج نے خود انکار کیا تھا۔ وہ مجھے بھی عزیز ہے۔ چھوٹی بہن کی طرح ہے وہ میرے لیے۔ مجھے بھی اس کی پرواہ تھی مگر بات پھر وہیں آ جاتی ہے حمیرا بیگم۔ یہ سارے معاملے دل کے ہیں مگر جب رشتے منجمد ہو جاتے ہیں تو ان رشتوں پر پڑی برف کو پگھلنے میں وقت درکار ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو وقت کی دھوپ بھی اس برف کو پگھلا نہیں سکتی بلکہ برف کی تہوں کو اور بھی سخت بنا دیتی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں توجیحات پیش کر رہے تھے۔

''حسنہ بھی تو آپ کی منگ تھی۔آپ نے بھی تو مجھ سے شادی کر لی تھی پھر زرتاج کو کیا اعتراض تھا میں آج تک یہ بات سمجھ نہیں پائی۔'' حمیرا بیگم نے پر ملال لہجے میں کہا تھا۔

''حسنہ شاہ مجھ سے آٹھ سال چھوٹی تھیں حمیرا بیگم آپ تو جانتی ہیں نا۔وہ رشتہ بن تو گیا مگر اس کا دل میری طرف مائل نہیں ہوا تھا اور مجھے تو کچھ خاص انسیت نہیں تھی۔وہ تو شایان شاہ کی ہم عمر تھی اسی کے ساتھ پڑھی تھی۔ان دونوں کا مزاج ملتا تھا اور سوچ بھی۔ہماری عمروں اور سوچوں میں بھی تضاد تھا اور جب ان کے دل بھی جڑ گئے تو پھر اس رشتے کے پنپنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا اور جب شایان شاہ زرتاج شاہ سے بے ایمانی نہیں کر سکا۔اسے دھوکے میں نہیں رکھ سکا۔اس نے اسے صاف طور پر آگاہ کر دیا تھا۔زرتاج شاہ جانتی تھی سب حقیقت سے آگاہ تھی۔اس نے فرحان شاہ کا رشتہ ٹھکرا کر خود اپنا فیصلہ لیا۔وہ اس رشتے سے بندھی رہنا چاہتی تھی جس کی سرے سے شایان شاہ کے لیے کوئی وقعت ہی نہیں تھی مگر وہ شرمندہ تھا۔اس نے بارہا اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ایسا خود زرتاج شاہ نے بتایا تھا مجھے۔کچھ چیزیں اور رشتے بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔جتنا گزری باتوں کو کریدیں گے اتنا مزید اس پیچیدگی کو بڑھاتے جائیں گے۔جو ہوا جیسا ہوا اس کو بھلانا آسان نہیں مگر سوچنے سے کثافتیں مزید بڑھ جائیں گی، چیزیں مزید ثقیل ہو جائیں گی۔باتوں کے خواص بدل جائیں گے۔تو جیحات تبدیل ہو چکی ہیں سو جو ہوا اس کو بھلا کر بیٹی کی شادی کی تیاریاں شروع کرو۔مجھے خوشی ہوگی اگر تم ہمیشہ کی طرح سارے معاملات کو خوش اسلوبی سے انجام دو گی۔ہماری ساری زندگی بہت سہل انداز میں گزری ہے حمیرا بیگم۔میں نے کبھی تم سے اختلاف نہیں کیا اور نہ کبھی تم نے میری باتوں سے انحراف کیا ہے۔میں جانتا ہوں تم اپنے بیٹے کو لے کر پریشان ہو مگر یہ بھی تو سوچو وہ بچی بھی تو ہماری اپنی ہے نا اور رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔جوڑیاں تو وہیں بنتی ہیں نا۔جیسے تمہارا اور میرا جوڑ بنا ہوا تھا۔جیسے بھی ہوا ہم دونوں مل گئے اور اچھی اور خوشحال زندگی گزار دی۔اسی طرح ہمارے بچوں کے لیے بھی سب اچھا ہوگا۔بھروسہ رکھو مجھ پر۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔دھیمے لہجے میں اسے قائل کرنے کی بھرکوشش کر رہے تھے اور انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''آپ درست کہتے ہیں۔میں سوچوں گی اس بارے میں اور آپ تو جانتے ہیں نا۔آپ کی مخالفت کبھی نہیں کر سکتی۔آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر مگر اس دل کا کیا کروں۔پھر بھی کوشش کروں گی کہ شکایت کا موقع نہ دوں۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا جیسے ان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اور حیدر شاہ نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے اور حمیرا بیگم پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب زندگی تبدیلیوں کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتی ہے۔احساس منجمد ہونے لگتے ہیں۔ تغیرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔الجھنیں کم ہونے کے بجائے ان منجمد احساسات پر برف کی تہیں جماتی جاتی ہیں۔ایک تہہ کے اوپر دوسری تہہ جماتی جاتی ہیں اور اس برف کی سختی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔سارے احساسات منجمد ہو گئے تھے۔جامد سے ایک جگہ جم گئے تھے۔وہ ہر احساس سے عاری ہو گئی تھی۔دل ساکت سا ہو گیا تھا۔اس نے تو کہا تھا نیا دن اپنے ساتھ روشنی لائے گا۔ سب کچھ بدل جائے گا مگر کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔سب کچھ ویسا ہی تو تھا۔دل نے اچانک چپ سادھ لی تھی۔وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی ایسا کیوں ہو رہا تھا۔اس نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔اس احساس نے جب چھوا تو اس لمس کی حدت اب تک اس کے ہاتھ پر محسوس ہو رہی تھی۔اب تک اس کا ہاتھ اسی طرح تپش سے جل رہا تھا حالانکہ سارا جسم جامد تھا۔فروزن ہو چکا تھا مگر اس ہاتھ پر حدت ابھی تک موجود تھی۔اندر تک سرایت کرتی جا رہی تھی۔وہ حیران تھی اس کیفیت پر جب سارا جسم منجمد تھا تو پھر وہ لمس اس ہاتھ کو زندگی کیسے دے گیا تھا اور اس کی سوچیں مزید الجھتی جا رہی تھیں۔وہ اس کو سوچتی جا رہی تھی۔غیر ارادی طور پر خود کو روک ہی نہیں پا رہی تھی۔جانے وہ سوچ تھی یا حقیقت جب وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور اس کی نگاہوں میں حیرت سوا تھی۔

''آپ ابھی تک اسی کیفیت میں ہیں؟ کیا ہوا آپ کو؟ آپ کے چہرے پر الجھنوں نے اپنا ڈیرہ جما لیا ہے اور آنکھوں میں ایک خوف مسلسل آپ کو ہراساں کر رہا ہے۔آخر بتا کیوں نہیں دیتیں آپ ماجرا کیا ہے؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اور ھین شاہ نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ کیسے جان جاتا تھا ہمیشہ۔

''آپ مفروضات پر کیوں چلتے ہیں؟ بلاوجہ باتوں کو اخذ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ ضروری تو نہیں آپ کے اندازے ہمیشہ درست ہی ہوں۔کبھی کبھی غلط بھی ہو سکتے ہیں۔میں کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوں۔اور کیوں ہوں گی میں خوفزدہ اور کس بات سے؟'' وہ برہم ہو رہی تھی یا پھر اس کے اندازے درست ہونے پر تلملا گئی تھی۔

وہ اس کے خفا خفا سے چہرے کو بغور دیکھ کر مسکرایا تھا اور پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔وہ جیسے جان گیا تھا۔ماجرا اسے سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''آپ اس قدر خفا کیوں ہیں پھر؟ میں غلط نہیں ہو سکتا۔اگر آپ مجھے جھٹلانے کی کوشش کرنا چاہتی ہیں تو عبث ہو گا۔ایسا کسی طور ممکن نہیں ہے۔میں جان سکتا ہوں۔آپ کی الجھن کو سلجھا سکتا ہوں۔اگر آپ موقع دیں تو مگر آپ تو اعتبار کرنے کو آمادہ ہی نظر نہیں آتی ہیں۔'' دھیمے لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔

''آپ جانتی ہیں ھین شاہ؟'' اس نے ایک لمحے کو رک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔اس کی نگاہوں کی حدت تھی کہ وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

ھین شاہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں نے تبدیلیوں کے پروں پر کتنے ہی پیغامات رقم کیے تھے۔ روشنی سے اور رنگوں سے بھرے احساسات کے ساتھ خوابوں کو ان پروں پر رکھ کر تمہاری آنکھوں کی طرف روانہ کیا تھا۔ کتنی ہدایات دی تھیں کہ ان بھیدوں سے آگاہی پائے بغیر واپس مت کرنا۔ ان تبدیلیوں کے پروں سے خوابوں کے رنگ ان سرمئی آنکھوں سے سمندروں پر رکھ کر آنا۔ ان اسرار سے آشنائی حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔ روشنی کے دیئے ان سمندر آنکھوں میں تیرنے کے لیے چھوڑنے کے لیے کہا تھا مگر نجانے کیا ماجرا ہوا ہے۔ لگتا ہے وہ تتلیاں ان پر رکھے ہوئے خواب کہیں راستے کی بھول بھلیوں میں گمشدہ ہو گئے ہیں۔ ان گنجل راستوں میں ہی کہیں کھو گئے ہیں۔ میلوں کا سفر طے کر کے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ تبھی تو یہ آنکھیں اس قدر خفا خفا سی ہیں۔ تبھی تو یہ آنکھیں خوف سے بھر گئی ہیں۔ یہ خفگی اور کھو دینے کا خدشہ یوں ہی تو نہیں ہراساں کر رہا نا۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ اس کے دل کے موسموں سے آشنائی پا رہا تھا۔ حرف حرف پڑھ کر اسے حیران کر رہا تھا۔

وہ سرمئی آنکھوں کو حیرتوں سے بھرے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ کی حدت تھی کہ منجمد لمحے حرارت سے پگھل رہے تھے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں نا۔ یہی اندیشے پریشان کر رہے ہیں نا کہ اگر خواب بھٹک کر کہیں دوسری سمت نکل گئے تو پھر کیا ہوگا؟'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ بھوری آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جیسے وہ سارے بھیدوں سے آگاہی رکھتا تھا۔ اس کے اندر کے سارے موسموں سے آشنا تھا۔

''جانتی ہو کیا حین شاہ؟ میں جب تمہاری حیرانگی سے کھلی آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے ایک اسم جکڑ لیتا ہے۔ ایک فسوں ہے جو پھیلتا ہے تو مجھے اپنا پابند کر لیتا ہے۔ تم میرے حواسوں پر چھانے لگتی ہو۔ قبضہ جما کر تفاخر سے دیکھتی ہو کہ اب بچنا مشکل ہے۔ تب میرا دل تمہیں حیرت سے دیکھتا رہتا ہے۔ اس اسم کے اثر سے نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر پھر بے بس سا ان مسدود راہوں میں مقید ہو جاتا ہے۔ تب تمہاری نگاہوں میں ایک اطمینان سا اترتا محسوس کرتا ہوں میں۔ جب تم جانتی ہو کہ تمہارا وار خالی نہیں جا سکتا تو پھر خوف کس بات کا ہے؟ پھر اندیشے کیوں آنکھوں میں سما جاتے ہیں اچانک؟'' مدھم لہجے میں اضطرابی تھی جیسے وہ جاننے کے جتن کر کے بے حال ہو رہا تھا۔

''گزری رات میں نے دیکھا تھا خوابوں نے روشنی کا ایک ہالا سا بنا دیا تھا اس روشنی کی لکیر پر چلتے ہوئے صدیوں لمبا سفر طے کر لیا تھا ان خوابوں نے اس روشنی کے تعاقب میں خم دار اور پیچیدار گنجل راستوں پر چلنا شروع کر دیا تھا اور روشنی سے ان خوابوں کی گٹھڑیوں کو تمہاری آنکھوں کی دہلیز پر رکھ کر وہیں ڈیرا جما لیا تھا۔ اسی روشنی سے تمہاری آنکھوں کے سرمئی سمندروں میں روشنی کا ایک جہاں آباد ہو گیا تھا۔ تب وہ خوف اور تمام خدشات کہیں دبک گئے تھے۔ کونوں کھدروں میں چھپ گئے تھے۔ ان سرمئی سمندروں کی تہوں میں گم ہو گئے تھے۔ کتنے ہی خدشات کو ان روشنیوں کی حدت سے جل گئے تھے۔ میں نے دیکھا تھا وہ منظر اور ان آنکھوں سے نکلتی چکا چوند روشنی۔ میری آنکھیں تو اب تک اسی روشنی کی حرارت سے جل رہی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں جانے کیسی داستانوں کو بیان کر رہا تھا اور حین شاہ نے

چڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ آسان لفظوں میں بات نہیں کر سکتے کیا؟ آپ کی یہ ثقیل باتیں میرے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔ آپ کی فلسفیانہ باتوں کے معنی آپ کے اخذ کردہ ہیں۔ آپ جو چاہیں معنی دیں۔ جتنی چاہیں داستانیں بنالیں مگر یہ ضروری تو نہیں کہ سب سچ بھی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جھٹلانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔ وہ خائف تھی کہ وہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے کیسے آشنا ہو جاتا تھا۔

''آپ کس قدر خائف صرف اس وجہ سے ہیں کہ میں آپ کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے کیسے سب جان جاتا ہوں۔ آپ کی آنکھوں کے رنگوں سے کیسے اندر کے احوال جانا جاتا ہوں۔ آپ میرے نظریات کو رد کر سکتی ہیں یہ آپ کا حق ہے مگر بے جا مخالفت کر کے مجھے جھٹلا نہیں سکتیں۔'' مدھم لہجہ پر اعتماد تھا۔ پر یقین تھا۔ حسین شاہ نے چہرے کا رخ موڑ کر اس کی سوچوں کی راہیں مسدود کرنے کی احتیاطی تدابیر کرنی شروع کر دی تھیں۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''کیا تم نہیں جانتیں راستے صرف چلنے سے ہی بنتے ہیں اور میرے راستوں کے قدم تو تم تک آ کر منجمد ہو جاتے ہیں۔ جامد ہو جاتے ہیں۔ ساکت ہو کر ایک مقام پر ہی ٹھہر جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے کا تو نام ہی نہیں لیتے۔ وہیں پڑاؤ ڈالنے پر بضد ہو جاتے ہیں۔ لاکھ جتن کر لوں اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے کو مائل نہیں ہوتے۔ انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ایک سیکنڈ کے لیے یہاں سے ہٹے تو گنجل راستوں میں بھٹک جانے کا احتمال رہتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''کیا تم نہیں جانتی حسین شاہ خرد اور دل کے درمیان تنازعات شروع ہو چکے ہیں۔ پوری شدت سے ایک دوسرے کی مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ ان تنازعات کو حل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ تمہاری آنکھوں نے جو میرے دل کو باندھ رکھا ہے۔ اپنے اثر میں مقید کر رکھا ہے خرد کو یہ غلامی کی زنجیریں گوارا نہیں۔ خرد کو آزادی درکار ہے۔ قید و بند کی صعوبتوں سے بیر ہے مگر دل کو اس اسم میں رکھنا فائدہ مند لگتا ہے۔ ان تنازعات کو حل کرنے کا بیڑا اب تمہاری آنکھوں کو اٹھانا پڑے گا۔ ثالث بنا کر درمیان میں آنا پڑے گا۔ تنازعات کے انتظام کو حل کرنے کے لیے خرد کو مثبت پہلوؤں سے روشناس کروانا ہوگا۔ ان مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے اس کے خواص میں اضافہ کرنا ہوگا اور تنازعہ کے منفی پہلوؤں کو محدود کرنے کا عمل شروع کرنا ہوگا۔ تمہیں دلائل دے کر خرد کو اپنے حق میں کرنا ہوگا۔ یہ تو طے ہے کہ تمہاری آنکھوں کی تاخیر سے خرد کے ہوش بھی کھونے لگیں گے۔ وہ بھی تمہاری اسیری کو قبول کرنے میں تردد نہیں کرے گی۔ تدارک کرنا بھول جائے گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں حقائق سے آگاہ کر رہا تھا۔ وہ شاید اسے حیران کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوا تھا۔ وہ حیرت کدوں میں کھونے لگی۔ اس کے اس عمل سے خائف سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو کب ادراک ہوگا کہ آپ میرا وقت برباد کر رہے ہیں؟ ان تمام باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات میں نہیں تلاش کر سکی کہ جس کی بنیاد پر آپ ان تمام مفروضات کے لامتناہی پہاڑ کھڑے کر رہے ہیں۔ آپ ایک ایسی بات کو لے کر بھول رہے ہیں جس کے

سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔کوئی ربط نہیں ہے ان باتوں میں آپ بے سبب الجھا رہے ہیں مجھے ان الجھی ہوئی باتوں میں۔حقیقت تو روز اول کی طرح اٹل ہے۔میں جان گئی ہوں۔میں نے کسی اور کی چیز پر قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے۔وہ چاہے کیسے بھی حالات میں ہوا تھا مگر غلط فیصلہ تھا جس کا حصہ مجھے نہیں بننا چاہیے تھا۔مگر جب حالات معمول پر آنے لگے ہیں تو اس صورتحال کو سدھارنے کے سد باب کیے جاسکتے ہیں۔'' وہ اپنی غلطی کو فراخدلی سے تسلیم کر رہی تھی۔

اس کے اس طرح اعتراف کرنے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ اظل سہام مرزا کے لبوں پر آ کر معدوم ہوگئی تھی۔وہ جان گیا تھا وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی۔

''تم خود اعتراف کر رہی ہو کہ تم نے قبضہ جمالیا ہے۔اپنا تسلط جما چکی ہو تم۔زیر کر چکی ہو اس کا پوری طرح احساس ہے تمہیں۔اگر ایسا ہے تو اس کا پوری طرح ادراک ہو چکا ہے تمہیں۔اب کیا ہو سکتا ہے؟ تدارک کیا ہیں؟ تم خود تسلیم کر چکی ہو نا۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔جن مسائل کو حل کرنا ہی ہے تو سد باب تو کرنے ہی ہونگے نا۔آپ کے اس احساس دلانے یا آپ کے حمایتی کے پیغامات پہنچا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ بہت مظلوم ہیں اور میں نے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں اور آپ کوئی معصوم سے بچے ہیں یا پھر سیدھے سادے بھولے بھالے قسم کے انسان ہیں جس کو زبردستی میں نے اس رشتے میں باندھ کر اپنا تسلط جمالیا ہے۔یا اپنا قبضہ جمالیا ہے۔آپ لا بیانیاں قصوں کا انبار لگا رہے ہیں۔ایک عجیب داستان سنا رہے ہیں۔اپنے حمایتی کی طرفداری کر رہے ہیں۔آپ مجھ پر الزام لگا کر سرخرو ہو رہے ہیں۔خود کو یوں بے بس ثابت کر رہے ہیں آپ اور چاہتے ہیں کہ تدارک میں کروں۔تو پھر فکر کرنا چھوڑ دیجئے۔سب بھول جایئے کہ کبھی کچھ ہوا بھی تھا۔ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے کوئی واسطہ نہیں ہے۔مجھے آپ پر قبضہ جمانے کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگا۔آپ جس کے ہیں اسی کے رہیے اور آئندہ کبھی یوں جتانے کی کوشش مت کیجئے گا۔آپ کا احسان ہے مانتی ہوں مگر اور نہیں قطعی نہیں۔میں آج رات کی فلائٹ سے واپس جا رہی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں فیصلہ سنا رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔چوتھی قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

''کیا؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کہاں جا رہی ہیں آپ؟'' وہ شاکڈ سا کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایسا کیسے کر سکتی ہیں آپ؟ آپ میری ذمہ داری ہیں آپ مت بھولئے۔ میرا آپ سے کیا رشتہ ہے۔ ہمارا رشتہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ آپ کو اس بات کو سمجھنا ہوگا۔ یاد رکھیے آپ میری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتیں۔ آپ کی زندگی کے فیصلے کرنے کی اجازت صرف مجھے ہے۔ اس حقیقت کو جس قدر جلد آپ جان لیں اور مان لیں اسی قدر آپ کے لیے اچھا ہوگا۔'' وہ تحکمانہ لہجے میں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا۔ اسے باور کروا رہا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا جو تحکمانہ لہجے میں گویا حکم دے رہا تھا۔ حتمی فیصلہ سنا کر وہ یوں مطمئن سا کھڑا تھا جیسے اس کا کہا حرفِ آخر ہو اور کسی کی ہمت نہیں کہ اس کے کہے لفظوں سے منحرف ہو سکے۔ جیسے انحراف کرنے کی کسی میں سکت ہی نہ ہو۔

''کیا سمجھتے ہیں آپ؟ آپ کوئی بھی حتمی فیصلہ سنا دیں گے اور میں اس کو ماننے کی پابند ہو جاؤں گی۔ آپ کے سنائے فیصلے پر سر جھکا دوں گی؟ اگر آپ ایسا سمجھ رہے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے۔ میں اپنے فیصلے خود کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں اور اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ آپ نے مدد کر دی کافی ہے۔ آپ کی مزید کوئی مدد درکار نہیں ہے مجھے۔'' دھیمے لہجے میں کوئی لچک پذیری نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ وہ اس سے انحراف کر رہی تھی۔ خود اعتمادی سے کھڑی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی انکار کر رہی تھی۔

''آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ میرے کہے سے انحراف کرے۔ میں اپنی بات ایک بار ہی کرتا ہوں۔ بات کو دہرانا مجھے پسند نہیں ہے۔ میں بار بار ایک بات کو دہرانا ہرگز نہیں چاہوں گا۔ جو کہہ دیا اسے حتمی مان کر تسلیم کر لیں آپ۔ آپ کی خفگی اور پریشانی سمجھ سکتا ہوں مگر کسی بھی سنی سنائی بات کو حتمی مان کر کوئی بھی غلط فیصلہ کر لینا عقلمندی کے زمرہ میں ہرگز نہیں آتا۔ آپ کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے۔ زندگی میں فیصلے ایک ہی بار ہوتے ہیں پھر ان کو بھایا جاتا ہے۔ آپ کے تمام حقوق میرے نام لکھے جا چکے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی گریزاں ہیں۔ تسلیم کرنے سے ڈرتی ہیں تو یہ آپ کی بیوقوفی ہے اور کچھ نہیں۔ آپ کو عادت ہوگی میدان چھوڑ کر بھاگنے کی مگر میں ایسے بزدلانہ اقدام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے بزدل لوگوں سے کچھ خاص رغبت نہیں ہے اور نا ہی ایسے اقدام کو اچھی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتی ہیں تو جان لیں آپ۔ میں آپ سے کہیں زیادہ ضدی ہوں اپنی بات منوانے میں۔ مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ آپ کو جہاں بھی جانا ہوگا آپ صرف میرے ساتھ ہی جائیں گی۔ یہ طے ہو چکا ہے۔'' مدھم مگر سخت لہجے میں حتمی فیصلہ سنایا جا چکا تھا جس میں ترمیم کی کوئی گنجائش قطعی نہیں نکلتی تھی۔

اور ھین شاہ کو محسوس ہوا تھا جیسے اس سے زندگی کا بڑا غلط فیصلہ ہوا ہے۔ آگے کنواں اور پیچھے کھائی والے قصے میں کنواں اور کھائی جس کو بھی چنتی نقصان کا احتمال تو رہنا ہی تھا اور یہی اب ہوا تھا۔ اس نے عجیب نظروں سے اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا جو اپنا فیصلہ سنا

کر رکا نہیں تھا۔ فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا جا رہا تھا۔ حسین شاہ نے اس کی مضبوط اور چوڑی پشت پر نگاہیں ٹکا دی تھیں۔ وہ زمین کو روندتے ہوئے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ انداز باوقار تھا۔

حسین شاہ کو لگا تھا جیسے مقید ہو گئی تھی کسی وقت کی قید میں جس سے نکلنا محال لگ رہا تھا۔ اس نے بیڈ کی پشت پر سر ٹکا دیا تھا۔ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی مگر وہ ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ تو کرنا ہی تھا نا۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی تھی مگر کیا اور کس طرح یہ طے کرنا باقی تھا۔ سوچنے کے لئے ٹھنڈے دماغ کی ضرورت تھی مگر اس کے اندر تو ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ ایک آگ تھی جو مسلسل جل رہی تھی۔ ساری سوچیں گڈمڈ ہو رہی ہیں۔ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب سب کچھ اختیار میں ہوتا ہے۔ سب کچھ دسترس میں ہوتا ہے تو آپ کا اچانک ہی ان روابط سے ان رشتوں سے دل اوبنے لگتا ہے۔ ان انمول رشتوں کی قدر و قیمت سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں مگر جب وقت ہاتھ سے پھسل جاتا ہے تو پھر اس چیز کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے ایسا ہی تو اس کے ساتھ بھی ہوا تھا جب وہ ساتھ تھا، پاس تھا تو اس نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا، رشتہ توڑ دیا کہ وہ نہایت خشک مزاج واقع ہوا تھا۔ محبت سے بے بہرہ سمجھتی تھی اور تب جب وہ کسی اور کا ہو چکا تھا تو اس کے سامنے کھڑی شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اظل سہام مرزا تم ایسا کوئی عمل کر بھی کیسے سکتے ہو؟ ایسی بے ایمانی کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہو تم تو اپنے فیصلوں میں ترمیم کے عادی نہیں ہوتا۔ پھر کیوں اور کیسے اپنے لفظوں سے مکر گئے تھے۔ انحراف کر گئے۔ اپنے کیے فیصلوں کو تو ایک ہی جست میں تبدیل کر دیا۔'' وہ غصے سے شکوہ کر رہی تھی۔ غصے سے بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جلا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے بے تاثر انداز میں شانے اچکائے تھے۔

''تم جو یوں مجھ پر الزام لگا رہی ہو تم کسی الزام تراشی کا حق قطعی نہیں رکھتی ہو۔ تمہیں یاد ہے وہ لمحات جب تم نے مجھ سے سارے تعلق توڑ لیے تھے۔ مجھ سے سارے روابط منقطع کر دیئے تھے۔ تم نے کہا تھا میں بے حد خشک مزاج ہوں۔ محبت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتی تھیں۔ ہم اچھے دوست تھے مگر تم تو دوستی سے بھی منکر ہو گئی تھیں۔ تم نے نئے راستے تلاش کر لیے تھے۔ تم تو اپنی زندگی میں مگن ہو گئی تھیں نا۔ تمہاری محبت نے تو رخ موڑ لیا تھا کسی اور کی طرف۔ بہاؤ میں تبدیلی آ گئی تھی۔ توجہ کسی اور جانب مبذول ہو گئی تھی پھر آج اچانک پرانے تعلقات کو جتانے کیسے آ گئی ہو تم؟ کیسے تم حق جمانے کے لیے آ گئیں؟ میرے اور میری منکوحہ کے درمیان ہمارے راستے میں دراڑ ڈالنے کے لئے۔ ہمارے رشتے میں آنے کا تم نے سوچا بھی کیسے؟'' وہ مدھم لیکن سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''یاد دہانی کے لیے اتنا کافی ہے یا پھر کچھ اور بھی یاد دلانا ضروری خیال نہیں سمجھتا۔ مجھے امید ہے آئندہ کبھی ہمارے رشتے کے درمیان نہیں آؤ گی۔'' وہ مدھم لہجے میں تنبیہ کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں، دیکھ سکتی ہوں۔ اچانک جو تبدیلیاں تم میں رونما ہوئی ہیں وہ تب تو نہیں تھیں نا۔ آج تو تمہاری آنکھوں میں اس لڑکی کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے تب تو ان آنکھوں میں سوتے پڑ گئے تھے۔ تب کہاں یہ تھی محبت؟ اگر میں نے کہا تھا تم محبت سے نا آشنا ہو تو کیا غلط کہا تھا۔ میں نے تو حقائق کے آئینے میں تمہارا چہرہ دکھانا چاہا تھا تو میں غلط کہاں تھی؟ اگر میری محبت نے تمہاری بے توجہی کی وجہ سے اپنا بہاؤ تبدیل کر لیا تو اس میں تمہاری نااہلی ثابت ہوتی ہے۔ تمہیں کبھی میری پرواہ نہیں تھی اور نا ہی آج ہے۔ یہ تو جان گئی ہوں میں۔ حتیٰ کہ تم تو دوستی نبھانا بھی نہیں جانتے۔ آج ایک انجان لڑکی کے لیے مجھ سے لڑ کر اس کی طرفداری کر رہے ہو۔ وہ میری باتوں سے ہرٹ ہوئی اس کی تکلیف کا احساس تمہاری آنکھوں میں صاف نظر آ رہا ہے۔ میں اسکے اور تمہارے درمیان میں نہیں آئی۔ وہ آئی ہے ہمارے رشتے کے درمیان مگر حیرت ہے تمہیں میری تکلیف کبھی نظر کیوں نہیں آئی۔ تم تو روبوٹ تھے نا۔ آج اچانک جیتے جاگتے انسان کیسے بن گئے تم۔ اور اگر میں نے زندگی میں دھوکا کھایا تو صرف تمہاری وجہ سے۔ تم اس کے ذمہ دار ہو کیونکہ یہ سب کچھ تمہاری بے توجہی اور بے اعتنائی کی وجہ سے ہوا تھا۔'' مدھم لہجے میں اس نے سارا الزام اس کے سر دھر دیا تھا۔ اسے ہی قصوروار ٹھہرایا تھا۔

''فضا آفتاب..... اپنی آوازیوں بلند کر کے آپ اپنے دلائل کی مضبوطی کو ثابت نہیں کر سکتیں۔ تم شاید اس بات سے آشنا نہیں ہو کہ عقل کو خواہشوں پر برتری حاصل ہے۔ عقل کو خواہشوں پر قدرے فضیلت حاصل ہے۔ آگہی کے در دیر سے کھلے یا محبت کے اسلوب مجھے اب از بر ہوئے تو قصوروار میں نہیں ہوں۔ آگہی حقیقت سے روشناس کرواتی ہے۔ عقل طاقت دیتی ہے، سمجھ دیتی ہے اور سمجھ اچھے اور برے میں تمیز کرنے میں مدد دیتی ہے۔ آدھے راستے میں چھوڑ دینا میں نے نہیں سیکھا۔ تم نے ہاتھ تھاما تھا اور تم نے ہی چھوڑا تھا۔ میں نے تردد نہیں کیا تھا۔ میں تو جیسا تھا ویسا ہی تھا۔ تم تو میری بہترین دوست ہونے کا دعویٰ کرتی تھیں نا؟ مجھے جاننے کا دعویٰ بے کار گیا نا؟ بچپن ساتھ گزرا، ساتھ تعلیم مکمل کی مگر زندگی کے عملی راستوں میں راستے الگ کر لئے۔ مختلف راستوں پر چلے اور آج تمہیں ملال ستا رہا ہے۔ آج جو یوں شکوہ کناں ہو تو میں حیرتوں میں ڈوب گیا ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے جتا رہا تھا۔ آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

''محبت ایسی نہیں ہوتی۔ اتنی خود غرض ہو ہی نہیں سکتی۔ محبت کا احساس تو بہت الگ طرح کا ہوتا ہے۔ تم مجھے کہتی تھیں نا مگر مجھے تو لگنے لگا ہے تم محبت کے اسلوب سے قطعی آگاہی نہیں رکھتی ہو۔ محبت یوں راستے نہیں بدلتی۔ وہ آسانیاں تلاش نہیں کرتی۔ مشکلوں سے گھبراتی کر اپنے بہاؤ کی سمت کو تبدیل نہیں کرتی۔ تمہیں اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے فضا آفتاب۔ امید ہے تم جان گئی ہو گی میں اپنے فیصلوں میں کس قدر اٹل ہوں۔ تم تو اچھی طرح جانتی ہو نا؟ ماہ نور آنٹی کو بتانا میں ان سے ملنے آؤں گا۔ ان کو میری دلہن دیکھنے کی بہت تمنا

تھی نا۔'' وہ مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اچانک اس نے بات پلٹی تھی مگر اس کا ذکر کرتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ آنکھوں میں کسی قدر نرمی اتر آئی تھی۔

فضا اس کھردرے سے آسمان کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جو آنکھوں سے کوئی آشنائی کبھی نہیں رکھتا تھا وہ آنکھوں میں رنگوں کا ایک جہان آباد کیے کھڑا تھا۔

''ویسے تم کب آئیں یہاں؟ مجھے بتا دیا ہوتا، ڈرائیور کو بھیج دیتا۔ تم تو جانتی ہو نا میں اپنے سے منسلک رشتوں کے لیے کس قدر Possessive ہوں۔ تم میری دوست ہو۔ تمہارا خیال تو ہمیشہ ہی رہتا ہے مجھے۔'' وہ بارعب سا بندہ اس کے سامنے کھڑا کتنی نرمی سے مسکرا رہا تھا اور وہ حیرت سے دیکھتی جا رہی تھی۔

''تم مسکرا بھی سکتے ہو مسٹر اظل سہام مرزا؟ تمہارے چہرے پر اتنی نرمی بھی ہو سکتی ہے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ تم تو مجھے حیران کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے تم نے تہیہ کر رکھا ہے مجھے حیرانگی میں ڈبو دو گے۔ تمہیں اس طرح دیکھ کر مجھے تو عجب سا لگ رہا ہے۔ تم بہت عجیب لگ رہے ہو۔ بالکل بدل گئے ہو تم۔ تم تو وہ کھڑوس قسم کے روکھے پھیکے انسان تو ہرگز نہیں ہو جس کے چہرے پر آج تک کبھی بھولے سے بھی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔'' وہ حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے سوال پر وہ مسکرایا تھا۔

''اتنے سارے سوال ایک ساتھ مگر سب کا جواب صرف ایک ہی ہے کہ میں خود نہیں جانتا مگر یہ تبدیلی خود ساختہ نہیں ہے۔ یہ تبدیلی کسی اور کی مرہون منت ہے۔ کسی نے مجھے زندگی کے معنی سمجھائے ہیں۔ مجھے جینا سکھا دیا ہے۔ زندگی کے نئے رخ سے متعارف کروایا ہے۔ زندگی کا ایک خوبصورت چہرہ دکھایا ہے جس سے میں کبھی نہیں ملا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں مسکرایا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا پھر مڑا تھا۔ دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ویسے تو مجھے لگا تھا تم عمیر شاہ کے ساتھ بہت خوش تھیں پھر کیا ہوا اچانک تمہیں میری یاد کیسے آ گئی؟''

''اظل سہام مرزا۔'' اس نے پکارا تھا جیسے تنبیہ کی تھی۔

اس نے مڑ کر دیکھا تھا مگر وہ ایک لمحے کے لیے رکھا تھا پھر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ایک بے حد ضروری کام ہے پھر بات کریں گے فضا آفتاب۔ ابھی رک نہیں سکتا۔'' اس نے کہا تھا اور عجلت کا مظاہرہ کیا تھا اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور وہ وہیں کھڑی یکسر بدلے ہوئے مختلف انسان کو دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں کبھی ایسا موڑ بھی آتا ہے جب سارے راستے بند محسوس ہوتے ہیں۔ جب لگتا ہے کہ اس موڑ کے آگے اور کوئی راستہ

نہیں ہے۔ایک بند گلی سارے راستے مسدود کر دیتی ہے۔آگے بڑھنا بھی چاہو تو قدم جامد ہو جاتے ہیں۔راستوں کے Barriers منہ چڑا رہے ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔اسے لگ رہا تھا اس کے لیے راستہ نے خفا ہو کر سمت کو تبدیل کر لیا تھا۔وہ جس سمت میں مڑتی راستوں کو مسدود پا رہی تھی۔وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔وہ یہاں مقید نہیں رہنا چاہتی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔تمام کوششیں رائیگاں جاتی نظر آ رہی تھیں۔اس نے دادا جان سے بات کی تھی جانے کی اجازت چاہی تھی مگر انہوں نے ساری ذمہ داری اظل کے کندھوں پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو گئے تھے۔

جانے وہ کتنی دیر اور سوچوں میں گم رہتی تبھی دروازہ کھلا تھا اور کوئی اندر داخل ہوا تھا اور حیرت سے عین شاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔کوئی غصے سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

''تم نے یہاں شادی رچائی اور ہمیں اطلاع نہیں دی اور ہم وہاں تلاش کر کے بے حال ہو رہے تھے۔تمہاری اچانک گمشدگی پر کس قدر پریشان تھے۔کوئی وہاں تمہاری یاد میں پاگل ہو کر مجنون بن کر صحرا کی خاک چھاننے کے لیے نکل پڑا ہے۔کس قدر ملول تھے ہم لوگ کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں۔مگر ہو گا بھی کیسے۔آپ کو ہماری پرواہ ہی کب ہے۔ہمارا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔آپ کو تو صرف اپنی پرواہ ہے۔اپنے آپ کو تنہا سمجھتی ہیں آپ۔آپ کے دکھ صرف آپ کے اپنے ہیں اور سکھ بھی۔خوشیاں بھی اور غم بھی۔آپ بھلا کسی سے شیئر کرنا کیوں چاہیں گی۔کسی کو بتانا بھی پسند نہیں کریں گی۔آپ کسی کو قابل بھروسہ تھوڑی ہی سمجھتی ہیں۔آپ کے لیے ہم سب بے کار قسم کے لوگ ہیں۔یہی سمجھتی ہیں نا آپ محترمہ عین شایان شاہ۔'' وہ آتے ہی تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔انگارے چبا رہی تھی۔غصے سے اس کی طرف گھورتے ہوئے طعنے مار رہی تھی۔طنز کر رہی تھی۔

اور عین شاہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ابھی تک حیران تھی اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اس کو گلے لگائے آنسو بہا رہی تھی۔

''رامین کی بچی۔تم جب بھی بولتی ہو فضول ہی بولتی ہو۔تمہیں ایسا لگتا ہے؟ تم میرے لیے اہم ہو۔بے حد اہم ہو۔مجھے تو حیرت ہے تم اس قدر خفگی کا اظہار کیسے کر سکتی ہو۔آتے ہی اتنا شدید حملہ کیا تم نے تو۔میرے تو چودہ طبق روشن کر دیئے تم نے مگر تمہیں سب حقوق حاصل ہیں۔تم ڈانٹ سکتی ہو۔خفگی کا اظہار کر سکتی ہو۔تم میری کزن ہی نہیں بہترین دوست بھی ہو نا۔

"Do you know Rameen Shah? At the moment I was missing you massively and while I saw you front of me it seemed I was in dream but later I found you are reality."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تم تصور بھی نہیں کر سکتیں میں کس قدر خوش ہوں۔میں کچھ کر نہیں پا رہی تھی لگ رہا تھا جیسے سب راستے بند ہو گئے ہوں اور میں کسی بند گلی میں مقید ہو گئی ہوں۔تمہیں دیکھا تو لگا اچانک سے گھپ اندھیرے میں اجالا ہو گیا ہو۔چاروں طرف روشنی سی پھیل گئی ہو۔تم

نہیں جانتیں تم کو اپنے سامنے دیکھ کر میرے اندر اچانک حوصلے پھر سے اپنی سمت تلاش کرنے میں جت گئے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں اعتراف کر رہی تھی۔

''تم کب آئیں مجھے بتایا کیوں نہیں؟ مجھے ملنے اتنی دیر سے کیوں آئیں؟ صبح ماموں جب آئے تو تم ان کے ساتھ نہیں تھیں پھر اچانک اب کیسے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''محترمہ عین شاہ آپ کو اپنے دکھ سے فرصت ہو تو کسی اور کے بارے میں سوچیں گی کیا۔ آپ تو خود ترسی میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ آپ کو تو اپنا غم ہی سب سے بڑا لگتا ہے۔ کسی اور بارے میں کیوں سوچنے لگیں آپ۔ آپ ہمیں اپنا تھوڑی سمجھتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمیں یوں ہر بات سے بے خبر تو نہ رکھتیں مگر ہمیں تو غیر سمجھا نا تم نے۔'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھی۔ خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔

اور عین شاہ اس خفگی پر مسکرا دی تھی۔ اس کو شکایت کرنے کا پورا حق تھا۔

''میں جانتی ہوں تم خفا ہو۔ تمہاری ساری شکایتیں درست ہیں۔ تمہاری خفگی جائز ہے۔ تمہاری باتیں وزن رکھتی ہیں۔ ٹھوس حیثیت ہے ان کی مگر سب کچھ اس قدر اچانک ہوا۔ میں کچھ بتا نہیں سکی۔ حالات اس قدر پیچیدہ ہو گئے تھے کہ مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کیا کروں۔ کچھ دھیان میں نہیں رہا۔ تم تو تمام حالات سے واقف ہو نا۔ اب غصہ چھوڑ دو اور میری طرف دیکھو۔ تم ماموں کے ساتھ اسی لیے نہیں آئی تھیں کیونکہ تم خفا تھیں مجھ سے۔ خائف تھیں نا۔ میں جانتی ہوں تمہارا غصہ اور اس غصے میں چھپا تمہارا پیار بھی۔'' عین شاہ اس کے ہاتھ تھامے مدھم لہجے میں اعتراف کر رہی تھی۔ اپنی غلطی کی وضاحت دے رہی تھی۔

اور رامین نے خفا خفا سے چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں ٹھہرے سمندر دیکھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ وہ اسے بے حد اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ خفا تھی۔ اس سے ناراض تھی مگر وہ زیادہ دیر تک اس سے ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ رامین نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے جو بند توڑ کر رخسار پر بہہ رہے تھے۔

''تم جانتی ہو نا عین شایان شاہ۔ تم کس قدر عزیز ہو مجھے۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے۔ کوئی اطلاع نہیں کوئی کنٹیکٹ نہیں، کوئی رابطہ نہیں۔ تمہیں ایک بھی وسیلہ نہیں ملا کہ ان روابط کو قائم رکھ سکتیں۔ کم از کم بتا تو سکتیں تھیں نا۔ ایک میسج، ایک پیغام ہواؤں پر لکھ دیتیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اسے ڈپٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میری خطا ہے۔ اب خفگی ختم کر دو نا۔ تم تو جانتی ہو نا تم میرا حوصلہ ہو۔ تم اگر یوں ناراض رہو گی تو میں کیسے مشکلات کا سامنا تنہا کروں گی؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے جتانے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے جذباتی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں اور رامین شاہ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر ساری خفگی بھول گئی تھی۔

''تم نہایت چالاکی سے لفظوں کا استعمال کر کے مجھے بلیک میل کر کے میری خفگی کو بھگا دیتی ہو۔ تم جانتی ہو نا کہ مجھے کس قدر عزیز

ہو۔تمہاری آنکھوں میں نمی نہیں دیکھ سکتی۔اسی لیے تم جذباتی حربے استعمال کر کے اپنی غلطی کو چھپا گئی ہو۔تمہیں میں کیسے بھول گئی۔تمہیں میں ایک بار بھی یاد نہیں آئی؟ کبھی بھی نہیں؟ نکاح کرتے ہوئے بھی نہیں؟ میرے بغیر تم کوئی فیصلہ کیسے لے سکتی ہو حین شایان شاہ؟'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔مدھم لہجے میں بے یقینی تھی جیسے اسے اس بات کا اب تک یقین نہیں ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں نہیں بتا سکتی صورتحال کس قدر پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔کچھ بھی ہوش نہیں تھا۔اچانک تو قیر ضیاء انکل کا نمبر یاد آ گیا تو ان سے بات کر لی۔ماموں جان کو بارہا کال کیا تھا میں نے مگر ان کا نمبر کوئی Response نہیں کر رہا تھا۔تب انہوں نے بتایا کہ وہ ممانی جان کے ساتھ ہاسپٹل میں تھے۔ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نا۔'' وہ مدھم لہجے میں وضاحتیں دے رہی تھی۔

''تم نے اتنا کچھ خود ہی جھیل لیا۔ایک بار تو بتایا ہوتا۔تم ہمیں بے حد عزیز ہو حین شاہ مگر تمہاری ایک عادت مجھے قطعی پسند نہیں ہے کہ تم خود کو سب سے الگ تھلگ رکھتی ہو۔ہمیں اپنا حصہ نہیں سمجھتی ہو۔اپنے دل کا احوال ہم سے چھپانے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہو۔اپنا آپ عیاں کرنے سے ڈرتی ہو۔اعتماد نہیں کرتی ہو کسی پر۔نا مجھ پر نا ہی بیچارے اس انسان پر جو تمہیں بے حد چاہتا ہے۔تم تو بہترین دوست ہونے کی دعویدار تھیں نا۔تو اپنے وقت میں ہم دوستوں کو دودھ میں سے مکھی کی طرح الگ کر دیا۔یہ روش سراہے جانے کے قابل تو قطعی نہیں ہے۔حین شایان شاہ تم نے تو ہماری دوستی کا امتحان لیے بغیر ہی ہمیں مکمل طور پر فیل کر دیا۔ایک بار آزمایا تو ہوتا مگر تم نے تو وہ بھی ضروری خیال نہیں کیا۔'' وہ دھیمے لہجے میں شکایتیں کر رہی تھیں۔

اور حین شاہ اس کے خفا چہرے کو دیکھ کر مسکرا دی تھی۔اس کی شکایتیں بجا تھیں۔

''تم تمام حقائق سے واقف ہو رامین معید شاہ پھر بھی شکایت کر رہی ہو۔جب اپنی غلطی مان رہی ہو تو ایک مان جاؤ نا۔تم جانتی ہو مجھے منانا نہیں آتا ہے مگر تم جانتی ہو تم میرے لیے بہت اہم ہو۔تمہارے بغیر کوئی فیصلہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر سب کچھ اس قدر اچانک ہوا نا اور دوسری بات یہ سب کچھ وقتی ہے۔میں نہیں جانتی آگے کیا ہوگا مگر۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی مگر اچانک رک گئی تھی۔جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''تم اور تمہارے یہ ادھورے قصے۔تم ایک پہیلی بنتی جا رہی ہو۔وہ مجنوں بیچارا قدرے درست ہی کہتا تھا۔تم سب کو پاگل کر دینے کا ہنر وافر مقدار میں رکھتی ہو۔اسے بھی اور مجھے بھی۔'' وہ مدھم لہجے میں شکایت کر رہی تھی۔خفگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جتا رہ تھی۔

''اب کیا چاہتی ہو تم رامین شاہ؟ کیا کروں میں کہ تمہیں منا لوں اور کیسے تمہارا غصہ دور ہوگا۔تم ہی بتاؤ اب؟'' وہ سوالیہ نظروں سے بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تم تو بے بس کر دیتی ہو حین شاہ جیسے مجنوں کو کیا تھا بے چارہ۔ابھی تم یوں بے بسی سے دیکھتی ہوئی قطعی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔

تم نے قائل کرلیا تھا سب کو۔اب مجھے بھی کر ہی لوگی۔مگر اگر تم شروع سے اب تک کا سارا قصہ سنانے کا وعدہ کرتی ہو تو میں اپنی خفگی بھول جانے کا سوچ سکتی ہوں اور ایک بات اور۔تم نے مجھے نہیں بتایا تم مرتے مرتے بھی ہو۔اب تو تمہارے پاس فون بھی تھا۔تم قدرے آرام دہ حالت میں تھیں پھر اب کیا بہانہ بناؤ گی تم؟ تم جانتی تھیں نا میں آئی ہوں پاپا کے ساتھ پھر تم نے ایک بار بھی میرے بارے میں ان سے نہیں پوچھا نا ہی ملنے کی خواہش ظاہر کی؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا تمہیں میری کبھی یاد ہی نہیں آئی اور اب سامنے آئی ہوں تو تم اس قدر محبت جتا رہی ہو۔مسئلہ کیا ہے؟'' مدھم لہجے میں خفگی جوں کی توں برقرار تھی۔آنکھوں میں شکایتوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری رامین شاہ! معاف کردو نا۔اب اور کتنا بولوگی؟ کتنا اور شرمندہ کروگی؟ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔تمہارے کندھے پر سر رکھ کر سارا درد بہا دینا چاہتی ہو۔یہ لڑائی، خفگی اور شکوے شکایتیں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔پھر کبھی شکایتیں کرلینا فرصت میں۔میں تمام شکایات کو سنوں گی بھی اور دور کرنے کی حتی الامکان کوشش بھی کروں گی مگر ابھی ہمت ناپید ہے۔ابھی تو توانائیاں کم ہیں۔تمہارے حملوں کے آگے میری چلنے والی نہیں ہے۔پسپائی میرا مقدر بن جائے گی اگر تم سے بحث کرنے کی کوشش بھی کروں گی تو اور تم کوئی صفائی دینے کا موقع نہیں دے رہی ہو اور وضاحتیں قبول بھی نہیں کر رہی ہو۔میں تمہارا کیا کروں رامین شاہ؟'' وہ مدھم لہجے میں مکمل طور پر بے بس نظر آرہی تھی۔دھیما لہجہ پر ملال تھا۔

''اچھا بس کرا پنی یہ جذباتی باتیں۔میری خفگی تو تمہیں دیکھ کر ہی بھاگ گئی تھی۔میں تو تمہاری کھنچائی کر رہی تھی۔تم نہیں جانتیں تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے ہم کس قدر پریشان ہوگئے تھے۔آئی ایم سوری میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔

"You better know Hayyin Shah you are very special for us. You mean a lot. I was missing you massively."

وہ مدھم لہجے میں اس کو بتا رہی تھی۔اسے گلے سے لگائے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''تم تصور بھی نہیں کرسکتیں جب پتہ چلا کہ تمہیں گولی لگی ہے میری تو جان نکل گئی تھی۔پاپا نے ایک لمحے کی دیر کیے بغیر فلائٹ بک کروالی تھیں اور ممی اپنی بیماری بھول کر یہاں چلی آئی تھیں حالانکہ تم جانتی ہو نا وہ یہاں کبھی واپس نہیں آنا چاہتی تھیں مگر صرف تمہارے لیے انہوں نے ایک بار بھی اس بارے میں نہیں سوچا اور تم سے ملنے آگئیں۔یہ الگ بات ہے تم ابھی تک ان سے ملنے نہیں گئیں۔'' رامین شاہ اسے تفصیلاً آگاہ کر رہی تھی اور بات ختم کرتے ہوئے پھر شکوہ کر گئی تھی۔

''میں سب جانتی ہوں۔سمجھ سکتی ہوں مگر کیا کروں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھایا تھا اور اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور رامین شاہ حیرانگی سے تمام باتیں یوں سن رہی تھی جیسے وہ کوئی جادوئی قصہ سنا رہی تھی۔

''تم اظل سہام مرزا کو کب سے جانتی ہو؟ کہاں ملی تھیں تم اس سے؟'' رامین شاہ کا انداز تحقیقاتی تھا۔وہ حیران سی رامین کی طرف

دیکھ رہی تھی۔

''میں انہیں نہیں جانتی نا ہی کبھی ملی ہوں ان سے۔سب کچھ بتا دینے کے باوجود تم یوں کیوں پوچھ رہی ہو؟ اگر کبھی ملی ہوتی تو ضرور تمہیں پتا ہوتا۔'' اس نے رامین کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور پھر ایک تناؤ کی کیفیت اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔اس اپنے گلے میں پہنے Pendant کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

''تم اب بھی پریشان ہو حین شاہ۔تمہاری پریشانیاں تو کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی ہیں۔تم نے چنا بھی تو کیا؟ وہ تو ایک بٹا ہوا انسان ہے تمہارے بقول وہ تو کسی اور کا تھا۔کوئی حق دار تمہارے سامنے آ کھڑا ہوا اور تم سے باز پرس کرنے لگا اور تم یوں ہراساں سی کھڑی ہو۔چہرے پر تناؤ نے ایک فکروں اور اندیشوں کا جال بن دیا ہے۔اتنی افراتفری کی کیا ضرورت تھی حین شاہ؟ اگر ایسی ہی ضرورت آن پڑی تھی تو اپنا مجنوں کیا برا تھا؟ وہ تو جان و دل سے تم پر فدا تھا۔جان چھڑکتا تھا مگر تم نے تو کبھی اسے سیریس لیا ہی نہیں۔تم نے تو اس کی محبت کو کبھی قدر کی نگاہ سے ہی نہیں دیکھا۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا گئی تھی۔وہ کسی اور کی طرفداری کر رہی تھی۔شاید وہ مخلص تھی یا اس کو پریشان دیکھ کر خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔حین شاہ جانتی تھی وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی تبھی وہ خفا ہو رہی تھی۔ڈپٹ رہی تھی اور حین شاہ سر جھکائے سن رہی تھی۔

''اب اس طرح کیوں بیٹھی ہو چلو میرے ساتھ۔تھوڑی تازہ ہوا میں سانس لو گی تو تمہاری خرد بھی کچھ کام کرنے لگے گی جس نے اس حبس زدہ ماحول میں کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور اب تمہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔میں آ گئی ہوں نا۔سب ٹھیک کر دوں گی۔'' چلو میرے ساتھ۔'' اس نے حین شاہ کا ہاتھ پکڑا تھا اور باہر کی طرف بڑھی تھی۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں کبھی ایسے موڑ بھی آتے ہیں جب مصلحت پسندی کے تحت چپ اختیار کرنی پڑتی ہے مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ہار مان لی گئی ہے یا پھر تقدیر کے لکھے گئے فیصلوں کو قبول کر لیا گیا ہے۔وقتی چپ کے بعد پھر سے تدابیر کرنی شروع کر دی جاتی ہیں۔اسباب تلاش کیے جاتے ہیں جن کی بدولت کامیابی کا تناسب بڑھنے کا احتمال رہتا ہے۔

حمیرا بیگم نے بھی حیدر شاہ کے سامنے مصلحت پسندی کے تحت ایک چپ اختیار کر لی تھی مگر اندر ہی اندر ایک انتقام کی آگ اسے جھلسا رہی تھی۔وہ اتنی آسانی سے اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو معاف نہیں کر سکتی تھی ورنہ اس کے دل میں ایک بے سکونی ستاتی رہتی تھی۔اب اسے در پردہ رہ کر اپنا کام کرنا تھا۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔اس نے ملازم کو آواز دیا اور عمیر شاہ کو بلانے کو بھیجا تھا۔چند لمحوں کے بعد عمیر شاہ اس کے سامنے تھا۔

''تم جانتے ہو نا عمیر شاہ تمہارے بابا جان کے دل میں اس لڑکی کے لیے محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ نکلا ہے۔ان کو اپنا بھائی شدت سے یاد آ گیا ہے اور وہ اس لڑکی کو اپنی بیٹی کا درجہ دے چکے ہیں۔انہوں نے وارن کیا ہے کہ اگر کچھ غلط کرنے کا سوچا بھی تو اچھا نہیں ہوگا مگر تم جانتے ہو نا میری بہن کی زندگی کیسے کھا گئی وہ۔اس لڑکی کی ماں نے چھین لی تمہاری خوشیاں۔اس کے حصے کی ساری کامرانیاں اپنا مقدر کر لی تھیں میں کیسے بھول سکتی ہوں۔آج بھی سوچتی ہوں تو دل ہول جاتا ہے۔میرا دل اس قدر بڑا نہیں ہے کہ میں اسے معاف کر سکوں۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیحات بیان کر رہی تھی۔تمہید باندھ کر مدعے پر آ رہی تھیں۔

''میں جانتا ہوں اماں مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ میں نے خود دیکھا تھا بابا جان کو کل کیسے وہ اسے گلے لگائے رو رہے تھے۔اتنے جذباتی ہو گئے تھے۔میں نے زندگی میں پہلی بار ان کو اس قدر دکھی اور جذباتی ہوتے دیکھا تھا۔میں جان گیا تھا وہ اس لڑکی کے ساتھ کچھ غلط ہونے نہیں دیں گے۔اتنی محبت کا اظہار تو انہوں نے کبھی مجھ سے نہیں کیا حالانکہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' وہ انہیں آگاہ کر رہا تھا۔جو دیکھا تھا اس کو بیان کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں مگر میں قصداً خاموش نہیں رہ سکتی۔ان کی خاطر اپنے انتقام کو نہیں بھول سکتی۔یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔تم ذمہ دار ہو ان سارے حالات کے اور اس صورتحال کے۔اگر تم اس رشتے کو متروک قرار نہ دیتے،ان رسموں اور اقدار کو رد نہ کرتے،ان باتوں سے منحرف نہ ہوتے تو آج وہ یہاں ہوتی۔ہمارے ساتھ ہوتی۔اس کا نام تمہارے نام کے ساتھ جڑا ہوتا مگر تم سننے کو تیار نہیں تھے۔مگر تم نے میری بات مان لی ہوتی تو صورتحال کو موڑا جا سکتا تھا۔اپنی پسند کے مطابق ڈھالا جا سکتا تھا۔اب یہ تم پر فرض ہے مگر بے قرار دل کو قرار آ جائے گا کچھ تو ایسا کرو۔یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کب تک بیٹھے رہو گے۔تمہاری غیرت کہاں جا سوئی ہے۔تمہیں کچھ احساس ہے کس قدر جگ ہنسائی ہوئی ہوگی۔لوگ منہ جوڑ کر باتیں کر رہے ہونگے۔کتنی چہ میگوئیاں ہو رہی ہونگی۔تم یہ سب طعنے کیسے برداشت کرو گے۔تمہاری منگ کوئی اور بیاہ لے گیا۔وہ لڑکی جس کے ساتھ تمہارا نام جڑا تھا وہ کسی اور کی منکوحہ بن گئی۔یہ بات تو غیرت پر تازیانے کی طرح لگتی ہے۔اگر تمہیں کچھ احساس نہیں ہے تو ٹھیک ہے میں خود ہی کچھ کر لوں گی۔طریقے تو بہت سے ہیں۔'' حمیرا بیگم کا لہجہ سپاٹ تھا۔جیسے وہ سب کچھ سوچ بیٹھی تھیں کہ آگے کیا کرنا تھا۔جیسے ان کے دماغ میں کچھ خاص چل رہا تھا۔

اور عمیر شاہ نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔اگر ان کی کوشش اسے جذباتی طور پر اکسانے کی تھی تو اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھیں۔

''آپ کا کیا خیال ہے میں کوئی کمزور انسان ہوں؟ اپنا فیصلہ خود نہیں کر سکتا؟ کیا نہیں جانتا کہ کیا کرنا ہے؟ یہ ٹھیک ہے مجھے اس لڑکی کے ساتھ کوئی انسیت کبھی نہیں رہی مگر سمجھ سکتا ہوں۔حالات کو اپنے حق میں کیسے کیا جا سکتا ہے۔یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ہواؤں کے رخ بدلنے کی طاقت رکھتا ہوں میں۔مجھے اس طرح کہہ کر کمزور ثابت کرنے کی کوشش مت کیجئے۔لوگوں کے منہ بند کرنے آتے ہیں

مجھے اپنے عمل سے۔آپ تو جانتی ہیں نا میرا غصہ کس قدر خطرناک ہے۔ میں چلتا ہوں۔ بعد میں بات کروں گا میں اس موضوع پر۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہا تھا۔ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا اور حمیرا بیگم اپنی کامیابی پر مسکرا دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ رامین کے ساتھ جھیل کے کنارے چلتی جا رہی تھی۔ کتنا حسین منظر تھا کہ وہ تو اس دلکشی میں کھونے لگی تھی۔

''حسین جگہ ہے نا؟'' رامین اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں بہت۔'' وہ بے خیالی میں کہہ گئی تھی۔

''تم کیسے جانتی ہو اس جگہ کے بارے میں تم تو کبھی پہلے یہاں نہیں آئی ہو نا؟'' حسین شاہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تمہاری طرح آس پاس سے بے خبر اور انجان نہیں ہوں نا۔ میں دو عدد آنکھیں رکھتی ہوں اور دماغ بھی ٹھیک سے کام کرتا ہے۔ یہی فرق یہ تم میں اور مجھ میں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''تم سدھر جاؤ رامین شاہ۔ لگتا ہے تمہاری تو پٹائی ہونے والی ہے۔'' حسین شاہ نے اسے ڈپٹا تھا۔ خفگی سے اس کی طرف گھورا تھا اور رامین شاہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''لگتا ہے اچھی فضا نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ تمہارا دماغ تو چلنے لگا ہے نا۔ لگتا ہے پرانی والی حسین شاہ واپس آ گئی ہے۔ یاداشت واپس آ گئی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یوں ڈانٹتے ہوئے اچھی لگ رہی ہو تم۔ لگتا ہے پرانی والی حسین کہیں سوئی ہوئی تھی اب جاگ گئی ہے۔ تمہارا دماغ درست کرنے کے لئے اتنا دھچکا ضروری ہے ورنہ تم تو سدھرنے والی نہیں تھیں۔ یوں مظلومیت کا اشتہار بنی قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھیں تم۔ تم تو یوں اچھی لگتی ہو۔ مضبوط سی، ڈانٹتی ہوئی، ڈپٹتی ہوئی، رعب جماتی ہوئی مرعوب کر دیتی پرسنالٹی کے ساتھ۔ ذہانت سے بھرپور آنکھوں میں بہادری کی چمک لیے۔ یوں روتی بسورتی حسین شاہ مجھے قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جتا رہی تھی۔

''یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم میری طاقت ہو۔ اگر تم یہاں نہ آتیں تو میں تو جانے کیا کرتی۔ میں کمزور پڑنے لگی تھی۔'' حسین شاہ نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''اپنے حق کے لیے لڑنا سیکھو حسین شاہ۔ تم کمزور ہرگز نہیں ہو۔ اگر پھوپھا جان اور پھپھو جان آج زندہ ہوتے تو تمہیں یوں کمزور اور ٹوٹا پھوٹا دیکھ کر کس قدر دکھی ہوتے۔ وہ تو تمہیں مضبوط دیکھنا چاہتے تھے نا۔ وہ تمہاری ہمت تھے اور حوصلہ بھی۔ اگر تم دکھی ہو گی تو ان کی روحیں بھی پریشان ہونگیں۔ وہ سکون سے نہیں ہونگے۔ تمہاری خوشی اہم ہے۔ تم اہم ہو۔ وہ کرو جو تم کرنا چاہتی ہو۔ جس سے تمہیں خوشی ملتی ہے۔ تمہیں سکون ملتا ہو۔ دوسروں کی پرواہ کرنا چھوڑ دو۔ دوسروں کے بارے میں مت سوچو۔'' مدھم لہجے میں وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''اگر اظل سہام مرزا ہی وہ انسان ہے جسے پھپھو جان اور پھوپھا جان نے چنا تھا تو پھر اس پر چاچا نے اور تو قیر انکل نے بھی اپنے فیصلے کی مہر ثبت کر دی ہے تو تمہیں اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے۔ اس پر صرف تمہارا حق ہے۔ اگر ان کی خوشی اسی میں تھی تو تمہیں ان کے فیصلے کو دل سے تسلیم کرنا چاہئے۔ شاید یہ ایسا ہی ہونا لکھا تھا۔ ممی کہتی ہیں قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ جو فیصلے ہو چکے ہوتے ہیں ان کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا اور نانی جان بھی تو یہی کہتی ہیں نا۔ تمہارا اور اظل بھائی کا جوڑا بھی آسمان پر بنا تھا۔ برسوں پہلے اور انکل نے جو رشتہ جوڑنا چاہا تھا وہ جڑ چکا ہے۔ تمہارے ماما اور پاپا کی خوشی تو اسی میں تھی نا۔ وہ تمہارا ہاتھ کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دینا چاہتے تھے جو تمہیں خوش رکھے۔ تمہارا خیال رکھے اور تمہاری حفاظت کر سکے۔ اظل بھائی میں ساری خوبیاں تو بدرجہ اتم موجود ہیں۔ پھر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے۔ انہوں نے تمہاری جان بچائی۔ تمہاری حفاظت کے لئے حتمی قدم اٹھالیا۔ تمہارے لیے تمہارے بڑے پاپا اور عمیر شاہ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ مضبوط رشتوں کی طرح ڈٹ گیا۔ تمہیں کس بات پر اتنا غصہ ہے۔ پھر کس بات پر خائف ہو جب سب کچھ مرضی کے مطابق ہی ہے تو۔'' رامین شاہ نے مدھم لہجے میں سمجھایا تھا۔ وہ اسے جتا رہی تھی۔ اس کے لیے آگاہی کے نئے در وا کر رہی تھی۔

''اگر تمہیں خوف ستا رہا ہے کہ کوئی اور بھی ہے جو اظل بھائی کو تم سے چھین سکتا ہے تو غلط قیاس کر رہی ہو۔ میرا نہیں خیال ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ ایک مضبوط اور خود فیصلے لینے والے خود مختار قسم کے انسان نہیں۔ اگر ان کے دل میں کوئی اور ہوتا تو وہ قطعی کوئی حتمی قدم نہ اٹھاتے اور فضا آفتاب تو ان کی سٹیپ مدر کی بہن کی بیٹی ہے اور اظل بھائی کی اپنی اسٹیپ مدر سے کچھ زیادہ اچھی نہیں بنتی ہے۔'' رامین شاہ اسے حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اسے نئی اطلاعات دے رہی تھی اور حسین شاہ حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ کچھ مزید پوچھتی اور اس کی نگاہ اٹھی تھی اور سامنے آتے ہوئے اظل پر ٹک گئی تھیں۔ اور تبھی اظل سہام مرزا چلتا ہوا ان کی طرف بڑھا تھا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ تم کب آئیں رامی؟ تم آئی تھیں اور اپنے بھائی سے ملے بغیر چلی گئی تھیں؟ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں نا۔'' اس لمحے وہ شکوہ کرتا ہوا قدرے مختلف لگ رہا تھا۔ چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی جو شاید رامین کو دیکھ کر آ گئی تھی۔ تو وہ اسے پہلے سے ہی اچھی طرح جانتا تھا۔ ایک وہ ہی ہر بات سے انجان رہی تھی۔ رامین ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ خیالوں سے چونکی تھی جب رامین کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ بات تو رامین سے کر رہا تھا مگر نگاہیں حسین شاہ کے چہرے پر ٹکائے ہوئے تھا۔ ایک ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

''تمہارے آنے سے لوگوں پر کافی اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ لوگوں کے تناؤ سے بھرے چہرے پر کافی نرمی آ گئی ہے۔ لگتا ہے تم نے کافی زیادہ مقدار میں ڈوز دے دی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں دادی اماں بلا رہی ہیں کب سے۔ جاؤ ان کی بات سنو جا کر۔'' اس نے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ اسے وہاں سے ہٹانا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔آپ باتیں کریں۔'' وہ جانے کے لئے مڑی تھی۔حین شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اظل بھائی بہت اچھے ہیں انسانوں کو بالکل بھی نہیں کھاتے۔کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے تمہیں سو باتیں کرو۔میں نانی اماں کی بات سن لوں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی اور اندر کی طرف بڑھی تھی۔حین شاہ نے اسے جاتا ہوا دیکھا تھا۔اس کا چہرہ اظل سہام مرزا کی نگاہوں کی تپش سے جل رہا تھا۔

''آج موسم اچھا ہو رہا ہے نا۔'' اس نے بات بنانے کے لئے پوچھا تھا۔

حین شاہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر خفگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور اظل سہام مرزا کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''آپ کو قدرتی مناظر سے بہت لگاؤ ہے نا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔متوجہ کرنے کی ایک اور کوشش کی تھی۔

حین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''تمہاری ان سرمئی آنکھوں میں تغافل کی تہیں پے در پے بچھی ہوئی ہیں اور ان سمندروں کی سطح پر تیرتے اندیشے صاف نظر آ رہے ہیں۔ان پر خوف کی کشتیاں چلتی ہوئی ایک عجیب سی چھب دکھا رہی ہیں اور ان خوف کی کشتیوں میں وسوسوں کے مسافروں نے سفر کرنا شروع کر دیا ہے۔مجھے تو خدشہ ہے کہیں یہ خوف کی کشتیاں کسی غلط سمت نہ مڑ جائیں۔خوف سے راستہ بھٹک کر کہیں انجان منزلوں کی طرف روانہ نہ ہو جائیں۔تمہیں کچھ اندازہ ہو تو کہو۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ جان نہیں پائی تھی وہ اسے آگاہ کر رہا تھا یا جتا رہا تھا۔اس کا مطلب تو صاف تھا وہ جان گیا تھا وہ کس وجہ سے پریشان تھی۔وہ اس پر خفا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ ابھی تک اس سے خفا تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ان آنکھوں میں نہ ہی کوئی خوف ہے اور نا ہی کوئی اندیشے۔معاملہ جب یقین کا ہو تو خدشات کی پرواہ نہیں ہوتی۔آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔اس کا اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کرا گئی تھی۔صاف بات کو بدل گئی تھی۔

''تو آپ ابھی تک خفا ہیں؟ مجھے خطاوار سمجھتی ہیں نا آپ؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ سے قصداً خفا نہیں ہوں نا ہی کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔آپ نے جو کیا تھا وہ ارادتاً کیا تھا۔آپ اچھی طرح جانتے ہیں نا کیا ہوا تھا۔مگر آپ کو برا لگا تھا جب میں نے آپ کی Ex کو سنا دی تھیں تب۔آپ کا ردعمل شدید قسم کا واقع ہوا تھا۔حالانکہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر۔'' وہ مدھم لہجے میں کہتے کہتے رک گئی تھی اور وہ اس کے اس طرح جتانے پر جان گیا تھا اسے سخت برا لگا تھا۔

''مگر کیا حین شاہ؟ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ تمہیں سخت برا لگا تھا۔خفگی تو ابھی تک تمہاری سرمئی آنکھوں میں تیرتی نظر آ رہی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔وہ جانے کیسے سب جان گیا تھا۔

''آپ میری آنکھیں پڑھنے کا دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟ آپ جانتے ہی کتنا ہیں مجھے؟ دو دن پرانی واقفیت کی بنیاد پر آپ مجھے جاننے کا دعویٰ کرتے اچھے نہیں لگتے اور بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہی تھی۔ اسے جھٹلانے کی مکمل طور پر سعی کی تھی۔

''میرا اور تمہارا رشتہ آج کا نہیں برسوں پرانا ہے۔ صدیوں میں میں آپ کو جانتا ہوں تبھی تو پہچاننے کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ صدیوں سے اس چہرے کے خدوخال سے واقفیت حاصل ہے مجھے۔ کتنے ہی سالوں سے ان سرمئی آنکھوں میں میرا عکس ٹھہرا ہوا ہے تبھی تو ان آنکھوں کے تغافل سے واقف ہوں۔ ان آنکھوں کے بدلتے موسموں اور رنگوں سے آشنائی رکھتا ہوں۔ ان آنکھوں کے چھپے بھیدوں سے آگاہی رکھتا ہوں۔ ایک جنبش سے پہچان جاتا ہوں۔ تغیرات کے پیچھے چھپے طوفانوں سے رسائی پا جاتا ہوں۔ صدیوں سے ان راستوں پر سفر کیا ہے۔ یہ کوئی آج کی بات تو نہیں ہے پھر اس تغافل کو کیسے پہچان نہ پاؤں گا۔ اور اب اگر پھر بھی تم مجھے جھٹلانے کی کوشش کرتی رہو گی تو تدارک کیا کروں؟ شاید تمہیں اس کا ادراک ہونے میں کچھ عرصہ لگے گا۔ جب اس رشتے کے خواص تمہاری سمجھ میں آنے لگیں گے تم صاف سمجھنے لگو گی۔ سب کچھ ایسے ہی واضح ہو جائے گا جیسے مجھ پر ظاہر ہوا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ جانے کیسی داستانیں تھیں جن کو لفظوں میں ڈھال رہا تھا اور عین شاہ اسے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر قطعی نہیں لگتا تھا کہ وہ اس طرح داستانیں سنانے میں کوئی شغف رکھتا ہوگا۔ اس نے لاتعلقی سے نگاہیں پھیر لی تھیں اور چہرے کا رخ بھی، پھر نگاہیں آسمان پر جما دی تھیں۔

''آپ نے کبھی ان خلاؤں میں اس بلیک ہول کو دیکھا ہے؟ مجھے تو لگتا ہے جیسے وہ بلیک ہول میری طرف بڑھتا ہوا آ رہا ہے تیزی رفتاری سے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی رفتار میں تیزی آتی جا رہی ہے۔ اس بلیک ہول کی گرویٹی بہت زیادہ ہے اور وہ ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے پوری قوت سے۔ ایک کشش ہے جو ان تمام چیزوں کو کھینچتی جا رہی ہے۔ وہ بلیک ہول ان تمام خوشیوں کو نگلتا جا رہا ہے۔ یہی جذبہ دن رات بے چین رکھتا ہے۔ کھونے کے لئے مزید کچھ اور نہیں ہے۔ جو ہے اس کو کھونا نہیں چاہتی مگر اندیشے غلط نہیں ہیں۔ شاید یہ ردعمل کے طور پر احساس اجاگر کر رہے ہیں اس وقت سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اسباب جو بھی ہوں سد باب نہیں آ رہے۔ میں اس بلیک ہول کی طرف اس Gravity کے ساتھ کھنچتی جا رہی ہوں۔ صاف لگ رہا ہے یہ ہول مجھے نگلنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ بس ایک لمحے کی غفلت برتی تو یا اپنے Orbit سے گردش کرتے ہوئے نکلی تو بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے گا۔'' مدھم لہجے میں جانے کیسے خدشات بول رہے تھے۔ یہ کیسے خوف تھے اس کے لہجے میں۔ تو کیا وہ اتنی خوفزدہ تھی اس سے۔ اس قدر خدشات کیوں پال رکھے تھے اس نے۔ اب حیران ہونے کی اظل کی باری تھی۔

''آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں؟ میرے ہوتے ہوئے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے گا آپ۔ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں کرنا تو مت کریں مگر اس طرح بات کر کے مجھے شرمندہ مت کریں۔ اس بات کا احساس مت دلائیں کہ میں آپ کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔'' وہ شاید برا مان گیا تھا۔ دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔

اور حین شاہ کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اس کا محسن تھا۔ واس کو ہرٹ ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

''میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ مگر ایک بات مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا مجھے واپس جانا ہے۔ آپ نے مجھے کیوں منع کیا تھا؟ میری اسٹڈی کا حرج ہو رہا ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔ بہت سے کام ادھورے ہیں ان کو پورا کرنا اب میری ذمہ داری ہے نا۔ امید ہے آپ سمجھ رہے ہوں گے۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم کیا سمجھتی ہو؟ آگاہ نہیں ہوں ان تمام باتوں سے؟ کیا تمہیں یاد دلانے کی ضرورت ہے؟ میں اس قدر نااہل تو ہرگز نہیں ہوں جتنا آپ مجھے سمجھ رہی ہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔

''کہاں..... جا رہے ہیں ہم؟'' اس نے پوچھا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ ڈرائیور مؤدب سا کھڑا تھا اس نے دروزہ کھولا تھا۔ مگر اظل نے اس کے ہاتھ سے چابی لے کر اسے جانے کا اشارہ کیا تھا پھر اس کی طرف مڑا تھا۔ اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اس کے بیٹھ جانے کا انتظار کیا تھا پھر دوسری طرف سے چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

''آپ نے بتایا نہیں کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ اتنی جلدی کوئی حتمی قدم اٹھا لیتا تھا وہ ہمیشہ حیران رہ جاتی تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا یا شاید وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ گاڑی میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ ایک گہری خاموشی اور حین نے نگاہیں باہر کے مناظر پر ٹکا دی تھیں۔ اچانک بارش شروع ہو گئی تھی۔

''سنیں گاڑی روکیں آپ۔'' اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا اور اس نے کسی معمول کی طرح گاڑی سائیڈ پر روک دی تھی اور سوالیہ نظروں سے حین شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا تھا اور تیزی سے اتری تھی اور اظل اس کے اس عمل پر حیران سا دیکھ رہا تھا۔ وہ بارش میں کھڑی ہاتھ پھیلائے بارش کے قطروں کو جمع کر رہی تھی۔

اظل تیزی سے باہر نکلا تھا اور اس کا ہاتھ تھام کر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''بارش کو بھی تمہاری خاموشی پسند نہیں آئی تبھی تو اس خاموشی کو توڑنے کے لئے بارش نے برسنا شروع کر دیا ہے کیونکہ ہم دونوں کے درمیان خاموشیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور فاصلے اپنی جگہ بناتے جا رہے تھے۔ لیکن بارش کو یہ تعرض منظور نہ تھا۔ اسے بیگانگی کچھ خاص بھائی نہیں تبھی تو آ گئی یوں اچانک اور اس خاموشی کو توڑ دیا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

"You don't know Hayyin Shah silence killing us silently and it is growing

like cancer. I want to say you... could you have my words that I might teah you... take my hand that I might reach you. But I know my words like silent rain drops fell... And echoed in the wells of silence... If you could heard words and replied me... Becuase I heard whispered in the sounds of silence...!"

وہ مدھم لہجے میں فسوں بکھیر رہا تھا۔دل کی حکایتوں کو زبان دے رہا تھا۔بارش کی آواز کے ساتھ اس کی مدھم سرگوشیاں مدغم ہو رہی تھیں۔

''تم جانتی ہو کیا حین شاہ مجھے تم بارش کے قطرے کی طرح لگتی ہو جو مشتری پر سے گرا ہے۔تم چلتی ہو تو بارش کی طرح لگتی ہو جیسی اچانک خاموشی کو توڑ کر ایک فسوں پھونک دیا ہو اور ان خاموشیوں کو زندگی مل گئی ہو۔بارش کے قطروں کی مدھم آواز ڈھیر ساری سرگوشیوں میں جانے کونسی داستانیں سنا رہی ہے اور میں گہری خاموشی میں تمہاری سانسوں کا ردھم سن رہا ہوں۔بارش کے ہر گرتے قطرے کے ساتھ تمہاری دھڑکنوں کا شور بڑھتا جا رہا ہے لیکن تمہاری آنکھوں میں ایک سلگتی ہوئی آگ ہے۔میں نہیں جانتا اتنی خفگی تمہارے اندر کہاں سے بھر جاتی ہے۔سارے اختیار رکھ کر بھی یہ بے اختیاری سمجھ میں نہ آنے والی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔آنکھوں میں ایک عجیب سی اضطرابی ٹھہر گئی تھی۔نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر ٹکائے اسے سطر سطر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت جوں کی توں قائم تھی جیسے اندر ایک جنگ چل رہی تھی۔

"I know there's war in your heart and mind with orchestra strings and notes made of fire which barn in the eyes like a truth from a liar. I want to ask how many wars wages in your head? have doubts in your brain like a seed of repulsion, which brings its own rain...!"

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور حین شاہ کی آنکھوں سے بارش ہو رہی تھی۔کوئی کسی کو کیسے جان سکتا ہے۔اتنی گہرائی میں چھپے شک وشبہات تک کیسے رسائی پا سکتا ہے جب کہ وہ خود سے بھی چھپا رہی تھی۔وہ ساکت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس نے کوئی تعرض نہیں برتا تھا۔شاید برستی بارش نے اس کی اندر کی کثافتوں کو دھو دیا تھا یا پھر حوصلہ کسی اور کی بدولت اس میں جاگا تھا۔مگر اس نے آنسوؤں کو چھپایا نہیں تھا یا پھر وہ جانتی تھی بارش اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔اس کی رازدار تھی پردہ پوشی کر رہی تھی مگر اس سے تو شاید کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔یہی بات حین شاہ کی خفگی کا سبب بن گئی تھی۔

''تم اس بارش جیسی ہو حین شاہ۔سارے موسموں کے خواص تمہارے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔تم جب چلتی ہو تو بے رخی دکھاتی ہو ایک بیگانگی بھر لیتی ہو آنکھوں میں اردگرد سے بے پرواہ دکھائی دیتی ہو۔جب چاہتی ہو تغافل بھری آنکھیں خیر خواہی سے پھیر دیتی ہو۔

آشنائی کے سارے رنگ دکھائی دینے لگتے ہیں اور پھر اچانک ہی بیگانگی کے رنگ ان تمام رنگوں پر غالب آجاتے ہیں۔تم چلتے ہوئے دور جانے لگتی ہو جیسے بارش کا ایک ٹکڑا برس کر سیراب کر دیتا ہے اور پھر نئے جہانوں کی تلاش میں کہیں اور طرف نکل پڑتا ہے۔تم ایسا کیوں کرتی ہو عین شاہ؟'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیوں میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ مجھ پر تحقیق کر رہے ہیں کیا؟ اتنی گہری نگاہیں لگائے بیٹھے ہیں۔ان کا مشاہدہ تو کافی زیادہ گہرا ہے۔مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے میرے تاثرات اگر بدلتے ہیں تو کوئی وجہ تو ہوگی نا۔اگر آپ جاننے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو یقیناً وجہ بھی آپ کو معلوم ہی ہوگی نا۔اگر وقت اور حالات اپنی اصلاحات اچانک بدل دیتے ہیں تو ان کے بدلتے رویوں سے مجھے فرق نہیں پڑنا چاہئے؟ کیا مجھے اس برتاؤ کا عادی ہو جانا چاہئے؟ جواز کوئی بھی ہو یا پھر بے جواز باتوں کو ایشو بنا کر کوئی خواہ مخواہ بھڑک اٹھے تو مجھے حدود میں مقید کر دے تو کیا کرنا چاہیے؟ مجھے یہ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنا چاہئے کیونکہ میں تنہا ہوں؟ کوئی بھی مجھ پر رعب جما کر مجھے مرعوب کر سکتا ہے؟ مجھے کمزور سمجھ کر اپنا فیصلہ مجھ پر مسلط کر سکتا ہے۔تو کیا مجھے دوسروں کے تسلط کے نیچے زندگی گزار دینی چاہئے یا پھر سر جھکا کر دوسروں کی کڑوی کسیلی باتیں سن لینی چاہئیں؟ کوئی اچانک آپ کو حقوق سے دستبردار کر دے اور پھر کوئی دعویدار ہے جو آکر بتا دے کہ جس پر حق جمانے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ تو کسی اور کی ملکیت رہ چکی ہے۔وہ سلطنت تو کسی اور کی تھی اور اس پر قابض ہونے کی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ایسے میں کیا کرنا چاہیے مسٹر اظل سہام مرزا بولیے۔جواب دیجئے؟'' وہ سراپا سوال کھڑی تھی

بارش میں بھیگتی ہوئی دھانی رنگوں سے مزین ڈریس کے ساتھ ماحول ہی کا کوئی حصہ لگ رہی تھی۔سلگتی ہوئی آنکھوں میں غصے کے رنگ تیر رہے تھے جیسے آسمان پر بارش برسنے کے بعد قوس وقزح کے سارے رنگ پھیل جاتے ہیں۔ایک کروی لائن بنا دیتے ہیں۔وہ بغور اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے اسے ایک ٹک دیکھتا جا رہا تھا اور عین شاہ نے خجلت سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔دوپٹہ کندھوں پر پھیلا کر درست کیا تھا۔وہ اسے اکسانا چاہتا تھا۔بولنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا تاکہ جو اس کے دل میں ہے وہ زبان پر آجائے اور ایسا ہی ہوا تھا۔وہ غلطی سے سب کہہ گئی تھی جو باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔جن باتوں نے اسے ہراساں کیا ہوا تھا اور اظل سہام مرزا اپنی کامیابی پر مسرور سا کھڑا تھا۔

''اتنے شکوے..... کس قدر شکایتیں رکھتی ہیں آپ۔اگر مجھے بتا دیا ہوتا تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا نا۔اگر میں آپ کو موسموں سے تشبیہ دیتا ہوں تو آپ خفا کیوں ہوتی ہیں حالانکہ یہ درست ہے آپ کا مزاج لمحوں میں بدلتا ہے۔میری بات بری لگی تھی تو صاف کہہ دیا ہوتا۔اس سے خود کڑھنا اچھا فعل تو نہیں ہے نا۔آئی ایم سوری اگر آپ کو برا لگا۔میرا مقصد ہرگز آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔میں آپ کو سمجھانا چاہتا تھا مگر آپ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہی تھیں تو مجھے ڈانٹنا پڑا۔مگر یہ غلط فہمی آپ دور کر لیں۔یہ تمہاری کم فہمی ہے۔میں کسی کی ملکیت ہرگز بھی نہیں ہوں۔جس کی ملکیت ہوں وہ تو اپنا حق جمانا بھی ضروری خیال نہیں کرتی۔لوگوں کی باتوں پر تو آپ آنکھیں بند کر کے اعتبار

کر لیتی ہیں اگر وہی بات میں ہزاروں زاویوں سے سمجھانے کی بار ہا کوشش بھی کروں تو آپ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتیں۔ اعتبار کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں وضاحتیں دے رہا تھا۔ اسے حقوق سے آگاہ کر رہا تھا۔ مگر اسے سرے سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ یا پھر انجان بننے کی کوئی کوشش تھی۔ اس کا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں کپکپا رہا تھا۔ اظل نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے کندھوں پر رکھ دیا تھا۔ بارش تھم گئی تھی۔ ہوا میں خنکی قدرے بڑھ گئی تھی اور اس کی وضاحتیں کچھ کام کر گئی تھیں یا پھر موسم کا اثر تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت برقرار نہیں تھی۔ مگر آنکھوں میں تغافل برقرار تھا۔

''ویسے دل پر آپ قبضہ جما سکتی ہیں۔ آپ تو کوئی ساحرہ لگتی ہیں مجھے۔ اگر کسی نے کہہ دیا احساس دلایا کہ کسی پر قابض ہو گئی ہیں تو خفا ہونے والی کوئی بات ہی نہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک چمک اچانک بڑھ گئی تھی۔

''حیرت ہے آپ دل کی بات کر رہے ہیں حالانکہ وہ جو کوئی بھی تھی آپ کی رشتہ دار وہ تو کہہ رہی تھی آپ کے پاس تو دل ہی نہیں۔ آپ مصنوعی دل رکھتے ہیں نا پھر آپ کسی کے احساسات سے کیسے سمجھنے کے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہ فعل کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اس کو تر کی بہ تر کی جواب دے کر لاجواب کر دینا چاہتی تھی تو وہ کامیاب بھی ہوئی تھی۔

اظل سہام مرزا کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور حسین شاہ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ اس طرح ہنستے ہوئے اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

''تم نہیں جانتی ہو۔ محبت جب بے توجہی دکھاتی ہے، بیگانگی سے رخ پھیر لیتی ہے تو prosthesis اپنی دھڑکنیں کھو دیتا ہے۔ ساکت سا ہو جاتا ہے۔ چپ چاپ سادم سادھ لیتا ہے۔ ایک ٹک محبت کو دیکھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آنکھیں تھکنے لگتی ہیں۔ دل کے قدم زمین کے ساتھ بندھ جاتے ہیں۔ جم جاتے ہیں۔ لیکن وہ متزلزل لرزتے قدموں کے ساتھ چلنے کی کوشش میں جت جاتا ہے۔ وہ یاسیت بھری نگاہوں سے کسی معجزے کے ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ وہ ایک نگاہ کرے اور prosthesis دل اس کی توجہ سے ایسی نگاہ کی حرارت کی حدت پا کر دھڑکنے لگے۔ میرا prosthesis جانتا ہے یہ کسی طور ممکن نہیں ہے مگر خوش فہم آس لگائے منتظر رہتا ہے۔ معجزوں پر یقین کرنا شروع کر دیتا ہے۔ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔'' مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

حسین شاہ کی دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا مدھم لہجہ سرگوشیوں جیسا تھا۔ آنکھوں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''اور اب تو اور یقین آنے لگا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں تمام بھیدوں کے انبار لگے ہوئے ہیں جان گیا ہوں کہ راستہ تو یہی ہے جو منزل کی طرف جاتا ہے۔ پھر اگر میرا دل مصنوعی بھی ہے تو کیا حرج ہے تمہارے پاس تو وہ اسم ہے نا جس اس مصنوعی دل کو بھی زندہ حقیقت بنا کر زندگی دے سکتی ہو۔ شاید میری رشتہ دار کو اس دل میں زندگی کی رمق نظر آ گئی تھی تبھی تو وہ خائف ہوئی تھی اور تم بجائے خوش ہونے کے برا مان گئی تھیں۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔ آج شاید اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ تمام رازوں سے پردہ اٹھا دینا تھا۔

''آپ ہمیشہ پہیلیوں میں ہی باتیں کرتے ہیں؟ اتنی مشکل باتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ کہ میں کم فہم ہوں۔ آپ

کی باتیں میرے سر پر سے گزر جاتی ہیں؟ کیا میں سمجھ نہیں سکتی اصل معاملہ کیا ہے؟ یا پھر میں آپ کو بیوقوف لگتی ہوں کہ آپ کی بے ربط باتوں کو حقیقت سمجھ کر، ان باتوں کی سمت تلاش کر کے ان نئے معنی دے دوں گی؟ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آنکھوں دیکھی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ چاہے اس حقیقت کے پیچھے توجیحات کتنے ہی مختلف رنگ لیے ہوئے ہوں۔'' دھیمے لہجے میں اس کے خدشات بول رہے تھے۔ اس کو ان وضاحتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''آپ..... تم ایک بات کو طول دے کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو ھین شاہ؟ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اسے کم فہمی ہی کہتے ہیں۔ تم حقیقت سے نگاہیں چرانا چاہتی ہو بس۔ یہی بات سچ ہے۔ تم ڈرتی ہو، خوفزدہ ہو۔ تم کمزور ہو اور ماننے سے ڈرتی ہو۔'' اس نے پینترا بدلا تھا۔ اسے چڑا رہا تھا۔ اسے اکسا رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں بزدل کہہ کر اسے جتا رہا تھا۔ اسے اس کے موقف سے الجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ بول کر اندر کا غبار نکال دے۔ اگر وہ نہیں بولتی تو اندر ہی اندر گھلتی رہتی تھی۔ یہ اسے ہرگز قبول نہیں تھا۔

''وہ گریزاں سی کھڑی تھی مگر آنکھوں میں تغافل کچھ اور بھی بڑھ گئے تھے۔ اس نے ایک نظر اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو آپ؟ بے جواز باتوں کو جواز بنا کر حقیقت کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ اور مجھے کمزور ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ میں کسی بات سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں کسی چیز سے نہیں ڈرتی ہوں۔ میں کمزور ہرگز نہیں ہوں۔'' وہ جتا رہی تھی۔ خود کو مضبوط ثابت کرنے کے لئے اس کے سامنے خود اعتمادی سے کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ یوں مسکرایا تھا جیسے دانا کسی نادان بچے کی بات سن کر مسکراتا ہے۔

''آپ نہایت ہی الجھے ہوئے انسان ہیں اور الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ آپ ریاضی کا کوئی مشکل سوال لگتے ہیں مجھے۔ کوئی الجھا ہوا قصہ۔ اس کے ورق ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہوں اور اس کو پڑھنے کے لیے اس کی ترتیب مکمل کرنا ضروری ہو۔ عجیب بے ربط باتیں کر کے ربط بنا چاہتے ہیں مگر یہ ممکن نہیں ہے۔'' مدھم لہجے میں الجھاؤ مزید بڑھ گیا تھا۔ جیسے وہ الجھتی جا رہی تھی مگر اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ اس کا گہرا تجزیہ اظل سہام مرزا کو مسرور کر گیا تھا۔ وہ لاتعلقی میں بھی تعلق بنائے ہوئے تھی۔ یہ بات اطمینان بخش تھی۔

"Do you know what Hayyin Shah? I think you have Pistanthrophobia. It seemed you have the fear of trust, yes I thought so you are scared. It's an actual phobia.

وہ مدھم لہجے میں اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حتمی رائے دے رہا تھا اور ھین شاہ حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حیرت سے اس کی نگاہیں کچھ اور بھی کھل گئی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

I know trust is a thing that's hard to earn yet easy to break. It's fragile, it's a leap of faith. It's a

terifying thing to allow yourself to be vulnerable open up to someone else... but you know while you down all those walls you put up and who then your raw personality?"

وہ مدھم لہجے میں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور جانچ رہا تھا۔ پرکھ رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا پھر کہنے لگا تھا۔

"I would must say is one of the most terifying and hardest things when it comes to love..."

وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔ اسے احساس دلانے کی کوشش تھی کوئی مگر وہ برا مان گئی تھی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ کچھ ایسا ہے۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں اور مجھے کوئی فوبیا نہیں ہے۔ مگر بھروسہ جیتنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ کسی کا بھروسہ تب ہی جیتا جا سکتا ہے جب کوئی قابل قدر Effort لگائی ہو۔ وہ بھی صحیح سمت میں مگر جب راستے کی سمت توڑ موڑ کر الجھا اسے گنجل کر دیا جاتا ہے تو ایسے میں اعتبار کی سیڑھیاں چڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب رکاوٹیں راستے میں حائل ہوں تو منزل تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ جاں گسل لمحات ہوتے ہیں۔ ساری جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے میں اعتبار کرنا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ خرد گریزاں ہوتی ہے۔ آگے بڑھنے سے ڈرتی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں توجیحات پیش کر رہی تھی۔

"It natural phenomena though you shoudl must know... If you want to be earn my trust you should to build it up and make a way as relations have to be built on trust. You have to fabricate an exhaust system."

دھیمے لہجے میں جتا رہی تھی۔ وہ حتمی رائے کو جھٹلا رہی تھی۔ اپنا نظریہ اس کے سامنے رکھ کر اس کے نظریئے کو رد کر رہی تھی۔

''لگتا ہے آپ کا دماغ پوری طور پر چلنا شروع ہو گیا ہے۔ سوچ رہا تھا ایسا کیا کروں کہ آپ کو پھر سے پہلے جیسا کر دوں۔ موسم بھی میرا ہمنوا ہو گیا ہے۔ بارش نے برس کر اندر کی ساری کثافتوں کو بہا دیا ہے۔ آپ کی آنکھوں کی روشنی قدرے بڑھ گئی ہے۔ ذہانت کی چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی ہے اور اس کے سارے راز صاف نظر آنے لگے ہیں۔ سارے بھیدوں نے باہر آنے کا راستہ بنا لیا ہے۔ تمہاری آنکھوں سے نکلتی شعاعیں میری آنکھوں تک منتقل ہو رہی ہیں اور میں ان آنکھوں میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔ تم کوئی ساحرہ ہو یا جادوگرنی ہو۔ کونسا اسم ہے جس سے اپنے سحر میں مقید کرنے کی کوشش میں جت گئی ہو۔ میرا بچنا محال لگ رہا ہے۔ اب اگر کوئی اور بھی جان گیا ہے اور بدلتے موسموں سے پہچان گیا ہے تو تمہیں اس قدر برا کیوں لگ رہا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ تجزیہ کمال کا تھا۔

اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ عین سے زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا اور اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے چہرہ جلنے لگا تھا۔ اس سے مزید کھڑا ہونا محال لگ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے وہ گرتی اس نے

اسے بانہوں میں سنبھال لیا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ ہولے ہولے کپکپا رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو نا ھین؟ آنکھیں کھولو۔ میری طرف دیکھو۔ کیا ہو گیا؟'' وہ بے قراری سے اسے پکار رہا تھا۔ اس کی جیسے جان پر بن گئی تھی۔ اس نے تیزی سے اسے اٹھایا تھا اور گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ اسے سیٹ پر بٹھا کر سیٹ بیلٹ باندھا تھا اور پھر دروازہ احتیاط سے بند کرنے کے بعد دوسری طرف آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے تارکول سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ اس نے جیب سے فون نکال کر کوئی نمبر ملایا تھا۔

''انکل باسط پانچ منٹ میں گھر آ جائیں پلیز۔ ھین کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔'' اس نے کہا تھا اور عجلت میں فون بند کر کے اس کی سمت دیکھا تھا جو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل بند تھیں۔

''ھین پلیز آنکھیں کھولو۔ آئی ایم سوری تمہیں بے وجہ پریشان کیا، ہراساں کیا۔ میں بالکل کورا ہوں ان معاملات میں۔ تمہیں خفا کر دیا۔'' وہ مدھم لہجے میں کوئی درخواست کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف جواب ناپید تھا۔ شاید اس رشتے کا احساس تھا یا پھر کچھ اور وجہ..... اس کی جان پر بن آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب زندگی اچانک تھمنے لگتی ہے۔ زندگی اپنی سانس روک لیتی ہے سب وہ لمحات جاں گسل ہوتے ہیں۔ دشوار گزار ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ چلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا ھین شاہ کو احتیاط سے بیڈ پر لٹایا تھا اور اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

تبھی دادا جان بے قراری سے اندر داخل ہوئے تھے اور اس کی طرف بڑھے تھے۔

''کیا ہو گیا میری بچی کو؟ تم نے کیوں کیا ایسا؟ ایسی غلطی کر بھی کیسے سکتے ہو تم؟ تم جانتے ہو نا کتنی حساس بچی ہے۔ اس کی طبیعت خراب تھی۔ ابھی پوری طرح صحت مند نہیں ہوئی۔ اس پر پے در پے آفات اس پر آ پڑی تھیں اور اس پر وہ تمہاری کزن اس نے آ کر بچی کو کھری کھری سنا دیں۔ کل کو آئی تھی میرے پاس جانا چاہتی تھی۔ میں نے اسے ٹال دیا کہ تم اس سلسلے میں اظل سے بات کرو۔ وہ جو بھی فیصلے لے گا وہ ہمیں قبول ہو گا۔ اس پر وہ خائف سی چلی گئی تھی۔ میں جانتا تھا وہ پریشان تھی اور تم نے اسے مزید پریشان کر دیا۔ اس کو کیوں بلایا تم نے اظل سہام مرزا؟ وہ اسے ڈپٹ رہے تھے اور وہ سر جھکائے تمام ڈانٹ کو سن رہا تھا۔

''میں نے اسے نہیں بلایا دادا جان آپ جانتے ہیں نا وہ صرف میری اچھی دوست ہے۔ میں نے اسے کوئی حق نہیں دیا کہ وہ ھین شاہ سے اس کی انداز میں بات کرے۔ ہم ڈاکٹر باسط سے مل کر آ رہے ہیں انہوں نے کہا ہے جلد ہوش میں آ جائیں گی۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اور بارش میں بھیگ جانے کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔ غلطی میری ہے میں نے اصرار کیا تھا اسے باہر لے جانے کے لئے

مگر.....'' وہ دھیمے لہجے میں وضاحت دے رہا تھا۔

''آپ تو تمام حقائق سے آگاہ ہیں دادا جان۔ میرے ایک ایک لمحے سے آپ واقف ہیں۔ میری زندگی میں کب کیا ہوا آپ سے تو کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ آپ تو جانتے ہیں نا میں نے کبھی دل نہیں ہارا۔ کبھی محبت کے احساس نے مجھے نہیں چھوا اور نا ہی اس احساس کو کبھی برتا ہے میں نے۔ مگر جب سے اس سے ملا ہوں، اسے دیکھا ہے، دل ہار گیا ہوں۔ دل نے تو اس لمحے بغاوت کر دی تھی، خرد کی انگلی چھوڑ کر انجان راہوں پر چل نکلا تھا۔ اپنی من مانی کرنی شروع کر دی تھی دل نے اس روز جب اس نے اسے دیکھا تھا۔ اسی دن سے شکست خوردہ سا پھر رہا ہے۔ اسی لمحے سے گھٹنے ٹیک کر سفید پرچم لہرا دیا تھا مگر وہ کتنی خونخوار ہے آپ تو جانتے ہیں۔ چہرے سے جتنی بھولی بھالی لگتی ہے قطعی نہیں ہے۔ آپ کے ہونہار پوتے کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ مات دے کر بھی معاف کرے کا نام نہیں لے رہی۔ اور آپ ہیں آپ کو اپنے پوتے کی بے بسی تو دکھائی ہی نہیں دیتی۔ اس معصوم ہرنی کے لیے کیسے تڑپ رہے ہیں۔'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے دادا جان کو دیکھتے ہوئے بے بسی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ تاویلیں دے رہا تھا۔

اور دادا جان اس کی دہائی پر مسکرا دیئے تھے۔ اس کی طرف نگاہ کی تھی جو اطمینان سے سانس لے رہی تھی۔

''تم بھی تو اکڑفوں بنتے تھے نا۔ تمہیں کوئی ایسا ہی ملنا چاہئے تھا جو تمہیں چاروں شانے چت کر دے۔ تمہیں محبت کا احساس سونپ کر تمہیں اس احساس سے آشنا کر دے۔ میں خوش ہوں میرے بچے تمہیں ایک بہترین لڑکی ملی جو تمہاری جیون ساتھی بنی۔ تمہاری دادی جان تمہاری پھپھو سے ملنے کے لیے گئی ہوئی ہیں۔ انہیں منانے کے لئے گئی ہیں ورنہ وہ تمہاری خوب کلاس لیتی۔ تب تمہیں پتہ چلتا اصل میں ڈانٹ کیا ہوتی ہے۔ تم ہمیں عزیز ہو مگر یہ بچی تم سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔ تمہارے حوالے سے یہ اور بھی اہم ہو گئی ہے۔ اس کو کبھی کوئی دکھ مت دینا۔ کبھی کسی تکلیف سے اس کا سامنا نہ ہونے دینا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''اگر کبھی وہ دکھی ہوئی تو میں بھی دکھ سے دوچار ہو جاؤں گا۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں باور کروایا تھا۔

''وہ مجھے بھی عزیز ہے دادا جان۔ میں جانتا ہوں۔ اب حالات سے واقف ہوں۔ وہ اعتبار کرنے سے ڈرتی ہے۔ اسی بات نے خفا کر دیا تھا مجھے مگر وہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار ہرگز نہیں تھی۔ بہت ضدی ہے وہ۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اسد نے زندگی میں ایک ہی اچھا فیصلہ کیا ہے جس سے میں خوش ہوں ورنہ اس کے بہت سے فیصلوں سے مجھے ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ خاص طور پر اس کی دوسری شادی کا فیصلہ۔ وہ خاصا غلط تھا مگر اب جو ہو چکا ہے اس کو بدلا تو نہیں جا سکتا۔ اس لیے آنے والے وقت کو اچھا بنایا جا سکتا ہے۔ ایک دو دن میں تمہاری ماں اور بہن اور بھائی آ رہا ہے۔ تمہاری پھپھو مان جائے تب پھر تمام رسمیں دھوم دھام سے کریں گے۔ حسین کی طبیعت بہتر ہوئی ہے تو اس کو لے کر حیدر شاہ کے گھر جانا اس سے وعدہ کیا تھا۔'' انہوں نے یاد دہانی کروائی تھی۔ تفصیلاً پلان بنایا تھا۔

''جی ضرور دادا جان۔ یہ ٹھیک ہو جائیں تو لے کر جاؤں گا انہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''چلو میں چلتا ہوں۔ تم بھی جا کر آرام کرو امین یہیں ہے وہ ھین کا خیال رکھے گی۔ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اپنا خیال رکھا کرو بچے۔ تم نے خود کو اس قدر مصروف کر رکھا ہے کہ کچھ خیال ہی نہیں۔ اب تم تنہا نہیں ہو۔ ذمہ دار ہو جاؤ۔ ایک لڑکی کی زندگی تم سے جڑ چکی ہے۔ اس کی خوشیاں، اس کا سکون، اس کے دکھ درد ہر تکلیف میں تمہیں اس کا ساتھ دینا ہے۔ زمانے کی ہر سرد گرم سے بچانا ہے۔ اب تو تمہیں اور بھی زیادہ الرٹ رہنا پڑے گا۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے۔ وہ اچھا کرتی ہے کسی پر یوں اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کچھ وقت درکار ہے۔ ایک تسلسل سے واقعات وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ کس کرب سے گزری ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ کھڑی دھوپ میں آ گئی ہے میری بچی۔ اس کو دیکھ کر دل ہول جاتا ہے۔ بہت بہادر ہے اور اقدار سے گندھی ہوئی ہے۔ اس کو کچھ ہوا تو تم مجھے کھو دو گے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے تھے۔ وہ ان کے دل کی اس قدر قریب تھی۔ اظل سہام مرزا حیران رہ گیا تھا۔ اٹھا تھا اور ان کے گلے لگ گیا تھا۔

''پلیز دادا جان آپ نے ایسا کیوں کہا؟ آپ کو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ اپنے اظل کو جانتے نہیں ہیں کیا؟ آپ تو جانتے ہیں اپنی زبان پر کٹ مرنے پر تیار رہتا ہوں۔ اپنی اقدار سے واقف ہوں۔ جو کہہ دیا وہ بھی عمر بھر نبھاتا ہوں۔ وہ مجھے بھی عزیز ہے۔ اس کے آگے ڈھال بن جاؤں گا۔ زندگی بھر کبھی اسے کسی تکلیف سے گزرنے نہیں دوں گا۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا دادا جان اور نا ہی اسے۔'' مدھم لہجے میں ایک عزم تھا۔ یقین دہانی کروا رہا تھا۔

''جیتے رہو میرے بچے۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ بس ذرا جذباتی ہو گیا ہوں۔'' انہوں نے کہا تھا اور باہر کی طرف بڑھے تھے۔

اور اظل نے اس دشمن جاں کو دیکھا تھا جو اسے اتنی ڈانٹ پڑوانے کے بعد پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تھا پھر اس پر جھک کر کمبل درست کیا تھا۔ ماتھے پر ہاتھ لگا کر بخار چیک کیا تھا۔ پھر AC کی کولنگ تھوڑی بڑھائی تھی اور پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''یہ میں کیا سن رہی ہوں اسد سہام مرزا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے سہام مرزا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''ثابت کر دیا آپ نے کہ میں سوتیلی ماں ہوں۔ اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ خود ہی لے لیا میرا یہ ہونا تو دور کی بات مجھ سے رائے یا مشورہ لینا بھی گوارا نہیں کیا۔ آپ نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ کم از کم مجھے بتا دیا ہوتا۔ مجھ سے ایک بار تو پوچھ لیتے وہ میرا بھی تو بیٹا ہے۔ میں نے اسے کبھی سوتیلا نہیں سمجھا۔ اسے ہمیشہ اپنے سگے بیٹے جیسا ہی سمجھا تھا۔ میں نے اسے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ اس کی ماں نہیں ہے۔ مگر حقیقتاً مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔ ایک خلش سی دل میں ہمیشہ برقرار رہے گی۔ ایک پھانس

کی طرح دل میں کھب گئی یہ بات۔ ساری عمر ایک ملال میں گزرے گی۔'' ان کا لہجہ پر ملال تھا۔ دھیمے لہجے میں افسوس تھا۔

''مجھے کسی اور سے شکوہ نہیں ہے صرف شکایت ہے تو صرف آپ سے۔ آپ نے مجھے پرایا کر دیا ہے۔ گھر کے بڑے بیٹے کی شادی..... میرا مطلب ہے نکاح اور مجھے ہی شامل نہیں کیا گیا۔ مجھے ایک کال کر سکتے تھے نا؟ میں خود چلی آتی مگر آپ نے تو لمحوں میں مجھے احساس دلا دیا کہ میرا رشتہ کیا ہے۔ مجھے احساس دلا دیا کہ تمہاری زندگی میں میری اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے ورنہ یوں تنہا فیصلہ کبھی نہ کرتے۔ اتنے سالوں سے رشتے طے کیا تھا اور مجھ سے چھپایا۔ مجھ سے الگ رکھا ان معاملات کو۔ مجھے خبر تک نہیں ہونے دی۔ تم نے تو میرا دل ہی توڑ دیا۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کر رہی تھیں۔ کتنی شکایتیں تھیں ان کے دھیمے لہجے میں۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے تمہیں الگ نہیں کیا۔ تم اظل کی ماں ہو۔ وہ بھی تمہیں اپنی ماں سمجھتا ہے مگر یہ رشتہ میں نے بچپن میں طے کیا تھا جب ماہ نور زندہ تھی۔ تب یہ اس نے فیصلہ کیا تھا۔ ہم دونوں نے شایان اور حسنہ بھابھی کے گھر وزٹ کیا تھا۔ تب حین شاہ ایک سال کی تھی نہایت کیوٹ اور پیاری سی۔ ماہ نور کے دل میں جانے کیا سمائی اپنے گلے سے Pendant اتار کر حین کے گلے میں پہنا دیا تھا اور حسنہ بھابھی اور شایان سے کہہ دیا کہ آج سے یہ ان کی بیٹی ہوئی۔ تب بات آئی گئی ہو گئی تھی۔ اس بات کے بعد زندگی نے اسے مہلت نہیں دی کہ وہ دوبارہ جاتی تب پھر کتنے سال تک تو میں زندگی سے دور رہا۔ ان کے یہاں بھی وزٹ نہیں کیا مگر جب تم سے ملا اور تم میری زندگی میں آئیں تو جانے کیسے میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا حالانکہ میں نے دوسری شادی کا کبھی نہیں سوچا تھا مگر تم سے ملنے کے بعد خود کو روک نہیں سکا۔ تم میرے گھر آئیں تو میرا گھر میری فیملی مکمل ہو گئی۔ تم نے میرے گھر کو سجایا سنوارا۔ اسے پھر سے گھر بنایا۔ تم نے ہماری ضروریات کو پورا کیا، ہر ایک کا خیال رکھا۔ تم اہم ہو، میرے لئے اور فیملی کے لئے۔ یہ سب اتنا اچانک ہو گیا کہ بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اگر طے کیا جاتا تو میں تمہیں ضرور بتاتا۔ اب تم ان باتوں کو بھول جاؤ اور اپنی ساری خوشیاں پوری کر سکتی ہو۔ سب کچھ تمہاری مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ جو تمہارے فرائض ہیں انہیں صرف تم ہی پورا کرو گی۔ تمہارا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ خطا میری ہے جو تمہیں آگاہ نہیں کر سکا مگر صورتحال ہی ایسی ہو گئی تھی کہ بتا نہیں سکا۔'' امید ہے تم اس بات کو سمجھو گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ اپنی غلطی مان رہے تھے۔ انہیں سمجھا رہے تھے۔

''اپنا موڈ درست کرو اور اظل سے ملو۔ اس کی منکوحہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم ملو گی تو تمہیں اچھا لگے گا۔ بہت ہی اچھی بچی ہے۔ وہ ٹھیک ہو جائے تو پھر تمام رسمیں دھوم دھام سے کریں گے۔'' وہ آگاہ کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی شریک حیات کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور اس کی طرف دیکھ کر دھیمے سے مسکرائے تھے۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے نا۔ اب خفا تو نہیں ہونا؟'' انہوں نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور انہوں نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں آپ سے خفا تو نہیں ہوں۔ ہو بھی نہیں سکتی۔ بس برا لگا تھا لیکن خیر جانے دیں۔ ابھی تو بہت وقت ہے۔ بہت سے مواقع آئیں گے۔ میں اپنے سارے ارمان پورے کرلونگی۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر مسکرادی تھیں اور اسد سہام مرزا نے ایک گہرا اطمینان کا سانس لیا تھا کہ بالآخر وہ اپنی شریک حیات کو مطمئن کرنے میں کامیاب رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں کبھی کیسے کٹھن لمحات آتے ہیں جب لگتا ہے کہ سانس رک گئی ہوں۔ ساکت ہوگئی ہوں اور دل نے دھڑکنا بند کردیا ہو۔ ایک لمحے میں دنیا زیر زبر ہوجاتی ہے۔ ایک ہلچل سی اندر باہر مچ جاتی ہے مگر زندگی کے وہ لمحے جان گسل ہوتے ہیں۔ جان مشکل میں پڑجاتی ہے۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب رامین نے اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا اور بتایا تھا کہ ھین کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی اور اسے لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل رہی تھی۔ جیسے ایک لمحے کے لیے دل ساکت ہوگیا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے کمرے میں پہنچا تھا اور اس کے ماتھے کو چھو کر محسوس کیا تھا۔ بخار کی حدت بڑھی ہوئی تھی۔ وہ گہری غنودگی میں بڑبڑا رہی تھی۔ اظل نے بے قراری سے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔ اسے پکارا تھا۔

''ھین آنکھیں کھولو۔ میری طرف دیکھو۔ کیا ہوا ہے۔ تم ایسے کیسے ہمت ہار سکتی ہو۔ اس قدر کمزور کیسے ہوسکتی ہو تم؟'' مدھم لہجے میں بے قراری تھی۔

اور اس کی درخواست مستجاب ہوگئی تھی شاید۔ ھین نے نگاہ اس پر کی تھی مگر اس ایک نگاہ میں کتنے شکوے تھے۔ کتنی شکایتیں تھیں۔ سرخ انگارہ آنکھیں۔ ایک لمحے کے لئے اسے دیکھا تھا اور آنکھیں پھر موند لی تھیں۔ ان آنکھوں میں گہرا اضطراب تھا اور اظل کو ایک ملال نے گھیر لیا تھا۔

"Hayyin Shah, why so crestfallen? What happened to you? Could you tell me the actual reason? Do not do this to me. I'm dying inside."

وہ مدھم لہجے میں درخواست کررہا تھا۔

''اٹھو ھین میڈیسن کھاؤ پہلے پھر سوجانا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجہ تحکم بھرا تھا۔

اس نے سر نفی میں ہلادیا تھا۔

''نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کھانا۔ مجھے سونے دو۔'' وہ صاف انکاری تھی۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

''وہ مجھے سونے نہیں دیتا۔ اس کی باتیں مجھے پریشان کرتی ہیں۔ وہ بہت عجیب ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں شکایتیں کررہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے دھیمے لہجے میں گہرا اضطراب تھا۔

''کون؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ دیو ہے کوئی۔ مجھے اپنی قید میں کر رکھا ہے۔ کہتا ہے میں ڈرتی ہوں۔ کمزور ہوں۔ وہ سمجھتا ہے مجھے فوبیا ہے۔ اسے خبر نہیں وہ کم فہم سمجھتا ہے مجھے۔ حالانکہ کم فہم تو وہ خود ہے۔ جانتا ہی نہیں کہ یہ سب آسان نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور اظل سہام مرزا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ کس کی بات کر رہی تھی۔

''تم اسے سمجھاتے کیوں نہیں ہو۔ کتنا پر غرور لہجہ ہے نا اس کا۔ کتنا تکبر کرتا ہے نا وہ۔ سمجھتا ہے پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں اس کی ملکیت ہوں۔ وہ مجھ پر بھی حکمرانی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اسے خبر نہیں کہ دلوں کو جیتنا آسان نہیں ہے۔ یہ تو ایک جاں گسل فعل ہوتا ہے۔ انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جاتی ہیں۔ وقت تحمل کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ محبت کو زیر کرنے کے گر سیکھنے نہیں پڑتے۔ محبت اپنے آپ جکڑ لیتی ہے۔ اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے۔ ہلنے تک کی سکت نہیں چھوڑتی۔'' وہ مدھم لہجے میں تاویلیں دے رہی تھی۔ دلیلیں دے رہی تھی۔ محبت کے اسباق اسے ازبر کرا رہی تھی۔

وہ بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سن رہا تھا۔ پوری جان سے متوجہ تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ ازبر کر رہا تھا۔ روح میں اتار رہا تھا۔ وہ کتنی بے تکلفی سے بول رہی تھی اس کے بارے میں تجزیہ پیش کر رہی تھی۔ کتنی خائف تھی۔ اس دل میں کتنے شکوے لئے ہوئے تھے مگر یہ ضروری تھا۔ اس کا غبار نکلنا ضروری تھا۔

''پھر کیا ضروری ہوتا ہے؟ تم اس دیو سے خوفزدہ ہو؟'' اس کو محبت کے اسلوب کیوں نہیں سکھاتی ہو تم؟ تم تو محبت سے مل چکی ہو نا؟'' وہ مدھم لہجے میں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ چپ ہو گئی تھی اور اظل کو لگا تھا جیسے چاروں اطراف ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

''جواب دو۔ کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا تھا۔ وہ اس کی خاموشی سے خائف ہو رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ جانے کس بارے میں انکاری تھی۔

''نہیں اس سے نہیں ڈرتی مگر وہ سمجھتا ہے۔'' اس نے گویا وضاحت دی تھی۔

''شاید وہ تم سے محبت کرتا ہے۔'' اس نے مدھم لہجے میں انکشاف کیا تھا۔

اور ھین شاہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''نہیں وہ محبت نہیں کر سکتا۔'' اس نے حتمی رائے دی تھی۔ اس کے کہے کو منسوخ کر دیا تھا۔

''کیوں؟ تمہیں کیوں لگتا ہے؟ وہ محبت کیوں نہیں کر سکتا؟'' اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔ سوالیہ نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر ٹکا دی تھیں۔

''وہ دیو ہے نا۔'' اس نے فیصلہ سنایا تھا۔ عجیب توجیح پیش کی تھی۔

''تو دیو کسی پری کی محبت میں گرفتار نہیں ہوسکتا کیا؟ اسے محبت کرنا ممنوع کیوں قرار دے دیا تم نے؟'' اس نے دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اس نے میرے پر کہیں چھپا دیئے ہیں نا۔'' وہ خائف تھی۔ کتنے شکوے تھے اس کے مدھم لہجے میں۔

''اگر وہ تمہارے پر تمہیں لوٹا دے گا تو تم خفا نہیں ہونگی نا؟ پھر اس کی محبت پر اعتبار کرلوگی نا؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اور اس کی گہری سرمئی آنکھوں میں اضطرابی کا احساس تیرنے لگا تھا۔

''وہ کہتا ہے مجھے فوبیا ہے اعتبار نہ کرنے کا۔ وہ بیوقوف ہے۔ نہیں جانتا کہ اعتبار کیا نہیں جاتا، ہو جاتا ہے۔ اسے تو دوستی کے اسلوب بھی نہیں آتے۔ عجیب اکڑو سا ہے۔ جن جیسا۔ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔'' مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔

''تم سکھا کیوں نہیں دیتیں اسے محبت کے اسلوب۔ ازبر کیوں نہیں کرا دیتیں اسرار و رموز جن سے وہ نا آشنا ہے۔ تم اسے بتا کیوں نہیں دیتیں۔ اگر اسے ادراک نہیں ہوتا تو تم تدارک کیوں نہیں کرتیں۔ تم قصداً نظر انداز کر رہی ہو یا پھر ارادتاً اس کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی؟ اسے نظر انداز کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ اگر وہ ان تمام اسرار و رموز سے نا آشنا ہے، بے بہرہ ہے تو۔ اگر وہ نہیں جانتا یہ محبت سے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے۔ اگر وہ محبت کے اسم سے آگہی نہیں رکھتا۔ اگر وہ انجان ہے تو تم اس کے راستے آسان کیوں نہیں کر دیتیں۔ اس کی محبت اگر ادھر ادھر بھٹک بھی جاتی ہے تو تم مشعل بن کر اس کی رہنمائی کر سکتی ہو نا۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔ اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی سوچیں الجھ گئی تھیں۔ مگر اس کی الجھی اور بے ربط باتیں ان تمام الجھے ہوئے مسائل کو سلجھا رہی تھی۔ اسے نئے راستے دکھا رہی تھی۔

وہ اسے میڈیسن کھلا کر اطمینان سے بیٹھ گیا تھا۔ پھر سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے کناروں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس نے گلے میں پڑا اپینڈنٹ مضبوطی سے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''تم چپ کیوں ہوگئی ہو؟ کچھ بولو نا۔'' اسے خاموشی سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ شاید میڈیسن کی وجہ سے غنودگی میں تھی۔ اس نے متوجہ کرنے پر آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

سرمئی آنکھوں میں اضطراب تھا۔ ایک سرد سا احساس تھا جیسے گلیشئر پگھل کر سمندر میں طغیانی مچا رہے تھے۔

''تمہاری آنکھوں میں جو سرد گلیشئر جامد ہو گئے۔ ایک سرد سا احساس برپا کر دیا چاروں اور۔ وہ خدشات کے گلیشئر خوف کی حدت سے پگھل رہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ گلیشئر پگھلتے رہے تو ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ سمندروں میں طغیانی آجانے سے ایک طوفان آنے کا اندیشہ بڑھتا جا رہا ہے۔ لگتا ہے یہ سیال اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مجھے تو سوچ کر ہی جان

مشکل میں پڑنے لگتی ہے۔اس طوفان کا سامنا کرنے کی ہمت ناپید ہونے لگی ہے۔'' مدھم لہجے میں کمال کا تجزیہ کیا تھا۔ وہ دھیما لہجہ سرگوشیاں کر رہا تھا۔

اس نے سرمئی آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔نمکین سمندر کناروں سے باہر نکل رہے تھے۔ان کے بہاؤ میں مزید روانی آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر قیمتی موتیوں کو پوروں پر چنا تھا۔ان کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔ان انمول موتیوں کو بے مول کیسے ہونے دے سکتا تھا۔متاع حیات کی طرح سنبھال لیا تھا۔

''اک خطا کی اتنی بڑی سزا..... یہ تو ناانصافی ہے حسین شاہ۔خود کو اتنی اذیت دے کر مجھے سزا دے رہی ہو۔اتنی الجھی الجھی سی مجھے بھی گنجل کر رہی ہو۔میں تو ان الجھاووں میں الجھتا جا رہا ہوں۔سلجھنے کا راستہ ہی سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔آنکھوں میں ایک اضطراب ٹھہر گیا تھا۔

وہ خاموش تھی۔شاید سو گئی تھی۔کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔ایک یخ بستگی کا احساس اندر تک سرایت کر گیا تھا۔اظل سہام مرزا نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔بخار قدرے کم ہو گیا تھا۔تبھی شاید وہ پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔

اس نے اُٹھ کر کولنگ تھوڑی کم کی تھی۔اس کے اوپر کمبل درست کیا تھا۔اس کے چہرے پر سے الجھی ہوئی لٹ کو ہٹایا تھا اور نگاہیں اس کے چاند سے چمکتے چہرے پر ٹکا دی تھیں۔رات آنکھوں میں بسر ہونے والی تھی اس کا اندیشہ تھا۔مگر اسے اندازہ تھا جان گسل لمحات دشوار ترین ہونے والے تھے۔

☆.....☆.....☆

رات آنکھوں میں کٹ جانا کسے کہتے ہیں یہ اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔وہ اس کی بے ربط اور الجھی ہوئی باتوں کے حصار میں تھا۔پوری رات اس کو دیکھتے اور تانے بانے بنتے ہوئے گزر گئی تھی۔صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔اس نے گلاس وال سے باہر دیکھا تھا اور پھر پردہ برابر کر کے واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔اس نے اپنا ہاتھ حسین کے ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔جانے یہ اطمینان کرنے کا کوئی طریقہ تھا یا وہ اسے یقین دہانی کروانا چاہتا تھا وہ ہر پل اس کے ساتھ تھا۔وہ قدرے بہتر تھی شاید تبھی وہ سویا تھا۔

اس کے ہاتھ کی گرمی تھی یا اس کی نیند پوری ہو چکی تھی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔کتنی دیر تک سب یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔اس کا ہاتھ اظل سہام مرزا کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا تھا۔اس نے پھرتی سے ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکالا تھا۔اسے دیکھا تھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا سو رہا تھا۔مگر اس کے ہاتھ کھینچنے سے شاید اس کی نیند خراب ہوئی تھی۔اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔

''اتنی جلدی جاگ گئیں تم؟ اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہ مدھم خوابیدہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''میں بہتر محسوس کر رہی ہوں اب۔ آئی ایم سوری آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔ میری وجہ سے آپ جاگتے رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شرمندگی کا اظہار کر رہی تھی۔ اسے واقعی برا لگ رہا تھا وہ اس کی وجہ سے رات بھر بے آرام رہا تھا۔

''نہیں اگر میں نہ جاگتا تو مجھے زندگی بھر اس کا ملال رہتا کیونکہ اگر نہیں جاگتا تو اتنے شکوے اور شکایتیں تم تو دل میں رکھتی ہو وہ مجھے کیسے پتہ چلتا۔ تم جو ڈھیروں گلے دل میں پنہاں کیے بیٹھی ہو وہ کیسے زبان پر آتے۔ تم نے تو رازوں کو چھپا کر دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر مقید کر رکھا ہے۔ میں تو زندگی بھر ان رازوں سے رسائی پانے کی جسارت بھی نہ کر سکتا تھا۔ وہ شکوے تو کبھی زبان پر نہیں آنے والے تھے۔ جو کل رات مجھے پتا چلا وہ تو کبھی خبر نہیں ہونے دینی تھی تم نے۔ کل رات جو قصے میں نے ازبر کیے وہ اسلوب تو نئے تھے۔ تم نے تو زیر کر دیا مجھے۔ میں تو ساکت سا کھڑا دیکھتا رہ گیا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ انکشافات کر رہا تھا۔ آنکھوں کی سرخی رات بھر جاگنے کی چغلی کھا رہی تھی مگر ان کی چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''اتنے رازوں سے آگاہی پانے کے لیے ایک رات تو کیا میں تو عمر بھر جاگ سکتا ہوں۔ قصداً آنکھیں کھولے رکھنا چاہتا ہوں۔ ان قصوں کو جاننے کے لئے جتن کر کے ہارنے لگا تھا مگر اچانک تمام رازوں نے مہربان کر کے میرے گنجل راستوں کو سلجھا دیا۔ الجھی بے ربط باتوں نے آگاہی کے کتنے نئے در وا کر دیئے تھے۔ تم کتنا شکوہ کناں نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ تمہیں کتنے گلے تھے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ مجھے محبت کے اسلوب ازبر نہیں ہیں۔ اتنا گلہ تھا نا تمہیں۔ کتنے خدشات ستا رہے تھے تمہیں۔ میں نے تو حیران سا رہ گیا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں رازوں کو منکشف کر رہا تھا۔

''یہ صبح سویرے کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' میں نے کب شکوہ کیا؟ آپ باتیں بنا رہے ہیں۔ بے جواز باتوں کو پھیلا رہے ہیں۔ میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔'' وہ دھیمے لہجے میں منکر ہوئی تھی۔ وہ انکاری ہو رہی تھی۔

''بے جواز باتیں میں نہیں تم کر رہی ہو۔ میں تو وہی بتا رہا ہوں جو تم نے کہا۔ سچ کہوں تم نے میرے اندر آگاہی کے نئے در وا کر دیئے ہیں۔ ایک روشنی پھیلا دی ہے۔ سب راستے آسان لگنے لگے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''میں سمجھتا ہوں یہاں صرف دو ہی چیزیں ہیں سچ اور جھوٹ۔ سچائی کو بے جواز وجوہات پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سچ ناقابل تقسیم ہے۔ سچ کو برابر حصوں میں بانٹ بھی دیں مگر ہر حصے میں سچ کی پہچان اسی طور پر واضح نظر آتی ہے۔ کتنے بھی حیلے بہانے بنا لو مگر سچ کو جھوٹ کی پرتوں میں چھپایا نہیں جا سکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں وضاحت دے رہا تھا۔

وہ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میں تو حیرت کدوں میں ڈوب گیا تھا۔ فسوں انگیز لمحات تھے وہ۔ اتنی خوبصورتی تھی۔ اتنی روشنی پھوٹ رہی تھی ان آنکھوں سے کہ میری تو آنکھیں جل رہی ہیں اس کی تپش سے۔ میں تو پوری آنکھوں سے دیکھنے کی جسارت بھی نہیں کر پایا۔ ایسا موقع جانے کب ملے گا

کہ دونوں آنکھوں سے ان جادو بھری آنکھوں کو دیکھ سکوں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں انہی لمحات کے زیر اثر تھا۔

''یہ رات بھر جاگنے کا اثر ہے جو آپ یوں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ اسے ڈپٹ رہی تھی۔ خجلت سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ جانے اس نے کیا کچھ کہا تھا۔ اسے تو یاد کرنے کی بھرپور کوشش کے باوجود کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس لمحے رات والی حیین شاہ سے قدرے مختلف دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ کی آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں۔ دماغ تو پہلے ہی ساتویں آسمان پر تھا اب تو اور بھی عجیب ہو رہے ہیں۔ آپ آج یہ بتا ہی دیجئے۔ آپ اپنی حالت میں کب نظر آتے ہیں؟'' اس نے گھورتے ہوئے کہا تھا اور اظل سہام مرزا کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں مگر حقیقت تو کچھ اور ہے ہی جو میں جان گیا ہوں۔ اب مجھے آپ کی کہی ہوئی باتوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ اصل واقعات کیا ہیں وہ تو آپ کہہ چکی ہیں۔'' دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جتا رہا تھا۔

"Do you know what Hayyin Shah? I have ability to read your heart and mind and I found beauty in your soul... anyone who keeps the ability to see beauty never grew old."

وہ مدھم لہجے میں باور کروا رہا تھا۔ وہ اسے جاننے کا دعویدار تھا۔

''تم شکوہ کناں تھیں نا کہ میں نے تمہارے پنکھ چرا لئے ہیں۔ تم نے کہا میں دیو ہوں۔ ایک خطرناک دیو ہوں میں تمہاری نظر میں۔ میں یہ سن کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ خوف سے فرار کی راہوں پر چھپے ہوئے راستوں پر ان مقامات پر چلے جانا چاہتا تھا جہاں سے تم تلاش نہ کر سکو۔ مگر تم نے میرے چھپنے کے امکانات کو سبوتاژ کر کے تمام فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔

''اور حیین شاہ کی تو حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ خجلت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔ آپ باتیں بنا رہے ہیں۔'' اس نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا تھا۔ مگر بہت کمزور سا احتجاج تھا۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی خجلت اسے لطف دے رہی تھی۔

''کل رات تو مجھے لگا تم میری روح کا کوئی بچھڑا ہوا حصہ تھی جو کل رات کو مجھے خود سے آشنا کرا گئی تھیں۔ جس سے ملاقات نئے اسرار سے واقفیت کرا گئی تھی۔ خرد حیرت کدوں میں ڈوب گئی تھی۔ کل رات اس بات کا احساس شدت سے ہوا تھا مجھے۔

"Do you know Hayyin Shah? I found love is when it gives you a piece of your soul that you never knew was missing. You are piece of my soul which was missing and gave it to n

وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔

اور حیین شاہ نے حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

"There are no pieces to a soul as it is a complete, whole unit, and not a fragmented various conglomeration of bits and segments. Sometimes I wonder where you get your ideas from. You think what you want to think. You should explain it now what did you say was the matter wit

وہ مدھم لہجے میں باور کروا رہی تھی۔اس کی بات کو رد کر کے دلائل دے رہی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ کو آرام کرنا چاہئے۔ابھی آپ اپنے حواس میں نہیں ہیں۔جانے کونسے قصے سنا رہے ہیں آپ۔خود ساختہ داستانوں کا انبار لگا دیا ہے آپ نے۔''اس نے جتایا تھا۔

''تمہیں میری باتیں خود ساختہ لگ رہی ہیں حالانکہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔مگر تمہیں اعتبار نہیں کرنا تو مت کرو۔تم فریش ہو جاؤ میں جنت بی بی سے کہہ کر ناشتہ بھجواتا ہوں۔کل سے کچھ نہیں کھایا تم نے۔''اس نے کہا تھا اور پھر باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔اس نے اسے جاتے ہوئے اسکی چوڑی پشت پر نگاہیں جمائی ہوئی تھیں۔اس نے اچانک مڑ کر دیکھا تھا۔اس نے خجلت سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

وہ چلتا ہوا قریب آ کھڑا ہوا تھا۔وہ جو بیڈ سے اتر کر کھڑی ہوئی تھی۔اس کے فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا۔

''جب چیز اپنی ہو تو یوں چھپ کر دیکھنے کی ضرورت قطعی نہیں ہوتی ہے۔حق سے اور پورے استحقاق سے دیکھا جا سکتا ہے۔''مدھم لہجے میں سرگوشی تھی۔

''ویسے مانا کہ ہینڈسم ہوں مگر یوں ایک ٹک سا دیکھتے رہنا.....''اس نے شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

''مجھے تو صاف لگتا ہے نظر لگانے کا ارادہ ہے تمہارا۔''وہ مسکراتے ہوئے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

''صبح سویرے آپ تو خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔''وہ صاف منکر ہوئی تھی۔دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھنے لگا تھا۔

''قصور تو تمہاری آنکھوں کا ہے جو مجھے خوش فہمیوں میں مبتلا کر رہی ہیں۔ویسے اگر تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔''وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اور ھین شاہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔وہ تیزی سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔تبھی رامین سے ٹکرا گئی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟میں تو تمہاری طرف ہی آ رہی تھی۔''رامین نے کہا تھا۔

''تم پریشان لگ رہی ہو ھین شاہ۔مسئلہ کیا ہے؟''وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں کچھ نہیں ہے۔بس سوچیں الجھتی جارہی ہیں۔ جتنا حل کرنے کی کوشش کررہی ہوں چیزیں مزید مشکل ترین ہوتی جارہی ہیں۔سمیٹنے کے چکر میں چیزیں مزید بکھرتی جارہی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میں صبح آئی تھی مگر تم سورہی تھیں تب میں نے سوچا تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں اور نانی جان کتنی ہی دیر تک تمہارے کمرے میں بیٹھے رہے تھے۔اب کیسا محسوس کررہی ہو تم؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔تم فکر مت کرو۔ مجھے کچھ نہیں ہونے والا۔ میں نے جانے اور کتنے واقعات کو دیکھنا ہے اور جھیلنا ہے۔زندگی مشکل سے مشکل ہوتی جارہی ہے۔میں تو تھکنے لگی ہوں اب۔'' وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''تم بہت بہادر ہو ھین شاہ۔ایسی فضول باتیں کرتی ہوئی تم کچھ خاص اچھی نہیں لگ رہی ہو۔تم نے اس کی باتوں کو اتنا دل پر لگا لیا ہے۔کسی کی باتوں کو جواب بنا کر یوں اپنی زندگی کو برباد مت کرو۔بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ اسے یقین دہانی کروارہی تھی۔ اس کی بہترین دوست ہونے کے ناطے حوصلہ بڑھارہی تھی۔

وہ چلتی ہوئی جھیل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پرندوں کو دیکھ کر رک گئی تھی۔گھاس پر چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔تبھی ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا تھا۔

''بی بی جی اس طرف مت جائیں۔یہاں سانپ نکل آتے ہیں شام کے وقت۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

تبھی کوئی چیز سرسراتی ہوئی گزر گئی تھی۔رامین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

''اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاتی۔میں ہی تمہیں اس طرف لائی تھی نا۔'' رامین کی سانسیں اکھڑ گئی تھیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہے رامی۔تم خود کو یوں الزام دے رہی ہو۔میں نے غلطی سے اس طرف قدم رکھ دیا تھا۔تمہیں تو اندازہ بھی نہیں تھا۔

''اگر تمہیں سانپ ڈس لیتا تو میں اظل بھائی کو کیا جواب دیتی۔کتنا خطرناک تھا نا یہ۔'' وہ کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ھین نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔وہ خوف سے پیلی ہورہی تھی۔

''کیا تم جانتی ہو رامین شاہ مجھے سانپوں سے ڈر نہیں لگتا لیکن انسانوں سے ڈرتی ہوں۔انسان بہت زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ سانپ تو اپنے دفاع کے لئے ڈستا ہے۔اپنا زہر اپنے دفاعی ہتھیار کے لئے استعمال کرتا ہے لیکن انسان تو اپنے مفاد کے لئے زہریلے لفظوں سے اندر تک زہر کو سرایت کرادیتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیحات پیش کررہی تھی۔وہ حقائق بیان کررہی تھی۔اور رامین جانتی تھی وہ کس بارے میں بات کررہی تھی۔

''چلو چھوڑو ان باتوں کو، چلو اندر چلیں۔میرا دل تو اب تک کنٹرول میں نہیں ہے۔ابھی تک خوف سے برا حال ہورہا ہے میرا۔''

رامین اس کا ہاتھ تھا کر اندر کی طرف بڑھی تھی۔ابھی وہ دو قدم بھی نہیں چلے ہوں گے کہ ملازم کی چیخ سے ان کے قدم رک گئے تھے۔

''چھوٹے صاحب..... کیا ہوا آپ کو..... بی بی جی..... اظل صاحب.....'' وہ چلایا تھا۔

اور حین شاہ نے مڑ کر دیکھا تھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اظل لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ سفید شرٹ خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ ایک ننھی سی ہرنی کو ہاتھوں میں بھر کر وہ اندر داخل ہوا تھا اور حین بھاگتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتا اس نے اسے تھام لیا تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ پانچویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

کتاب گھر کے قارئین کے لیے
آمنہ ریاض کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

بساطِ دل

آپکو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط (15th, 20th, 25th) کتاب گھر پر پبلش ہوں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

''سنئے.....آنکھیں کھولئے کیا ہوگیا آپ کو؟ پلیز آنکھیں کھولیے۔'' مدھم لہجے میں درخواست کی تھی۔اس کا دل ساکت ہوگیا تھا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔آپ کو کچھ نہیں ہوسکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بڑبڑا رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔اس کو خون میں ڈوبا دیکھ کر اس کی سانسیں تھم گئی تھیں۔

اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔وہ رو رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔

''تم کیوں رو رہی ہو میں ٹھیک ہوں..... کچھ نہیں ہوا مجھے۔بس ذرا سی چوٹ لگ گئی ہے۔پلیز رونا بند کرو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔وہ سرگوشیوں میں بول رہا تھا۔

''تم نے کہا تھا کہ معصوم ہرنی کو مارنا جائز نہیں۔میں تو اسے بچا رہا تھا۔دیکھ لو یہ ٹھیک ہے اسے کچھ نہیں ہوا۔میں نے اسے بچا لیا تمہارے لئے۔تمہاری خوشی کے لئے ورنہ تم دکھی ہو جاتیں نا اور میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔اسے باور کرا رہا تھا۔

''تکلیف میں تو میں اب بھی ہوں نا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں جتایا تھا جیسے خود کلامی کی تھی جسے وہ بمشکل خود ہی سن پائی تھی۔

اظل سہام مرزا نے معصوم سی ہرنی کو اس کی طرف بڑھایا تھا مگر تکلیف سے کراہ گیا تھا۔

''رامین جلدی آؤ۔یہ پکڑو تم اور خیال رہے دادا جان اور دادی جان کو ابھی کچھ مت بتانا۔میں ان کو لے کر ہاسپٹل جا رہی ہوں۔باسط انکل وہیں ہیں۔انہوں نے وہیں بلایا ہے۔'' اس نے رامین کو تنبیہ کی تھی۔

''رامین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور ہرنی کو بانہوں میں بھرا تھا جو خوف سے نڈھال ہوگئی تھی۔

''ڈرائیور گاڑی نکالو۔جلدی کرو۔'' وہ مڑی تھی اور ملازم کو تحکمانہ انداز میں حکم دیا تھا۔

''اظل سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ اسے تھامے گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔اسے گاڑی میں بٹھایا تھا۔سیٹ بیلٹ لگایا تھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''بی بی جی آپ راستوں سے آگاہ نہیں ہیں، گاڑی مجھے چلانے دیں۔'' ملازم نے درخواست کی تھی مگر اس نے اس کی درخواست پر کان نہیں دھرا تھا۔

''نہیں تم پیچھے بیٹھو، مجھے بتاتے رہنا۔میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتی اس وقت۔'' اس نے کہا تھا۔مدھم لہجے میں فکرمندی تھی۔

وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔وہ کتنی فکرمند تھی اس کے لئے۔کتنی پریشانی نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

وہ گاہے بگاہے اس کی طرف فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر الجھنوں کا جال بن گیا تھا۔

''حنان مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی اتنی غفلت تم کیسے برت سکتے ہو۔ یہ تو سدا کے لاپرواہ ہیں تم ان کی حفاظت پر مامور ہو پھر تم ان کا خیال کیوں نہیں رکھ سکے۔ اتنی غفلت کیوں برت پائے۔'' وہ دھیمے لہجے میں تحکمانہ انداز میں اسے ڈپٹ رہی تھی۔ اتنا استحقاق بول رہا تھا اس کے لہجے میں۔

''میں شرمندہ ہوں بی بی صاحبہ مجھے معاف کردیں مگر صاحب خود باہر نکل کر بیچ سڑک پر آگئے تھے اس ہرنی کو بچانے کے لئے ورنہ دوسری تیز رفتاری گاڑی اسے کچلتے ہوئے گزر جاتی۔ اس کو بچاتے ہوئے گاڑی کے کونے سے ٹکرا کر گر پڑے مگر انہوں نے اس ہرنی کو مضبوطی سے تھامے رکھا تھا۔'' وہ دھیمے مؤدب لہجے میں اسے تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

اور اس نے حیرت سے اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا۔ جو اس پر نگاہیں جمائے ہوئے اسے ملازم کو ڈانٹتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر اس نے اسپیڈ مزید تیز کردی تھی پھر غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ ایسے کر سکے اظل سہام مرزا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ کس قدر اہم ہیں آپ؟ دادا جان، دادی جان، پاپا، ممی اور.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ ایک لمحے کے لئے رکی تھی پھر کہنے لگی تھی۔

''اور کیا ھین شایان شاہ؟'' اس نے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔ لہجے میں بے قراری تھی۔ وہ جاننے کو بے تاب تھا اور کس کے لئے وہ اہم تھا۔ اس کے لئے یہ جاننا سب سے اہم تھا۔

''اور کچھ نہیں..... آپ بے حد لاپرواہ ہیں۔ مجھے آپ سے قطعی یہ توقع نہیں تھی۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو پھر؟ کبھی سوچا ہے آپ نے۔ زندگی ایک سزا جیسی ہو جاتی ہے۔ مگر آپ کو کہاں اندازہ ہوگا۔ آپ کو اس تکلیف کا احساس ہی نہیں۔'' اس کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی تھی۔

گاڑی میں اچانک خاموشی چھا گئی تھی۔ ایک گہرا سکوت..... اور ھین شاہ کو لگ رہا تھا راستے طوالت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

گاڑی اسپتال میں پارک کر کے اس نے انکل باسط کو کال کی تھی پھر اس کو اسپتال کے اندر پہنچانے سے لے کر ٹریٹمنٹ تک اس کی جان کسی نے مٹھی میں لے لی تھی۔ ایکسرے رپورٹ کے بعد وہ ڈاکٹر باسط کی طرف بے صبری سے دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"Everything is all right doctor?"

اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔

It is stress fracture also known as a hairline fracture, is a fatigue induced fracture of the bone caused by repeated stress over time. Instead of resulting from a single severe impact, stress fractures are result of accumulated trauma from repeated submaximal loading such as running or jumping."

وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہے تھے۔کہنی کے جوڑ پر کاٹن رکھ کرانہوں نے اظل کی کہنی کی ہڈی کو fix کیا تھا۔تکلیف کی شدت سے نڈھال اظل سہام کے ہاتھوں کی گرفت حین شاہ کے ہاتھ پر قدرے بڑھ گئی تھی اور حین شاہ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے قطرے اظل سہام مرزا کے ہاتھ پر گرے تھے۔اظل نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ اس کی تکلیف پر رو رہی تھی جیسے اس تکلیف کو وہ محسوس کر رہی تھی۔

''ارے آپ تو اتنی بہادر ہیں پھر کیوں رو رہی ہیں۔اظل تو شیر ہے۔وہ یہ تکلیف آرام سے برداشت کر سکتا ہے مگر اگر آپ اس طرح کمزور پڑیں گی تو اظل کی تکلیف بڑھ جائے گی۔''ڈاکٹر باسط نے شفقت سے سمجھایا تھا۔وہ اظل کو اچھی طرح جانتے تھے۔

اور حین شاہ نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں حین شاہ۔پلیز آپ پریشان مت ہوں۔''وہ اسے کہہ رہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ قدرے حساس واقع ہوئی تھی اور ایک خوف نے جو اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا تو اس کی وجہ اس کے والدین کی موت بھی تھی جو اس نے دیکھی تھی۔اس کا اس طرح کا ردعمل شدید تھا اور اس کی وجوہات تھیں۔اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یقین دہانی کروائی تھی۔

"Doctor what are the precaution we have to need to do for it?"

وہ اظل کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے ڈاکٹر باسط سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ تو سنیں گے نہیں اپنی من مانی کریں گے تو آپ بتا دیں ان کو واضح کر دیں کہ کیا کرنا ہے اور کتنے دن تک ان کو مکمل ریسٹ کرنی ہے۔''اس نے ایک نگاہ خفگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ڈاکٹر باسط سے پوچھا تھا۔

"The main treatment for hairline fractures is refraining from doing activities that can aggravate the injury for approximately one month or half month. Once the bone has healed of its minute cracks, then he can start resuming his normal activities gradually."

ڈاکٹر باسط اسے سمجھا رہے تھے۔

''میں میڈیسن لکھ کر دے رہا ہوں۔ کندھے کا زخم خاصا گہرا تھا۔ میں نے بینڈیج کر دی ہے مگر فکر کی بات نہیں ہے۔ یہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔'' انہوں نے خالصتاً پروفیشنل انداز میں کہا تھا اور میڈیسن کا پرچہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ابھی چہرے پر تکلیف کے آثار قدرے کم لگ رہے تھے۔ وہ تھوڑا پرسکون لگ رہا تھا۔ ھین نے اسے اٹھنے میں مدد کی تھی اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ ڈاکٹر باسط چلتے ہوئے ان کے ساتھ باہر تک آئے تھے۔

''انکل یہ آپ نے بے حد اچھا کام کیا ہے۔ اس جگہ پر اتنا اچھا اور جدید مشینری سے لیس اسپتال کی اشد ترین ضرورت تھی۔ میں ضرور یہاں چکر لگاؤں گی اگر میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔ ویسے بھی میں یہاں لڑکیوں کے لئے اسکول بنانا چاہتی ہوں۔ دادا جان سے بات ہوئی تھی میری، انہوں نے کہا تھا وہ میری مدد کریں گے۔'' وہ ڈاکٹر باسط کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو ضرور بتانا بیٹا۔ مجھے اچھا لگے گا اس بہترین مقصد کے لئے کام کرنا۔'' وہ اسے سراہ رہے تھے۔

''اظل میں ضرور کہوں گا تمہیں بہترین جیون ساتھی ملی ہے۔ جس طرح تم سوچتے ہو تمہاری شریکِ حیات بھی اتنی ہی اچھی سوچ کی مالک ہے جو دوسروں کے لئے ایک دردمند دل رکھتی ہے۔ دوسروں کے بھلے کے لئے سوچتی ہے۔ تم خوش قسمت ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہے تھے۔ اس کی تعریف کے پل باندھ رہے تھے اور اظل سہام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ درست کہتے ہیں انکل۔ اجازت دیجئے۔'' حنان نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا۔ وہ تب تک کھڑا رہا تھا جب تک ھین آ نہیں گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے ساتھ ہمقدم ہوا تھا اور پھر ایک ہاتھ سے اس کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ آپ کو معلوم ہے نا آپ ہاتھ کو زیادہ حرکت نہیں دے سکتے۔ پھر بھی سن نہیں رہے ہیں۔ میں خود دروازہ کھول سکتی ہوں۔ آپ بیٹھ جائیں۔'' وہ اسے ڈپٹ رہی تھی جو مؤدب سا کھڑا تھا۔

''مسز ھین میں کوئی کمزور انسان نہیں ہوں جو اتنی سی چوٹ سے اپنے فرائض سے کوتاہی برتوں۔ آپ میری ذمہ داری ہیں اور آپ کی عزت اور حفاظت مجھ پر فرض ہے۔ آپ مجھے میرے فرض کی ادائیگی سے روک نہیں سکتیں اور نا ہی منع کر سکتی ہیں۔'' اس نے اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا اور پھر ایک ہاتھ سے دروازہ بند کر کے چلتا ہوا دوسری طرف گاڑی میں بیٹھا تھا۔ حنان نے مؤدب انداز میں دروازہ بند کیا تھا۔ گھر پہنچے تو کتنے سوالوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ دادا جان۔ دادی جان اور پاپا ارد گرد جمع تھے اور وہ ان کو مطمئن کرنے کی بھرپور سعی کر رہا تھا۔

''ھین نے مجھے بروقت اسپتال پہنچا دیا۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔ ڈاکٹر باسط نے کہا ہے کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔ کچھ دن بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ معمولی سی چوٹ ہے۔'' وہ ان کو مطمئن کرنے کو مسکرا دیا تھا۔

''دیکھو کیسے میرا بچہ پیلا زرد ہو رہا ہے۔ سہام صدقہ خیرات کریں آپ۔ میری بہو اور بیٹا دونوں ایک بڑے حادثے سے بچے ہیں۔ اللہ بری نظر سے بچائے میرے بچوں کو۔ میرا تو دل ہول گیا ہے۔'' نفیسہ بیگم کہہ رہی تھیں۔ مدھم لہجہ آبدیدہ ہو گیا تھا۔

''ھین بیٹا اظل کو کمرے میں لے جاؤ اور میڈیسن دو میں کھانا بھجواتی ہوں۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ تم بھی تھوڑا آرام کرو کیسی فکر مند ہو گئی ہے میری بچی۔'' انہوں نے اسے محبت سے گلے لگا لیا تھا اور کسی ہمدرد کو سامنے پا کر اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اس سے پہلے وہ مزید جذباتی ہوئی اظل نے پکارا تھا۔

''ھین.....!!'' وہ کھڑا منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور ھین جیسے بنا کہے اس کی بات سمجھ گئی تھی۔ اس کی طرف بڑھی تھی اور اسے سہارا دے کر کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ بیڈ پر تکیہ درست کر کے اسے بیٹھنے میں مدد کی تھی پھر پشت پر تکیے رکھے تھے۔ وہ اس پر جھکی تکیہ درست کر رہی تھی۔ کوئی معمول کا حصہ لگ رہی تھی۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ ایک ساکت سی گھمبیر خاموشی تھی۔

''تم ابھی تک خفا ہو؟ اسی بات کو لے کر پریشان ہو؟'' اس نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اس پر کمبل درست کیا تھا۔ اس کی کہنی کے نیچے ایک کشن رکھا تھا مگر کہا کچھ نہیں تھا۔

"I know one thing while silence goes longer it has lots of reasons behind... silence can indicate hostility or disagreement while it's almost never an indication of indifference, silence can indicate that the other person is having negative emotions. When we experience anger, fear or ebarassment, our thinking brain shuts down. We sit there faming unable to speak. Enraged and unable to find words. It seems afraid and scared speechless."

وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔

''آپ نے طے کر رکھا ہے تکلیف میں بولتے رہیں گے مسلسل۔ آپ کی سوچوں نے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کر دیا ہے اور جزئیات سے ہٹ گئے ہیں۔ آپ کو اس لمحے پرسکون رہنے کی ضرورت ہے۔ کچھ مت سوچیں۔ اپنے دماغ کو مکمل طور پر تمام فضول کی سوچوں سے آزاد رکھیں۔ میں خاموش ہوں کیونکہ فی الحال بولنے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے اور خود آپ میری خاموشی سے خوفزدہ ہو گئے ہیں؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

اور اظل اس کی بات پر خفیف سا مسکرا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کس طرح پرواہ کرتی تھی اس کی۔

''میں جانتا تھا تم جو خاموشی میں بول رہی تھیں۔ چپ رہ کر سب کچھ کہہ رہی تھیں۔ میں تمہاری خاموشی کو سن رہا تھا مگر اس خاموشی سے کہیں زیادہ بہتر ہے تمہیں سننا۔ تم نہیں جانتیں جب تم بولتی ہو تو فضا ساکت ہو کر تمہیں سننے کے لئے سانس روک لیتی ہے۔ چاند زمین پر اتر آتا ہے۔ ستاروں کو تجسس ستانے لگتا ہے۔ ہوائیں دم بخود ٹھہر جاتی ہیں اور جب تم بولتی ہو تمہاری سرگوشیاں فضاؤں میں مدھم سروں میں ڈھلنے لگتی ہیں۔ شمس ان سرگوشیوں کو سن کر رنگوں میں ڈھلنے لگتا ہے۔ سارا آسمان رنگوں میں نہا جاتا ہے۔ شمس بے قرار سا سر جھکائے قریب سے قریب آتا جاتا ہے۔ فضاؤں میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ میں تو ساکت سا ان منظروں میں کھونے لگتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ دھیمے لہجے میں کوئی اسم پھونک رہا تھا۔

''آپ ہمیشہ دقیق اور الجھی ہوئی باتیں ہی کیوں کرتے ہیں؟ اتنی پیچیدہ باتیں کر کے مجھے اتنا کیوں الجھا دیتے ہیں آپ؟ صاف اور سیدھے لفظوں میں بات کرنے میں کیا قباحت ہے آپ کو؟ مجھے تو آپ کوئی سر پھرے بادل کی طرح لگتے ہیں جو ادھر ادھر اڑتا رہتا ہے۔ آسمان پر تیرتا ہوا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتا ہے۔ آپ نا مانیں مگر یہ سچ ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

وہ بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو روک نہیں سکا تھا۔

''تم نہیں جانتیں حسین شایان شاہ۔ تمہاری خاموشی ایک مکمل اکائی رکھتی ہے۔ اس کی شدت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میں باندھ لینے کی بھرپور طاقت ہے۔ تم نے کبھی خاموشی کو باتیں کرتے سنا ہے؟ اس کی سرگوشیوں کو اپنے اندر اترتے محسوس کیا ہے؟ شاید تم نہ جانتی ہو مگر میرا اس سے رشتہ خاصا پرانا ہے۔ یہ خاموشیاں خود بخود میری طرف سفر کر کے ایک جال سا بنا دیتی ہیں۔ اس دائرے کے اندر ساری خاموشیاں سرگوشیوں کا انبار لگا دیتی ہیں۔ ان کا شور بڑھتا جاتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جانے کیا جتانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''زندگی عجیب کل اور جز کے کلیات پر سفر کرتی ہے۔ اس کی جزئیات ایک مدھم انداز میں آگے بڑھتی ہوئی منجمد خاموشیوں کو مزید یخ بستگی کی نذر کر دیتی ہے۔ ان خاموشیوں کو جما کر کے سمندروں پر محیط کر دیتی ہیں۔ ان پر ایک سرد چادر پھیلا کر تہہ در تہہ گہرائیوں میں اترتی جاتی ہے اور پھر اچانک ہی اس برف کی چادر کو توڑ کر باہر نکل آتی ہے اور ان سرگوشیوں کی مدھم حرارت سے تمام برف پگھل کر سیال بن جاتی ہے۔ سمندروں میں طغیانی برپا کر دیتی ہے۔ مدھم سرگوشیاں سن کر لہریں شور مچانا شروع کر دیتی ہیں۔ نجانے کونسی سی صدیوں پرانی داستانیں سنانا شروع کر دیتی ہیں۔ سمندر بپھرا ہوا ان لہروں کو بانہوں میں بھرنے کے جتن کر کے ہارنے لگتا ہے مگر ان سرگوشیوں کا فسوں پھیلتا جاتا ہے۔ لہروں کا جنون شدت اختیار کر لیتا ہے۔ سمندر کی ساری تگ و دو دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ محبت کا فسوں رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ لہریں بے سدھ ہو کر ان سرگوشیوں کے تعاقب میں دیوانہ وار لپکتی ہیں۔ ان ادھوری داستانوں کو مکمل کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتی ہیں۔ جب معاملہ کھلتا ہے سب رائیگاں جاتا ہے۔ لہریں بے سدھ تھکی ہاری سی واپس لوٹ آتی ہیں اور کچھ راستے میں دم توڑ دیتی ہیں۔ جو بچ جاتی ہیں الجھتی سانسوں کے ساتھ سمندر میں مدغم ہو جاتی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ جانے

کونسی داستانیں سنا رہا تھا۔ وہ قدرے الجھا ہوا تو پہلے ہی تھا اب اور بھی الجھ گیا تھا۔

''آپ ایک بات بتایئے۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کیا جاننا چاہتی ہیں آپ؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ مکمل توجہ اور استحقاق سے نگاہیں اس پر جمائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندر تک پڑھنے کا جتن کر رہا تھا۔ اسے سطر سطر پڑھنے کی سعی کر رہا تھا۔

''کچھ نہیں اب آرام کریں۔ یہ زیادہ ضروری ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

تبھی وہ اندر داخل ہوئی تھی اور بے قراری سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

''اظل سہام مرزا..... تم نے طے کر رکھا ہے کہ تم مجھے چین کا سانس نہیں لینے دو گے۔ مجھے پریشانی میں مبتلا رکھنے کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے تم نے۔ مجھے تو لگتا ہے کچھ خاص دشمنی نبھا رہے ہو تم۔ تم اتنے لاپرواہ ہو بھی کیسے سکتے ہو۔ ایک ہرنی کو بچانے کے لئے تم نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی۔ تم اتنی غیر ذمہ داری اور بیوقوفی کا مظاہرہ کر بھی کیسے سکتے ہو۔ کیا تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں میرا کیا حال ہوگا۔ میری تو جان نکال دی تم نے۔ ایک لمحے کے لئے تو میرا دل ساکن ہو گیا تھا۔ ایسے لگا تھا جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔ چوٹ تمہیں لگی ہے اور درد مجھے ہو رہا ہے مگر تمہیں کیا خبر ہوگی۔ تم تو ہو ہی سدا کے بے خبر۔ ہر بات سے انجان۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھی۔ کتنی شکایتیں کر رہی تھی وہ۔ استحقاق کے ساتھ اس کو ڈپٹ رہی تھی جیسے سارے حق محفوظ رکھتی تھی۔

ھین شاہ خود کو یہاں مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ ایک فالتو سی چیز وہ پوری توجہ اس کی طرف مبذول کر چکا تھا۔ اس کی شکایات کو سن رہا تھا۔ وہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ جانے کو مڑی تھی مگر رک جانا پڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کی گرفت میں آ چکا تھا۔ وہ شاید اس کے ارادے بھانپ گیا تھا۔ بے خبری میں بھی باخبر تھا۔

ھین شاہ نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ سوالیہ نظروں میں ایک عجیب سا احساس تھا۔

''Calm down مس آفتاب..... میں ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ تم خواہ مخواہ ہراساں ہو رہی ہو۔ یہاں کوئی ہے جو میری بہت فکر کر رہا ہے۔ تیمارداری میں بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تم پریشان مت ہو۔ میں کتنا جی دار ہوں اس بات سے تو آگاہ ہو نا تم۔ اتنی معمولی سی چوٹ کو اتنا بڑا ایشو بنانا نہیں چاہئے۔ یہ کوئی اچھا فعل تو نہیں ہے۔ آپ تو مجھے قدرے کمزور کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ جیسے مجھ میں برداشت کرنے کی سکت ہی نہیں ہے۔ اگر تم ایسا سوچ رہی ہو تو سراسر غلط ہے۔ میری ہمت سے تو تم واقف ہونا۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جتا رہا تھا۔ اسے سمجھا رہا تھا، باور کروا رہا تھا۔

''تم خفا ہو میں جانتی ہوں مگر ابھی یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں ہے۔ نا ہی ان باتوں کو دہرانے کا۔ ان حسابات کو کبھی پھر پرا ٹھا رکھو۔ وہ باتیں پھر کبھی کریں گے۔ ابھی تمہاری صحت کا مسئلہ زیادہ اہم ہے۔ میں تم سے اکیلے میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ اظل

سہام مرزا میں نہیں چاہتی غلط فہمیاں مزید بڑھیں۔'' اس نے حمین شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مطلب صاف تھا وہ اسے یہاں سے چلنے جانے کو کہہ رہی تھی اور اس کا ہاتھ ابھی تک اس کی گرفت میں تھا۔ اس نے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا اور اس نے بھی تردد نہیں کیا تھا۔

''ایکسکیوزمی.....'' اگر آپ ریسٹ کریں گے تو یہ آپ کی صحت کے لیے اچھا ہوگا۔ ایسا ڈاکٹر نے کہا تھا۔ اگر ماننا چاہیں گے تو ٹھیک ورنہ آپ کی مرضی۔'' اس نے جتایا تھا اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

اور اظل کی نگاہوں نے باہر نکلنے تک اس کا تعاقب کیا تھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اظل کو لگا تھا وہ گئی تھی اور اسے ویران کر گئی تھی۔

''مس آفتاب مجھے سونا ہے پھر بات کریں گے۔'' اس نے کہا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔ اس نے کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور اظل نے نگاہیں دروازے پر ٹکا دی تھیں جہاں سے کچھ دیر قبل وہ گزر کر گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اب تک اس کے ہاتھ کی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا اسے کیا ہو رہا تھا مگر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا مگر احساس کچھ نیا سا تھا۔ الگ تھا جو اس نے اس سے قبل محسوس نہیں کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے جب سلجھنے کی بجائے مزید الجھنے لگتا ہے۔ زندگی کے دھاگے گنجل ہو کر حیرانگی سے دیکھتے رہتے ہیں۔ سلجھانے کے لئے کوئی سرا تلاش کرنا بھی چاہو تو ہاتھ میں نہیں آتا۔ ان گنجل پلوں کو سلجھانا ایک جاں گسل لمحہ ہوتا ہے۔ ایسے لمحے قلیل نہیں ہوتے کثیر ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کی جان مشکل میں پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اتنا برا کیوں لگ رہا تھا۔ ایک سرد احساس اس کے اندر اتر گیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھی تھی جب ایک آواز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔

''سنو تم اظل سے دور رہو۔ تمہیں اس کی تیمارداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔ میں خود اس کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکتی ہوں۔ میں بہتر جانتی ہوں اسے کیا اچھا لگتا ہے اور کیا برا۔ اس کی پسند ناپسند سے میں اچھی طرح آگاہ ہوں۔ تم زبردستی اس کے سر پر مسلط ہو گئی ہو۔ تم نے اپنا تسلط جمانے کی کوشش تو بھرپور کی ہے مگر تم اس میں کامیاب ہو جاؤ یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ زبردستی کا رشتہ ہے جس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جسے ماننا کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ تم ایک بے جواز رشتے کو لے کر جواز بنا رہی ہو۔ یہاں رہنے کے لئے اور اپنا استحقاق جمانے کے لئے حالانکہ اس کے دل و دماغ پر صرف میری حکمرانی ہے۔ میں اسے جتنی اچھی طرح جانتی ہو تم کبھی نہیں جان سکتیں۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا رہی تھی، باور کروا رہی تھی۔

اور حمین شاہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کوئی خود ساختہ سوچوں کو لے کر کسی بھی رخ پر چل سکتا تھا۔ کسی بھی سمت ان سوچوں کا

بہاؤ بپھرے طوفان کی طرح جا سکتا تھا۔ وہ بھی ایک پرسکون دنیا میں تباہی برپا کر رہی تھی۔

''تم حتی الامکان کوشش کرو جتنی دیر یہاں ہو اس سے دور رہو۔ خواہ مخواہ نزدیکیاں بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ حتمی فیصلہ سنا رہی تھی۔ اسے ترش لہجے میں حدود کا تعین کر رہی تھی۔ حد بندیاں لگا کر اسے جتا رہی تھی کہ وہ زبردستی کے رشتے میں بندھ کر خواب پرونے کی غلطی نہ کرے۔

''اس رشتے کو لے کر اگر تم کوئی خواب پرونا شروع کر چکی ہو تو ترک کر دو تم یہ سلسلہ۔ متروک رشتے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسباب کچھ بھی تھے مگر سدِ باب تو کیا جا سکتا ہے۔ احتیاط لازم ہے۔ عقل و فہم اچھی رہبر ہے۔ دل کو نصیحت کرتی رہتی ہے۔ دل کی خواہشات تو بڑھتی جاتی ہیں مگر ان خواہشات کو سمجھ لینا چاہئے ان کی حدود کہاں جا کر ختم ہوتی ہیں۔ ان کو آنکھوں میں خواب بن کر مت تیرنے دو ورنہ آنکھوں کو تکلیف سے گزرنا پڑے گا۔ انہیں سزا بھگتنی پڑے گی۔ میں نہیں چاہتی تم اس احساس سے گزرو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر۔'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ عین جو خاموشی سے سن رہی تھی اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''فضا آفتاب..... مجھے میری حدود کا تعین کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ اس بات کو اتنا طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری کسی نصیحت کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ میں اپنے فیصلے خود کرنے کی عادی ہوں۔ کسی اور کے دکھائے ہوئے راستے پر نہیں چلتی میں۔ میں کسی کے رشتے کے درمیان نہیں آئی ہوں۔ یہ غلط فہمی دور کر لو تم۔ تمہیں جو کرنا ہے کرو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے کہا تھا اور پھر وہاں رکی نہیں تھی چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی اور دروازہ بند کر کے وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اس کے جملوں کی کاٹ اسے تکلیف دے رہی تھی۔ وہ کب آئی تھی درمیان۔ اس کا لہجہ کتنا ترش تھا اور آنکھوں میں سختی تھی۔ عین شاہ کو ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا تھا۔ وہ کمزور نہیں تھی مگر آنکھیں دغا کیسے دے گئی تھیں۔ کتنے ہی قطرے رخسار پر پھسل گئے تھے۔ وہ حیران تھی اس کی باتوں سے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی تھی۔ اسے اتنا برا کیوں لگ رہا تھا۔ وہ جاننے سے قاصر تھی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی، بزدل نہیں تھی کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی مگر اسے ایک حتمی فیصلہ لینا تھا۔ اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا جیسے کوئی فیصلہ وہ کر چکی تھی۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔ کل صبح زندگی کے نئے راستے پر چلنے کا عہد کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ حسب معمول صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔ اسے جھیل کے کنارے چلنا بے حد پسند تھا۔ دور تک پھیلی ہریالی اور پھولوں کی بہار ایک دلکش منظر پیش کر رہی تھی۔ چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائی تھیں پھر ملازم کو آواز دی تھی۔

وہ مؤدب سا آواز پر بھاگا چلا آیا تھا۔

''جی بی بی جی.....؟حکم کریں۔'' وہ مؤدب لہجے میں منتظر کھڑا تھا۔

''کل صاحب ایک ہرنی لائے تھے نا۔کہاں ہے وہ؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔کل رات تک وہ بھول گئی تھی۔وہ معصوم سی ہرنی جانے کیسی ہوگی۔کس حال میں ہوگی۔اسے یاد نہیں رہا تھا۔

''بی بی جی وہ اس طرف ہے۔صاحب نے حکم دیا تھا اس کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔'' اس نے ایک چھوٹے سے لکڑی کے بنے ہٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ چلتی ہوئی اس طرف بڑھی تھی اور دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔کتنی ساری ہرنیوں کے ساتھ وہ بھی موجود تھی۔اسے تلاش کرنا مشکل ہوگیا تھا کہ کل والی کونسی تھی۔چھوٹے بچے تھے۔وہ آگے بڑھی تھی اور ایک ہرنی کو اٹھا کر اس پر ہاتھ پھیرا تھا۔وہ چھوٹی سی ننھی منی تھی۔

وہ اتنی مگن تھی کہ کسی کی آمد کو محسوس نہیں کر سکی تھی۔وہ جانے کب چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا اور اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔وہ صبح کی پھوٹتی پو میں رنگوں میں ڈھلی اس ماحول کا حصہ لگ رہی تھی۔

''دیکھ لیجئے۔سب محفوظ ہیں نا۔آپ کو کتنا گلہ تھا نا مجھ سے کہ میں نے ان معصوم ہرنیوں کو شکار کرنے کی غلطی کی تھی مگر دیکھ لیجئے آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے ان تمام کو ان شکاریوں کی نظر سے محفوظ کر دیا ہے۔اب یہ اپنے بچوں کے ساتھ بے فکر اور بنا کسی خوف کے چھپی زندگی بسر کر سکتی ہیں۔اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟اب تو آپ خفا نہیں ہیں نا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

حمین شاہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔میں خفا نہیں تھی مگر.....'' وہ رکی تھی اور اس کی سانسیں بھی تھم گئی تھیں۔وہ بے قراری سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے منتظر تھا۔اس کی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

''مگر کیا.....؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ گریزاں سی تھی۔وہ کل والی حمین شاہ سے قدرے مختلف لگ رہی تھی۔وجوہات کیا تھیں وہ جاننے کو بے قرار ہوا تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ کیا ہوا آپ کو؟ مجھے تو لگتا ہے آپ رات بھر سوئی ہی نہیں؟ کیا میرے خیالوں نے آپ کو سونے نہیں دیا؟ اگر ایسا ہے تو مجھے بتایئے میں ان خوابوں کو ڈانٹوں گا۔ان کی ہمت بھی کیسے ہوئی ان آنکھوں کو جگائے رکھنے کی۔ان کو سخت سزا ملنی چاہئے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔مگر آنکھوں میں اضطرابی بڑھ گئی تھی۔کل والا اطمینان اچانک ہی اڑن چھو ہوگیا تھا۔اس کی بیگانگی پر دل میں ایک پھانس سی کھب گئی تھی۔

اس نے ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''تمہاری سرمئی آنکھوں میں جو شکایتوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے نا یہ مجھے اپنے حصار میں مقید کر رہا ہے اور میرا دل اس قید میں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ مجھے تو صاف لگ رہا ہے جیسے جنوں کے پیروں پر کسی نے بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ ان کو باندھ دیا ہوں، جکڑ لیا ہو، بے بس کر دیا ہو۔ جیسے کسی پرندے کے پر کاٹ کر پرواز بھرنے کے لیے چھوڑ دیا ہو گیا۔ میرے دل کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ ایک سرسراہٹ ہڈیوں میں سرایت کر رہی ہے۔ تم جو یوں بیگانگی کا مظاہرہ کر رہی ہو، مطمئن سی ہو کہ بنا پنکھ کے پرواز کہاں ممکن ہے، میری بے بسی پر شکوہ کناں ہو۔ بہت سی دوسری باتوں کی طرح یہ بات بھی نا سمجھ میں آنے والی ہے۔ یا پھر یہ کہ میری سمجھ ناپید ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔ اسے جتا رہا تھا۔

''میرے اندر ایک عجیب سا احساس پنپ رہا ہے حسین شاہ۔ ایسی شکوہ کناں نگاہوں سے تم دیکھتی ہو تو مجھے لگتا ہے جیسے میرے دل کے جنگل میں کسی نے آگ لگا دی ہو۔ ایک الاؤ سا سلگا دیا ہو اور اگلے ہی پل ایک سرد سا احساس اس جلتے الاؤ پر ایک برف کی چادر بچھا کر اس آگ کو سرد اور جامد کر دیتا ہے۔ میں حیران سا اس منظر کو دیکھتا ہوں۔ تم اتنی تیزی سے کیسے ان تاثرات کے حصار میں لے لیتی ہو۔ ایسا کیسے کر لیتی ہو تم؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''تم اس رات والے واقعے کو لے کر پریشان ہو۔ یہ سمجھ سکتا ہوں۔ وہ کچھ بھی کہتی ہے اس کی عادت ہے فضول باتیں کرنے کی۔ اس کے کچھ بھی معنی اخذ کر پریشان ہونا چھوڑ دو۔ کسی اور کی باتوں کو سننے کی بجائے اس انسان پر بھروسہ کرو جو تمہیں تمام حقائق سے آگاہ کر چکا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں سمجھا رہا تھا۔ اسے احساس دلا رہا تھا۔

اس نے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا اور پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اس نے موضوع کو بدلنے کے لیے پوچھا تھا۔

''آپ کیسے ہیں اب؟ آپ کو آرام کرنا چاہئے تھا۔ آپ نے میڈیسن لی تھیں نا؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ وہ شاید بہت زیادہ حساس تھی یا پھر اسے احساس ندامت ستا رہا تھا۔

''آپ جو چلی گئی تھیں آپ نے تو میڈیسن دی ہی نہیں۔ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ ایک ناختم ہونے والا درد تھا جو کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ میرے درد کا خیال رکھے بغیر کسی اور کے حوالے کر کے چلی کیوں گئیں؟'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔ وہ شاید اسے موضوع سے ہٹنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

''آئی ایم سوری..... میری وجہ سے آپ کو تکلیف سہنا پڑی مگر وہ.....'' اس کے لہجے میں ملال تھا۔

''آپ کو ادھوری باتیں کرنے کا خبط کیوں ہو چلا ہے؟ ایسا کیوں کرتی ہیں آپ مجھے الجھا کر بیگانہ ہو جاتی ہیں۔ آپ قصداً ایسا کرتی ہیں یا پھر ارادتاً آپ کو اچھا لگتا ہے میں محوِ انتظار..... منتظر نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتا رہوں؟'' مدھم لہجے میں شکایتیں تھیں۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''وہ آپ کی فرینڈ یا جو بھی..... وہ کہہ رہی تھیں وہ آپ کا خیال اچھی طرح رکھ سکتی ہیں تو میں نے سوچا آپ کو بھی ان پر اسی قدر بھروسہ ہوگا۔ آپ کے دل کی خواہش بھی کچھ ایسی ہی ہوگی۔ وہ بضد تھی کہ میڈیسن ان کو دے دوں تو میں نے تردد نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا میں آپ دونوں کے درمیان آ کر ایک غلطی کر چکی ہوں۔ مزید کسی غلطی کا متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔'' وہ دھیمے لہجے میں وضاحتیں دے رہی تھی۔

اور اظل ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں کتنے شکوہ آ ٹھہرے تھے۔ جیسے خفگی نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ بے چینی ٹھہر گئی تھی۔

''کوئی بھی آپ سے آ کر مجھے مانگے گا، اپنا حق مجھ پر جمانے کی کوشش کرے گا تو آپ مجھے اٹھا کر اس کے حوالے کر دیں گی؟ آپ ایسے کیسی فعل کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتی ہیں مہین شایان شاہ؟ آپ کی نظر میں میری کوئی وقعت نہیں؟ میری کوئی مرضی نہیں؟ کوئی رائے نہیں؟ آپ کو نہیں لگتا میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے؟ میری بھی کوئی رائے ہو سکتی ہے؟ میں کوئی بے جان چیز تو نہیں ہوں جو کسی کے حوالے کر دینے میں آپ کو کوئی قباحت بھی نہ ہو۔ آپ کو کبھی کسی چیز کا ملال بھی نہ ہو۔ آپ متروک کیوں نہیں کرتیں ایسی سوچ کو؟ آپ کو نہیں لگتا مجھ سے رائے دہی کا حق چھین رہی ہیں آپ؟ مجھ پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہی ہیں آپ؟'' وہ مدھم مگر سخت لہجے میں باز پرس کر رہا تھا۔

''مسٹر اظل سہام مرزا..... میں آپ پر غلبہ پانے کی کوشش قطعی نہیں کر رہی ہوں اور اگر آپ ایسا سوچ رہے ہیں تو یہ سراسر غلط ہے۔ ویسے آپ کی اور ان کی سوچ میں کچھ خاص تضاد تو نہیں ہے۔ آپ قیاس آرائیاں کر کے مجھے جھٹلانے کی کوشش کر رہے ہیں مجھ پر الزام لگا رہے ہیں حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے مگر آپ کے درد کی وجہ میں بنی ہوں کیونکہ یہ چوٹ آپ کو میری وجہ سے لگی ہے۔ میں کہیں نا کہیں اپنے آپ کو ذمہ داری سمجھتی ہوں مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ مجھ پر اس طرح الزام عائد کریں۔ آپ کی ان کو لگتا ہے وہ آپ کو مجھ سے کئی گنا زیادہ جانتی ہیں اور در پردہ آپ بھی تو وہی کہہ رہے ہیں نا۔ اسی کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں نا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں، شاید غلطی میری ہی ہے۔ میری وجہ سے آپ کو اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے آپ کو باندھ دیا ایک ان چاہے رشتے میں۔ مانتی ہوں میری غلطی ہے۔ سدباب کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اسباب جو بھی تھے ان باتوں کو جواز بنا کر آپ کی زندگی اور آپ سے جڑے رشتوں کو دکھ دینا کسی طور بھی ٹھیک فعل نہیں ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں یہ شکوہ بے جا تو نہیں ہے۔ مجھے پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔ آپ کی مرضی کو اہمیت دینی چاہیے تھی۔ حالانکہ میں نے وہی کرنے کی کوشش کی جس میں آپ کی خوشی تھی پھر بھی ناکام رہی۔'' وہ اچانک ہی دکھ سے بھر گئی تھی۔ مدھم لہجہ پر ملال تھا۔ ایک سرد سا احساس اس کے اندر تک سرایت کر گیا تھا۔

''میں جان گئی ہوں۔ زبردستی کے رشتے کبھی کسی کو خوشی نہیں دے سکتے۔ خوشی کا سبب نہیں بن سکتے۔ رشتوں کو بننے میں صدیاں لگ جاتی ہیں۔ ایک دو دن میں ان رشتوں کی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی ہے۔ اس کا رشتہ پرانا ہے۔ زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے۔ شاید اسی لئے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے یہ بات اسی وقت سمجھ جانی چاہیے تھی۔آپ ٹھیک کہتے ہیں۔مجھے انداز کیوں نہیں ہوا؟ مجھے جاننے میں دیر کیسے لگی۔میری وجہ سے آپ بندھ گئے اس رشتے میں جس کی حقیقتاً کوئی وقعت نہیں ہے۔کیونکہ رشتے تو دلوں سے بنتے ہیں۔مجھے تو احساس ہی نہیں ہوا۔ آپ کا الزام غلط تو نہیں تھا۔میں بے وجہ خفا ہوگئی۔'' وہ مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

وہ چلتا ہوا ایک قدم آگے بڑھا تھا اور اس کے اور اپنے درمیان فاصلوں کو کم کر دیا تھا اور ایک ہاتھ سے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

''تم.....تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو ھین شایان شاہ؟ تم ایک سمت میں سوچ رہی ہو۔جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں وہ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہا؟ میری مخالف سمت کیوں جا رہی ہو تم؟ یوں قیاس آرائیوں میں وقت ضائع کیوں کر رہی ہو تم؟ اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔تم زندگی کو کیسے سمجھو گی؟ تم انتہائی بے وقوف لگ رہی ہو اس گھڑی۔'' وہ مدھم لہجے میں ڈپٹ رہا تھا۔

وہ اس کو سمجھ نہیں رہی تھی اور اپنی طرف سے معنی اخذ کر کے غلط سمت میں چلنے لگی تھی۔یہ بات اظل کو خائف کر رہی تھی۔

''ہاں میں بے وقوف ہی تو ہوں جو ایک غیر اور اجنبی شخص پر بھروسہ کر بیٹھی تھی۔غلطی کا ایک بڑا فیصلہ ایک پل میں کر دیا۔زندگی کو مذاق بنا دیا۔پہلے زندگی میں مسائل کم نہ تھے جو ایک اور مصیبت میں پھنس گئی۔خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری بلکہ پاؤں کلہاڑی پر رکھ دیئے۔اب یہ سب کچھ تو جھیلنا ہی پڑے گا۔یہ سب کچھ سہنا ہی پڑے گا نا۔آپ غلط نہیں ہو سکتے۔ساری غلطی تو میری ہے۔'' وہ مدھم مگر سرد مہری سے کہہ رہی تھی۔اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔جذبات سے عاری یا پھر وہ خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کی گرفت ابھی تک اس کے بازو پر تھی۔ھین چہرے کا رخ موڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

"Do you know what Hayyin Shah? It seemed like that it is the cold war between you and me you are talking in cold way..."

وہ مدھم لہجے میں شکایت کر رہا تھا۔یا شاید اسے باور کرا رہا تھا۔

''میری طرف دیکھو ھین شایان شاہ..... یوں بزدلوں کی طرح نگاہیں مت چراؤ میری طرف دیکھ کر سب کہو جو بھی دل میں ہے۔سارے شکوے ایک ہی بار کیوں نہیں کر دیتیں تم؟ ہر روز ایک نیا شکوہ ایک نئی شکایت۔تم ایک ہی بار طے کیوں نہیں کر لیتیں؟'' وہ مدھم لہجے میں مشورے سے نواز رہا تھا۔

ھین شاہ نے اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا اور اسکی نگاہیں اس پر ساکت ہو گئی تھیں۔

''ھین شاہ..... جب تم میری طرف اس طرح دیکھتی ہو تو مجھے لگتا ہے جیسے تم شکایت کر رہی ہو۔ان گہری سرمئی آنکھوں کے سمندر میں اچانک بھنور سے اٹھ آتے ہیں اور اس بھنور کی لپیٹ میں میرا دل ایک دائرے میں گردش کرنے لگتا ہے۔میرا دل ان وسوسوں کے بھنور میں کہیں ڈوب جاتا ہے اور نگاہیں تم پر جمی رہتی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

If the cold war is name given to the relationship that which developed primarily between you and me... after our silent arguments occured last night. But you know Hayyin Shah the cold war was to dominate our heart's internal affairs for decades and many major issues occured for many with growth of doubts of destruction was the most worrying issue that I know."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔اسے جتا رہا تھا۔وہ جان گیا تھا اصل معاملات۔اس سے کچھ چھپا ہوا نہیں تھا۔

ھین اس کی طرف بے یقین نظروں سے دیکھ رہی تھی۔حیرانگی سے بھری آنکھیں کتنے رنگ ایک ساتھ آ کر ٹھہر گئے تھے اس کی آنکھوں میں۔وہ کیسے جان گیا تھا معاملہ کیا تھا۔اسے کیسے پتہ چل گیا تھا۔

''تم جو یوں گریزاں ہو۔آنکھوں میں آتے رنگوں کو چھپانے کے جتن کر رہی ہو۔حیرانگی اور بے یقینی کے رنگوں کا امتزاج ٹھہر گیا ہے۔تم حیران ہو کہ میں تمہارے مزاج تک رسائی کیسے پا گیا ہوں۔تم جو اک یقین اور بے یقینی کے درمیان یوں خدشات میں گھری کھڑی ہو۔اندیشوں کے ساتھ چل رہی ہو تم نہیں جانتی یہ روش تمہیں انجان راہوں کی طرف لے جا رہی ہے۔یہاں سے دور کا سفر شروع ہو رہا ہے۔فاصلوں کو کسی بغاوت کی ترغیب مل رہی ہے۔میلوں کی دوریاں حائل ہوتی جا رہی ہیں۔ایک سرد سا احساس درمیان اپنی جگہ بنا رہا ہے۔اس خلا کو پر کر رہا ہے۔خدشات نے اپنے پر پھیلا لئے ہیں۔پرواز کے لئے تیار ہے۔اڑ کر دور دراز کے ان دیکھے مقامات کی طرف لے جانے کے لیے بے قرار سا دیکھ رہا ہے۔تم ہی کہو معاملات کو ان کے حوالے کر دینا عقلمندی تو نہیں ہے نا۔'' وہ مدھم لہجے میں سمجھا رہا تھا۔اس کو ان خدشات سے نکالنے کے جتن کر رہا تھا۔

''آپ نے جو کہا تھا اس سے کیا معنی اخذ کروں میں؟ مجھے وہ سننا چاہئے جو آپ کہتے ہیں یا وہ جو آپ کی وہ دوست کہہ رہی تھی یا پھر جو آپ کہہ نہیں پا رہے ہیں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''جو کہہ رہا ہوں وہ تمہیں سمجھ نہیں آ رہا۔جو میں نہیں کہہ رہا وہ آپ کیسے سمجھ پائیں گی؟ آپ کی سمجھ پر تو مجھے شک ہونے لگا ہے۔'' وہ حتمی رائے دے رہا تھا۔وہ اپنے خدشات کا اظہار کر رہا تھا۔

''کسی اور کو درمیان میں مت لاؤ.....اپنی اور میری بات کرو۔جو دل میں اندیشے ہیں ان کو زبان پر لاؤ۔کہہ دینے سے تمہارے دل کا بوجھ کم ہو جائے گا۔میں سمجھ سکتا ہوں تم پریشان ہو۔تم نے تو میرا سکون و چین بھی برباد کر دیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔دھیمے لہجے میں بے بسی تھی۔آنکھوں میں اضطرابی ٹھہر گئی تھی۔

''تو سچ آپ کی زبان پر آ ہی گیا ہے نا۔آپ کی پریشانی کی وجہ میں ہوں نا؟ اگر آپ نے کہہ ہی دیا نا جو چھپانے کے جتن کر رہے

تھے۔اس حقیقت کو چھپانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے مگر کہہ نہیں سکے تھے۔یہ وہی سچ ہے جو آپ کو روک رہا تھا مگر سچ آخر زبان پر آ ہی گیا۔آپ نے مجھے الزام دے ہی دیا۔آپ کی خفگی ظاہر ہو ہی گئی نا۔میں آپ لوگوں کے درمیان آ گئی ہوں۔آپ کو اس سے چھٹکارا پانا ہے نا؟'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔کتنا حیران سارہ گیا تھا وہ۔وہ اس کی سوچ پر حیران تھا پھر خفگی اور غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم کبھی نہیں سمجھو گی یا پھر تم اپنی سوچ کو مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔اس طرح تسلط جمانے سے مسائل مزید گھمبیر شکل اختیار کرتے نظر آ رہے ہیں۔تم مجھے حیران کر رہی ہو۔تمہارا ردعمل اس قدر شدید ہے۔مجھے تو خوف آنے لگا ہے۔تم کس سمت جا رہی ہو۔اپنی بھٹکتی سوچوں کو سیدھے راستے پر لاؤ ورنہ چیزیں بننے کی بجائے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے مگر لگتا ہے تم اپنے نقصان سے واقف نہیں ہو۔یا پھر جان بوجھ کر انجان بننا چاہتی ہو۔'' وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔اس کے بازو پر اس کی گرفت مزید سخت ہو گئی تھی۔وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔

''پلیز ہاتھ ہٹائیں مجھے درد ہو رہا ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں دبا دبا سا احتجاج کیا تھا۔

''تمہیں اپنی تکلیف کا احساس ہے مگر میری تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہے نا؟ تمہیں جو کرنا ہے کرو۔مگر جان لو اپنی چیز سے دستبردار ہونا میں نے نہیں سیکھا۔شاید تم آگاہ نہیں ہو مگر اب جان لو،سمجھ لو اور اپنے پلو سے باندھ لو۔مجھے اپنی بات دہرانے کی عادت ہرگز نہیں ہے۔تم یہ بات جتنی جلدی سمجھ لو تمہارے لیے بہتر ہے۔'' اس نے ترش لہجے میں کہا تھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کے بازو سے ہٹایا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا تھا۔

اورھین شاہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اسے ایک گہرے ملال نے گھیر لیا تھا۔اسے ایک عجیب سے احساس نے اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔اس نے غلط رویہ روا رکھا تھا۔

وہ تکلیف میں تھا۔اس کو تیمارداری کی ضرورت تھی اور ان لمحات میں وہ غافل ہو گئی تھی۔اسے احساس ندامت اندر ہی اندر مار رہا تھا۔وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر بڑھی تھی۔دادا جان کے کمرے تک پہنچی تھی کہ ان کی آواز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔وہ کہہ رہے تھے۔

''حنان بتا رہا تھا یہ کوئی حادثہ نہیں تھا۔کوئی سوچی سمجھی سکیم تھی۔کسی نے اظل پر حملہ کیا تھا۔اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ہم کسی کی نیت پر اعتبار نہیں کر سکتے۔کوئی کیسا بھی عمل اختیار کر سکتا ہے۔اللہ کا شکر ہے ہمارا بچہ محفوظ رہا۔بال بال بچا ہے۔سدِ باب ضروری ہے۔کوئی ہے جو اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔اس بچی کی حفاظت اور اپنے بیٹے کی حفاظت کے لئے ہمیں کوئی حتمی اقدام اٹھانا ہوگا۔ان کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ایک دو دن میں صلاح مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔'' دادا جان کہہ رہے تھے۔

اورھین شاہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ساری جان کیسے مشکل میں گھر گئی تھی۔سانسیں ایک لمحے کے ساکت ہو گئی تھیں۔

اس نے فیصلہ لیا تھا اور اپنے کمرے کی طرف بمشکل بڑھی تھی۔ اس میں قدم اٹھانے کی سکت ہرگز نہیں تھی مگر..... کتنے ہی سمندر راستے کے بند توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ نہیں جانتی تھی بے چینیاں کبھی یوں بھی اس کا مقدر بن جائیں گی۔ پوری قوت سے چیزیں اس طرح اثر انداز ہوں گی کہ اسے اپنی گرفت میں لے لیں گی۔ کچھ تو تھا جو اسے باندھ رہا تھا۔ اسے اندر ہی اندر کمزور کر رہا تھا۔ ایک خوف اندر سرایت ہوتا جا رہا تھا۔ شاید کھو دینے کا خوف تھا جو اس کی بے چینیوں کو بڑھاتا جا رہا تھا یا پھر ملال تھا جو بے قراری کو بڑھا رہا کر اندر ایک خالی پن بھر رہا تھا یا پھر احساس ندامت کہ اس نے اس کا بے حد خیال رکھا تھا۔ اس کی جان بچائی تھی اس کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی تھی مگر اب جب اسے ضرورت تھی تو وہ کنی کترا کر صاف نکل گئی تھی۔ کسی اور کی بات سن کر اس کی سزا اس کو دے رہی تھی۔ یہ تو سراسر غلط فعل تھا۔ اس نے سونے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اٹھی تھی۔ کچھ سوچا تھا۔ اس نے دوپٹہ اچھی طرح کندھوں پر پھیلایا تھا۔ پیر جوتوں میں اڑسے تھے اور چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

ایک عجیب سا رشتہ تھا ان دونوں کے درمیان۔ اسے اس کی پرواہ تھی۔ شاید وہ اچھا تھا یا پھر اسے اس کا کیئرنگ انداز بھاتا تھا۔ مگر وہ خفا تھا۔ ناراض ہو گیا تھا۔ غلطی اس کی تھی سو اس کو مان لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ اس نے تامل نہیں کیا تھا۔ اس کو منانا ضروری تھا مگر کیسے؟ سوچنا باقی تھا۔ یا پھر وہ جانتی تھی اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔

وہ چلتی ہوئی گارڈن کی طرف بڑھی تھی۔ شاید اس گھر کے مکینوں کو پھولوں سے خاص انسیت تھی تبھی رنگوں کی بہار چاروں طرف امڈ آئی تھی۔ وہ پھول توڑنے ہی لگی تھی۔ ایک تیز نوکیلا کانٹا چبھ گیا تھا تبھی ملازم بھاگتا ہوا آ گیا تھا۔

''بی بی جی یہاں رات کے وقت خطرناک سانپ نکل آتے ہیں۔ آپ ان پھولوں کو ہاتھ مت لگائیں۔ مجھے حکم کریں، میں توڑ دیتا ہوں آپ کو پھول۔'' وہ مؤدب سا سامنے کھڑا تھا۔

''نہیں جاؤ تم، میں خود توڑ لوں گی۔ کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے ڈپٹا تھا۔

''نہیں بی بی جی اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو ہماری خیر نہیں۔ صاحب کا غصہ بے حد خطرناک ہے۔'' ملازم نے ایک آخری کوشش کی تھی۔ وہ جانتا تھا صاحب کو پتہ چلا تو اس کی خیر نہیں وہ ضرور ڈانٹیں گے۔

''بی بی جی میری نوکری خطرے میں پڑ جائے گی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ تو بھوکے مر جائیں گے۔'' وہ مظلومیت سے درخواست کر رہا تھا۔

''اگر تم یہاں سے نہیں گئے تو میں تمہیں نوکری سے نکال دوں گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں دھمکی دے رہی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی

ملازم مجبوراً دور ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

وہ دوبارہ مڑی تھی اور تیزی سے پھول توڑنے شروع کر دیئے تھے۔ پھول زیادہ ہو گئے تھے۔ مٹھی میں گنجائش کم ہونے کی وجہ سے پورے نہیں آ رہے تھے۔ اس نے بانہوں کے گھیرے میں بھر لیے تھے۔ سرخ، پیلے اور سفید گلاب کے پھولوں کی مہک دلفریب تھی۔ اس نے ایک تنقیدی نظر ان پھولوں پر ڈالی تھی۔ ابھی بھی کم لگ رہے تھے مگر دیر ہو رہی تھی۔ اسے میڈیسن دینی تھی۔ جانے اس نے کچھ کھایا بھی تھا یا نہیں۔ اچانک اسے کتنی فکروں نے گھیر لیا تھا۔

''تیزی سے چلتی ہوئی کچن کی طرف بڑھی تھی۔ ایک بازو میں پھولوں کو بھرا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے ایک پین کو برنر پر رکھا تھا۔ اس کے لئے سوپ بنایا تھا۔ اس کے فیورٹ مفن بیک کئے تھے۔ کافی بنائی تھی اور پھر ایک ٹرے میں رکھ کر ملازم کو آواز دی تھی۔ اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا تھا پھر دروازے کی ناب کو گھمایا تھا اور دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا یا شاید سو رہا تھا۔

اس نے پیچھے مڑ کر ملازم سے ٹرالی لی تھی اور اسے جانے کا اشارہ کر کے چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب رکی تھی۔ سارے پھول سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلدان میں رکھے تھے اور پرانے پھول نکال کر دوسری طرف رکھ دیئے تھے۔ سارا کمرہ پھولوں کی خوشبوؤں سے مہک اٹھا تھا۔

''سنئے.....'' اس نے پکارا تھا۔

مگر جواب ناپید تھا۔ وہ تھوڑی سائیڈ کی طرف جھکی تھی۔ اسے دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ہلانے کی کوشش کی تھی مگر رک گئی تھی۔

''سنئے.....اٹھئے نا.....آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' وہ مدھم لہجے میں پکار رہی تھی مگر وہ مسلسل آنکھیں بند کئے لیٹا رہا تھا۔ اس کی آواز پر کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ حسین شاہ کو فکروں نے گھیر لیا تھا۔ وہ فکرمندی سے اس کے اوپر جھکی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر ہلایا تھا۔

''اظل، کیا ہوا؟ آپ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہے ہیں؟'' مدھم لہجے میں خدشات تھے۔ پریشانی نمایاں تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ سرخ انگاروں کی طرح جلتی ہوئی آنکھیں۔ اس کا ہاتھ اس کی گرفت میں آ گیا تھا۔ اس نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔ پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر ہاتھ اس کی گرفت میں ہونے کی وجہ سے گرتے گرتے بچی تھی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی اور اس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے اس کا دھیان تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو مسلسل ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں تم پریشان مت ہو۔ بہت سخت جان ہوں میں۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا اور جب تمہاری حفاظت پر مامور ہوں تو تب تو کچھ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل والی خفگی اور چہرے پر تناؤ اب بھی نمایاں تھے۔

اور ھین شاہ نے اس کے لہجے کی سختی محسوس کی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک دھواں سا تیرنے لگا تھا۔اسے اس کی بات بری لگی تھی یا پھر وہ اس کی تکلیف سے پریشان ہوگئی تھی۔ جھکے رہنے سے اس کے متزلزل قدموں میں لرزش بڑھتی جارہی تھی۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔''اس نے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا مگر ہاتھ ابھی بھی اس کی گرفت میں تھا۔وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''سرمئی آنکھوں میں ندامت کے گہرے بادلوں نے اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ایک گھیرا تنگ کر کے اپنی اجارہ داری بنالی ہے۔الجھے ہوئے گھنگھور بادلوں کے چہرے پر ایک عجیب سا تناؤ ہے۔ان کی آنکھوں میں وسوسوں نے پڑاؤ ڈال کر امید کی راہیں مسدود کردی ہیں۔ ہواؤں نے ان بادلوں کے کانوں میں سرگوشیاں کرنی شروع کردی ہیں۔ بادل نے ان ہواؤں کو راز دار بنالیا ہے۔ ہوائیں شاید ان بھیدوں سے رسائی پالی ہے۔لگتا ہے بارش برسنے کو تیار ہے۔بس برسنے ہی والی ہے۔کسی طوفان کا اندیشہ بڑھتا جارہا ہے اور میں تو پہلے ہی کمزور ہوگیا ہوں اس طوفانی بارش کو برداشت کرنے کی سکت مجھ میں ناپید ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں تجزیہ کررہا تھا۔اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھ چکا تھا۔جانے وہ اس کی حالت پر پشیانی تھی یا کسی اور بات کا قلق ستارہا تھا۔

''ھین شاہ، کس بات کا قلق ستارہا ہے تمہیں؟ میری زندگی میں کوئی اور تھی یا ہے۔اس سے تمہیں فرق پڑتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو صاف کہہ دینے میں کیا قباحت ہے؟ اگر کچھ برا لگ رہا ہے تو صاف بتادینے میں کیا حرج ہے۔اگر شکایتیں ہیں تو اظہار کے طریقے تو بہت ہیں۔خاموشیوں کو اپنی کمزوری بنا کر کیوں ہراساں ہورہی ہو؟ میں خاموشیوں کی زبان سے قطعی طور پر نابلد ہوں۔میرا علم ناقص ہے اس کا قلق ستارہا ہے مجھے۔اگر اس فن میں مہارت رکھتا تو تمہارے دل میں چھپے بھیدوں کے اسرار کو جان جاتا مگر مجھے تو لگتا ہے یہ ایک دقیق اور پیچیدہ ترین عمل ہے اور یہ اور پیچیدہ ہوتا جارہا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ھین شاہ کو لگ رہا تھا اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کا سارا چہرہ جل رہا تھا۔

''میرا ہاتھ۔''اس نے محویت توڑی تھی مگر اس کی نگاہیں اسی زاویے پر لگی ہوئی تھیں۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔اس کے مدمقابل آگیا تھا جیسے اسے اس کی حالت پر ترس آگیا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو ھین شایان شاہ؟'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ھین نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر ایک قدم پیچھے ہوکر فاصلوں کو بڑھادیا تھا۔

وہ اس کی حرکت پر اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔اس کے چہرے پر تناؤ بڑھ گیا تھا۔

''میں اپنے تمہارے بیگانگی کے فاصلوں کی پیائش کر کے تھکنے لگا ہوں۔ان فاصلوں کی پیائش کے لئے اکائی تلاش کرتا رہتا ہوں۔اس فاصلے کو ناپنے کے لئے تمام اعداد کو شمار کرتا ہوں تمام اکائیوں کو استعمال کرتا ہوں۔صدیوں پر محیط اجنبیت کی فصیلیں ہر گزرتے

پل کے ساتھ اونچی اور مزید اونچی ہوتی جا رہی ہیں۔ ان فصیلوں کی اونچائی کی گنتی کا شمار ممکن نہیں یہ حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے۔ تم مجھے میلوں کی دوری پر کھڑی نظر آتی ہو۔ تم نے ہر گزرتے دن کے ساتھ ان فاصلوں کو بڑھا کر میلوں، صدیوں اور دنوں کو سالوں میں تبدیل کر دیا ہے مگر میں ان زاویوں کے حاشیوں پر چلتا جا رہا ہوں۔ ان لکیروں کو سنگ میل بنا کر ان بھول بھلیوں میں تم تک پہنچنے کا راستہ بنا رہا ہوں۔ تم اکائیوں کو بڑھاتی جاؤ اور میں ان کو کم کرنے کے ہر ممکن جتن کرتا رہوں گا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔'' مدھم لہجہ پر یقین تھا۔ جتا رہا تھا۔ باور کرا رہا تھا۔

''آپ الجھی اور ثقیل باتوں سے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ عادت ہراساں کرتی ہے مجھے۔ مجھے الجھا دیتی ہے۔ آپ کو ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ خفگی آپ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھئے۔ ابھی حالتِ سکون میں رہنا سیکھ لیں آپ۔ ہر وقت انگارے چبائے رکھتے ہیں آپ تو۔ یہ عمل سراہے جانے کے قابل قطعی نہیں ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے ڈپٹ رہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا اس کے اچانک پینترا بدلنے پر امنڈ آنے والی مسکراہٹ کو روک نہیں سکا تھا۔ وہ پورے استحقاق سے اس لمبے چوڑے انسان کو ڈپٹ رہی تھی جس کے غصے سے سب ڈرتے تھے۔

''میں نے کہا تھا نا آپ سے حاوی ہو جانے کے فون سے بخوبی آگاہ ہیں آپ۔ اس وقت وصف سے پرانا رشتہ ہے آپ کا۔ لمحوں میں پینترا بدلتے عمل لاجواب ہے۔ اپنی کمزوری کو طاقت بنانے کا عمل دلفریب ہے۔ حادثوں کو زبان دینا آنے لگا ہے تمہیں۔ یہ زیادہ طاقتور فعل ہے۔ جینے کی امید بڑھنے لگی ہے۔ جنوں کو کچھ تسکین ملنے لگی ہے۔ دور کھڑے ہو کر بھی تم اپنے پنجے گاڑ چکی ہو۔ شاید تمہیں اپنے اختیارات کا ادراک ہو چکا ہے۔ اپنی طاقت کا اندازہ ہے تبھی تو ان وسوسوں کو کہیں بھگا دیا ہے اور یوں خود اعتمادی سے مجھے ڈپٹ رہی ہو۔ مجھ پر رعب جما رہی ہو۔ میرا دل تو ڈرا سہما سا کھڑا ہے۔ تدارک کرنے کی جستجو میں جٹ گیا ہے۔ مگر تم تو تمام راہیں مسدود کر چکی ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے اس کی باتوں کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے اس کا ہاتھ تھامنے آگے بڑھی تھی اور کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا تھا۔ پھر اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروا کر اس کے لئے کھانا ٹیبل پر رکھا تھا۔ نیپکن کو اس کی طرف بڑھایا تھا۔ پھر سوپ کا پیالہ تھام کر اس کے پاس کھڑی ہو کر سوپ کا چمچ بھر کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''آپ فوراً سے پیشتر اسے ختم کریں۔ بھوکے رہنے کی وجہ سے آپ کا درد سر پر چڑھ گیا ہے۔ اسی لیے آپ الجھی الجھی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو میڈیسن کھا کر آرام کرنا ہے۔ اس طرح بولتے رہیں گے تو آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ یہ آپ کی صحت کے لئے اچھا نہیں ہے۔'' دھیمے لہجے میں سمجھا رہی تھی۔

"Do you know what Hayyin Shah? I'm feeling you are trying to capture my heart and soul. You are trying to change my life for the better and I'm inspired to be different when I'm with you."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کیسے نئے انکشافات کر رہا تھا وہ۔

ھین نے سوپ کا پیالہ اس کے سامنے سے اٹھا کر سینڈوچ اس کے آگے رکھے تھے۔ وہ اچھے بچوں کی طرح خاموشی سے کھا رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے اسے پسند آیا تھا۔ اس نے Muffins اس کے سامنے رکھے تھے۔

"How do you know I like muffins?"

وہ حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''مجھے لگا تھا آپ کو اچھے لگیں گے۔ Blueberries مفن مام بہت اچھے بناتی ہیں نا؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

اور وہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتا تھا تم کوئی جادوگرنی ہو۔ تم سے کوئی بات چھپی ہوئی کیسے رہ سکتی ہے۔ اس بات کا اندازہ مجھے ہو جانا چاہئے تھا۔ میں کیسے بھول گیا تم بھیدوں کو کھولنے کا علم رکھتی ہو۔ میں کیسے انجان رہا۔ مجھے تو اسی وقت سمجھ جانا چاہئے تھا جب تم سے ملا تھا۔ کیسے باندھ لیا تھا تم نے ایک نظر کے ساتھ۔ میرا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک آ گئیں۔ ایک نگاہ میں اپنا شکار بنا لیا۔ بے بس کر کے جکڑ لیا اور نکلنے کی ساری راہیں مسدود کر کے چھوڑ دیا۔'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یا پھر اس کو بولنے پر اکسا رہا تھا۔ وہ خاموش تھی یہ بات اسے کھل رہی تھی۔

وہ اٹھی تھی۔ شاید فرار کا کوئی راستہ اپنایا تھا یا پھر اس کی نگاہوں سے بچنے کی کی سعی کی تھی۔

''آپ کی کافی ٹھنڈی ہو گئی ہے میں دوسری کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' اس نے کہا تھا اور ہاتھ کپ اٹھانے کے لیے بڑھایا تھا مگر اس کا ہاتھ اس کی گرفت میں آ گیا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس کے کپ تھامنے سے پہلے ہی کپ اٹھا کر لبوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں ساری کافی ختم کر دی تھی اور کپ سائیڈ میں رکھ دیا تھا۔

''آج سے پہلے اتنا شاندار کھانا کبھی نہیں کھایا تھا اور ایسی کولڈ کافی تو ہرگز نہیں پی۔ کچھ تلخ، کچھ شیریں۔ ایک عجیب سا ذائقہ تھا اس کا مجھے تو لگتا ہے تم سارے خدشات اس کافی میں مکس کر دیئے تھے۔ تبھی تو اس کی تلخی بڑھ گئی تھی مگر تمہارے ہاتھ کی مٹھاس اس میں گھل جانے سے ایک تلخ و شیریں کا ملا جلا سا احساس بن گیا تھا۔'' مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری میں شوگر ملانا بھول گئی تھی۔''اس نے معذرت کی تھی۔وہ جان گئی تھی وہ کیوں کہہ رہا تھا۔

''نہیں آپ کو سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

I'm sure that I got angry, I'm like a kleptomaniac, I always take things literaly."

وہ مدھم لہجے میں معذرت کر رہا تھا۔

''آپ کو نہیں لگتا ان باتوں کو موقوف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔یہ فضول کی باتیں ہیں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔یہ فطری سا ردعمل ہے۔ان باتوں کے بارے میں سوچ کر خود کو مت الجھائیں۔''وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''الجھی ہوئی تو مجھے تم لگ رہی ہو حسین شاہ۔مجھے تو لگتا ہے الجھی ہوئی سوچوں نے تمہیں گنجل کر دیا ہے۔جانے کیسے اندیشے ہیں جو تمہاری آنکھوں میں ڈیرہ ڈال چکے ہیں۔کہیں اور جانے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں۔ایک بے اعتباری کی فضا پھیل گئی ہے اور اس بے اعتباری کا پھیلاؤ،اس کی وسعت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو رہا ہے۔''وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ پیش کر رہا تھا۔

''میں آپ کو میڈیسن دیتی ہوں۔وہ بات کو بدلنے کے لیے کہہ کر مڑی تھی مگر پاؤں زمین پر جھولتے ہوئے ڈوپٹے میں الجھا تھا اس سے پہلے وہ گرتی اس نے اسے سنبھال لیا تھا۔اس کا سر اس کے فراخ سینے سے ٹکرایا تھا۔اس کے بازو کو جھٹکا لگا تھا۔اگلے ہی پل وہ سنبھل کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔اس کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہو گیا تھا۔چہرہ خجلت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

''آپ کو لگی تو نہیں؟''وہ پوچھ رہا تھا۔وہ اتنا فکر مند تھا۔آنکھوں میں اضطرابی بڑھ گئی تھی۔اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں.....میں ٹھیک ہوں۔''اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔''وہ جانے کے لئے مڑی تھی۔

''آئی ہیں اور تیمارداری کئے بغیر جا رہی ہو؟''مدھم لہجے میں شکایت تھی۔

''لگتا ہے درد بڑھتا جا رہا ہے مگر تمہیں تو پرواہ ہی نہیں ہے۔''ایک اور شکوہ کیا تھا۔

''کہاں درد ہو رہا ہے آپ کو؟میں ڈاکٹر باسط کو فون کرتی ہوں۔''اس نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

''آئی ایم سوری یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔آپ کی جان میری وجہ سے مشکل میں پڑ گئی ہے۔مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔آپ کے لیے مشکلات کو بڑھا دیا ہے میں نے،مگر میں مزید کسی مصیبت میں نہیں پڑنے دوں گی آپ کو۔میں آپ سے دور رہوں یہی بہتر ہوگا۔سارا قصور میرا ہے۔مجھے جان لینا چاہیے تھا۔مجھے کوئی حق نہیں ہے آپ کی مشکلوں کو بڑھانے کا۔آپ کی اچھی بھلی زندگی میں مصیبتوں کا انبار لگا دیا میں نے۔مجھے اپنی قسمت کے برے ہونے کا خدشہ تو پہلے ہی تھا اب اور بھی پختہ یقین ہونے

لگا ہے۔ میں اپنی مشکلات سے خود نبرد آزما ہو سکتی ہوں۔ حالات کا سامنا کر سکتی ہوں۔ اب آپ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی میں۔'' اس نے مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ آنکھوں سے سمندر بند توڑ کر نکل آئے تھے۔ اس نے رخ موڑ کر چھپانے کی سعی کی تھی مگر اس نے رخ موڑ کر اپنی طرف کیا تھا۔

''آپ کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ میں آپ کی وجہ سے تکلیف میں ہوں۔ یہ قیاس آرائیاں کیسے کر لیتی ہیں آپ؟ میری مشکلات کو بڑھانے میں آپ کا ہاتھ ہے یہ بات آپ کو کیسے پتہ چل گئی ھین شاہ؟ میری مشکلات آپ سے الگ کیسے ہو گئیں؟ آپ بزدلوں کی طرح مجھے چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتی ہیں اور آپ سمجھتی ہیں اس فعل سے آپ بند باندھ دیں گی فصیلوں کے آگے؟ یہ سدِ باب کرنے کا کون سا طریقہ ہے میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ آپ کو نہیں لگتا یہ بے جواز وجوہات ہیں جس کے کو لے کر آپ کوئی حتمی فیصلہ لینے کی غلطی کر رہی ہیں۔'' وہ برہم ہو گیا تھا۔ اسے ڈپٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اسے کمزور کر رہے تھے۔ اسے تکلیف دے رہے تھے۔ اسے کیسے جانا کہ وہ اسے کتنا درد دے رہی تھی۔

اس کا رخ اپنی طرف موڑ کر اس کے آنسو پوروں پر چنے تھے۔

''تم نے طے کر لیا ہے کہ مجھے مار کر ہی دم لو گی؟ سارے ہتھیار آج ہی استعمال کر لینے ہیں تم نے؟'' مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

''داداجان نے کہا یہ حملہ ہوا ہے آپ پر۔ آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ میری وجہ سے۔ میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میری مصیبت آپ کے گلے پڑ گئی ہے۔ میں خود کو معاف نہیں کر پا رہی ہوں۔ آپ سب کے لیے اہم ہیں۔ بہتر ہے میں چلی جاؤں۔ ایک ملال ستا رہا ہے مجھے۔ اک پل بھی چین نہیں آ رہا ہے۔ لاکھ مضبوط بنی تھی مگر کیا کروں۔ میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ پہلے ماما پاپا کو کھویا ہے۔ میں کھو دینے کے کرب سے آگاہ ہوں۔ کسی بڑے نقصان کا احتمال ہو یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ میں یہ سہہ نہیں پاؤں گی۔ ساری عمر ایک قلق کے ساتھ بسر نہیں ہو گی مجھ سے۔ میں بڑے پاپا کے پاس جا رہی ہوں پھر جو ہو گا وہ دیکھ لوں گی۔ پلیز آپ دور رہیں ان معاملات سے۔'' وہ دھواں دھار سمندر بہا رہی تھی۔ ایک لمحے کو رکی تھی۔

''میں مانتی ہوں میری خطا ہے سارا قصور میرا ہے۔ سزا بھی مجھے ملنی چاہیے تاکہ آپ کو..... آپ نے تو بھلائی کرنے کی کوشش کی۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ آپ کے احسانات ہیں مجھ پر۔ مگر اب مزید آپ کو سہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

تو اس کے خوف کی وجہ یہ تھی۔ اسے پتہ چل گیا تھا۔ وہ جان گئی تھی۔ وہ اسی بات سے پریشان تھی۔ اس قدر سہمی ہوئی تھی۔ آنکھیں نمکین سمندروں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے اسے پکڑ کر خود سے قریب کیا تھا اور اپنے بازو کے ہالے میں لے لیا تھا۔ اس نے بنا کوئی تردد کیے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔ اسے اس لمحے شاید ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ کمزور پڑ گئی تھی۔ ایک کندھے کی ضرورت تھی جس پر سر رکھ کر وہ دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر خود کو

اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا اور دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ فاصلوں کو بڑھا دیا تھا مگر دل میں ایک تلاطم برپا ہو گیا تھا۔

''اتنے خدشات کے ساتھ کیسے جی سکتی ہیں آپ ھین شاہ؟ آپ تو بہادر شیرنی ہیں۔ اتنے طوفانوں کا تنہا مقابلہ کر سکنے کی سکت ہے آپ میں۔ میں تو صرف تمہارا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ تم بے فکر رہو۔ ان اوہام کو ایک گٹھری میں باندھ کر کسی دریا میں بہا دو۔ اعتبار کرنا سیکھو۔ پھر دیکھو ساری مشکلات ایسے غائب ہو جائیں گی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ سب اچھا ہوگا اور میری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جانا یہ ذہن میں بٹھا لیں آپ۔'' وہ مدھم لہجے میں کیئرنگ انداز میں سمجھا رہا تھا۔

پھر اس کا ہاتھ دیکھا تھا جس پر جا بجا زخموں کے نشان تھے۔ بازوؤں پر کانٹے چبھے ہونے سے خراشیں آ گئی تھیں۔ اس نے پلٹ کر پھولوں کو دیکھا تھا۔ کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے نگاہیں اس پر ٹکا دی تھیں۔

''تم نے میری خفگی دور کرنے کے لیے ان پھولوں کو چنا نا۔ یا پھر اس ملال کی وجہ سے یہ قدم اٹھایا۔ مقصد مداوا کرنا تھا شاید؟ کیوں صحیح کہا نا میں نے؟ یہی وجہ تھی نا؟'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔

''تم صرف مداوا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ مجھے لگا تھا تمہیں میری فکر ہے۔ تمہیں میرا خیال ہے مگر میں غلط تھا۔ عقدہ یہ کھلا کہ وہ تو میری خام خیالی تھی۔ میری دوست کبھی نہیں بن سکتیں آپ۔ یہ تو صاف ظاہر ہو چکا ہے۔'' وہ شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے.....'' وہ بات بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی جیسے جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔

''پھر کیا بات ہے ھین شایان شاہ؟ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ کیا سمجھوں میں اسے؟ یہ فعل کیا ظاہر کرتا ہے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''احساسِ ندامت میں تو مجھے مبتلا کر دیا ہے آپ نے۔ اتنے سارے زخم میری وجہ سے لگ گئے آپ کو۔ اس سے پہلے بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے تو لگتا ہے صدیوں سے آپ کا اور میرا کوئی رشتہ ہے۔ تبھی تو آپ کی تکلیف صرف مجھے ہی کیوں ہو رہی ہے۔ حیران ہوں۔ ان کانٹوں کی چبھن کو میں محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے کہ کانٹا میرے دل میں چبھ گیا ہو اور چلتا ہوا میرے جسم کے اندر سرایت کر گیا ہو۔ میرے خون میں شامل ہو کر آنکھوں تک گردش کرتا ہوا آ گیا ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں کیسے انکشافات کر رہا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ جانے کو مڑی تھی۔ اس کی تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عجیب گریزاں سا انداز تھا۔

''تم جو یوں گریزاں ہو۔ اسباب بتا رہے ہیں معاملات سنگین رخ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ کچھ ہے جو چھپانے کے جتن

کر کے بے حال ہو رہی ہو تم۔ تمہیں ان حالات کی بدلتی روش سے حیرانگی ہو رہی ہے؟ جو تم یوں تغافل برت رہی ہو۔ محبت کے زاویوں کو ادھر ادھر موڑ کر ان کے راستے بدلنے کی کوشش کر رہی ہو اور جب محبت کی شعاعیں تمہاری آنکھوں تک آتی ہیں تو اچانک تمہاری آنکھیں کھردری ہو جاتی ہیں۔ ناہموار سطح کی وجہ سے اس محبت کی شعاعوں کو منعکس نہیں کرتیں اور وہ شعاعیں ادھر ادھر منتقل ہو کر خط مستقیم سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ تم ان زاویوں کو توڑ موڑ کر زبردستی ان کا راستہ بدل دیتی ہو۔ جانے کیسا خوف تمہارے اندر پنجے گاڑھے بیٹھا ہوا ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا تمہیں۔ تم ایسا کیوں کرتی ہو ھین شایان شاہ؟ آخر وجوہات کیا ہیں؟'' وہ مدھم لہجے میں جاننے کے جتن کر رہا تھا۔ شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور ھین آنکھیں جھکا گئی تھی۔ چہرے کا رخ تبدیل کر لیا تھا۔ بچنے کی کوشش تھی شاید مگر جانتی تھی ناکام ہو جانا طے تھا۔ وہ اس کو حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ اس سے چھپنا محال تھا۔ اس نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ پھر چند لمحے تو خاموشی سے اس کی طرف دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو ھین شایان شاہ؟ کیا تمہیں خبر ہے؟ میرے خواب صدیوں سے محوِ سفر ہیں۔ بے رنگ آنکھیں تعبیر پانے کی جستجوں میں جاگتی رہتی ہیں۔ جان گسل لمحات میں نگاہیں گنجل راستوں پر ٹکائے ہوئے ہیں بنا پلک جھپکے کیونکہ خدشہ ہے اگر پلک جھپکی تو رستہ بھٹک جانے کا اندیشہ رہے گا۔ ان خوابوں کی خوابیدہ آنکھیں صدیوں سے نیند سے بوجھل ہیں۔ تھکن سے بے حال ہیں۔ نڈھال سی ہیں مگر برسوں سے سوئی نہیں۔ خواب ان بھیدوں سے واقفیت پا گئے ہیں۔ جان گئے ہیں کہ عشق اور آتش دونوں ہی بھڑکتا ہوا الاؤ ہیں۔ ان دونوں کی تپش برابر ہے۔ خوابوں کو جل جانے وسوسہ ستاتا ہے۔ کتنے ہی اوہام ان خوابوں کو ہراساں کرتے ہیں۔ آنکھیں سدِ باب کرنے میں جت جاتی ہیں۔ اس الاؤ کو بجھانے کے لیے آنکھیں بارش برسا دیتی ہیں۔ خوابوں کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔ بوند بوند گرنے سے آتش سرد کرنے لگتا ہے۔ مجھے لگتا ہے آنکھیں آگاہ ہیں کہ پانی آتش کو بجھا دینے کی بھرپور اہلیت رکھتا ہے مگر خطرہ پوری طرح ٹلتا نہیں۔ عقدہ کھلتا ہے کہ عشق کی دوا کوئی نہیں۔'' مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی بڑھ گئی تھی۔

ھین شایان شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے اندر ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''آپ نے الجھی ہوئی باتوں میں الجھانے کا قصد کر لیا ہے۔ آپ قصداً اتنی گھمبیر باتیں کرتے ہیں اور چاہتے ہیں میں سمجھ بھی جاؤں حالانکہ میں سمجھنے کی کوشش بھی کروں تو مزید الجھ جاتی ہوں۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''حیرت ہے آپ کو آسان سی بات سمجھ نہیں آتی ہے حالانکہ آپ تو بے حد ذہین ہیں۔ آپ تو دعویٰ کرتی ہیں سب کچھ سمجھنے کا۔'' وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ میں چلتی ہوں۔ اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔'' اس نے موضوع کو بدل دیا تھا یا یہ فرار کی کوئی راہ تھی شاید۔

وہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور وہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ کتنی ہی دیر کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا تھا۔ وہ الجھن میں تھی اور یہ بات اس کے دل کو پریشان کر رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح فکروں میں گھرا اور الجھا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تیزی قدموں سے چلتا ہوا دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ دادا جان مطالعے میں مصروف تھے۔ اس کو دیکھ کر کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

''کیا ہوا اظل تم اس طرح پریشان کیوں لگ رہے ہو؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

''دادا جان۔'' وہ ایک لمحہ کے لیے رکا تھا جیسے کشمکش میں تھا۔

''مسئلہ کیا ہے بیٹا؟ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ آؤ بیٹھو میرے پاس۔ میں انتظار میں تھا تم ٹھیک ہو جاؤ تب ہی تم سے بات کروں گا۔ میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔'' دادا جان کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

''کیا ہوا دادا جان۔ حین نے شاید آپ لوگوں کو باتیں کرتے سنا ہے۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ میرے پاس آئی تھی مگر کچھ کہہ نہیں رہی تھی۔ میرے اصرار کرنے پر بتایا تھا خود کو میری چوٹ کا ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔ بہت الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔'' مدھم لہجہ میں فکروں سے الجھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی ٹھہری ہوئی تھی۔

''بیٹا مجھے پتہ چلا ہے تمہارا ایکسیڈنٹ ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش تھا۔ جب سے یہ بات پتا چلی ہے میری تو جان مشکل میں پڑ گئی ہے۔ میں تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس بچی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اتنے ہی جتنے تم ہو۔ میں تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم جیسے ہی ٹھیک ہوتے ہو ہم باضابطہ طور پر شادی کی رسومات شروع کرا دیں گے۔ تم حین کو لے کر کچھ دنوں کے لیے باہر چلے جاؤ۔ اس کو اس ذہنی دباؤ سے رہائی مل جائے گی۔ میری اور تمہاری دادی کی خواہش ہے یہ تم دونوں کو خوشحال اور سکھی زندگی جیتے ہوئے دیکھیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں خواہش بتا رہے تھے۔ اسے تفصیل سے آگاہ کر رہے تھے۔

''دادا جان آپ فکرمند مت ہوں۔ وہ صرف ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہے ہیں اور آپ جانتے ہیں نا آپ کا پوتا کس قدر دلیر اور بہادر واقع ہوا ہے۔ بالکل آپ پر گیا ہے۔ آپ کا ہی پرتو ہے۔ قول کا پکا اور بات کا سچا۔ جو کہہ دیا وہ ہر ممکن طور پر کرنے کی کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے سے گریز نہیں کرتا۔ اس لڑکی کی حفاظت کی ذمہ داری میری ہے۔ تو اس کو ساری عمر کے لیے نبھاؤں گا۔ وہ پریشان ہو یہ مجھ سے گوارا نہیں ہوتا۔ مجھے یہ بات پریشان کر رہی ہے دادا جان۔ آپ کا ہر فیصلہ سر آنکھوں پر، میں ٹھیک ہوں آپ رسمیں شروع کریں۔ پاپا اور انکل سے بات کر کے فیصلہ کر لیں حتمی تاریخ طے کر لیں۔ وہ ذہنی طور پر پریشان رہی ہے۔ پچھلے کچھ عرصے اس نے ہر پل ایک خوف اور اذیت میں گزارا ہے میں سمجھ سکتا ہوں۔ اس کو تبدیلی کی ضرورت ہے۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔

میں نیا پروجیکٹ شروع کر رہا ہوں۔ ایک ہوٹل شوگران Shogran میں بنا رہا ہوں۔ مجھے اگلے ہفتے وہاں جانا ہے۔ میں ھین کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا پھر وہاں سے لندن چلے جائیں گے۔ میں جانتا ہوں وہ اپنے گھر کو بہت مس کر رہی ہے۔ وہاں اس کی یادیں جڑی ہوئی ہیں۔ یہ فطری سی بات ہے۔ وہ وہاں ایک بار ہو آئے گی تو پھر اس کو سکون مل جائے گا۔ اس کی بے چینی کم ہو جائے گی۔ ان سنہری یادوں سے مل کر، ان گزرے لمحات کو یاد کر کے اس کے دل کو قرار آ جائے گا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا اس نے کٹھن وقت دیکھا ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں والدین کو کھو دیا ہے۔ بے یار و مددگار ہو گئی ہے۔ اچانک سے اتنی پریشانیوں نے گھیر لیا کہ کچھ پوچھ ہی نہیں سکے۔ حیدر شاہ کا فون آیا تھا تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لئے۔ اعتراض کر رہے تھے انہیں بتایا ہی نہیں۔ شکوہ بجا ہے ان کا۔ مگر میں نے کہہ دیا آپ کو پریشان کرنا مناسب نہیں لگا ہمیں۔ کہہ رہے تھے جلد آئیں گے۔'' انہوں نے آگاہ کیا تھا۔

''ان کی فکر یقینی ہے۔ بیٹی والے ہیں مگر انہوں نے ھین شاہ کو یہاں چھوڑ کر، اسے یہاں رہنے کی اجازت دے کر بڑا احسان کیا ہے۔ بڑے پن کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ ان کو مناسب نہیں لگا تھا مگر صرف بچی کی خوشی کی خاطر مان گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے ھین ان کو کتنی عزیز ہے۔ بن ماں باپ کی بچی کی ذمے داری کو نبھا رہے ہیں۔ اللہ انہیں اس بات کا اجر دے گا۔ نیکی کا کام ہے یہ۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''تمہاری دادی کی خوشی تو سنبھالے نہیں سنبھل رہی۔ انہوں نے تو شاپنگ شروع بھی کر دی ہے۔ نجانے کتنا کچھ جمع کر لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شادی کے لیے جتنی بھی خریداری کی جائے وہ کم ہے۔ وہ کہتی ہیں سادہ ہو جانا چاہیے یہ اچھا ہے مگر کچھ کم ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ ان کو ایک اچھی مصروفیت مل گئی ہے اور وہ مجھے بھی بھول گئی ہیں اس چکر میں۔'' دادا جان شکوہ کر رہے تھے۔

''دای جان کو پتہ چلا کہ آپ یوں شکایتیں کر رہے ہیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ تب آپ کو ان کی خفگی برداشت کرنی ہوگی۔'' وہ مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے انہیں چھیڑ رہا تھا۔

''ارے شکایت کہاں بیٹا۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ اسی بہانے کچھ لمحے سکون کے میسر ہو جاتے ہیں۔ مطالعہ کا اچھا خاصا وقت مل جاتا ہے ورنہ تو تمہاری دادی جان کو یہ بے کار کام لگتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے وقت کا ضیاع ہے۔ میں ہر لمحہ کتابوں میں سر دیئے رہتا ہوں اور خود بھی کتابی کیڑا بن گیا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھے۔

اور اظل ان کی بات پر مسکرا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ صرف مذاق کر رہے تھے حالانکہ دادی جان کو خود مطالعے کا بے حد شوق تھا اور ان دونوں کی لائبریری میں دنیا بھر کی بہترین کتابیں دستیاب تھیں۔

''میں آپ کی شکایت اور شکوے ان تک پہنچا دوں گا دادا جان۔ پھر آپ ان کی کھری کھری سننے کے لیے تیار رہئے گا۔'' وہ

مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم در پردہ مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ فعل کچھ اچھا نہیں ہے۔ تم اپنی دادی جان کی طرفداری کر رہے ہو۔ جانتا ہوں تمہیں ان سے زیادہ انسیت ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''مجھے آپ دونوں بے حد عزیز ہیں دادا جان۔ آپ تو جانتے ہیں نا میری خواہش ہے میری زندگی آپ دونوں جیسی خوشگوار گزرے۔ ہمارا بڑھاپا بھی آپ دونوں جیسا گزرے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور آنکھوں کی چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''انشاء اللہ ضرور بیٹا۔ تم دونوں کی زندگی ہم سے بھی زیادہ کامیاب اور خوشگوار گزرے گی اس بات کا یقین ہے مجھے اور میری دعا بھی یہی ہے۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''میں چلتا ہوں دادا جان، کچھ ضروری کام نپٹانے ہیں۔'' اس نے کہا تھا اور دادا جان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا اپنا خیال رکھنا۔ کام تو ہوتا رہے گا مگر آرام بھی ضروری ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''کام ضروری ہے دادا جان، جلد آپ سے بات کروں گا۔ فکر مت کریں آپ۔'' اس نے کہا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے زندگی ایک عجیب دوراہے پر لا کھڑا کر دیتی ہے۔ تب بہت سے راستوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ کسی ایک راستے پر چل کر منزل کی پیش قدمی کرنی پڑتی ہے۔ راہیں چاہے کتنی پر خار کیوں نہ ہوں ان پر چلنا ضروری ہوتا ہے۔ ان راستوں کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ نا ہی طے کیا جا سکتا ہے کہ یہ راستہ منزل کی طرف جائے گا یا نہیں۔ عجب یقین اور بے یقینی کا منظر ہوتا ہے۔ اس کو بھی یہی محسوس ہو رہا تھا مگر ان تمام گنجل راستوں کو سلجھانا تھا۔ ان تمام الجھی گتھیوں کو کھولنا تھا۔ ان گانٹھوں کو کھولنا تھا جو دلوں میں پڑ چکی تھیں۔ دلوں کے رشتوں کو پھر سے جوڑنا تھا۔ ان رابطوں کو بحال کرنا تھا۔ دل میں دراڑ آ گئی تھی اسے بھرنا تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی باہر کی طرف بڑھی تھی۔ حسنان شاید اظل کا انتظار کر رہا تھا مگر اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر مؤدب ہو گیا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

''چلو۔'' اس نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''کہاں جانا ہے بی بی جی۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''رامین بی بی جس ہوٹل میں ٹھہری ہیں وہیں چلو اور گاڑی تیز چلاؤ۔'' اس نے کہہ کر نگاہیں فون اسکرین پر جما دی تھیں۔ ہوٹل پہنچنے سے لے کر اندر جانے تک نجانے کتنی الجھی ہوئی سوچیں اسے اپنے حصار میں لے جا چکی تھیں۔ چہرے پر تناؤ کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔

''ممانی جان السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟'' وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

''حین میری بچی۔ کیسی ہو تم۔ مجھے افسوس ہے میں تم سے ملنے نہیں آسکی۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں تمہاری کتنی فکر ہو رہی تھی مجھے۔ کتنے خدشات نے گھیر لیا تھا۔ میرا تو دل ہول گیا تھا۔ کتنے برے برے خیال آرہے تھے۔ تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیران بھی ہوں اور خوش بھی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ اسے بانہوں میں لیے شفقت سے اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''ممانی جان میں ٹھیک ہوں۔ آپ فکر مند مت ہوں۔ ٹینشن لینا اس کے لیے اچھا نہیں ہے۔ ماموں جان نے بتایا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آپ اسٹریس مت لیا کریں۔ آپ جانتی ہیں نا۔ آپ کس قدر اہم ہیں میرے لیے، رامین کے لیے اور خاص طور پر ماموں جان کے لیے اور دادی جان اور دادا جان کے لیے۔ آپ نہیں جانتیں وہ آپ کو کس قدر مس کرتے ہیں۔ دن رات آپ کو یاد کرتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ ان کو آپ کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے۔ آپ کا ذکر کرتے ہی ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔ ناراضی تو کہیں نظر نہیں آتی۔ آپ ان گزری باتوں کو بھلا کر ان سے مل کیوں نہیں لیتیں۔ پلیز ممانی جان۔ میری خاطر۔ اک بار۔ بس ایک بار ان سے مل لیں۔ میں ان کو اس قدر دکھی اور تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ انہوں نے میرے ساتھ اتنا اچھا کیا ہے۔ میں ان کے لیے کوئی نہیں تھی مگر انہوں نے میری دیکھ بھال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انہوں نے میری دیکھ بھال کی، میرا خیال رکھا بلکہ مجھے اپنے دل میں جگہ بھی دی۔ ان کے دل میں جو پیار اور محبت آپ کے لیا تھا وہ انہوں نے مجھے دیا۔ ان کا احسان ہے مجھ پر جس کو اتارنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس قرض کو اتارنا بھی چاہوں تو یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔ محبت کا قرض اتارنا کس قدر دشوار ہے اس بات کا اندازہ ہونے لگا ہے مجھے۔ ان کا دل محبت سے لبریز ہے۔ آپ کے لیے کبھی نا ختم ہونے والی محبت کا سمندر ہے۔ مجھے تو آپ کے عوض چند بوندیں ہی ملی ہیں جس نے میری روح کو اندر تک سیراب کر دیا ہے مگر پھر بھی ایک تشنگی باقی ہے۔ ان کو سزا مت دیں۔ بچھڑنے کا کرب کیا ہوتا ہے یہ میں نے سہا ہے۔ اس دکھ کا احساس مجھے اچھی طرح ہے۔ اس احساس کو برتا ہے میں نے۔ کھو دینے کی تکلیف کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔ یہ درد لامتناہی ہے۔ پل پل جینا اور پل پل مرنا پڑتا ہے۔ کٹھنائیوں بھرے راستے پر اکیلے دور تک چلنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی بھیڑ میں بھی تنہائی کا احساس تڑپاتا ہے۔ ایک تشنگی دل کو بنجر کر دیتی ہے۔ ویرانے مقدر ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف ایک گرد اور غبار اور دھول اڑاتی ہوا خاموشیوں کو مسکن بنا لیتی ہے۔ ہر طرف سناٹے پھیل جاتے ہیں۔ سنسان ویران بنجر ویرانوں میں ساکت کر دینے والی فضا ٹھہر جاتی ہے۔ کاش میں آپ کو بیان کر سکوں۔ اس احساس کو لفظوں میں ڈھال سکوں مگر یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ان کے کندھے پر سر ٹکائے نجانے کون کون سے دکھ پر سمندر بہا رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں بیٹا۔ مجھے اندازہ ہے۔ میں جان سکتی ہوں۔ اس کرب سے میں بھی گزری ہوں۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی زندگی کو تنہا جیا ہے میں نے۔ اپنوں کی محبت کے بغیر۔ ان کی موجودگی کے بغیر۔ ان کا دست شفقت میرے سر پر نہیں تھا۔ سالوں ہو گئے۔

مجھے تو لگتا ہے صدیاں بیت گئی ہیں بے سروسامانی کے احساس کے ساتھ۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں تھا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تہی دست ہوں۔ اس احساس کو ہر پل برتا تھا میں نے۔ زندگی کو ایک سزا کی طرح کاٹا ہے میں نے۔ والدین کی دعاؤں کے بغیر زندگی ایک سزا کی طرح لگتی ہے۔ ان کی خفگی نے زندگی کو اجیرن کر دیا تھا۔ میں اپنی زندگی کو خوشیوں کے بغیر جی رہی ہوں۔ دل میں ایک سکوت چھایا ہوا ہے۔ خالی پن ہے جس نے دل سے ہر خوشی کے احساس کو مٹا دیا ہے۔ خوشیوں نے اپنے راستے بدل لیے تھے۔ بے چین دل کو کبھی قرار ہی نہیں آیا۔ اس شہر میں آئی ہوں تو ان فضاؤں میں ان کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ ان ہواؤں میں سانس لے رہی ہوں تو لگ رہا ہے ان فضاؤں میں ان کی سرگوشیاں گونج رہی ہیں۔ اتنا قریب ہوں مگر پھر بھی میلوں کے فاصلے ہیں درمیان جن کو مٹانا میرے بس میں نہیں ہے۔ فاصلے جب میلوں کے ہوں تو دور کیے جا سکتے ہیں مگر فاصلے جب دلوں میں بڑھتے ہیں تو سمٹنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ مزید بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ میرے دل میں بھی ان فاصلوں نے اپنا قبضہ جما لیا ہے۔ فاصلوں نے بڑھ کر دوریوں کو مزید بڑھا دیا ہے۔ ان فاصلوں کو صدیوں پر محیط کر دیا ہے۔ میں دن رات تڑپتی ہوں ان کو یاد کرتی ہوں مگر انہوں نے کڑی سزا دی تھی مجھے۔ انہوں نے مجھے منع کیا تھا گھر میں قدم رکھنے سے۔ اس گھر میں جہاں میرا بچپن گزرا۔ میری جوانی گزری۔ ان فضاؤں میں میری ہنسی کی جھنکار گونجتی تھی۔ یہاں اس جگہ میں نے ابا جان کا ہاتھ تھام کر چلنا سیکھا تھا۔

انہوں نے مجھے اس گھر اور اپنے دل سے بے دخل کر دیا تھا۔ مجھے نکال پھینکا تھا انہوں نے مجھے اپنی زندگی سے بھی۔ جیسے میں ان کے جسم کا حصہ ہی نہیں تھی۔ میں ان کے دل کا ٹکڑا رہی تھی۔ آنکھ کا تارا تھی۔ دو خاندانوں کی چپقلش نے دلوں کو دور کر دیا۔ رشتوں میں دراڑ پڑ گئی۔ دلوں میں دوریاں آ گئیں۔ دل مخالف سمت میں چلنے لگے۔ راستے بٹ گئے مگر میری سزا کڑی تھی۔ اپنے شوہر کا ساتھ دینے کی خاطر میں اپنے حقیقی رشتوں سے، ان کی محبت سے محروم ہو گئی۔ ان کی محبت کے بغیر ہر لمحہ عذاب کی طرف کاٹا ہے میں نے۔ کسی خوشی کو دل میں نہیں محسوس کیا۔ ایک خالی پن مستقل ڈیرہ جما چکا تھا۔ تمہیں کیسے بتاؤں کس قدر دشوار گزار لمحے تھے وہ۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لہجے میں ایک گہرا دکھ بول رہا تھا۔ آنکھوں سے درد بہہ رہا تھا۔

''ممانی جان..... گزری باتوں کو بھلا دیں پلیز۔ میرے ساتھ چلیے آپ۔ آپ کو لیے بغیر میں جانے والی نہیں ہوں۔ ماموں جان سے میں بات کر چکی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا اگر آپ مان جائیں گی تو مجھے اجازت ہے میں آپ کو اپنے ساتھ لے جا سکتی ہوں۔ انہیں صرف آپ کی خوشی عزیز ہے۔ وہ آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اسی کمی اور خلش کا احساس جس تکلیف سے آپ گزری ہیں اس تکلیف نے انہیں بھی ایک درد میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان کی خوشی تو آپ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے ممانی جان۔'' وہ مدھم لہجے میں انہیں سمجھا رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں دادی جان، تم اتنی سمجھدار ہو۔ رشتوں کو جوڑنا جانتی ہو۔ دلوں کو محبت سے بھر دیتی ہو۔ اظل خوش قسمت سے

ہے اسے تم جیسی لڑکی ملی۔ قسمت نے تم دونوں کو ملایا ہے تو اس کے پیچھے کچھ تو اسباب ہوں گے۔ تم تو چلتی پھرتی محبت کا روپ ہو۔ تمہاری خوشیوں اور کامرانیوں کے لیے میں دعا گو ہوں۔ تم خوش قسمت ہو۔ اماں اور ابا جان کا پیار سمیٹ رہی ہو، میں خوش ہوں۔ بے حد خوش۔ تم نے ان کے لیے وہ کیا اور سوچا ہے جیسا میں بیٹی ہوتے ہوئے بھی نہیں کر سکی۔ تمہیں ان کے دکھ اور تکلیف کا احساس شدت سے ہے۔ تم ان کو درد میں نہیں دیکھ سکتیں مگر میں نے ان کو دکھ دیا ہے۔ ان کو تکلیف میں مبتلا کیا تھا۔ اس احساس نے کبھی سکون سے جینے ہی نہیں دیا۔ بے چینیوں کو مقدر کر دیا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ایک سکوت ٹھہر گیا تھا۔

''ممانی جان وہ آپ سے خفا ہرگز نہیں ہیں۔ میں ان کی آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھا ہے آپ کے لئے۔ آپ کو ایک قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ وہ ساری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔ آپ کو دیکھتے ہی سارے گلے شکوے اور شکایتیں کہیں چھپ جائیں گی۔ سب پہلے جیسا ہو جائے گا۔'' وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ایک امید سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور پھر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''میں چلوں گی مگر ابھی نہیں۔ مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ میں تمہیں انکار نہیں کر سکتی۔ تم بیٹی بھی ہو اور میرے اظل کی منکوحہ ہو۔ اس رشتے سے مجھے اور بھی عزیز ہو گئی ہو۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں درخواست کی تھی۔

اور عین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا تھا اور رامین کے ساتھ جو انسان اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر دونوں حیران رہ گئی تھیں۔ وہ فکرمندی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ پریشانی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ اسے صحیح سلامت دیکھ کر ایک اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

''تم بتا کر نہیں آ سکتی تھیں؟ تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے میں کس قدر پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے تو لگا تھا میرا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ کتنے برے خیال دل میں آ رہے تھے۔ تمہیں ہر جگہ تلاش کیا۔ کہاں کہاں نہیں بھٹکا۔ وہ اچھا ہوا حنان نے بتا دیا۔ میں نے تو اسے کسی کام سے بھیجا تھا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تم یوں اچانک اس کے ساتھ یہاں آ جاؤ گی وہ بھی بنا بتائے۔ کتنی بار تمہیں کال کیا مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تمہارا فون مسلسل بند جا رہا تھا کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ اس بات نے مجھے اور بھی پریشان کر دیا۔ دل خدشات سے بھر گیا تھا۔ تم نے آج مار ہی دیا تھا مجھے۔ جانتی ہو اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے ڈپٹ رہا تھا۔

کتنے خدشات تھے اسکے لہجے میں۔ آنکھوں میں اضطرابی نے سرخ ڈورے بنا دیئے تھے۔ کتنا خفا لگ رہا تھا وہ۔ عین شاہ نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ چہرے پر خفگی کے آثار نمایاں تھے۔

''آئی ایم سوری مگر مجھے ممانی جان سے ملنا تھا۔ میں ان کو مس کر رہی تھی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں توجیح پیش کی تھی۔

''مجھے نہیں بتا سکتیں تھیں آپ؟ اس طرح تنہا بنا بتائے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں کیا تمہیں منع کر دیتا؟ اگر کہہ دیتیں تو کیا تمہیں لے کر نہ آتا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ غصے سے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔

''بس کرو اظل میری بہو کو اس طرح مت ڈانٹو۔ وہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ وہ ٹھیک ہے نا۔ میں تمہاری پریشانی سمجھ سکتی ہوں مگر کچھ نہیں ہوا۔ سو یوں غصہ مت کرو۔ دیکھو کیسے سہم گئی ہے میری بچی۔ تم اسے اب یوں مت ڈراؤ ورنہ تمہاری پٹائی لگانی پڑے گی۔'' ممانی جان نے محبت سے ڈپٹا تھا اور وہ ان کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

اظل کے لبوں پر اچانک ہی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''پھپھو جان آپ اسے یوں ہی معصوم سمجھ رہی ہیں۔ یہ سہم نہیں سکتی کبھی یہ ڈرتی نہیں ہیں ڈراتی ہیں۔ ڈرانے کی خاصیت وافر مقدار میں ان میں موجود ہے اور سب کو اپنے بس میں کر لینے کا ہنر ان کو اچھی طرح آتا ہے۔ ابھی دیکھئے آپ کو بھی اپنے بس میں کر لیا تھا۔ آپ بھی اس کی طرفداری کر رہی ہیں۔ اپنے عزیز بھتیجے کو ڈانٹ رہی ہیں۔'' اس نے شکایت کی تھی مگر ایک طمانیت اندر تک سرایت کر گئی تھی۔ اسے صحیح سلامت دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ بے چین دل کو قرار آ گیا تھا۔

''اس بات سے تو میں متفق ہوں۔'' رامین نے مسکراتے ہوئے اظل کا ساتھ دیا تھا اور ھین شاہ نے اسے خفگی سے گھورا تھا۔

''تم تو میری دوست ہو۔ ان کے ساتھ مل کر یوں غداری مت کرو۔ وہ تو کچھ بھی کہیں گے۔ تم ان کا ساتھ دو گی کیا؟ اپنی دوست کو بھول جاؤ گی؟ تنہا چھوڑ دو گی مجھے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اظل کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔

''ارے کون چھوڑ رہا ہے آپ کو تنہا۔ کوئی ایک ہے جو آپ کو کبھی تنہا نہی چھوڑ سکتا اور وہ میں ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ہنی۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ماموں کے ساتھ ابھی اندر داخل ہوا تھا اور پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

''ارین کے بچے کہاں تھے تم؟ جانتے ہو کتنا مس کیا تھا میں نے تمہیں۔'' ھین نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ اسے اپنا یہ چھوٹا بھائی بہت عزیز تھا۔

"I was missing you massively Honey."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ سے Honey ہی کہتا تھا۔ آج تک اسے کسی نک نام کی ضرورت نہیں رہی تھی مگر جب وہ چھوٹا تھا تو ھین نہیں کہہ پاتا تھا تب وہ اسے ''ہے نی'' بلاتا تھا۔ پھر تھوڑا بڑا ہوا تو ہنی کہنا شروع ہو گیا تھا۔ تب سے لے کر اب تک جب وہ بارہ سال کا ہو گیا تھا وہ اسے ہنی ہی کہتا تھا۔ وہ رامین سے زیادہ اس کا خیال رکھتا تھا۔ چھوٹا ہونے کے باوجود وہ بردباری کا مظاہرہ کرتا تھا۔ ہمیشہ ایک بڑے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔

''ارین کے بچے میری بیوی کو نہی کیوں کہتے ہو تم؟ ایسے القابات کسی اور کہنے کا حق نہیں دے سکتا۔ یہ تمام حقوق میرے نام لکھے جا چکے ہیں۔'' وہ اسے مسکراتے ہوئے تنبیہ کر رہا تھا۔

اور ھین شاہ کے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ اتنی بے باکی کی اس سے توقع نہیں کی تھی اس نے۔ بڑوں کا لحاظ کیے بغیر اس نے اس طرح کہہ دیا تھا۔

''یہ میری ہنی ہے آپ سے بھی پہلے جب میں اس دنیا میں آیا تھا۔ تو مجھے تو سارے حق حاصل ہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ ہے یہ اور میری پیاری بہن بھی ہے۔ میرے ہوتے ہوئے اسے کوئی ڈانٹے یہ مجھے گوارا نہیں۔ میں اپنی بہن کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ معصوم سا بچہ بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے رکے ہوئے آنسو صاف کر رہا تھا جو اس کی محبت پا کر آنکھوں کا بند توڑ کر نکل آئے تھے۔ وہ چھوٹا تھا، معصوم تھا مگر بے حد سمجھدار تھا۔

سب اس کی بات پر مسکرائے تھے اور اظل نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''آپ نے دیکھا پھپھو جان..... یہ کیسی ساحرہ ہیں۔ اسم پھونک دیتی ہیں کوئی ان کے حصار سے بچ نکلے یہ ممکن ہی نہیں۔ مقید کر لینے کے سارے گر میں ان کے پاس۔ میں نے سچ ہی کہا تھا۔ اب آپ نے خود دیکھ لیا نا۔ عملی ثبوت بھی مل گیا اب تو۔ اب تو ٹھیک کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے شرارت بھری آنکھوں سے کہہ رہا تھا۔

اور ماہ نور مسکرا دی تھیں۔ وہ جان گئی تھیں اس کے دل کی خوشی بن گئی تھی وہ۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اظل کو اس طرح مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''چلیے یا پھر یہیں رہنے کا ارادہ کر لیا ہے آپ نے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ھین نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کچھ دیر قبل والی خفگی سرے سے غائب ہو چکی تھی اور کسی ناراضی کا دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔

''چلیں۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون اٹھایا تھا اور بیگ کندھے پر ڈالا تھا۔

''ممانی جان میں چلتی ہوں۔ آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟ میں پھر آؤں گی۔'' اس نے کہا تھا۔ ''پھر تب آپ کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ دھیمے لہجے میں انہیں وعدہ یاد دلا رہی تھی۔

''مجھے یاد ہے اچھی طرح۔ اپنی زبان کی پکی ہوں۔ اپنے لفظوں پر قائم رہوں گی۔ تمہیں کہا تھا اور اس کو پورا ہی کروں گی۔ تمہاری اور اظل کی شادی میں ضرور شرکت کروں گی۔ ساری رسمیں نبھاؤں گی۔ تم میری بیٹی ہو نا۔ ماں بن کر تمہیں رخصت کروں گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور ھین کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

اور اظل نے اس کا یہ روپ نگاہوں میں بھرا تھا۔ کتنا نیا اور انوکھا روپ تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف

بڑھا تھا۔ھین نے رک کر ماموں جان کی طرف دیکھا تھا اور پھر انہوں نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھا تھا۔

اس نے اس کے لئے دروازہ کھولا تھا پھر چلتا ہوا دوسری طرف سے اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''آپ مجھے ایک بات بتایئے ھین شایان شاہ۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

اور ھین شاہ نے حیرت انگیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔اب کیا پوچھنا باقی رہ گیا تھا۔اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

''آپ مجھے قصداً پریشان کرتی ہیں یا ارادتاً آپ نے یہ طے کر رکھا ہے کہ مجھے چین نہیں لینے دیں گی؟'' وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''دوسروں کو پریشان کر کے آپ کو کوئی دلی تسکین ملتی ہے کیا؟ آپ کے دل کو قرار آجاتا ہے جب خدشات سے دل بھر جاتا ہے تو؟ یوں اپنی من مانی کرنا کب چھوڑیں گی آپ؟ بھروسہ تو آپ کو کرنا نہیں مگر جان مشکل میں کرنا آپ کو اچھی طرح آتا ہے۔'' وہ دھیمے مگر دبے دبے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔کتنی شکایتیں تھیں مدھم لہجے میں۔

''میں دادا جان اور دادی جان کو پریشان اور دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ایک حتمی قدم اٹھانا ضروری تھا۔برسوں سے بچھڑے ہوئے دلوں کو ملانا ضروری ہے۔ممانی جان کو ایک جھجک مانع ہے۔دادی جان اور دادا جان کوئی حتمی فیصلہ لینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔دل کے ہاتھوں مجبور ہیں مگر بظاہر مضبوط بنے ان کے خول میں بند ہیں۔اس بات کو سمجھنا ہوگا۔درمیان میں ایک ثالثی کی ضرورت تو ہوتی ہے نا۔کسی ایک کو درمیان میں آنا ہوگا۔ان فاصلوں کو کم کرنا ہوگا۔دلوں کو ملانا ہوگا۔مجھے لگتا ہے یہ درست وقت ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اور اظل سوچ رہا تھا۔کتنا اچھا دل تھا اس کا۔دوسروں کے بارے میں سوچتی تھی حالانکہ خود تکلیفوں سے گزر رہی تھی۔گاڑی میں گہرا سکوت چھا گیا تھا۔وہ خاموش ہوئی تھی تو چاروں طرف خاموشیوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا اور اس کے اندر خاموشیوں نے جگہ بنالی تھی۔ شام ڈھل رہی تھی۔سکوت تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی قدم بے ساختہ ہی منزلوں کی طرف اٹھتے چلے جاتے ہیں۔یہ جانے بغیر کہ ان کی سمت درست ہے بھی کہ نہیں۔وہ سمت کا تعین نہیں کر پاتے۔چلتے چلے جاتے ہیں مگر ان قدموں کو اچانک ہی رک جانا پڑتا ہے۔ٹھہر جانا پڑتا ہے۔ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔وہ تیزی سے چلتی ہوئی اظل کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ڈنر کے بعد اسے میڈیسن دینی تھی وہ میڈیسن لینے میں حیل وحجت کا مظاہرہ کرتا تھا۔اس کو زبردستی کرنی پڑتی تھی۔بچوں جیسا بن جاتا تھا وہ۔جتنا اسے جان رہی تھی اتنا ہی زیادہ سمجھ رہی تھی۔اس کی عادات سے واقف ہوتی جا رہی تھی۔اس کے چلتے قدم اس کے دروازے کے سامنے رک گئے تھے۔ادھ کھلا دروازہ تھا۔اندر سے آتی آوازوں

نے قدموں کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''اظل سہام مرزا، تم اپنے ساتھ جھوٹ بول رہے ہو یا میرے ساتھ۔ محبت کے بہاؤ کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تم۔ اگر محبت اپنا راستہ بنا چکی ہے تو مسئلہ کیا ہے؟ اگر تم زیر ہو چکے ہو تو اس کو ماننے میں تامل کیوں برت رہے ہو۔ محبت نے گرفت میں لے لیا ہے تو اتنا تلملا کیوں رہے ہو؟ تمہیں نہیں لگتا محبت نے مضبوطی سے اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں۔ تو اگر خود کو یوں بے بس محسوس کر رہے ہو تو کچھ غلط تو نہیں ہے نا۔ مجھے اتنا ہی بے بس کر دینے کی صلاحیت رکھتی۔ یہ خواص محبت کے ہی ہیں۔ محبت ان خصوصیات سے مالا مال ہے۔ محبت بس چاروں شانے چت کر دیتی ہے۔ بچنے کے سارے راستے مسدود کر کے حصار میں مقید کر دیتی ہے۔ اس کے اردگرد ایک دائرہ بنا دیتی ہے۔ انسان انہی دائروں میں گردش کرتا رہتا ہے، بھٹکتا رہتا ہے۔ انہی دائروں میں سفر کرتے ہوئے عمر تمام کر دیتا ہے۔ مگر راستہ ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ان کی طوالت بڑھتی جاتی ہے، مہینوں، سالوں اور صدیوں پر ہو جاتے ہیں۔ تم بھی انہی راستوں پر قدم رکھ چکے ہو۔ دیر میں سہی تمہیں ادراک تو ہوا۔ اب تمہیں اندازہ ہونے لگا ہے نا شاید تم کچھ سدباب کر سکو۔ شاید کوئی تدارک ہو سکتا ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''فضا آفتاب..... تم داستانیں بنا رہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ محبت جیسی فضول چیز پر مجھے اعتبار ہرگز نہیں ہے۔ نہ کبھی تھا تم جانتی ہو۔'' مدھم لہجہ منکر ہوا تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ چھٹی قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

http://kitaabghar.com

''تم مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو یا اپنے آپ کو؟ اگر مان لو گے تو کیا قباحت ہے؟ تمہاری آنکھوں میں جو محبت کے رنگ تیر رہے ہیں تم ان کو چھپانے کے جتنے بھی جتن کرو تم کامیاب ہونے والے نہیں ہو۔ محبت نے تمہیں جکڑ لیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑ لیا ہے مگر تم اس سے بچنے کی ہزار کوششوں میں سرگرداں رہو گے مگر بے سود ہے۔ تمہاری ساری کوشش رائیگاں جانے والی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تو تم سننا چاہتی ہو کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ یہی خواہش تھی نا تمہاری۔ بولو۔ فضا آفتاب یہی سننے کو بے تاب ہو رہی تھی نا تم؟ یہی جاننا چاہتی تھیں کہ میری محبت نے تمہاری طرف قدم کیسے بڑھائے اور کیسے تم تک آ کر رک گئی؟ کیسے اس کے قدم ساکت ہو گئے؟ میں جو محبت سے قطعی طور پر نابلد تھا، انجان تھا ان راستوں پر نکل پڑا ہوں تو تم اتنا متجسس کیوں ہو رہی ہو؟ یہ تمہارا وہم بھی تو ہو سکتا ہے نا؟ ضروری تو نہیں جو ہم سوچیں وہ حقیقتاً ویسا ہی ہو؟ کبھی کبھی خواب بھی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ان خوابوں پر بھی حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی کچھ ایسی مشکل ہو گئی ہے۔ تم خوابوں اور خیالوں کی باتیں کرنے لگی ہو۔ تمہیں ان خوابوں سے نکل آنا چاہئے۔'' وہ دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اور وہ نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر حسین شاہ نے کچھ اور نہیں سنا تھا۔ اس نے صرف چند جملے ہی سنے تھے اور اس کے قدموں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں۔ اس کے قدم منوں بھاری ہو گئے تھے۔ زمین پر جم گئے تھے اور اس سے کھڑا ہونا محال لگ رہا تھا۔ وہ پلٹی تھی اور مرے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔ اس کا سانس رک رہا تھا۔ دھڑکنوں میں تلاطم برپا تھا۔ نجانے کیسا احساس پنپ رہا تھا اندر۔ دل کے نہاں خانوں میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ دل ہراساں سا ساکت کھڑا دیکھتا رہ گیا تھا۔ بے اختیاری کا احساس بڑھ گیا تھا۔

''تو کیا پرانی یادوں نے سر ابھار لیا تھا؟ محبت نے اسے دبوچ لیا تھا؟ کیا وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا؟ اگر وہ لوٹ آئی تھی تو محبت کو اپنے ساتھ باندھ کر لے جانے کے لئے آئی تھی؟ تو کیا اس کی محبت نے اظل کے دل میں جگہ بنا لی تھی؟ اگر ایسا تھا تو اس کا آنا بے سود نہیں رہا تھا۔ تو اظل سہام مرزا فضا آفتاب کی محبت میں گھر گیا ہے؟ اس کی محبت نے اس کے دل کو جلا کر کندن کر دیا ہے؟ وہ جتنا سوچ رہی تھی مزید الجھتی جا رہی تھی۔ تو اسے اس کی آنکھوں میں وہ محبت کے رنگ نظر آ گئے تھے تو محبت کے فسون نے سالوں بعد بھی اپنا اثر نہیں کھویا تھا۔ اتنی ہی شدت سے حملہ آور ہو کر اسے اپنے بس میں کر لیا تھا۔ تو اگر ایسا کچھ ہوا بھی تھا تو اسے اتنا عجیب کیوں لگ رہا تھا۔ اسے اتنا خالی پن کیوں محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے اندر ایک ویرانی سی کیوں چھا گئی تھی۔ اس نے سوچوں میں سر جھٹکا تھا اور نگاہیں آسمان پر ٹکا دی تھیں۔ یہ دل تھا کہ سنبھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساس اندر سرایت کر گیا تھا جس کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔

جانے کیوں اچانک ہی دل بھر گیا تھا۔آنکھوں سے نمکین سمندر رواں ہو گئے تھے۔گہری خاموشی میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے تازہ ہوا کو اندر بھر رہی تھی۔نجانے وہ کب چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔اسے قدموں کی چاپ کا احساس نہیں ہوا تھا۔

''کیا ہوا تمہیں؟تم رو کیوں رہی ہو؟تم ٹھیک تو ہو نا حین شاہ؟'' وہ کتنی بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔اس نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔جیسے وہ سب کچھ جان لینے کا متمنی تھا۔

''ن.....نہیں میں رو نہیں رہی ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔موسم بدل رہا ہے نا تو بس آنکھوں میں چبھن ہو رہی تھی تو میں یہاں چلی آئی۔''اس نے توجیح پیش کی تھی۔کوئی بہانہ تھا جو اس کو مطمئن کرنے کے لئے بروقت بنایا تھا۔

اس نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا جیسے اس کو اس کے کہے پر اعتبار کرنا مشکل ہوتا مگر پھر بھی کہا تھا۔

"I comprehend weather just changed all of sudden so its obvioius to effect and show sym

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا مگر آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

''کبھی کبھی بہت سی باتوں کو سمجھنا مزید دشوار ہو جاتا ہے۔سمجھنے کی کوشش کریں تو لفظ گنجل ہو جاتے ہیں۔صورتحال مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے۔''

"You may comprehend but I certainly don't. It's not easy thought..."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"I know you don't comprehend things but do you know how hardest moments for me while couldn't find the way. It seemed everything is just stuck and blocked my ways. It's really terrible indeed. I felt crestfallen."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔اس کے چہرے کے آثار سے پتہ چل رہا تھا۔اس کے اندر کا حال عیاں ہو رہا تھا۔اس کی آنکھیں سب کچھ کہہ رہی تھیں جو وہ چھپانا چاہتی تھی۔ جس کی پردہ پوشی کر رہی تھی۔

"There's no point in being crestfallen as I'm sure in the fullness of time things will sort themselves out."

وہ دھیمے لہجے میں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی۔اس کا دل مشکل میں پڑ گیا تھا۔تو کیا وہ اس کی وجہ سے اپنے آپ کو بند راستوں میں محسوس کر رہا تھا۔اس نے اس کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ایسا واقعی ہوا تھا؟اگر ایسا تھا تو یہ قدرے غلط تھا۔وہ کبھی بھی اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بننا چاہتی تھی۔وہ جانتی تھی یہ رشتہ مصیبت سے بچانے کے لئے تھا۔اس نے اس لمحے اس کی مدد کی تھی جب وہ مشکل میں تھی

مگر غلط فیصلہ تو ہونا ہی تھا نا۔ وہ ہو گیا تھا۔ وہ اس کے لیے راہیں مشکل کر رہی تھی۔ یہ بات اسے خائف کر رہی تھی۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا اس نے کیوں کسی کے درمیان آ کر ان کی راہوں میں حائل ہو گئی تھی۔

''تم ان سوچوں میں الجھی ہوئی ھین شاہ۔ تمہارے چہرے سے صاف لگ رہا ہے تم کسی بات کو لے کر پریشان ہو۔ ایسا کیا ہے جس نے تمہیں یوں پریشان کر دیا ہے۔ الجھاؤ میں ڈال کر تمہاری سوچوں کو گنجل کر دیا ہے اور اس کے اثرات تمہارے چہرے پر صاف نمایاں ہو رہے ہیں اور تمہاری آنکھیں اسے عیاں کر رہی ہیں حالانکہ تم چھپانے کی کوشش کر کے بے حال ہو رہی ہو۔ یہ بات مجھے اور بھی دکھ میں مبتلا کر رہی ہے کہ تم مجھ پر اتنا سا بھی اعتبار نہیں کرتیں کہ اپنی سوچوں کو بانٹ سکو۔ کیا میں اتنا ہی بے وقعت ہوں تمہارے لئے؟'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں شکایتیں تھیں۔

''نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر کچھ ہوتا تو آپ کو ضرور بتا دیتی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پھر نگاہیں آسمان پر ٹکا دی تھیں۔

''کاش میں بادل ہوتی جو ہوا میں اڑتی ہوئی دور آسمان کی وسعتوں میں چلی جاتی۔ نیلے آسمان کی وسعتوں کو چھو لیتی۔ مگر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے جانتی ہوں میں۔ بہت ناممکنات میں سے یہ بھی ایک ہے۔ مگر دل کی خواہشیں لامحدود ہیں ان کی کوئی حد نہیں اور نا ہی خواہشیں کی حدود مقرر کی جا سکتی ہے۔ نہ ہی ان پر کوئی قدغن لگا کر اس کی سمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔'' دھیمے لہجے میں ایک عجیب سی توجیح پیش کی تھی اس نے یا پھر بات بدلنے کا کوئی طریقہ تھا یہ۔ اگر ایسا تھا تو واقعی وہ خوبصورتی سے موضوع تبدیلی کر چکی تھی۔

''تم ان بادلوں کے دکھ سے ناواقف ہو ھین۔ ان کی تکلیف سے انجان ہو۔ اپنا سب کچھ کسی اور پر نچھاور کر دینا اور خود تہی دست رہ جانا۔ ایک خالی پن کا احساس اندر تک سرایت کر جاتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تم نے بادلوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا ہے؟ ان میں بخارات بن کر پانی کو جمع کر لیا جاتا ہے۔ وہ سمندر سے، دریاؤں سے، نہروں سے، جھیلوں سے قطرہ قطرہ پانی جمع کرتا ہے، بوند بوند کشید کرتا ہے اور قریہ قریہ سفر کرتا ہے اور جب بخارات سے بھر جاتا ہے تو آسمان کی وسعتوں کی طرف اڑان بھرتا ہے۔ اپنا سفر اوپر کی طرف کرتا ہے مگر اچانک ہی پیاسی دھرتی کے سوکھے پن کے احساس سے برس جاتا ہے۔ زمین کی محبت میں بادلوں کو اپنے خالی پن کا احساس نہیں ہوتا مگر ان کی تکلیف کو سمجھنا دشوار گزار عمل ہو سکتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مدلل انداز میں دلائل دے رہا تھا۔ حقائق سے آگاہ کر رہا تھا۔

وہ کچھ معنی اخذ نہیں کر پائی تھی۔

وہ ایک قدم چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور بغور اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ اسے ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا تھا۔ ھین شاہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی۔ چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''ھین شاہ تم نے کبھی Iridescent بادلوں کے بارے میں سنا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سوال غیر متوقع تھا۔ ھین شاہ نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"Do you know what causes rainbow colours in clouds?"

وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ایک اور سوال داغا تھا۔

''آپ نے طے کر رکھا ہے کہ الجھی ہوئی باتیں کر کے مجھے مزید الجھا دیں گے؟'' اچانک آپ کو Iridescent بادلوں کا خیال کیونکر آ گیا؟ آپ کو نہیں لگتا ہم بے معنی باتیں کر رہے ہیں؟'' اس نے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔

''اور آپ ان وجوہات کو جاننے پر اتنا بضد کیوں ہیں آخر؟'' اس نے وضاحت دیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جانتی ہو کیا ھین شایان شاہ، تمہاری آنکھوں میں کتنے ہی رنگین بادل تیر رہے ہیں کیونکہ تمہاری آنکھوں کے تیرتے بادلوں پر چند قطرے آنسوؤں کے رہ گئے ہیں۔ ان ٹھہرے قطروں پر جب یک بختگی ٹھہر جاتی ہے تو ان آنکھوں کے بادلوں کی بوندوں میں ایک سرد سا احساس ٹھہر جاتا ہے۔ ایک بیگانگی کا جامد سا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بدگمانیوں کی بوندیں اس یخ بستی سے برف ٹکڑوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ خدشات کی ہوا ان کو مزید سرد کر دیتی ہے، منجمد کر دیتی ہے لیکن یہ چھوٹے بڑے Halos قمر کی روشنی پانی کے ان بوندوں پر روشنی پڑ جانے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جب چاند کی روشنی ان برف کے کرسٹل پر پڑتی ہے تو Diffracted پھیل جاتا ہے۔ بادلوں میں رنگ پھیل جاتے ہیں۔ چاند کی روشنی کے منعکس ہونے سے یہ آنکھوں میں ٹھہرے بادل رنگوں میں نہا جاتے ہیں۔ ان بادلوں کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے تمہاری آنکھوں میں بادلوں کی قوس وقزح چھا گئی ہو۔ تا حد نظر رنگ ہی رنگ نظر آتے ہیں۔ ان بادلوں کو Iridescence بادل کہا جاتا ہے۔ میں نے یہ نظارہ پہلی بار دیکھا ہے۔ میری نگاہیں ساکت ہو گئی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں حقائق بیان کر رہا تھا۔

"I can see that iridescent clouds in your eyes. The clouds with rainbow colors. I realized the moment ago while I could see in your eyes while you were weeping then it happened... especially tiny droplets became small ice crystals cause of your cold behavior. That fears and doubts you have inside of your heart so these crystals individually scatter light. That marvelous view I could not see ever before in my life. I'm still in thespell."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ کتنا نیا انداز تھا اس کا۔ کتنا منفرد طریقہ تھا بیان کا۔ حیران سی ساکت کھڑی تھی میری دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ ایک ارتعاش تھا جو بڑھتا جا رہا تھا۔

''تمہاری ان چمکتی آنکھوں میں کتنے ستارے جھلملا رہے ہیں۔تمہاری آنکھوں کی دبیز پرتوں میں چھپے راز اور بھیدوں کے اسرار اس روشنی میں چمچا رہے ہیں۔جنوں جو صدیوں سے سرگرداں تھا ان بھیدوں کو جاننے کے جتن کر کے نڈھال ہو گیا تھا اب ان رازوں کو ان رنگوں میں لپٹا دیکھ کر حیران ساکت ہو گیا ہے۔سدھ بدھ کھو گیا ہے۔یہ رنگ حواسوں پر چھا رہے ہیں۔دیوانگی کو بڑھا رہے ہیں۔جنون کا آتش ان رنگوں میں ڈوب رہا ہے۔ہراساں سا رہ گیا ہے۔محبت کے آگے سرنگوں کیے کھڑا ہے۔بولنے کی سکت نہیں ہے۔لفظ کہیں کھو گئے ہیں۔ان رنگوں کی بھول بھلیوں میں جنون گم ہو گیا ہے۔گم شدہ سا پھر رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔جانے کون سی اصطلاحات بیان کر رہا تھا۔

وہ حیران سی کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی۔اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔دو قدم پیچھے ہٹ کر فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔

''آپ یہ اصطلاح کہاں سے لے آئے ہیں۔میں نے تو کبھی نہیں سنا۔آپ بے حد عجیب باتیں کرتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ کر حد بندیاں لگانے کی حتی الامکان کوشش کر رہی تھی۔

''یہ اصطلاح یونانی Personification کی طرف سے آئی ہے۔میں اگر تمہیں یہ بتا رہا ہوں تو کہاں غلط ہوں؟تم خود میری آنکھوں میں دیکھ کر جانچ پڑتال کر سکتی ہو۔تصدیق کر سکتی ہو کہ میں غلط نہیں ہوں۔جو کہا حرف بہ حرف درست ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا پھر کہنے لگا تھا۔

''میں تمہاری آنکھوں مجموعی طور پر ان رنگوں کے اثرات ہوتے ہیں۔جب تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کی بوندیں ٹھہر گئی تھیں تو یہ بوندیں آنکھوں کے کناروں پر ٹھہر گئی تھیں،ساکت ہو گئی تھیں اور جب تم نے چاند کی طرف دیکھا تھا تو اس کی روشنی تمہاری نیم شفاف آنکھوں کے بادلوں سے ٹکرائی تھی اور ان بادلوں کے کناروں پر براجمان بادلوں Iridescence تشکیل عمل میں آئی ہے۔یہ قمری روشنی ان رنگوں کا موجب بنتی ہے اور تمہارے سارے راز اور بھید ان آنکھوں میں چھپے ہوئے ہیں اس روشنی سے چمکنے لگتے ہیں۔چاند کی روشنی رنگ بھیجتی ہے ارد گرد ایک گھیرا بنا دیتی ہے۔دائرے بنا دیتی ہیں۔چاروں طرف رنگ ہی رنگ پھیل جاتے ہیں۔مجھے تو لگتا ہے تمہاری آنکھوں میں مرکزی روشن ڈسک کا ڈھانچہ بن جاتا ہے۔میں حیرت کدوں میں کھو جاتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔داستانوں کو رنگ میں ڈھال رہا تھا۔

''آپ ہمیشہ سے ہی الجھی باتیں کرتے ہیں یا یہ عمل آج کل ہی شروع ہوا ہے؟آپ نہیں جانتے ان باتوں کو سمجھنے کے لئے کتنا وقت درکار ہے۔اتنی قلیل سی مدت میں ان کا جاننا دشوار ترین ہے۔اگر میں کوشش بھی کروں تو یہ ممکن نہیں ہو گا مجھ سے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنی ناکامی کا ثبوت دے رہی تھی یا پھر کم فہمی کو مان کر جان چھڑانا چاہتی تھی۔شاید یہ ہی ایک طریقہ تھا صاف بچ کر نکلنے کا۔

''ایک بات بتایئے؟ کیا آپ زندگی میں resolution بناتے ہیں؟ کبھی خود کو قرارداد بنا کر پیش کی آپ نے کہ آنے والے لمحات میں کیا کرنا ہے؟ کیسے گزارنا ہے زندگی کو اور ان تبدیلی کے ساتھ چلنا کس قدر مشکل ہوسکتا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا یا موضوع بدل کر اس کی توجہ خود پر سے ہٹانا چاہتی تھی۔ وہ جو کب سے اسے نگاہوں کے حصار میں لیے کھڑا تھا اس کی توجہ دوسری طرف مبذول کرانا چاہتی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ وہ جان گیا تھا بچنے کا طریقہ تھا کوئی۔ حفاظتی بند باندھ کر بہاؤ کو روکنا چاہتی تھی وہ۔ وہ نادان تھی۔ نہیں سمجھتی تھی بہتے دریا پر بند باندھنا بیوقوفی تھی۔

''میں جو ٹھان لیتا ہوں وہی کرتا ہوں۔ جب ایک بار بڑھ گئے تو پیچھے نہیں ہٹتے۔ آگے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہر قدم پر ثابت قدم رہتا ہوں۔ میرا کہا ہوا ہر لفظ میری زندگی کی قرارداد کا حصہ ہوتا ہے۔ میں تبدیلیاں کرتا ہوں۔ ان کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال دیتا ہوں۔ اپنے پیمانے پر پرکھتا ہوں۔ اپنی پسند کے سانچوں میں ڈھال لیتا ہوں۔ سب کچھ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ میں بہاؤ کے ساتھ نہیں چلتا۔ بہاؤ کو بدل دیتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اپنے مضبوط ارادوں کو بیان کر رہا تھا۔

''تم بہاؤ کے ساتھ بہتی ہو حسین شاہ؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا سوال اچانک تھا۔ غیر متوقع تھا۔ وہ کوئی معنی اخذ نہیں کر پائی تھی۔ اگر وہ پوچھ رہا تھا یا کوئی تجزیہ کر کے بیان کر رہا تھا یا حتمی رائے دے رہا تھا مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے حتمی رائے دی تھی۔

''میں آپ کی بات سے کوئی معنی اخذ نہیں کر پا رہی ہوں کہ آپ پوچھ رہے ہیں یا پھر کوئی حتمی رائے دے رہے ہیں۔ آپ کا لہجہ اس قدر مدلل اور حتمی لگ رہا ہے جیسے واقعی میں آپ کا مشاہدہ میرے بارے میں خاصا زیادہ ہے۔ جیسے آپ نے تفصیلاً جاننے کی کوشش کی ہے میرے بارے میں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے مروتاً مسکرائی تھی۔

وہ بھی مسکرا دیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''صد شکر آپ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تو آئی چاہے رسمی ہی سہی مروتاً ہی سہی۔ آپ مسکراتے ہوئے اچھی لگ رہی ہیں۔ آپ کی آنکھوں کی روشنی بڑھنے سے رنگ اور نمایاں ہو گئے ہیں۔ اور میں پوچھ رہا تھا۔ میں جاننے کا متلاشی ہوں۔ میں نے کوئی حتمی رائے نہیں دی۔'' وہ دھیمے لہجے میں مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں نے کبھی بہاؤ کو فالو نہیں کیا۔ میں کوئی Dead Fish نہیں ہوں۔'' اس نے وضاحت دی تھی۔

"I did not say you are a dead fish. Why are you saying like that?"

وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا اس اصطلاح سے؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ میں کوئی dead fish نہیں ہوں کہ بہاؤ کے ساتھ بہہ جاؤں۔ میں اپنے راستے خود بناتی ہوں۔ آپ جانتے ہیں مچھلیاں لہروں کے بہاؤ کے ساتھ نہیں بلکہ مخالف تیرتی ہیں اور تیرتی ہوئی اپنی منزل تک پہنچ جاتی ہیں۔ وہ راستے نہیں بدلتیں۔ ان کے اندر اتنی طاقت ہوتی ہے کہ لہروں کے مخالف تیرتی جائیں۔ ان طوفانی لہروں سے لڑ جانے کا حوصلہ ہوتا ہے ان میں۔ ان کے اندر اتنی سکت ہوتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ایک عجیب لو جک تھی اس کی۔

''میں جانتا ہوں۔ تمہارے حوصلوں سے واقف ہوں۔ تمہاری ہمت کا گواہ ہوں۔ جانتا ہوں۔ ہواؤں کا رخ بدلنے کا حوصلہ ہے تم میں۔ اور زیر کرنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہو۔ اس ہنر سے مالا مال ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کے سامنے اعتراف کر رہا تھا۔

''تمہاری لو جک سمجھ میں آجانے والی ہے۔ یہ لو جک کمال کی ہے۔ تم ہر بار کمال ذہانت کا ثبوت دیتی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عین شاہ نے خجلت سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''تم جانتی ہو کیا عین شایان شاہ؟ جب میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے تمہاری آنکھوں میں قوس وقزح کا پیرہن پہن کر بادلوں نے ڈیرہ جما لیا ہو۔ جیسے رنگوں نے خیمہ زن ہونے کے لئے بہترین جگہ تلاش کر لی ہو۔ تمہاری آنکھوں کے ریٹنا یوں چمکتے ہیں جیسے شمس پوری آن بان سے چمک کر تمام روشنی کو اردگرد پھیلا رہا ہو۔ آنکھوں کی زمین رنگوں سے نہا جاتی ہے۔ ان آنکھوں کے سورج کی سطح کی مقناطیسی توانائی کے اچانک Eruption کے ساتھ عام طور پر Sunspots منسلک ہوتے ہیں اور ان خدشات کی برقناطیسی تابکاری اور ذرات کے ساتھ پھٹ جاتے ہیں۔ یہ بالائے بنفشی اور شمسی Flares سے تابکاری اکثر زمین کی فضا میں برقی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس شمسی Flare سے بادلوں پر قوس وقزح پھیل جاتی ہے۔ میں حیرت کدوں میں کھو جاتا ہوں۔ ان رنگوں کو گننے لگتا ہوں۔ محویت سے تکتا رہتا ہوں۔ دنگ سا کھڑا رہتا ہوں۔ پلک جھپکنے تک کی سکت نہیں ہوتی مجھ میں تو۔ میں تو ان رنگوں میں کھونے لگتا ہوں۔ نکلنے کے سارے مسدود ہو جاتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں کتنے راز افشا کر رہا تھا۔

عین حیران سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے طے کر رکھا ہے کہ مشکل ترین باتیں کر کے مجھے پریشان کرتے رہیں گے۔ اتنی الجھی ہوئی باتیں کیسے کر لیتے ہیں آپ؟'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''آپ کو میری باتیں الجھی ہوئی کیوں لگتی ہیں؟ آپ تو خود ایک الجھی ہوئی مسٹری لگ رہی ہیں اس وقت۔ آپ کی آنکھوں کے رنگ اتنی تیزی سے بدلتے ہیں کہ مجھے تو سانس لینے تک کی مہلت نہیں ملتی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''زندگی اتنی آسان نہیں ہے۔اس طرح کی باتیں کر کے آپ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت اپنے راستے تبدیل نہیں کرنے والی۔وہ اٹل ہے اور اسی طرح قائم بھی رہے گی۔اندر جو اضطرابیت ہے جو مسلسل بڑھتی جائے گی اور کم ہونے کا نام نہیں لے گی کیونکہ حقیقت سے نگاہ چرانا دانشمندی قطعی نہیں ہے۔آپ اتنی ثقیل باتوں سے صورتحال کو مزید الجھایا تو جا سکتا ہے مگر اس الجھاؤ سے سوچوں کے راستے بدل نہیں جا سکتے۔دلوں میں جو وسوسے بڑھتے جاتے ہیں وہ کسی طور کم ہونے والے نہیں ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میں ایک اٹل حقیقت کی طرح تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔تمہاری حقیقت تو میں ہوں۔پھر کس بات کے خدشات نے تمہاری آنکھوں میں گھر کر لیا ہے۔الجھن ہے تو سلجھا کیوں نہیں دیتیں؟ اپنی تمام سوچوں کے راستے میری سوچوں سے جوڑ دو۔ان سوچوں کے روابط بڑھے تو ان سوچوں کا سفر مجھ تک ہونا طے ہے۔تم راستے میں الجھی ہوئی سوچوں کے الجھاؤ بڑھا کر ان کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش میں سرگرداں کیوں رہتی ہو ھین شایان شاہ؟ تم ایسا کر کے میری الجھنیں کیوں بڑھا رہی ہو؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر نگاہیں جھکا لی تھیں اور چہرے کا رخ تبدیل کر لیا تھا۔

''ان سوچوں کے اپنے زاویئے ہوتے ہیں اظل سہام مرزا۔ان زاویوں کے خطوط کو توڑ موڑ کر ان کے راستوں کو زبردستی تبدیلی کرنے سے ان کی منزل تک پہنچنے کے عمل کو مشکل اور دشوار گزار تو بنایا جا سکتا ہے مگر اس عمل سے درحقیقت کچھ فرق نہیں پڑتا۔بس راستے مزید گنجل ہو جاتے ہیں مگر منزل جوں کی توں ہی رہتی ہے۔آپ یہ جانتے ہیں آپ غلط راستوں پر قدم رکھ چکے ہیں۔یہ وقتی سفر ہے جو جلد یا بدیر ختم ہو جائے گا اور پھر آپ کے قدم اپنی منزل کی طرف بڑھ جائیں گے۔صرف راستوں کی تھکن باقی رہ جائے گی اور اس تھکن کا احساس جاں گسل ہوتا ہے۔ابھی شاید آپ اس کا اندازہ نہ کر سکتے مگر تب یہ صاف اور واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم کس بارے میں بات کر رہی ہو ھین شاہ؟ میں ان باتوں سے کوئی معنی اخذ نہیں کر پا رہا ہوں مگر یہ سمجھ گیا ہوں۔تم ضروری کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو۔صاف بتا کیوں نہیں دیتی ہو تم۔مجھے پریشان کر کے کیا سکون مل رہا ہے تمہیں جو لفظوں کے جال میں جکڑ رہی ہو تم؟ مدھم لہجے میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔آنکھوں میں بے چینی کا ڈیرہ تھا۔

''بولو ھین شاہ میں منتظر ہوں۔جاننا چاہتا ہوں وہ تمام باتیں اور ان کے معنی اخذ کرنا چاہتا ہوں۔جو باتیں تمہیں پریشان کر رہیں، جو خدشات تمہیں یوں ہراساں کر رہے ہیں، تمہاری آنکھوں میں جو اضطرابی بڑھتی جا رہی ہے یہ چھپی ہوئی تو نہیں ہے۔وجوہات کیا ہیں؟ پس پردہ جو حقائق ہیں میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔وہ حقائق جاننے کو بے چین ہوں۔متمنی ہوں۔ان خدشات کو دور کر کے ان شفاف آنکھوں کو تغافل سے دور رکھ سکوں۔مگر تم میری ساری کوشش رائیگاں کر رہی ہو۔میری راہوں میں رکاوٹیں حائل کر کے مجھے بے بس کر دیتی

ہو۔تم ایسا فعل کر کے میری بے چینیوں کو کیوں بڑھاتی ہو حین شایان شاہ؟'' وہ مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔آنکھوں میں اضطرابی تیر رہی تھی۔

حین نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ آرام کریں اور مجھے بھی سونا ہے۔ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔آپ خواہ مخواہ ان فضول باتوں کو سوچ کر پریشان مت ہوں۔'' وہ ناصح بنی سمجھا رہی تھی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔اس کا بات کو پلٹ دینا اسے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔اس کی سوچوں کے نئے در وا کر رہا تھا۔

''تمہیں میری باتیں بے جواز لگ رہی ہیں حین شاہ؟ میری سوچیں تو خطِ مستقیم پر سفر کر رہی تھیں۔تم نے اچانک ان کے زاویے بدل دیئے۔ان کا رخ موڑ دیا۔ان کو الجھاووں میں ڈال کر بھی میری سوچیں گنجل کر کے تم یوں پرسکون انداز میں کھڑی ہو۔ناصح بنی مجھے نصیحت کر رہی ہو۔میرے خدشات کو یوں بے جواز ٹھہرا کر بری الذمہ قرار دینا تمہارا ہی خاصہ ہے۔یہ تو میں جان گیا ہوں۔تم چھپانے کی حتی الامکان کوشش میں مصروف رہتی ہو۔مگر تم یہ بات ہمیشہ بھول جاتی ہو۔میرا اور تمہارا ناطہ صدیوں پرانا ہے۔یہ آج کی بات نہیں ہے۔میں تمہیں جان جاتا ہوں۔وہ بھی جو تم کہتی ہو۔اور وہ بھی جو تم چھپانے کی کوشش میں بے حال ہو جاتی ہو۔تمہارے تمام مسائل کا حل تو میرے پاس ہی ہے نا۔پھر ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے تمہیں؟ صاف لفظوں میں بیان کرنے میں قباحت کیا ہے اور یوں کنی کترا کر جانے کا فعل تمہیں کچھ بزدلانہ نہیں لگتا؟''

''میری سوچوں کو تغافل بھری نگاہوں کے حصار میں مقید کر کے اس تغافل کے حصار میں باندھ کر۔خود فرار کی راہیں تلاش کر رہی ہو۔یہ کوئی اچھا فعل تو نہیں ہے نا ہی سراہے جانے کے قابل ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔نگاہیں بدستور اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔

حین شاہ سے کھڑا ہونا محال ہو گیا تھا۔وہ تیزی سے جانے کے لئے مڑی تھی مگر اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔اسے رک جانا پڑا تھا۔

وہ مڑی تھی اور اس کی طرف دیکھا تھا۔آنکھوں میں ایک بیگانگی اور لاتعلقی کی دبیز تہہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔وہ حیران تھا اچانک کیا ہو گیا۔آخر اس کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔مگر اچانک ہی جیسے اسے سب صاف سمجھ میں آنے لگا تھا۔

ایک خیال بجلی کی تیزی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا تھا۔

''تو کیا میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں حین شاہ؟ اگر میں قیاس آرائی کر رہا ہوں تو تم سچ سے روشناس کیوں نہیں کرا دیتیں مجھے؟ یوں بیگانگی کا لبادہ اوڑھ کر کیوں جاری ہو؟ یوں اچانک اتنی لاتعلق کیوں جیسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔اگر کچھ برا لگا ہے تو کہو۔تدبیر کرنے کا کوئی موقع تو دو۔اگر وضاحت درکار ہے تو میں حاضر ہوں یقین دہانی کرانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔آخر تم کب اعتبار کرو گی؟

کب تک یوں بے اعتباری کی دہلیز پر کھڑا رکھو گی مجھے؟ یہ صورتحال مجھے خوفزدہ کر رہی ہے۔ میرے خدشات کو تم یوں بے جواز قرار نہیں دے سکتیں۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں مگر دل اچانک ہی ہراساں ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ دل کے خدشات کو بیان کر رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ بے جواز باتوں کو طویل کر کے خواہ مخواہ طول دے رہے ہیں۔ قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ اگر کچھ ہو گا تو میں ضرور بتا دوں گی۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ کل بات کریں گے۔ میرا ہاتھ چھوڑیئے آپ۔ مجھے جانا ہے۔'' اس نے کہا تھا اور رکی نہیں تھی۔ چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب گہری تاریکی اپنے پر پھیلا لیتی ہے اور اندھیرے بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک ان دیکھا خوف اچانک ہی دبوچ لیتا ہے۔ جکڑ لیتا ہے۔ بھاگنے کی ساری راہیں مسدود کر کے ایک حصار میں مقید کر دیتا ہے۔ اس کے آگے کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ بس ایک گھپ اندھیرا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ رات اتنی طویل تو کبھی نہ تھی جتنی طویل آج ہو گئی تھی۔ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گہری تاریکی مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ ایک روشنی کے انتظار میں لمحے گن گن کر گزرے تھے اور روشنی کی پو پھوٹنے پر اس نے ایک سکون کا سانس لیا تھا۔ جانے اس کی زندگی کے اندھیرے کب بدلنے تھے۔ کسی پل قرار نہیں مل رہا تھا۔ بے چینی اندر تک سرایت کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ یہاں مزید رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک حتمی فیصلہ لیا تھا اور پھر ایک سکون کی لہر اس کے اندر بھر گئی تھی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا اسے کچھ احساس نہیں تھا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ جنت بی بی ناشتے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی پھر اس کی طرف بڑھی تھی۔ اسے ہولے سے پکارا تھا۔

''بی بی جی ناشتہ کر لیں۔ دادا جان نے خاص ہدایت کی ہیں وہ کہہ رہے تھے آپ نے رات کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔ انہیں آپ سے کچھ خاص بات کرنی ہے۔ آپ کو بلا رہے ہیں وہ۔ کہہ رہے ہیں جب آپ ناشتہ کر چکیں تو ان کے کمرے میں آ جائیں۔'' جنت بی بی مؤدب انداز میں کہہ رہی تھی۔

ھین شاہ نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے انہیں کہہ دیں میں آ رہی ہوں کچھ دیر میں۔'' اس نے کہا تھا پھر ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹا تھا اور چلتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

''میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ اگر کچھ اور چاہئے تو بتا دیں۔ ناشتہ آپ کی پسند کے عین مطابق ہے۔ دادی جان نے اپنی نگرانی میں بنوایا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور ھین شاہ نے مڑ کر دیکھا تھا۔

''نہیں کچھ اور نہیں چاہیے دادی جان نے اتنا کچھ بنوا دیا ہے۔ کافی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ میں ریڈی ہو رہی ہوں۔ اتنی دیر میں آپ ایک بہترین سی کافی بنا کر لا دیں بس۔ سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس نے سر کو دبایا تھا۔

''میں آپ کا سر دبا دوں بی بی جی۔ معاف کر دیں میں نے آپ کو جگا دیا۔ میں بڑی بی بی کو بتاتی ہوں۔ آپ آرام کریں۔'' جنت بی بی نے کہا تھا اور باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''نہیں ان کو کچھ مت بتانا وہ پریشان ہو جائیں گی۔ ایک کپ کافی اور درد بھاگ جائے گا۔ جلدی جائیں آپ۔'' اس نے تحکم بھرے لہجے انداز میں کہا تھا اور چلتی ہوئی واش روم میں داخل ہوئی تھی۔ آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے تھے مگر آنکھوں کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تھا۔ وہ حیران رہ گئی تھی آنکھوں میں ویرانیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی درد آنکھوں میں زیادہ ہے یا پھر دل میں۔ وہ ریڈی ہو رہی تھی جب دادا جان کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ ان کو دیکھ کر مؤدب سی کھڑی ہو گئی تھی۔

''آپ۔ میں آپ کے پاس آ ہی رہی تھی دادا جان۔ آئی ایم سوری آج آنکھ دیر میں کھلی۔'' اس نے توجیح پیش کی تھی۔ بروقت بہانہ بنایا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔ والدین بچوں کے پاس آ جاتے ہیں جب بچوں کو ان کی ضرورت ہوتی ہے تو۔ یہ دلوں کے رشتے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ دل خود بخود آگاہی پا جاتا ہے کہ دل سے منسلک رشتے پریشان ہیں یا خوش یا پھر کسی تکلیف میں ہوں۔ دل جان جاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ابھی میرا دل جان گیا ہے کہ میری بیٹی کچھ پریشان ہے۔ کسی بات کو لے کر الجھن میں پڑ گئی ہے۔ جنت بی بی نے بتایا سر میں درد ہو رہا ہے۔ کیا ہوا بیٹا؟ اپنے دادا جان کو بھی نہیں بتاؤ گی کیا؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا اور حسین شاہ کے مجتمع سارے حوصلے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ آنکھوں سے نمکین پانی سمندر کنارے توڑ کر بہہ نکلے تھے۔ شاید ایک ہمدرد کو دیکھ کر دل یوں ہی پگھل جاتا ہے۔ وہ کمزور نہیں مگر جانے کیوں اس لمحے کمزور پڑ گئی تھی۔ پھر ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں دادا جان، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ بس سب بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ ماما پاپا کی یاد بہت شدت سے آ رہی ہے۔ دل بے چین ہے دادا جان۔ وجہ سمجھ نہیں آ رہی لگتا ہے ایک خوف میرا پیچھا کرتا جا رہا ہے۔ میں جتنا بھاگنے کی کوشش کر رہی ہوں، بچنے کے سد باب تلاش کر رہی ہوں مگر خوف ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں کسی گھنے جنگل میں بھٹک گئی ہوں۔ جہاں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ گھپ اندھیرا ہے۔ میں بغیر سمت کا تعین کیے چلتی جا رہی ہوں۔ اگر بالفرض راستہ مل بھی جائے تو منزل کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ کونسی سمت جاؤں۔ عجیب دوراہے پر کھڑی ہوں۔ زندگی دشوار لگنے لگی ہے۔ اس گھپ اندھیرے میں آنکھیں وہ منظر دیکھ رہی

ہیں جو روشنی میں دکھائی نہیں دیتا۔ آنکھیں شاید اندھیروں کی عادی ہونے لگی ہیں مگر اس سیاہ تاریکول جیسی تاریکی میں دل کہیں ادھر ادھر بھٹک رہا ہے۔ روشنی کی ایک کرن کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ اس کی نگاہیں تاریکی میں مانوس نہیں ہوتیں۔ دل کی بقا خطرے میں لگنے لگتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ قدرے الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

دادا جان بغور اس کو سن رہے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا منزل تو تمہارے ساتھ چل رہی ہے۔ تمہاری منزل کا تعین تو ہو چکا ہے اور سارے راستے تمہاری منزل کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ خود بخود ان راستوں پر چل کر تمہاری منزل تک پہنچ جائیں گے ورنہ تمہاری منزل خود تمہاری تلاش میں نکل پڑے گی اور راستے بنا دے گی۔ ان راستوں کو حکم دے گی کہ وہ تم تک آ جائیں۔ تم ان فکروں میں مت پڑو میرے بچے۔ ان سب کی فکر کرنے کے لیے ہم سب ہیں نا۔ جو دل میں ہے سب کہہ دو۔ کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ دل کو سکون مل جاتا ہے۔ ورنہ دل خواہ مخواہ الجھنوں میں الجھائے رکھتا ہے۔ پریشان ہوتا رہتا ہے۔ یہ تمام پریشانیاں مجھے دے کر خود اطمینان سے رہو۔ تمہارے دادا جان جب تک زندہ ہیں تمہیں کبھی پریشان نہیں ہونے دیں گے۔ کسی پریشانی کا شائبہ بھی تمہارے چہرے پر نہیں دیکھنا چاہیں گے۔ کسی دکھ، غم یا تکلیف کا سایہ بھی تم پر پڑنے ہرگز نہیں دیں گے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ تمہیں خوش دیکھنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ شاید یہی میرے جینے کی وجہ بن گیا ہے۔ میں اب اسی مقصد کے لیے جی رہا ہوں میرے بچے۔ بڑے تو بچوں کی خوشیوں کے لیے ہی جیتے ہیں۔ ہم تو اپنی زندگی جی چکے ہیں، گزار چکے ہیں۔ بچے کچے چند دن یا مہینے یا سال جو بھی ہیں وہ صرف بچوں کی خوشیاں اور ان کی خوشگوار زندگی دیکھنے کے لئے ہی ہیں۔ تم اور اظل ہی میرے جینے کی وجہ ہو بیٹا۔ تم نے چند دنوں میں میرے دل میں وہ جگہ اور مقام بنا لیا ہے جس کا تصور کرنا محال ہے۔ مجھے تو لگتا ہے میرا کوئی برسوں پرانا تعلق ہے تم سے۔ کوئی گہرا رشتہ ہے تم سے۔ تم میری پیاری بیٹی ہو۔ یاد رکھنا اگر تم دکھی ہو گی تو میں بھی پریشان ہوں گا۔ میری خوشی اب تم دونوں سے ہی وابستہ ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کا لہجہ مدلل تھا۔ برسوں کے تجربے کا نچوڑ تھا۔

''رشتے اپنی سمت خود بناتے ہیں بیٹا۔ جب دل جڑتے ہیں تو رشتے اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں اور بھی پائیدار اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔ تم اظل کے بارے میں سوچو۔ تمہارا مستقبل اس سے جڑ چکا ہے۔ تم فکروں کو ڈپٹ کر بھگا دو جو تمہیں یوں ہراساں کر کے الجھا رہی ہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں بیٹا۔ تمہارا دکھ۔ تمہارا درد اور تکلیف۔ سب کا احساس ہے مجھے۔ مگر کبھی کبھی ہم اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ہمارے پیاروں کو جدا کرتا ہے تو اس تکلیف کا علاج بھی صرف اسی کے پاس ہوتا ہے۔ وہی صبر عطا کرتا ہے۔ دل کو قرار بھی وہی دیتا ہے۔ سارے راستے بھی وہی بناتا ہے۔ ساری الجھنوں کو وہی سلجھاتا ہے۔ ہر گتھی اس کے سامنے خود بخود سلجھ جاتی ہے۔ اول و آخر تو صرف وہی ہے۔ اس پر بھروسہ رکھو بیٹا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اندھیروں میں روشنی وہی کرتا ہے۔ دلوں میں محبت بھی وہی بھرتا ہے۔ جو بھی ہوتا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ کوئی کام بھی بے سبب یا بے وجہ نہیں ہوتا۔ بس یقین کی ڈور مضبوطی

سے تھامے رہے، ایمان رکھو اس پر۔ کچھ بھی غلط نہیں ہوگا۔ سب ویسا ہی ہوگا جیسا وہ تبارک وتعالی چاہتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بردباری سے سمجھا رہے تھے۔ وہ بول رہے تھے اور حسین شاہ کے دل کو قرار مل رہا تھا۔ بے چین دل مطمئن ہو رہا تھا۔ ان کے لفظ دل پر اثر کر رہے تھے۔ وہ درست ہی تو کہہ رہے تھے۔ حسین شاہ کو ان کے ہر کہے لفظ پر یقین ہونے لگا تھا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں دادا جان۔ آپ کا بہت شکریہ دادا جان مجھے اتنی تفصیل سے سمجھانے کا۔ اب کوئی الجھن نہیں ہے دادا جان اور اگر کبھی ہوگی بھی تو میں سیدھے آپ کے پاس آجاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس اسی لیے بھیجا تھا کہ آپ مجھے سیدھا راستہ دکھا سکیں۔ میری رہنمائی کر سکیں۔ اگر میں کبھی بھٹک بھی جاؤں، گنجل راستوں پر الجھن یا شش و پنج تو آپ میری مدد کے لیے موجود ہوں۔ آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کوئی فکر نہیں ہے دادا جان۔ آپ نا صرف میرے دادا جان ہیں اور میری طاقت کا وسیلہ بھی آپ ہی بن گئے ہیں اب تو۔ میں مطمئن ہوں اور دل بھی تسلی پا گیا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اعتراف کر رہی تھی۔

دادا جان نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''جیتی رہو میری بچی۔ میری اتنی بساط کہاں کہ کچھ کر سکوں۔ جو بھی کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ وہی رحیم و کریم ہے۔ غفور ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کسی میں اتنی سکت کہاں کہ کچھ کر سکے۔ اس کا کرم ہے اس نے مجھ ناچیز کو اتنی قیمتی چیز سے نواز دیا۔ اتنی پیاری بچی کو مجھ سے ملا دیا۔ تم میرے اظل کی زندگی ہو بیٹا۔ اس کی خوشی تم سے ہی وابستہ ہے۔ تم دونوں خوش رہو۔ بس میری یہی دعا ہے۔ میں تو ہر سانس پر تم دونوں کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میرے بچے خوشحال زندگی بسر کریں۔ یہی میری خواہش ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

تبھی جنت بی بی ناشتے کی ٹرائے لے کر آ گئی تھیں۔

''چلو آج دادا پوتی اکٹھا ناشتہ کرتے ہیں۔ مجھے تو بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ بوڑھا ہو گیا ہوں نا۔ تمہاری دادی کہتی ہیں میں بچہ بن گیا ہوں۔ میں نے کہا انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو بچہ ہی بن جاتا ہے نا اپنے بچوں کے ساتھ۔ مگر وہ خائف رہتی ہیں مجھ سے۔ ان کے شکوے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ میں نے تو ان سے کہا بڑھاپے میں تو وہ داخل ہو رہی ہیں مگر ان کا خیال ہے وہ ابھی بھی جوان ہیں۔'' دادا جان نے موضوع تبدیل کر دیا تھا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں دادی جان کی برائیاں کر رہے تھے۔ یا پھر اس کا موڈ تبدیل کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''کوئی نہیں دادا جان۔ دادی جان واقعی بہت ینگ لگتی ہیں اور وہ بہت اچھی ہیں۔ آپ کا اور سب کا کتنا خیال رکھتی ہیں وہ۔ اور کھانا تو بے حد لذیذ بناتی ہیں۔ میں ان سے کھانا بنانا ضرور سیکھوں گی۔'' مدھم لہجے میں وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"In fact I would must say you both are the best couple in rest of the world."

''میں چاہتی ہوں میرا بڑھاپا بھی آپ دونوں کی طرح ہی گزرے۔ آپ دونوں ہی بہت اچھے ہیں۔'' وہ تعریف کر رہی تھی۔ دادا جان مسکرا دیئے تھے۔

''تم دونوں بھی بہترین کپل ہو۔ تم خوش رہو میری بچی۔'' چلو ابھی جلدی سے یہ سب چیزیں کھاؤ اور پھر اظل سے مل لو۔ آج وہ خفا ہوگا۔ آج تم نے بریک فاسٹ میرے ساتھ کرلیا نا۔ اور ہاں اپنے بڑے پاپا سے بات کرلینا ان کی کال آئی تھی۔ شاید تم سو رہی تھیں تو انہوں نے مجھے کال کیا۔ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ آج تم اظل کے ساتھ جا کر ان سے مل آؤ۔'' انہوں نے کہا تھا اور حسین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی دادا جان میں ان سے بات کرلوں گی۔ اور شکریہ دادا جان فور ایوری تھنگ۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''بیٹا اپنوں کو شکریہ نہیں کہتے۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا تھا تو میں نے دوبارہ منگوایا۔ اب اگر دوبارہ ٹھنڈا ہو گیا تو تمہاری دادی جان خفا ہونگی۔ اور تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی خیر نہیں۔ تم ان کے غصے سے واقف نہیں ہو ابھی۔ میں تو ان کے سامنے تھر تھر کانپنے لگتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے کہہ رہے تھے۔

''دادا جان، میری پیاری دادی جان کے خلاف کچھ مت کہیں۔ ان کو غصہ نہیں آتا۔ وہ تو بے حد نرم خو ہیں۔ بہت نرم مزاج رکھتی ہیں وہ۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''چلو اب میں چلتا ہوں۔'' انہوں نے کہا تھا اور قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے اور حسین شاہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا تھا۔ دادا جان کی وجہ سے دل الجھن سے نکل آیا تھا۔ اس نے کافی کا کپ اٹھایا تھا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا تھا۔ پھر اٹھی تھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اظل کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

☆.....☆.....☆

جب دلوں میں رابطے گہرے ہوتے ہیں تو ربط اپنے آپ بنتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا جب وہ اظل کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی تو اس کے فون کی بیل بج اٹھی تھی۔ اس نے اسکرین پر لکھا اس کا نام دیکھا تھا اور فون کو Unlock کر کے کال پک کی تھی۔ اس کی بے تاب آواز ابھری تھی۔

''حسین شاہ، کہاں غائب ہیں آپ؟ صدیوں پہلے آپ کو کوئی پیغام بھیجا تھا مگر جواب سرے سے ناپید ہے۔ کہاں گم شدہ ہو گئی ہیں آپ؟ آپ تو کہیں چھپ گئی ہیں۔ صبح سے نگاہیں دروازے پر پر ٹکائے بیٹھا ہوا آپ کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ کتنی ہی بار دستک دی تھی مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ مجھے تو فکروں نے گھیر لیا تھا۔ تب جنت بی بی کو بھجوایا تھا۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ میرا دل کیوں اچانک اندیشوں سے بھر گیا ہے؟ قصہ کیا ہے آخر؟ اگر کوئی خفگی ہے تو بیان کریں تاکہ میں تدارک تو کر سکوں۔ اس طرح بیگانگی تو مت دکھائیں۔ دل کی حالت غیر ہے۔ عجیب وسوسوں میں پڑ گیا ہے۔ آپ کو کچھ خبر ہے تو بتائیں؟'' مدھم لہجہ بے چینیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کتنے شکوے تھے اس

لہجے میں۔شکایتیں تھیں۔

''میں آرہی ہوں۔میں نے سوچا تھا صبح جب سو کر اٹھیں گے تو آپ کی دماغی حالت قدرے بہتر ہوگی مگر یہاں تو وہی ڈھاک کے تین پات والا معاملہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔اس میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔دماغ کا خلل تو جوں کا توں برقرار ہے بلکہ شدت کچھ اور بھی بڑھ گئی ہے۔کیفیت بتا رہی ہے رات بڑی بے چین گزری ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

اور اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔اس نے حیران سی اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا ہوا میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا جو آپ یوں ہنس رہے ہیں یا آپ صرف بے بنیاد بنا کر جواز پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟'' وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تو آپ کی الجھی اور ادھوری باتوں میں جواز تلاش کرنے میں عمر بتا رہا ہوں۔آپ جو آدھی ادھوری باتیں کر کے لاتعلق ہو جاتی ہیں تب میں ان باتوں کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہوں۔مگر آپ ہیں کہ کھل کر سامنے آتی ہی نہیں۔آپ کو تو کوئی احساس ہی نہیں کوئی کسی کس قدر مشکلوں میں گھر جاتا ہے۔آپ تو مجھے الجھا کر مطمئن ہو جاتی ہیں۔بے پرواہ نظر آتی ہیں جیسے دور تک کوئی تعلق کوئی واسطہ ہی نا ہو۔جیسے درمیان کوئی رابطہ ہی نا ہو۔سارے سلسلے لمحوں میں توڑ دیتی ہیں آپ۔آپ تو بالکل چاند جیسی فطرت رکھتی ہیں۔مجھے تو اس کا یقین ہونے لگتا ہے۔پہلے تو صرف شک تھا مگر اب تو لگتا ہے اگر شک بھی تھا تو غلط نہیں تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں انکشاف کر رہا تھا۔مشاہدہ کمال کا تھا۔وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔حیران رہ گئی تھی۔

''آپ رک کیوں گئی ہیں؟ چلتے رہیں آپ۔لگتا ہے میلوں کا سفر طے کرنا پڑ رہا ہے آپ کو۔آپ کو عادت ہے فاصلے بڑھانے کی،میلوں کا سفر صدیوں پر محیط کر کے آپ کو کیا تسکین ملتی ہے؟ آخر بتا کیوں نہیں دیتیں آپ؟ تغافل کیا ہیں؟ اگر شکوے ہیں تو بیان کرو۔اگر شکایتیں ہیں تو بتا دیں۔کچھ تو تدارک کر سکوں۔یوں اندھیرے میں رکھ کر تو مت ماریں مجھے۔آپ اس طرح کا رویہ رکھ کر میرے جنون کو بڑھا رہی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکایتیں کر رہا تھا۔

''آپ بے جا شکوہ کر رہے ہیں۔مجھے کوئی شکایت نہیں ہے نا ہی شکوہ۔آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔وہ چلتی ہوئی دروازے پر آ گئی تھی۔ناب پر ہاتھ رکھ کر گھمایا تھا اور پھر اندر داخل ہو گئی تھی۔اس کے روبرو کھڑی تھی۔کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔وہ چلتی ہوئی دو قدم آگے بڑھی تھی۔وہ رخ پھیرے کھڑا تھا اسے دیکھ کر مڑا تھا۔

''کیا آپ کو؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں شرٹ پہننے کی کوشش کر رہا تھا۔یہ بٹن مجھ سے بند نہیں ہو رہا۔حسنان جانے کہاں چلا گیا ہے۔کتنی بار بلا چکا ہوں مگر۔'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ حسنان کو تو دادا جان نے کہیں بھیجا ہے۔ شاید اسی لئے۔ لائیے میں آپ کی ہیلپ کر دیتی ہوں۔'' وہ دو قدم آگے بڑھ آئی تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر خجل سی ہو گئی تھی۔ وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اطمینان سے کھڑا ہو گیا تھا۔ بٹن بند کرنے کے چکر میں طاقت کے زیادہ استعمال سے بٹن ٹوٹ کر گیا تھا۔

''یہ بٹن تو ٹوٹ چکا ہے۔ ٹھہریے میں بٹن لگا دیتی ہوں۔'' اسنے کہا تھا اور پھر بٹن کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائی تھیں۔

اس نے کچھ لمحوں تک اس کی طرف دیکھا تھا پھر ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ بٹن اس کی ہتھیلی پر پڑا ہوا تھا۔

وہ اسے کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کی حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ دشوار گزار مرحلہ ہونا تھا اس کے لیے تبھی دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''پلیز الماری سے دوسری شرٹ نکال دیں گی آپ؟''

اور حسین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے اس کی مشکل کو آسان کر دیا تھا اس نے۔ وہ چلتی ہوئی الماری کی طرف بڑھی تھی اور شرٹ ہاتھ میں لئے پلٹی تھی اور پھر چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''چاند کو اتنا خوفزدہ ہوتے نہیں دیکھا میں نے کبھی۔ مجھے تو لگ رہا ہے میری مدد کرنا آپ کو اس لمحے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا ہے جسے کرنے کی سکت آپ میں ناپید ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اسے چھیڑنے کی کوئی کوشش تھی یا پھر اکسانے کی۔

''آپ نے میری اتنی مدد کی ہے تو میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ در پردہ آپ مجھے بزدل کہہ رہے ہیں؟ اگر یہ قیاس ہے تو قدرے غلط ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے شرٹ پہنانے میں مدد کر کے بٹن بند کیے تھے۔ اس کے ہاتھ کو اچانک جھٹکا لگا تھا اس کی کراہ نکل گئی تھی۔ اس نے بے قراری سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پوچھا تھا۔

''کیا ہو گیا؟ آپ تھوڑا سا انتظار نہیں کر سکتے کیا؟ زیادہ پین تو نہیں ہو رہی نا؟'' اس نے اس کے چہرے پر تکلیف کے اثرات دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیا تمہیں واقعی میری پرواہ ہے حسین شاہ؟'' اس نے سوال داغا تھا۔

''یہ کیسا سوال ہے؟ آپ جانتے ہیں میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ اور آپ تو میرے بہترین دوست ہیں۔ آپ کا خیال کیوں نہیں کروں گی؟'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''آج تو ڈاکٹر باسط سے ملنے جانا ہے نا۔ آپ کا چیک اپ ہے نا۔ آپ نے اتنی دیر کر دی۔ جلدی کیوں نہیں اٹھایا؟'' وہ ڈپٹ رہی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''بات پلٹنے میں تو کمال مہارت رکھتی ہیں آپ اور اپنی غلطی دوسروں کے سر پر رکھ کر تسکین ملتی ہے آپ کو۔ مگر کتنا جھوٹ بولتی ہیں آپ۔ مجھ سے کتنا کچھ چھپاتی ہیں آپ۔ اچھا دوست ہوں کبھی یہ بھی نہیں بتایا۔ اور آج اچانک ہی بہترین دوست کے عہدے پر فائز کر دیا آپ نے۔ لمحوں میں ساری صورتحال کا پانسہ پلٹ کر بازی پھر اپنے ہاتھ میں کر لی آپ نے۔ اگر میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تو یوں ہی تو نہیں کرتا۔ لمحوں میں صورت حال کو بدلنے کا ہنر آپ ہی کا ہے۔ یہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ تجزیہ کمال کا تھا۔

اور اس کو ندامتوں نے گھیر لیا تھا۔ پھر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔ رات مجھے یاد تھا لیکن صبح آپ کی آنکھ نہیں کھلی۔ سر میں درد ہو رہا تھا نا۔ تو میں سو گئی۔ میں حیران ہوں میں اتنی لاپرواہ ہو بھی کیسے سکتی ہوں۔ مجھے برا لگ رہا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔ اور اس کی تکلیف پر وہ سب بے چین ہو گیا تھا۔

''کیا ہو گیا ھین شاہ؟ تمہارے سر میں درد تھا اور تم نے مجھے بتایا نہیں۔ دیکھا اگر میں شکوہ کرتا ہوں کہ تم مجھے قابل اعتبار نہیں سمجھتیں میں کچھ غلط تو نہیں ہوں نا۔ میں کیا اس قابل بھی نہیں ہوں کہ تم اپنی تکلیف مجھ سے شیئر کر سکو؟ تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھ میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ میں تمہارا خیال رکھ سکوں؟ یا پھر تم جان بوجھ کر غیرت برت کر مجھے پرے دھکیل رہی ہو۔ مجھے میری حیثیت سے آگاہ کر رہی ہو۔ بولو جواب دو ھین شاہ؟'' وہ آنکھوں میں خفگی لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دھیمے لہجے میں کتنی بے چینی تھی۔ غصہ تھا۔ ملال تھا۔ نجانے کتنے سارے احساسات ایک ساتھ امڈ آئے تھے۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے اظل سہام مرزا۔ آپ کسی بھی بات کے معنی اخذ کر کے اسے اپنی طرف موڑ لیتے ہیں۔ یہ روش اچھی نہیں ہے۔ میں نے چھپایا نہیں ہے اور بتایا اس لیے نہیں کیونکہ میں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی اور وضاحتیں دینا مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ بات جان لیجئے آپ۔'' دھیما لہجہ خفا خفا سا تھا۔

''تو کیا پسند ہے آپ کو؟ مجھے پریشان کرنا؟ قصداً چیزوں کو چھپانے کے عمل کو اور کیا کہتے ہیں ھین شاہ؟ تمہارے خیال میں اس فعل کو کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ کب تک آپ اعتبار اور بے اعتباری کے دوراہے پر کھڑا رکھیں گی مجھے؟ کب تک یوں ہی بے اعتباری کی دہلیز پر کھڑا رکھنے کا عمل جاری رکھنا چاہتی ہیں آپ؟ اس کی کوئی مدت کا تعین کیا ہے آپ نے یا پھر یہ مدت لامحدود ہے؟ جب آپ ارادتاً ایسا کر رہی ہیں، قصوروار ٹھہرانے کا حق بھی نہیں رکھتا میں تو۔ شکایت کرنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ آنکھوں میں گہری اضطرابی تھی۔

''جب میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے گمان گزرتا ہے جیسے تم راستوں کو حکم دیتی ہو تو راستے پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ مزید

دشوار اور گنجل ہو جاتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں کی طرف الجھ جاتے ہیں جیسے تم اپنے میری نگاہوں کو باندھ کر الجھا دیتی ہو اور یہ الجھے ہوئے گنجل راستے بھول بھلیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تم ان لمحوں کے فاصلوں کو صدیوں پر محیط کر دیتی ہو۔ طویل ترین کر دیتی ہو۔ میں قیاس کرتا رہتا ہوں۔ لمحے گنتا رہتا ہوں مگر سب بے سود رہتا ہے۔ مجھے بے اختیار کر کے اتنی بااختیار سی کھڑی دیکھتی رہتی ہو۔ میں دائروں میں مقید ہو جاتا ہوں اور تم مرکز بن جاتی ہو۔ الجھی ہوئی ڈور کی طرح میں ادھر ادھر گومگوں کی کیفیت میں میری نگاہیں مزید الجھتی جاتی ہیں اور قدم انہی راستوں پر چلتے ہوئے طویل سفر کرتے رہتے ہیں۔ میں انہی راستوں پر بھٹکتا رہتا ہوں۔ میلوں، صدیوں کا سفر انہی راستوں پر کرتا ہوا کھو جاتا ہوں۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں راہوں میں کھو جاؤں اور سفر طویل ہو جائے؟'' مدھم لہجہ بے چین تھا۔

''تم مجھے ان راہوں پر جانے کیوں نہیں دیتیں؟ ربط ہے تو بڑھنے کیوں نہیں دیتیں؟ سلسلے ہیں تو موقوف کیوں کر دیتی ہو؟ تسلسل سے چلنے کیوں نہیں دیتیں؟ مراسم اگر ہیں تو ان کو پنپنے کیوں نہیں دیتیں؟ میری راہوں کو ادھر ادھر موڑ کیوں دیتی ہو تم؟ یہ سلسلہ ترک کیوں نہیں کر دیتیں تم؟ سیدھی راہوں پر چلنے اور تم تک آنے کیوں دیتیں تم؟ میری زندگی اور میرے راستوں کو گنجل کرتے جاں گسل کیوں کر رہی ہو تم؟ بے چینیاں بڑھا کر لمحوں میں زیر کیسے کر لیتی ہو تم؟ یہ ہنر کہاں سے سیکھا تم نے؟'' وہ مدھم لہجہ جاننے کو بضد تھا۔ سوالوں کا انبار سا لگا دیا تھا۔ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کتنی شکایتیں تھیں آنکھوں میں۔

وہ حیران سی دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے شکووں پر ہراساں تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس طرح شکووں کے انبار لگا دے گا۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھتا اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچ رہا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''تم جو یوں حیرانگی سے میری طرف دیکھ رہی ہو شایان شاہ مگر تم شاید نہیں جانتیں اس حقیقت سے واقفیت نہیں رکھتیں کہ راستے لوٹ آتے ہیں، پلٹ آتے ہیں انہیں راستوں پر قدم رکھ دیتے ہیں جہاں محبت ہوتی ہے۔ محبت کے پاس خاص گھر ہے۔ محبت کے ہاں اسم کل ہوتا ہے جو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اپنے ساتھ باندھ لیتا ہے اور وہ محبت تم ہو۔ چلتی پھرتی، جیتی جاگتی محبت۔ زور آور اور طاقت ور محبت جس سے بچنا محال ہے۔ ہزار کوشش کر لیں تب بھی بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ ادراک ہو بھی جائے تو سدِ باب کچھ نہیں ہوتا۔ تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے مگر یہ لمحات کاٹے نہیں کٹتے ہیں۔ جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ سانس لینا دشوار لگتا ہے۔ دل کے تھم جانے کا احتمال لمحہ بہ لمحہ ستاتا رہتا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ کتنی حکایتیں سنا رہا تھا۔ اس کے حیرتوں میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔

''آپ اتنے تسلسل سے جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں؟ اتنی صبح آپ کا دماغ انتہائی برق رفتاری سے چل رہا ہے کہ آپ داستانیں گھڑ رہے ہیں۔ آپ کو میں کوئی بے وقوف لگتی ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کم فہم ہوں۔ ان قصوں پر ایمان لے آؤں گی؟ ان داستانوں کے حقائق کو نظر انداز کر دوں گی؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ خود اعتمادی سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

''میں نے تمہیں کم فہم نہیں کہا۔ اپنی کم فہمی کو قبول کیا ہے۔ حیرت ہے تم ہمیشہ سمجھنے میں اتنی غلطی کیوں کرتی ہو۔ تم رات بھر سوئی

نہیں نا؟ یا پھر تم سونا ہی نہیں چاہتیں تھیں؟ میرے خوابوں نے تمہیں سونے ہی نہیں دیا۔ تمہاری آنکھوں سے نیند کو چرا کر کوسوں دور دھکیل دیا؟ کیونکہ تمہاری آنکھوں کی سرخی رت جگے کی گواہی دے رہی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ تم اگر چھپانا بھی چاہو گی تو چھپا نہیں پاؤ گی کیونکہ تمہارے پاس کوئی جواز نہیں بچا ہے۔ کوئی بہانہ نہیں بچا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

اور اس کا اس طرح پوچھنا اسے مزید حیران کر رہا تھا۔ وہ کیسے جان گیا تھا اس کی پریشانی۔ کیسے آگاہی پا گیا تھا۔

"You know what Hayyin Shah? When you start hiding things away, that's when the darkness creeps up... sunlight is the best disinfectant

وہ مدھم لہجے میں دلائل دے رہا تھا۔

"I know you would not believe but it is truth. I really believe when you come out of thing, in whatever way you are hiding, you get to go out into the sunligh

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔ اسے ان لامتناہی سوچوں سے نکالنا چاہتا تھا جس کا جال اس کے چہرے پر بنا ہوا تھا۔ مگر اس کا موڈ تبدیل نہیں ہوا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تمام چیزیں ایک نقطے پر جم گئی ہیں، منجمد ہو گئی ہیں۔ سب بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ خالی ہاتھ، خالی دل، میرا دماغ سوچوں سے بھرا ہوا ہے۔ ساری باتیں، ساری سوچیں گڈمڈ ہو رہی ہیں۔ عجیب گوں مگوں سی کیفیت ہے۔'' وہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔ اس نے حسین کی طرف دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

''کیوں پریشان ہو رہی ہو تم؟ خود کو اس طرح ہلکان کرنے سے کیا حاصل ہونے والا ہے؟ تمہیں لگتا ہے کہ سب کچھ بدل جائے گا؟ تم چیزوں کو آسانی سے تبدیل کر سکو گی؟ اپنی سوچوں کے مطابق ڈھال سکتی ہو؟ میں جانتا ہوں تمہارا نقصان بہت بڑا ہے۔ جس کا کوئی ازالہ نہیں ہے مگر میں ضرور کہوں گا یہ نقصان ناقابل تلافی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"Nothing is actually stuck, however, if you can give me your hand and your trust and tomorrow how come you couldn't before? Or you just admit you don't believe in n

والدین کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں تیرتے بادل برس پڑے تھے۔ اس کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ حتی الامکان کوشش کر رہی تھی بہادر بننے کی مگر جانے کیسے ضبط کھو دیا تھا۔ ساری احتیاط دھری کی

دھری رہ گئی تھی۔اور اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اظل سہام مرزا کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔دل ایک لمحے کے لئے تھم گیا تھا۔پھر وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔اس کو کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

''تمہاری سرخ آنکھوں سے جو آنسوؤں کے قطرے تمہارے رخسار پر گر رہے ہیں مجھے تو لگ رہا ہے جیسے مشتری پر کی آنکھوں سے بارش ہو ہی ہے۔جیسے مشتری رو رہا ہے۔اس کی آنکھوں سے ہر گرتا قطرہ اس کے غم کا عکاس ہے۔اس کے دکھ کو بیان کر رہا ہے۔ہر قطرے میں ایک داستان ہے۔طویل مسافت جو طے کر کے آیا ہے۔ان مشتری سی آنکھوں کے آنسو کسی کے دل پر گر رہے ہیں۔یہ گرم سیال کسی کے دل کو پگھلا رہا ہے اور دل شدت جذبات سے مغلوب ہو گیا ہے۔سانس لینا محال ہے۔دل اس درد سے نڈھال سا ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ اضطرابی سے بھرا ہوا تھا۔آنکھوں میں بے چینیاں سوا تھیں۔بے بسی تھی۔اس کے آنسو ہاتھ بڑھا کر پوروں پر چن لیے تھے۔

''ایک کام کیوں نہیں کرتیں تم؟'' وہ کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں کتنے سوال تھے۔نجانے وہ کیا کہنے والا تھا۔اس کا دل اندیشوں سے بھر گیا تھا۔

تبھی فون کی بیل بجی تھی۔عین شایان شاہ نے نگاہیں اسکرین پر جما دی تھیں۔بڑے پاپا کی کال تھی۔اس نے جلدی سے آنکھیں ہاتھ کی پشت سے رگڑی تھیں اور کال پک کی تھی۔

''السلام علیکم بڑے پاپا۔آپ کیسے ہیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔بس تمہاری یاد آ رہی تھی دل ملنے کو بے چین ہے۔میں آ جاؤں ابھی؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔عین شاہ نے حیرت سے فون کو دیکھا تھا۔

''جی بڑے پاپا آپ آ جائیں میں بھی آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''تم رو کیوں رہی ہو بیٹا؟ کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو نا؟ کل رات میں نے شایان کو خواب میں دیکھا تھا۔دل صبح سے بے چین ہے۔میرا بس چلتا رات کو ہی آ جاتا۔صبح فون کیا تھا تم شاید سو رہی تھیں۔پھر سہام انکل سے بات ہوئی انہوں نے بتایا تمہارے سر میں درد تھا۔میرا دل تو بے چین ہوا تھا۔تمہاری نانی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ان کی طبیعت کل سے خراب ہے۔'' وہ تفصیلاً بتا رہے تھے۔ان کے لہجے میں کتنی فکر تھی۔وہ کیسے جان گئے تھے وہ پریشان تھی۔

اور نانی اماں کی طبیعت کی خرابی کا سن کا وہ بے چین ہو اٹھی تھی۔

''بڑے پاپا کیا ہوا نانی اماں کو؟ مجھے بتایا کیوں نہیں؟ میں ابھی آ رہی ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی اور اس کی آواز بھرا گئی تھی۔اس سے بولنا محال ہو گیا تھا۔

اظل نے اس کے ہاتھ سے فون لیا تھا اور پھر خود بات کرنے لگا تھا۔

''جی بڑے پاپا السلام علیکم.....جی.....!'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں اس کو لے کر آرہا ہوں بڑے پاپا۔ آپ فکر مند مت ہوں۔'' اس نے یقین دہانی کرائی تھی اور فون بند کر دیا تھا۔ پھر اس کی طرف مڑا تھا۔

''چلیے۔'' اس نے کہا تھا اور حسین نے اس کے ساتھ باہر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

''ٹھہریئے میں دادی جان کو بتادوں ورنہ وہ پریشان رہیں گی۔'' وہ مڑنے والی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''میں ان کو بتادوں گا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ چلیے میرے ساتھ۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جانے کیوں دل ڈوب رہا تھا۔ لگ رہا تھا کچھ ہو جائے گا۔ ایک بے چینی نے اندر سرایت کر لی تھی۔

''آپ خود کو سنبھالیے۔ اگر آپ اس طرح ٹینشن لیں گی تو یہ آپ کی صحت کیلئے بھی اچھا نہیں ہوگا۔ آپ تو بہت بہادر ہیں نا۔ آپ کو حوصلے سے ان کے سامنے جانا ہوگا۔ ورنہ نانی اماں کی ٹینشن بڑھ جائے گی۔ آپ جانتی ہیں نا ان کو خدشات ہونگے اگرچہ اب حالات معمول پر آرہے ہیں۔ مگر ہوسکتا ہے ان تک بات صحیح طریقے سے نہیں پہنچی ہوگی۔ سو آپ کو انہیں یہ بتانا ہے۔ آپ ٹھیک ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''آپ نہیں جانتے کھو دینے کا دکھ کتنا کرب آمیز ہوتا ہے۔ اس دکھ کو آپ محسوس نہیں کر سکتے۔ رشتوں کو کھو دینے سے دل تھم جاتا ہے۔ انسان زندہ لاش کی طرح ہوتا ہے۔ بے جان جسم جو حرکت تو کر سکتا ہے مگر اس کے احساسات مر جاتے ہیں اس کے اندر ہی مدغم ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس درد کا سامنا کیا ہے۔ اس کو جھیلا ہے۔ یہ تکلیف کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ اس کا احساس ہر روز مارتا ہے۔ اس کو تکلیف کو سہنا دشوار لگنے لگتا ہے اور حوصلہ ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی سزا کی طرف کٹنے لگتی ہے۔ مگر چلنا پڑتا ہے۔ بغیر ان رشتوں کے زندگی اجیرن ہو بھی جائے تو برداشت کی آخری حد کو آزمانا پڑتا ہے۔ اگر یہ کوئی آزمائش ہے تو بہت کڑی ہے۔ بہت سخت اور مشکل ہے۔ میں مزید کچھ کھونے کی متحمل نہیں ہو سکی۔ کھونے کو کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ میں جس رشتے پر انحصار کرتی ہوں وہی مجھ سے دور ہو جاتا ہے۔ چھن جاتا ہے اور اب بھی یہی ڈر میرے اندر دبک گیا ہے۔ کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی شاید وہ اس پر اعتبار کرنے لگی تھی۔ تبھی وہ اسے بتا رہی تھی یا شاید اس کے دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔

اور اس نے اس معصوم سی لڑکی کی طرف دیکھا تھا جو بہادری سے مشکل حالات سے گزر رہی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ اس کے دکھ اور تکلیف کو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ محسوس کر سکتا تھا کیونکہ وہ کچھ کھو دینے کے

مراحل سے گزر رہا تھا۔ وہ اس تکلیف کی شدت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ وہ اس سے پوری طرح آگاہ تھا۔

ھین نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا تھا اور پھر راستے پر نگاہ جما دی تھیں پھر حیران ہوئی تھی۔ اسے جیسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

''ہم پہلے اسپتال جا رہے ہیں۔ حسنان گاڑی واپس موڑو۔'' اس نے ڈرائیور کو کہا تھا۔

اور تبھی اظل نے کہا تھا۔

''نہیں ہم بعد میں اسپتال چلے جائیں گے۔ ابھی وہاں جانا ضروری ہے۔ آپ میری فکر مت کریں۔ یہ کچھ اتنا خاص نہیں ہے۔ پہلی ترجیح نانی اماں سے ملنا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''نہیں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ آپ نے میری بہت زیادہ مدد کی ہے۔ میرا فرض ہے کہ آپ کا خیال کروں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''آپ نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔'' وہ تحکم بھرے لہجے میں ڈرائیور کو ڈپٹ رہی تھی۔ وہ گاڑی روکے کھڑا تھا اگلے حکم کا منتظر تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

''جی بی بی جو آپ کا حکم۔'' اس نے گاڑی اسپتال کی طرف موڑ لی تھی۔

''آپ بہت ضدی ہیں۔ یہ بات مجھے پتہ چل گئی ہے آج۔'' وہ کوئی حتمی رائے دے رہا تھا۔

''ضدی نہیں۔ میں اتنی خود غرض ہرگز نہیں ہوں کہ اپنے فائدے کے لئے صورتحال کو تبدیل کروں۔ میں مفاد پرست نہیں ہوں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی تھی۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟ میں کیا نہیں جانتا کہ آپ کیسی فطرت کی مالک ہیں۔ آپ کو یوں وضاحت دینے کی ضرورت کیونکر پیش آ گئی؟ میں نے وضاحت نہیں مانگی تھی۔ مجھے احساس ہے آپ اس لمحے کیا محسوس کر رہی ہیں۔ آپ کے دل کی حالت سے آگاہ ہوں میں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

گاڑی اسپتال کے سامنے رکی تھی۔ حسنان نے اظل سہام مرزا کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اظل چلتا ہوا گاڑی کی دوسری طرف آیا تھا اور ھین شاہ کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ پھر اس کو ساتھ لیے اندر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

ڈاکٹر انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ان کو ساتھ لیے ارتھو پیڈک سرجن کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔ انہوں نے ایکسرے کروایا تھا اور کچھ لمحے انتظار کرنا تھا جب تک ایکسرے مل جاتا تبھی کچھ کہا جا سکتا تھا۔ اظل نے ھین شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھ گئی تھی۔

''یہ انتظار کی گھڑیاں کتنی طویل ہوتی ہیں نا؟'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور حسین نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اندازہ نہیں کر پائی تھی وہ کیا کہہ رہا تھا یا پوچھ رہا تھا یا پھر وہ اسے متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے وہ خاموشی بری لگ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی تبھی ڈاکٹر نے انہیں اندر بلایا تھا۔

''مسٹر اظل اچھی امپروومنٹ ہوئی ہے۔ ہڈی جڑ چکی ہے۔ آپ کا پلاسٹر ہٹا رہا ہوں۔ آپ کو ہلکی پھلکی سی ایکسرسائز کرنے کی ضرورت ہے۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ بس کچھ دن تک احتیاط کریں۔'' وہ کہہ رہے تھے۔ خالصتاً پروفیشنل انداز میں سمجھا رہے تھے۔

اور اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ بینڈیج اترنے سے لے کر گاڑی تک جاتے ہوئے کتنا ہی وقت لگ گیا تھا مگر یہ بات اطمینان بخش تھی کہ سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ زخم کتنے بھی گہرے کیوں نا ہوں بھر ہی جاتے ہیں۔ بس ان زخموں کے نشان باقی رہ جاتے ہیں جو احساس دلاتے رہتے ہیں کہ کبھی چوٹ لگی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے ورنہ مجھے تو پچھتاووں نے گھیر لیا تھا ورنہ ایک ملال مجھے ستاتا رہتا۔ پچھتاوے ہچکولے لگاتے رہتے کہ میری وجہ سے آپ کو چوٹ لگی۔ یہ احساس پریشان کن تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آج کا دن کچھ الگ تھا۔ آج وہ تمام باتیں کہہ رہی تھی جو اس نے کبھی نہیں کہی تھیں یا پھر کہنے سے گریز کیا تھا۔

''آپ خواہ مخواہ چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو ہوا بنا دیتی ہیں۔ مجھے چوٹ لگی تھی اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ میری غفلت کے باعث ہوا تھا۔ اب ان تمام سوچوں کو ذہن سے نکال دیں اور پرسکون ہو جائیں اور اطمینان رکھیں کچھ غلط نہیں ہوگا۔'' اس نے یقین دلایا تھا۔ اور حسین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور نگاہیں راستوں پر ٹکا دی تھیں۔ منظر تیزی سے دل رہے تھے اور اس کے دماغ کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے دماغ میں سوچیں ایسی ہی اپنی جگہ بنا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''اسد مجھے آپ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ فضا بتا رہی تھی کہ اظل اس نکاح سے خوش نہیں ہے۔'' وہ اسد سہام مرزا کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اسد جو کسی فائل کی اسٹڈی میں مصروف تھا نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ اسے کیسے لگا کہ اظل خوش نہیں ہے؟'' انہوں نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

''میری بات تو اظل سے نہیں ہوئی مجھے پتا نہیں ہے۔ میں کوئی قیاس پرائی نہیں کر سکتی اور اگر کچھ کہوں گی تو آپ کو لگے گا کہ میں اس کی سگی ماں نہیں ہوں شاید تبھی ایسا کہہ رہی ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں میں نے اسے کبھی سوتیلا نہیں سمجھا۔ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ میں اور اس میں کبھی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ ان دونوں میں کبھی کوئی امتیاز نہیں برتا ہے۔ وہ بھی مجھے اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ

یلماز اور علیزے عزیز ہیں۔ اور وہ بھی تو ان دونوں پر اپنی جان چھڑکتا ہے۔ ان دونوں سے بے حد محبت کرتا ہے پھر میں اس کی فکر کیوں نہیں کروں گی۔ اس کے دل کی خوشی کی مجھے پرواہ نہیں ہوگی تو اور کسے ہوگی۔ آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں سو میری نیت پر شک نہیں کر سکتے۔ میں اس کا کبھی برا نہیں چاہوں گی۔ یہ نکاح جن حالات میں بھی ہوا یہ بات جانتے ہیں۔ اس کی مجبوری تھی اور اس لمحے اظل نے اس لڑکی کی مدد کی۔ مگر ہم دونوں یہ جانتے ہیں کہ مجبوری میں بنے رشتے دیرپا نہیں ہوتے ہیں۔ ان میں جذباتی وابستگی قطعی نہیں ہوتی ہے بس اگر ہوتی بھی ہے تو صرف ہمدردی اور آپ تو جانتے ہیں نا ہمارا بیٹا ایک دردمند دل رکھتا ہے۔ بظاہر بہت کھردرے مزاج کا مالک ہے مگر ناریل کی طرح ہے۔ اندر سے نرم اور حساس دل کا مالک ہے وہ۔ سارے اچھے اوصاف رکھتا ہے وہ۔ اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو جائے، کہیں کوئی زیادتی نہ ہو جائے اس کے ساتھ کیونکہ وہ تو کبھی حرف شکایت بھی زبان پر نہیں لائے گا۔ نہایت صابر ہے وہ۔ اسے اپنے دل کی بات کے سامنے رکھنے کا قرینہ سرے سے نہیں آتا۔ اظہار کے طریقوں سے ناواقف ہے وہ۔ یہ بات پریشانی کا باعث بن رہی ہے میرے لئے۔ میں ماں ہوں اس کی۔ اچانک ہی میرا دل خدشات سے بھر گیا ہے۔ جب سے یہ بات پتا چلی ہے ورنہ میں تو بہت مطمئن اور خوش تھی۔'' وہ دھیمے لہجے میں خدشات بیان کر رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

اور اسد سہام مرزا نے فائل ایک طرف رکھ دی تھی۔ وہ پوری توجہ سے اپنی شریکِ حیات کو سن رہے تھے۔ ان کے خدشات بے جا نہیں تھے۔ اگر ان کو شک ہوا تھا تو ہو سکتا تھا کچھ ٹھیک ہی ہوتا۔ وجوہات کچھ بھی رہی ہوں گی مگر ان کے خدشات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی شریکِ حیات کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور نگاہیں ان کے فکروں سے بھرے چہرے پر ٹکا دی تھیں۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''عالیہ آپ کی پریشانی اور خدشات بے جا نہیں ہیں میں جانتا ہوں آپ اظل سے کس قدر محبت کرتی ہیں اور اس کے ساتھ محبت کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ خود اظل بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہے۔ اگر آپ کو کسی بات سے لگا ہے تو ٹھیک ہی لگا ہوگا۔ کوئی وجہ تو ہوگی۔ وہ آتا ہے تو آپ اس سے پوچھ سکتی ہیں۔ امید ہے وہ آپ سے اپنے دل کی بات نہیں چھپائے گا۔ آپ کو ضرور بتا دے گا کیونکہ میرے ساتھ اس کا تعلق کچھ خاص دوستانہ نہیں ہے۔ میرے اور اس کے درمیان کافی فاصلے ہیں۔ شاید اگر میں پوچھوں گا بھی تو وہ مجھے نہیں بتائے گا یا پھر جھجک مانع رہے گی کہ وہ کچھ نہیں کہے گا مگر آپ کو بتانے میں اسے کوئی قباحت نہیں ہوگی اس بات کا یقین ہے مجھے۔ اور آپ اسے قائل بھی کر سکتی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ انہیں نئے راستے دکھا رہے تھے۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ وہ آئے گا تو میں ضرور بات کروں گی اس سے۔ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹانا ہوگا۔ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے کوئی حتمی قدم اٹھانا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور بعد میں صرف پچھتاوے مقدر بن جائیں۔ میرے لیے میرے بیٹے کی خوشی بے حد مقدم ہے۔ سب سے اہم ہے۔ وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔ وہ رکی تھیں اور پھر دوبارہ کہنے لگی تھیں۔

''آپ جانتے ہیں جب بچپن میں وہ ایک کتے کو لے کر آیا تھا۔ وہ بارش میں بھیگ گیا تھا اور اس نے اسے اپنی جیکٹ پہنا دی تھی اور اٹھا کر اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس کے لیے ایک لکڑی کا گھر بنایا تھا۔ دن رات اسی کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اس کے ساتھ اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اسے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا حتیٰ کہ اپنی اسٹڈی کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا۔ حالانکہ وہ بے حد ذہین تھا مگر پھر بھی آپ نے اسے کتنا ڈانٹ دیا تھا۔ جب مڈٹرم میں اس نے ایک نمبر کم لیا تھا تو۔ اس کی کوتاہی پر کتنا سخت برتاؤ کیا تھا آپ نے اور پھر اس کے بعد اس نے کبھی شکایت کا کوئی موقع کبھی نہیں دیا آپ کو۔ اس کے ساتھ مینج کرنا سیکھ لیا تھا تب۔ کتنے ہی دن اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھاتا تھا۔ تب میں یلماز کا ہاتھ تھام کر اس کے کمرے میں گئی تھی۔ جانتی تھی وہ کس قدر حساس تھا۔ اس کا دل غم سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کسی جانور کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے اندر سے وہ دکھ نکلنا ضروری تھا۔ تبھی میں نے بغیر اک لفظ کہے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ میں جانتی تھی وہ کہہ نہیں پائے گا۔ اس تکلیف کا اظہار نہیں کر پائے گا جس سے وہ گزر رہا تھا۔ تب اس نے سر میرے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نمکین سمندر میرے کندھے کو بھگو رہے تھے۔ وہ دکھ قطرہ قطرہ پگھل کر بہہ رہا تھا۔ تب اس نے خاموشی سے میرے کندھے سے سر اٹھا لیا تھا۔ وہ شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔ مگر مجھے خوشی تھی کہ وہ مجھ پر بھروسہ کرتا تھا۔ وہ زیادہ دوست نہیں بناتا تھا تبھی اس نے آنکھوں کو رگڑا تھا اور میں نے یلماز کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ وہ حیران سا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے جاننا چاہتا ہو۔ میں جانتی تھی وہ تنہا محسوس کر رہا تھا خود کو۔

''یہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارا دوست بھی ہے۔ تم اس کے ساتھ کھیلو اور اپنا وقت اس کے ساتھ گزارو۔ اپنے ساتھ رکھو۔ یہ تمہارے جیسا اتھلیٹ بنے گا۔ تمہارے جیسا ہی فٹبال پلیئر بنے گا۔ اسے ابھی سے ٹریننگ دینا شروع کر دو تا کہ یہ جلد سیکھ لے۔'' میں نے اسے کہا تھا اور وہ کیوٹ سے ایک سال کے یلماز کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ وہ بے ساختہ ہی میرے گلے لگ گیا تھا۔ بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"I love you mum."

شاید اس نے مجھے پہلی بار ماں کہہ کر پکارا تھا۔ وہ دن، وہ لمحے میری زندگی کے بہترین پل تھے۔ مجھے لگا تھا جیسے میں ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ جیسے میرے ہاتھ کوئی قارون کا خزانہ لگ گیا تھا۔ مگر وہ اگلے ہی پل مجھ سے یوں الگ ہو گیا تھا جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں جانتی تھی یہ اس کی فطری جھجک تھی مگر اس کا وہ عمل بے ساختہ تھا اور وہ فعل قدرے درست بھی تھا۔ اس کو جذباتی چپقلش سے نکالنا ضروری تھا اور یہ تبھی ممکن تھا جب وہ دل سے اسے سمجھتا۔ وہ شاید سمجھ گیا تھا۔ وہ درد کو بہا کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اور اپنے بھائی کی انگلی تھام کر باہر نکل گیا تھا۔ اور آج بھی وہ مجھے اسی طرح پریشان لگ رہا ہے۔ میں نہیں جانتی اسے کیا چیز پریشان کر رہی ہے، کونسی بات اس کی تکلیف کا باعث بن گئی ہے مگر میرا دل اس کے لیے فکر مند ہو رہا ہے۔ اس کے ذہنی الجھاؤ کا اندازہ تو اس بات سے لگا سکتے ہیں جب اس کا

ایکسیڈنٹ ہوا۔ وہ ایک حادثے میں بال بال بچا تھا۔ آپ سمجھتے سکتے ہیں میرے دل پر کیا گزر رہی ہوگی اس کو اس تکلیف میں دیکھ کر۔ شاید آپ کو اندازہ ہوگا جب آپ خود کو میری جگہ پر رکھ کر سوچیں گے تب آپ بہتر طور پر اس بات کی شدت کو سمجھ پائیں گے۔'' وہ آہستگی سے اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں۔ تفصیل سے وضاحتیں دے رہی تھیں۔

''عالیہ..... کیا ہو گیا آپ کو؟ آپ کو لگتا ہے ہمارے رشتے میں آپ کو یوں وضاحتیں دینے کی ضرورت پڑے گی؟ آپ نے کیسے سوچا کہ میں آپ کی الجھن کو نہیں سمجھ پاؤں گا۔ آپ تو اچھی طرح جانتی ہیں نا آپ کی سمجھداری کا اور دور اندیشی کا میں ہمیشہ سے ہی قائل رہا ہوں۔ معاملہ چاہے جو بھی ہو میں ہمیشہ آپ سے رائے لینا ضروری خیال کرتا ہوں اور ابھی بھی اگر آپ کو کچھ غلط لگ رہا ہے تو اس معاملے کو آپ اپنے طریقے سے ہینڈل کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا بلکہ میں ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں آپ کی رائے کا احترام کروں گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے اور عالیہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے آپ کو میری بات سمجھ آ گئی ہے اور آپ میرے ساتھ متفق ہیں۔ میرے لیے یہ سب سے زیادہ معنی رکھتا ہے۔ اب بس مجھے مناسب موقع کا انتظار ہے جب میں اظل سے بات کر سکوں۔'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''آپ کبھی اس طرح پریشان مت ہوا کریں آپ جانتی ہیں نا اگر آپ پریشان ہونگی تو میں بھی بے چین رہوں گا۔ میری خوشی آپ کی خوشی سے جڑی ہوتی ہے اور ہمارے بچوں کا اطمینان اور ان کے دل کا سکون ہمارے اندر ایک طمانیت سی بھر دیتا ہے۔ میں آپ اور بچوں کی خوشی کا ضامن ہوں۔ آپ اور بچوں کی خوشی میری اولین ترجیح رہی ہے ہمیشہ سے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''میں جانتی ہوں، میں سمجھ سکتی ہوں۔ اسی بات کی خوشی ہے مجھے۔'' وہ ہولے سے کہہ رہی تھیں۔

''اور میری خوشی تو آپ کی سلامتی میں ہے۔ آپ کے ساتھ میں ہے۔ آپ جو اس طرح میری دل جوئی کرتے ہیں۔ میرے دل میں ایک طمانیت سی اتر آتی ہے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں جو آپ جیسا شریکِ حیات ملا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اطمینان دلا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جس مقام سے آپ بھاگ جانا چاہتے ہیں اس مقام سے کہیں دور چلے جانا چاہتے ہیں، پیچھے مڑ کر کبھی نہیں دیکھنا چاہتے خدشہ ہوتا ہے پتھر کے ہو جائیں گے۔ ایک وسوسہ ستانے لگتا ہے جب مجبوراً یا ارادتاً قدم دوبارہ انہیں راستوں پر مڑنے لگتے ہیں۔ جب کوئی اور راہ باقی نہیں بچتی۔ تمام راستے وہیں پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان تمام راہوں کا اختتام وہیں ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے قدم بھی انہیں راستوں پر چل رہے تھے مگر اس بار وہ ڈر اور خوف نہیں بس ایک فکرمندی تھی اور پریشانی تھی اور وہ تنہا نہیں تھی کوئی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر اس کا ہاتھ تھام کر چل رہا تھا۔ اس کا ہمقدم تھا۔ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی وہ کون تھا۔ اس کا اس سے کیا رشتہ تھا۔ کیا واسطہ تھا۔ شاید وہ ایک کاغذی رشتہ جو مجبوری میں بنا تھا۔ وہ مہربان تھا۔ حساس دل رکھتا تھا تبھی تو اس کی مدد کرنے میں ہمیشہ پیش پیش تھا۔ اس نے ایک نگاہ اس کی طرف کی تھی۔ چلتے ہوئے اس کی دیکھا تھا اور پھر دھیان راستے پر لگا دیا تھا۔ بڑے پاپا نے گرمجوشی سے استقبال کیا تھا۔ دروازے سے لے کر اندر داخل ہوتے وقت تک اس کے اندر بے چینیوں نے ڈیرہ لگا لیا تھا۔ وہ بے تابی سے نانی جان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی یہ دیکھے بغیر کہ وہ اس کے ساتھ آ رہا تھا یا نہیں یا شاید اس کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں تھی یہ جان لینے کی۔ اسے بس فکر تھی تو نانی اماں کو دیکھنے کی ان سے ملنے کی۔

''نانی اماں۔'' وہ ان کی طرف بڑھی تھی۔

اور نانی اماں نے بانہیں پھیلا دی تھیں۔ انہیں تو لگ رہا تھا جیسے کوئی خواب تھا مگر وہ جانتی تھیں یہ حقیقت تھی۔ ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''میری بچی۔ میری جان۔ تجھے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔ مجھے تو لگا تجھے دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے روانہ ہو جاؤں گی۔ مجھے لگا تھا جیسے تم سے کبھی میرا سامنا ہی نہیں ہوگا۔ مگر میری دعائیں شاید مستجاب ہو گئی تھیں جو تمہارے بڑے پاپا کا دل پسیج گیا اور انہیں اپنے بھائی کی محبت یاد آ گئی۔ اس کے خون نے جوش مارا اور وہ تم تک پہنچ گیا۔ نا صرف پہنچ گیا بلکہ تم نے ان کے دل میں جگہ بنا لی۔ وہ تمہارے لیے بے حد پریشان ہو رہے تھے۔ ہر لمحہ صرف تمہارا ہی ذکر ان کی زبان پر ہوتا تھا۔ جب سے تم سے مل کر آیا ہے ایک لمحہ بھی تمہیں بھولا نہیں۔ میرے پاس آ کر بیٹھتا ہے تمہاری ڈھیر ساری باتیں کرتا ہے۔ تمہاری شادی کے پلان بناتا ہے۔ اس نے ساری تیاریاں کر رکھی ہیں۔ وہ بھی تیرے ساتھ آیا ہے کیا؟ کہاں ہے وہ تیرا دلہا؟ مجھے نہیں ملواؤ گی اس سے؟ وہ ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ گئی تھیں۔ ایک ٹک اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیے دیکھتی جا رہی تھیں۔

اور ان کے پوچھنے پر حسین شاہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ وہ تو اسے وہیں بھول آئی تھی۔ وہ تو ڈرائنگ روم میں تھا۔ اس نے اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا اور بتائے بغیر بے قراری سے نانی اماں کے کمرے کی طرف بڑھی تھی مگر اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ وہ کیسے وہاں پہنچ گیا تھا۔

''نانی اماں السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ؟'' بڑے پاپا نے بتایا آپ کی طبیعت ناساز تھی؟ حسین شاہ تو بے حد پریشان ہو گئی تھی ایک لمحہ رکنے کو تیار نہیں تھی۔ عجلت میں نکل آئے ورنہ دادا جان، دادی جان اور ماما پاپا بھی ساتھ آتے۔ ان کو پتہ چلے گا تو خفا ہونگے۔'' وہ ان کے سامنے سر جھکائے مؤدب سا کھڑا تھا۔ ان کا احوال پوچھ رہا تھا۔ ان کو تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا اور انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جیتا رہ میرے چاند۔ تو تو ہیرا ہے۔ میری حسین کے تو نصیب کھل گئے۔ اتنا اچھا لڑکا۔ اتنا سوہنا اس کے نصیب میں لکھ دیا۔ میر

تو آخرت سنور گئی۔ میری ساری دعائیں شرف قبولیت پا گئی ہیں۔ اب مر بھی جاؤں تو کوئی غم نہیں ہے۔ تم دونوں سدا خوش رہو میرے بچو۔'' انہوں نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''نانی اماں آپ کو ابھی بہت زیادہ جینا ہے۔ ہماری خوشیوں کو دیکھنا ہے۔ مگر اس کے لیے آپ کو صحت مند ہونا پڑے گا اور صحت مند ہونے کے لیے آپ کو آرام کرنا پڑے گا کیونکہ جب تک آپ ٹھیک نہیں ہونگی آپ کی یہ نواسی یوں ہی فکر مند رہے گی۔ اس کے چہرے پر یوں ہی تناؤ کی کیفیت رہے گی اور آپ کو نہیں لگتا اس طرح یہ بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔ یہ بات آپ کہیں کیونکہ اگر میں کہوں گا تو یہ ضرور خفا ہو جائیں گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنائیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

نانی اماں مسکرا دی تھیں۔ اس کی شرارت سمجھ گئی تھیں۔

ھین نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے نانی اماں کو متوجہ کیا تھا جیسے کہہ رہا تھا دیکھا میں نے کہا تھا نا اور ھین نے اس کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کی وجہ سے نانی اماں کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔

''ھین چلو نانی اماں کو آرام کرنے دو۔ اگر تم یہاں رہو گی تو ان کو باتوں میں مصروف رکھو گی جو ان کی صحت کے لئے قطعی اچھا نہیں ہوگا۔ نانی اماں ہم بعد میں آئیں گے۔ ابھی گھر نہیں بتا کر آئے۔'' وہ اونچا لمبا سا ان کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ وہ مؤدب سا ان سے اجازت چاہ رہا تھا۔

''ماشاء اللہ کیسا ہونہار بچہ ہے۔ جیتے رہو میرے بچے۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ یہ خود سے غافل اور لاپرواہ ہے۔ والدین کے جانے کے بعد بہت تنہا ہو گئی ہے۔ میں بے حد فکر مند تھی مگر اب نہیں ہوں۔ اس کا مستقبل محفوظ ہے۔ میں جانتی ہوں تم ہمیشہ اس کا ساتھ نبھاؤ گے۔ زندگی کی ہر مصیبت میں اس کی ڈھال بن جاؤ گے۔'' وہ مدھم اور نحیف سی آواز میں یقین دہانی چاہ رہی تھیں۔

اور اظل سہام مرزا نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ان کو یقین دہانی کروانا مقصد تھا اور نانی اماں کو بغیر کہے سمجھ میں آ گیا تھا۔ انہیں ھین شاہ کو اپنے پاس بلایا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اظل سہام مرزا کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اس کا ہاتھ اظل کے ہاتھ میں سونپ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''تم نہیں جانتے بیٹا تم نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ میرا دل خوشی سے معمور ہو گیا ہے۔ اب کوئی ملال نہیں ہے۔ کوئی شبہ نہیں ہے۔ تم نے میرے یقین کو اور بھی گہرا کر دیا ہے۔ میرے کہے ہوئے لفظوں پر اپنے یقین کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اب کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ کوئی خدشہ نہیں ہے۔ کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ تم نے میرے اندر طمانیت بھر دی ہے۔ تم دونوں کو دیکھ کر تو میں بھی بھلی چنگی ہو گئی ہوں۔ نفیسہ نے تمہاری بہترین تربیت کی ہے۔ اسے یاد دلانا شاید اس کو تو یاد بھی نہیں ہوگا۔ برسوں بیت گئے۔ شاید بھول گئی ہوگی۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''آپ دادی جان کو جانتی ہیں نانی اماں؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''جانو گی کیسے نہیں یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گی۔ ابھی تم لوگ جاؤ۔ تمہارے بڑے پاپا انتظار کر رہے ہونگے۔ انہیں تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔'' انہوں نے کہا تھا اور لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ شاید وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔

اور حین شاہ نے ان کے ماتھے پر پیار کیا تھا اور پھر چلتی ہوئی باہر کی جانب بڑھی تھی جہاں اظل سہام مرزا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''شکریہ آپ کی وجہ سے نانی اماں کو طمانیت نصیب ہوئی۔ آج کتنے دن بعد میں نے ان کے چہرے پر ایک اطمینان دیکھا ہے۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کی رمق صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ مسکرائی تھیں صرف آپ کی وجہ سے۔ آپ کا ان کو یقین دلانے کا فعل قابل تعریف تھا حالانکہ آپ جانتے ہیں میں بھی جانتی ہوں۔ یہ رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مگر پھر بھی آپ نے میرے رشتوں کو اہمیت دی۔ اس کے لیے آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔'' وہ چلتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تشکر تھا۔

''میری مدد کرنے کا شکریہ۔ کچھ زیادہ کہنا ممکن نہیں کیونکہ کبھی کبھی لفظ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ کوئی مناسب لفظ مل نہیں پاتے تعریف کرنے کے لئے۔ لگتا ہے جیسے لفظ کم پڑ گئے ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ جذباتی ہو رہا تھا۔

وہ چلتے ہوئے رک گیا تھا۔ اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔ وہ ہر بار اسے ایک نئے امتحان میں ڈال دیتی تھی۔ ابھی بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اسے رکتا دیکھ کر ٹھہر گئی تھی۔ پھر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ خواہ مخواہ میں اتنی تعریف کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں کوئی اتنا اچھا بھی نہیں ہوں۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں نے کوئی احسان کیا ہے تو آپ اس احسان کا بدلہ چکا بھی سکتی ہیں۔ آپ نے تو اکنامکس پڑا ہوا ہے نا۔ اکنامکس کے بنیادی اصولوں کے بارے میں تو اچھی طرح جانتی ہوں گی نا آپ؟ دنیا بہت مفاد پرست ہے۔ کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر کارفرما ہے۔ انہیں اصولوں پر چلتی ہے۔ Barter System کے بارے میں تو سنا ہوگا نا آپ نے؟ بلکہ آپ تو اچھی طرح جانتی ہوں گی نا.....

"You know a barter system is an old method of exchange. Might you know this system has been used for centuries and long before money was invented. People exchanged services and goods for other services and goods in return."

وہ بے تاثر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اور حین شاہ نے اسے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ کتنی بے یقینی بھری ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں تھا کہ جو اس نے سنا تھا وہ حقیقت تھا یا کوئی گمان گزرا تھا۔ وہ کتنا خود غرض لگ رہا تھا۔ مفاد پرست سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور حین شاہ کو جیسے اس کا اصل چہرہ نظر آ گیا تھا۔ اگر اس نے قیاس کیا تھا کہ آگے کنواں اور پیچھے کھائی والا معاملہ ہونا تھا۔ تو وہ درست تھی۔ اچھا

تھا جو اس نے اعتبار کی منزل طے نہیں کی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے ٹھیک آگاہ کر رہی تھی۔ اگر اندیشے تھے تو بے جا نہ تھے۔ خدشات تھے تو درست لگنے تھے تو اصل معاملہ یہ تھا۔ اسے صاف سمجھ آنے لگا تھا۔ اس اچھائی کے نقاب کے پیچھے اس کا چھپا اصل چہرہ دکھائی دینے لگا تھا۔

"Oh that you Mr. Azal Saham Mirza that your original face which I could see today. You absolutely right. I know better about barter system indeed. Barter system is a system of exchange of things where goods or services are directly exchanged for goods or services without using a medium exchange, such as money. It is distinguished from gift economies in many ways; one of them is that reciprocal exchange is immediate and not delayed in time and am I right Mr. Azal Saham MIrza?"

وہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصے سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"تو آپ نے بتا ہی دیا نا کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ جو آپ یوں اچھا بننے کا ڈرامہ کر رہے تھے۔ آج آپ کے چہرے سے اچھائی کی قلعی اتر گئی ہے۔ اچھا ہی ہوا بروقت پتا چل گیا ورنہ اگر بعد میں پتا چلتا تو اور برا لگتا۔ ابھی مجھے برا نہیں لگ رہا ہے۔ میں جانتی ہوں، اندازہ کر سکتی ہوں۔ اس مفاد پرست دنیا میں کوئی بھی رشتہ مخلص نہیں ہوتا سوائے خونی رشتوں کے۔ آپ نے جو بھی کہا ہے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اگر مزید اچھائی کا ڈرامہ کرتے تو شاید مجھے زیادہ حیرت ہوتی۔ اس پر شاید یقین کرنا اتنا آسان نہ ہوتا۔ ابھی کیسے آپ ٹریک پر آ گئے ہیں۔ اصل مدعا بیان کر دیا ہے نا آپ نے۔ سارا معاملہ تو آپ نے حل کر دیا۔ میری الجھنوں کو ایک لمحے میں سلجھا دیا۔ آپ نے تو ایک ہی جست میں اپنی Business mind سوچ کو لا گو کر دیا ہے۔ آپ بتائیے۔ کیا Demands ہیں آپ کی؟ کیا درکار ہے آپ کو اس احسان اور مدد کے عوض جو آپ نے کی ہے؟ آپ تو کمال کے بزنس مین ہیں کاروباری سوچ رکھتے ہیں۔ دماغ تو نہایت چابک دستی سے چل رہا ہے بلکہ تیز رفتاری سے دوڑ رہا ہے۔ آپ نے تو کمال پھرتی دکھائی ہے۔ اب کھل کر سامنے آ جائیے۔ اصل حقائق بیان کر دیجئے۔ چھپ کر وار کرنا چھوڑ دیں اب۔ جو دل میں ہے زبان پر لانے میں کیا قباحت ہے آپ کو مسٹر اظل سہام مرزا؟ میں جاننے کی منتظر ہوں۔ اگر مشکل ہے تو میرے Lawyer سے بات کر لیں۔ تمام معاملات کو حل کر لیں گے۔ کیا کہتے ہیں آپ؟" وہ مدھم لہجے میں تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔ طنز کے تیر چلا رہی تھی۔ اس کے تو چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کمال خود اعتمادی سے کھڑی نگاہوں میں غصہ بھرے وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو غصہ دلا کر اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔ وہ اس کا یہی روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس دکھ کی کیفیت سے نکل آئی تھی۔ کسی ڈر اور خوف کا دور تک شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ اس کی مسکراہٹ پر اور چڑ گئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"اب مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے مسٹر اظل سہام مرزا۔ آپ کا اعتبار دلانا ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی۔ حتی کہ آپ کا میری مدد

کرنے کا بھی ایک بہت بڑا پلان اور ڈرامہ تھا۔ یہ اسی پلان کا حصہ تھا۔ حیرت ہے میں پہلے کیسے نہ سمجھ پائی۔ مگر اب سب عیاں ہو چکا ہے۔ آپ کا کھیل ختم مسٹر اظل سہام مرزا۔ افسوس اب آپ کی کوئی چال کامیاب نہیں ہوگی۔'' وہ مدھم مگر دبے دبے لہجے میں کھری کھری سنا رہی تھی۔ اگر نگاہوں سے مارا جا سکتا تو اب تک وہ اسے مار چکی ہوتی۔

'' کہیے اب..... آپ کی بولتی کیوں بند ہوگئی شاید چوری پکڑے جانے پر کوئی ایسا ہی کھسیانا اور حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ آپ کی حالت اس سے کچھ مختلف قطعی نہیں ہے۔ اب آپ مدعا بیان کریں۔ خاموش کیوں ہیں آپ؟ آپ کی ہمت ناپید ہوگئی ہے کیا؟ اب خاموش رہ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ وجوہات کیا ہیں؟'' ایک مزید حملہ ہوا تھا۔ وہ مسلسل توپوں کا رخ اس کی طرف کیے ہوئے تھی۔

'' آپ تو کمال کی ذہین ہیں حسین شایان شاہ۔ اب جب آپ جان ہی گئی ہیں تو میرے عزائم کو جاننے کے لئے آپ کو اتنی جلدی کیا ہے؟ آہستہ آہستہ آپ کو سب پتہ چل جائے گا۔ دھیرج رکھیے۔ اپنے تمام حوصلے مجتمع کر لیجئے۔ ابھی تو آپ شاک کی سی کیفیت میں ہیں۔ آپ کو تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اس مدعے پر کبھی پھر فرصت میں تفصیلاً بات کریں گے۔ ابھی تو ناوقت میسر ہے اور نا ہی حالات سازگار ہیں۔ اس لیے اب آپ انتظار کی گھڑیاں گننا شروع کر دیجئے۔ مناسب وقت پر بتا دوں گا۔ تمام عزائم سے آگاہی پا جائیں گی آپ۔ بے فکر رہئے آپ۔'' اس مدھم لہجے میں اطمینان تھا۔ آنکھوں میں گہری طمانیت اتر آئی تھی۔ آنکھوں کی چمک قدرے بڑھ گئی تھی۔ جیسے اسے اکسانا اس کا اولین مقصد ٹھہرا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے اس کی تلملاہٹ سے لطف لے رہا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"The way you are expressing dissatisfaction or annoyance about something it seemed the you are complaining it is the lacked of sufficient resources of the knowledge."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وضاحت دے رہا تھا۔ یا پھر یہ کوئی چڑانے کا مزید طریقہ تھا۔ وہ اک پل کو رکا تھا اور پھر دوبارہ گویا ہوا تھا۔

"You keep asking to me what I want and where from I got that idea and also you are complaining that you haven't heard from me. You are putting your words in my mouth which is a good way. How could you judge thins with half conservation as you didn't let me complete what I wanted to say... the way you are behaving the symptom shows you got all wrong. I think you are clearly insane."

مدھم لہجے میں خفگی نمایاں تھی۔ وہ اسے ڈپٹ رہا تھا۔ وہ اسے سرے سے غلط سمجھ رہی تھی۔ اس کی نیت پر شک کر رہی تھی۔ چیزوں

کو مختلف رنگ دے رہی تھی۔ اس کی باتوں سے اپنی من پسند کے معنی اخذ کر رہی تھی۔ اچانک ہی بدگمانی کی دہلیز پر کھڑی ہوگئی تھی۔ بیگانگی سے رخ موڑے کھڑی تھی۔ جیسے سرے سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ یہ بات اظل کو پریشان کرنے کے لئے کافی تھی۔ اچانک صورتحال تشویشناک تھی۔

''آپ اس طرح میری باتوں سے غلط معنی اخذ کر کے کسی بھی نتیجے پر پہنچ کر حتمی رائے قائم نہیں کر سکتیں۔ یہ فعل سراسر غلط ہے۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ میں نے صرف ایک بات کی تھی۔ اس کے معنی اخذ کر کے آپ نے اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ اور آپ نے فوراً فیصلہ بھی کر لیا۔ ایک سیکنڈ میں آپ نے حتمی رائے قائم کر کے اپنی توپوں کا رخ میری طرف موڑ دیا۔ یہ کوئی اچھا فعل تو نہیں ہے نا۔ آپ کو نہیں لگتا آپ کو اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے؟ کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے سوچ سمجھ لینا چاہئے؟ یوں اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط نہیں کرنا چاہئے؟ آپ کو نہیں لگتا آپ غلط فہمی کا شکار بھی ہو سکتی ہیں یا پھر یہ صرف آپ کی خود ساختہ رائے بھی ہو سکتی ہے۔ حقیقت اس سے مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ میں تو آپ کو بہت ذہین سمجھتا تھا۔ آپ نے تو میرے سارے اندازے ایک ہی جست میں غلط ثابت کر دیئے ہیں۔ عقدہ یہ کھلا ہے کہ آپ تو قدرے کند ذہن واقع ہوئی ہیں۔ آپ کے سوچنے کا طریقہ سرے سے غلط ہے۔ آپ ایک ہی پیمانے سے آپ کے فعل کو ناپ رہی ہیں۔ آپ کی پیمائش کے پیمانے بھی آپ کی سوچوں کے طریقے الجھے ہوئے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے مگر دبے دبے لہجے میں اسے ڈپٹ رہا تھا۔ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو نوٹ کر رہا تھا۔

اور حمین شاہ کے چہرے پر غصے اور بے اعتباری، ناپسندیدگی اور نجانے کون کون سے تاثرات ایک ساتھ ابھرے تھے۔

''اب آپ باتوں کو جس طرح بھی توڑ موڑ کر نہیں کرنے کی کوشش کریں اس کے معنی یا ہیئت نہیں بدلے گی۔ آپ نے مجھے فیصلہ لینے میں میری مدد کی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **ساتویں** قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

''کیا؟ کیا کہہ رہی ہو تم حمین شایان شاہ؟ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ تم اس طرح کی بات کر بھی کیسے سکتی ہو؟ آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں کبھی اس طرح کی سوچ کی پیروی کروں گا؟ کیا آپ مجھے نہیں جانتیں؟ میرے لیے میرے رشتے کس قدر مقدم ہیں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں وضاحت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور حمین شایان شاہ لاتعلق سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ غصے سے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ صبیح چہرے پر تناؤ واضح نظر آ رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا اسے سخت برا لگا تھا۔ اس کے مذاق نے اسے ہرٹ کر دیا تھا اور وہ کوئی وضاحت سننے کو بھی تیار نہیں تھی۔

اور اظل سہام مرزا کی جیسے جان پر بن گئی تھی۔ ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اضطرابی اتر آئی تھی۔ فکروں کا جال چہرے پر بنا صاف نظر آ رہا تھا۔

''حمین شایان شاہ چلئے دیر ہو رہی ہے۔ دادا جان کا فون کتنی بار آ چکا ہے۔ انہیں فکر ہو رہی ہے۔ آپ جانتی ہیں نا آپ ان کو کس قدر عزیز ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہمیں اچانک اس طرح نہیں آنا چاہئے تھا۔ یہ موقع مناسب نہیں تھا مگر آپ نے کہا تھا تو میں تردد نہیں کر سکا۔ آپ کو منع کرنا چاہتا تھا میں۔'' اظل سہام مرزا نے موضوع بدل دیا تھا۔ وہ اس کے موڈ کو بحال کرنا چاہتا تھا۔ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے یہ بروقت فیصلہ کافی ٹھیک تھا۔ اگر میں یہاں نہ آتی تو شاید بہت سی چیزیں صیغۂ راز میں رہ جاتیں۔ مجھے تو اندازہ بھی نہیں ہونا تھا کوئی Adam Smith کے قانون کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ وہ اس Father of Economics کے نظریات کو اپنی ذاتی زندگی پر بھی لاگو کر رہا ہے اور کیوں نہ کرتا آخر کار وہ بزنس مین تو ہے نا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا تو یہی ہے نا۔ بیچارہ Adam Smith کو خبر ہی نہیں ہوگی کہ اس کا قانون لوگوں کی زندگیوں پر کس طرح اثر انداز ہو چکا ہوگا۔ کیسے کسی کی زندگی کو تغیرات سے بھر دیا ہوگا۔'' وہ مدھم سے انداز میں کہہ رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔ انداز بجھا بجھا سا تھا۔

"The father of Economics often thought as world's first free market capitalist while that designation is probably a bit overstated. You did the act of the most influential Thiner in particular way and implement his law and executed and treason a service of financial deals. I would must say are an intellectual entrepreneur though."

وہ مدھم لہجے میں گہرا طنز کر رہی تھی۔ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔ اگر نگاہوں سے مار دینا ممکن ہوتا تو وہ اپنا کام دکھا چکی ہوتی۔ اس کی آنکھوں میں غصے سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ دبا دبا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

اور اظل سہام مرزا اس کے خفا خفا سے چہرے کو دیکھ کر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔ وہ اس سے اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ مگر ایک بات تو وہ جان گیا تھا کہ اس کا خفگی برداشت کرنا دشوار تھا اس کے لئے بلکہ ناممکن تھا۔

''ایک بات بتایئے آپ..... آپ نے مجھے ان بھول بھلیوں میں گھماتے رہنا ہے یا پھر ہم کسی سمت کا تعین کرنے والے ہیں؟ واپسی کا کوئی راستہ بھی تو ہوگا نا یا پھر آگے بڑھنے کے راستے مجھے آپ دکھائیں گے؟ میں تو انجان ہوں ان راہوں سے جن پر آپ کے ساتھ ہمقدم ہوں۔ میرے لئے تو یہ سارے منظر نئے ہیں۔ یہ منظر دلکش اور ہوش ربا ہے۔ میں تو حیران ہوں خفگی میں حسن دوآتشہ ہو گیا ہے۔ آہو چشم آنکھوں میں روشنیاں ایک بجلی کی طرح کوند رہی ہیں۔ سارا جہاں جیسے روشنیوں سے بھر گیا۔ میری تو آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ نگاہ اس روشن چہرے کو دیکھنے سے قاصر ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں عجیب قصے بیان کر رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے ھین شایان شاہ کے غصے سے اس کا واسطہ نہیں تھا۔ یا اس کی اتنی سخت سنانے پر بھی اس کو کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔

ھین شایان شاہ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ کوئی اس طرح کیسے برتاؤ کر سکتا تھا۔ اس نے سر جھٹکا تھا۔ الجھی سوچیں مزید گنجل ہو گئی تھیں۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا اور پھر قدم آگے کی طرف بڑھائے تھے۔ اظل نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کے ساتھ پیش قدمی کی تھی۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک راہداری میں مڑی تھی اور پھر ایک بند دروازے کے سامنے ایک لمحے کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ کچھ سوچا تھا اور پھر دروازے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا اور گہرے اندھیرے میں آنکھوں کو مانوس ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ ایک آواز نے اس کے قدم وہیں ساکت کر دیئے تھے۔

''تم آ گئی ہو مجھے تو لگا تھا اب کبھی محبت کو چلتا پھرتا دوبارہ نہیں دیکھوں گی۔ محبت کو خدشات نے ان بھول بھلیوں میں روک لیا تھا۔ محبت کی آنکھوں میں کتنی شکایتیں ہیں۔ اس کے قدم تو وہیں جم گئے تھے۔ جہاں خدشات نے اس کے دل میں غلط فہمی کو جگہ دی تھی۔ مجھے تو ڈر تھا کہ وہ آگے بڑھے گی یا پھر اپنے قدم واپس موڑ لے گی۔ میرا دل تو ایک پل کے لئے تھم گیا تھا۔ میں نے ساعت کو ان قدموں کی چاپ پر لگا دیا تھا۔ جب ٹھہرے قدم دوبارہ حرکت میں آئے تھے تو میری رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ تمہیں کیسے بتاؤں اس ایک لمحے میں محبت نے میرا دل ساکت کر دیا تھا۔'' وہ مدھم لہجہ خدشات سے بھرا ہوا تھا۔

اور ھین شاہ نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی تھی اور حیران تو اظل شاہ بھی رہ گیا تھا۔ وہ ساکت سا کھڑا تھا۔

''آپ ہر بار کیسے جان جاتی ہیں۔ آپ مجھے حیران کر دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ میرے قدم ان وسوسوں پر پڑے تھے اور آپ کو چاپ سے پہچان گئی تھیں۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے زرتاج شاہ؟ محبت آپ کو ہی کیوں سنائی دیتی ہے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تم شایان شاہ جیسا بولتی ہو وہی انداز ہے تمہارا وہ بھی یوں ہی حیران ہو جاتا تھا۔ وہ محبت ایسے ہی خائف تھی جیسا کہ تم اس گھڑی خفا سی کھڑی ہو۔ وہ بھی ایسے ہی حیرت زدہ رہ جاتا تھا۔ محبت کو گماں سمجھتا تھا۔ اسے لگتا تھا مجھے وہم ستاتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا محبت پر یقین ہوتی ہے۔ اس کو اوہام سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اسے خدشات کی فکر نہیں ہوتی۔ طمانیت سے بھری آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ اسے بے یقینی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کی بابت پر یقین انداز اپنا ہوئے تھی۔

اورھین شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ خالی ہاتھ ہوتے ہوئے بھی پر یقین تھی۔ اسے محبت کے ہونے کا اتنا یقین تھا۔ اس کے چہرے پر کتنی طمانیت سی بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ایک چمک اب بھی جوں کی توں موجود تھی۔ اورھین کا دل ایک عجیب سے انداز سے دھڑکا تھا۔ دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھ گیا تھا۔ اس کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ چھڑانا بھول گئی تھی یا پھر وہ چھوڑنے کو ہی تیار نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ غصے سے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''محبت نے تمہارے دل پر بھی دستک دی ہے۔ تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہی ہو؟ محبت کو اتنا انتظار کروانا اچھا نہیں ہوتا اورھین شاہ۔ محبت بے چینیوں میں گھر جاتی ہے۔ اسے اضطرابیاں جکڑ لیتی ہیں۔ محبت خوف سے آنکھیں میچ لیتی ہے۔ اپنے آپ کو انتظار سے لڑنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ نتائج کی پرواہ کئے بغیر خدشات سے بھڑ جاتی ہے۔ جیت کے لئے پر یقین ہو جاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کے حقائق بیان کر رہی تھی اورھین شاہ نے حیرت سے زرتاج شاہ کو دیکھا تھا اور پھر ایک نظر اپنے ساتھ کھڑے اظل شاہ پر ڈالی تھی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر اس کی گرفت کچھ اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔

''محبت کو اوہام سے سروکار نہیں ہوتا۔ پھر تمہاری آنکھوں میں اتنے خدشات نے بسیرا کیوں کر لیا۔ اتنے اوہام پھر اچانک تمہاری آنکھوں میں ڈیرہ کیوں لگا لیا ہے؟ تم نے انہیں اپنی آنکھوں کی پلکوں پر تسط کیوں جمانے دیا ہے؟ تمہاری آنکھوں کے رنگ پھیکے کیوں پڑ گئے ہیں۔ محبت کے رنگوں پر ایک دبیز پرت بچھ گئی ہے۔ اس نے شمس کی ضیاع کو ان آنکھوں کی پتلیوں تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ اندھیرے میں منظر دھندلا رہے ہیں۔ کچھ صاف دکھائی نہیں دے رہا۔ محبت کو اچانک ہی ان اوہام سے خوف آنے لگا ہے۔ کہیں یہ مستقل ان میں قبضہ نہ جما لیں۔ یہ خوف شدت پکڑتا جا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مدھم لہجے میں کتنے خدشات تھے۔

''کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے شایان کی آنکھیں؟ زمین تو شمس کی روشنی سے چمک اٹھتی ہے۔ شمس جب محبت پاش نظروں سے زمین کو دیکھتا ہے تو زمین کا چہرہ قوس قزح کے سارے رنگ اپنے چہرے پر سجا لیتا ہے۔ تب اوہام کے بادل ان رنگوں سے بھرے چہرے کو حسد سے دیکھنے لگتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے ان کا ٹھکانہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا ہے مگر وہ شمس کی روشنی سے جھلس جاتے ہیں۔ کچھ چھپنے کے لئے ادھر ادھر پناہ لیتے ہیں۔ تب زمین کے اردگرد روشنی کا ہالہ سا بن جاتا ہے۔ ایک روشنی کا حصار زمین کو مقید کر لیتا ہے۔ خوف کے سائے اس روشنی سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں اور شمس کی محبت کے رنگ اور بھی گہرے ہو جاتے ہیں۔ زمین بے فکری سے طمانیت بھرا

سانس لیتی ہے۔اسے پھر یقین کی روشنی سے انسیت ہونے لگتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔

اور حین شاہ کو لگا تھا وہ انہیں حرف حرف پڑھ رہی تھیں۔ان کی آنکھوں کی چمک کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔شاید وہ اس راز سے آگاہی پا گئی تھیں جس کا ادراک خود محبت کو بھی نہیں ہوا تھا اب تک۔

اظل نے اس کی طرف دیکھا تھا اور حین نگاہ چرا گئی تھی۔اس کے چہرے پر خجلت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

جب شمس نے زمین کو دیکھا تو اس کی سدھ بدھ کھو گئی تھی۔زمین کا غرور اور تمکنت بھرا انداز شمس کے دل پر پوری طرح چھا گیا تھا۔شمس نے ایسی چھب پہلے نہیں دیکھی تھی۔زمین کے پاس شاید کوئی اسم تھا جس سے اس نے شمس کے دل کو ساتھ باندھ لیا تھا۔اس کی سانسوں کا ردھم زمین کے اختیار میں آ گیا تھا۔جانے زمین کو کیا بدگمانی ستانے لگی تھی۔اچانک زمین کے دل میں وسوسوں نے گھر کر لیا تھا۔ایک انی سی زمین کے دل میں کھب گئی تھی۔زمین بے چین نگاہوں سے شمس کی طرف شکوہ کناں نظروں سے دیکھا تھا اور ان تغافل بھری آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ شمس کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔اور شمس کے دل کی اضطرابیاں بڑھتی چلی گئی تھیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہی تھی۔محبت کا انداز جدا تھا۔

اور اظل نے اپنے دل کی ترجمانی ہوتے دیکھ کر ایک ٹک نگاہیں حین شاہ کے چہرے پر جما دیں تھیں۔ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتا جا رہا تھا۔حین شاہ کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی اس طرح آگاہ ہو جائے گا مگر ایسا کیا ہو گیا تھا۔زرتاج شاہ کی نگاہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں تھا۔وہ عجیب راز منکشف کر رہی تھیں۔

حین شاہ اچانک ہی بوکھلا گئی تھی۔

''میں نے محبت کو کبھی بوکھلائے ہوئے نہیں دیکھا۔محبت کا چہرہ تو خجلت سے سرخ پڑ گیا ہے۔محبت کی دھڑکنوں میں طغیانی کیوں آ گئی ہے۔نگاہوں میں چھپی تحریر کو چھپانے کے جتن کرنے میں جت گئی ہے۔ایک تحیر سا پھیل گیا ہے۔محبت کو شاید ادراک ہو گیا ہے کہ چھپانے کا عمل کارگر ثابت نہیں ہونے والا۔تدارک کی کوئی راہ باقی نہیں بچی۔اس بات سے محبت کو ہراساں کر دیا ہے۔محبت کو سود و زیاں کا خوف ستانے لگا ہے۔وہ ان اسرار کو تغافل کی پرتوں میں چھپانے میں ناکام ہو گئی ہے۔ان بھیدوں کی راہیں مسدود کرنے میں بے حال ہو گئی ہے۔محبت بولائی بولائی سی پھر رہی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہی تھی۔اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

اور حین شاہ کو لگا تھا جیسے کسی نے اسے چوری کرتے ہوئے رنگوں ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ان تمام رنگوں نے ایک انوکھی چھب دکھائی ہے۔ایسا لگ رہا ہے جیسے قوس قزح نے زمین کے چہرے پر ڈیرہ جما لیا ہو۔قوس قزح کے رنگ نے زمین کے چہرے کو بے حد دلکش بنا دیا ہے۔شمس کی آنکھوں میں حیرت در آئی ہے۔وہ حیرت کدوں میں کھو گیا ہے۔اس کی عقل تو دنگ رہ گئی ہے۔وہ حیران نظروں سے زمین کے چہرے کو ایک ٹک دیکھتا جا رہا ہے۔محویت ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔لگتا ہے جیسے ایک طلسم نے اثر دکھا دیا ہے۔محبت کا جادو سر

چڑھ کر بول رہا ہے۔ بچنے کی ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ خرد کو حیرانگی نے گھیر لیا ہے۔ خرد حواس باختہ سی ہے۔ اس کی حالت غیر ہے۔ بے یقینی ہی بے یقینی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔ وہ محبت کے احساس کو محسوس کر رہی تھیں۔ شاید یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے محبت کو قریب سے دیکھا تھا۔ محبت کو برتا تھا۔

حسین شاہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا اور وہ بھی شاید حیران تھا۔ ہاتھ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ چھوڑنے میں کوئی تردد نہیں کیا تھا۔

وہ زرتاج شاہ کی طرف بڑھی تھی۔ پھر اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ نے وعدہ کیا تھا اپنا خیال رکھیں گی پھر آپ نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ رضیہ بتا رہی تھی آپ کھانا بالکل نہیں کھاتیں۔ بہت ضد کرتی ہیں۔ کوئی بات نہیں مانتیں۔ کمرے میں روشنی بھی نہیں کرنے دیتیں حالانکہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جب میں آئی تھی یاد ہے نا آپ کو؟'' اس نے ان کی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''شایان کی طرح ہو تم بالکل۔ ویسے ہی ڈانٹتی ہو، ویسے ہی ڈپٹتی ہو۔ وہ بھی اپنی بات منوانے کے لئے ایسے ہی تمہید باندھتا تھا پھر لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھا کر اپنی بات منوا کر ہی دم لیتا تھا۔ تم بالکل اس کی طرح ہی ضدی ہو مگر زندگی کا بھرپور احساس لیے۔ اسم محبت ہے تمہارے پاس۔ تمہارا لمس زندگی کی حدت دیتا ہے۔'' زندگی کی رمق جگا دیتا ہے۔ تمہارے سامنے انکار کہاں ممکن ہے۔ انکار کی تو کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ دل بس اس حکم پر سر جھکا دیتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''تمہارا ہر حکم سر آنکھوں پر۔ جو تم کہو گی اس سے انحراف ممکن ہی نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہیں کیا زرتاج شاہ؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''شایان شاہ کی طرح ادھوری باتیں مت کیا کرو حسین شاہ۔ میرا دل ڈر جاتا ہے۔ دل ناتواں ہے ناں، کمزور ہو گیا ہے۔ اس میں مزید سہنے کی سکت کم ہو گئی ہے۔ جو کہنا ہے وہ ایک بار ہی کہہ دو۔ اس طرح مجھے ڈرانا چھوڑ دو۔ تم تو زندگی ہو۔ محبت ہو۔ غرور کرنا حق ہے۔ محبت اتنی ہی پر غرور ہوتی ہے۔ اتنی ہی پر تمکنت ہوتی ہے۔ اسے ستائش پسند ہوتی ہے۔ اسے حق ہے رعب جمانے کا۔ اجارہ داری دکھانے کا۔ اگر اسے زعم ہے تو کیا غلط ہے۔ اس میں وصف ہے زندگی کو بدلنے کا۔ وہ جو چاہے سلوک روا رکھے ایک حرف زبان پر نہیں آتا۔ شکوے خوف سے ایک طرف دبک جاتے ہیں۔ شکایتوں کو چپ لگ جاتی ہے زبان مارے ڈر کے تالو سے چپک جاتی ہے اور آنکھیں کمزور رعایا کی طرح سر کو جھکا دیتی ہیں اور دستور زبان بندی برقرار رہتا ہے۔ دل سماعت بن جاتا ہے۔ محبت کی ادھوری باتوں کو غور سے سنتا ہے۔ باتوں سے معنی اخذ کرتا ہے اور محبت کی دھن پر سر دھنتا رہتا ہے۔ محبت کی نفی کرنا کسی طور ممکن نہیں ہوتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں محبت کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔

اور اظل نے ان کی طرف قدم بڑھائے تھے اور پھر چیئر کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''آپ نے جو کہا وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ میرے دل کی ترجمانی کر دی آج آپ نے۔ لا بیانیاں باتوں کو بیان کرنے کے وصف کو نئے معنی دے دیئے۔ میری راہوں کو آسان کرنے میں میری مدد کر دی۔ دل خوف زدہ سا ہے۔ ڈر کی فطرت سے واقف ہے۔ چاروں اطراف ڈر نے کڑا محاصرہ کر رکھا ہے۔ ایک اندیشے نے سر ابھارا ہے۔ محبت بدگمان ہو گئی ہے۔ اس ایک خدشے نے محبت کی مٹھاس میں شک کا زہر شامل کر دیا ہے۔ ایک کڑواہٹ اور تلخی سی گھل گئی ہے اس مٹھاس کے اندر۔ وہ ساری تلخی محبت کے لہجے میں سمٹ آئی ہے۔ محبت نے اچانک ہی بیگانگی کی چادر اوڑھ لی ہے۔ دل ناتواں مشکل میں گھر گیا ہے۔ خدشات نے محبت کا دل جیسے مٹھی میں دبوچ لیا ہے۔ محبت کی سانسیں رکنے لگی ہیں۔ کیسے بتاؤں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی ٹھہر گئی تھی۔

اور حین شاہ کو یہ بات کچھ بھائی نہیں تھی۔ کسی اور کے سامنے خود کو موضوع بننا اسے پسند نہیں آ رہا تھا۔

''سنئے.....'' اس نے مدھم اور اپنے مخصوص انداز میں اسے پکارا تھا۔

اور اظل سہام مرزا کی پوری جان جیسے سماعت بن گئی تھی۔ اس کا طرز تخاطب اسے بے حد پسند تھا۔ یہ تیسری یا چوتھی بار تھی جب اس نے اسے اس مخصوص طرز تخاطب سے متوجہ کیا تھا۔

''چلئے اب.....خاصی دیر ہو چکی ہے پھر آئیں گے۔ تب آپ ان سے بات کر لیجئے گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک لاتعلقی اور بیگانگی ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ شاید اسے منظر سے ہٹانا چاہتی تھی۔

''زرتاج میں پھر آؤں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''محبت کی عادت آس دلانے کی۔ ایک امید کی ڈور ہاتھ میں تھما کر سانسوں کو مٹھی میں بند کر لینے کی۔ محبت کو اختیار ہے بے اختیاری لگانے کا اور محبت کی عادت رازداریاں نبھانے کی۔ محبت اگر تختۂ مشق نہ بنائے تو اسے محبت کون کہے گا۔ محبت امتحانوں میں ڈال کر خود مطمئن ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر طمانیت بھر جاتی ہے۔ محبت کے وصف نرالے ہوتے ہیں۔ اس کو سمجھنا دشوار گزار عمل ہے۔ جو سمجھنے کی کوشش بھی کرتا ہے خرد اس کا ساتھ نہیں دیتی۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ مدھم لہجہ کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔

''شایان کی آنکھیں.....لوٹ کر ضرور آنا۔ میری آنکھیں دروازے پر ٹکی رہیں گی۔ تم جا رہی ہو تو میری سانس اپنے قدموں کے ساتھ باندھ کر لے جا رہی ہو جیسے شایان لے گیا تھا اور واپس نہیں آیا۔ تب دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔ نا امید ہو کر دل کی سانسیں تھمنا شروع ہو گئی تھیں۔ تمہیں دیکھا تو مردہ دل میں جیسے جان پڑ گئی ہے۔'' زرتاج شاہ نے مدھم لہجے میں کوئی درخواست کی تھی اور حین شایان شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ایک ملال نے اسے گھیر لیا تھا۔ اس کا قصور نہیں تھا پھر بھی اس کے دکھ پر دل بھر آیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے قریب آئی تھی گلے ملی تھی اور اگلے ہی پل الگ ہو کر باہر کی طرف بڑھی تھی۔ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ جیسے ڈرتی تھی ان امید بھری

آنکھوں سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔کیسی آس تھی ان دوانتظار میں بھری آنکھوں کی۔

اوراظل نے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھااورھین شاہ نے حیرت سے دیکھا تھا۔وہ بنابتائے جیسے اس کے دل کی حالت سمجھ گیا تھااورھین شاہ چلتے ہوئے ایک لمحے کے لئے رکی تھی۔وہ بھی ٹھہر گیا تھا۔

پھر نگاہیں اس کے الجھے ہوئے چہرے پر جمادی تھیں جس پر سوچوں کا جال بچھا ہوا تھا۔وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا۔اگر خفگی تھی تو اس قدر کیوں مشکل میں پڑ گئی تھی۔آنکھوں میں بیگانگی حد سے سوا تھی۔چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھتی جارہی تھی۔

''کیا ہوگیا ھین شاہ۔قصہ کیا ہے؟ وہ سب مذاق تھا۔آپ کو ہرٹ کرنے کا نہیں سوچا تھا میں نے۔مجھے نہیں لگا تھا آپ چیزوں کو اتنا گنجل کردیں گی۔آئی ایم سوری۔میں نے آپ کو Offend کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا مگر جانے ایسا کیسے ہوگیا۔ایک ملال نے مجھے گھیر لیا ہے۔سانس لینا محال لگ رہا ہے۔یہ تناؤ کی کیفیت جو آپ کے چہرے پر ٹھہر گئی ہے یہ فاصلوں کو متوجہ کررہی ہے۔تناؤ دعوت دے رہا ہے کہ فاصلے آئیں اور یہاں اپنی جگہ بنالیں۔خدشات بھی کونوں کھدروں سے نکل آئے ہیں۔استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں کہ کب اور کہاں سے داخل ہوکر اپنی جگہ بنالیں۔خیمہ زن ہوکر اپنا قبضہ جمالیں اور فکروں کا چہرہ زرد پڑنے لگا ہے۔اسباب جو بھی ہیں سدباب ہوتا نظر نہیں آرہا ہے۔تدارک کچھ نہیں ہیں۔تمہیں کچھ خبر ہو تو کہو؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''میں مشکل میں تھی آپ نے مدد کرنے کی حامی بھری میں جانتی تھی یہ آسان نہ ہوگا۔آگے کنواں پیچھے کھائی کا محاورہ یہاں پوری طرح سچ ہوتا نظر آرہا تھا۔یہ مقولہ یہاں پر پورا اترتا لگ رہا تھا مجھے اسی بات کا خدشہ تھا اور یہی ہوا۔غلطی آپ کی نہیں ہے میری ہے۔مجھے یہی سوچ کر فیصلہ لینا چاہئے تھا مگر میں نے جلد بازی میں چیزوں کو مزید الجھادیا۔گنجل کردیا۔میرا غلط فیصلہ میری جان کو آگیا مگر اس طرح جتا کر آپ نے مجھے فیصلہ لینے میں مدد کردی۔میں مفروضوں پر جی رہا تھا۔حقیقت کا آئینہ سچائی سے روشناس کرا گیا۔اب کوئی بھی حتمی فیصلہ لینے میں آسانی ہوگی۔اب کوئی ملال نہیں ہوگا۔'' وہ مدھم لہجے میں اعتراف کررہی تھی۔

اوراظل کا دل ساکت ہوگیا تھا۔اس کا مذاق اس کو خاصا مہنگا پڑنے والا تھا۔اس نے کیا فیصلہ لیا تھا۔اظل سانسیں روکے اسے سن رہا تھا۔وہ جذباتی تھی۔وہ جانتا تھا۔حساس تھی۔اس کا دل دکھا تھا۔اس طرح کا ردعمل متوقع تھا۔

''کیسا فیصلہ ھین شاہ؟ آپ پاگل تو نہیں ہوگئی ہیں۔دماغ درست ہے آپ کا؟ آپ کوئی فضول بات ہرگز نہیں سوچیں گی۔کوئی جذباتی فیصلہ کرکے میری اور اپنی زندگی کو مشکل میں نہیں ڈالیں گی آپ یہ بات ذہن نشین کرلیں۔یہ معاملہ ہم گھر جا کر نبٹالیں گے۔ابھی چلیے میرے ساتھ بڑے پاپا کو بتا کر گھر چلیں۔دادا جان کی کتنی ہی کالز آچکی ہیں۔آپ تو جانتی ہیں ان کو کتنی فکر ستاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔قائل کرنے کے بھرپور جتن کررہا تھا۔اس کا مذاق اس پر بھاری پڑ گیا تھا۔

تبھی بڑے پاپا چلتے ہوئے آئے تھے۔

''تم دونوں یہاں کیوں کھڑے ہو آؤ میرے ساتھ میں کب سے تم دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔'' انہوں نے دستِ شفقت ھین شاہ کے سر پر رکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میرے بچے اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟ کیا ہوا ہے؟ چچی جان سے مل لیا آپ نے؟ اب کیوں پریشان ہیں؟ اتنا فکرمند اور الجھی ہوئی کیوں لگ رہی ہیں؟ وہ اب کافی بہتر ہیں۔ شہر سے ڈاکٹر دیکھنے روز آتا ہے۔ ان کے علاج میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ویسے بھی آپ کو دیکھ کر تو فوراً تندرست ہو جائیں گی۔ آپ کے چہرے پر تناؤ اچھا نہیں لگتا۔ میں ہوں نا۔ پھر فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ کو میرے بچے۔'' انہوں نے شفقت سے پوچھا تھا اور ان کے محبت بھرے الفاظ پر ھین شاہ کی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔

انہوں نے حیرت سے ھین شاہ کو دیکھا تھا۔

''کیا ہو گیا میرے بچے؟ کوئی بات بری لگی ہے آپ کو؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟ کہیں حمیرا بیگم نے کچھ الٹا سیدھا تو نہیں کہہ دیا آپ کو؟ یا پھر عمیر شاہ؟ اس نے تمہیں کچھ کہا؟ کیا وجہ ہوئی جس سے آپ کی دل آزاری ہو گئی؟ مجھے بتایئے بیٹا۔ ایسے مت روؤ میرا دل تھم جائے گا میرے بچے۔'' انہوں نے محبت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ان کا ہاتھ ھین شاہ کے سر پر رکھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ شدت جذبات سے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کے بھائی کی نشانی تھی وہ۔

''بڑے پاپا۔'' اس نے پکارا تھا اور بڑے پاپا نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''کہو بیٹا کیا ہوا؟ جلدی بولو۔ جو بھی ہے کہہ دو۔'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''میں کچھ دنوں کے لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں بڑے پاپا۔ پاپا کی بہت یاد آ رہی ہے۔ آپ کو دیکھ کر ان کا خیال اور بھی شدت سے آ رہا ہے۔ میں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں بڑے پاپا۔'' ھین شاہ کے الفاظ دھماکہ کر گئے تھے۔

اظل سہام مرزا نے حیرت زدہ نگاہوں سے ھین شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے اس کو اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی مگر وہ ھین شاہ تھی جو کچھ بھی کر سکتی تھی۔ کسی لمحے بھی زندگی کی بازی کو پلٹ سکتی تھی اور فیصلہ اپنے حق میں کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ کتنی طاقتور تھی اس کا اندازہ ہو گیا تھا اظل سہام مرزا کو۔ اس کو ادراک ہو گیا تھا دل نے غلط جگہ شکست کھائی تھی۔ دل کو کڑا وقت جھیلنا تھا شاید۔

''اس میں اتنا زیادہ دکھی ہونے کی کیا ضرورت ہے میرے بچے۔ تمہیں دیکھنے کو تو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ آپ آئی ہو تو کچھ وقت اپنے بڑے پاپا کے ساتھ گزارو۔ مجھے تو لگتا ہے شایان میرے سامنے کھڑا ہے۔ میرا بھائی میری طرف دیکھ رہا ہے۔ تم آس پاس ہوتی ہو تو اس کی خوشبو میرے چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ میں تو خود کہنے والا تھا مگر اچھا نہیں لگا کیونکہ سہام انکل سے نہیں پوچھا۔ اظل بتا رہا تھا نا کہ ان کو بتائے بغیر آئے ہو تم لوگ۔ تم زیادہ پریشان لگ رہی ہو چچی جان سے مل کر مگر بھروسہ رکھو ان کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ جلد ہی ٹھیک ہو

جائیں گی۔ ویسے بھی مجھے تو امید ہے وہ تمہیں اور اظل کو دیکھ کر اور مل کر بھلی چنگی ہوگئی ہوگی مگر اگر اظل اس کی اجازت دیتا ہے تو ضرور رک جاؤ۔ میں تو خود چاہتا تھا تمہیں جا کر سہام انکل کی اجازت سے گھر لے آؤں اور رخصتی اپنے ہاتھوں سے کروں۔ سارے فرائض پورے کروں۔ اگر آج تم دونوں نہ آتے تو میں شام کو ضرور آنا چاہتا تھا۔ میری بات ہوئی تھی انکل سے مگر تم نے اچانک آ کر مجھے حیران کر دیا اور میرا دل خوشی سے بے حال ہے۔ ابھی تمہیں پریشان دیکھ کر دل کو بھی پریشانی لاحق ہوگئی ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لئے رکے تھے پھر اس کو ساتھ لئے اندر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے تھے پھر اظل کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ھین کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جو سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

والدین ٹھنڈی چھاؤں ہوتے ہیں ان کا سایہ سر پر قائم ہوتا ہے تو دل اطمینان سے بھر جاتا ہے۔ آسمان اور زمین سب اپنی مٹھی میں سمٹنے لگتے ہیں۔ والد کا سایہ زمانے کے سرد گرم سے بچاتا ہے۔ ایک حفاظتی باڑ اپنے بچے کے اردگرد بنا کر اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ کوئی مصیبت اس کو چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔ مضبوط حفاظتی دیوار ہر مصیبت اور مشکل کو روک لیتی ہے۔ ساری الجھنوں کو حل کر لیتی ہے مگر جب یہ Shelter نہیں ہوتا تو یہ مضبوط باڑ اردگرد سے حصار توڑ لیتی ہے۔ تب گزرتے موسموں کی تمازت سے اکیلے لڑنا پڑتا ہے۔ تپتی اور جھلستی دھوپ میں جلنا پڑتا ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ اس تکلیف کا احساس کیا ہوتا ہے مگر میرے بچے ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یوں فکروں میں مت گھلو ورنہ میرا احساسِ ندامت بڑھتا چلا جائے گا۔ میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا کیونکہ کہیں نہ کہیں میں شایان کے دکھ کی وجہ بن گیا تھا مگر تمہیں دیکھتا ہوں تو اس کا احساس میرے اندر روشنی بھر دیتا ہے۔ تمہیں خوش دیکھنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ یہ بچھی بچھی سانسیں شاید اس لئے ہی چل رہی ہیں کہ تمہیں اپنی آنکھوں سے اپنے گھر ہنستا بستا ہوا دیکھوں۔ تم میرے پاس رہو گی تو شایان کی ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ ساری پرانی یادیں تازہ کریں گے۔ آج اپنی بیٹی کے ساتھ بے شمار یادوں کے دیئے جلائیں گے مگر تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم ان پلوں کو یاد کر کے روؤ گی قطعی نہیں ورنہ میں اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگوں گا۔ میں تمہارے دکھ کا سبب نہیں بننا چاہتا میرے بچے۔'' وہ دھیمے لہجے میں پرشفقت انداز میں اسے سمجھا رہے تھے۔ اور ھین شاہ نے ان کے پرنور چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ کتنی نرمی اور شفیق سا انداز تھا ان کا بالکل پاپا جیسا۔ ان کو دیکھتی تو پاپا کی یاد اور بھی شدت سے آ جاتی تھی۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

''آپ بالکل پاپا جیسے ہیں بڑے پاپا۔ وہی انداز ہے بات کو سمجھانے کا اور منوانے کا بھی۔ یا پھر سارے والد اتنے ہی شفیق ہوتے ہیں۔ دادا جان بھی ایسے ہی ہیں۔ ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ان سے باتیں کر کے سکون ملتا ہے دل کو یہی آپ کے ساتھ بات کر کے ہوا ہے بڑے پاپا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور حیدر شاہ نے جذبات سے مغلوب ہو کر ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

''جیتی رہی میری بچی۔ خوش رہو۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر اظل سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا جو ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''ابھی اظل کی طبیعت ٹھیک نہیں اس کا پلاسٹر آج ہی اترا ہے۔اسے ضرور آرام کی ضرورت ہوگی۔اگر تم یہاں رہ جاؤ گی تو اس کا خیال کون کرے گا۔اگر اظل کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر تم رہ سکتی ہو ورنہ ایک دو دن میں تو مجھے تمہیں یہاں لانا ہی ہے نا۔کیوں اظل بیٹا۔کیا کہتے ہیں آپ؟ کیا میں اپنی بچی کو یہاں رکھ سکتا ہوں؟ اس کے لئے تمہاری اجازت درکار ہے۔اگر تم اجازت دو تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اظل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے اور اظل نے اس لمحے اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا تھا۔عجیب صورتحال میں گھر گیا تھا۔وہ اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا مگر وہ غصے میں کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔صورتحال کو بگاڑ رہی تھی۔اظل نے ایک نظر ھین شاہ کی طرف کی تھی مگر وہ چہرے کا رخ موڑ گئی تھی۔اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔اظل کی جان مشکل میں ڈال کر خود اطمینان سے بیٹھی تھی۔

''اگر ھین شاہ رہنا چاہتی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بڑے پاپا مگر یہ جانتی ہیں ہم رکنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔دادا جان اور دادی جان کو بھی نہیں بتایا ابھی تک مگر ٹھیک ہے۔میں چلتا ہوں۔کل لینے کے لئے آجاؤں گا۔'' اظل سہام مرزا نے کہا تھا اور جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔

''ارے بیٹا ایسے کیسے جا سکتے ہو تم۔ابھی تو آئے ہو۔کچھ دیر تو بیٹھو۔کچھ آؤ بھگت کرنے کا موقع دو۔ایسے خالی ہاتھ تو داماد کو نہیں بھیج سکتے۔پہلی بار آئے ہو۔تمہاری بڑی ماں انتظار میں لگی ہوئی ہیں۔میں دیکھ کر آتا ہوں۔تم دونوں باتیں کرو۔'' حیدر شاہ نے کہا تھا اور رکا نہیں تھا۔چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔

ھین شا نے اظل کی طرف دیکھا تھا اور پھر زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی۔نگاہیں جھکا گئی تھیں۔

''ھین شاہ یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ آپ کیسے بھول سکتی ہیں سب کچھ؟ کیوں مشکلات کو دعوت دے رہی ہیں آپ؟ خطرات کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہیں بلکہ خطرات میں بسیرا کرنا چاہتی ہیں اور دیدہ دلیری سے ان کو آواز دے رہی ہیں۔سوئے ہوئے خطرات جو ادھ کھلی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں تم خود ان کو گلے لگانے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا ہونے کا امکان ہے؟ کیا تم چاہتی ہو وہی خطرات، وہی خوف جس سے چھٹکارا پایا تھا وہ پھر تمہیں دبوچ لے؟ تم پھر اس خوف کے حصار میں مقید ہونا چاہتی ہو؟ یہ کیسی منطق ہے تمہاری؟ خفگی اگر مجھ سے ہے تو خود کو سزا کیوں دے رہی ہو؟ یا پھر میری سزا کو دگنا کر رہی ہو؟ در پردہ تمہارا مقصد مجھے سزا دینا ہے یہ جان گیا ہوں۔تو تم یہ چاہتی ہو کہ مجھے ملال ستاتا رہے؟'' وہ مدھم لہجے میں پر جنون تھا۔آنکھوں میں اضطرابیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔مدھم لہجہ بے بس سا تھا۔اس کے سامنے اس کی ساری ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔

''آپ کو خوف کیوں ستا رہا ہے؟ جو بھی ہوگا میں جھیل لوں گی۔مجھے آپ کی ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔آپ خواہ مخواہ ایشو کری ایٹ مت کریں۔کچھ نہیں ہوگا۔یہ میرا گھر ہے۔میں محفوظ ہوں یہاں پر۔آپ کو کیوں خدشات ستا رہے ہیں؟ آپ کو فکروں نے کیوں گھیر لیا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں باور کرا گئی تھی۔جتا رہی تھی۔نجانے کیوں جاننے کو بے چین تھی یا پھر اس کا فکر مند ہونا اسے مزید

پریشان کر رہا تھا۔ جانے کیوں دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھ گیا تھا۔

''تم تو سب جانتی ہو عین شاہ..... تم تو تمام باتوں سے آگاہ ہو۔ تم سے تو کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ ہر راز سے واقفیت رکھتی ہو تم۔ خردمند ہو۔ تمام اسرار اور بھیدوں کے تمہیں خاصی پرانی جان پہچان ہے اور پھر میرے دل کے راستے تو ان کے بھیدوں میں کہیں کھو گئے ہیں۔ ان راستوں نے گمشدہ ہونے کی آگاہی پالی ہے۔ ہراساں سے ادھر ادھر بے چین نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ مارے خوف کے ان کے قدم تو ساکت ہو گئے ہیں۔ ایک جگہ جم گئے ہیں۔ وقت مدھم رفتار میں چلنے لگا ہے۔ وقت کو اندیشے ستا رہے ہیں۔ اس کے قدم بھی ڈگمگانے لگے ہیں۔ ادراک ہو گیا ہے کچھ ہونے والا ہے۔ تم ہی بتاؤ تدارک کیسے ہوں؟'' وہ مدھم لہجے میں خدشات بیان کر رہا تھا۔ آنکھوں میں بے چینیوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

''ایک بات اچھی طرح سمجھ لو تم عین شاہ۔ مجھے ضد پر مت اکساؤ۔ تمہاری پرواہ ہے مجھے۔ تم مجھ سے جڑتی ہوئی ہو۔ اگر کسی نے تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو نتائج خطرناک ہونگے۔ حتیٰ کہ اگر ہوا بھی تمہیں چھو کر گزرنے کی کوشش کرے گی تو ہواؤں کو عتاب کا نشانہ بننا پڑے گا۔ ہواؤں کو بھی اپنے رخ بدلنے پڑیں گے۔ ہواؤ کو اپنے قدموں کو موڑنا پڑے گا۔ تم شاید میری طاقت سے آگاہ نہیں ہو مگر ان سے میرا پرانا واسطہ ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ لہجہ مضبوط تھا وہ اسے آگاہ کر رہا تھا مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی بے بسی تھی جیسے وہ اسکے آگے ہار رہا تھا۔

''آپ سمجھ لیجئے ان مسائل کو کبھی پھر دیکھیں گے ابھی مجھے یہیں رہنا ہے۔ سو آپ تردد مت کریں۔ آپ مجھے ڈرانے کی کوشش مت کریں۔ اگر کچھ ہوا تو میں اپنی حفاظت کر سکتی ہوں۔ آپ کی ضرورت نہیں ہے ورنہ تو ابھی مدد کے بدلے بھی کچھ اور نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں آپ سے کوئی سودے بازی نہیں کر سکتی ہوں۔ مجھے تجارت کرنے کی ضرورت ہے نا عادت۔ امید ہے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا گئی تھی۔ اسے سنانے کے بعد رکی نہیں تھی چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ غصے سے اس کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔ وہ جان گیا تھا جان کو جاں گسل لمحات سے گزرنا تھا۔ اس نے غصے سے اس دروازے کو گھورا تھا جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی۔ وہ چلی گئی تھی مگر اظل کا دل ساکت ہو گیا تھا۔ ایک خوف نے پنجے گاڑ لئے تھے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور مرے ہوئے قدموں سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔ اور عین شاہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا اور دل کی دھڑکنیں مدھم ہونے لگی تھیں۔ وہ کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ مشکل سی مشکل تھی۔ الجھنیں کچھ اور بھی بڑھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کسی سفر پر جا کر خالی ہاتھ لوٹ آنے کا عمل کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے اس کا اندازہ ہو گیا ہے اسے۔ اسے لگ رہا تھا اپنے جسم سے دل کو نکال کر وہیں چھوڑ آیا تھا۔ تب تو اس کے اندر تک خالی پن سرایت کر گیا تھا۔ وہ تیز رفتار سے ڈرائیونگ کرتا ہوا گھر پہنچا تھا۔

اور دادا جان اسے اکیلا کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے جو ہارے ہوئے قدموں سے ان کی طرف بڑھا تھا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔وہ جانتا تھا ان کو مطمئن کرنے کے لئے خود کو Compile کر رہا تھا۔

''اظل ھین کہاں ہے؟تم اکیلے کیوں آئے ہو؟اسے کہاں چھوڑ آئے تم؟کیا ہوا؟''انہوں نے ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ ڈالے تھے۔

''بولو جواب دو میرا دل وہشت سے تھم جائے گا۔کیا ہوا ہے؟صاف بتاؤ مجھے۔کہیں.....؟''انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا دادا جان۔آپ پریشان نہ ہوں۔وہ ھین کچھ اداس ہوگئی تھی۔اپنے بڑے پاپا اور نانی جان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر آپ تو جانتے ہیں کہ وہ آپ کی معصوم ہرنی کس قدر ضدی ہے سو کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔مجبوراً مجھے اسے چھوڑ کر آنا پڑا تھا مگر بڑے پاپا نے کہا تھا میں کل آ کر اس کو لے جا سکتا ہوں۔میں ان کو منع نہیں کر پایا دادا جان۔''وہ مدھم لہجے میں ان کو تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

مگر دادا جان کا دل مطمئن نہیں ہوا تھا۔ان کے چہرے پر پریشانیوں نے جگہ بنالی تھی۔

''تمہیں ایسا فعل ہرگز انجام نہیں دینا چاہئے تھا۔تم ایسا کر بھی کیسے سکتے ہو اظل سہام مرزا؟مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔تم جانتے ہو۔تم حقیقت سے آگاہ ہو۔وہ تو بچی ہے۔معصوم ہے۔تم تو سمجھدار ہو نا۔پھر کیسے کر دیا تم نے ایسا فیصلہ؟کیسے اس کو خطرات میں دھکیل دیا تم نے؟''وہ دھیمے لہجے میں ڈپٹ رہے تھے۔

''وہ آپ کی معصوم ہرنی بلا کی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔اپنی من مانی کرنے میں تو کوئی ثانی نہیں رکھتیں وہ آپ کی معصوم ہرنی۔وہاں جاتے ہی پینترا بدلا اور بڑے پاپا کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔انہوں نے جب دریافت کیا تو میں ان کی درخواست کو رد نہیں کر سکا دادا جان۔آپ جانتے ہیں نا بڑوں کی انا پر گہری چوٹ پڑتی ہے جب بچے ان کو جھٹلا دیں۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا مگر اس آنکھوں میں گہری اضطرابی دکھائی دے رہی تھی۔

''کچھ بھی ہو میرا دل سنبھالے نہیں سنبھل رہا ہے۔مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔تمہیں بھی وہیں رہ جانا چاہیے تھا۔ایک رات کی تو بات تھی۔تم مجھ سے پوچھ لیتے تو میں یقیناً تمہیں یہی مشورہ دیتا۔''انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ان کے چہرے سے پریشانی صاف عیاں ہو رہی تھی۔

''وہ تمہاری ذمہ داری ہے اظل سہام مرزا۔میں نے بڑے مان کے ساتھ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیا تھا کہ تم اس کو کوئی زک نہیں پہنچاؤ گے۔کوئی بات تو ضرور ہوئی ہوگی جس نے میری بچی کو پریشان کر دیا ہوگا ورنہ وہ اتنی ضدی تو ہرگز نہیں ہے اور چاہے وہ جتنی بھی

ضد کرے.....کتنا بھی تمہیں پریشان کیوں نہ کرے، تم اسے ہرگز تنہا نہیں چھوڑو گے۔ یہ وعدہ کرو مجھ سے۔ وہ تمہارا حصہ ہے، تمہاری عزت ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں صورتحال کیا رہی ہوگی کہ تم اپنے دل کا ایک حصہ وہیں چھوڑ آئے۔ اندازہ کر سکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں دادا جان۔ میرے لیے وہ لمحات جاں گسل تھے۔ دشوار ترین تھے۔ مجھے تو لگ رہا ہے جیسے میرے پہلو میں دل ہی نہیں ہے۔ دل کے بغیر چلا آیا ہوں۔ ساکت قدموں نے بغاوت کری تھی۔ واپسی کی راہوں پر چلنے سے منکر ہو گئے تھے۔ خالی ہاتھ واپس جانے پر خفگی سے مجھے گھور رہے تھے۔ تنبیہ کر رہے تھے۔ متاع حیات کے بغیر زندگی کی کوئی رمق دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اپنی جان کو وہیں چھوڑ کر بے جان جسم کے ساتھ آ گیا ہوں۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کس مشکل میں ہوں۔'' اس مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔ آنکھوں میں سکوت ٹھہر گیا تھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں بیٹا۔ مجھ سے کچھ چھپا ہوا تو نہیں ہے۔ دعا کرو جو بہتر ہو۔ صبح جا کر لے آنا اسے۔ سارا گھر اچانک سونا ہو گیا ہے۔ ویرانوں نے بسیرا کر لیا ہے۔ میرے گھر کی رونق تو وہی تھی۔ چند دنوں میں اس نے خالی مکان کو جیسے گھر بنا دیا تھا۔ میری بچی دلوں میں گھر کرنا جانتی ہے۔ دلوں کو جیتنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہے۔ جاؤ آرام کرو۔ بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تو بولنے کا دل نہیں چاہ رہا میرا۔'' انہوں نے کہا تھا اور قدم اسٹڈی روم کی طرف بڑھائے تھے اور اظل کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر گئے تھے۔ وہ ساکت دھڑکنوں سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا لیکن بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے بڑھتے قدموں کو واپس موڑ کر باہر کی طرف بڑھا تھا۔ انداز میں قدرے عجلت تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب کسی چیز کا شدت سے انتظار کیا جائے اور وہ وقت کی طرح چلتا ہوا خود اس کے سامنے آ کھڑا ہو اور اس کو حیرت کدوں میں ڈال دے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اس کی تمنا پوری شدت سے کر رہا تھا۔ اس کو دیکھنا چاہتا تھا اور وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

''تو تمہیں خبر ہو گئی تھی کہ نگاہیں راستوں پر جم گئی تھیں جہاں سے چل کر تم گئی تھیں انہی راستوں پر پیوست ہو گئی تھیں۔ راستوں کو آنکھوں میں سوتے پڑ گئے تھے۔ ویرانیاں ان کا مقدر ہو گئی تھیں۔ بنجر راستوں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ جن راستوں پر تمہارے قدموں کے نشان ثبت تھے ہواؤں نے وہیں اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان نشانیوں کو محفوظ رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ ہواؤں نے ایک مضبوط باڑ لگا کر کسی اور کا آنا ممنوع قرار دے دیا تھا۔ پورے شہر میں ایک ہوکا سا عالم ہے۔ گہرا سکوت چھا گیا ہے۔ تب سے ہواؤں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ ایک حبس نے گھیر رکھا ہے۔'' وہ رعونت بھرا لہجہ آج نئے اسلوب کو بیان کر رہا تھا اور حسین شاہ کا سانس ایک لمحے لئے ساکت ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی نکلی تھی جب راہداری میں اچانک اس سے ٹکرا گئی تھی اور وہ جانتی تھی وہ کیسے بھول گئی تھی اس طرح

تو ہونا ہی تھا۔اس سے سامنا نہ ہوتا یہ کیسے ممکن تھا۔

''آج تم لوٹ آئی ہو تو ہواؤں کو بھی خبر ہوگئی ہے۔کافی سرشاری ہیں۔ان کی تو چھب ہی نرالی ہے۔خوشی سے جھوم رہی ہیں۔ سارا عالم رنگوں میں نہا گیا ہے۔میں نے تو یہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا۔آج دیکھا ہے تو حیرتوں میں پڑ گیا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ حمین شاہ کو غصہ دلا گئی تھی۔

''عمیر شاہ اپنی حد میں رہو۔میں اس بے تکلفی کو پسند نہیں کرتی ہوں۔سو میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرو۔مجھے بڑے پاپا سے ضروری بات کرنی ہے۔راستہ چھوڑ دو میرا۔ورنہ تمہاری شکایت مجھے ان سے کرنی پڑے گی۔پھر وہ خود ہی تمہارا مزاج ٹھکانے لگا دیں گے۔'' حمین شاہ نے پراعتماد لہجے میں کہا تھا۔اسے عمیر شاہ کا یوں راستہ روک لینا اچھا نہیں لگا تھا۔دل میں ہزاروں وسوسوں نے سر اٹھا لیا تھا۔مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کر رہی تھی۔جانے کیوں اس لمحے اسے اس کی یاد شدت سے آئی تھی۔

''ارے اتنی خفگی کس لئے حمین شاہ۔تم پر اب بھی میرا حق ہے۔تم بھول جاؤ تو یہ الگ بات ہے۔مگر میں کچھ نہیں بھولا ہوں۔اگر تم بھول بھی گئی ہو تو میں تمہیں یاد دلا دوں گا میرا تمہارا برسوں کا رشتہ ہے میرا نام تمہارے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔اس کو الگ کرنا یوں درمیان میں فاصلے بڑھا دینا کسی طور ممکن نہیں ہے۔'' وہ اسے چڑا رہا تھا یاد دلا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں کی چمک کچھ مزید بڑھ گئی تھی۔ جیسے اسے بے حد تسکین مل رہی تھی اور حمین شاہ پر گویا یہ کہاوت صادق آ رہی تھی کہ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

اور حمین شاہ کو شدت سے احساس ہوا تھا یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کر چکی تھی۔اسے اظل سہام مرزا پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔اگر وہ فضول ٹاپک نہ شروع کرتا تو وہ یہاں نہ ٹھہرتی اور نا ہی آج پھر اس کا یوں اس سے سامنا ہوتا۔

''بھول تو تم رہے ہو عمیر شاہ۔یاداشت تو تمہاری کمزور ہوگئی ہے۔بلکہ تم نے اپنی عقل کا استعمال کم کر دیا ہے۔اسی لیے تم سمجھ نہیں پا رہے ہو یا پھر تم ابھی تک شاکڈ کی سی کیفیت میں ہو۔اس لئے تمہاری دماغی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔میرا نکاح ہو چکا ہے۔میرے سارے حقوق کسی اور کے نام لکھے جا چکے ہیں اور وہ میری حفاظت کرنا اچھی طرح جانتا ہے۔اگر اسے پتہ چلا گیا کہ تم یوں میری راہ روک کر کھڑے ہو تو تم جانتے ہو تمہاری حالت بگاڑنے میں وہ ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں کرے گا۔اس لئے تمہیں سمجھا رہی ہوں اپنی حد میں رہو اور میرے اور اپنے درمیان بنی لکیر کو پار کرنے کی کوشش ہرگز مت کرو۔یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے دھمکا رہی تھی اور ایک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

بھول ہی تو وہ گئی تھی۔بوسیدہ سا تھا مگر ایک رشتہ تو تھا نا۔اگر متروک ہو گیا تھا تو کیا ہوا کچھ رشتے متروک ہونے کے باوجود اپنی اہمیت اور وقعت نہیں کھوتے کیونکہ ان کا نعم البدل کوئی اور نہیں ملتا ان چیزوں جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔متروک چیزیں اکثر منفرد ہوتی ہیں۔ ان کی انفرادیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

کم فہم تھا جو نہیں جان پایا۔ خرد کم ہوگئی تھی۔ کام کرنا چھوڑ چکی تھی تبھی تو روایات سے باغی ہوگیا تھا۔ اب اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوگیا ہے۔ کیسے کوہِ نور کو ہاتھ نکال دیا۔ اسے کیسے کسی اور کی مملکت میں جانے دیا۔ کیسے کسی اور کی ملکیت بننے دیا۔ یہ بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ مجھے کون عقلمند کہے گا کہ آسمان کسی اور کے حوالے کر دیا۔'' وہ اپنی بے وقوفی پر شرمندہ تھا یا کھو دینے کا احساس اسے اندر ہی اندر مار رہا تھا۔

''وہ تمہاری خود ساختہ سوچیں تھیں اور تم اب بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہو۔ جو چیز تمہاری نہیں ہو سکتی اس کا ملال کرنا بھی تمہاری بے وقوفی ہے۔ میرا اور تمہارا کوئی واسطہ کبھی نہیں تھا۔ نہ کبھی ہو سکتا تھا کیونکہ ناممکنات کبھی ممکن نہیں ہو سکتے۔ رشتے وہی بنتے ہیں جن کا بننا طے ہوتا ہے۔ قسمت میں لکھا ہوتا ہے اور قسمت کے لکھے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔'' وہ غصے کو دباتے ہوئے باور کروا رہی تھی۔ اسے جتا رہی تھی۔ یا قائل کرنے کے جتن کر رہی تھی۔

''تم مجھے قائل کرنے کے ہزار جتن کر لو مگر میں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس کو مان نہیں سکتا کیونکہ اس کو مان لینا میری شکست ہے اور اپنی شکست کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ ایسا کسی طور ممکن نہیں۔ میں اپنے اصولوں پر چلتا ہوں۔ میرے کلیات میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتی تو تم مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا اور ایک سرد سی لہر حسین شاہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی تھی۔

''حسین بیٹا تم یہاں کیوں کھڑے ہو میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ جلدی کرو اور عمیر شاہ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟ تمہیں کسی کام کے لیے بھیجا تھا نا۔ وہ ہوا یا نہیں؟'' حیدر شاہ اپنے کمرے سے نکلے تھے اور عمیر شاہ کو حسین کے پاس کھڑے دیکھ کر چلتے ہوئے ان کی طرف بڑھے تھے اور حسین شاہ کے چہرے کے تناؤ کی کیفیت وہ صاف محسوس کر سکتے تھے۔ جان گئے تھے کوئی بات ایسی ہوئی ہے جو حسین شاہ کو پریشان کر گئی تھی۔

عمیر شاہ باپ کو سامنے دیکھ کر مؤدب ہوگیا تھا۔ وہ ان کے غصے سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ حسین کو کس قدر چاہتے تھے اس کا اندازہ ہوگیا تھا اسے جب انہوں نے کسی کا لحاظ کیے بغیر حمیرا بیگم کو سخت سنائی تھیں۔ ان کو وارن کیا تھا کہ وہ حسین شاہ سے کوئی بات نہ کرے۔ اسے کبھی زک پہنچانے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔ وہ حمیرا بیگم کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ ان کی شریکِ حیات تھیں۔ وہ انہیں عزیز تھیں مگر اپنے بھائی کی بیٹی انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

اور حسین شاہ نے ان کو دیکھ کر اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔

''میرے بچے کھانا نہیں کھایا تم نے؟ اور میں نے تمہارے انتظار میں کھانا نہیں کھایا۔ کب سے بلوایا تھا آپ کو۔ کھانا پڑا پڑا ٹھنڈا ہوگیا۔ آج تو میڈیسن بھی بھول گیا ہوں۔ تمہارے آنے کی خوشی میں سب اتھل پتھل ہو رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔ کچھ

سمجھ نہیں آرہا کیا کروں۔شادی کے بعد جب بیٹی والدین کے گھر آتی ہے تو باپ کی شاید ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے۔خوشی ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی مگر ایک بات میں جانتا ہوں۔تمہارے دادا جان ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے۔تم ان کا گھر سونا کر آئی ہو کیونکہ ساری رونق تو میرے گھر میں آگئی ہے۔وہ شکوہ کر رہے تھے۔میں نے کہا تھا ان سے وقت تو پر لگا کر اڑ رہا ہے۔مجھے تو لگ رہا ہے صدیوں بعد اپنی بچی کو دیکھا ہے۔'' وہ پر شفقت لہجے میں کہہ رہے تھے۔انہوں نے دستِ شفقت حمین شاہ کے سر پر رکھ دیا تھا اور حمین شاہ کے دل میں طمانیت اتر آئی تھی۔

''بڑے پاپا میں آپ کے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔آئی ایم سوری مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہوگا۔دراصل میں نانی جان کے ساتھ باتوں میں اس قدر مصروف تھی کہ مجھے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔'' اس نے مؤدب انداز میں کہا تھا۔اسے برا لگا تھا کہ وہ بڑے پاپا کو اس کی وجہ سے بھوکا رہنا پڑا تھا اور انہوں نے میڈیسن بھی نہیں لی تھیں۔

''نہیں بیٹا تم میرے ساتھ آؤ۔تمہاری بڑی ماں نے تمہارے لئے نا جانے کیا کچھ بنا دیا ہے۔تم کھانا کھاؤ تا کہ ان کی محنت وصول ہو جائے۔تم ملی ہو ان سے؟'' انہوں نے حمین شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''نہیں بڑے پاپا ان سے تو ملاقات نہیں ہوئی ہے ابھی۔میں مل لیتی ہوں ان سے۔پہلے آپ کھانا کھا لیجئے ورنہ مجھے ملال ستاتا رہے گا کہ میری وجہ سے آپ نے کھانا نہیں کھایا۔'' اس نے مدھم لہجے میں توجیح پیش کی تھی۔یا بہانہ گھڑا تھا وہ جانتے تھے وہ ان سے ملنے سے گریزاں تھی۔

''تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو عمیر شاہ؟ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ تم جا کیوں نہیں رہے ہو؟'' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا جو ابھی بھی سر جھکائے وہیں کھڑا تھا۔

''جی میں جا رہا ہوں۔کوئی مسئلہ نہیں ہے پاپا۔'' اس نے کہا تھا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اور وہ حمین شاہ کو ساتھ لئے اندر کی طرف بڑھے تھے۔

☆.....☆.....☆

''حمیرا بیگم۔میری بچی آئی ہوئی ہے اور تم نے اس سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم یہ کس طرح کا برتاؤ کر رہی ہو؟ بڑوں کے دل بڑے ہوتے ہیں حمیرا بیگم۔بچوں کی بڑی سے بڑی غلطی کو آسانی سے معاف کر دینے کی سکت ہوتی ہے ان میں اور حوصلہ بھی۔ان کی سمجھداری، بردباری ان کے مسائل کو حل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔بگاڑنے کی نہیں، رشتوں کو بنانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں اور توڑنے میں بس لمحے لگتے ہیں۔مگر رشتوں کے بغیر انسان ایسے ہی ہوتا ہے جیسے ایک درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے اپنی جگہ نہ بنا سکے تو درخت کو پانی نہیں مل سکتا۔وہ جل جاتا ہے۔سڑ جاتا ہے۔رشتوں کے بغیر جینا ایک سزا کی طرح ہوتا ہے۔جیسے ایک

خزاں رسیدہ سا ادھر ادھر اڑتا رہتا ہے۔ بے یار و مددگار بغیر کسی سمت کے محو سفر رہتا ہے۔ یا جیسے ٹنڈ منڈ درخت ہو گرم موسموں کی تمازت کو سہتا ہے۔ اس کی زندگی میں صرف جلنا اور جھلسنا ہوتا ہے۔ رشتے انسان کو جینے کا احساس دیتے ہیں۔ زندگی کو خوبصورت بناتے ہیں۔ جینے کی امنگ اندر بھر دیتے ہیں۔ معاف کر دینے سے زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ جانتا ہوں زرتاج نے زندگی کے بوجھ کو تنہا ڈھویا ہے۔ تمہارا دکھ تکلیف مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم نے ان دونوں بہن بھائی کو ماں بن کر پالا ہے۔ جان سکتا ہوں۔ سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ تمہاری تکلیف کا پوری طرح احساس ہے مجھے۔ زرتاج تیری ہی بہن ہے۔ کتنا کہا تھا اسے کہ شادی کر لے۔ کتنے رشتے آئے تھے مگر وہ سننے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی۔ جانتا ہوں کس اذیت میں زندگی گزار رہی ہے وہ۔ ایک سزا کی طرح جو اس نے خود اپنے لئے منتخب کی ہے۔ میری تم سے درخواست ہے حمیرا بیگم پرانے قصوں کو بھول کر زندگی کو نئے طریقے سے شروع کرو۔ اپنے دیکھنے کے نظریات کو تبدیل کرو۔ معاف کر دینے والے کا دل بڑا ہوتا ہے۔ تمہارا دل کشادہ ہے۔ ایک ماں کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کی بڑی سے بڑی غلطی کو معاف کر دینے کا حوصلہ وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے اس میں۔ وہ بھی تمہارے بچوں کی طرح ہے۔ عمیر کی جیسی ہی ہے وہ۔ اس نے تمہارے کسی ظلم پر احتجاج نہیں کیا۔ کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ ایک لفظ بھی شکایت کا نہیں کہا اس نے۔ میں جانتا ہوں تمہارا غصہ بجا ہے مگر وہ غصہ وہ خفگی وہ نفرت جن لوگوں سے تمہیں تھی وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کا رشتہ آسمان پر لکھا جا چکا تھا۔ پھر وہ اس زمین پر کیسے نہ ملتے۔ ان کو ملنا تھا۔ طریقہ کو بھی اختیار کیا انہوں نے۔ خاندان کی مخالفت مول لی۔ میری قسمت تم سے جڑی تھی اور شایان کی قسمت حسنہ سے۔ ہم دونوں کی زندگی پرسکون انداز میں گزری ہے۔ میں نے سارا اختیار تمہیں سونپ دیا تھا۔ اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ زندگی کی ڈور تمہیں سونپ کر میں ان تمام معاملات سے الگ تھلگ ہو گیا تھا۔ سارا گھر تم نے سنبھالا۔ اس گھر کے لوگوں کو ان کی ضروریات کو تم نے ہی پورا کیا۔ کہاں دینا ہے کیا لینا ہے۔ کیسے خرچ کرنا ہے اس کا اختیار تمہیں حاصل ہیں۔ میں تم سے کسی معاملے میں بحث نہیں کرتا۔ کسی معاملے میں تمہاری مخالفت نہیں کرتا ہوں۔ اب صرف ایک بات کے لئے درخواست کر رہا ہوں۔ مجھے میری ذمہ داری احسن طریقے سے نبھانے میں میری مدد کرو۔ اس کار خیر میں میرا ساتھ دو۔ اس بچی کو نا کردہ گناہ کی سزا دینے کا مت سوچو۔ اس کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کے بارے میں کبھی مت سوچنا کیونکہ وہ میرے دل کا حصہ ہے۔ اگر تم نے اسے کوئی بھی نقصان پہنچایا تو تم مجھے نقصان پہنچاؤ گی۔ تم مجھے تکلیف دو گی۔ یہ بات جان لو تم۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہئے وہ مجھے کس قدر عزیز ہے۔ اس حوالے سے وہ تمہیں بھی عزیز ہونی چاہئے حمیرا بیگم۔ جو پیار میں شایان کو نہیں دے سکا۔ اس کو ماں سے نہیں ملنے دیا۔ اس کا ملال تمام عمر مجھے ستاتا رہے گا۔ ناگ بن کر مجھے ڈستا رہے گا۔ اس کی ایک خواہش پوری نہیں کر سکا۔ اس کا قلق میرے دل پر ہتھوڑے کی طرح برستا ہے۔ ہر پل اذیت دیتا ہے یہ خیال کہ اپنے چھوٹے بھائی کی تکلیف کا سبب میں بن گیا۔ اس ملال کا ازالہ کرنا بہت مشکل ہے۔ میں کوشش کر کے ہارنے لگا تھا مگر اب ایک موقع ملا ہے اس کی بیٹی کو جب گلے سے لگاؤں گا جیسے شایان کو گلے سے لگایا ہو۔ اس کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔ وہ اس کا پرتو ہے۔

میں اپنی بیٹی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ اس فرض کی ادائیگی مجھ پر فرض ہے سو مجھے امید ہے تم میرے فرض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالو گی۔ اپنے انتقام کی آگ کو بجھانے کے لئے کوئی ایسی صورتحال کری ایٹ نہیں کرو گی جس سے میرے مسائل بڑھ جائیں۔ جس کی وجہ سے مجھے کوئی حتمی فیصلہ لینا پڑے۔ امید ہے تمہیں میری بات سمجھ آ گئی ہو گی حمیرا بیگم اور تمہیں تو پتہ ہے نا میں باتوں کو بار بار دہراتا نہیں ہوں۔ میرا فیصلہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں قطعی نہیں ہوتی۔'' حیدر شاہ نے حمیرا بیگم کی طرف بغور دیکھتے ہوئے حتمی فیصلہ سنایا تھا۔ اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں تھے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے لائبریری کی طرف مڑے تھے۔

اور حمیرا بیگم نے ان کو جاتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ظفر کو بلایا تھا۔ ان کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

''جی بی بی جی..... آپ نے بلایا ہے؟'' وہ ان کے غصے سے واقف تھا۔ تبھی بھاگتا ہوا ان تک پہنچا تھا۔

''عمیر شاہ کہاں ہے؟ اسے فوراً سے پیشتر میرے کمرے میں بھیجو اور سنو اگر دیر لگائی تو تمہاری خیر نہیں۔ تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں اگر تم اسے تلاش کر کے مجھ تک نہ پہنچا سکے تو سزا کے لئے تیار رہنا۔ سمجھ گئے نا۔'' انہوں نے ملازم کو تنبیہ کی تھی اور اس نے ڈرتے ڈرتے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ میں جانتا ہوں۔ دیر نہیں ہو گی۔ وعدہ کرتا ہوں۔ اجازت دیں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' اس نے کہا تھا اور تیزی سے الٹے قدموں واپس مڑا تھا۔

اور حمیرا بیگم نے کوئی نمبر ملایا تھا۔ غصے سے ان کی دماغ کی رگیں کھنچ گئی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ انہوں نے کال ملائی تھی۔

''کہاں ہو تم؟ تمام کام چھوڑ کر فوراً میرے پاس پہنچو۔ بہت ضروری کام ہے۔ فون پر نہیں بتا سکتی مگر اتنا سمجھ لو کوئی خود چل کر صیاد کی دہلیز تک آ گیا ہے۔ اسے شاید اندازہ نہیں ہے کہ قید ہو گیا تو اس کی کوئی رہائی نہیں ہے۔ نادان ہے شاید مگر ایک طرح سے ہمارے لیے ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ اسے دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا ہے۔ انتقام کی آگ کچھ اور بھی بھڑک اٹھی ہے۔ اس کے چہرے سے شایان کی آنکھیں چسپاں ہیں ناں۔ اس کو دیکھتی ہوں تو زرتاج کی سرد پڑتی آنکھوں کی یخ بستگی میرے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ میرے دل و دماغ منجمد ہونے لگتے ہیں۔ اپنی بہن کے ساتھ ناانصافی کرنے والے کو یہاں آسانی سے معاف نہیں کر سکتی میں۔ یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔ تمہیں سمجھایا تھا نا۔ اب وقت میسر ہے۔ فیصلہ ہو جانا چاہئے۔'' انہوں نے رعونت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

دوسری طرف شاید کوئی آگاہ تھا وہ کس قدر غصے میں ہیں۔ تبھی وہ کہہ رہی تھیں۔

''نہیں غصہ نہیں کر رہی ہوں۔ تم ہو نا میرے ساتھ۔ پھر مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ تم تو میرا مان ہو۔ ٹھیک ہے میں فون رکھتی ہوں۔ تم گھر آؤ تو پھر باقی بات کریں گے۔ یوں مناسب نہیں ہے۔ اس بات کی بھنک کسی کو نہیں پڑنی چاہئے۔ یاد رکھنا

ورنہ سارا پلان ایک پل میں بگڑ جائے گا۔'' انہوں نے دبے دبے لفظوں میں کہا تھا اور فون رکھ دیا تھا۔ کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ پھر چیئر پر بیٹھ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔ وہ جانتی تھیں انہیں ٹھنڈے دماغ سے کام لینا تھا۔ جلد بازی میں معاملہ بگڑ سکتا تھا اور وہ کوئی رسک نہیں لے سکتی تھیں۔ انہیں اپنی چال کو اس طرح چلنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

☆.....☆.....☆

حمین شاہ کمرے میں تھی۔ اظل نے کتنی ہی بار کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ فون کو سائیلنٹ پر لگا کر مسلسل اگنور کر رہی تھی۔ اس کی کال پک نہیں کر رہی تھی۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی یہاں نہ ٹھہرے اور یہاں سے کہیں دور چلی جائے۔ کسی گہری سازش کی بو آ رہی تھی اسے۔ حمیرا بیگم کی خاموشی بے وجہ تو ہرگز نہیں تھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا اسے۔ دل جانے کیوں بیٹھا جا رہا تھا۔ ایک انا درمیان میں حائل ہو گئی تھی۔ وہ اظل کو نہیں بتا سکتی تھی کیا محسوس کر رہی تھی۔ کس مشکل میں پھنسنے والی تھی یا پھر اس نے اپنے لئے کچھ ہی مشکل راستہ چنا تھا۔ ایک عجیب سے دوراہے پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے اپنا گھر اور ماما پاپا شدت سے یاد آ رہے تھے۔ آنکھوں میں گھنگھور بادلوں نے جگہ بنا لی تھی۔ سمندروں میں طغیانی آ گئی تھی۔ اس نے چپل پاؤں میں پہنے تھے اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی۔ اسٹڈی روم کے سامنے جا کر رک گئی تھی پھر ہمت کر کے اندر کی طرف بڑھی تھی۔

''بڑے پاپا.....!'' اس نے ہولے سے پکارا تھا۔

''ارے میرے بچے.....کیا ہوا.....اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو تم؟'' انہوں نے پکارا تھا۔

''پریشان نہیں ہوں بڑے پاپا بس آپ سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اسی لیے چلی آئی۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا نا پاپا؟'' اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں بیٹا۔ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں وہ تو خوشیاں دیتی ہیں۔ جیسے تمہارے آنے سے گھر میں خوشی چلتی پھرتی دکھائی دے رہی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے میرا گھر رنگوں سے بھر گیا ہے۔ رحمت اتر آئی ہے گھر میں۔'' انہوں نے پر شفقت لہجے میں کہا تھا۔

''بڑے پاپا، پاپا کو کیا پسند تھا یہاں؟ وہ کس چیز میں دلچسپی لیتے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ وہ شام میں کیا کیا کرتے تھے؟'' وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اپنے پاپا کی زندگی کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھی۔

''بیٹا ان کو سپورٹ سے بے حد دلچسپی تھی۔ بابا جان سے کتنی ہی بار ڈانٹ پڑتی تھی اسے۔ وہ بے حد ذہین تھا اور پڑھائی میں ہمیشہ آگے رہتا تھا مگر ساتھ ساتھ اسے کھیل کود میں اس سے کئی گنا زیادہ دلچسپی تھی۔ فٹ بال کا رسیا تھا۔ گھڑ سواری کا بے حد شوقین تھا۔ بابا جان اور چاچا جان کے ساتھ مل کر ریس لگایا کرتا تھا۔ وہ ہائی جمپ میں خاصا ماہر تھا۔ بابا جان اسے بے حد چاہتے تھے۔ ان کی آنکھوں کا تارا تھا وہ۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں وہ تمام واقعات کے رنگ صاف تیرتے نظر آ رہے تھے۔ جیسے ایک قوت نے

انہیں اپنے ساتھ باندھ لیا تھا اور وہ اس وقت میں کھو گئے تھے۔

''میں جانتی ہوں بڑے پاپا۔ پاپا دادا جان کے بارے میں بہت باتیں کیا کرتے تھے

پاپا کو چاندنی راتوں سے عشق تھا

وہ بتاتے تھے وہ اپنی نگاہوں کو چاند پر سے نہیں اٹھا پاتے تھے۔ چودھویں رات کا چاندان کو دیوانہ سا کر دیتا تھا۔

اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا تھا۔ یہ سچ تھا بڑے پاپا؟'' وہ حیدر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اپنے پاپا کے بارے میں جان کر اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ چاندنی رات کو دیکھ کر اس پر جیسے جنون طاری ہو چکا تھا۔ سب کزنز اس رات کو جمع ہو جاتے تھے۔ پوری رات بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے تھے۔ قصے کہانیوں کا دور چلتا تھا۔ وہ وقت بہت اچھا تھا۔ وہ لمحے یادگار ہیں۔ زندگی کا حاصل تھے وہ لمحات۔ بے فکری کے دن تھے۔ ان کا اپنا مزہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات بھی خوشی دیتی تھیں۔ اب تو سب خواب بن گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حقائق بیان کر رہے تھے۔ ان کے لہجے میں ملال تھا۔

''وقت بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔ اس کو روکنا ہمارے بس میں نہیں ہے

کاش ایسا ہوتا کہ گزرا ہوا وقت اگر واپس آ سکتا تو میں ضرور اس وقت کو واپس لے کر آتا۔ وقت سے درخواست کرتا، منت سماجت کرتا، ہاتھ جوڑتا اور ان تمام گزرے لمحوں کو واپس لے کر آتا۔ ان کو روک لیتا۔ تمہارے پاپا کو تھام کر گلے سے لگا لیتا۔ ان کو سینے میں چھپا لیتا اور کبھی کہیں نہ جانے دیتا مگر یہ کر نہیں سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے مگر دل کو سمجھانا دشوار ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہے تھے اور حسین شاہ نے ان کی تائید میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ بولتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے تھے۔

''آئی ایم سوری بڑے پاپا میری وجہ سے آپ دکھی ہو گئے ہیں۔ میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔

آپ کو رنجیدہ نہیں دیکھ سکتی میں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''بڑے پاپا میرا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا میں کچھ دیر کے لئے باہر چلی جاؤں؟ تھوڑی دیر ٹھنڈی ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ اس جگہ کو دیکھنا چاہتی ہوں جہاں پاپا چلا کرتے تھے۔ میں کبھی اس طرف نہیں گئی تھی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں درخواست کی تھی اور حیدر شاہ کے لیے اس کی درخواست کو رد کرنا دشوار تھا۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''مگر تم تنہا نہیں جاؤ گی یہ شرط ہے میری۔ تم گارڈ کے ساتھ جاؤ گی۔ رضیہ بی بی کو بھی ساتھ لے کر جانا ورنہ مجھے فکر رہے گی اور دھیان سے بیٹا۔ اس وقت اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ موسم بدل رہا ہے۔ اگر تم بیمار پڑ گئیں تو اظل اور تمہارے دادا جان کو فکر پڑ جائے گی اور میں ان کا سامنا نہیں کر پاؤں گا۔ وہ کہیں گے میں ٹھیک سے تمہاری دیکھ بھال نہیں کر سکا اور تمہیں بیمار کر دیا۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''جی بڑے پاپا میں دھیان رکھوں گی۔کوشش کروں گی جلدی آجاؤں۔شکریہ بڑے پاپا۔''اس نے کہا تھا اور چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

صفیہ بی بی اس کی منتظر تھی۔وہ چلتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی۔

''بی بی بڑے صاحب کا حکم ہے میں آپ کے ساتھ رہوں۔''اس نے مؤدب سے انداز میں کہا تھا اور اس کے ساتھ چلنا شروع ہوگئی تھی۔

''سنو مجھے اس طرح پسند نہیں ہے۔مجھے لگتا ہے جیسے پابند ہوگئی ہوں۔مگر یہ بڑے پاپا کا حکم ہے تو ماننا تو مجبوری ہے۔''اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔

''اندھیرا بڑھنے والا ہے بی بی جی اس لئے بڑے صاحب نے مجھے بھیجا آپ راستوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں نا۔''وہ مؤدب لہجے میں کہہ رہی تھی۔وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔

ھین شاہ کا دل جانے کیوں تیزی سے دھڑکنا شروع ہوگیا تھا۔اس نے کھلے آسمان پر نگاہ کی تھی۔گہرا نیلا آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔روئی کے گالوں جیسے سفید اور سنہرے بادلوں نے چاند کے گرد اپنا گھیرا بنا رکھا تھا۔چاند بھی کچھ خفا خفا سا تھا۔شاید اسے بادلوں کے حصار میں رہنا گوارہ نہیں تھا تبھی تو تلملا رہا تھا۔غصے سے چاند کا چہرہ لال ہوگیا تھا۔اس کی نگاہیں آسمان پر ٹکی تھیں۔کسی کے قدموں کی چاپ اس کے پیچھے سنائی دی تھی اور اس کا دل جیسے بند ہونے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے الجھی سوچیں اتنا الجھ جاتی ہیں کہ ان کو سلجھانا ناممکن ہوتا نظر آتا ہے۔خود ساختہ سوچیں اتنا حاوی ہو جاتی ہیں کہ خواب میں آکر ستانے لگتی ہیں۔خوابوں پر بھی حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے یا پھر کسی آنے والے خطرے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں یہ خواب۔آنکھوں کی آگہی دیتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔وہ سوتے جاگتے کا منظر لگ رہا تھا جب نیند میں تکلیف بڑھنے لگی تھی۔اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔اور پھر کسی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تھا اور دل کو نکال لیا تھا اور وہ حیرت سے کھلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔تکلیف اور کرب اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا۔وہ جو بھی تھا تیزی سے پلٹ گیا تھا۔

''سنو.....رکو.....ٹھہر جاؤ.....!''وہ پکار رہا تھا مگر اس کی آواز مدھم تھی۔وہ خود بھی سن نہیں پا رہا تھا۔اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔وہ حیران سا اپنے اطراف دیکھ رہا تھا۔اس نے تکیے پر بڑا فون اٹھایا تھا اور اس کا نمبر ملایا تھا مگر مسلسل کال کو ڈسکنیکٹ کیا جا رہا تھا۔اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ایک ہی جست میں بیڈ پر سے اترا تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔واپس پلٹا تھا عجلت میں گاڑی کی چین سائیڈ ٹیبل پر بھول گیا تھا۔گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر کی طرف بڑھا تھا۔کال کسی کو ملائی تھی۔

''جی میں آرہا ہوں۔آپ برا مت مانئے گا مگر انتظار نہیں کر سکتا۔ضروری ہے۔''اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور دل کی حالت غیر تھی۔جانے خواب کیسی آگاہی کے در وا کر رہا تھا۔وہ سو نہیں پایا تھا مگر وہ خواب سوتے جاگتے کی کیفیت تھی شاید۔دل کی حالت غیر تھی۔ وہ گاڑی تیز رفتاری سے چلاتا ہوا پہنچا تھا۔اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اندر کی سمت بڑھا تھا۔وہ محویت سے نگاہیں آسمان پر لگائے کھڑی تھی۔اس نے ملازم کو اشارہ کر کے جانے کے لئے کہا تھا اور چلتا ہوا اس کی پشت پر کھڑا ہو گیا تھا۔وہ شاید قدموں کی آہٹ سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔اس نے پلٹ کر دیکھا تھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔وہ شاید رو رہی تھی۔وہ ایک قدم آگے بڑھا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر ٹھہرے آنسو صاف کئے تھے۔ان کو پوروں پر لے کر دیکھا تھا۔قیمتی متاع حیات کے لئے سمیٹ لیا تھا۔پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''آپ.....آپ یہاں کیسے؟ کیوں آ گئے آپ؟''وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''تمہیں کیسے بتاؤں.....میری محبت کتنی قدیم ہے۔صدیوں سے جب زمین نے چلنا سیکھا تھا۔جب زمین گھٹنوں کے بل رینگ رہی تھی۔تب ہی میری محبت نے اس کی طرف سفر شروع کر دیا تھا۔تب میں اور میری محبت طفلِ مکتب تھی۔تب وہ محبت اتنی کہنہ مشق ہرگز نہیں تھی۔محبت کو تیزی اور طراری سے کوئی انسیت نہیں تھی۔بدلتے موسموں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔کتنے ہی ستاروں نے گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ہزاروں سایوں نے فصیلیں اٹھا کر راہوں کو مسدود کرنے کی بارہا کوشش کی تھی مگر موسموں کی تمازتوں نے گہرے اثرات مرتب کرنے شروع کر دیئے تھے۔محبت کو تصورات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔محبت بلا خوف و خطر چپ چاپ آنکھیں بند کر کے خطِ مستقیم پر چلتا ہوا تمام صعوبتوں کو برداشت کرتی ہوئی طوفانوں سے بھڑ جاتی ہے۔دن رات کے فکروں کو مٹا دیتی ہے۔مجھے تو صاف لگتا ہے تمہارے دل میں داخل ہو کر گھر کر چکی ہے۔تمام کواڑوں کو قفل لگا کر واپسی کی راہیں مسدود کر چکی ہے۔واپسی کی کوئی راہ باقی نہیں بچی ہے۔محبت تمہارے دل میں پڑاؤ ڈال چکی ہے۔''وہ مدھم لہجے میں محبت کے حقائق کو بیان کر رہا تھا۔داستانوں کو لفظوں میں ڈھال رہا تھا۔وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور وہ حیران نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھ گیا تھا۔

''تمہیں کیسے بتاؤں.....میری محبت کے ارتقاء کا عمل کتنا قدیم ہے۔میں جانتا ہوں تم میری دلیلوں کو رد کرو گی۔تمہاری سرمئی آنکھوں میں بے یقینی کے رنگ واضح ہو گئے ہیں۔میں ثبوت تلاش کرنے کے لئے جتن کر رہا ہوں۔میں نے اپنی انگلیوں سے زمین کی کھدائی شروع کر دی ہے۔جہاں محبت کی ہڈیاں اب بھی دفن ہیں ان ہڈیوں کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا ہوں۔یہ محبت کا ارتقاء قدرے الجھا ہوا لگتا ہے۔صدیوں کا قصہ ہے۔محبت نے دماغ پر غلبہ جما لیا ہے۔خرد نے شکست مان کر سر خم کر دیا تھا۔سالوں گزر گئے میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں مگر محبت ویسے بھی پورے طور پر حاوی ہے۔زمین اس محبت کی گواہ ہے۔اس محبت نے زمین کے دل میں پناہ لی تھی اور یہ

ارتقاء کا عمل رکا نہیں تھا۔ تھما نہیں تھا۔ چلتا رہا تھا۔ تم ارادتاً تمام حقائق کو رد بھی کر دو تب ہی تم ان حقائق کو جھٹلا نہیں سکو گی۔ جو اپنی پوری سچائی کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں پر جنون تھا۔ محبت کو بیان کر رہا تھا۔ کوئی داستان تھی جس کو لفظوں میں ڈھال دیا تھا۔

وہ شاید اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور وہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی تھی۔ نگاہوں کو جھکا گئی تھی۔ چہرے کا رخ بدل گئی تھی۔ صبح کی خفگی جوں کی توں موجود تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اظل کو ایک ملال نے گھیر لیا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ پھر آسمان پر نگاہیں ٹکا دی تھیں۔

Strawberry Moon آسمان پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ سرخ پورا چاند جو 10 سال کے بعد نظر آیا تھا۔ آج کی رات خاص تھی یا پھر اسے لگ رہا تھا۔ لگتا تھا آج کی رات کوئی راز کوئی بھید باقی نہیں رہنے والا تھا۔ Algonquin قبیلہ اس Straberry Moon کو پھل پکنے کو جمع کرنے کے لیے ایک علامت سمجھتے تھے۔ اسے اسی سے تشبیہ دیتے تھے۔

"You know what Hayyin Shah I can see the full moon in your eyes while you were looking at with the wonder how I could reach toward you and found you - all of sudden lot light gathered in eyes and your eyes brighten. It seems lot of fireflies flickered and eyes are shining unsteadily, happily in brightness and the flicker of eyelid. And I can see the reflection of full strawberry moon your eyes as if it is the symbol of gather ripening fruit. And I'm feeling the crop of my love is already to cultivation."

''تمہاری آنکھوں میں جو روشنی کے سرانگارے قبضہ جما چکے ہیں اور اچانک ایک حیرانگی کا شہر آگیں رنگ میں اس میں شامل ہو گیا ہے۔ لگتا ہے سارے گلابوں نے اپنا مسکن تمہاری آنکھوں کو بنا لیا ہے۔ روشنی کے تخت پر براجمان ہو گئے ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں روشنیوں نے ایک عجیب سی ہلچل مچا رکھی ہے۔ غصے سے لپک کر میری طرف بڑھ رہے ہیں خاکستر کر رہے ہیں۔ اس روشنی میں جلنے کو تیار ہوں اور لامحدود امکانات روز اول کی طرح روشن ہیں جلنا میرا مقدر ٹھہرنے والا ہے۔ کیونکہ تمہاری آنکھوں میں چمکتی روشنی کی کوئی حد نہیں ہے۔ میرے ارتقا کا عمل یہیں سے شروع ہوا تھا اور اسی روشنی میں سارے بھید و اسرار چھپے واضح نظر آ رہے ہیں۔ بارش کی گرج اور اچانک بجلی کو ند جانے کی چمک مگر اچانک ایک حیرانگی میں چھپی یقین اور بے یقینی کا حسین امتزاج مجھے خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور مجھے لگتا ہے میری محبت کی فصل تمہارے دل کی زمین پر کاشت ہو چکی ہے۔ اس زرخیز مٹی نے محبت کو پنپنے میں مدد دی ہے اور اب محبت کی فصل کا پھل ملنے والا ہے۔ شاید اعتبار اپنی جگہ بنا رہا ہے۔ اسی لئے Strawberry Moon تمہاری آنکھوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ جو گواہ ہے کہ یقین کامل ہو چکا ہے۔'' اس مدھم لہجے میں جنون بول رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی کی جگہ ایک چمک نے

لے لی تھی۔اس کا کپکپاتا ہوا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

اور حین شاہ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔کتنے خدشات تھے دل میں اسے دیکھ کر سارے کہیں چھپ گئے تھے اور آنکھوں میں غصے نے پھر اپنی جگہ بنالی تھی۔

''آپ نے طے کر رکھا ہے کہ آپ مجھے پریشان کرتے رہیں گے؟ کیوں چلے آئے آپ؟ صبح بات ہوئی تھی نا۔آپ کو کل آنا تھا نا۔آپ کیا سمجھتے ہیں میں آپ کی پابند ہوں؟ ایک دن بھی اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتی؟ مجھے کیا کوئی حق نہیں ہے اپنی زندگی کو اپنے طور پر بسر کروں؟ کیا چند لمحے بھی میں اس گھٹن بھری فضا سے باہر نہیں گزار سکتی کیا؟'' وہ مدھم لہجے مگر دبے دبے لہجے میں بول رہی تھی۔سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے ڈپٹ رہی تھی حالانکہ دل اطمینان سے بھر گیا تھا مگر بظاہر ان خدشات کو بھلا کر وہی غصہ امڈ آیا تھا۔وہ اس کے عتاب کا نشانہ بن گئی تھی۔اس نے سارا غصہ اس پر اتار دیا تھا مگر آنکھوں سے اب بھی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اس کے چہرے اور آنکھوں کے بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔اسے جانچ رہا تھا۔وہ اس کی خفگی سے آگاہ تھا مگر غصہ کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔وہ وجہ جاننے سے قاصر تھا۔اس کی حالت پر مسکرا دیا تھا جیسے لطف آرہا تھا اور اس کی مسکراہٹ حین شاہ کو مزید طیش دلا گئی تھی۔

وہ عمیر شاہ کا سارا غصہ بھی اس پر اتارنا چاہتی تھی یا پھر وہ اسے اس کے ناروا سلوک کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔

''میں تمہارے سامنے تمہیں جھٹلانے کی سکت نہیں رکھتا ہوں۔

میں اپنی خرد کی حکمت کو رد کر سکتا ہوں۔میں اپنا نقطہ نظر اور کلیات تم پر مسلط نہیں کر سکتا۔میں جانتا ہوں تم خفا ہو۔تمہاری خفگی میرے دل کو مشکل میں ڈال چکی ہے۔ہزاروں وسوسوں نے دل کو ہراساں کر دیا تھا۔خدشات نے سانسوں کو ساکت کر دیا تھا۔جب تمہیں چھوڑ کر گیا تھا تو لگا تھا کہ اپنا دل یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔بے جان جسم کے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ہر بڑھتا قدم میری دھڑکنوں سے ناطہ توڑ رہا تھا۔

داہنی طرف ایک خالی پن کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔تمہیں خبر نہیں بے جان جسم چلنا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میں تمہاری مخالفت کرنے کی جسارت کر نہیں سکتا۔مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔اگر کبھی ارادتاً تمہاری مخالفت مول لینے کا سوچوں گا بھی تو دل پہلی فرصت میں میرے خلاف بغاوت کر دے گا اور میری کمزور سی سلطنت کا تختہ الٹنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگائے گا۔سو ان تغافل بھری سرمئی آنکھوں سے کہہ دو یقین کو ان آنکھوں میں جگہ دیں ورنہ میرے دل کو کھلی جارحیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' وہ مدھم لہجے میں حقائق بیان کر رہا تھا۔دل کے خدشات کو زبان دے رہا تھا۔

''ہاتھ چھوڑیے آپ میرا اس طرح پیچ دار باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کریں آپ۔اگر اتنی ہی پرواہ تھی تو چھوڑ کر کیوں

گئے تھے اور اب یہ ڈرامہ بند کر دیں۔ آپ جو دکھاوے کی محبت کے لئے آدھی رات کو بھاگتے چلے آئے ہیں اس کے پیچھے ضرور کوئی خاص وجہ ہوگی۔ ورنہ جو آپ نے کہا تھا اس کے بعد اس برتاؤ سے بھی آپ کی مفاد پرستی بدلنے والی نہیں ہے۔ میری سوچ کے بعد اس برتاؤ سے بھی آپ کی مفاد پرستی بدلنے والی نہیں ہے۔ میری سوچ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ آج رات کو ہی کوئی معجزہ رونما ہو جائے گا اور میں آپ کی وہ تلخ باتوں کو بھلا دوں گی اور آپ کی اسی سوچ سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو یہ صرف آپ کی بھول ہے۔ آپ باتوں کو رنگوں میں لپیٹ کر کرتے ہیں۔ زہر کو میٹھے میں لپیٹ کر کھلانے کی کوشش کرتے ہیں مگر آپ بھول جاتے ہیں زہر شہد میں لپیٹ کر دینے سے امرت نہیں بن جاتا۔ آپ خود کو لاکھ پردوں میں چھپانے کی کوشش کر لیں، آپ کا اصل چہرہ دیکھ چکی ہوں میں۔ اس پر آپ یقین کی بات کرتے ہیں صد حیرت ہے۔ آپ کی صورت عیاں ہو چکی ہے۔ اعتبار کسی طور ممکن نہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہی تھی۔ اسے جتا رہی تھی۔ وہ اس کو پوری طرح جھٹلا رہی تھی۔

وہ اس کی خفگی بھرے لہجے پر بجائے برا ماننے کے مسکرا دیا تھا۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''تمہیں کیسے بتاؤں حسین شیان شاہ..... تم اس طرح بول کر دل کی بے چینی کو بڑھا دیتی ہو۔ اتنی تلخی تمہارے لہجے میں کہاں سے آ جاتی ہے۔ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ تم ہر بات کو گھما پھرا کر ایک ہی رخ پر کیوں موڑ دیتی ہو۔ تمام زاویوں کی سمت اپنی سوچ کے ساتھ تبدیل کر دیتی ہو۔ میں چیزوں کو بنانے کے جتن کر کے ہارنے لگتا ہوں اور تم ایک ہی جست میں بگاڑ دیتی ہو اور تمہیں اس کا کوئی ملال بھی نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنے نقصان کا پیش خیمہ بھی نہیں ہوتا۔ تم تو میرے لیے فیثا غورث کا فارمولے کی طرح ہو گئی ہو۔ ایک معمہ جسے حل کرنے کی جتنی بھی کوشش کر رہا ہوں، مزید الجھتا جا رہا ہوں۔ تم میرے جنون کو بڑھا رہی ہو۔ میرے جنون کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تم نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے۔ جنون یقین کی سیڑھیاں ہوا پر پہنچنے والا ہے۔ وہ دل کے تخت پر براجمان ہونے ہی والا ہے۔ بس چند لمحوں کی بات ہے۔ قصداً دھیمی رفتار سے چل رہا ہے۔ سج سج کر قدم اٹھا رہا ہے تاکہ کسی غلطی کا احتمال نہ ہو۔'' وہ دھیمے لہجے میں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مدھم لہجے میں ایک عزم تھا۔

وہ اس کی طرف بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کو اس کی کسی بات پر کوئی یقین نہیں تھا۔ کوئی سروکار نہیں تھا۔

''آپ شاید اس بات سے واقفیت نہیں رکھتے کہ سچائی جب سفر پر روانہ ہونے کا قصد کرتی ہے ابھی اڑان کی تیاری کر رہی ہوتی ہے۔ اپنے پاؤں میں جوتے پہن رہی ہوتی ہے۔ ابھی صرف ارادہ باندھ رہی ہوتی ہے۔ ابھی ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتی جبکہ جھوٹ دنیا بھر میں تقریباً آدھے راستے کا سفر طے کر چکا ہوتا ہے۔ جھوٹ کی پرواز اونچی ہوتی ہے۔ وہ برق رفتاری سے چاروں طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتا ہے۔ آپ کو لگتا ہے آپ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے نا.....؟ یہی جتانے کی کوشش کر رہے ہیں نا آپ.....؟ یہی باور کرانا مقصود تھا آپ کو.....؟ آپ خوفزدہ ہیں کہ اگر آپ کے چہرے کی قلعی اتر گئی تو کیا ہوگا۔ یہ خوف آپ کو ستا رہا ہے۔ اسی خوف نے آپ

کی نیند حرام کردی ہے۔تبھی تو یہاں کھڑے اپنی لچھے دار باتوں کے جال میں مجھے پھنسانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں آپ.....!'' وہ دھیمے لہجے میں اس کے بخیے ادھیڑ رہی تھی۔اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔

اظل سہام مرزا نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔جس میں کتنے ہی تاثرات بدل چکے تھے۔کتنے ہی ملے جلے جذبات نے مل کر ایک عجیب سا چہرہ بنا دیا تھا۔ڈھیر سارے رنگوں کا ملا جلا سا احساس تھا۔اسے کوئی نام دینے کے لئے اسے گھنٹوں سوچنا پڑا تھا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں آدھا سچ ایک آدھی اینٹ کی طرح ہوتا ہے۔ایک کے مقابلے پر ایک دلیل کے طور پر اپنی مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آدھی بنیاد مضبوطی سے اپنی جگہ بنا چکی ہے اور سچ کی ادھوری بنیاد ہی سہی۔یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اندھیری رات میں چاند کی روشنی یا پھر تپتے سلگتے صحرا میں ایک سایہ دار درخت۔'' مدھم لہجہ مثبت سوچ کی عکاسی کر رہا تھا۔اپنے دلائل سے اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"I know that Hayyin Shah you always have so many issues with trust."

وہ دھیمے لہجے میں حتمی رائے دے رہا تھا اور اس کی حتمی رائے اس کی خفگی میں اضافہ کر گئی تھی۔

"Might you forget that night you do just try to pretend. I would must let you know trust has to earned, and should come only after the passage of time."

وہ مدھم لہجے میں جتا گئی تھی۔

''حین شاہ.....کیا تم جانتی ہو ایک شمسی توانائی کا بھڑک اٹھنا کیسا عمل ہوتا ہے؟ تمہاری آنکھوں میں اس لمحے کچھ عجیب و غریب قسم کے تاثرات نے گھیر لیا ہے۔ان میں کتنے ہی خدشات نے ٹھہر کر ایک ہلچل سی مچا دی ہے۔تمہاری آنکھوں کے آسمان پر چمکتے دو شمس خفگی سے دیکھ رہے ہیں۔ایک یقین اور بے یقینی کے رنگ اس کی پرتوں پر جمع ہو گئے ہیں۔ایک اعتبار اور بے اعتباری کی جنگ واضح نظر آتی ہے۔ایک خوف جو دبک گیا تھا پھر نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔مگر ان تمام تاثرات میں سب سے نمایاں غصے کی رمق ہے جس کے شعلے اچانک ہی بھڑک اٹھتے ہیں اور آنکھوں کے سورج کی مقناطیسی قوت کی چمک اچانک تیز رفتار اور شدید تغیرات کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور اچانک غصے اور خفگی کا **Solar Fire** بھڑک جاتا ہے۔ایک مقناطیسی توانائی اچانک ہی تمہاری آنکھوں سے نکل کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔یہ مقناطیسی **Loops** بڑی برق رفتاری سے تمہاری آنکھوں سے نکل کر میری آنکھوں تک سفر کرتی ہیں اور یہ تابکار مقناطیس لمحے کے ہزارویں حصے میں میری آنکھوں میں جمع خوابوں کو جلا کر بھسم کر دیتی ہیں۔مکمل طور پر راکھ کے ڈھیر میں تبدیلی کر دیتی ہیں۔یہ **Solar flare** محویت کن نظارہ ہوتا ہے۔میں تو ان شعلوں کی تپش سے ابھی تک جل رہا ہوں۔پگھل رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے نئی اصطلاحات بیان کر رہا تھا اور وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور نجانے کیوں اس کا دل بھر آیا تھا

اور آنکھوں کے نمکین سمندروں میں طغیانی آ گئی تھی۔ کتنے ہی آنسو آنکھوں کے کناروں سے تمام بند توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ وہ شاید ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی مگر بری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ آنسو رخسار کو بھگو رہے تھے۔ خفگی آنسوؤں میں بہہ رہی تھی۔

اور اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو اظل سہام مرزا کے دل پر گر رہے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں سے بہتے سمندروں کو دیکھ کر بے چین ہوا تھا۔ دو قدم آگے بڑھ کر فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر بڑے استحقاق کے ساتھ اس کی رخسار پر بہتے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر چن کر بے وقعت ہونے سے بچا لیا تھا۔ ان کو قیمتی متاع حیات کی طرح سنبھال لیا تھا۔ آنکھوں میں اضطرابیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔

''ھین شاہ پلیز اس طرح مجھے سزا مت دو۔ تم چاہو تو مجھے خفگی دکھاؤ، لڑو مجھے سے، غصہ کرو مجھ پر۔ بے اعتنائی دکھاؤ میں سب سہہ سکتا ہوں، برداشت کر سکتا ہوں مگر میں ان سرمئی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ایسا ہوا تو میرا دل ساکت ہو جائے گا۔ ابھی بھی دیکھو دل کی دھڑکنیں مدھم پڑتی جا رہی ہیں۔ میں اس سزا کا متحمل نہیں ہو سکتا حالانکہ میں جانتا ہوں دل ناتواں کو وصل حکایتوں کے لئے کوئی شکایت نہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں جانتا ہوں کہ کبھی کبھی برے رویے نہایت بھیانک شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے برے رویے رشتوں کا دم گھونٹ دیتے ہیں۔ رشتوں کو نالاں کر دیتے ہیں۔ یہ الفاظ کی صورت ڈھل کر رشتوں کو خوش اور دکھی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ اچھے الفاظ چابیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ دل کا قفل کھول دیتے ہیں۔ دل کے بند کواڑوں کو کھول کر چپکے سے دبے پاؤں اندر داخل ہو جاتے ہیں اور دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی یہی برے اور کرخت الفاظ دل کے کواڑوں ہمیشہ کے لئے بند کر دیتے ہیں اور دل کے داخلے کا راستہ بند کر کے اس کو ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیتے ہیں۔ پھر چاہیں بھی تو اندر داخل ہونا ممنوع ہوتا ہے۔ تب پھر ہم لاکھ سر پٹختے رہیں ان کرخت لفظوں کو شہد میں ڈبو بھی دیں تب بھی ان کی تاثیر نہیں بدلتی ہے۔ تب سب بے فائدہ ہوتا ہے۔ آج میں یہ بات مان گیا ہوں درست الفاظ کے استعمال سے دلوں کے قفل کو کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ دل کو فتح کیا جا سکتا ہے اور دلوں کی کدورتوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔ بروقت اس بات کا احساس ہو جائے تو انسان بہت سے مشکلات سے بچ سکتا ہے ورنہ کم فہمی کی وجہ سے بڑے نقصان کا احتمال رہتا ہے اور اپنے نقصان کا احتمال تو مجھے ابھی بھی ستا رہا ہے۔ میری برداشت سے بڑھ کر سزا پا رہا ہوں۔ کڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہا ہوں۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں مگر میں بھگت رہا ہوں۔ میرا دل مجھ سے خائف ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حقائق بیان کر رہا تھا۔ مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔ اسے تھام کر بغور دیکھا تھا اور ھین شاہ کے آنسو اچانک رک گئے تھے۔ جانے کیا عوامل تھے مگر دھڑکنوں کا تلاطم اچانک بڑھ گیا تھا۔ سارا چہرہ اس کی نگاہوں کی تپش سے جھلس رہا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔ شاید دل کا موسم بارش کے بعد قدرے بہتر ہو گیا تھا۔

''تم نے کبھی چاند کو روتے ہوئے دیکھا ہے ھین شاہ؟'' اس نے اچانک سوال کیا تھا اور ھین شاہ کا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں کپکپا رہا تھا۔ وہ اس کی حالت سمجھ سکتا تھا تبھی موضوع بدل گیا تھا۔ اس کو تھام کر املتاس کے پھولوں پر چلتا ہوا آگے بڑھا تھا پھر ھین شاہ نے

اس کے ساتھ قدم ملا کر چلتے ہوئے رک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں میں نے کبھی چاند کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' آپ اتنی عجیب وغریب اور پیچیدہ باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ اور سیدھے سادھے الفاظ میں بات کو بیان کیوں نہیں کرتے آپ؟ آخر وجوہات کیا ہیں آج آپ واضح کر ہی دیں تو بہتر ہوگا تاکہ مجھے اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑانے پڑیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھی۔ اسے ڈپٹ رہی تھی۔ چہرے پر خجلت کے آثار اب بھی باقی تھے یا پھر وہ اس خجلت کو مٹانے کے لئے اس طرح ڈپٹ رہی تھی۔۔

اور اظل سہام مرزا نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔ وہ اسے ڈپٹ رہی تھی اور وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی حدت سے اس کے سارے جسم کا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سا منظر تھا۔ روشن چہرہ اور بھی دل کش ہو گیا تھا۔ روشنی چمکدار پیشانی پر تناؤ کی لکیریں کچھ مدھم پڑنے لگی تھیں۔ اس کے موضوع بدلنے پر یا پھر اس کو ساتھ اور اپنے سامنے دیکھ کر یہ کیفیت بدلی تھی۔ اس نے مزید تردد نہیں کیا تھا اور اس کا تھام کر چلنا شروع کر دیا تھا۔ حین نے قدم سے قدم ملائے تھے پھر پوچھا تھا۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' مدھم لہجہ متجسس سا تھا۔ جاننے کو بے قرار تھا کہ قدم کونسی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتا تھا اور کامیاب بھی ہوا تھا۔

''چاند کی سیر کے لئے۔ چلو گی نا میرے ساتھ؟'' اس نے پوچھا تھا۔ اس کی تائید چاہتا تھا۔ اس نے سر ہلا کر اثبات کی مہر ثبت کر دی تھی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تو آپ سمجھتے ہیں آپ چاند کی سیر پر جانے والے آرم سٹرونگ کے بعد دوسرے انسان ہونگے؟ ایک وہ چاند کی محبت میں پاگل تھا اور چاند کی سرزمین پر قدم رکھ کر اس پر اپنا تسلط جمانا چاہتا تھا۔ اس پر اپنی محبت کے پرچم لہرانا چاہتا تھا۔ اس نے چاند سے ملنے کے لئے بے تاب ہو کر اس کے تعاقب میں چل نکلا تھا اور پھر اس تک پہنچ کر ہی دم لیا تھا۔ تو آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس بھی ایسا ہی جنون ہے جو آپ کے دل کو گرما رہا ہے۔ اس کو اکسا رہا ہے، متحرک کر رہا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مدھم لہجہ استہزائیہ تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے حین شاہ؟ اگر آرم اسٹرونگ چاند کے عشق میں سدھ بدھ کھو چکا تھا اور فتحیابی کے لئے کوشاں ہو گیا تھا۔ اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی تو کیا میں اس راز کو جاننے کے لئے متجسس نہیں ہو سکتا کہ چاند کی آنکھیں آنسوؤں سے کیوں بھر جاتی ہیں اور اچانک ان آنکھوں سے قیمتی ہیرے کیوں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کے پیچھے کیا بھید ہیں؟ میرا تجسس مجھے تحریک دے رہا ہے کہ ان اسرار تک رسائی پا سکوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو تمہاری آنکھوں کے چاند پر اندیشے چپکے سے گھر کر لیتے ہیں۔خوف سرایت کرتے ہی جب تمہاری آنکھوں میں سرمئی سمندر اچانک طغیانی برپا کر دیتے ہیں اور سنہرے بادل اس پانی کو دسوسوں کی دھوپ لگواتا ہے۔وہ تمام پانی بخارات بن کر ان سنہری بادلوں میں جمع ہونے لگتا ہے اور جب کوئی حاسد بادل اس سنہری بادل سے ٹکراتا ہے تو اس بادل کے پیمانے چھلک جاتے ہیں اور کتنے ہی ہیرے اس چاند کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخسار کو بھگوتے رہتے ہیں اور قیمتی ہیرے قطار در قطار گرتے رہتے ہیں۔چمکدار ہیرے چاند کی آنکھوں سے گر کر رخسار پر جمع ہو جاتے ہیں۔میں نے ان گلابی اور زرد رنگ کے ہیروں کو اپنی مٹھی میں جمع کیا ہے۔ان قیمتی ہیروں کی حفاظت کے لئے میں نے مٹھی کو کچھ اور بھی سختی سے بھینچ لیا ہے۔میں اس کی قدر و قیمت سے واقفیت رکھتا ہوں۔یہ انمول موتی ہیں۔میرا ان ہیروں کے سفر کی داستان جاننے کے لئے بھی متجسس ہوں۔میرا تجسس بڑھتا جا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔وہ شاید حسین شاہ کو مسلسل حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔وہ شاید ارادہ باندھ کر آیا تھا کہ اسے حیرت کدوں میں لے جانا چاہتا تھا۔

''آج تمہیں یوں روتے دیکھا تو مجھے چاند کے آنسوؤں کی وہ کہانی یاد آ گئی جب میں California گیا تھا۔تو میں نے Lake County Diamonds کا وزٹ بھی کیا تھا۔اس سے ایک حکایت منسوب ہے۔یہ ایک مسٹری ہے مگر اس جھیل میں سے ہیرے نکلتے ہیں جو کہ خالص اور Crystalized ہوتے ہیں۔اس سے ایک Mythology منسوب ہے۔ان ہیروں کو Moon Tears کہتے ہیں۔

"According to an Indian legend the moon fell in love with a poor Indian Chieeftain. The moon couldn't stay with Chieeftain because she had to light the sky at night and mark the season. She was sad to have her Chieeftain that she wept, and her tears were solidified as "Moon Tears" or Lake County Diamonds."

''کہتے ہیں جب چاند ایک شخص سے ساتھ محبت میں دل ہار گئی تھی وہ رات کو اور موسموں کو بدلنے کی ترغیب دے رہا تھا کیونکہ چاند کو اس محبت کو چھوڑنا پڑا تھا۔چاند کا دل دکھ سے بھر گیا تھا اور یہ کرب اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلا تھا۔اس کے آنسو جب اس جھیل میں گرے تو انہوں نے ہیروں کی شکل اختیار کر لی تھی اور ان ہیروں کو چاند کے آنسو کہا جانے لگا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کی انوکھی کہانی کو بیان کر رہا تھا۔اسے اپنے ساتھ باندھنے کی سعی کر رہا تھا۔۔

''چاند کا آنسو اب بھی اس جھیل کے کنارے ایک پہاڑ کی کھوہ میں ٹکا ہوا ہے۔اس پہاڑ نے بھی اس آنسو کو قیمتی اثاثے کی طرح سنبھال کر رکھا ہوا ہے جیسے میں نے ان ہیروں کو اپنی مٹھی میں قید کیا ہوا ہے۔ان ہیروں کو اثاثوں کی طرح سنبھالا ہوا ہے کیونکہ یہ آنسو میرے چاند کی آنکھوں سے گرے تھے۔'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آ گئی تھی۔

وہ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ایک بے یقینی کی کیفیت واضح تھی۔

''مگر چاند کے یہ آنسو اس کے ڈپریشن یا Worthlessness کے جذبات، غم اور اداسی، اور چمکتی روشنی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر چاند کے آنسو دل و تاج کی شکل کے ہوتے ہیں۔ اس کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے تمہارے آنسو اب گر رہے تھے تو مجھے لگ رہا تھا میرا دل ٹکڑوں میں بٹ کر، چیخ کر ٹوٹ کر بکھر رہا تھا اور ہر آنسو کا قطرہ میرے دل کی ساخت اختیار کر چکا تھا۔ میرا دل جیسے اس دکھ کی حدت سے پگھل کر قطروں کی صورت تمہارے رخسار پر بہہ رہا تھا اور سرد ہونے پر سفید Crystals کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جسے میں اپنی مٹھی میں اپنے دل کے ٹکڑوں کو سمیٹے ہوئے ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں عجیب انکشاف کر رہا تھا۔ وہ واقعات کو ایک قصے سے جوڑ کر حقائق بنا کر پیش کر رہا تھا۔ حین شاہ اس کا مقصد جاننے سے قاصر تھی۔ اس کے چلتے قدم رک گئے تھے۔ حین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر نگاہیں آسمان پر ٹکا دی تھیں۔ رات کا سحر بڑھتا جا رہا تھا یا پھر اسے ہی ایسا لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ وہ شاید اس کے چہرے کے تاثرات سے اسے حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے خوف کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے کوشاں تھا یا اس کی خفگی کو دور کرنے کے لیے جتن کر رہا تھا جو ابھی بھی آنکھوں میں جوں کی توں موجود تھی۔ وہ خاموش تھی اور اظل کو لگا تھا جیسے چاروں طرف سکوت چھا گیا تھا۔ اس کی غیر معمولی خاموشی اظل سہام مرزا کو خوفزدہ کر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں حین شاہ، میرے اندر بے شمار خامیاں ہیں۔ میں اندر سے ٹوٹا پھوٹا انسان ہوں..... میں جانتا ہوں مجھے تبدیلیوں کو تسلیم کر لینا چاہئے مگر میں اپنی من مانی کرنے کا عادی تھا نا کسی اور کی اجارہ داری کو قبول کرنے میں وقت لگ رہا ہے۔ جب یہ احساس سر ابھارنے لگے کہ کوئی چپکے سے دبے پاؤں آ کر دل کے تخت پر براجمان ہو کر حکمرانی جما چکا ہے تو یہ کافی کمزور لمحہ ہوتا ہے۔ آسانی سے دل تسلط میں آنا نہیں چاہتا۔ ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیتا ہے۔ میں جانتا ہوں خامیاں ہیں میں اور جتن کر کر کے روز تھک جاتا ہوں مگر نجانے کیسے چپکے سے پھر ایک نیا نقص میرے اندر آ کر اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور میں نا چاہتے ہوئے بھی غلطیاں کر دیتا ہوں۔ یا پھر یہ طے ہے کہ مجھ سے یہ طرز منافقت چھپانا ممکن نہیں ہے۔ لیکن لگتا ہے مجھے اپنا مزاج بدلنا ہوگا۔'' وہ مدھم لہجے میں نئے عزم کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''آپ عجیب و غریب داستانیں سنا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے لفظ تیز دھار تلوار کی طرح ہوتے ہیں۔ اندر تک گہرا گھاؤ لگاتے ہیں۔ آپ بہانے بنانا چھوڑ دیں۔ یوں Lame excuses دے کر کیا ثابت کرنا مقصود ہے؟ روشنی کے راستے پر رکاوٹیں کھڑی کر کے کیا سمجھتے ہیں آپ کہ اس کی راہیں مسدود کر چکے ہیں؟ اس کے واپسی کے راستے مسدود کر چکے ہیں؟ اگر آپ ایسا سمجھنے کی غلطی کر رہے ہیں تو یہ صرف ایک خام خیال ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ روشنی کا گزر چھوٹی چھوٹی درزوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ سب آپ روشنی کو کھو دیں گے اور اندھیرے اپنی جگہ بنا لیں گے۔ تب آپ کو کوئی سد باب کرنا بھی چاہیں گے تو نہیں کر سکیں گے۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہی تھی۔

''داستانیں تو اور بھی ہیں سنانے کو مگر کیا کروں وقت محدود ہے۔ چلو گھر چلتے ہیں۔ گھر چل کر جتنی چاہو باتیں سنا لینا۔ تب میں کچھ نہیں کہوں گا مگر اس طرح یہاں کھڑے ہو کر طنز کرنا چھوڑ دو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔۔

''بڑے پاپا سو رہے ہیں۔ میں ابھی نہیں جا سکتی ان کی اجازت کے بغیر۔'' اس نے انکار کیا تھا۔

''تمہارے لئے سارے آئین میں ترمیم کی گنجائش رکھی ہوتی ہے۔قانون اور کلیات تمہارے لئے بدلے جا سکتے ہیں۔میری پہلی اور اولین ترجیح تمہاری حفاظت ہے اور اس سے غفلت قطعی نہیں برت سکتا ہوں۔تمہاری ہر شکایت جائز ہے۔تم سارے حقوق محفوظ رکھتی ہو۔شکوہ کر سکتی ہو۔شکایتوں کے انبار لگا سکتی ہو۔میں تمام شکایات کا ازالہ کر سکتا ہوں۔تمہاری ہر بات بغور سنوں گا۔پوری توجہ تمہاری طرف ہی مبذول ہوگی۔اب چلو دیر ہو چکی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں درخواست کر رہا تھا۔

''تمہارے انکار کی کوئی وجہ نہیں بنتی حین شاہ میں بڑے پاپا سے بات کر چکا ہوں۔ان کی اجازت سے آیا ہوں۔''

اور حین شاہ نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔وہ متفکر تھی۔انکاری تھی اس کی بات ماننے سے جیسے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"It's humble request Hayyin Shah. Kindly accept my apology."

وہ مدھم لہجے میں آس بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔آج اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

حین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور پھر چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی۔وہ جان گیا تھا ناکامی مقدر بنتے بنتے رہ گئی تھی۔اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا اور اس کو جاتا ہوا دیکھا تھا۔اس کے دور جاتے قدموں کو گن رہا تھا۔مگر یہ اطمینان کافی تھا کہ وہ واپسی کے لئے گئی تھی۔اس نے اطمینان بھرا سانس لے کر کب کی رکی سانسیں بحال کی تھیں۔کوئی آیا تھا شاید گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی پھر تبھی کوئی چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔اس کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں نکل رہی تھیں اور اظل سہام مرزا نے روشنی میں اسے دیکھا تھا اور اس کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔تو حین کا خوف اسکے سامنے کھڑا تھا۔اظل کو وجہ صاف سمجھ آ گئی تھی۔

''اظل سہام مرزا تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی اس دہلیز پر قدم رکھنے کی؟ کس کی اجازت سے تم یہاں آئے ہو؟ تمہیں کوئی تمیز یا تہذیب چھو کر بھی نہیں گزری ہے۔رات کے اس پہر تم یہاں کھڑے ہو۔یہ شریفانہ حرکت تو نہیں ہے۔اس طرح کی حرکت کرتے ہوئے تمہیں سو بار سوچنا چاہئے تھا۔تمہارا یہ فعل نظر انداز کرنے کے قابل تو نہیں ہے۔اب چپ چاپ یہاں سے چلتے بنو۔تم جن ارادوں سے یہاں آئے ہو تو تمہارا وہ مقصد کبھی پورا ہونے نہیں دوں گا میں۔یہ بات سمجھ لو۔یہی تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ایک بار دھوکے سے میرے آسمان پر اپنا نام لکھ کر سمجھتے ہو کہ تم فتحیاب ہو گئے ہو؟ میرا آسمان صرف میرا ہی ہے۔تمہارا نام بادلوں کی اوٹ میں چھپ چکا ہے۔تم کوشش کرو گے بھی تو کامیاب نہیں ہو سکو گے۔'' وہ دھیما لہجہ دھمکی آمیز تھا۔اس کی آنکھوں میں چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

''عمیر شاہ غلط فہمیوں میں تو تم رہ رہے ہو۔تم بھول چکے ہو شاید، تمہیں یاد دلاؤں۔یہ زمین میری ہے اور آسمان بھی میرا ہے اور سلطنت بھی میری ہے اور محبت بھی میری ہے۔تم ایک مٹھی میں آسمان کو حاصل کر کے بھر لینا چاہتے تھے، آسمان کو ایک مٹھی میں مقید کر لینا چاہتے تھے۔یہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ آسمان تمہارے لئے متروک ہو چکا تھا۔وہ آسمان کبھی تمہارا ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ

جب ارتقاء کا عمل شروع ہوا تھا تو آسمان پر کسی اور کا نام لکھا جا چکا تھا۔ سو تمہاری اجارہ داری اس پر قائم کیسے ہو سکتی تھی۔ ایسا نہ ہونا تھا نہ ہوا تھا۔ میرے محبت کے بھرے آسمان پر صرف میری ہی اجارہ داری ہے۔ میرا ہی نام رقم ہے۔ اس وسیع آسمان کی وسعتوں کو ایک پنجرے میں بند کرنے کا سوچنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ محبت سے بھرا وسیع اور کشادہ پورا کا پورا آسمان صرف میرا ہے۔ اس پر نگاہ کرنے کی جسارت مت کرنا۔ یہ گستاخی تصور کی جائے گی۔ اس پر نگاہ کرنا تمہارے لئے ممنوع ہے۔ آسمان کو خوفزدہ کرنے کی سوچ رہے ہو کم فہمی ہے تمہاری۔ اپنے طفل ہونے کا ثبوت دے رہے ہو۔ مانا کہ دوسروں کی چیز پر نظر رکھنا تمہاری پرانی فطرت ہے مگر اپنی نگاہوں کو لگام دینا سیکھ لو اب۔ ورنہ نا یہ آنکھیں آسمان کی طرف دیکھنے کے قابل رہیں گی نا تم خود۔'' وہ مدھم لہجے میں پورے استحقاق رکھتے ہوئے اسے وارن کر رہا تھا۔

اور اس کی نگاہیں اس پر سے ہٹ کر ھین شاہ پر جم گئی تھیں اور وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتا ہوا اندر کی طرف قدم بڑھا چکا تھا۔

جس طرف سے ھین شاہ چلتی ہوئی آ رہی تھی اور اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے تھے۔ وہ چلتا ہوا اس کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اور اظل سہام مرزا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا کرنے لگا تھا۔

وہ غصے سے کھول کر رہ گیا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا فاصلوں کو لمحوں میں سمیٹ گیا تھا اور برق رفتاری سے چلتا ہوا ھین شاہ کے مدمقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

وہ جانے اسے کیا کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے بھر گیا تھا۔ وہ اس کی راہ مسدود کر کے کھڑا تھا۔ اظل سہام مرزا نے اس پر ایک کھولتی ہوئی نگاہ کی تھی اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر چلتا ہوا باہر کی جانب بڑھا تھا۔ ھین شاہ کا سرد ہاتھ اس کے ہاتھ میں کپکپا رہا تھا۔ وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔

اور تبھی جانے کیا سوچ کر چلتا ہوا ان دونوں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا یا پھر اس کا مقصد اظل سہام مرزا کو طیش دلانا تھا یا پھر وہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ رات کے اس پہر اسے لینے کے لئے پہنچ جائے گا مگر وہ آ گیا تھا اور نا صرف آ گیا تھا، اس کا ہاتھ تھام کر اسے لے جا رہا تھا۔

''تم ھین شاہ کو نہیں لے جا سکتے۔ اظل سہام ایک بات تمہیں سمجھائی ہے تو تمہیں سمجھ نہیں آ رہی ہے؟ تمہیں منع کیا ہے تمہیں سنائی نہیں دیتا؟ وہ تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔ تم اس کے ساتھ زبردستی ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسے اپنی مرضی سے جینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسے یہ فیصلہ کرنے دو۔ اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔'' مدھم لہجہ پر رعونت تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ آٹھویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

''تم شاید اپنی من مانی کرنا چاہتے ہو مگر یاد رکھو ہمارے گھر کی بیٹی کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں ہو سکتی۔ اس کو تنہا سمجھنے کی غلطی مت کرنا جیسے تم زبردستی نکاح کے کاغذات پر دستخط کر کے اسے اپنی فتح سمجھ رہے ہو۔

اپنی جیت پر یوں کامران سے ہو۔ تمہاری ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ آج یوں آدھی رات کو زبردستی اس کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضد کر رہے ہو جب کہ وہ تمہارے ساتھ جانے پر قطعی مائل نہیں ہے۔ تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ پاپا کی اجازت کے بغیر تم اسے کیسے لے جانے کے بارے میں سوچ بھی سکتے ہو؟'' وہ مدھم لہجے میں اسے تنبیہ کر رہا تھا۔

اور اظل سہام مرزا اس کی بات سن کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔ وہ اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر حیران تھا۔

''مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ کسی کے گھر بلا اجازت آنا غلط فعل ہوتا ہے اسی لئے میں نے آنے سے پہلے بڑے پاپا سے اجازت لے لی تھی۔ ان کی اجازت پا کر ہی میں ان کو لینے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو تم بڑے پاپا سے پوچھ سکتے ہو۔ پھپھو گھر آئی ہیں اس لئے حین شاہ کا وہاں ہونا ضروری ہے ایسی شرط پھپھو کی طرف سے آئی ہے اور ان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہ برسوں کے بعد گھر آئیں گی۔ بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور دلوں کی دوریاں مٹ جائیں گی۔ یہ صرف ان کی ہی وجہ سے ممکن ہو پایا ہے۔ اسی لئے انہوں نے ہی اس معاملے کو حل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک ثالث کے طور پر درمیان میں آئیں ہیں۔ جب شام میں ان سے بات ہوئی تھی تبھی میں نے بڑی امی اور بڑے پاپا سے بات کی تھی اور ان کی اجازت چاہی تھی اور دادا جان نے بھی باقاعدہ طور پر بڑے پاپا کے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ لیا تھا۔ صرف آج رات اور کل صبح کی بات ہے۔ کل بڑے پاپا آ کر حین کو واپس لے آئیں گے۔ اس لیے شادی تک تو حین شاہ کو یہی رہنا ہے نا اپنے بڑے پاپا کے ساتھ۔ اس لیے اگر آپ کو بات سمجھ میں آ گئی ہو تو راستہ چھوڑیئے۔ دیر ہو رہی ہے۔'' اظل سہام مرزا نے اسے تفصیلاً سمجھایا تھا۔

اور عمیر شاہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر نگاہیں حین شاہ پر ٹک گئی تھیں اور اسکی آنکھیں عجیب سے انداز سے اسے دیکھ رہی تھیں جیسے شکار کے نکل جانے پر پر ملال ہو گئی تھیں وہ آنکھیں.....

''عمیر شاہ تمہیں کس نے تحقیقات کرنے پر مامور کیا ہے جو آپ راستے سے ہٹ ہی نہیں رہے ہیں۔ اتنا زیادہ کنسرن شو کر کے آپ تو مجھے شک میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اظل ٹھیک کہہ رہے ہیں اور ویسے بھی میں ابھی بڑے پاپا سے مل کر آئی ہوں۔ تم ہمارے ذاتی معاملے میں مداخلت کرنے کی کوشش مت کرو۔ ہم اپنے مسائل کو خود بہتر طور پر سلجھا سکتے ہیں۔ آپ کو ضرورت کبھی نہیں پڑے گی۔ آپ برائے مہربانی ان معاملات سے دور ہی رہیں تو بہتر ہے۔ چلئے آپ.....!'' اس نے اس کو لاجواب کر دیا تھا۔ عمیر شاہ نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹ کر راستہ چھوڑا تھا۔ مصلحت پسندی کا تقاضا یہی تھا۔ وہ حین شاہ کے سامنے کوئی بدمزگی کری ایٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''آج آپ اس لڑکی کی وجہ سے صحیح سلامت اپنے قدموں پر چلتے ہوئے واپس جا رہے ہیں اظل سہام مرزا۔ سو اس کے لئے اس لڑکی کا شکریہ ضرور ادا کیجئے۔ ان کی بدولت آج آپ کو زندگی بخش دی ہے۔ کچھ دن آزادی سے جینے کی مہلت دی ہے۔'' اس نے رعونت بھرے لہجے میں کہا تھا اور پھر رکا نہیں تھا۔ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

''عمیر شاہ آپ شاید واقف نہیں ہیں آپ کا واسطہ کس سے پڑا ہے۔ شیر کی دھاڑ سے لوگ ڈر کر ادھر ادھر دبک جاتے ہیں۔ شیر کو پکارنے کا مطلب اپنی شامت کو آواز دینا ہے۔ سو ایسی غلطی کرنے کا کبھی سوچنا بھی مت ورنہ نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا اور عمیر شاہ کے چلتے قدم رک گئے تھے۔ اس نے چپ چاپ دیکھا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور اظل سہام مرزا حسین شاہ کی طرف متوجہ ہوا تھا اور پھر چلتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا۔ پھر دوسری طرف سے چلتا ہوا گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور پھر نگاہیں راستے پر ٹکا دی تھیں۔ پوری توجہ سڑک پر مبذول کر دی تھی۔

اور حسین شاہ کا دماغ الجھ گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر اس لمحے دونوں کو سامنے کھڑے بھڑتے دیکھ کر اس کا دل دہل گیا تھا۔ وہ کوئی نقصان نہیں چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے کسی کو زک پہنچے یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اسے قطعی قبول نہیں تھا۔ وہ دادا جان اور اسد انکل کے لیے اہم تھا اور عمیر بڑے پاپا کے لئے خاص تھا۔ اگر دونوں میں اختلافات بڑھ گئے تو..... اگر کچھ ہو گیا تو..... اس سے مزید کچھ سوچا نہیں گیا تھا یا پھر وہ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ایک خوف نے اندر کنڈلی مار لی تھی۔ وہ خوف جو دبک کر بیٹھ گیا تھا وہ پھر نکل کر سامنے آ گیا تھا۔ اس ڈر نے اسے پھر سے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ وہ ڈر کچھ مزید شدت سے حملہ آور ہوا تھا۔ خود سو گنا بڑھ گیا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر آنکھیں موند کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی سچ کیا تھا۔ کیا وہ جو اس نے عمیر کو بتایا یا پھر وہ صرف اسے ٹال رہا تھا یا پھر واقعی ممانی نے شرط رکھی تھی کہ اس کی موجودگی ان کے لئے ضروری تھی جب وہ گھر آئیں گی۔ اس کی سوچیں گنجل ہو رہی تھیں۔ سلجھنے کی بجائے مزید الجھ گئی تھیں۔ اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ اس نے پاکستان آ کر سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ اسے یہاں واپس ہرگز نہیں آنا چاہئے تھا۔ اسے اپنا گھر اور ماما پاپا کی یاد شدت سے آ رہی تھی۔ وہ کسی مشکل میں پھنس گئی تھی۔ کسی دلدل میں دھنستی جا رہی تھی۔ ''ماما پاپا آپ نے کیوں تنہا چھوڑ دیا مجھے.....!'' خود کلامی کی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی مگر ایک حتمی فیصلہ لے چکی تھی۔ اظل نے اس کی آواز پر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی خود کلامی نے سکوت کو توڑا تھا۔

''کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ پلیز آپ پریشان مت ہوں۔'' اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ اس نے سکوت کو توڑا تھا۔

حسین شاہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ ڈرائیونگ پر Concentrate کریں۔ میری فکر کرنا چھوڑ دیجئے آپ۔'' اس نے لاتعلقی سے کہا تھا

اور آنکھیں موند لی تھیں۔ اسے جلد از جلد اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانا تھا اور اظل سہام نے نگاہیں سڑک پر جما دی تھیں۔ گاڑی تارکول کی سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی اور اس کے چہرے پر تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ میلوں کے فاصلے صدیوں پر محیط ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جب چیزیں اچانک بدل کر ایک نئی ہیئت اختیار کر لیتی ہیں۔ اچانک سے تغیرات بہت سی تبدیلیوں کا سبب بن جاتے ہیں اور یہ اچانک رونما ہونے والی تبدیلیاں کسی آنے والے خطرے کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ یہ بدلاؤ ایک طرح سے اشارے ہوتے ہیں آگاہی کے در وا کر رہے ہوتے ہیں۔ در پردہ حقائق کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں کہ احتیاطی تدابیر کی جا سکیں۔ وہ بھی سمجھ گئی تھی، جان گئی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے اس کی زندگی میں اچانک جو ہلچل مچی تھی۔ اس نے اس کی پرسکون زندگی کو تہس نہس کر دیا تھا۔ ساری رات ایک کشمکش میں گزری تھی حالانکہ وہ حتمی فیصلہ کر چکی تھی مگر پھر بھی سوچوں نے مکڑی کا جالا بن دیا تھا۔ اس کی سوچوں کو ایک حصار میں مقید کر دیا تھا۔ ایک خوف کا حصار..... کھو دینے کا خیال اسے اندر ہی اندر مار رہا تھا۔ اس نے آزمایا تھا۔ وہ جن رشتوں سے محبت کرتی تھی جن کے بغیر جینا محال ہوتا ہے وہ انہیں رشتوں کو کھو چکی تھی۔ وہ مزید کسی نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے کوئی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے یہ اسے قطعی گوارا نہیں تھا۔ اسے صاف لگ رہا تھا اس کی وجہ سے حالات خراب رخ اختیار کرتے جا رہے تھے۔ مزید بدتر سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ آج کا دن شاید ایک فیصلے کا دن تھا۔ اسے سب کو آگاہ کرنا تھا۔ ان کو قائل کرنا تھا۔ اپنے دلائل سے ان کا احساس دلانا تھا جو وہ کرنے جا رہی ہے اسی میں سب کی بہتری تھی۔ اس نے ممانی کو کال ملائی تھی۔

''السلام علیکم ممانی جان..... کیسی ہیں آپ؟ آپ آ رہی ہیں نا؟ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ آپ نے یہ فیصلہ بروقت لیا ہے۔ اس وقت دادا جان اور دادی جان کو سب سے زیادہ آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ وہ آپ سے ملنے کے لئے بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ سے جدائی ان کے لئے سوہان روح تھی آپ اندازہ کر سکتی ہیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں ہر پل ایک درد کو چلتے پھرتے محسوس کیا ہے۔ ایک بیٹی سے بچھڑنے کا دکھ ایک کرب اور اذیت نے انہیں دن رات پریشان کیا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں ارد گرد مگر آپ کی کمی کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ اس دکھ کا مداوا کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ آپ سن رہی ہیں نا ممانی جان؟'' وہ دھیمے لہجے میں ناصح بنی ان کو سمجھا رہی تھی۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی اور وہ اندازہ کر سکتی تھی ان کے دل کی حالت کیا رہی ہوگی۔ وہ شاید رو رہی تھیں پھر دھیرے سے گویا ہوئی تھیں۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ وہ پل مجھ پر کس قدر بھاری تھے۔ حساب کروں، اعداد و شمار کو جمع کروں تو سیدھا خسارہ میرے حصے میں آیا تھا۔ میں نے ناکردہ گناہ کی اتنی طویل سزا پائی تھی۔ اپنی جنت سے نکالی گئی تھی۔ والدین سے دوری کو سہا تھا میں نے۔ پل پل مری تھی میں۔ اپنی تنہائی میں کھو گئی تھی۔ معید اور رامین کو نظر انداز کیا میں نے۔ نگاہیں ان چہروں کو دیکھنے کو ترس گئی تھیں جن کو دیکھ کر میں جیتی تھی جو میرے جینے کی وجہ تھے۔ میری زندگی تو ان رشتوں سے منسلک تھی۔ میری خوشیاں ان ہی سے جڑی ہوئی تھیں۔ تم اس کرب کا اندازہ نہیں

کر سکتیں جس تکلیف سے میں گزری ہوں۔ بابا جان کی نظر میں بے اعتبار ٹھہری تھی۔ میں ان نگاہوں کو آج بھی نہیں بھول سکتی۔ جب سوچتی ہوں تو راتوں کو بے چین ہو کر اٹھ جاتی ہوں۔ انہیں لگا تھا ارسلان کو میں نے انکار کیا تھا۔ انہیں لگا تھا میں نے ارسلان کو شادی کے لئے منع کر دیا تھا کیونکہ میں معید سے شادی کرنا چاہتی تھی حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ اس راز سے واقف نہیں تھے کہ میں نے محبت کو نہیں برتا تھا۔ میں جانتی تھی میں ارسلان سہام مرزا سے منسلک تھی جو میرا چچا زاد تھا۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی کسی اور کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ اور اس نے شاید میرے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ جب یونیورسٹی میں تھی جب اس کی نگاہ کسی کے چہرے پر ٹھہری تھیں اور پلٹ کر واپس ہی نہیں آئی تھیں۔ اور ان نگاہوں کے ساتھ اس کا دل بھی کسی اور کا ہو گیا تھا۔ محبت نے اس کے دل پر اپنا تسلط جما لیا تھا اور جب گھر میں ہماری شادی کی بات چل رہی تھی۔ ہماری تعلیم ختم ہوتے ہی شادی کی تاریخ رکھی جا رہی تھی۔ وہ میرے پاس آیا تھا اور اس نے جو کہا تھا وہ مجھے آگاہی دینے کے لئے کافی تھا۔ مجھے حیرت زدہ کر دینا اگر اس کا مقصد تھا تو وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تھا اور میں کتنی ہی دیر تک حیران بیٹھی رہ گئی تھی جب اس نے کہا تھا۔

''میں تم سے شادی نہیں کر سکتا تم اس شادی کے لئے منع کر دو۔ کیونکہ مجھے کبھی تم سے محبت نہیں رہی۔ رشتہ ہونے کے باوجود کوئی احساس درمیان نہیں ہوا۔ کوئی جذباتی وابستگی نہیں محسوس ہوئی۔ میں شاید بابا جان کی وجہ سے شادی کر بھی لیتا اور نباہ بھی لیتا۔ شاید ہماری زندگی اچھی اور کامیاب گزر بھی جاتی مگر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ میں جانتا ہوں تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم کسی بھی شخص کی زندگی کو خوشحال بنا دو گی۔ اس کے گھر کو جنت بنا دو گی۔ تم سمجھدار ہو بابا جان تمہاری بے حد تعریف کرتے ہیں۔ وہ تمہیں اپنی بیٹی کی طرح ہی محبت کرتے ہیں مگر..... شاید کچھ مہینوں پہلے تک مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ شادی کرنی تھی وہ کوئی بھی ہو سکتی تھی تو بابا جان نے اگر تمہیں چنا تھا تو اور اگر اماں کو تم اچھی لگتی تھیں تو مجھے کیونکہ اعتراض ہو سکتا تھا مگر چند ماہ پہلے جب میں نے کسی اور کو دیکھا تو اس چہرے پر میری نگاہ بندھ گئی تھی۔ پلٹ کر واپس آنا بھول گئی۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، دلائل دیئے، وضاحتیں دیں مگر دل کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ کوئی بھی تاویل اس کو قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ میں تمہیں کوئی دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ تمہیں اس راز سے آگاہ کرنا ضروری تھا جس سے میں خود بھی واقف نہیں تھا۔ مجھے کتنے ہی دن لگ گئے اس احساس کو کوئی نام دینے میں۔ میں نے بارہا تمہیں سوچنے کی کوشش کی تھی مگر میں اپنی سوچوں کو تمہاری طرف راغب نہیں کر پایا۔ دل و دماغ پر اب ایک ہی چہرہ ثبت ہو گیا ہے۔ نگاہ کسی اور طرف جاتی ہی نہیں تھی۔ سوچ کسی اور طرف پلٹی ہی نہیں ہے۔ میں اس کشمکش سے تھکنے لگا ہوں۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ منافقت کروں۔ جھوٹ کے سہارے زندگی کا آغاز کروں۔ مجھے نہیں پتا میں اس محبت سے مل بھی پاؤں گا یا نہیں مگر میں تمہیں کسی دھوکے میں رکھ کر خود کو مجرم نہیں بنا سکتا۔ بابا جان اور اماں کو دکھی نہیں کرنا چاہتا مگر کیا کروں۔ دکھی تو وہ تب بھی ہوں گے جب تم دکھی ہو گی۔ میری زندگی ایک عجیب دوراہے پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ تمہارے پاس اس لیے چلا آیا ہوں کہ شاید تم سمجھ سکو۔ کوئی راستہ دکھا دو۔ میں بابا جان اور

اماں کو انکار نہیں کر سکتا۔ مگر شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ سوچتا بھی ہوں تو دل رکنے لگتا ہے۔ زندگی کو سمجھوتے کی نذر نہیں کر سکتا۔ تمہارا گناہ گار ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں نے آرمی میں اپلائی کیا تھا۔ میری انٹرویو کال آ گئی تھی۔ میری سلیکشن ہو گئی ہے۔ اگلے ہفتے چلا جاؤں گا۔ وہ روایتوں میں بندھی ہوئی ہے وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔ مگر یہ عجیب سا کھیل ہے محبت کا۔ محبت شاید ایسے ہی بے بس کر دیتی ہے۔ چاروں طرف سے راستے بند کر کے محصور کر دیتی ہے اور بے بسی کی تصویر بنا کر مطمئن سی آگے بڑھ جاتی ہے اور ایک اور بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ محبت صرف پانے کا نام ہی نہیں ہے۔ کھو دینے سے بھی محبت کا احساس باقی رہتا ہے۔ اندر تک سرایت کر کے تنہائی کو مقدر کر دیتا ہے۔ یہ تنہائی بھی شاید ایک سزا کی طرح ہے۔ تمنائیں ہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ جانتا ہوں کچھ ممکن نہیں ہو سکتا پھر بھی اُمید ہوتی ہے کہ تم میرا ہونے کا نام لے کر سمجھوتہ کرنے کا سوچ نہیں سکتیں مگر کرو گی تو غلط ہو گا۔ میں تمہاری اور اپنی زندگی سے کھیلنا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں مجھ سے الگ ہو کر تم ایک پرسکون زندگی گزارو۔ خدشات اور وسوسوں سے پاک زندگی جس میں کوئی ڈر کوئی خوف تمہیں ہراساں نہ کرے۔ کوئی خوف گھات لگا کر نہ بیٹھا ہو کر کب تمہاری زندگی میں داخل ہو کر اپنے پنجے گاڑ لے۔ کوئی خدشہ زندگی کے پرسکون سمندر میں اچانک طغیانی برپا نہ کر دے۔ در پردہ میں تم سے مخلص ہوں اس لئے تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ اسی لیے تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تمہیں دکھی کرنے کا مطلب ہے تایا جان کو دکھی کرنا، بابا جان کو اماں اور تائی جان کو دکھی کرنا۔ میں کتنے سارے لوگوں کو دکھی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ جب یہ رشتہ طے ہوا تھا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا مگر اب اعتراضات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ وجوہات کا شمار نہیں۔ وضاحتیں دے بھی دوں گا تو تمہیں یہ مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں ہو گا یہ میں جانتا ہوں مگر دل کو مار کر اس کے مخالفت نہیں مول لے سکتا۔ اس کو ناخوش نہیں کر سکتا۔ اس کو حقیقی کبھی نہیں ملے گی نا ہی تمہیں خوشی محسوس ہو گی۔ ایک ایسے دل کے ساتھ..... ایک ایسے شخص کی ہمراہی میں جسے ساکت دل کے ساتھ رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ وہ دل جو کسی اور کی محبت میں دھڑک رہا ہے۔ جس کے دھڑکنے کی وجہ کوئی اور ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟ تو میں سمجھوں تم اس شادی سے انکار کر دو گی؟ میں شاید کمزور ہو گیا ہوں۔ تم مجھے بزدل کہہ سکتی ہو۔ مگر کیا کروں اپنوں کی محبت شاید یوں ہی کمزور کر دیتی ہے۔ تم اچھی دوست ہو۔ اگر ہو سکے تو اپنے دوست کو معاف کر دینا۔ جانے کب لوٹ کر آؤں گا اور کیا خبر کبھی ملاقات بھی ہو گی یا نہیں..... مگر ایک بات تو جان گیا ہوں شاید میری محبت راستے بدل گئی ہے۔ میری محبت مجھے نہیں مل سکتی تو وہ محبت مجھے نئے راستے روشناس کرا گئی ہے۔ میرے راستوں کو منزل کی سمت موڑ گئی ہے۔ میں اپنے ملک کے لیے کام آ جاؤں میرے لیے یہ باعث فخر ہو گا۔ میں جو بنا سمت کے چل رہا تھا، بنا منزل کے بھٹک رہا تھا۔ اب میں ایک مقصد کے لیے جیوں گا۔ اس محبت کو دل میں رکھ کر اپنے وطن کی حفاظت کرنے میں جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کروں گا۔ میرے لئے دعا کرنا اگر مجھے شہادت نصیب ہو، اگر شہادت کا مرتبہ حاصل کر سکوں۔ اپنے ملک کے لئے میری جان کام آئے گی تو اس سے بڑھ کر میرے لیے کوئی بات نہیں ہو گی۔ میں نے بابا جان اور اماں کو بتا دیا ہے۔ وہ حیران تھے میرے اس فیصلے پر لیکن خوش تھے کہ میں نے ایک اچھا فیصلہ لیا۔ انہیں تو کوئی امید نہیں تھی کہ میں آرمی جوائن

کرنے کا سوچ بھی سکتا ہوں۔'' وہ بولتے بولتے شاید تھک گیا تھا۔ چند لمحوں کے لئے رکا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرا اطمینان تھا۔

میں نے اس سے پوچھا تھا مگر مجھے میری آواز خود ہی اجنبی لگی تھی۔ کتنی ہی دیر تو مجھ میں کچھ بولنے کی سکت ہی نہیں تھی۔

''آپ نے چاچا جان اور چاچی جی کو شادی نہ کرنے کے بارے میں بتا دیا ہے؟ کون تھی وہ لڑکی؟ کیا میں اسے جانتی ہوں؟'' میں نے بمشکل ہمت کر کے پوچھا تھا۔

اور اس کا جواب سدا کی طرح حیران کر دینے والا ہی تھا۔

''تم اسے جانتی ہو یا نہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اسے مجھ سے محبت نہیں ہے یہ زیادہ ضروری ہے۔ یہ محبت کی عجیب فطرت ہوتی ہے۔ انجان راستوں پر چلنا شروع کر دیتی ہے بغیر کسی نتیجے کی پرواہ کئے۔ کسی کی ہدایت کو ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتی نا کسی کے مشورے کو مانتی ہے۔ سر پھری سی ہوتی ہے۔ مغرور اور تمکنت سے سر اٹھائے چلتی رہتی ہے۔ من مانی کرنا اس کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ کسی کی سنتی ہے نا مانتی ہے۔ کسی کے مشورے کو اہمیت نہیں دیتی ہے اور سوال کا جواب۔ میں نے ابھی ان کو اس بارے میں نہیں بتایا وہ چاہتے ہیں میں شادی کر کے جاؤں مگر یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔'' اس نے پرسکون لہجے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور رکا نہیں تھا چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ اور میں جان گئی تھی وہ بوجھ مجھ پر ڈال گیا تھا اور اسی شام میں چلتی ہوئی اماں کے کمرے میں گئی تھی۔ بابا جان گھر پر موجود نہیں تھے شاید۔ ساری ہمتیں جو مجتمع کی تھیں جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ اماں مجھے حیران سے نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ میرے چہرے سے پریشانی شاید بھانپ گئی تھیں۔ عین شاہ بھی حیران ہوئی تھی تب یہ مائیں اندر تک کیسے پڑھ لیتی ہیں۔ انہیں دل پر لگے سارے گھاؤ کیسے دکھائی دے جاتے ہیں۔ وہ دل پر رقم ساری تحریر ایک جست میں کیسے پڑھ لیتی ہیں۔ اپنے بچوں کا دکھ بنا ایک لفظ کہے کیسے جان لیتی ہیں اور ان کی گود میں سر رکھ کر میں نے سارا دل کا درد بہا دیا تھا اور مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ بس دو لفظ کہے تھے۔

''اماں مجھے ارسلان سہام مرزا سے شادی نہیں کرنی۔'' میں نے سہم کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر خفگی نمایاں ہو گئی تھی۔ انہوں نے اچانک میرے سر پر رکھا ہاتھ یوں اٹھا لیا تھا جیسے کرنٹ لگا ہو۔ ان کو مجھ سے ایسے کسی عمل کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ انہیں امید نہیں تھی کہ میں کبھی یوں انکار کرنے کی ہمت کر پاؤں گی۔ ایسا کبھی ہونے کی توقع کرنا بھی محال تھا مگر میں کہہ کر رکی نہیں تھی۔ تیزی سے اپنے کمرے سے واپس لوٹ آئی تھی مگر میری ساری مجتمع ہمتیں جواب دے گئی تھیں تب میں ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

''پھر کیا ہوا تھا ممانی جان؟ دادا جان کو پتا چلا تھا تو انہوں کیسا برتاؤ کیا تھا؟ وہ تو بہت خائف ہو گئے ہونگے؟''

''ہاں اسی شام جب وہ گھر واپس آئے تھے تو اماں نے انہیں بتا دیا تھا۔ ان کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان کی پیاری لاڈلی بیٹی کبھی ان کے فیصلے کے خلاف بھی جا سکتی تھی۔ وہ میرے کمرے میں آئے تھے، خاموشی سے مجھے دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ وہ کڑے مراحل سے گزر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ چہرے پر دکھ کے آثار واضح تھے۔

''کون ہے وہ؟ اسے بلاؤ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ شادی اسی ہفتے ہوگی اسے کہو اپنے والدین کو بھجوا دے۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا کر رکے نہیں تھے اور میں حیرت کدوں میں ڈوب گئی تھی۔ میں کس کو بلاتی اور کیوں۔ میں ساکت کھڑی تھی۔ بابا جان کو لگا تھا میں کسی کو پسند کرتی تھی اور میں نے ان کے بھروسے کو توڑا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اس اعتبار کو ٹوٹنے کا درد تھا اور ان کے اس درد نے مجھے اندر تک مار دیا تھا۔ میرے دل کو ساکت کر دیا تھا۔ میں نے دروازے کی پشت سے ٹیک لگائی تھی اور پھر وہیں فرش پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کس کو بلاؤں۔ میری زندگی میں تو کوئی بھی نہیں تھا مگر بابا کی غلط فہمی کو دور کرنے کی سکت نہیں تھی مجھ میں اور نہ ہی حوصلہ کہ ان کے سامنے جا کر کھڑی ہو کر ان کو تفصیل سے آگاہ کرتی۔ ان کی غلط فہمی کو دور کرتی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

اورھین شاہ کو ان کا درد اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان کے گرتے آنسوؤں کو محسوس کر رہی تھی۔ ان کو بے آواز روتے ہوئے فیل کر رہی تھی۔

''ان لمحوں میں نے جانا انسان لمحہ لمحہ کیسے مرتا تھا۔ پل پل مرنے کی اذیت کیا ہوتی ہے مگر مجھے ان کو بتانا تھا کہ کوئی نہیں ہے۔ میں نے ان کو بتایا تھا مگر انہوں نے میرا یقین نہیں کیا تھا۔ میری بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔'' وہ دھیمے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''تمہیں کیسے بتاؤں حین میرے بچے۔ میں یادوں کا قبضہ کھول رہی ہوں اور میں خود کو ان لمحوں کی اذیت میں محسوس کر رہی ہوں۔ میں ان گزرے پلوں کو سوچ رہی ہوں۔ میں اس نگری میں دوبارہ سانس لے رہی ہوں جہاں سے میرا خمیر اٹھا تھا۔ وہ لمبے دن اور خوبصورت راتیں تھیں جو ان پیاروں کے ساتھ گزری تھیں۔ کچھ باتیں پھولوں جیسی تھیں۔ وہ جادو بھرے قصے تھے۔ بابا جان سے کہانی سننا سب اچھا لگتا تھا۔ خود کو ان کہانی کا کردار محسوس کرتی تھی۔ اب جب اس گلستان میں لوٹ آنے کے لئے قدم بڑھانے کا سوچ رہی ہوں۔ وہ خوشبو جیسے لمحے مجھے شدت سے یاد آتے ہیں۔ بابا جان سے خفا ہونا، اماں کو مجھے کوسنا، وہ پل بھر کی ناراضگیاں، وہ مصنوعی خفگی جو لمحوں میں زائل ہو جاتی تھی، وہ خوبصورت احساس جب پل بھر میں ماں مسکرا دی تھی اور جب وہ روٹھے تھے تو ان کو منانے کے لئے میں بھرپور کوشش کی تھی مگر ناکام رہیں۔ ان کی غلط فہمی کو دور نہیں کر سکی تھی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''پھر کیا ہوا تھا؟ معید ماموں سے شادی کیسے ہوئی تھی؟ ان کا رشتہ کیسے آیا تھا؟ تب دونوں خاندان آپس میں ملتے تھے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ متجسس تھی جاننے کے لئے۔

وہ میرے ساتھ ہی پڑھے تھے۔ ہماری کبھی زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ ایک عجیب سا کھنچاؤ تھا۔ ایک تناؤ تھا ہمارے درمیان۔ میرے وہ نرم خو تھے۔ ہمیشہ احترام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ تہذیب یافتہ تھے۔ اقدار سے واقف تھے۔ انہیں جانے کب اور کیسے خبر ہوئی تھی ان حالات کی۔ یا پھر وہ ایک محض اتفاق تھا۔ ان کا رشتہ انہی دنوں آیا تھا۔ یا یوں کہوں کہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی اور تایا جان کی

رسوائی ہو رہی تھی۔ یہ احساس مجھے اندر تک مار رہا تھا۔

انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے ان کا رشتہ قبول کر لیا تھا۔ وہ سمجھے تھے شاید ان کا رشتہ میرے کہنے پر آیا تھا۔ انہوں نے کڑی سے کڑی ملا کر اس اتفاق کو سچ سمجھ لیا تھا اور سزا کے طور پر ایک ہفتے کے اندر اندر میری شادی ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے فرض کو ادا کرنے کے بعد میرے لیے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے تھے۔ مجھ سے سارے تعلق اور واسطے توڑ لئے تھے۔ مجھے کڑی سزا سنائی گئی تھی۔ کالے پانی کی سزا سے بھی بڑھ کر۔ اس سزا سے بڑی کوئی سزا نہیں ہو سکتی تھی جب میرے جان سے عزیز رشتوں نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا اور معید بہت اچھے تھے وہ جان گئے تھے۔ انہوں نے میرا دھیان رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر دل کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ میرا دل میرے رشتوں کی محبت کے لئے تڑپ رہا تھا۔ میرا یہاں رہنا محال لگ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو ٹھہر گئے تھے۔ تب معید نے فیصلہ کیا کہ ہم بیرون ملک چلے جائیں۔ ان یادوں سے دور کہیں جہاں میں خوش رہ سکوں۔ ان کا خیال تھا اگر میں یہاں رہتی تو مزید تکلیف ہی ہوتی۔ وہ میری تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے تایا جان کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔ اور میں جانتی تھی ان کا فیصلہ اٹل تھا۔ وہ اپنی بات سے نہیں ہٹے تھے۔ آج بھی جب میں وہاں آنے کا سوچ رہی ہوں تو میرا دل کئی گنا تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ میری ٹانگیں لرز رہی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

اور حین شاہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا پھر ان کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''ممانی جان وہ سب بے تابی سے آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ وہ آپ کی محبت کو واپس لوٹا دیں گے جس کی آپ حقدار ہیں۔ اسی مان کے ساتھ آپ کو اس گھر میں وہی مقام ملے گا جو سالوں پہلے تھا۔ ان کی ساری محبت پر آپ کا حق ہے۔ جلدی سے آ جائیں۔ اس گھر کے مکینوں کے دل اور گھر کے دروازے آپ کے لئے وا ہو چکے ہیں۔ اور سوچئے انہوں نے ایک بے بس اور لاچار انجان لڑکی کو اتنی محبت دی، اتنا پیار دیا، اتنا مان اور عزت دی۔ سوچئے آپ تو پھر اس گھر کی بیٹی ہیں۔ ان کی لاڈلی اور چہیتی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔ اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر اٹھی تھی اور واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ ان کے دکھ پر وہ بھی روئی تھی۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے تھے اور پھر کندھوں پر دوپٹہ درست کرتے باہر کی طرف بڑھی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ارے تم اٹھ گئے میرے بچے۔ اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' دادی جان نے شفقت بھرے انداز میں پوچھا تھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا یا دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں دادی جان۔ آپ خوش ہیں نا۔ سالوں بعد گھر کی رونق دوبالا ہونے والی ہے۔ خوشیاں آج اس گھر پر دستک

دینے آرہی ہیں۔ بس اندر داخل ہونے کی اجازت درکار ہے انہیں۔ میری بات ہوئی ہے ممانی جان سے وہ آرہی ہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں اطلاع دی تھی۔ ان کے پرنور چہرے کی طرف دیکھا تھا جس پر اس لمحے حقیقی چمک نمایاں نظر آرہی تھی۔ ایک اطمینان ان کی آنکھوں میں سرایت کر چکا تھا۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہی ممکن ہوا میرے بچے..... تمہارے قدم مبارک ثابت ہوئے اس گھر کے لئے تم آگئی اور خوشیاں اپنے ساتھ باندھ کر لے آئیں۔ تم اس گھر میں داخل ہوئیں تو رونق ہوگئی تھی۔ خوشی کی گٹھڑی تم نے اپنے سر پر رکھی ہوئی تھی۔ تبھی تو کہتے ہیں بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں۔ اللہ کا کرم ہوگیا ہم پر۔ اس کو یہ نیکی بھا گئی اور اس کی نگاہ کرم ہم پر ہوگئی۔ میری بچی کو مجھ سے ملا دیا۔ سالوں بعد دل کو قرار آنے والا ہے۔ آنکھوں کو سکون ملنے والا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے صدیوں سے اسے نہیں دیکھا۔ دل اس کو گلے لگانے کو مچل رہا ہے۔ انتظار کی چند گھڑیاں بھی برداشت کرنا محال لگ رہا ہے۔ مجھے تو لگ رہا ہے گھڑی کی سوئیاں رک گئی ہیں۔ جیسے ساکت ہوگئی ہیں۔ حالانکہ ان آنکھوں کو انتظار کی عادت تو سالوں سے پڑی ہوئی ہے مگر اب تو انتظار کی گھڑیاں گننے کی سکت نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''تم چھوڑو ان سب باتوں کو یہ بتاؤ تم اپنے ارسلان چچا سے ملی ہو۔ اظل کے چچا ہیں میجر ارسلان۔ کل ہی آئے تھے سالوں بعد۔ تم نے اس گھر میں قدم رکھے تو گویا خوشیوں کے در وا ہوگئے ہمارے لئے تو۔ برسوں کے بچھڑے رشتے مل رہے ہیں۔ دلوں سے کدورتیں ختم ہوگئی ہیں۔ تم نے تو گھر کی فضا میں ایک مٹھاس سی بھر دی ہے۔ تمہارے دادا جان تو بے حد بدل گئے ہیں۔ انہوں نے جس نرمی سے کل ارسلان کی باتیں سنی تھیں اور اس کے سچ بتا دینے سے وہ ایک شاکڈ کی سی کیفیت میں آگئے تھے۔ ان کے لئے انکشافات برداشت مشکل ہوگیا تھا۔ ان کا BP قدرے بڑھ گیا تھا۔ انہیں اپنی پیاری بیٹی سے کی گئی ناانصافی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا مگر ان کا قصور تو ہرگز نہیں تھا۔ واقعات نے مل کر اس طرح کی شکل اختیار کر لی تھی وہ ایک ہی کڑی کا حصہ لگ رہے تھے۔ پھر غلط فہمی کا شکار ہو جانا تو فطری سی بات تھی اور ویسے بھی وہ اپنی بیٹی سے ایسے کسی عمل کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ وہ تو اسے بے حد معصوم سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ زمانے کے سرد گرم سے ناآشنا تھی۔ اندر سے خوفزدہ ہوگئے تھے۔ کیا ہوگا وہ کیسا لڑکا ہوگا ہماری بیٹی کا خیال رکھ بھی پائے گا یا نہیں۔ والدین اسی خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ فطری عمل ہے۔ وہ بیٹی سے نہیں ان کی قسمت سے ڈرتے ہیں۔ اس کی اچھی قسمت اور اچھے مستقبل کے لئے دعا گو ہوتے ہیں۔ ان کی بہتری کے لئے فیصلہ کرتے ہیں مگر اللہ کا لاکھ شکر ہے ساری غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں۔ شاید ہماری بیٹی کا جوڑ معید کے ساتھ ہی لکھا ہوا تھا۔ ہم نے اللہ کی رضا سمجھ کر یہ فیصلہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس کو قبول کرنا بہتر ہی ثابت ہوا۔ آج وہ اپنے گھر میں سکھی ہے۔ وہ اس کا بے حد خیال رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک اولاد دی ہے۔ رامین بہت پیاری اور سمجھدار بچی ہے اور چھوٹو تو کتنا پیارا سا ہے نا۔ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ رامین سے زیادہ تو وہ تمہاری مانتی ہے۔'' وہ محبت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اسے تفصیل سے آگاہ کر رہی تھیں اور اسے لگا تھا چند گھنٹوں میں اس کی غیر موجودگی میں کتنے سارے واقعات رونما ہوگئے تھے۔ کتنی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوگئی تھیں

اور یہ ٹھیک ہی تو تھا۔ تبدیلیاں تو اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہوگئی تھیں اور مزید ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی ابھی تو اسے ان سب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا تھا۔ سب کو قائل کرنا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ اتنا آسان تو نہیں ہونا تھا مگر پھر بھی وہ اس مشکل مرحلے سے نکلنے کی بھرپور سعی کرنے والی تھی۔ دادی جان اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں شاید تبھی وہ کسی آنے والے کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

''اٹھ گئے تم۔ آج اتنی دیر کیسے کر دی تم نے۔ تم تو صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہو نا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا اور ھین شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ وہ آنے والا بالکل اسد انکل جیسا ہی تھا۔ ان سے ملتا جلتا چہرہ تھا۔ وہ اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے تھے۔ بردباری سے، اونچے لمبے، آنکھوں میں ایک خاموشی اب بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ دھیمے سے گویا ہوئے تھے۔ دادی جان سے بات کرتے ہوئے کتنا مؤدب سا لہجہ تھا ان کا۔

''نہیں تائی اماں میں تو حسب معمول صبح سویرے ہی اٹھ گیا تھا۔ برسوں کی عادت ایک دن میں کہاں بدل سکتی ہے۔ میں مارننگ واک پر گیا تھا اظل کے ساتھ۔ پھر فارم ہاؤس پر چلے گئے تھے۔ تھوڑا پولو کھیلا وقت کا اندازہ ہی نہیں ہو پایا۔ یہ اپنا اظل تو بہت کمال کا گھڑ سوار ہے۔ آج تو اس نے مجھے ریس میں ہرا دیا۔ تو مجھے لگا میں شاید بوڑھا ہو گیا ہوں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ان سے بات کرتے ہوئے ھین شاہ کی طرف پلٹے تھے۔

''یہ اظل کی دلہن ہے نا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

اور ھین شاہ نے ان کو سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم چچا جان۔'' اس نے مؤدب سے انداز میں کہا تھا۔

''جیتی رہو بیٹا۔ اظل نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ ماشاء اللہ اظل تو بہت خوش قسمت ہے۔ میری دعا ہے تم دونوں خوش رہو۔'' وہ مدھم لہجے میں دعا گو تھے۔

''شکریہ چاچا جان۔'' اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

''اپنوں کو شکریہ نہیں کہتے بیٹا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''ارسلان تم ناشتے کی ٹیبل پر پہنچو میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔'' دادی جان نے کہا تھا اور ارسلان مرزا نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور پھر چلتا ہوا ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔

''بیٹا تم بھی جاؤ میں ناشتہ لگوا رہی ہوں۔ اظل بھی وہیں ہے۔'' انہوں نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے ایک بات پوچھنا بھول ہی گئی میں۔ تمہاری نانی جان کی طبیعت اب کیسی ہے۔ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟ مجھے جانا تھا ان کی خیریت دریافت کرنے مگر پھر اچانک ہی ارسلان آ گیا ہے تو حیران رہ گئی تھی اس کی آمد پر۔ میں نے کبھی توقع نہیں کیا تھا کہ ایسا بھی ہو

جائے گا۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''نانی جان اب بہتر ہیں دادی جان۔ وہ آپ کو سلام دے رہی تھیں۔ وہ بتا رہی تھیں وہ آپ کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ وہ آپ کی بچپن کی دوست ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں عرصہ بیت چکا ہے شاید آپ ان کی یاداشت میں بھی نہیں ہونگی۔'' وہ ان کو بتا رہی تھی اور نفیسہ بیگم حیران سی دیکھ رہی تھیں۔

''ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اب تو میں ان سے ملنے کو بے چین ہوگئی ہوں۔ آج کا دن تو اچھے سے گزر جائے پھر کل انشاء اللہ ضرور ان کو دیکھنے جاؤں گی۔ پھر ساری پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی۔ اتنا تو اس دن بھی سمجھ گئی تھی۔ وہ جو بھی ہیں بے حد سمجھدار ہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں یاداشت کو کھنگالا تھا۔

''تم ذرا اظل کی پھوپھی کو ایک بار فون کر کے پوچھو کہاں رہ گئی ہیں۔ تم سے تو ان کے دوہرے رشتے ہو گئے ہیں نا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''جی دادی جان میں ابھی پوچھتی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتی ہوئی ممانی جان کو کال ملانے لگی تھی۔ دادی جان کچن کی طرف بڑھی تھیں۔ ان کی ہدایات پر ملازمین کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا وقت آجاتا ہے جب کونوں کھدروں میں چھپی ہوئی یادیں اچانک نکل کر سامنے آجاتی ہیں اور چاروں طرف ان یادوں کا ہجوم سا لگ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

ممانی جان نے آخر کار اس دروازے کے اندر قدم رکھ دیئے تھے۔ ان کی آنکھیں سمندر ہو گئی تھیں۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی سہام مرزا کی طرف بڑھی تھیں جو بازو وا کیے کھڑے تھے اور وہ ان کے کھلے بازوؤں میں سما گئی تھیں۔ برسوں کے آنسو اپنا راستہ بنا چکے تھے۔ رقت آمیز منظر تھا۔ خوشی اور دکھ ملال کا ملا جلا احساس تھا۔ آپ نے مجھے پرایا کر دیا..... میرے لیے اس گھر کے.....اس جنت کے دروازے بند کرے مجھے کڑی سزا سنائی تھی بابا جان۔ آپ تو جانتے تھے نا میں اس سزا کو جھیل نہیں سکتی تھی۔ مجھ میں اتنی سکت تھی نا ہی حوصلہ تھا۔ پھر آپ نے مجھے یہ کالا پانی کی سزا کیوں سنا دی۔ میری سکت سے بڑھ کر بڑی سزا سنا کر میری زندگی امتحان کی صورت کر دی۔ یہ جلاوطنی کا ٹنا کس قدر دشوار رہا تھا میرے لئے۔ آپ کو کیسے بتاؤں۔ پل پل مرنے کی سزا ایک بار مرنے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ جسم تو زندہ رہتا ہے مگر دل پل پل مرتا ہے۔ حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس کرب سے گزری ہوں میں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اسد سہام مرزا کے دل کو کسی نے جیسے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''مت روؤ میری جان تمہیں خود سے جدا کر کے میں نے خود بھی تو سزا بھگتی ہے۔ جس تکلیف کو تم نے جھیلا ہے اس سے کئی گنا زیادہ

تکلیف دہ احساس سے میں بھی گزرا ہوں اور تمہاری ماں نے بھی اس درد کو سہا ہے مگر اب کوئی بات کو دہرانا نہیں جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تو صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔ ہو سکے تو اپنے بابا جان کو معاف کر دو۔'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

اور وہ نفیسہ بیگم کی طرف بڑھی تھیں اور حسین شدت کا دل شدت سے بھر گیا تھا۔

''میری جان..... میری بچی..... میری تو آنکھیں ترس گئی تھیں..... میری ماہ نور..... تمہارے بغیر میری تو دنیا سونی تھی۔ ساری خوشیاں ادھوری تھیں۔ میری تو آنکھیں تجھے دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔ یہ دل شاید اسی آس میں دھڑک رہا تھا کہ جانے کب تم سے ملاقات ہو جائے۔ تم یہاں آئیں اور گھر تک نہیں آئیں غیروں کی طرح ہوٹل میں ٹھہری تھیں۔ دل تم سے ملنے کو بے چین تھا۔ ایک ایک پل گن گن کر گزارہ تھا میں نے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں اب تو موت بھی آجائے تو کوئی غم نہیں ہے۔ میری آنکھوں کا نور میرے دل کا چاند مجھے آکر مل گیا ہے۔ باقی کی سانسیں سہل ہو جائیں گی۔ سکون سے گزر جائے گی۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''اماں جان میں نے بھی ایک پل سکون سے نہیں گزارا آپ کو ہر لمحہ یاد کیا۔ آپ سب کے بغیر زندگی بے رنگ تھی۔ خوشیاں میری زندگی سے کہیں دور چلی گئی تھیں۔ آپ کے سینے پر سر رکھا تو لگا میں زندہ ہوں۔ اپنے جینے کا مقصد سمجھ میں آنے لگا ہے۔ اس دل نے سزا جھیلی ہے۔ اماں آپ سے دوری اس دل کو قبول نہیں تھی۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ آنکھوں سے سمندر رواں تھے۔ دل کا درد آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہہ رہا تھا۔

''چپ ہو جاؤ میرے بچے۔ اب کوئی دکھ کوئی غم نہیں ہے۔ کسی دکھ کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ خوشیاں تمہارے لئے بانہیں پھیلائے کھڑی ہیں۔ اب مسکرا دو تم یوں روتے ہوئے قطعی اچھی نہیں لگ رہی ہو اور اس ارین کو دیکھو تمہیں روتا دیکھ کر پریشان ہو گیا ہے۔ کیسے حسین کے ساتھ چپکا کھڑا ہوا ہے۔ کتنا سہم گیا ہے۔ اس نے کبھی تمہیں اس طرح روتے نہیں دیکھا ہو گا۔ اس کا ڈرنا فطری عمل ہے۔ بس اب بچوں کو مزید پریشان نہ کرو اور مسکرا دو۔'' نفیسہ بیگم نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھیں۔

اور ماہ نور اسد کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھیں۔

بھائی آپ کا شکریہ جو آپ نے مجھ پر بھروسہ کیا اور میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ آپ کا واحد سہارا تھا میرے پاس اور یہ آپ کی بدولت ممکن ہوا کہ میں زندہ رہی۔ یہ سانس لینے کی وجہ آپ ہی تھے بھائی جو آپ مجھ سے ملتے رہے۔ مجھے دلاسہ دیتے رہے۔ آپ نے کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا۔ آپ میرا حوصلہ بنے رہے ہمیشہ۔'' وہ بولتے بولتے تھکنے لگی تھیں اور اسد سہام مرزا نے اس کے آنسو صاف کیے تھے پھر پیار سے ڈپٹا تھا۔ وہ جانتے تھے ان کی لاڈلی بہن کس قدر حساس تھی۔

''بس اب یہ رونے کا سلسلہ موقوف کر دو۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا ایک دن تم عزت اور مان کے ساتھ اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھو گی اور اس گھر کے اور اس کے مکینوں کے دل کے دروازے بھی تمہارے لیے کھل جائیں گے۔ سو وہی ہوا۔ دیکھا

میں غلط نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے اس کا سبب حین شاہ بن گئیں۔ مگر یہ خوش آئند پیش رفت ہوئی ہے۔ اس کے آتے ہی سارے بگڑے کام بن گئے ہیں۔ سارے الجھے کام سلجھ گئے ہیں۔ برسوں کی کدورتیں جو دلوں کو پھپھوندی لگا کر ان پر کائی کی دبیز تہہ بچھا دی تھی وہ کائی کی تہہ اب ہٹ گئی ہے۔ ساری کدورتیں دھل گئی ہیں اور صاف اور شفاف ہو گئے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہے تھے۔ ان کے لہجے میں اپنی بہو کے لیے پیار بول رہا تھا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں بھائی میں آپ سے متفق ہوں۔ پوری طرح آپ کے ساتھ ہوں اور اس بات کی حمایت کرتی ہوں۔ حین شاہ بے حد اچھی بچی ہے۔ شایان شاہ اور حسنہ نے اس کی تربیت بے حد اچھی طرح کی ہے۔ سارے اچھے خواص بھر دیئے ہیں انہوں نے اپنی بیٹی کے اندر۔ اللہ اسے زندگی کی حقیقی خوشیوں سے روشناس کرے اور اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ اظل نہایت ہی سعادت مند ہے۔ نہایت غیر جانبدار اور سمجھدار بچہ ہے۔ دونوں کی جوڑی مثالی ہوگی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ابھی بھی دیکھ لیجئے۔ ان کا ذکر آتے ہی تم روتے سے مسکرا دی ہو۔ ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے کیسی اچھی سی مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا ہے تمہارے چہرے کا۔'' اظل کی مما نے بھی حصہ لیا تھا جواب تک خاموش کھڑی ہوئی تھیں۔

''وہ دونوں مجھے بے حد عزیز ہیں بھابھی جان۔ یہ تو اچھی بات ہے میں ان کی خوشیوں میں شرکت کر سکوں گی۔ حین میری بیٹی ہے۔ اس کی طرف سے سارے فرائض میں پورے کروں گی۔ اپنی بچی کی چھوٹی سی چھوٹی رسم کو بھی نظر انداز نہیں کروں گی اور ان دونوں کی دائمی خوشیوں کے لئے بھی دعا مرے لبوں پر ہوگی۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور حین اپنے والدین کے ذکر پر آبدیدہ ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھر گئی تھیں۔

بہت ساری آوازیں ایک ساتھ بازگشت کر رہی تھیں۔ وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔ ان یادوں کی بازگشت ان کے کانوں میں مسلسل گونج رہی تھی۔

''شایان شاہ کیوں لے جاتے ہو تم میری بیٹی کو اپنے ساتھ ہائکنگ کے لئے۔ دیکھو کتنی چوٹ لگی ہے اسے۔ تم جانتے ہو نا میں اس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ میرا دل کتنی تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ دھڑکنیں معمول پر نہیں آ رہی ہیں۔ تم تو ایک دن مجھے مار دو گے اپنے اس ایڈونچر کے چکر میں۔ خود تو میری ایک نہیں سنتے اس کو بھی اپنے جیسا ہی بنا دیا ہے تم نے۔'' وہ خفگی سے شایان شاہ کو ڈپٹ رہی تھیں اور حین شاہ کو بینڈیج کر رہی تھیں جو باپ کے ساتھ ہائکنگ کے لئے گئی تھی۔ اس کا پاؤں پھسلا تھا اور اس نے ایک ہاتھ چٹان پر رکھا تھا۔ کوئی تیز نوکیلی چیز اس کے گلوز کو کاٹتی ہوئی اس کے ہاتھ کو زخمی کر گئی تھی۔ وہ ابھی پرسکون انداز میں بیٹھی اپنی ماں کے فکرمند چہرے کو دیکھ رہی تھی جو شایان شاہ کو ڈپٹ رہی تھیں۔ حالانکہ تب تو پاپا کی بھی جان پر بن گئی تھی مگر اس گھڑی ماما کی ڈانٹ مسکراتے ہوئے سن رہے تھے۔

''ارے تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ میرے ہوتے ہوئے میری بیٹی کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایک ہلکا سا زک بھی نہیں پہنچنے دوں گا اپنی

بیٹی کو۔تم تو جانتی ہو نا میری بھی جان بستی ہے اس میں۔ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ تو تم دونوں ہی تو ہو نا۔ پھر میں اپنے اثاثے کو کوئی زک پہنچنے کیسے دے سکتا ہوں۔تم فکر کرنا چھوڑ دو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا پریشان مت ہوا کرو۔تم تو میری ہمت ہو۔ میرا حوصلہ ہو۔تم میری زندگی کا محور ہو۔ اگر تم پریشان ہو گی تو میرا سکون بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔تم ایک بہادر شوہر کی بیوی ہو اور ایک بہادر بیٹی کی ماں ہو۔ تمہیں فکر میں گھلتا نہیں دیکھ سکتا میں۔ میں اپنی بیٹی کو مشکلات سے لڑنا سکھانا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا اگر کبھی ہم اس کے ساتھ نہ ہوں تو یہ گھبرا جائے یا خوفزدہ ہو کر اپنے بڑھتے قدم روک لے۔ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دے۔ اگر ایسا ہوا تو ہماری ہار ہو گی نا حسنہ۔تم سمجھ رہی ہو نا۔ اسے خطرات سے لڑنا آنا چاہئے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج اگر ہم اس کے ساتھ ہیں اگر کل کو میں نہ رہا تو.....؟'' وہ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے جذباتی ہو گئے تھے۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آج آپ؟ کیا ہو گیا شایان شاہ.....؟ سب ٹھیک تو ہے نا..... میں پہلے ہی ڈری ہوئی ہوں اس لمحے اور تم نے مجھے اور بھی خوفزدہ کر دیا ہے ایسی باتیں کر کے۔ آئندہ ایسی کوئی بات مت کرنا ورنہ.....!'' حسنہ شاہ نے غصے سے شایان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

ورنہ ان کو ایک دن کے لئے تمنا بی بی کے ہاتھ کا کھانا کھانا پڑے گا اور آپ پورا دن کچن کا رخ نہیں کریں گی۔ بس یہ طے ہو گیا ان کو اس کے لئے سزا ملنی چاہئے چچی جان۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔'' وہ اندر داخل ہوا تھا اور ہمیشہ کی طرح اسے صورت حال جاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ تبھی اس نے سزا سنا کر معاملے کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شایان چچا کو تمنا بی بی کے ہاتھ کا کھانا بالکل پسند نہیں تھا اور وہ حسنہ چچی کے ہاتھ کے بنے کھانے کے علاوہ کچھ اور کھانا پسند نہیں کرتے تھے اور عفان ضیاء ہاشمی کی بات سن کر حسنہ مسکرا دی تھیں اور ان کو مسکراتا دیکھ کر حسین شاہ اور شایان شاہ بھی مسکرا دیئے تھے۔

''عفان کے بچے.....تم بھی دشمنوں کی ٹیم میں شامل ہو گئے ہو۔ یہ کڑی سزا تمہارے دماغ کی ہی چالاک سوچ ہو سکتی ہے مگر یاد رکھو کام تو تمہیں مجھ سے پڑے گا۔ پھر آنا تم میرے پاس۔ سارے بدلے گن گن کر لوں گا۔'' انہوں نے عفان کی طرف دیکھتے ہوئے دھمکی دی تھی۔

''آپ کو بعد میں منا لوں گا مگر ابھی تو چچی جان کے ہاتھ کی کافی اور مفن کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اس کے لئے ان کا موڈ اچھا ہونا ضروری ہے ورنہ کھانا بنے گا نہیں اور آپ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بھوکا رہنا پڑے گا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔'' اس نے رازداری سے کہا تھا۔

''تم ان کے ساتھ کیا راز و نیاز کر رہے ہو۔ تم میری طرف ہو نا۔ پھر ان سے بات کرنا ضروری نہیں ہے۔ تم بیٹھو میں تم دونوں کے لیے کچھ کھانے کو بنا کر لاتی ہوں۔'' انہوں نے عفان کو ڈپٹا تھا اور پھر حسین شاہ کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''اور تم یہاں سے ہلنا بھی نہیں۔ اپنی ماں کو تکلیف میں دیکھ کر تمہیں اچھا لگتا ہے۔ جانتی ہو نا تمہیں چوٹ لگتی ہے تو درد مجھے ہوتا ہے۔ تمہاری آنکھ سے ایک آنسو بھی نکلتا ہے تو سیدھا میرے دل پر گرتا ہے۔ میرا دل تھم جاتا ہے۔'' بولتے ہوئے ان کی آنکھیں پھر بھر آئی تھیں۔ وہ اتنی ہی حساس تھیں اور حالات نے انہیں مزید کمزور کر دیا تھا۔

''ماما..... مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ پہلے ہی سب کالج میں کہتے ہیں کہ میں ماما زکڈ ہوں۔ آپ کی مرضی کے بغیر تو ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہلتی ہوں۔ جو آپ کا حکم میری سویٹ ماما۔ مگر پاپا کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے ضد کی تھی ان کے ساتھ جان کی تو ان کو لے جاتے ہی بنی۔ کتنے عرصے بعد آج گئی تھی نا ماما شاید اسی لئے پوری توجہ نہیں لگا سکی۔ اور ساری غلطی اس عفان کے بچے کی ہے۔ جو ابھی آپ کی طرف داری کر رہا ہے۔ یہی لے کر گیا تھا مجھے۔'' اس نے عفان کا نام لے لیا تھا۔ ماں کی توپوں کا رخ اس کی طرف مڑا تھا اور مسکراتے ہوئے ماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھایا تھا پھر ان کے آنسو صاف کئے تھے۔

''ماما آپ تو میری اور پاپا کی طاقت ہیں نا۔ پوری دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ آپ کو دکھی کرنا مقصود نہیں تھا اور اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے تو آپ کی بیٹی کو کوئی فرق نہیں ہوگا۔ آپ کی بیٹی تو آپ کی طرح بہادر ہے نا اور یہ چھوٹا سا زخم ہے یوں چٹکیوں میں بھر جائے گا۔ اس کیلئے پریشان ہونگی تو عمل اس درد سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ آپ جانتی ہیں نا۔'' وہ مدھم لہجے میں ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں سب جانتی ہوں مگر مجھے آج بھی یاد ہے جب تم تین سال کی تھیں تو تمہارے گھڑ سواری کے لئے لے کر جاتے تھے۔ سخت سردی تھی۔ برف کے سفید گالوں نے زمین پر سفید تہوں کو بچھا دیا تھا۔ تم گھوڑے کی لگام پکڑ کر سڑک پر چل رہی تھیں تبھی اس دوڑ میں تمہارے پیر الجھ گئے تھے اور تم گر پڑی تھیں اور میں اور تمہارے پاپا بھاگتے ہوئے تم تک پہنچے تھے۔ تمہارے ماتھے پر چوٹ لگی تھی اور میرا دل کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ اسی لئے میں ان کی ایڈونچرس فطرت سے ہمیشہ سے خائف ہوں۔ مگر یہ میری سنتے ہی نہیں۔ میرے خدشات کو سمجھتے ہی نہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھیں۔

''حسنہ تمہارے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں میں سمجھ سکتا ہوں۔ ہماری اکلوتی بیٹی ہے جس قدم تمہیں عزیز ہے مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں اسے سب کچھ سکھا دوں۔ ماہر بنا دوں اپنی طرح۔ تم جانتی ہو اپنی بیٹی کی چھوٹی سی تکلیف پر میں بھی راتوں کو اٹھ کر اسے بارہا دیکھتا ہوں۔ تڑپ اٹھتا ہوں اس کے لئے۔ اس دن بھی میں اس کے ساتھ تھا۔ وہ اچانک ٹریک سے اتر گئی تھی اور لگام کی رسی اس کے پیروں سے الجھ گئی تھی۔ گھوڑا بے حد سمجھدار تھا۔ وہ اس کے لئے رکا رہا تھا وہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس کو معمولی چوٹ آئی تھی مگر تمہارا رو رو کر برا حال تھا۔ تم سے تو برداشت نہیں ہو رہا تھا اور تمہارا اس طرح رونا مجھے ملال میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیح بیان کر رہے تھے۔ اسے تفصیلاً آگاہ کر رہے تھے۔

اوران کو بے چین دیکھ کر حسنہ کا دل بے چین ہو گیا تھا۔انہیں احساس ہو گیا تھا کہ سخت رویہ روا رکھا تھا انہوں نے.....حالانکہ جانتی تھیں وہ بھی بیٹی کے لئے اتنا ہی Possessive تھے۔

''چلئے آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔کب سے انتظار کر رہی تھی۔صبح سے کچھ نہیں کھایا میں نے بھی۔میرا دل جانے کیوں بے چین تھا۔گھبرا رہا تھا اور میری جان کو چوٹ لگ گئی۔اسی لئے تو کہتی ہوں ماں کا دل آگاہ کر دیتا ہے آنے والی پریشانیوں سے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کے خدشات کو بیان کر رہی تھیں۔

''ارے واہ یعنی آپ نے چچا جان کو معاف کر دیا۔آپ نے ان کی سزا بھی معاف کر دی۔اب ان کو تمنا بی بی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھانا پڑے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

''عفان سدھر جاؤ تم.....تم بی جمالو کا کردار ادا کرنے کے لئے آ گئے ہو یہاں۔میری پیاری سی ماما کو ورغلا رہے ہو۔میرے پاپا کے خلاف کر رہے ہو۔سزا تو تمہیں ملنی چاہئے۔تمہارے کافی اور مفن پر پابندی لگ چکی ہے۔چلتے بنو تم۔'' حسین شاہ نے عفان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے دھمکایا تھا۔

اور عفان ضیاء ہاشمی نے مسکین سی صورت بنا کر چچی جان کی طرف دیکھا تھا۔

''دیکھئے چچی جان آپ کی ریاست میں مجھ سے ایسا ناروا سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔مجھے ایک طرح سے بے عزت کر کے اس گھر سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے جو اچھا فعل قطعی نہیں ہے۔میں نے آپ کا ساتھ دینے کی کوشش کی تھی۔اس طرفداری کی اتنی کڑی سزا۔یہ تو سراسر ظلم ہے چچی جان۔میں اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا ہوں۔ایک تحریک چلاؤں گا۔جب تک کہ یہ سزا واپس نہیں لی جاتی۔'' وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا اور اس کے بے چارگی والے لہجے پر وہ مسکرا دی تھی۔

اور اس نے دھیان نہیں دیا تھا کوئی چپ چاپ چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔وہ شاید اب بھی مسکرا رہی تھی۔

''میں حیران ہوں کوئی ایسا ہے جس کی سوچ آپ کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کا سبب بن سکتی ہے۔ایسا کچھ دن پہلے بھی ہوا تھا جب آپ کی آنکھوں میں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی اور پھر اچانک ہی آپ مسکرا دی تھیں۔کسی کے خیال نے آپ کا چہرہ روشن کر دیا تھا۔یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے برستی بارش اچانک رک جائے اور سورج نکل آئے۔جیسے دھوپ نے تمہارے چہرے کو روشن کر دیا ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے نکال لائی تھی۔وہ کب سے اس کی نگاہوں کے حصار میں تھی۔جب ماہ نور پھپھو رو رہی تھیں تب وہ بھی اتنی ہی شدت سے رو رہی تھی اور اس کا ہر گرتا آنسو اظل کے دل پر گر رہا تھا۔وہ جانتا تھا اسے والدین کی یاد آ گئی تھی جب ماہ نور پھپھو نے ذکر کیا اس کے والدین کا تو تب اس سے وہاں کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا اور وہ تیزی سے چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی اور اظل کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا اور پھر چلتا ہوا اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔شاید یادیں اس پر اپنا تسلط جما چکی تھیں۔وہ اتنی

مگن تھی کہ اس کی آمد سے بے خبر رہی تھی۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ موسم اچانک بدل گیا تھا۔ وہ بظاہر تو گلاس وال کے پاس کھڑی تھی مگر خود ذہنی طور پر غیر موجود تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کا احساس نمایاں تھا مگر اچانک وہ کسی بات سے مسکرا دی تھی۔ کسی بات نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''آپ کب آئے؟ آئی ایم سوری میں وہاں سے چلی آئی۔ دراصل میں چاہتی تھی وہ قیمتی لمحات وہ ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں۔ مدتوں بعد یہ منظر دیکھنے کو ملا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ سب کس قدر خوش تھے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتی ہوئی موضوع بدل چکی تھی۔

''ہاں اچانک ہی سب کچھ بدل گیا ہے اور اس کا اثر موسم پر بھی ہو گیا ہے شاید۔ تم رو کیوں رہی تھیں۔ ماما پاپا کی یاد آ رہی ہے نا۔ میں جانتا ہوں، سمجھ سکتا ہوں۔ اس احساس کو تمہاری آنکھوں میں روز دیکھتا ہوں۔ یہ تکلیف تمہاری آنکھوں میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ جیسی آج ہو گئی تھی اور تم وہاں سے نکل آئی تھیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مگر آپ کو کیسے پتا چلا آپ تو چچا جان سے باتوں میں مصروف تھے نا؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''بے دھیانی میں بھی تمہارا دھیان رہتا ہے۔ میں کہیں بھی مصروف رہوں مگر تم سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ تمہارا خیال ہر پل ستاتا رہتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انکشافات کر رہا تھا۔ حمین نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کو تو ہر بات کی خبر ہوتی ہے نا تو پھر ایک بات بتائیے۔ لوگ مر کیوں جاتے ہیں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عجیب سوال تھا۔

اور اظل سہام مرزا کو لگا یہ اس دنیا کا مشکل ترین سوال تھا جو اس سے پوچھا گیا تھا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

''جب ممی کی ڈیتھ اچانک ہوئی تھی تو تب میں نے یہی سوال پاپا سے پوچھا تھا اور آج وہی سوال میں نے تمہاری زبان سے سنا ہے تو مجھے حیرت نہیں ہوئی ہے۔ تب میں ان سوالوں کے جواب نہیں جانتا تھا۔ میں کم فہم تھا۔ خرد طفل کی طرح سوچتی تھی۔ محدود سوچ تھی۔ سوچوں میں وسعت نہیں تھی۔ بس میں ہر حال میں ممی کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا تو میں نے جانا۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔ جو آیا ہے اس نے جانا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل یہ زندگی دائمی نہیں ہے۔ یہ سوال مجھے تب بھی اتنا ہی پیچیدہ لگا تھا جتنا آج لگ رہا ہے۔ اس کا جواب کل بھی میرے پاس نہیں تھا تب میں کم فہم تھا مگر جب شعور آ گیا ہے۔ خردمندی نے سر اٹھا لیا ہے اب بھی یہ سوال اتنا ہی دقیق لگ رہا ہے۔ جو جواب مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس دکھ کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ مگر صبر آ جاتا ہے وقت ان تمام زخموں کو بھر دیتا ہے۔ ان رشتوں کی کمی کو کوئی اور پورا نہیں کر سکتا مگر ہمیں اس کمی کے ساتھ زندگی گزارنا پڑتا ہے۔ یہ دکھ ہر پل اندر ہی اندر مارتا رہتا ہے مگر ہمیں جینا پڑتا ہے

اس دکھ کر چھپا کر۔ یہ تم اگر یوں روؤ گی، پریشان رہو گی تو ماما پاپا کی روح کو تکلیف ہو گی۔ تو تم چاہتی ہو کہ ماما پاپا کی روحوں کو تکلیف ہو؟ وہ تو تمہیں روتا ہوا کبھی نہیں دیکھ سکتے نا..... پھر اب کیسے۔ کچھ رشتے مر کر بھی مرتے نہیں ہیں۔ ہر پل ہمارے اندر جیتے رہتے ہیں۔ ہماری سوچوں میں۔ ہمارے خیالوں میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ دور رہ کر بھی۔ ہم سے دور رہ کر بھی ہمارے دل میں بستے ہیں۔ وہ بھی ہر پل تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کی دعائیں اب بھی تمہارے اردگرد ایک ہالہ بنائے ہوئے ہیں جو تمہیں ہمیشہ محفوظ رکھتی ہیں۔ ہر عتاب سے بچاتی ہیں۔ ہر افتاد کے آنے سے پہلے ہی تمہارے اردگرد ایک حصار بنا کر تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔ ماں باپ کی دعاؤں میں بے حد طاقت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے اچھی طرح ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ اور اس کے لفظ حسین شاہ کے دل پر اثر کر رہے تھے۔ اس کے لفظ جیسے جلتے پر پھائے کا کام کر رہے تھے۔ اپنی تاثیر دکھا رہے تھے۔

''مگر جانے والے یہ کیوں نہیں جانتے کہ وہ جائیں گے تو لوٹ کر کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ ان راہوں پر جاتے ہیں جن سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ وہ کیوں نہیں جانتے کہ ان سے جڑے رشتوں کو کس کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیسی اذیت کو سہنا پڑتا ہے۔ وہ ایک بار نہیں ہر بار مرتے ہیں۔ ہر روز ان کا دل لحہ لحہ مرتا رہتا ہے۔ یہ لمحے جاں گسل ہوتے ہیں۔ جو سوچنا بھی محال لگتا ہو وہ ہو جاتا ہے تو سالوں دل بے یقینی میں بسر کر دیتا ہے مگر دل کو اس کے ہونے کا یقین ہی نہیں آتا۔ جیسے مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے جب میں لوٹ کر گھر واپس جاؤں گی تو سب پہلے جیسا ہی ہو گا۔ کاش کہ ایسا ہو جائے۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔ ناممکنات میں سے ہے ایسا ہونا مگر دل کی عجیب خواہشوں میں سے ایک شدید ترین خواہش یہ بھی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنے دل کا درد اس کے سامنے کھول رہی تھی اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا جب وہ اپنی بات کر رہی تھی۔ اپنے خدشات کو بیان کر رہی تھی اور اظل سہام مرزا اس کے لہجے میں چھپا درد محسوس کر رہا تھا۔ ان کا درد مشترکہ تھا اور اظل کو لگ رہا تھا یکا یک فضا میں اچھی تبدیلی آئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی اور کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جانا تو فطری عمل تھا۔ وہ خوش تھا وہ اس پر بھروسہ کرنے لگی تھی تبھی تو اپنا دل اس کے سامنے کھول دیا تھا۔ وہ بولتے بولتے شاید تھک گئی تھی پھر چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تھے۔ گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ وہ شاید خود کو پوچھنے کے لئے تیار کر رہی تھی اور وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ وہ دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''میں چاہتی ہوں.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی اور اظل بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا وہ کیا چاہتی تھی۔

''کیا چاہتی ہو تم؟ بولو حسین شاہ' تم ایک بار کہہ کر دیکھو اور میں اس کو ممکن کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔ ہر ممکن طریقے سے اس کو پورا کرنے کی سعی کروں گا چاہے اس کے لئے مجھے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔'' اس مدھم لہجے میں اضطرابی تھی مگر ایک عزم بول رہا تھا اس کے پرجنوں لہجے میں ہر ناممکن کو ممکن کرنے کا۔

''میں چاہتی ہوں کاش ایسا ممکن ہوتا کہ اس دنیا میں کوئی ایسا خطہ ہوتا جہاں تمام ناممکنات کا ہونا ممکن ہوتا۔ ایک ایسا شہر جہاں

چاروں طرف پھول ہی پھول ہوتے۔ خوشیاں ہی خوشیاں ہوتیں۔ رنگ ہی رنگ ہوتے اور دور دور تک کسی دکھ اور تکلیف کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ جہاں کوئی موت نہ ہوتی۔ جہاں کوئی قبرستان نہ ہوتا اور جہاں کبھی کسی قبر پر روبن پرندہ بیٹھا نہ ہوتا اور اگر میرا بس چلتا تو تمام دکھوں کی راہیں مسدود کر دیتی۔ ان کی راہیں بند کر کے ان کے راستے بند کر دیتی۔ زندگی کے گرد خوشیوں اور کامرانیوں کا پہرہ لگا دوں تا کہ دکھ کبھی یہ محاصرہ توڑ کر اندر داخل نہ ہو سکیں۔ جہاں کبھی کچھ کھونے کا خدشہ نہ ستائے۔ جہاں وسوسے دل کو ہراساں نہ کریں مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ مگر سوچوں کا کیا ہے وہ تو بھٹک جاتی ہیں کچھ بھی نہیں سوچتیں۔ حقیقت کو جھٹلانے کی بھرپور سعی کرتی ہیں۔ کبھی کبھی سوچیں یونہی باغی ہو جاتی ہیں۔ حقیقت کو رد کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں مگر.....!'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ دل کی خواہشوں کو زبان دے رہی تھی۔

''کیا کوئی ایسا خطہ ہو سکتا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جانتے ہو کیا اظل سہام مرزا میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایسا کاغذ کا ایک شہر بناؤں جیسے میں نے اپنے سکول کے پروجیکٹ میں بنایا تھا۔ جب میں 5th grade میں پڑھتی تھی۔ میں نے سمندر بھی کاغذ کا بنایا تھا۔ اس میں طوفان نہیں آتے تھے۔ اس میں کشتیاں بھی نہیں ڈوبتی تھیں۔ انسان بھی کاغذ کے تھے اور ان کے دکھ بھی کاغذ کے تھے جو ہوا کے ساتھ اڑ جاتے تھے۔ اس میں کوئی قبرستان نہیں بنایا تھا میں نے کیونکہ وہ کاغذ کے انسان مرتے ہی نہیں تھے۔'' وہ مدھم لہجے میں حکایتیں بیان کر رہی تھی۔ کیسے عجیب انکشافات تھے جو وہ راز کھول رہی تھی۔

''ایک دن بارش ہو رہی تھی میں پاپا کے ساتھ تھی جب میں نے دیکھا ایک کوا بجلی کوندنے سے یا پھر کسی چیز سے ٹکرانے سے اچانک ہی گر گیا تھا اور زمین پر گرتے ہی وہ مر گیا تھا۔ اس کے گرنے اور مرنے کی خبر تمام کوؤں کو نجانے کیسے ہو گئی تھی وہ کوے لمحوں میں جمع ہو کر اس کے اردگرد منڈلانے لگے تھے۔ وہ گہرے دکھ اور کرب سے گزر رہے تھے۔ وہ اس کے قریب جا کر اسے ہلانے کی کوشش کر رہے تھے جیسے اسے جگا رہے تھے۔ متحرک کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر اسے نہیں اٹھنا تھا اور نہیں اٹھا تھا۔ میں ان کی یکجہتی دیکھ کر حیران تھی۔ کیونکہ تب وہ میرے لیے سمجھنا مشکل تھا مگر اب مجھے لگتا ہے واقعی انسان کتنی دکھ اور تکلیف سے گزرتا ہے مگر کسی دوسرے انسان کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ فوراً بھاگ کر اس سے پوچھنے نہیں آیا کہ اس انسان کو کس نے تکلیف پہنچائی۔ وہ اس تکلیف پہنچانے والے انسان کو کچھ نہیں کہے گا مگر وہ معصوم پرندے اچانک ہی جان گئے تھے بغیر اس پرندے کے بتائے۔ ان کو آگاہی مل گئی تھی اور وہ ادھر ادھر دیکھ کر تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کے ساتھی کوے کو کس نے مارا تھا اور پاپا بتا رہے تھے کہ وہ کوے Investigation کرنے میں ماہر تھے۔ اگر ان کو پتا چل جائے کہ کسی انسان نے ان کے ساتھی کو مارا ہے تو وہ اسے کبھی معاف نہیں کرتے۔ اس کے سر پر چونچیں مارتے ہیں۔ جب بھی جہاں بھی نظر آ جائے وہ جمع ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا انتقام تب تک ختم نہیں ہوتا جب تک وہ اس سے بدلا نہیں لے لیتے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کوئی داستان سنا رہی تھی۔

''وہ خوف کو سمجھتے ہیں۔ پاپا نے بتایا وہ ایک مرتبہ شکار کے لیے گئے تھے۔ انہوں نے جنگل میں Camp لگایا تھا۔ پرندے

بندوق کو دیکھ کر ان کے قریب آنے سے گریز کر رہے تھے۔ انہوں نے بریڈ کے چند ٹکڑے وہاں رکھ دیئے تھے اور پھر انہوں نے بندوق کو ایک طرف رکھ دیا تھا تبھی وہ اڑتے ہوئے آئے تھے اور بریڈ کے ٹکڑے کھانے لگے تھے اور ان کے خوف کی وجہ وہ بندوق تھی۔ وہ جان گئے تھے وہ ہتھیار ان کے لئے خطرناک تھا اور وہ خطرے کو بھانپ جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تبھی تو ہم جب Scary Crow کھیتوں میں لگاتے ہیں کیونکہ ہم ڈرتے ہیں پرندے آکر ان کی فصل کو برباد نہ کر دیں اور ان کو ڈرانے کے لئے ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے ایک Scary Crow فصلوں کے درمیان کھڑا کر دیتے ہیں اور پرندے اس سے ڈر کر فصل کو خراب کرنے سے گریز کرتے ہیں اور وہ خطرے کو بھانپ جاتے ہیں اور انہیں کی طرح اندیشے تو مجھے بھی ستانے لگے ہیں۔ مجھے بھی ایک آنے والے خطرے کا احساس بے چین کر رہا ہے۔ اور میں بھی اس خطرے سے بچنے کیلئے یہاں سے دور چلی جانا چاہتی ہوں تاکہ احتیاطی تدابیر کر سکوں۔ کوئی سدباب کر سکوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ خدشات کو بیان کر رہی تھی اور اظل سہام مرزا حیران سا اس کے خدشات کو سن رہا تھا۔ اس کا دل ایک عجیب سے احساس میں گھر گیا تھا۔ وہ معصوم سی لڑکی کو کتنے وسوسے ستا رہے تھے۔ اسے کتنے اندیشوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ ازالہ کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ کیسے اس کو دور کر سکتا تھا۔ اس کی سوچوں نے ایک الجھا ہوا جال بننا شروع کر دیا تھا۔ سلجھنے کے بجائے مزید الجھتی چلی جا رہی تھیں۔ تو کیا وہ اس پر اعتبار کرنے لگی تھی جو اس گھڑی اس پر دل کے راز کھول رہی تھی۔ جو اسے خدشات سے آگاہی دے رہی تھی جو جاننے کی جستجو کرتے ہوئے ہارنے لگا تھا۔ اس نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں تو ایک لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔ وہ اس کو سن رہا تھا جیسے دنیا کی سب سے قیمتی داستان کو لفظوں میں ڈھال رہا تھا۔

''تو میں سمجھ لوں تمہیں مجھ اعتبار آنے لگا ہے یا پھر یہ آغاز ہے۔ تو تمہیں سبھی ان معصوم پرندوں کی طرح لگنے لگا ہے کہ میں تمہیں کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔ تمہیں لگنے لگا ہے کہ میں بے ضرر ہوں۔ جیسے ان پرندہ کو لگا تھا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ یقین دہانی چاہتا تھا۔

''میں نے فلائٹ بک کروالی ہے۔ میں کل واپس جا رہی ہوں۔ آج کا دن ہے اور بہت سارے کام کرنے کو باقی ہیں۔ آپ کی مدد کی ضرورت آن پڑی ہے۔ میں نے جنت بی بی کی بیٹی کو بلایا تھا۔ اس سے بات کرتی ہے۔ وہ میٹرک پاس ہے۔ انٹر کے امتحانات کی تیاری کر رہی ہے۔ ذہین لڑکی ہے۔ اور زہرہ بی بی کی بیٹی بھی اس کے ساتھ ہی انٹر کے امتحانات کی تیاری کر رہی ہے۔ دونوں اسکول میں پڑھانے کے لئے تیار ہیں اور زہرہ بی بی نے خواتین کو جمع کیا تھا۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے۔ وہ لڑکیوں کو سلائی کڑھائی، دستکاری سکھانے کو تیار ہیں۔ میرا خیال ہے وہ یہیں سے ہیں ان کو نمائندگی ملے گی تو ان بچوں کی بہتری کے لئے اچھا کام کر سکیں گی۔ ان میں سے کتنے ہی بچے ڈاکٹر، انجینئر اور اسکالر بنیں گے۔ ان کی ذہانت اور صلاحیتوں کو نکھر کر سامنے آنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ان کا

حوصلہ بڑھانا ہوگا۔انہیں ایک پلیٹ فارم دینا ہوگا۔تب آپ دیکھئے گا ان کو اونچی اڑان بھرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔پھر کسی کے پاس جواز باقی نہیں رہے گا کہ ان کی راہیں روک سکے۔میرا شاید اس آپ کا سب سے زیادہ نقصان ہوگا۔آپ کو اپنی ملازمین کی فوج سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ان میں مستقبل میں کمی واقع ہو جائے گی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی یا پھر طنز کر رہی تھی وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

مگر وہ تو کچھ اور سن ہی نہیں پایا تھا۔اس کا دل تو وہیں ساکت ہو گیا تھا جب اس نے کہا تھا کہ وہ کل جا رہی تھی واپس۔اسے لگ رہا تھا دل کی دھڑکنوں میں سکوت چھانے لگا تھا۔کسی بڑے نقصان کا احتمال ستانے لگا تھا۔

''کیا.....کیا مطلب ہے تمہارا حسین شایان شاہ؟ کہاں جا رہی ہو تم؟ ایسا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو تم؟ تم ایسے قیاس کر کے بے جواز باتوں کو پھیلا کر فیصلہ کرنے کی سعی کیسے کر سکتی ہو؟ بے بنیاد باتوں کو جواز بنا کر تم سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ خوف ہے تو مجھے بتاؤ۔خدشات ہیں تو میں ہوں نا ان خدشات کو دور کرنے کے لئے۔تمہارے سارے اندیشوں کو دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں تم؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔مدھم لہجے میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔

''تم مجھے کہتی تھیں کہ میں پیچیدہ باتیں کرتا ہوں مگر تم نے اپنی پیچیدہ سوچوں کو میرے چاروں طرف پھیلا دیا ہے۔ان کے حصار میں مقید کر دیا ہے۔میں محصور اور پھڑ پھڑاتا اور ہاتھ پاؤں مارتا جا رہا ہوں۔نکلنے کی سعی کر رہا ہوں مگر مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔مجھے اس تفاوت کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔مگر دوریاں ہیں کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہیں۔اور مجھے تو لگ رہا ہے یہ تفاوت قلیل ہونے کی بجائے کثیر ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔کتنی شکایتیں چھپی ہوئی تھیں اس کے لہجے میں۔آنکھوں میں اضطرابی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

''ایک بات تو آپ سمجھ لیں۔آپ تنہا ہرگز نہیں جا سکتیں۔میں نے پہلے بھی آپ کو جتایا تھا۔باور کروایا تھا مگر آپ کو شاید سمجھ نہیں آیا تھا۔آپ کو جہاں جانا ہوگا آپ صرف میرے ساتھ ہی جائیں گی۔اگر یہ بات آپ سمجھ لیں تو زیادہ اچھا ہوگا آپ کیلئے۔'' اس نے تنبیہ کی تھی۔

''مجھے جو کہنا تھا میں نے کہہ دیا۔میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔دادا جان سے بات کر کے ان کو بھی قائل کر لوں گی۔میری اسٹڈی کا حرج ہو رہا ہے۔میں اپنی تعلیم کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتی۔میں نے یہ نکاح کیا تھا کیونکہ مجبوری تھی مگر میں اب شادی کرنے کا نہیں سوچ سکتی۔ویسے بھی وہ ایک وقتی فیصلہ تھا جو اس لمحے مجبوراً لینا پڑا تھا۔اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔آپ کو بھی مشکل میں ڈال دیا۔مجھے اس بات کا احساس ہے مگر اب میں غلطیوں کو سدھارنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف ہو یہ مجھے گوارہ نہیں۔میرے خدشات بے جواز نہیں ہیں، بے بنیاد نہیں ہیں۔اور ضروری نہیں ہے کہ میں کچھ ہونے کا انتظار کروں۔سدباب ضروری ہیں اگر کسی خطرے کو بھانپ لیا تو فوراً سے پیشتر احتیاطی تدابیر شروع کر دینی چاہئیں۔ایسا میری نانی جان کہتی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔مائل کرنے کے لئے دلائل دے رہی تھی۔

''ویسے بھی مجھے ہی ماما پاپا کی یاد آرہی ہے۔ مجھے میرا گھر یاد آرہا ہے۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ فی الفور یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں۔ رکنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔ میری زندگی وہاں ہی ہے۔ میری یادیں، میرا اثاثہ، میرا خزانہ میں تو حیران ہوں کیسے رہ لیا ان درودیوار کے بغیر جہاں سے میری سانسیں جڑی ہوئی ہیں۔ جس کے درودیوار سے ماما پاپا کی یادیں جڑی ہیں۔ جہاں کے چپے چپے میں ان کی باتیں گونجتی ہیں، سرگوشیاں کرتی ہیں۔ میں ایک ایک چیز کو چھو کر محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے لمس کی حدت کو پانا چاہتی ہوں۔ میں اس احساس کے بغیر خالی ہوں۔ بالکل خالی ہاتھ۔ امید ہے آپ میری تلاش میں میری مدد کریں گے۔ میں وہ کہیں کھو گئی تھی۔ انہیں درو دیوار میں رہ گئی تھی۔ میں تو یہاں خالی ہاتھ کھڑی ہوں۔ خالی دل کے ساتھ۔ مجھے ان یادوں کو چھو کر دیکھنا ہے۔ وہ لوگ جو خواب بن گئے تھے۔ وہ جیتے جاگتے احساس جو لمحوں میں تتمۂ اجل بن گئے تھے۔ منوں مٹی تلے سو گئے تھے۔ میں ان کے ساتھ چند لمحے گزارنا چاہتی ہوں۔ خود سے ملنا چاہتی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں اپنے آپ سے مل کر کیسا لگتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں مدلل دلائل دے کر قائل کرنے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔

''میں چند دن صرف اپنے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ پچھلے چند مہینوں سے میری زندگی میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میں اپنے بارے میں سوچ ہی نہیں سکی۔ مگر اب وقت ملا ہے تو اپنے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔ ضیاء انکل سے بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہے تھے سمسٹر شروع ہو چکا ہے۔ میں جانتی ہوں دادا جان اعتراض کریں گے آپ کو حکم دیں گے میرے ساتھ جانے کے لئے مگر میں جانتی ہوں آپ بے حد مصروف ہیں آپ کا بزنس اور بے شمار کام۔ آپ کے پروجیکٹ۔ آپ کوئی بھی بہانہ بنا سکتے ہیں۔ مگر ان کو منانے میں میری مدد کریں۔ اور آپ ایسا کریں گے۔'' وہ مدھم لہجے میں فیصلہ سنا رہی تھی یا جتا رہی تھی۔ اسے بہانے بنانے پر اکسا رہی تھی۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے اگر میں آپ کیساتھ گیا تو آپ اپنے ساتھ وقت نہیں گزار سکیں گی؟ آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں آپ کے آرام میں خلل ڈالوں گا؟'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ کتنی شکایتیں درج تھیں ان آنکھوں میں۔

اورھین شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ایک سکوت چھا گیا تھا۔ ایک طویل خاموشی کا دور طول تر ہو گیا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا جیسے اس کا جواب پا گیا تھا۔

''جانا ضروری ہے کیا؟ اگر ضروری ہے تو آپ نے اتنا چانک فیصلہ کیسے لیا؟ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا مگر میں الگ اسٹے کروں گا۔ آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا مگر آپ کے اردگرد ہی رہوں گا۔ بس یہ طے ہو چکا ہے۔ اس سے انحراف نہیں کریں گی آپ۔'' اس نے مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنایا تھا۔

یہ فیصلہ اچانک نہیں ہے۔ بہت دنوں سے ذہن میں کشمکش چل رہی تھی۔ London School of Business and Finance کی طرف سے کتنی ہی ای میل آچکی ہیں۔

انہوں نے یاد دہانی کروائی تھی۔ میں نے انہیں جواب دے دیا تھا۔ اور تبھی ٹکٹ بھی بک کروالی تھی۔ تو اب آپ بتایئے جو کام کہے ہیں وہ ہو جائیں گے نا؟'' اس نے یقین دہانی چاہی تھی۔ وہ تصدیق کرنا چاہتی تھی شاید۔ اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوال تھے۔ اظل نے تصدیق کی مہر ثبت کر دی تھی۔ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

مگر میں باقی چیزوں کو اپنے طریقے سے ہینڈل کروں گا۔ آپ کے جانے والے پلان سے میں متفق نہیں ہوں۔ بقای جو آپ نے کہا وہ ویسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہیں گی۔ اس کی فکر مت کریں۔'' اظل نے کہا تھا اور جانے کے لئے مڑا تھا۔

''سنئے۔'' وہ جانے کے لئے قدم بڑھا چکا تھا جب اس نے اپنے مخصوص انداز میں پکارا تھا اور اظل سہام مرزا کے قدم ساکت ہو گئے تھے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ کی خاموشی طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ شاید اب مزید کچھ کہنے کو نہیں بچا ہے۔ یا پھر ان تمام باتوں کو خاموشی کے دریا میں بہا دینا چاہتی ہیں۔ میں ان خاموش لمحوں کی آواز سننے سے قاصر تھا۔ قیاس آرائیاں کر کے تھکنے لگا تھا۔ جب میں سمجھنے لگا تھا کہ ان خاموشیوں کے اسرار اور کتھارسس سے آگاہی پا گیا ہوں۔ تبھی میں نے یہ جانا بھید یہ کھلا کہ ان خاموش دریاؤں کو پار نہیں کر سکتا۔ میں تو ابھی تک وہیں کھڑا ہوں جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ تفاوت ہے کہ کم ہونے کا نام لیتا۔ تغافل بڑھتا جا رہا ہے۔ قلیل لمحوں کو کثیر بنانے کی کوششیں ناکام ہو رہی ہیں۔ مجھے تو خدشہ ہے یہ تفاوت کہیں میلوں پر محیط نہ ہو جائے۔'' اس کے مدھم لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔ وہ خاموش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کوئی وضاحت کوئی دلیل کام نہیں آئی تھی۔ سب رائیگاں تھا۔

وہ چند لمحے منتظر رہا تھا کہ وہ کوئی جواب دینے والی تھی۔ اس نے مزید کچھ کہنا تھا مگر حین شاہ نے خاموشی کو نہیں توڑا تھا۔ وہ مڑا تھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔ حین وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے قدموں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی اسٹڈی روم کی طرف بڑھی تھی۔ اسے دادا جان سے بات کرنی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہاتھ سے وقت ریت کی طرح پھسل جاتا ہے جہاں آپ پرسکون ہو جاتے ہیں اور جیت یقینی نظر آنے لگتی ہے۔ اچانک وہی حالت ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جب پر یقین تھی کہ اس بار کچھ غلط نہیں ہوگا۔ انہوں نے کسی غلطی کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی مگر اچانک ہی شہ مات میں بدل گئی تھی اور یہ بات حمیرا بیگم کو مزید طیش دلا گئی تھی۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ راتوں رات کایا پلٹ جائے گی اور صبح اٹھنے پر ایک نئی خبر منتظر تھی۔ ان کے غصے کا پارہ اور بھی زیادہ چڑھ گیا تھا جب انہیں پتہ چلا تھا۔ حین شاہ کل رات ہی واپس چلی گئی تھی۔ انہوں نے ملازم کو پکارا تھا۔ انہیں اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی ہے جو اس کے پلان کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

''ظفرو.....کہاں مر گئے ہو تم؟ ایک آواز پر تو تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ مجھے تو لگتا ہے تم لوگوں کو میں نے مفت کی روٹیاں توڑنے کے رکھا ہوا ہے۔ کسی کام کے نہیں ہو تم لوگ۔ میرا ہی دماغ خراب تھا جو تم جیسے نکموں پر بھروسہ کیا کہ شاید اس بار تم لوگوں کو کچھ عقل آ گئی ہو گی۔ تم لوگ کچھ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرو گے مگر تم لوگوں کی تو وہ مثل ہے ڈھاک کے تین پات۔ تم لوگ تو نکمے ہو اور نکمے ہی رہو گے۔ چھٹانک بھر کی لڑکی نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ عمیر شاہ کو فوراً بلا کر لاؤ۔ دو منٹ میں وہ میرے سامنے ہونا چاہیے۔'' وہ ملازمین پر برس رہی تھیں اور ملازم نے عافیت اسی میں سمجھی تھی کہ وہ فوراً سے پیشتر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے ورنہ تو سزا یقینی تھی۔

تبھی حیدر شاہ چلتے ہوئے ان کی طرف بڑھے تھے۔

''کیا ہو گیا حمیرا بیگم اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں ملازمین پر؟ وہ بیچارے مارے خوف کے ادھر ادھر چھپ رہے ہیں۔ خوفزدہ ہو جاتے ہیں تمہارے غصے سے۔ مجھے بتاؤ کیا پریشانی ہے میں حل کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے اپنی شریکِ حیات کے غصے بھرے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''غصہ کیسے نا کروں۔ ڈھیروں کام بکھرے ہیں اور آپ نے ان ملازمین کو سر پر چڑھایا ہوا ہے بے جا نرمی برت کر۔ یہ لوگ کام چور ہو گئے ہیں۔ ایک کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔ آپ خواہ مخواہ ان کی طرفداری کر کے ان کو لاڈلا کر رہے ہیں۔ بگاڑ رہے ہیں انہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکایت کر رہی تھیں۔

''ارے کسی کی کیا مجال ہے جو آپ کی حکم عدولی کرے۔ آپ کے ایک اشارے پر پوری دنیا کی ساری خوشیاں آپ کے قدموں میں رکھ سکتا ہوں۔ آپ یوں خفا مت ہوا کریں۔ میں جانتا ہوں کل کچھ سخت لہجے میں بات کر دی تھی آپ سے۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ آپ میری شریکِ حیات ہیں۔ زندگی خوشحالی سے گزر گئی ہے ہمارے تو کبھی اختلافات بھی نہیں ہوئے ہیں۔ اب بھی بس وہ ایک تنبیہ تھی۔ ایک درخواست تھی میری آپ سے کیونکہ آپ میری فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ آپ جانتی ہیں نا میں اپنی بات سے انحراف نہیں کر سکتا۔ جو کہہ دیتا ہوں وہ ضرور پورا کرتا ہوں۔ ہر حال میں اپنی بات کا مان قائم رکھتا ہوں۔ وہ بچی ہماری ذمہ داری ہے۔ میں جانتا ہوں اس کے والدین کی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ آپ کو دکھ سے گزرنا پڑا۔ زرتاج کی زندگی سوالیہ نشان بن کر رہ گئی۔ آپ کا غصہ اور خفگی بے وجہ نہیں ہے۔ میں آپ کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ نا ہی جھٹلا سکتا ہوں۔ مگر اس بچی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور کسی بے قصور کو سزا دینا غلط ہوتا ہے۔ اب نہیں تو بعد میں تم بھی پچھتاووں میں گھر جاؤ گی۔ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی پچھتاوا ستائے۔ اور ایک ملال تمہارا گھیراؤ کر لے۔ اب ان تمام باتوں کو چھوڑو اور تمام گلے شکوے بھلا کر اب مسکرا دو۔ اپنا موڈ درست کرو اور عمیر پر غصہ مت کرنا۔ کل اس کو میں نے منع کیا تھا۔ تمہارا پلان سمجھ گیا تھا میں۔ تبھی جب اظل نے بتایا کہ وہ ابھی لینے آنا چاہتا ہے تو میں نے اسے اجازت دیدی تھی اور عمیر کو منع کیا تھا کہ کوئی بدمزگی کری ایٹ کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔ وہ بھی جانتا ہے میری حکم عدولی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اسی لیے

چپ چاپ ان دنوں کو جانے دیا تھا۔ سوچو اگر کل کچھ ہو جاتا۔ کوئی بدمزگی ہو جاتی تو دونوں خاندانوں میں ایک ناختم ہونے والی لڑائی شروع ہو جانی تھی۔ عمیر اہمارا اکلوتا بیٹا ہے اگر اس کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ مجھ میں اپنے عزیز رشتے کھونے کی سکت نہیں ہے نا ہی حوصلہ۔ میں اتنا بہادر نہیں رہا ہوں۔ جنگ و جدل سے خوف آنے لگا ہے مجھے۔ لڑائی سے وحشت ہونے لگی ہے مجھے۔ اگر عمیر یا اظل میں دونوں کو کوئی تکلیف پہنچے گی تو دکھ ہمیں ہی ہوگا اور اگر نقصان اس بچی کو پہنچے گا تو پھر بھی ہمیں ہی تکلیف ہوگی۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟ تو عمیر پر غصہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ تمہاری بات مانتا ہے۔ تمہاری حکم عدولی نہیں کرتا ہے مگر میرا کہا ٹالنا بھی اس کے لیے ناممکن تھا۔'' اور وہ حیران نگاہوں سے حیدر شاہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نے عمیر شاہ کو کوئی کام کرنے کو کہا تھا اور ابھی اس پر ہی خفا ہوں؟ آپ اندازے لگا رہے ہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کوئی پلان تیار نہیں کیا تھا۔ اگر کیا ہوتا تو وہ یہاں سے بچ کر نہ چلی جاتی۔ اپنی اس جیتی کی وجہ سے مجھ پر شک کر رہے ہیں آپ؟ مجھ پر انگلی اٹھا رہے ہیں آپ؟ میری نیت پر شک کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ آپ کیا میری طاقت سے واقف نہیں ہیں کیا؟ اگر میں کوئی ارادہ کر لوں تو اس کو پورا کر کے ہی دم لیتی ہوں۔ آپ کی وجہ سے کل میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اپنے بیٹے کی منگ کو کسی اور کے ساتھ دیکھا اور سہہ بھی گئی۔ اس احساس کو اس تکلیف دہ امر کو آپ کی وجہ سے برداشت کیا تھا میں نے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے اس پل میری حالت کیا تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اس کو تہس نہس کر دوں۔ اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں مگر آپ کی وجہ سے میری شکست ہوئی تھی۔ ایک بڑی ہار کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ویسی ہی ہار بالکل ویسی ہی شکست میں نے اس کی ماں سے بھی کھائی تھی۔ اس نے ان یادوں کو تازہ کر دیا۔ میرے زخموں کو پھر سے ہرا کر دیا۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے اس تکلیف کا احساس اور بھی بڑھ گیا ہے۔ میرے درد نے میرے اندر ایک حشر برپا رکھا ہے۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر میرے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔ میرے عمیر کو چھوڑ کر وہ کسی اور کے ساتھ تھی۔ وہ واقعی اپنی ماں کا پرتو ہے۔ مگر اس کا وار زیادہ گہرا ہے۔ کاری وار کیا ہے اس نے میرے دل پر اور آپ ہیں کہ اسی کی طرفداری میں پیش پیش ہیں۔ آپ کو صرف اسی کی فکر ہے۔ میری اور میرے بیٹے پرواہ نہیں ہے۔ ہم دکھی ہیں یا سکھی ہیں اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اس کو معاف نہیں کر سکتی۔ وہ دن بدن اپنے گناہوں میں اضافہ کرتی جا رہی ہے اور اس کے ہر عمل کے ساتھ اس کی سزا مزید کڑی ہونے والی ہے۔'' حمیرا بیگم کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔

اور حیدر شاہ کو اس کے لہجے کی پختگی اس کے لفظوں میں صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی حمیرا بیگم جس سے اس بچی کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ میری بات سمجھو۔ اپنی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا ہونے دو۔ یوں اس آگ کو مزید بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ اس عمل سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ سوا اس کے کہ سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔ نفرت کو صرف محبت سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اپنے دل میں محبت کو جگہ دو۔ محبت کے احساس کو پنپنے

دو پھر نفرت اپنے آپ اپنے راستے بدل لے گی۔ نفرت کو رہنے کے لئے جگہ میسر نہیں ہوگی تو وہ دور کہیں ویرانوں میں جا کر بسیرا کر لے گی۔ میں نے بھی اس نفرت کی وجہ سے اپنے رشتوں کو کھو دیا ہے مگر اب مزید کچھ کھونے کا سوچنا بھی محال لگتا ہے۔ اگر ایسا خیال بھی آجائے تو دل دہل جاتا ہے۔ رشتوں کی دوری نے ان کی جدائی نے مجھے کمزور کر دیا ہے اور میرے دل سے اس نفرت کے احساس کو ختم کر کے وہاں صرف محبت بھر دی ہے۔ جس دن اس بچی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے مجھے بڑے پاپا کہہ کر پکارا تھا تب میرے اندر سے وہ نفرت سرے سے غائب ہو گئی تھی۔ جانے کہاں جا کر چھپ گئی تھی اور اس بچی کے لیے میرے دل میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا محبت اور شفقت کا سمندر امڈ آیا تھا۔" وہ مدھم لہجے میں بردبارانہ انداز میں حمیرا بیگم کو سمجھا رہے تھے۔

"عمیر شاہ مجھے بھی عزیز ہے مگر اظل بھی میرے لئے بیٹے جیسا ہی ہے۔ حسین شاہ کی قسمت میں اظل سہام مرزا ہی لکھا ہوا تھا تبھی تو غیر متوقع طور پر وہ ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔ ان کا ملنا یوں ہی لکھا تھا۔ ہوسکتا ہے حسین اور عمیر کا جوڑ نہیں لکھا تھا اسی لیے وہ نہیں مل پائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے عمیر شاہ کے لئے کوئی اور بہترین سی لڑکی اس دنیا میں بھیجی ہوگی۔ تم فکر مت کرو۔ یوں پریشان مت ہو اب۔" انہوں نے مدلل انداز میں سمجھایا تھا اور حمیرا بیگم نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور حیدر شاہ نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ تیزی سے دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے ایک دو بار دستک دی تھی مگر جواب ناپید تھا۔

تبھی ملازمہ چلتی ہوئی اس طرف آئی تھی۔

"چھوٹی بی بی جی دادا جان آپ کو اندر اسٹڈی روم میں بلا رہے ہیں۔ اظل صاحب بھی تو وہیں ہیں ان کے ساتھ۔" ملازمہ نے مؤدب انداز میں کہا تھا اور پھر حسین شاہ کے جواب کا انتظار کیا تھا۔ وہ منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اور حسین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اور پھر قدم اسٹڈی روم کی طرف بڑھائے تھے۔ دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ جان گئی تھی اظل کا مقصود دادا جان کو مطلع کرنے کا مقصد کیا تھا۔ وہ اس کو دباؤ میں لانا چاہتا تھا تاکہ وہ تنہا جانے کا ارادہ ترک کر دے مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ اس کی خیر خواہی چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ سالوں پرانی دشمنی کا پھر سے آغاز ہو جائے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اظل سہام مرزا دادا جان اور دادی جان اور اسد انکل کے لئے کس قدر اہم ہے۔ اور شاید اس کے لیے بھی حالانکہ اس کے ساتھ اس کا رشتہ ایک عجیب نوعیت کا بن گیا تھا۔ ایک عجیب سی ہیئت اختیار کر گیا تھا۔ اسے اس کی فکر تھی۔ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی اس کے محبت کے ساتھ۔

اور عمیر شاہ کے ساتھ جو بدمزگی ہوئی وہ کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ کچھ خوش آئند تھا۔ وہ چپقلش مزید بڑھ کر ایک بھیانک صورت اختیار کر سکتی تھی تب شاید وہ نقصان ناقابل تلافی ہوتا۔ اور وہ کسی بھی بڑے نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ جو تھا وہ خاص تھا اور اسے کھونے کا احساس ہی دل کی طغیانی کو بڑھا دیتا تھا۔ دھڑکنوں میں تلاطم برپا

کر دیتا تھا۔ عمیر شاہ سے اس کی کچھ خاص دشمنی نہیں تھی۔ وہ اسے اپنے لئے نقصان دہ نہیں سمجھتی تھی حالانکہ اس کے ساتھ ہمیشہ ایک تناؤ کی کیفیت رہی تھی مگر وہ اس کو بھی کسی مصیبت میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بڑے پاپا کا سہارا تھا۔ ان کے لئے وہ بے حد اہم تھا۔ اور اس کا فیصلہ دانشمندانہ تھا اور بروقت تھا اور پھر احتیاطی تدابیر ضروری تھیں۔

اس نے دروازے پر دستک دی تھی اور پھر دروازہ کے نوب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ اظل کی موجودگی اس کے اعتماد کو متزلزل کر رہی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

اظل کی نگاہیں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ اظل کی آنکھوں میں تیرتی اضطرابی حسین سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

''آؤ بیٹا۔ کہاں تھیں تم کب سے انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی بیٹی سے بات کرنے کے لئے۔ ادھر آؤ تم میرے پاس اس کرسی پر بیٹھو۔ اور اب بولو میری بیٹی کو کیا الجھن ستا رہی ہے۔ کونسی بات ہے جس کی بدولت آپ کو اتنا بڑا فیصلہ لینا پڑا۔ آپ ہمیں چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں؟'' وہ مدھم مگر پرشفقت لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اور حسین شاہ کا دل بھر آیا تھا۔ اس سے ضبط کرنا مشکل لگ رہا تھا مگر وہ ان کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس صورت میں جب کوئی اس کو نگاہوں کے حصار میں لیے بیٹھا تھا۔

''اظل بتا رہا ہے آپ شادی نہیں کرنا چاہتیں اور آپ کو یہ جلدی بازی کا فیصلہ لگ رہا ہے۔ آپ کو لگ رہا ہے ہم کوئی زبردستی کریں گے اپنی بیٹی کے ساتھ؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہے تھے جیسے ان کو گہرا صدمہ لگا تھا اس کی سوچ پر۔ اور حسین شاہ کو لگا تھا اگر ابھی وضاحت نہیں دی تو چیزیں اپنی سمت تبدیل کر لیں گی۔

''نہیں دادا جان مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔ آپ پر اعتبار ہے دادا جان تبھی تو آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ کی اجازت درکار ہے دادا جان۔ میں ذہنی طور پر بھی کسی رشتے کو نبھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں نہیں سمجھتی اگر یہ رشتہ کسی کو خوشی دے سکتا ہے۔ ان کے ساتھ بھی ناانصافی ہوئی ہے۔ زبردستی کسی کے سر پر مسلط ہونا نہیں چاہتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کوئی اور رشتہ ان کے لیے زیادہ اہم ہو اور مزید میں کسی چپقلش کا سبب نہیں بننا چاہتی ہوں۔ اگر میں یہاں رہوں گی تو مزید صورتحال خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ لیا ہے دادا جان۔ اور یہ فیصلہ آج نہیں لیا۔ چند دن پہلے ہی اس بارے میں حتمی طور پر سوچ لیا تھا۔ بس آپ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اور دوسرے میں ممانی جان کو آپ سے ملانا چاہتی تھی۔ وہ آ تو گئی تھیں مگر انہیں ایک جھجک مانع تھی۔ وہ اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھنے کی ہمت نہیں پا رہی تھیں خود میں۔ بس ان کو تھوڑی سی تحریک دینے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے ہر پل آپ سب کو بے حد مس کیا تھا دادا جان۔ آج کا دن بہت اچھا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنا موقف بیان کر کے موضوع سے بدل گئی تھی۔

''دن تو اچھا تھا میرے لئے بچے مگر اب اچھا نہیں رہا ہے۔ میری ایک بیٹی گھر میں داخل ہوئی ہے۔ اس نے سالوں بعد اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا تمہاری بدولت..... اور دوسری بیٹی نے اپنے دادا جان سے دور جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ صورتحال عجیب ہے ایک

باپ کے لئے۔ایک بیٹی کو گلے لگایا ہے۔اسے سالوں بعد پایا ہے اور دوسری بیٹی کو خود سے دور کر دیا۔دوسری بیٹی کے قدم مجھ سے دور جانے کے لئے بڑھنے والے ہیں۔اس لمحے باپ کو کیا فیصلہ لینا چاہئے بتاؤ؟ اپنی بیٹی کو تنہا زمانے کی صعوبتیں جھیلنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک باپ کو یہ حق نہیں کہ اپنی بیٹی کی حفاظت کی ذمہ داری لے سکے۔اس کا خیال رکھ سکے۔اسے زمانے کے سرد گرم سے بچا سکے؟ تمہیں کیا لگتا ہے ایک باپ کو اپنے حقوق سے دستبردار ہو جانا چاہئے؟ اسے اپنی بیٹی کو تنہا جانے دینا چاہئے؟ اپنی بیٹی کی ضد کو مان لینا چاہئے؟ تم چاہتی ہو اظل تمہارے ساتھ نہ جائے؟ مگر ایک باپ تو اپنی بیٹی کے ساتھ جا سکتا ہے نا؟ اس کے لئے تمہیں کوئی اعتراض تو ہرگز نہیں ہونا چاہئے؟ کیونکہ میں تمہیں تنہا بھیجنے کے تصور سے ہی میرا دل دہل رہا ہے۔میرا دل دہل گیا ہے۔میں ایسا نہیں کر سکتا بیٹا۔تم میری بیٹی ہو۔میری ذمہ داری ہو۔میرا فرض ہے اپنی بچی کا خیال رکھوں۔مجھے امید ہے تم مجھے اس قرض کی ادائیگی کرنے سے منع نہیں کرو گی.....؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور عین شاہ نے سرشرمندگی سے جھکا لیا تھا۔ان کی محبت اور شفقت کی وجہ سے اس نے بے بس انداز میں دادا جان کی طرف دیکھا تھا اور پھر اظل سہام مرزا کی طرف سلگتی نگاہوں سے دیکھا۔کتنی شکایتیں تھیں اس کی ایک نگاہ میں۔الزام دیتی ہوئی نگاہیں اظل کو بے چین کر گئی تھیں۔

اور اظل نے سرنفی میں ہلایا تھا۔غیر ارادی طور پر اس کا سر نفی میں ہل گیا تھا۔جیسے وہ وضاحت دے رہا تھا یا پھر اس کو وضاحت دینا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔یا پھر اس کا فرض تھا اس کی غلط فہمی کو اور اس کی شکایتوں کو دور کرے۔وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ اسے امتحان میں ڈالے۔وہ اس کی خاموش سلگتی نگاہوں کے معنی اخذ کر رہا تھا۔

اور دادا جان اس کی طویل خاموشی سے نا جانے کیا سمجھے تھے۔وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا کوئی بھی فیصلہ مرضی کے بغیر ہرگز نہیں لیا جائے گا۔ہم وہیں کریں گے جو آپ چاہیں گی۔کسی بھی غلط خیال کو دل میں جگہ مت دینا۔تم مجھے ماہ نور سے بھی زیادہ عزیز ہو۔میں نے تمہیں ماہ نور کے حصے کا پیار بھی دیا ہے۔آپ جانا چاہتی ہیں میں جانتا ہوں آپ کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔الجھنوں میں پڑ کر سب بھول گئے کہ تم نے بہت سی چیزوں کو کھویا ہے۔میں اندازہ کر سکتا ہوں تمہاری ذہنی حالت کا۔ بہت سے خوف اور خدشات جو تمہارے دل میں گھر کر چکے ہیں میں اس ڈر اور خوف کے پیچھے چھپے تغیرات کو جان گیا ہوں سمجھ سکتا ہوں۔ تمہاری دور اندیشی تمہیں یہ فیصلہ لینے پر مجبور کر رہی ہے کیونکہ تم کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہو۔تمہاری وجہ سے دو خاندانوں میں نا چاقی ہو یہ تمہیں قبول نہیں۔یہی بات ہے نا؟'' انہوں نے مدلل انداز میں اس کے دل کی بات جانے کیسے پڑھ لی تھی اور عین شاہ حیران نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔تو کیا واقعی محبت کرنے والوں رشتوں کو یہ طاقت میسر ہوتی ہے کہ بنا کہے ہی وہ دل کا حال جان جاتے تھے۔

''میں جانتا ہوں بیٹا۔وہ تمام باتیں جو تمہیں پریشان کرتی تھیں اور تم ان کو کسی سے کبھی نہیں کہتی ہو۔انسان ان لمحات کو کبھی نہیں بھول سکتا۔بڑی سے بڑی تکلیف کو درگزر کر لیتا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے وہ جھیل جاتا ہے مگر اپنے کو تکلیف میں دیکھنے کا سوچ کر ہی

روح تک دہل جاتی ہے مگر بیٹا ایک بات یاد رکھو ہمیں اپنے پیاروں کی ضرورت ہر لمحہ ہوتی ہے۔ تنہا زندگی کو گزارنا آسان نہیں ہوتا۔ نہایت دشوار گزار عمل ہے۔ وہ وقت نہایت کڑا ہوتا ہے۔ جان گسل لمحات ہوتے ہیں جب اپنوں کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے مگر آس پاس ایک خالی پن کا احساس ہوتا ہے۔ کوئی اپنا ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ تب سرد یخ بستگی کا احساس اندر تک سرایت کر جاتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ وہ مدھم لہجے میں مدلل اور ٹھوس دلائل دے رہے تھے۔ ان کی باتوں میں برسوں کے تجربے کا نچوڑ تھا۔

''میں جانتی ہوں دادا جان آپ درست کہہ رہے ہیں مگر آپ میرے ساتھ کیسے جا سکتے ہیں دادا جان؟ دادی جان کو آپ کی ضرورت ہے۔ یہاں بہت سے کاموں کی دیکھ بھال ضروری ہے جو آپ کرتے ہیں اور ابھی تو ممانی جان آئی ہیں ان کے ساتھ آپ کو کچھ وقت گزارنے کی ضرورت ہے۔ وہ بہت ترسی ہیں آپ سے ملنے کے لئے۔ آپ کی محبت اور شفقت کے لئے۔ تو یہی وجہ ہے میں آپ کو منع کر رہی ہوں۔ مگر چند دن میں آپ اور دادی جان دونوں میرے پاس آجایئے گا۔ میں آپ سب کو بہت مس کروں گی۔ میں جانتی ہوں آپ کو میری فکر ہے۔ یہ فطری عمل ہے ہر باپ کو اپنی بیٹی کی اتنی پرواہ ہو سکتی ہے۔ میں وہاں تنہا نہیں ہوں گی۔ وہاں تمنا بی بی ہیں اور دوسرے ضیاء انکل ہیں۔ عافیہ آنٹی تو بہت اچھی ہیں اور چند دن کی تو بات ہے نا دادا جان۔ آپ اجازت دے دیجئے نا۔'' وہ ان کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ توجیحات پیش کر رہی تھی۔

''اگر آپ اجازت دیں گے تو تبھی میں جا سکوں گی دادا جان۔ آپ کی اجازت کے بغیر یہ قطعی ممکن نہیں ہو سکے گا۔ پلیز دادا جان۔ مان جایئے نا۔'' وہ دھیمے لہجے میں آس بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور دادا جان نے اس کے معصوم سے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور پھر نجانے کیا سوچ کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں تو قیر ضیاء سے بات کروں گا مگر تم اپنے بڑے پاپا سے خود بات کرنا۔ اگر میں کہوں گا تو ان کو لگے گا ہم چیزوں کو ٹال رہے ہیں۔ ان کے خدشے درست ثابت ہو جائیں گے۔ حالانکہ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ صرف تمہاری ضد کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ ایک لمحے کے رکے تھے پھر دھیمے سے گویا ہوئے تھے۔

''میں جانتا ہوں تم والدین کو یاد کر رہی ہو۔ اپنے گھر واپس جا کر ان یادوں سے ملنا چاہتی ہو۔ میں نے تمہاری ضد کے آگے مجبور ہو کر تمہیں جانے کی اجازت دے تو دی ہے مگر میرا دل اندر ہی اندر ڈر رہا ہے۔ ایک عجیب سی بے چینی نے مجھے حصار میں لے لیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کے لہجے سے پریشانی عیاں تھی۔ وہ اٹھے تھے اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ ان سے شاید ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور حمین شاہ نے سر جھکا لیا تھا۔ احساس ندامت کے ساتھ۔

''آئی ایم سوری دادا جان میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا مگر میں کیا کروں دادا جان۔

"I have to go. I can't stay over here. I am dying inside. I can't take breath. I have lost somewhere. I want to meet me. I am digging with my fingertips as I'm feeling I have lost my bo somewhere in the ground. I'm ripping at the ground I stand upon to search for fragile bones. I wan survive. I want to take breath in the fresh air.

وہ مدھم لہجے میں خود کلامی کر رہی تھی۔ دھیمے لہجے میں کتنی بے چینی تھی۔ وہ چلتا ہوا قدم آگے بڑھا تھا اور ہاتھ کو اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ اور حین شاہ نے اس کے ہاتھ کے نیچے سے ہاتھ اس طرح کھینچ لیا تھا جیسے کسی انگارے کو چھو لیا تھا یا پھر کرنٹ لگ گیا تھا۔

''حین شاہ تم کہیں بھی رہو گی، کہیں بھی جاؤ گی تو تم ہر جگہ میری موجودگی کو محسوس کرو گی۔ میں تمہارے اردگرد ایک حصار بنا دوں گا۔ ایک مضبوط ہالہ بنا کر تمام خطرات کی راہیں مسدود کر دوں گا۔ تم میرا آسمان ہو۔ میری محبت کا چاند اس آسمان پر جگمگا رہا ہے۔ آس پاس کتنے ہی ننھے منے سے چمکتے ستارے آ کر میری محبت کی گواہی دے رہے ہیں۔ ایک خط مستقیم میں کھڑے ہیں قطار در قطار چلے آ رہے ہیں۔ یقین دلانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ میری محبت کے چاند کے گرد ایک ہالہ بنا لیا ہے۔ آسمان تھوڑی گھمبیر صورتحال سے گزر رہا ہے۔ کچھ اداس اور غم زدہ سا ہے۔ ملول سا ہے۔ افسردہ سا ہے۔ وہ اس محبت کے چمکتے چاند کو بے یقینی سے دیکھ رہا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ یہ چاند اتنی آب و تاب سے چمکتا ہوا سارے آسمان کو روشن کر رہا ہے۔ میرے آسمان کی آنکھیں اب بھی حیرت سے کھلی ہوئی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایت بیان کر رہی تھی۔

حین شاہ نے حیرت سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔ پھر اگلے ہی پل اس نے بیگانہ ہو کر نگاہوں کا رخ موڑ لیا تھا۔

''تم جو آنکھوں میں بیگانگی کی دبیز تہہ بچھا چکی ہو۔ ایک جست میں ہی بدگمان ہو کر تفاوت کو بڑھا دیا ہے تغافل بھری دو شکایت سے بھری شکوہ کناں نگاہوں میں بدگمانی نے بسیرا کر لیا ہے اور چانک ہی چند مزید خدشات نے آ کر ان آنکھوں کی بدگمانیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ مجھ سے یہ بدگمانی اور بیگانگی کو سہنا محال ہے۔ دل کے اوسان خطا ہو رہے ہیں۔ تفاوت کا سوچ کر دل کی حالت غیر ہے۔ کہاں کہ اس کو حقیقت بنتے دیکھنا اضطرابیوں کو یہ خیال مسلسل بڑھا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ بے چین تھا۔

''جانتا ہوں تم نے کیا طے کر رکھا ہے۔ میں حالت سکون میں تھا تو یہ تمہیں گوارا نہیں تھا سو تم نے میرے اطمینان کو رخصت کر دیا۔ اپنے اور میرے بیچ تغافل کو لا کھڑا کیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم یوں کتھارسس کے معنی لمحوں میں بدل کر ایک نئی سمت میں موڑ دو گی۔ مجھے ان جاں گسل لمحات کی نظر کر کے خود مجھ سے دوریاں بڑھا دو گی۔ سمندروں کو ہمنوا بنا کر نئے جہانوں کی سیر کرنے کے لئے نکل کھڑی ہو گی۔ مجھے بے چینیوں کی راہوں پر ڈال کر ایک طویل سزا میرے حصے میں درج کر دینا چاہتی ہو۔ مجھ سے یوں گریزاں ہو کر میری بے بسی

کو بڑھا کر ایک آگ کو ہوا دے رہی ہو۔تم تغیرات کے اثرات کو روکنے سے قاصر ہو۔بے جواز باتوں کو جواز بنا کر میری بے تابیوں کو بے سکونی کی راہوں پر قدم رکھنے پر قائل کرنے کی حتی الامکان کوشش کر رہی ہو۔'' مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔اس کے دھیمے لہجے میں شکایتیں تھیں اور آنکھوں میں جنون تھا۔

وہ اٹھی تھی اور اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے باہر نکل گئی تھی اور اظل سہام مرزا کی ساری جان مشکل میں گھر گئی تھی۔اس کا کڑا امتحان شروع ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی زندگی اچانک نئی راہوں پر کھینچ لاتی ہے۔راہوں پر پر خار جھاڑیوں نے اپنی جگہ بنالی ہوتی ہے۔اور سالوں سے وہاں سے کسی کا گزر نہیں ہوا ہوتا۔اور زندگی سارے راستے بند کر کے انہیں راستوں کو آخری راستہ کر دیتی ہے۔نا چاہتے ہوئے بھی وہاں ان راستوں پر قدم رکھنا ہی پڑتا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان ہی راہوں پر قدم رکھ چکی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی اور ڈرائیور کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تھیں۔اس کو کھڑا دیکھ کر دوسرا ملازم چلتا ہوا آیا تھا۔

''چھوٹی بی بی.....حسان کو اظل صاحب نے کہیں باہر بھیجا ہوا ہے۔آپ مجھے حکم کیجئے میں آپ کو لے چلتا ہوں۔'' وہ مؤدب لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

اورھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔اس سے پہلے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔شاید وہ کوئی نیا ملازم تھا۔نا چاہتے ہوئے بھی اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

اس نے قدم گاڑی کی طرف بڑھائے تھے۔ملازم دروازہ کھول کر کھڑا تھا۔وہ گاڑی میں بیٹھی تھی اور ملازم نے دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ حیران رہ گئی تھی۔اظل جانے کب آیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ آگے آ جائیے۔'' وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا اور پھر چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا تھا اور پھر اس کے نکلنے کا انتظار کیا تھا اور پھر اس نے دروازہ بند کیا تھا اور پھر آگے بڑھ کر اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور پھر دروازہ بند کر کے پلٹا تھا اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

گاڑی میں مکمل سکوت تھا۔پھر اس نے سکوت کو توڑا تھا۔

''آپ نے پیکنگ کر لی ہے؟ ٹائم بہت کم ہے۔وہاں کافی ٹائم لگ جائے گا۔آپ کو صبح ہی مجھے بتا دینا چاہئے تھا۔'' وہ دھیمے

لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ یا پھر بات کرنے کا بہانہ تھا یہ کوئی.....اور حین شاہ نے اسکی طرف دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر قبل والی غصے کی رمق ابھی بھی باقی تھی۔ اس کے ماتھے کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ وہ خود کو بظاہر نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نہیں ابھی پیکنگ نہیں کی مگر میں آ کر لوں گی۔ سب کچھ تو وہاں ہے نا۔ پھر اتنا کچھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہی تھی۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں۔ سب کچھ تو وہیں ہے۔ یہاں سب سے قیمتی چیز تو آپ ہی تھیں۔ آپ ہی اثاثہ ہیں۔ جب آپ وہاں جا رہی ہیں تو یہاں تو باقی کچھ نہیں بچنے والا۔ اس گھر کو خالی کر کے جا رہی ہیں آپ۔ ہمارا تو بہت بڑا نقصان ہونے والا ہے۔ اس کا تو کوئی مداوا بھی ممکن نہیں ہے۔'' وہ اس لہجے میں کتنے انکشافات کر رہا تھا۔

''تم خاموش ہوتی ہو تو ایک وحشت بڑھ جاتی ہے۔ میں تمہاری خاموشیوں کے حاشیوں پر چلنا شروع کر دیتا ہوں۔ سفر لامتناہی ہو جاتا ہے۔ لابیانیاں ہو یا بیانیاں خاموشیاں ان راستوں کو گنجل کر صدیوں پر محیط کر دیتی ہیں۔ میرا جنون ان خاموشیوں میں چھپی داستانوں کو تلاش کرنے کی جستجو میں جت جاتا ہے۔ جو تم نے صیغۂ راز بنا کر بھیدوں کی اوڑ میں چھپا دی ہیں۔ تمہاری سرد اور یخ بستگی خاموشی میرے قدموں کو منجمد کر رہی ہے۔ ان کو جما کر ایک جگہ پر ساکت کر دیا ہے اور مجھے تو صاف لگ رہا ہے میرا دل سرد پڑتا جا رہا ہے۔ ساکن ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ اور حین خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا اور نگاہیں سیاہ سڑک پر لگا دیں تھیں۔ اور اظل کو لگا تھا یہ لامتناہی خاموشی کبھی نہ ختم ہونے والی تھی۔ الجھنیں مزید بڑھنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

سفر کتنا ہی طویل کیوں نا ہو ختم ہو ہی جاتا ہے۔ ہر راستہ اختتام پذیر ہوتا ہے چاہے راستوں کی طوالت میلوں پر محیط ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ منزل پر پہنچ چکی تھی۔ گاڑی رکی تھی۔ اس نے گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ بڑے پاپا کے کمرے تک جاتے ایک طویل فاصلہ تھا یا پھر اسے ہی لگ رہا تھا۔ بڑے پاپا اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

''بیٹا کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ تم پریشان کیوں لگ رہی ہو؟ جواب دو میرا دل بے چین ہو گیا ہے بیٹا۔ یوں بغیر بتائے اچانک کیسے آ گئیں؟ میں تو آنے ہی والا تھا۔ تمہاری بڑی ماما تیار ہو رہی ہیں۔ سب خیریت تو ہے نا؟'' وہ مدھم مگر فکر مند لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ کتنی فکر تھی ان کے لہجے میں۔

''سب ٹھیک ہے بڑے پاپا آپ سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اور جانے سے پہلے میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔'' اس نے تمام بات ان کے گوش گزار کر دی تھی مگر وہ خفا ہو گئے تھے۔

''میں ایسا ہونے نہیں دے سکتا۔ میرے ہوتے ہوئے تم وہاں تنہا رہو گی؟ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہارا یہ فیصلہ سراسر غلط

ہے۔ میں اس میں تمہیں سپورٹ نہیں کروں گا۔ میں اور تمہاری بڑی ماما تمہارے ساتھ جائیں گے۔ جب تم تمہاری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے اور پھر تعلیم مکمل ہوتے ہی اپنے فرض کی ادائیگی کر دیں گے۔'' انہوں نے حل پیش کیا تھا۔

''ویسے بیٹا تعلیم تو تم شادی کے بعد بھی مکمل کر سکتی ہو۔ کیا اظل کو کوئی اعتراض ہے اس بات پر؟ کیا کو وہ اس بات کی اجازت نہیں دینا چاہتا؟ تم اگر کہو تو میں خود اس سے بات کرتا ہوں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''نہیں بڑے بڑے ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے گھر واپس جانا ہے بڑے پاپا..... پلیز.....!'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنسوؤں کا سمندر تمام بند توڑ کر نکل آیا تھا اور اسے روتا دیکھ کر حیدر شاہ کا دل تھم گیا تھا۔ وہ جان گئے تھے وہ گہرے کرب سے گزر رہی تھی۔ لاکھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ضبط جواب دے گیا تھا۔

''بیٹا پلیز..... رونا بند کرو..... تم نانی جان سے مل لو۔ میں انتظامات کرتا ہوں۔'' انہوں نے فون سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر کوئی نمبر ملایا تھا۔

''بڑے پاپا سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ بس آپ کی معاونت چاہتی تھی۔ آپ کی اجازت درکار تھی۔ اور بڑی ماما سے ان کی خفگی دور کرنا مقصود تھا۔ میں جانتی ہوں جانے انجانے میں ان کی تکلیف کا سبب بن گئی ہوں۔ ان سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ ماما پاپا کی وجہ سے ان کو سخت دشوار وقت سے گزرنا پڑا تھا۔ زرتاج شاہ کی اذیت سے واقف ہوں میں۔ ان کا دکھ اپنے دل میں محسوس کرتی ہوں میں۔ میں ان تمام لوگوں کے لیے مزید مشکلات کھڑی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ بہت سارے کام ٹھیک وقت پر ہو جائیں تبھی اچھا ہوتا ہے۔ اس میں سب کا فائدہ ہوتا ہے اور میری وجہ سے پہلے ہی کافی لوگ مشکل دور سے گزر رہے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ حمیرا بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی جو وہاں آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی پل وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔

اورھین شاہ کے چہرے پر خجلت نمایاں تھی۔ حیدر شاہ چلتے ہوئے اس کی طرف آئے تھے اور ان کے سر پر دستِ شفقت رکھ دیا تھا۔

''بیٹا دل ڈول رہا ہے۔ ایک عجیب صورتحال ہے۔ دل نہیں مان رہا ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو رک جاؤ..... مت جاؤ.....!!'' وہ دھیمے لہجے میں درخواست کر رہے تھے۔

"You know what Papa, I comprehend it's not easy to win heart and forgive to someone easily. Things take time but I'm sure things will change in a gradual way. And I'm sure hopefully this crit situation gradually will improve with time!"

وہ مدھم لہجہ پر یقین تھا۔ جیسے اس کو اس تبدیلی کا بھرپور یقین تھا۔

''کبھی کبھی صورتحال مشکل ہو جاتا ہے۔ چاروں طرف راستے بند نظر آتے ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ چیزوں میں تغیرات رونما ہوتا ہے تو چیزوں پر اثر پذیر ہوتا ہے۔ چیزوں کی ہیئت بدلنے لگتی ہے۔ تب اس تغیر کے اثرات قدرے کم ہو جاتے ہیں۔ ہمیں بھی اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب دل کی زمین نرم پڑ جائے گی تب وہاں آبکاری کا روشن امکان نظر آنے شروع ہو جائیں گے۔ تب کچھ غلط نہیں ہوگا۔ معافی کے لیے اور معاف کر دینے کے لیے دل میں گنجائش نکل آئے گی۔ حالات سازگار ہو جائیں گے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور بڑے پاپا نے سر اثبات میں ہلا کر اس کی تائید کی تھی۔

☆.....☆.....☆

جدائی کا کرب کیا ہوتا ہے۔ مجھے اندازہ ہے۔ تو میں بڑی ماما کا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ اس تکلیف کو محسوس کر سکتی ہوں۔ وہ غلط نہیں ہیں۔ ان کا غصہ جائز ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے ان کا دل نرم ہو جائے اور وہ گزری باتوں کو بھلا دیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اور نانی جان سے مل کر پلٹتے ہوئے اسے اس بات کا اور بھی شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ ان لمحوں میں گزر رہی تھی ان رشتوں کو برت رہی تھی۔ اس نے اظل کی طرف دیکھا تھا جب وہ اسے ائیر پورٹ چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ کرب اور درد صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''حسین شاہ..... میری طرف دیکھو..... ان آنکھوں میں مجھے جی بھر کر دیکھنے دو۔ یہ لمحے امر کر لینے دو۔ وقت سے چند لمحے چرا لینے دو۔ جانے ان آنکھوں کو کب دیکھ پاؤں گا یا کبھی نہیں..... مگر ان لمحوں کی رفتار کو روک لینے دو۔ ان لمحوں کی رفتار کو میں نے اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ باندھ لیا ہے۔ جو گزرتے لمحوں کی رفتار کو روک لینے کی بھرپور سعی کر رہے ہیں۔ دل ساکت پڑ رہا ہے تو وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر روک رہا ہوں۔ خواہش ہے کہ وقت بھی ان دھڑکنوں کے ساتھ ساکت ہو جائے اور میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا رہوں۔ ان آنکھوں کے تغافل کو کم کرنے کے جتن کر رہا ہوں۔ اور عمر تمام ہو جائے۔'' وہ مدھم لہجہ بے چین تھا۔ آنکھوں میں اضطرابیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''جب ان گہرے سرمئی سمندروں نے میری طرف ایک سرسری سی نگاہ سے دیکھا تھا تو اسی پل جارحیت کا کھلا مظاہرہ کرتے ہوئے میری سوچوں پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ ان پر غلبہ پا لیا تھا۔ میری سوچوں پر مسلط ہو گئی تھیں اور میری سوچوں نے کوئی تردد نہیں کیا تھا۔ کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ بھی شاید سامراجیت کی عادی ہو گئی تھیں اور اب جب تم نے جانے کی ٹھان لی ہے۔ تم جا رہی ہو تو میری بے چین سوچوں میں کھلبلی سی مچ گئی ہے۔ افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں۔ ان سوچوں کو اس تسلط سے نکلنا قبول نہیں۔ اس حصار سے رہائی گوارا نہیں ہے۔ ضد پر اڑ گئی ہیں۔ وہ سوچیں تمہارے نقش پا پر چلتے ہوئے انہی راہوں پر قدم رکھ دیئے ہیں۔ تمہارے تعاقب میں نکل پڑی ہیں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔

''تم جا رہی ہو اور میری سانسوں کو اپنے ساتھ باندھ کر لے جا رہی ہو۔ تم تنہا جانا چاہتی تھیں۔ ضد کر بیٹھی تھیں اور اپنی بات منوا

کر ہی دم لیا ہے۔ کتنا آسان تھا نا تمہارے لئے یہ سب کرنا۔ یوں سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا۔ مگر تمہیں اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ تم نے دلائل اور دلیلیں دے کر سب کو اپنے حق میں کر لیا تھا۔ تم تو جادوگرنی ہو۔ کوئی اسم ہے تمہارے پاس۔ سب کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی اہلیت ہے تم میں۔ اسم کرتی ہو تو سب ویسا ہو جاتا ہے جیسا تم چاہتی ہو۔ کوئی انحراف کرنا بھی چاہے تو یہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔ سارے راستے تمہارے اشاروں پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک اثر کے زیر اثر تمہاری مرضی کے مطابق مڑنے لگتے ہیں۔ ان راستوں کی ہمت نہیں کہ تمہارے حکم کی عدولی کر سکیں۔ منحرف ہو سکیں۔ اور میرے دل کے گنجل ہوتے راستوں کی بھی یہی منشا ہے۔ بے بسی ہی بے بسی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ بے تاب تھا۔

اور عین شاہ کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔ متزلزل ہو رہی تھیں۔ اسے کھڑا ہونا محال لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اظل کے ہاتھ میں کپکپا رہے تھے۔ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ سرمئی سمندر بند توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھے۔ بے تاب ہو رہے تھے۔ اندر ایک حشر برپا تھا۔ دھڑکنوں کا تلاطم بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے اظل کی طرف ایک الوداعی نگاہ کی تھی اور پھر اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرائے تھے اور تیزی سے مڑی تھی اور بغیر پیچھے دیکھے تیزی سے آگے بڑھتی گئی تھی۔ مگر کسی خطرے کے پیش نظر وہ اگر پیچھے دیکھے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔ اسے اپنے پتھر کے ہو جانے کا خدشہ تھا۔ مگر اپنی جان کہیں چھوڑ گئی تھی۔ اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔ آنسو بند توڑ کر رخسار پر بہہ رہے تھے۔

اظل سہام مرزا ساکت کھڑا تھا۔ مدھم پڑتی دھڑکنوں کے ساتھ اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہر آگے بڑھتا ہوا قدم صدیوں کا فاصلہ بڑھا رہا تھا۔ ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ اس کی سانسیں اپنے ساتھ لے گئی تھی شاید تبھی تو وہ سانس روکے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں ان راستوں پر پیوست ہو گئی تھیں۔ ان راستوں سے پلٹ کر آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی انسان انہی راستوں پر واپس قدم رکھ دیتا ہے جہاں سفر کرنا ممنوع تھا مگر اب وہ واپسی کا سفر کر چکی تھی۔ انہیں راہوں پر چلتی ہوئی اس فضا میں سانس لے رہی تھی جہاں بچپن گزرا تھا۔ جوانی گزری تھی اور جہاں یادوں کا اثاثہ تھا۔ اس فضا میں سرگوشیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ائیر پورٹ سے گھر تک کا سفر طویل لگ رہا تھا۔ اس نے گھر کا دروازہ کھولا تھا اور اندر داخل ہوئی تھی۔

اسے لگا تھا جیسے صدیوں بعد اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ جیسے کتنی دہائیاں بیت گئی تھیں۔ یادوں کے رنگ دھندلائے نہیں تھے۔ یادیں خستہ نہیں ہوئی تھیں۔ ان یادوں کے رنگ اڑے نہیں تھے نا ہی ان یادوں کی ہیئت بدلی تھی۔ تمام یادیں ویسی ہی تر و تازہ تھیں۔ خوشیوں میں بسی مدھم مدھم سرگوشیاں کرتی ہوئی یادیں۔ ان یادوں کا لمس اتنی ہی حدت لئے ہوئے تھا۔ ان یادوں کا لمس ان تمام چیزوں پر ابھی بھی تازہ تھا۔ اسے تو لگ رہا تھا یہ قصہ پرانا نہیں تھا۔ ابھی ہی کی بات تھی مگر بس لمحوں نے طوالت اختیار کر کے اسے صدیوں پر محیط

کر دیا تھا۔ مگر ان یادوں کا.....ان باتوں کا سحر جوں کا توں موجود تھا۔ وہ یادوں کی معطر سی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی اور ان یادوں کی سرگوشیاں اس کی سماعت میں، اس کی حسیت میں اثر پذیر ہو رہی تھیں۔ ان کے اثرات کبھی نہ ختم ہونے والے تھے۔ جاں گسل لمحات تھے۔ اس کی آنکھوں سے سمندر تمام بند توڑ کر نکل آئے تھے۔ وہ محو سی کھڑی تھی تبھی اچانک دروازہ کھلا تھا اور قدموں کی چاپ اس کی پشت پر آ کر رک گئی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **نویں** قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

کتاب گھر کے قارئین کے لیے
آمنہ ریاض کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

بساطِ دل

آپکو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط (15th, 20th, 25th) کتاب گھر پر پبلش ہوں گی۔

http://kitaabghar.com

بطور خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

کتنی آوازیں اس کے کانوں میں بازگشت کر رہی تھیں۔ وہ ساکت سی کھڑی دیکھتی جا رہی تھی۔ ایک ایک چیز کو چھو کر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی محویت تب بھی نہیں ٹوٹی تھی جب کوئی چلتا ہوا کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا فون کب سے مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے فون کی اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھا تھا۔ کال مسڈ ہو چکی تھی۔ کتنی ہی مسڈ کالز تھیں۔ جانے وہ کب سے کال کر رہا تھا۔ اس نے نگاہیں دیوار پر لگی تصویر پر لگائی تھیں تبھی فون پھر بج اٹھا تھا۔ اس نے فون پک کر لیا تھا اور دوسری طرف سے ایک مضطرب سی آواز بے قرار تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو حین شاہ؟ تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟ کہاں تھیں تم؟ جب تم اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہو کہ جان و دل پر بن گئی ہے۔ تم کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ جان کس مشکل میں پڑ گئی ہے۔ تم نے کال پک نہیں کی تو میرا دل ہزاروں وہموں میں گھر گیا تھا۔ کتنے ہی وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ جانتی ہو میں کس قدر فکر مند ہو گیا تھا۔ تمہیں جانے کی اجازت دے کر پچھتا رہا ہوں اب۔ مگر کیا کروں تمہاری ضد کے آگے ہار جاتا ہوں۔ مگر تمہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ فکروں سے گندھا ہوا تھا۔ اضطرابی بڑھ گئی تھی اور حین شاہ کو ایک ملال نے گھیر لیا تھا۔ اس کی آواز میں کتنی اپنائیت تھی۔

اس کے ضبط کے پیمانے لبریز ہو گئے تھے۔ آنکھوں میں ٹھہرے نمکین سمندروں نے طوفانوں کو دعوت دی تھی اور ان سمندروں میں طغیانی آ گئی تھی۔ اسے اس لمحے ایک کندھے کی ضرورت تھی اور وہ جانتا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہو گی تو اس کی کیا حالت ہونے والی تھی۔

''تم رو رہی ہو نا حین شاہ؟ اگر تم ماما پاپا کے سامنے اس طرح رو گی تو ان کی روح کو تکلیف ہو گی۔ تم یہ جانتی ہو نا پھر ان قیمتی انمول موتیوں کو بے مول کیوں کر رہی ہو۔ تم جانتی ہو میں میلوں کی دوری پر ہوں وہاں پہنچ کر اس لمحے تمہارے آنسو صاف نہیں کر سکتا ہوں۔ تو اس کی اتنی بڑی سزا تو مت دو نا۔ ان آنکھوں میں میرے خواب بسیرا کیے ہوئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے خوابوں کو کوئی تکلیف ہو۔ کوئی ان کو ان کے گھر سے بے دخل کرے۔ سو پلیز حین شاہ، میری گزارش مان لو۔ ان آنسوؤں کو سنبھال کر آنکھوں میں رکھ لو۔ جب تک میں وہاں آ نہیں جاتا۔ کیونکہ میں تمہیں روتے ہوئے ہرگز نہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کوئی درخواست کر رہا تھا اور حین شاہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''میں رو نہیں رہی ہوں۔ میں تو ان یادوں کو چھو کر محسوس کر رہی ہوں۔ ان خوابوں کو دیکھ رہی ہوں جو دھول مٹی سے اٹ گئے۔ جو جیتے جاگتے خواب جیسے لوگ لمحوں میں ساکت ہو کر خواب بن گئے۔ ان در و دیوار پر اب بھی خوابوں کی آنکھیں چسپاں ہیں۔ ان خوابوں نے ان در و دیوار کو چھوا تھا۔ ان پر ان کا لمس آج بھی زندہ ہے۔ تر و تازہ ہے۔ ان یادوں کی آنکھوں نے اپنا گھر ان دیواروں پر بنا لیا ہے۔ ان کی آنکھیں چاروں طرف ہیں۔ مجھے دیکھ رہی ہیں۔ میں جس طرف بھی مڑتی ہوں یہ آنکھیں بھی ادھر ہی مڑ جاتی ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان یادوں کی آنکھوں سے بچنا عبث ہے۔ محال ہے۔ مگر میں یادوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھ

سکتی۔ جانتی ہوں دیکھوں گی تو انہی لمحوں میں کھو جاؤں گی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اپنی ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا مگر آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ درد گرم سیال بن کر آنکھوں سے بہہ رہا تھا اور اس کی تکلیف پر اس کا دل کٹ گیا تھا۔

''ھین شاہ..... میں جانتا ہوں تم کس کرب سے گزر رہی ہو۔ میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ اس تکلیف کو کم کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے دل پر پھائے رکھنا چاہتا ہوں۔ کاش میں کچھ کر سکتا۔ تو ان لمحوں کو تھام کر تمہارے سامنے لے آتا مگر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے والی۔ گزرے لمحے بس یادوں کی آنکھوں میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ ایک ساکت خواب بن جاتے ہیں۔ ایسے خواب جن کی آنکھیں منجمد ہو جاتی ہیں۔ اچانک یادوں کی گرم ہوا ان منجمد خوابوں کو پگھلا دیتی ہے اور وہ گرم سیال آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگتے ہیں۔ جیسے ابھی تمہاری آنکھوں سے گرم سیال قطرہ قطرہ پگھل کر تمہارے رخسار کو چھو رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کے دل کا احوال بیان کر رہا تھا۔ بنا کہے وہ سب جان گیا تھا۔ اپنے لفظوں سے اس کے دل پر پھائے رکھ رہا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو ھین شاہ؟ میرے خواب چلتے ہوئے آنکھوں کی طرف بڑھے تھے اور انہوں نے ان آنکھوں میں بسیرا کر لیا ہے۔ انہوں نے تمہاری آنکھوں کو اپنا مسکن بنا لیا ہے اور جب تم رو رہی ہو تو وہ خواب طوفانوں کی زد میں آ گئے ہیں۔ ان سمندروں میں طغیانی برپا ہونے سے میرے خواب ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ ڈوبنے سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں مگر بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ میرے خواب بے گھر ہو چکے ہیں۔ راستے بھٹک کر بولائے بولائے سے پھر رہے ہیں۔ انجان راہوں پر سرگرداں ہو گئے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اچانک ہی ایک زرد پہر تھم کیوں جاتا ہے۔ ایک زرد دوپہر چاروں طرف محاصرہ کیوں کر لیتی ہے اور دھوپ کی تمازت زندگی کے درخت کے ہرے بھرے پتوں کو سکھا کر زرد دوپہروں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پیلے پتے زندگی کی رمق کھونے لگتے ہیں اور خزاں کا موسم ٹھہر جاتا ہے اور یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ وہ پیلے پتے پھر سے ہرے نہیں ہو سکتے۔ جو پتے ٹوٹ کر ان ہرے بھرے درختوں سے گر جاتے ہیں وہ زندگی نہیں پا سکتے۔ اس حقیقت سے آگہی پا گئی ہوں۔ یہ رکنے کا موسم سمجھ میں آنے لگا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حکایتیں بیان کر رہی تھی۔ جس حقیقت سے سامنا ہوا تھا اس سے روشناس کروا رہی تھی۔ اپنے دل میں چھپے درد کو لفظوں میں ڈھال رہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا کا دل کسی نے جیسے مٹھی میں لیے لیا تھا۔ اس کی سانسیں ساکت ہونے لگی تھیں۔

اس سے بات کرتے ہوئے اس کی نگاہ ماما پاپا کی تصویر پر جم گئی تھی۔

''آپ نہیں جانتے ان یادوں کی آنکھوں کو میرا انتظار تھا۔ ان کی نگاہیں تو دروازے پر جم گئی تھیں۔ وہ ساکت تھیں مگر آہستہ آہستہ ان آنکھوں میں حرکت ہونے لگی ہے۔ میری طرف بغور دیکھ رہی ہیں۔ شکوہ کناں ہیں کہ میں کہاں کھو گئی تھی۔ مجھے باور کرا رہی ہیں میرے آنے سے ان میں زندگی متحرک ہو گئی ہے۔ ان یادوں کی سانسیں ساکن تھیں اور آنکھوں میں سکوت تھا۔ ایک ہوکا سا عالم تھا۔ مگر

ان یادوں کی آنکھوں میں چلتے پھرتے رنگوں نے وہیں دم توڑ دیا تھا۔ان پھولوں کی خوشبو کی دھڑکنیں منجمد ہوگئی تھیں۔سارے لفظ وہیں سرنگوں ہوگئے تھے۔ان کے دل میں چھپی داستانوں نے یادوں کی تتلیوں کے پروں پر رقم ہوکر انمٹ نقوش چھوڑے تھے۔میں ان داستانوں کو حرف حرف پڑھ رہی ہوں۔وہ تمام خواہشیں جو گہری نیند سوگئی تھیں،کبھی نا اٹھنے کے لئے،کبھی نا جاگنے کے لئے۔میں بارہا پڑھنے کی کوشش کررہی ہوں مگر لفظ میری سمجھ میں نہیں آرہے۔میرا علم ناقص ہوگیا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنی ناکامی کو تسلیم کررہی تھی۔اپنی کم فہمی کو مان رہی تھی۔اعتراف کررہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا اسے یوں ہارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔اسے کمزور پڑتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''ھین شاہ۔میں آرہا ہوں۔میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔تم کچھ بھی کہو اب میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔تمہاری بات مان کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے میں نے۔میں نے ایسا کیسے کردیا۔میں نے اپنا فیصلہ کرنے میں تمہاری سن لی۔مگر اب جان گیا ہوں۔کتنا غلط تھا میں۔مجھے تمہارے ساتھ ہی جانا چاہئے تھا۔اب دل مشکل میں پڑ گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں سارا الزام اپنے سر لے رہا تھا۔خود کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔اسے ایک ملال نے گھیر لیا تھا۔

اور ھین شاہ کو اس کا پرملال لہجہ اضطرابی میں مبتلا کرگیا تھا۔

''آپ خود کو الزام مت دیں۔تلاش کا عمل اتنا ہی تکلیف دہ ہوسکتا ہے۔خود سے ملنے کا احساس اسی قدر جاں گسل لمحات پر مشتمل ہوسکتا ہے۔خود کو تلاشنا آسان نہیں ہوتا۔خود سے ملنا مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔یادیں نہ جانے کن کونوں کھدروں سے نکل کر سامنے آکھڑی ہوتی ہیں اور حیرت زدہ نگاہوں سے تکتی رہتی ہیں۔ان کو تو احساس بھی نہیں ہوتا ان کے اوسان وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ کوئی ان کو تلاشتا ہوا ان تک پہنچ جائے گا۔وہ گمان کو حقیقت بنتا دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتی ہیں۔ہراساں سی کھڑی خود ہی تکتی جاتی ہیں۔بے یقینی سے بھری نگاہوں سے ساکت سی ہوجاتی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں یادوں کی حقیقت سے آگاہ کررہی تھی۔مدھم لہجہ اظل کے ملال اور تکلیف کو مزید بڑھا گیا تھا۔اس کا دل چاہ رہا تھا اڑ کر وہاں پہنچ جائے اور اس کو بانہوں میں بھر کر پوری دنیا سے چھپا لے۔اس کا سارا درد اپنے دل میں بھر لے اور اس کو اس تکلیف سے آزاد کردے۔وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔

''میں تمہیں کیسے بتاؤں ھین شاہ کیسی مشکل میں گھر گیا ہوں۔یہ لمحات جان گسل ہیں۔میرا دل قطرہ قطرہ پگھل رہا ہے۔سیال بن کر ادھر ادھر آنسوؤں میں پھیل رہا ہے۔تم اس کرب کا اندازہ نہیں کرسکتیں۔میں اضطرابی بڑھتی جارہی ہے۔یہ احساس مجھے پل پل مار رہا ہے۔جس لمحے تمہیں میری سب سے زیادہ ضرورت تھی ان لمحوں میں میں نے تمہیں تنہا ان یادوں سے لڑنے بھیج دیا ہے۔یہ ملال مجھے ایک پل بھی چین نہیں لینے دے رہا ہے۔بے چینیوں نے دل میں گھر کرلیا ہے۔اگر میں وہاں ہوتا تو ان تمام یادوں کے راستے مسدود کردیتا۔ہزاروں تدابیر اختیار کرکے ان راہوں کو مسدود کردیتا۔ان کا سامنا تم سے کبھی نہیں ہونے دیتا۔ان کو دائروں میں مقید کرکے ان کے اردگرد

ایک مضبوط باڑ لگا دیتا۔ ایک محاصرہ بنا کر تمہیں اپنے حصار میں لے لیتا مگر..... تم رو رہی ہو اور میرے ضبط پر کڑی آزمائش کا وقت ہے۔ تمہیں کیسے بتاؤں کتنا دشوار گزار مرحلہ ہے۔ سانسیں مدھم پڑتی جا رہی ہیں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا۔ مدھم لہجے میں اضطرابی تھی۔

''تم چلی گئی تھیں تو اپنے ساتھ میری آنکھیں بھی لے گئی تھیں۔ میری نگاہوں نے جب ان سرمئی تغافل سے بھری آنکھوں کو دیکھا تھا تو ان میں طغیانی بڑھتی جا رہی تھی۔ کھو دینے کا احساس ہچکولے کھا رہا تھا۔ ان میں خدشات بھر گئے تھے کہ وہ ان مناظر سے نگاہ ہٹانا نہیں چاہتے تھے۔ اس چہرے پر نگاہیں چسپاں ہو گئی تھیں۔ ان میں ایک خوف شدت کے ساتھ سرایت کر گیا تھا کہ اگر پلک بھی جھپکی تو کہیں منظر بدل نہ جائے۔ کہیں وہ منظر خواب نہ بن جائے۔ کتنے ہی اندیشوں نے سر اٹھایا تھا۔ سود و زیاں کے وسوسوں نے دل کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ ساکت نگاہوں نے ان چمکتے جگنوؤں کی جھلملاتی روشنی میں تیرتے یقین اور بے یقینی کے تکیے پر سر رکھ دیا تھا۔ ان نگاہوں نے دور تک تعاقب کیا تھا۔ قدموں کو گنا تھا مگر نگاہوں کو نہ ہٹنا تھا تو نہ ہٹیں۔ کھلی آنکھیں ایک ٹک تمہیں دیکھتی رہی تھیں اور تمہارے ساتھ ہی چلی گئی تھیں۔ تمہاری ان سرمئی آنکھوں میں سما گئی تھیں مدغم ہو گئی تھیں جیسے دریا سمندر میں مدغم ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کا فسوں لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔ عجیب حکایتیں سنا رہا تھا۔

''یہ یادیں میری زندگی کا حصہ ہیں۔ ان کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں۔ ان یادوں نے میری زندگی پر گہرے اثرات ثبت کیے ہیں۔ یہ یادیں میرے ساتھ چلتی پھرتی ہیں۔ میرے اندر سانس لیتی ہیں۔ یہ یادیں مجھے ادھورا کرتی ہیں اور یہی یادیں مجھے پورا کرتی ہیں۔ یہ مجھے مکمل کر دیتی ہیں۔ مجھے ان یادوں کی انگلی تھام کر ان کا لمس محسوس کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ مگر مجھے کھو دینے کا خوف ڈرا رہا ہے۔ مجھے ہراساں کر رہا ہے۔ میں مزید کچھ کھونا نہیں چاہتی ہوں۔ میرے خدشات ایک تسلسل سے مجھے ہراساں کر کے میرے دل کو خوف سے بھر رہے ہیں۔ میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی مگر ساری سوچیں گنجل ہو گئی ہیں۔ الجھتی ہوئی سوچوں نے مجھے مضطرب کر دیا ہے۔ میری الجھنیں بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں مجھے۔ میری سوچیں بھی آپ کی باتوں کی طرح پیچیدہ ہوتی جا رہی ہیں۔ آپ کی باتوں کے اثرات سوچوں پر واضح نظر آنے لگے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے الزام دے رہی تھی یا یہ کوئی شکوہ تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''میں اسے کیا سمجھوں کوئی شکوہ یا شکایت..... یا پھر کوئی الزام..... مگر جو بھی ہے اس میں ایک مثبت بات تو واضح ہے کہ میں آپ کی سوچوں پر اثر انداز ہونے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ اور آپ نے اعتراف کیا کہ آپ کی سوچوں پر میری باتوں کے اثرات واضح نظر آنے لگے ہیں۔ آپ مجھے حیران کرنے پر تلی ہوئی ہیں آج؟ تو چاہتی ہیں کہ میں خوش فہمی میں مبتلا ہو جاؤں؟'' وہ سوال پوچھ کر جواب کے لیے چند لمحوں تک خاموش رہا تھا۔ مگر دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ کوئی آواز نہیں تھی اور اظل کو لگا تھا جیسے ایک گہرا سکوت اس کی وحشت کو بڑھانے لگا تھا۔

''تم خاموش ہو اور تمہاری خاموشی میں چھپی ہزاروں داستانیں ہیں۔ میں ان خاموش سناٹوں میں خاموشی کی مدھم مدھم سرگوشیاں سن رہا ہوں۔ ان داستانوں کو از بر کرنے کی جستجو میں لگا ہوا ہوں۔ ان اسرار اور بھیدوں کے لامحدود قصے ہیں۔ بے شمار حصے ہیں۔ ان خاموشیوں کے اوراق پلٹ کر پڑھتا ہوں مگر راز کھلتا ہے کہ ان رازوں کو جاننے کے علم سے واقفیت نہیں رکھتا۔ میرا علم پورے طور پر ناقص ثابت ہو جاتا ہے۔ عقدہ کھلتا ہے میں تو ان خاموشیوں کے زیر اثر ہوں۔ میں تمہاری خاموشیوں کو لفظوں میں بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے لفظ بارش کے خاموش قطروں کی طرح ثابت ہوتے ہیں۔ جو خاموشی سے کنویں میں گرتے ہیں اور ہلکا سا ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک ارتعاش میری ان مدھم پڑتی دھڑکنوں میں بھی ہو رہا ہے جو تمہاری خاموشی کو سہہ رہی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھا اور حین شاہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ساری ہمتوں کو مجتمع کیا تھا جیسے بولنے کے لئے اسے ہمت درکار تھی۔

''میں خاموش کیوں ہوں بولنے کو کچھ نہیں ہے۔ کبھی کبھی لفظ اپنی وقعت کھو دیتے ہیں اور کبھی کبھی لفظ خود ہی راستہ بھٹک کر کہیں اور نکل جاتے ہیں اور ہم لفظ تلاش کرتے رہ جاتے ہیں مگر لفظ ہیں کہ ناپید ہو جاتے ہیں۔ چاہ کر بھی لفظوں سے رسائی نہیں ہوتی۔ کوئی آشنائی نہیں ہوتی۔ ایسے بھی خاموشی بہترین حل ہوتی ہے۔'' دھیمے لہجے میں توجیح بیان کی تھی۔

''مجھے لگتا ہے ایک رات صدیوں پر مشتمل تھی یا پھر ایک رات میں صدیاں تھیں میں جان نہیں پایا ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے میری آنکھیں بوڑھی ہو گئی ہیں۔ انہیں مدتیں ہو گئی ہیں ان آنکھوں نے تمہیں دیکھا ہے۔ یہ جاں گسل لمحے ہیں۔ یہ کتھارسس عجیب ہے۔ وقت جیسے منجمد ہو گیا تھا اور پھر سرد اور یخ بستہ ہو کر جمنے لگے تھے۔ تہہ در تہہ ایک دیوار بنانے لگے تھے۔ وہ لمحے صدیوں پر محیط ہو گئے تھے یا پھر ہر لمحہ ایک صدی بن گیا تھا۔ ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ ایک گہرا گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور پھر ان اندھیروں میں تمہاری یاد کے جگنو اچانک ہی ٹمٹمانے لگے تھے۔ سرد تاریک راہوں میں آنکھیں اس روشنی کے تعاقب میں چل پڑی تھیں۔ سرد جامد لمحے اس مدھم روشنی کی حدت سے پھر سے حرکت کرنے لگے تھے۔ صدیاں پھر لمحوں میں ڈھلنے لگی تھیں۔ تمہیں کیسے بتاؤں تم میرے زمانوں پر اختیار رکھتی ہو۔ لمحوں میں صدیوں کو پلوں پر محیط کر کے تحلیل کر دیتی ہو اور پھر لمحوں کو صدیوں کی طوالت دے کر کثیر کر دیتی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔

''طوالت تو آپ اپنی باتوں کو دیتے ہیں۔ فضول باتوں میں الجھا کر میرا وقت برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ نے۔ آپ کی باتیں روز اول کی طرح آج بھی اتنی ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں۔ مجھے آرام کرنا ہے۔ بہت تھک گئی ہوں۔ لگتا ہے میلوں کی مسافت طے کر آئی ہوں۔ سب بکھرا پڑا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہاں سے اور کیسے سمیٹوں۔'' وہ الجھی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔

''تمہیں یاد ہے نا میں نے کہا تھا حین شاہ اپنی تمام الجھنوں کو اور خدشات کو ایک گٹھڑی میں باندھ کر میرے حوالے کر دو اور خود بے فکر ہو جاؤ۔ میں نے ان وسوسوں کو ڈپٹا تھا۔ ان اندیشوں کو ڈانٹا تھا۔ انہیں تنبیہ کی تھی کہ تمہاری ان سرمئی آنکھوں کو پریشان نہ کریں۔ تم

اتنی آسانی بات بھی نہیں سمجھتی ہو کہ میں تمہاری الجھنوں کو سلجھانا چاہتا ہوں۔ بگڑی ہوئی باتوں کو بنانا چاہتا ہوں اور تم ان کو مزید دقیق اور پیچیدہ بناتی جا رہی ہو۔'' اظل نے مدھم لہجے میں شکایت کی تھی۔

''میں بعد میں بات کروں گی۔ تو قیر انکل اور آنٹی آ رہے ہیں۔ مجھے ان سے ملنا ہے۔ دادا جان اور دادی جان کو میرا اسلام کہیے گا۔'' اس نے کہا تھا اور پھر کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ وہ کمزور پڑنے لگی تھی۔ وہ خود کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کر کے تھکنے لگی تھی۔ مجتمع ہمتیں جواب دینے لگی تھیں اور ضبط ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے سمندر رواں تھے اور وہیں فرش پر بیٹھ گئی تھی اور سر گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔ وہ کتنے سوال چھوڑ گیا تھا۔ اس کے سوالوں کی دستک حیین شاہ کے دل پر مسلسل ہو رہی تھی۔ ایک ہی وقت میں کتنے محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا اسے۔ ایک طرف تو دل طمانیت سے بھر گیا تھا مگر دوسری طرف کھونے کا ڈر اسے بے چین کر رہا تھا۔

"Why it happens to me always? Why my heart is tumbling down inside me? Why I am dying inside? Why I can't take breath? Why does it feel like I have lost something which I never had ever! How could I survive without you?

وہ مدھم لہجے میں خود کلامی کر رہی تھی۔ اسے اردگرد کا ہوش نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کتنا وقت گزر چکا تھا۔ وہ خود سے لڑتے لڑتے تھکنے لگی تھی۔ خود سے ہارنے لگی تھی اور اسے اس ہار کا کوئی ملال بھی نہیں تھا۔ اس خواہ مخواہ کی بہادری اسے کوئی تمغہ نہیں ملنے والا تھا۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی ماما پاپا کے کمرے کی طرف بڑھی تھی مگر اسے راستے میں رک جانا پڑا تھا۔ کوئی چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور حیین شاہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بغیر ایک لفظ کہے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا تھا اور حیین شاہ نے بغیر کسی تردد کے اس کے ہاتھ سے کافی کا کپ تھام لیا تھا۔ انا اس لمحے کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی اور وہ شاید اس بات سے آگاہ کیا تھا۔

"Do you remember Hayyin Shah?"

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ شاید اس میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"Once I told you - I promised to you no matter what who enters your life, but I will never leave you alone ever. I will be around you and along with. I will love you more than any of them. And that fact and it take!

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں آ گئی ہوں۔ تم کیسے آگاہی پا گئے تھے۔ میں نے تو تم سے بات نہیں کی عرصہ ہو گیا ہے۔ صدیوں بعد ان ہواؤں کو محسوس کیا ہے۔ ماما پاپا کا لمس ان ہواؤں میں اسی طور موجود ہے۔ ان ہواؤں نے مجھے بانہوں میں بھر لیا تھا۔ مجھے احساس

دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ تھے۔ آس پاس تھے۔ میری سانسوں میں بس رہے ہیں۔ تبھی تو میں سانس لے رہا ہوں مگر آنکھیں ساکن منظروں کو دیکھ کر ہراساں ہو رہی ہیں۔ انہیں قبول کرنے میں مدتوں لگ جائیں گی شاید۔'' وہ مدھم لہجے میں حقائق کو بیان کر رہی تھی۔

''تم کیا سمجھتی ہو اگر تم مجھے نہیں بتاؤ گی تو کیا مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ میں تمہارا بہترین دوست ہوں۔ ان ہواؤں نے مجھے باخبر کر دیا تھا۔ مجھے مطلع کر دیا تھا۔ مجھے اطلاع دے دی تھی۔ جنوں نے پہلے ہی پیغام بھی دیا تھا، تبھی تو میں چلتا ہوا تم تک آ پہنچا۔ تم جانتی ہو نا۔ انکل آنٹی تمہیں دکھی کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ تم بھول گئیں کہ انکل نے کہا تھا تم شیر جیسی بہادر بیٹی ہو۔ ہمت اور حوصلے والی زندگی میں مشکلات آتی ہیں۔ ایسا کڑا وقت آتا ہے جب اپنوں کو کھونا پڑتا ہے۔ کھو دینے کا دکھ بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ان لمحوں کو برتنا دشوار گزار ہوتا ہے۔ میں ان لمحوں کے احساس کو سمجھ سکتا ہوں مگر تمہیں ہمت اور اسی حوصلے اور جرأت کا مظاہر کرنا ہوگا۔'' فیضان ضیاء ہاشمی اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔ اس کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور وہ سر جھکا گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں یادوں کا دروازہ ایک بار جب کھلتا ہے تو پھر بند نہیں ہوتا ہے۔ یادیں جوق در جوق ایک قطار بنا کر چلی آتی ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں ان کو بھولنا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔ ان سوچوں نے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کر کے ان یادوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں ایئر پورٹ گیا تھا تمہیں لینے کے لئے مگر تم وہاں سے نکل چکی تھیں۔ پھر میں گھر آیا تو تم رونے میں مصروف تھیں۔ میں نے سوچا تمہیں تھوڑا سا ٹائم تو دینا چاہئے کہ تم ان در و دیوار کو دیکھ کر جانچ پڑتال کر سکو کہ میں نے اس گھر کی دیکھ بھال میں کوئی کمی تو نہیں چھوڑی۔ میں روز یہاں آتا تھا اور صفائی کرتا تھا۔ ان تصویروں پر پڑی دھول مٹی کو صاف کرتا تھا اور ان تصویروں سے ڈھیر ساری باتیں کرتا تھا۔ میں نے تمہاری غیر موجودگی میں ان یادوں کو تنہا نہیں چھوڑا کبھی.....!'' عفان ضیاء ہاشمی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''میں جانتی ہوں.....انکل کیسے ہیں اور آنٹی؟ تم انکل کو پریشان تو نہیں کرتے ہو نا؟ اب سدھر جاؤ۔ تم ان کو پریشان کرنا چھوڑ دو۔ والدین بہت قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ جب تمہارے پاس یہ خزانہ ہے تو اس کو سنبھال کر رکھو۔ ان کی قدر کرو۔ ان کا دل کبھی مت دکھاؤ۔ ان کی یادوں کو غور سے سنو۔ یہ قیمتی متاع حیات کی طرح سنبھال کر ان کا دھیان رکھو۔'' وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہی تھی۔

اور اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم کیسی ہو؟ بہت کمزور ہو گئی ہو۔ تم نے اپنا خیال نہیں رکھا نا۔ تم تو بے حد لاپرواہ ہو یہ بات تو جانتا ہوں میں۔ اپنا خیال تو بالکل نہیں رکھا تم نے۔ مجھے تمہاری بہت فکر ستا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا فوراً وہاں پہنچ جاؤں اور شاید پہنچ بھی جاتا مگر پاپا نے منع کر دیا اور بقول تمہارے میں ان کی پریشانی کی وجہ بن جاتا ہوں ہمیشہ اس لئے اصرار نہیں کیا تھا۔'' وہ فکر مندی سے اس کے چہرے کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا اور حسین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ شاید وہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دل کا

رازاس پر عیاں ہوتا۔اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''تم نے جواب نہیں دیا ھین شاہ؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور ھین شاہ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تم اتنی الجھی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ مجھے بتاؤ نا کیا ہوا ہے۔تم اچانک غائب ہوگئیں کوئی رابطہ نہیں رکھا مجھ سے۔لمحوں میں غیر کر دیا۔کوئی رواداری نہیں نبھائی تم نے اور اب آ گئی ہو۔اتنی بڑی ہوگئی ہو تم؟ اپنے سارے فیصلے خود کر سکتی ہو۔جب چاہتی ہو ایسی بن جاتی ہو جیسے کوئی واسطہ ہی نہیں اور انجان بن کر بیگانگی کا مظاہرہ کرتی ہو اور تمہیں تو احسان لینا گوارا نہیں نا؟ تمہاری انا پر تو گہری چوٹ پڑنے والی تھی نا.....اور جب تم نے مجھ سے سارے تعلق اور واسطے ختم کر دیئے تو تم نے پوری طرح یہ ثابت کر دیا کہ میری کوئی وقعت تمہاری زندگی میں کبھی نہیں رہی تھی۔بس نام کا دوست تھا اگر حقیقتاً تم ایسا سمجھتی ہو تو اپنی ہر تکلیف سے مجھے آگاہ کرتیں۔یوں گریزاں نہ رہتیں اور بیگانگی کا مظاہرہ نہ کرتیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھا۔اس کے لہجے میں ایک گہرا اضطراب تھا۔

اور ھین شاہ کو اپنے دوست کو ہرٹ کرنا برا لگا تھا۔وہ کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی تھی۔وہ جانتی تھی وہ اسے اگنور کر رہی تھی۔وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''کیا سمجھتی ہو چھپا لوگی یہ تیرگی جو تمہاری آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہی ہے۔ایک کھو دینے کا ڈر جو تمہیں کھائے جا رہا ہے۔ایک خوف جو تمہاری آنکھوں میں چلتا پھرتا صاف اور واضح اپنی شبیہہ دکھا رہا ہے اور تمہیں کیا لگتا ہے میرے سامنے مضبوط بنی کھڑی رہو گی تو مجھے پتا نہیں چلے گا کہ تم اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہی ہو۔میں تو حیران ہوں تمہیں تو ملمع کاری کرنی میں آ گئی ہے ھین شایان شاہ؟ یہ تو نیا گر ہے جو تم نے سیکھا ہے۔تم نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔چھپا ہی نہیں سکی ہو تم کبھی کچھ اور آج سب سے بڑی بات چھپانے کے جتن کر کے ہارنے لگی ہو؟'' وہ مدھم لہجے میں بغور اس کی دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''اپنا دل وہیں چھوڑ آئی ہو نا تم؟ یہ محبت ہی تو ہے نا تمہاری آنکھوں سے سیال بن کر بہہ رہی ہے۔جس نے تمہارے اندر ایک حشر برپا کر دیا ہے۔جس نے ایک ہلچل تمہارے اندر مچا رکھی ہے اور جو خوف بن کر تمہاری رگوں میں سرایت کر گیا ہے اور تمہیں کھو دینے کا خوف کھایا جا رہا ہے۔اس ڈر نے تمہاری آنکھوں میں ڈیرہ جما لیا ہے۔تمہاری آنکھوں کے اسلوب نئے ہیں۔لا بیانیاں اور بیانیاں قصوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔لامتناہی سلسلہ ہے جو تمہاری آنکھوں سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو جاتا ہے اور جب سمجھنے لگتا ہوں کہ میں جان گیا ہوں یہ قصے لامحدود ہیئت اختیار کر لیتے ہیں۔تا حد نظر تک پھیل جاتے ہیں۔تمہاری آنکھوں میں بیگانگی کی ہوا کے ساتھ اڑتے ہوئے دور تک ان پرتوں کی وسعتوں میں تحلیل ہونے لگتے ہیں۔اور میں حیران سا دیکھتا رہ جاتا ہوں۔'' عفان ضیاء ہاشمی نے اسکی طرف بغور دیکھتے ہوئے تجزیہ بیان کیا تھا۔اگر وہ اسے حیران کرنا چاہتا تھا تو وہ کامیاب رہا تھا۔وہ حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ جس بات کو چھپانا چاہتی تھی خود بھی بے خبر رکھنا چاہتی تھی۔ جس بات سے خوفزدہ تھی وہی بات ہوگئی تھی۔ وہ جان گیا تھا مگر کیسے.....

''تم یہ کیا داستانیں سنانے بیٹھ گئے ہو۔ تم آج بھی اتنے ہی فضول قسم کے انسان ہو۔ تم نے میری خاموشی سے ایک قصہ بنا دیا ہے۔ مجھے تم سے کسی ایسے ہی برتاؤ کی توقع تھی۔ تم اتنے ہی بے وقوف ہوا بھی تک۔ تم نے آج تک خود کبھی محبت کی ہے؟ کبھی محبت کو برتا ہے؟ جو تم یوں محبت کی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے داستانوں میں الجھا کر میرا دھیان بٹا رہے ہو؟'' وہ اسے ڈپٹ رہی تھی۔

''تم چھپانے کے جتن کر بھی لو پھر بھی مجھے خبر ہو جاتی ہے۔ میں ان تمام رازوں کے نشان جا بجا تمہاری آنکھوں میں دیکھ لیتا ہوں جسے تم چھپانے کا قصد کرنے میں سرگرداں ہوں مگر میں ان بھیدوں تک رسائی پا جاتا ہوں۔ ان رازوں کو بھی مجھ سے کچھ خاص انسیت ہے۔ لگتا ہے پرانی جان پہچان ہے تبھی تو تمہاری آنکھوں سے سفر کر کے دھیمے قدموں چلتے ہوئی میری آنکھوں میں آ کر بسیرا کر لیتی ہیں۔ تم جان لو تمہاری آنکھوں میں جس ڈر نے کنڈلی مار کر ڈیرہ جما لیا ہے وہ ڈر اور خوف جیسے دبیز پرتوں کے پیچھے چھپا کر تم سمجھتی ہو تم نے احتیاطی تدابیر کر لی ہیں ان رازوں کے گرد حصار بنا کر سمجھتی ہو ان کو مسدود کر دیا۔ تمہیں لگتا ہے میرا ان تک رسائی پانا عبث ہوگا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عجیب انکشافات کر رہا تھا۔

اور حین شاہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اوہ تو تم دعویٰ کر رہے ہو مجھے پڑھنے کا؟ اور میں تو جیسے مان ہی لوں گی نا میں نہیں جانتی کہ تم فضول باتیں کرنے کے خاصے ماہر ہو۔ اس طرح کی داستانیں بنانا تو تمہارے بائیں ہاتھ کا کام ہے مگر افسوس یہ تمام باتیں مجھ پر اثر پذیر نہیں ہوتیں۔ تو اب سدھر جاؤ۔ مجھے پریشان کرنے کی کی کوشش مت کرو۔ میں تھکی ہوئی ہوں۔ مجھے آرام کرنا ہے۔ اب اگر تم نے مزید فضول کی ہانکی تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔'' وہ مدھم لہجے میں ڈپٹ رہی تھی اور پھر آرام سے موضوع بدل گئی تھی۔

اور وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا تھا۔

''تم بھی کمال کرتی ہو حین شایان شاہ۔ جہاں میں پٹڑی سے اترنے کی کوشش کرتا ہوں وہاں تم میری کھینچا تانی شروع کر دیتی ہو۔ تم نے ثابت کر دیا کہ ذرا بھی نہیں بدلی ہو۔ تم ابھی بھی ویسی کی ویسی ہی ہو۔ وہی تمکنت وہی غرور، وہی مزاج کی تلخی۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ میں اب بھی ویسا ہی ہوں۔ تمہاری محبت میں پاگل..... انہی راستوں پر محوِ سفر ہوں جن راستوں پر تم نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ میں تو اب بھی وہیں کھڑا ہوں۔ ایک قدم بھی وہاں سے نہیں اٹھایا۔ قدم وہیں ساکت ہو گئے تھے اور دھڑکنیں بھی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کس کرب سے گزرا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

اور حین شاہ نے ایک مکا اس کے کندھے پر مارا تھا اور اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''تم اگر سدھرو گے نہیں تو میں تمہاری شکایت ضیاء انکل سے کردوں گی اور پھر خود ہی نمٹ لیں گے تم سے۔اور ابھی بند کرو اپنی ڈرامہ بازی۔تم بالکل ڈرامہ کوئین ہو۔تمنا بی بی کہاں ہیں۔میری ملاقات ابھی ان سے نہیں ہوئی ہے۔''حین شاہ نے اس کو ڈپٹا تھا اور پھر اچانک موضوع بدل دیا تھا اور عفان نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔اس کا موڈ تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

عفان اس کی طرف بڑھا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔پھر دھیمے لہجے گویا ہوا تھا۔

''تمہاری آنکھیں الجھنیں کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہیں۔تم بظاہر مجھے مطمئن کرنے کے لئے موضوع بدل چکی ہو کیونکہ تم میرے سوالوں سے بچنا چاہتی ہو۔ان سوالوں کے جواب دینا ضروری خیال نہیں کرتی ہو تم۔تم نے مجھے غیر کر دیا ہے حین شاہ۔میں لاکھ خود کو تمہارا بہترین دوست کہوں مگر تم نے ایک پل میں ثابت کر دیا کہ وہ سارے دعوے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔تمہاری سوچوں میں تضاد واضح نظر آ گیا ہے۔تم نے تو مجھ سے شکوہ کرنے کا حق بھی چھین لیا ہے۔سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔کیا تم مجھے بتاؤ گی؟''

"What's wrong with you? Look at me and reply to me Hayyin Shah. I want to know everything. I want to hear truth. I won't listen any lame excuses."

وہ سوالیہ نظروں سے اس کے الجھے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور حین کو لگا تھا جیسے اس نے اس کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"I don't know what to say and how to explain things. I know I can't sort out things, I can't fix things but it's hard to answer the questions while someone asks to you. What's wrong? While I have already realized there's nothing right."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"I felt I have lost somewhere!"

وہ دھیمے لہجے میں توجیح پیش کر رہی تھی۔دھیمے لہجے میں اضطرابی بڑھ گئی تھی۔

اور عفان کو اپنی دوست کا دکھ تڑپا گیا تھا۔اس کے اندر ایک گہرا ملال اتر آیا تھا۔اسے برا لگا تھا وہ اس کے دکھ کی وجہ بن گیا تھا۔اسے پھر سے تمام باتیں یاد کروا کر اسے پھر سے بے چین کر گیا تھا۔

''تم جانتی ہو نا حین شاہ ستارے بھی تب تک روشن اور چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے جب تک کہ گہرا اور گھپ اندھیرا انہیں چھا جاتا۔حالانکہ وہ دن میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر سورج کی روشنی کے سامنے ان کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔وہ وہموں کی طرح سوچوں کے کمروں میں کہیں کونوں کھدروں میں دبک جاتے ہیں اور جیسے ہی گہری گھپ تاریکی پھیلتی ہے تو یہ یادوں کے ستارے اپنی روشنی بکھیرنا شروع

کر دیتے ہیں۔تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں ناصح بنا سمجھا رہا تھا۔

''مجھے بھی ایسا لگتا ہے جیسے میں ان سیاروں کی طرح ہوں جو اپنے محور سے بھٹک جاتے ہیں اور وہ خلا میں معلق ہو جاتے ہیں۔ گھپ اندھیروں میں کھو جاتے ہیں اور سرد بستی میں بسی تاریکی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔میں ان تاریکیوں کا کرب سمجھنا چاہتی ہوں۔میں ان رازوں کو جاننا چاہتی ہوں کہ اگر کھو جائیں اور راستہ بھٹک جائیں تو واپسی کا سفر کیسا ہوگا۔کتنا جاں گسل ہوگا۔جب ساری راہیں گنجل ہو کر راستوں کو مزید الجھا دیں تو قدم اپنے محور کی طرف کیسے حرکت کریں گے۔'' وہ مدھم لہجہ عجیب الجھا ہوا تھا۔بے ربط باتوں کا ایک عجیب سا ملاپ تھا۔کچھ کہا کچھ ان کہا سا احساس تھا۔اس نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں مجھ سے محبت ہے تو کہہ کیوں نہیں دیتیں۔کب تک الجھنوں میں گرفتار رہو گی تم۔آخر مان لینے میں قباحت کیا ہے؟ تغافل کیا ہیں؟ رابطہ ہے تو واسطے بڑھانے میں کیا حرج ہے؟ یوں بیان اور لا بیانی کے قصے کب تک ادھورے رہیں گے۔ہواؤں نے ان رازوں کی پاسداری کا وعدہ کیا تھا وہ صیغۂ راز میں رکھنے کا ارادہ رکھتی ہیں مگر اچانک ہی انہوں نے عہد شکنی کر دی اور یہ قصہ خوشبو کی طرف چاروں اور پھیل گیا ہے۔اس سے بچنا عبث ہے۔تدارک کرنا محال لگ رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔

''کیا؟ تم پاگل ہو گئے ہو؟'' تمہارا دماغ تو پہلے ہی بہت درست نہیں تھا۔اس کا پورا شک تھا مجھے اور اب یقین ہونے لگا ہے۔تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔میں نے تم سے بات کر لی۔میں بھول گئی تھی تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تم سے کوئی بات شیئر کروں۔کیسی بے پر کی اڑا رہے ہو۔تم اگر اس دنیا کے آخری انسان بھی ہو گے تب بھی تم میرا انتخاب نہیں ہو گے۔خوش فہمیوں میں رہنا چھوڑ دو تم۔تم اب بھی اتنے ہی پاگل ہو بلکہ معاملہ کافی حد تک مزید بگڑ گیا ہے۔تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔'' اس نے غصے سے اس کی طرف گھورتے ہوئے اسے ڈپٹا تھا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کے باہر کھڑا کر دیا تھا اور وہ جانتا تھا اس کی خفگی کو۔وہ اسے اکسا رہا تھا تبھی تو کامیابی پر طمانیت سے مسکرا رہا تھا۔

''یہ خوش فہمی مجھے نہیں ہوئی یہ غلط فہمی آپ کے ان کو ہوئی ہے جو خوف کے مارے کوئی ہزار بار پاپا کو فون کر چکے ہیں کہ ان کی نصف بہتر آ رہی ہے پلیز اس کا خیال رکھیں۔اسے تنہا نہ چھوڑیں تبھی تو میں بھی چلا آیا۔تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا مگر تمہیں تو کسی کی کوئی قدر ہی نہیں ہے۔کسی کے جذبات کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ابھی دیکھو اپنے اکلوتے دوست کو کیسے بے عزت کر کے دروازے سے باہر نکال کر کھڑا کر دیا ہے تم نے۔'' اس نے مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔کتنی شکایتیں تھیں اس کے لہجے میں۔

''تم نے میرے لئے کھانا بنایا ہے؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تم کونسی پرانی دشمنی نکالنا چاہتے ہو مجھ سے؟ تمہیں کھانا بنانا کب آتا ہے؟ دیکھا تمہاری نیت کی خرابی اسی سے ظاہر ہے کہ تم نے کھانا بنایا۔تم ضرور مجھے مارنا چاہتے ہو کیونکہ تمہارے ہاتھ کا بنایا کھانا کھا کر تو کاکروچ بھی مر جاتے ہیں اور اگر مریں نہ تو خود جا کر خودکشی

کر لیتے ہیں۔اور اب تم جانتے ہو کہ میں تمہارے تجربے Experiment کا نشانہ بن جاؤں۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی وہ کتنا برا کھانا بناتا تھا۔

اور وہ اس کے تجزیے پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔اس کے لیے یہ اطمینان کافی تھا وہ موضوع سے ہٹ چکی تھی۔

''تم حد کر دیتی ہو۔اب اتنا بھی برا کھانا نہیں بناتا ہوں۔تم میری سب سے بڑی دشمن ہو یہ درست ہے مگر ایک دشمن پالنا بھی ضروری ہے اور وہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے جب دشمن تم جیسا ذہین اور حسین بھی ہو تو اور خفگی تو تمہارے حسن کو اور بھی دوآتشہ کر دیتی ہے۔ ابھی بھی دیکھو تمہاری آنکھوں میں سے کیسے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔جیسے ابھی جلا کر خاکستر کر دو گی۔میری ہمت کی داد کہ کیسے جھیل جاتا ہوں میں تمہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے باور کرایا تھا۔آنکھوں میں شرارت تھی۔حسین شاہ نے اسے دیکھا تھا اور پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور عفان کو جیسے اس پر ترس آ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری یہ سب مذاق تھا۔ماما نے تمہارے لیے کھانا بنا کر بھیجا ہے۔وہ خود بھی آئیں گے جلد ہی مگر ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔کھانا ڈائننگ ٹیبل پر رکھا ہے۔ابھی گرم ہی ہے تم کھا لو اور میں پھر دوبارہ آؤں گا۔ابھی کچھ کام ہے۔ڈرنا مت اور کوئی بھی ضرورت ہو تو فوراً کال کر لینا۔'' وہ کیئرنگ انداز میں کہہ رہا تھا۔وہ جانے کے لئے مڑا تھا جب اس نے پکارا تھا۔

''سنو.....!'' اس نے پکارا تھا۔وہ رک گیا تھا اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''شکریہ۔تم نے اتنا تردد کیا۔آنٹی کو میری طرف سے شکریہ کہہ دینا۔'' اس نے کہا تھا اور عیان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔پھر پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔اور حسین شاہ نے دروازہ بند کیا تھا اور پھر وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی اور الجھن نے پھر سے اس کے اردگرد محاصرہ بنا لیا تھا۔مکڑی کا جال بننا شروع کر دیا تھا۔ساری آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔اس نے گھٹنوں کے گرد بانہوں کا گھیرا بنایا تھا اور پھر سر گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔آنکھوں سے سمندر بہنے لگے تھے۔وہ نہیں جانتی تھی اس نے درست فیصلہ کیا تھا یا نہیں مگر دل خفا تھا۔دھڑکنوں میں تلاطم بڑھتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب لگتا ہے زندگی بنجر اور ویران صحرا کا منظر پیش کرتی ہے۔جھلستی ہوئی دوپہریں اور تپتی ہوئی شامیں۔چاروں طرف ایک ہو کا سا عالم ہوتا ہے۔تب ادراک ہوتا ہے کہ ایک شخص کے ہوتے زندگی میں رنگوں کا ڈیرہ لگ جاتا ہے اور ایک شخص کے جانے سے کیسے ویرانے اپنا ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔ایک وحشت کا راج ہو جاتا ہے چاروں طرف۔ایک گہرا سکوت چھا جاتا ہے۔

اظل سہام مرزا نے سونے کی کوشش کی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ایک اضطرابی مسلسل دل کو بے چین کر رہی تھی۔اس نے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا اور پھر اسکرین کو Unlock کر کے کوئی نمبر ڈائل کیا تھا۔دوسری طرف مسلسل بل ہو رہی تھی مگر کال پک

نہیں ہوئی تھی۔ وہ شاید اگنور کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ دل تھمنے لگ گیا تھا۔ بے چینیوں نے پھر شدت سے سر ابھارا تھا۔ دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔ ایک پریشانی نے گھیرا تنگ کر دیا تھا۔ سوچیں بے چینیوں کے جنگل میں بھٹک کر راستہ بھول گئی تھیں۔ اس نے دوبارہ ٹرائی کیا تھا مگر مسلسل بیل ہونے کے بعد کال ڈسکنیکٹ ہوگئی تھی۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی اور پھر شاید اسے رحم آ گیا تھا۔ اس نے کال پک کر لی تھی مگر دوسری طرف ایک گہرا سکوت تھا۔

''ھین شاہ..... کیا ہوا؟ تم کال پک کیوں نہیں کر رہی تھیں؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟ جلدی بولو ورنہ میری سانسیں تھم جائیں گی۔'' وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں فکرمندی نمایاں تھی۔ مگر دوسری طرف خاموشی ہنوز برقرار تھی۔

''تم کہاں تھیں اور کال کیوں پک نہیں کر رہی تھیں؟ بولو جواب دو۔ تم خاموش کیوں ہو؟'' اظل سہام مرزا کی بے قراری کچھ اور بھی سوا ہوگئی تھی اور اس کا جواب ناپید تھا۔ مگر اس کی مدھم سانسوں کے ردھم سے اس کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ بول کیوں نہیں رہی تھی۔ وہ پھر رو رہی تھی۔ اظل کو صورتحال کی سنگینی کا اندازہ تھا اور اسے بھی شاید احساس ہوگیا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر کڑے ضبط کے مراحل سے گزرتے ہوئے بمشکل گویا ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان مت ہوں۔ میں کچھ مصروف تھی۔ فون کمرے میں بھول گئی تھی۔ اب آئی تو آپ کی کالز دیکھیں۔ دادا جان اور دادی جان کیسے ہیں؟ دادا جان کی کال آئی تھی وہ خاصے پریشان ہو رہے تھے۔ آپ پلیز ان کو سمجھائیے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ آ رہے ہیں مگر آپ جانتے ہیں نا ان کا وہاں ہونا کس قدر ضروری ہے۔ ممانی جان ایک مدت کے بعد وہاں آئیں ہیں ان کو ممانی جان کے ساتھ وقت گزارنا چاہئے نا۔ ان کو میری فکر ستا رہی ہے۔ اسی لیے وہ آنا چاہ رہے ہیں مگر میں خودغرض نہیں ہوں۔ اپنی خوشی کے لئے کسی اور کی خوشی سبوتاژ کر دوں۔ یہ کوئی اچھا فعل تو ہرگز نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جواز بنا رہی تھی اور اس کی آواز سن کر اظل سہام مرزا کے اندر نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ایک گہری طمانیت نے اس کے اندر جگہ بنالی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہوگئی تھی۔ اسے اس کی ذومعنی باتیں سمجھ میں آنے لگی تھیں۔ اس کا گریز بے وجہ نہیں تھا۔ بے جواز نہیں تھا۔

''ھین شایان شاہ جانتا ہوں آپ کا گریز بے جواز تو ہرگز نہیں ہے۔ آپ نے جانے کا فیصلہ یوں ہی تو نہیں لیا تھا۔ ہزار تاویلوں سے آپ نے قائل کر کے چھوڑا تھا اور ابھی پھر آپ دلیلیں دے رہی ہیں۔ آپ قصداً دوریاں بڑھا رہی ہیں۔ آپ نے تہیہ کر لیا ہے۔ بیڑا اٹھا لیا ہے کہ فاصلوں کو بڑھا کر طویل کر دیں گی۔ درمیان میں سمندر حائل کر کے میلوں اونچی فصیلیں اٹھا دیں گی۔ آپ یہ تغافل کم کیوں نہیں ہونے دیتیں؟ فاصلوں کا بڑھانے کا سلسلہ ترک کیوں نہیں کر دیتیں آپ؟ متروک باتوں کو جواز بنا کر کیوں اس طوالت کو صدیوں پر محیط کر رہی ہیں آپ؟ جو باتیں صیغہ راز بنا کر رکھی ہیں آپ نے دل کے نہاں خانوں میں۔ جو پریشانیاں اور غلط فہمیاں دل کے کونوں

کھدروں میں چھپ کر آپ کو ہراساں کر رہی ہیں۔ان کو بیان کیوں نہیں کر دیتیں۔یہ جو ڈھکے چھپوں لفظوں میں جو بے ربط واسطوں میں روابط بنانے کے لئے سرگرداں ہیں۔جن بھیدوں کو نئے اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کر رہی ہیں صاف کہہ دینے میں قباحت کیا ہے ھین شاہ؟اگر آگاہی کے درد کو وا کر دو تو تدارک کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔دھیمے لہجے میں شکایتیں تھیں اور بے چینیاں کم ہونے کی بجائے کچھ اور بھی بڑھ گئی تھیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔آپ خواہ مخواہ باتوں کو دوسری طرف کھینچ کر لے جا رہے ہیں۔قلیل باتوں کو کثیر کرنے کی آپ کی پرانی فطرت ہے۔مگر یہ محض قیاس آرائیاں کر کے آپ سمجھ رہے ہیں کہ میری سوچوں تک رسائی پا جائیں گے تو یہ قطعی غلط ہے۔آپ جانتے ہیں کہ اصل وجوہات کیا ہیں۔کوئی بھی وجہ بے جواز نہیں ہے مگر اگر اس جواز کو بے جواز ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اسے کم فہمی کے سوا اور کیا کہا جائے یا پھر آپ جان بوجھ کر انہیں مزید پیچیدہ بنا رہے ہیں۔میری مشکلیں بڑھا کر طمانیت کا سانس لے رہے ہیں یا پھر مجھے جھٹلا کر مجھے غلط باور کروانے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتے ہیں؟''ھین شاہ نے سرد لہجے میں احتجاج کیا تھا۔اس کا مدھم لہجہ جتا گیا تھا کہ خفگی کافی بڑھ چکی تھی۔حالات جوں کے توں تھے۔اس کی مخالفت میں کھڑے تھے۔

اور اظل سہام مرزا کو جان لینے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ وہاں ابھی تک سرد مہری اپنے پورے طور پر قائم تھی۔ڈھاک کے وہی تین پات صاف نظر آئے تھے۔

''مجھے فاصلوں نے آگاہ کر دیا تھا۔ان کے دور جاتے قدم متزلزل تھے لڑکھڑا رہے تھے۔فاصلوں کو ابہام ستانے لگے تھے کہ فاصلے طوالت اختیار کر جائیں گے۔طویل سے طویل تر ہوتے جائیں گے۔ان فاصلوں نے ادھر ادھر پھیل کر سمت بدلنے کی سعی کی تھی۔الجھے ہوئے ابہام نے بدگمانی کا ساتھ دے کر راستوں کو الجھا کر گنجل کر دیا تھا۔بڑھتی ہوئی دوریوں نے فاصلوں کے خدشات کو درست ثابت کر دیا تھا۔ہواؤں نے مخالف سمت چل کر قدموں کے نشان مٹا دیئے تھے۔پھر بھی میں سدباب کرنے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتا۔کوئی بھی ابہام یقین کے سمندروں میں تیر نہیں سکتا۔کتنے بھی خدشات سر اٹھا لیں مگر یقین کے سمندر میں ڈوب جانا ان کا مقدر ٹھہرتا ہے۔تمہیں جو خدشات نے گھیر لیا ہے۔تمہارے قدم تو میری مخالفت میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجہ بے چین تھا۔دھیما لہجہ شکوہ کناں تھا۔

''آپ شکوے کر رہے ہیں حالانکہ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے میں نے آپ کی مشکل آسان کر دی ہے۔میں نے رشتوں کو پنپنے میں مدد دی ہے۔جب اچانک محبت نے سر اٹھایا تھا اگر غلط راستوں پر چل پڑیں تو واپسی کا سفر جاں گسل ہوتا ہے۔تبھی قدموں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔خرد نے انگلی تھام کر صحیح راستوں کی نشاندہی کی تھی۔اب اگر فاصلے بڑھ گئے ہیں تو آپ اتنے شکوہ کناں کیوں ہیں۔میں نے آپ کی خوشیوں کے لئے راستے بنائے ہیں۔ان راستوں کی رکاوٹوں کو ہٹا دیا۔آپ کو یوں شکایتوں کا انبار تو قطعی نہیں لگانا چاہئے۔یہ دکھاوے کی ہمدردی اور خیال کرنا آپ کو سوٹ نہیں کرتا۔اب آپ اطمینان سے اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔فضا آفتاب

اچھی ہے اور اس کے لہجے میں جو استحقاق بولتا ہے وہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کو سلجھنے میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں جتا رہی تھی۔ اسے باور کرا رہی تھی کہ وہ بے خبر نہیں تھی۔ وہ انجان نہیں تھی۔

''اوہ تو آخر کار دل کی بات زبان پر آ ہی گئی نا۔ تو اصل معاملہ یہ تھا حسین شاہ۔ اگر مجھے لگ رہا تھا کہ بدگمانیاں اپنی جگہ بنا چکی ہیں تو میں غلط نہیں تھا۔'' وہ مدھم لہجہ اطمینان سے بھر گیا تھا۔ جیسے آگاہی پا جانے کی طمانیت نے اندر تک سکون بھر دیا تھا۔

''تمہیں یہ بدگمانی کیونکر ہوئی میں نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میں سانس نہیں لے رہا ہوں۔ میں اپنے آپ سے لڑ رہا ہوں۔ کھونے سے ڈر رہا ہوں۔ تم میری حوصلہ شکنی کر رہی ہو۔ میرے حوصلوں کو پست کر کے تم کمزور کر رہی ہو۔ تمہاری بدگمانی کے سمندر پر میرا یقین ڈگمگا رہا ہے۔ تیرتا ہوا دور تک نکل آیا ہے۔ تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے محبت نے جکڑ لیا ہے۔ مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا ہے۔ میرے اردگرد ایک محاصرہ بنا کر میری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ مجھے مقید کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں محبت دور تک پھیل چکی ہے۔ تم چاہو تو فاصلوں کو بڑھاؤ مگر میں عشق کا لمس ان فاصلوں پر ثبت کر چکا ہوں۔ عشق کا لمس اور عشق کی حدت ان فاصلوں کو جلا کر خاکستر دیا ہے۔ تبھی تو عشق کو بے اختیاری لگ گئی ہے۔ عشق کو گمان سے کیا واسطہ اور بدگمانی عشق کی آتش میں جل کر راکھ بن چکی ہے۔ تم نا مانو مگر یہ حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں نئے راز منکشف کر رہا تھا۔ اس لہجے کے اسلوب نئے تھے۔ انداز جدا تھا۔

''آپ مجھے جھٹلانے کی سعی بھی کر لیں تب بھی یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے کیونکہ سچ کو چھپانا آسان نہیں ہوتا۔ سچ پر ایک جھوٹ کو لبادہ اوڑھنا چاہو تو اس کو چھپنا چاہو یا پھر اگر سچ کو کسی تہہ خانے میں بند کر کے اگر مطمئن ہو جائیں تب بھی سچ کہیں نہ کہیں کونوں کھدروں سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوگا۔ سچ کی طاقت سے شاید آپ ناواقف ہیں یا پھر سچ کو جھوٹ کے جھمیلوں میں الجھانا چاہتے ہیں۔ مگر جان لیں آپ سچ سے جھوٹ سے کوئی شغف نہیں ہے۔ سچ کی روشنی میں جھوٹ کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور سچ کی روشنی میں سب صاف نظر آتا ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں اسے جتا رہی تھی۔ اسے باور کرا گئی تھی جیسے وہ اس پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

''آپ کے اندر اتنی بدگمانی کہاں سے بھر گئی ہے۔ اتنی تلخی کیسے سمٹ آئی ہے آپ کے لہجے میں۔ ایک کڑواہٹ سے بھرپور لہجہ ہو گیا ہے آپ کا اور.....!'' وہ کچھ بولتا بولتا رک گیا تھا۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور حسین شاہ کی ساری حسیات سماعت بن گئی تھیں۔ وہ جاننے کو بے تاب تھی وہ کیا کہنے والا تھا مگر وہ چپ ہو گیا تھا اور حسین شاہ کی سانسیں بھی رکنے لگی تھیں۔

''اور کیا؟'' اس نے پوچھا تھا۔ لہجے میں چھپی بے قراری چھپی نہیں رہ سکی تھی اور دوسری طرف کسی کو یہ بے قراری مسرور کر گئی تھی۔

''اور کیا سننا چاہتی ہیں آپ؟ کہنے کو تو بہت کچھ ہے، بے شمار ہے مگر تم تو سننے کو تیار نہیں ہو۔ میری باتوں کو رد کرتی ہو۔ میں چپ ہو جاتا ہوں تو تم سننے کو بے تاب ہو جاتی ہو۔ جاننے کے لئے متجسس ہو جاتی ہو کہ عوامل کیا تھے اور جب بتانے کی کوشش کرتا ہوں تو انجان بن جاتی ہو۔ بے اعتنائی سے مار دیتی ہو۔ بیگانگی کی دبیز تہوں میں چھپ جاتی ہو۔ درمیان اونچی فصیلیں کھڑی کر کے رابطے مسدود کر دیتی

ہواور جب سدباب کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہوتا ہوں تو ایک بے چینی چپکے سے دبے پاؤں تمہارے اندر سرایت کر کے تمہیں بے چین کر دیتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے حسین شاہ؟ یہ بے توجہی کیوں؟ اگر عداوت ہے تو کھل کر سامنے کیوں نہیں آتیں؟ آنکھ مچولی کیوں کھیل رہی ہو؟ بزدلوں کی طرح چھپ کر وار کیوں کرتی ہو تم؟'' وہ مدھم لہجہ مسرور تھا جیسے کوئی قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ جیسے سارے بھیدوں سے ایک جست میں ہی رسائی پا گیا تھا۔

''حسین شاہ جنوں کو اسیری سے کیا رغبت؟ اگر تم سمجھتی ہو کہ میرے جنوں کو اسیری کا عادی بنا چکی ہو تم۔ اگر سمجھتی ہو کہ جنوں کو قید میں مقید کر کے بے فکری کی نیند سو سکو گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے مگر یہ سچ ہے۔ مانتا ہوں مجھے تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ جنون کو یہ اسیری بھا گئی ہے۔ وہ اپنے پروں کو نوچتا رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اگر پر دوبارہ نکل آئے تو پرواز بھرنی پڑے گی۔ اس خدشے کے پیش نظر جنوں کو پروں سے انسیت نہیں رہی۔ اسے اس قید سے رہائی گوارا نہیں ہے۔ اس میں اڑنے کی خواہش مر گئی ہے۔ جنوں اپنے پر کے ہونے پر پچھتاتا ہے۔ جنوں کے مزاج برہم ہو گئے ہیں۔ ایک خوف اسے ہراساں کر رہا ہے۔ اسے اڑنے سے خوف آنے لگا ہے۔ جنوں کو جیت کی عادت ہے مگر اب اسے ہار سے خاص شغف ہو گیا ہے۔ معمہ کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہیں کچھ اندازہ ہو تو کہوں میرے جنوں کو اسیری سے الفت ہو گئی ہے۔ محبت جنوں کی روح میں تحلیل ہو گئی ہے۔ ایک ہالا بنا چکی ہے اس جنوں کے اردگرد۔ اسے محصور کر رکھا ہے۔ جنوں کی آنکھیں خواب دیکھتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں کوئی خواب جاگتا رہتا ہے۔ چلتا پھرتا رہتا ہے۔ یہ خواب اسیری سے نکلنے ہی نہیں دیتا۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔

''آپ کی باتیں بھی آپ کی ہی طرح پیچیدہ اور مشکل ہیں۔ ناسمجھ میں آنے والی ہیں۔ میں نہیں جانتی آپ کس جنوں خیزی کی بات کر رہے ہیں مگر جنون پاگل پن کے زمرے میں آتا ہے۔ خردمندی کا تقاضا یہی ہے کہ جنوں کی راہوں پر مت چلیں۔ جہاں جنوں چل رہا ہو وہاں سے راہ بچا کر۔ دور قدم دور ہٹ کر چلنا چاہئے۔ اگر جنوں سے کبھی سامنا ہو بھی جائے تو کنی کترا کر گزر جانا چاہئے۔ اس سے آنکھیں چار نہیں کرنی چاہئیں ورنہ جنوں اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے، پکڑ لیتا ہے، جکڑ لیتا ہے۔ بچنے کی کوئی راہ نہیں بچتی ہے۔ جنوں کے اسم سے بچنا دشوار ہوتا ہے۔ ایسا سنا ہے میں نے۔ احتیاطی تدابیر لازم ہو گئی ہیں۔ اس لئے جنوں سے دو قدم دور ہٹ کر فاصلوں کو بڑھانا قدرے دانشمندانہ فیصلہ لگتا ہے۔ ایسا فعل کر کے سدباب کیا جا سکتا کہ تا کہ کسی خطرے کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ کسی نقصان کا احتمال باقی نہ بچے۔'' وہ دھیمے لہجے میں ناصح بنی سمجھا رہی تھی۔ اس کا تجزیہ کمال تھا۔

''ویسے بھی ان باتوں سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ میں بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ یہ زیادہ ضروری عمل ہے اس لمحے۔ اور میں سمجھ گئی ہوں بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹنا قدرے دشوار ہوتا ہے۔ چیزوں کو تلاشنے میں زمانے بیت جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے جیسے صدیاں بیت گئی ہیں۔ مجھے لگتا ہے اس تلاشنے کے عمل میں میں نے خود کو کہیں کھو دیا ہے اور اب تو مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ خود کو

کہاں سے تلاش کرنا شروع کروں۔ میں تو جتن کر کے ہار گئی ہوں مگر کوئی سرا ہی ہاتھ نہیں آتا۔ میں آپ کو نہیں جانتی ہوں بلکہ میں تو خود کو بھی بھول چکی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہتی ہوئی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔ عجیب خود کلامی کا سا انداز تھا۔

''حین شاہ تم مجھے جانتی ہو اب سے نہیں صدیوں سے۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا میں کہاں رہتا تھا۔ مگر تمہیں دیکھا تو جانا تمہاری سانسوں کے ردھم میں بس رہا تھا کہیں۔ وہ کوئی ہجر تھا یا پھر وصل کا لمحہ تھا میں نہیں جانتا۔ کچھ یاد ہی نہیں۔ برسوں سے ان سانسوں کے ردھم کے ساتھ بندھا ہوا ہوں۔ تمہاری پلکوں کی جنبش کا پابند ہو گیا ہوں۔ اپنی مرضی سے تو دو قدم چلنے کی سکت بھی نہیں ہے مجھ میں۔

تمہاری آنکھوں میں کہیں دفن ہو گیا ہوں۔ لاحاصل حسرتوں نے حیرت سے سر اٹھا دیا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں دیکھا ہے مگر تمہاری آنکھوں کی دبیز پتلیوں پر واضح لکھا ہوا کہ میرے خواب تمہاری آنکھوں میں ٹھہر گئے ہیں۔ مارے خوف کے ساکت ہو گئے ہیں۔ تمہاری تغافل بھری آنکھوں سے ہراساں ہو گئے ہیں۔ وسوسوں میں پڑ گئے ہیں مگر میری آنکھوں سے خوابوں کے سفر کا عمل ایک تسلسل سے جاری ہے۔ خاموشی سے تفصیل سے سرگوشیوں میں گفت و شنید کا رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ تمہاری نگاہ باریک بینی سے اس کی سچائی کی جانچ پڑتال شروع کر دیتی ہے۔ ان کی پرکھ میں مدتیں لگا دیتی ہیں اور تب آنکھوں میں ایک پہچان کی تحیر سی لکیر واضح ہونے لگتی ہے مگر تم تعرض برتتی ہو۔ ماننے سے ڈرتی ہو۔ اگلے ہی پل تم منکر ہو جاتی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں حکایتیں سنا رہا تھا۔ اسے جتانے کی بھرپور سعی کر رہا تھا۔ اور حین شاہ نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ انکاری تھی جیسے اقرار کرنے سے ڈرتی تھی۔

''تم نہیں جانتی حین شاہ میں نے محبت کی تلاش کے لیے میرے دل کی سرزمین کی کھدائی شروع کر دی ہے اور اس کھدائی سے محبت کے شہر کے آثار و شواہد ملے ہیں اور اس محبت کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا ایک سرا تمہاری آنکھوں کے سمندر سے جا ملتا ہے۔ ان محبت کی باقیات کے آثار ان سمندروں سے دریافت ہوئے ہیں۔ ان سرمئی سمندروں کے کناروں پر سے جب طغیانی اور تلاطم کا باعث پانی باہر چھلک جاتا ہے تو اس پانی کے قطروں کے ساتھ وہ باقیات کی کرچیاں، کچھ ٹوٹے پھوٹے خوابوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، کچھ محبت بھرے لمحات مٹی کے تودوں کی صورت جم گئے تھے۔ کچھ قوس و قزح کے رنگ جو ان آنکھوں کو رنگوں سے مزید کر دیتے تھے۔ کچھ مہین سی روشنی کی رمق جو تمہاری آنکھوں سے منعکس ہو کر میرے خوابوں کو روشن کر دیتی تھی۔ سوچتا ہوں تو جانتا ہوں۔ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ ماننے سے انکاری ہو جاتی ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ یہ دل کی کھدائی سے حاصل ہونے والی باقیات کے شواہد اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ صدیوں پہلے یہاں محبت کا شہر آباد تھا۔ مگر اب اس شہر پر اجنبیت اور تغافل نے ڈیرہ لگا کر قبضہ جما لیا ہے۔ بیگانگی وہاں خیمہ زن ہو چکی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر تشویش تھا۔ اس کے لہجے میں گہری اضطرابی تھی۔ بے چینی سوا ہو گئی تھی۔

"I know you don't believe me. What I said it could be true but it fact. And I want to let you know that Hayyin Shah when I will die, I will come to you, I will swing through the wind

which will blow towards the earth like a mermaid of the air to soil. So I will be there next to your heart, next to your eyes, next to your bones."

وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ جانے کون سی حکایتیں بیان کر رہا تھا اور ھین شاہ کی دھڑکنوں میں طغیانی برپا ہوگئی تھی۔ ایک تلاطم برپا ہوگیا تھا۔ اسے مزید سننا محال ہوگیا تھا۔ اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ اسے ساتھ برا لگا تھا یا پھر دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نمکین سمندروں کی طغیانی میں طوفان امڈ آئے تھے۔

''آپ کو بات کرتے ہوئے کچھ احساس نہیں ہوتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مگر اس طرح کی فضول باتوں سے پرہیز کیا کریں۔ آپ کو یہ تو احساس بھی نہیں ہوتا ہوگا کہ آپ کے لفظوں کے نشتر سے کسی اور دل چھلنی بھی ہوسکتا ہے اور آپ خیال کریں گے بھی کیوں۔ آپ کا کون سا کوئی رشتہ ہے مجھ سے۔ بس ایک نام کا تعلق ایک مجبوری کا واسطہ جس کو نبھانے کے لئے آپ کو کتنی کھٹنائیوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ ایک ایسا تعلق جو آپ کے لئے بوجھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ایک ایسا بوجھ جس کو ڈھونا آپ کو مشکل لگنے لگا ہے۔ آپ کے راستے کی رکاوٹ بن گیا ہے یہ رشتہ تبھی تو ایسی فضول باتیں کر کے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ جان گئی ہوں اچھی طرح سے۔ تم مفروضات کو کلیات بنانے کی بھرپور سعی کر رہے ہو۔ مگر مجھے ان معروضات پر بہت سارے اعتراضات ہیں۔ بہت سارے خدشات نے سر اٹھایا ہے۔ آپ جو تعریض کی وجہ جاننے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔ مگر مجھے تو لگتا ہے یہ صرف ایک ڈھکوسلہ ہے۔ آپ لفظوں کے ہیر پھیر سے مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔ اور میں کم فہم نہیں ہوں کہ سمجھ نہ سکوں۔ آپ کے ارادوں کو جان نہ سکوں۔ آپ کا دل کہیں اور پڑاؤ ڈال چکا ہے اور آپ خواہ مخواہ رواداریاں نبھانے کے لئے مجھ سے اظہار ہمدردی کر رہے ہیں۔ میں ان مفروضات کو نہیں مانتی۔ ان کو ماننے سے منکر ہوں۔ اگر انکاری ہوں تو بہت سی وجوہات اس کے پیچھے کارفرما ہیں۔ میں آپ کے راستے کی رکاوٹ ہرگز نہیں بننا چاہتی ہوں۔ سو آپ بخوشی ان راستوں پر قدم رکھ سکتے ہیں جہاں آپ کا دل ڈیرہ ڈال چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں مجھے کن باتوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو اسی لئے آپ نے جان بوجھ کر ان باتوں کو بنیاد بنا کر مجھ سے مرنے کی بات کی ہے۔ میں جانتی ہوں جن لوگوں کو میں عزیز رکھتی ہوں میں ان کو کھو دیتی ہوں۔ ان سے بچھڑ جاتی ہوں۔ یہ خوف میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا ہے۔ مگر آپ.....!'' بولتے بولتے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ شاید روانی میں دل کا خوف بیان کر گئی تھی۔ بے دھیانی میں کہہ گئی تھی۔

''مگر کیا ھین شاہ؟'' اظل سہام مرزا کی ساری حسیات سماعت بن گئی تھیں۔ وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔ تو کیا وہ اس کے لئے عزیز تھا۔ وہ اس کے لئے خاص تھا۔ وہ اس کی باتوں سے یہی معنی اخذ کر پایا تھا مگر دوسری طرف جواب ناپید تھا..... وہ خاموش تھی یا پھر سمندروں میں روانی آچکی تھی اور اظل سہام مرزا کی جان مشکل میں گھر گئی تھی۔ اس کی اضطرابی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر ایک بات اسے

مسرور کر گئی تھی۔ دل میں ایک طمانیت بھر گئی تھی۔ اس کے بے دھیانی میں کہے گئے لفظ اس کو خاص بنا گئے تھے۔

''بولو حسین شاہ؟ کیا کہہ رہی تھیں تم؟ تو تم نے کہا میں تمہارے لیے اہم ہوں؟ میرے ہونے یا نہ ہونے سے تمہیں فرق پڑتا ہے ناحسین شاہ؟ میری موجودگی تمہیں طمانیت دیتی ہے اور میری دوری سے تمہارے اندر خدشات سر اٹھا لیتے ہیں؟ یہی کہہ رہی تھیں نا تم؟ تمہاری ان باتوں سے اگر میں معنی اخذ کر رہا ہوں تو میں غلط تو نہیں ہوں نا حسین شاہ؟ میرے مرنے کی بات سن کر تم خفا ہو گئی ہو۔ تمہیں اس بات سے تکلیف ہوئی ہے نا؟'' وہ مدھم لہجے میں سوالات کے انبار لگا چکا تھا۔ وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔ جیسے اس کے جواب پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا۔ اور اس کے ایک لفظ پر اس کی زندگی ٹکی ہوئی تھی۔ مگر اس کا مقصد اسے تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔ مگر وہ انجانے میں اسے دکھی کر چکا تھا۔ اس کے اندر ملال بھر گیا تھا۔ مگر دوسری طرف ایک مکمل سکوت چھا گیا تھا مگر وہ اس کی موجودگی کو خاموشی میں بھی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اسے محسوس کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کس قدر حساس تھی وہ۔ بظاہر بہادر بننے کی بھرپور کوشش کرتی تھی مگر اندر سے وہ کس قدر کمزور تھی اس کا اندازہ ہو چکا تھا چند لمحے پہلے۔ اس کا ردعمل شدید تھا۔ وہ بدگمان تھی۔ شدید کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو چکی تھی اور وہ شاید کوئی بھی اس کی بدگمانی کو دور نہیں کر سکا تھا۔ مگر وہ پوری رات آنکھوں میں بسر کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی سانسوں کے ردھم کو سن رہا تھا۔ ہزاروں داستانیں پنہاں تھیں ان میں۔ وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ اس نے خاموشی کو توڑا تھا۔

''حسین میں تمہاری دھڑکنوں کو سن رہا ہوں۔ ان سانسوں کے مدھم ردھم کو سن رہا ہوں۔ محسوس کر رہا ہوں۔ ہر سانس کے زیر و بم میں کھوتا جا رہا ہوں۔ ہر سانس میں ہزاروں داستانیں پنہاں ہیں۔ ان سانسوں کے دھاگوں کی ڈور سے میری سانسیں بندھی ہوئی ہیں۔ ان سانسوں کے ساتھ میری سانسیں جکڑ گئی ہیں۔ ان دھاگوں کے الجھاؤ میں الجھ رہی ہیں۔ ان دھاگوں کے تانے بانے ایک انوکھی داستان رقم کر رہے ہیں۔ الجھی ہوئی ڈور گنجل ہوتی جا رہی ہیں۔ بے انت دھاگے ادھر ادھر الجھ کر داستانوں کی تعداد بڑھاتے جا رہے ہیں۔ آنکھوں تک کا سفر طے کر کے خواب بننا شروع کر چکے ہیں۔ خوابوں نے ان الجھے سلجھے گنجل ہوتے دھاگوں پر تتلیوں کے پروں سے کچھ رنگ چرا کر ان پر بکھیرنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ داستانیں ایک جست میں رنگوں میں ڈھلنے لگی ہیں۔ صفحہ قرطاس پر ان رنگوں نے ڈیرہ جما لیا ہے۔ اچانک سے معجزوں کے ہونے پر یقین پختہ ہونے لگا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ ایک ختم نہ ہونے والا جنون لفظوں میں ڈھل رہا تھا۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اظہار کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ مگر دوسری طرف جیسے اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ بے یقینی میں گھر چکی تھی۔ اس کی خفگی جوں کی توں برقرار تھی۔ شاید کچھ اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

''آپ کی یہ وضاحتیں، یہ بے پر کی الجھی ہوئی پیچیدہ اور دقیق باتیں مجھے یقین دلانے کے لئے ناکافی ہیں۔ یہ باتیں متزلزل قدموں سے یقین کی سیڑھیوں پر قدم رکھ رہی ہیں مگر اس بلندی کو چھونا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں آپ کی قیاس آرائیوں سے خوش فہمیوں کے سفر پر نہیں نکل سکتی۔ لامتناہی اور لایعنیاں داستانیں صرف باتوں کے پہاڑ بنا سکتی ہیں مگر ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو

بھی یہ سمجھ لینا چاہئے۔ان خوابوں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔سوخوابوں کی ڈور تھام کر چلنا خردمندی نہیں ہے۔خرد کو خوش فہمیوں میں رہنا گوارا نہیں ہے۔خرد کو حکایتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔خرد حکمت رکھتی ہے۔شعور اور آگہی رکھتی ہے۔چھپے ہوئے بھیدوں کو جاننے کی اہلیت رکھتی ہے۔اس کو لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھا کر ورغلایا نہیں جا سکتا۔یہ بات آپ جتنی جلد سمجھ لیں تو آپ کے لئے اتنا ہی اچھا ہے۔ باتوں کی طوالت سے صرف داستانیں گھڑی جا سکتی ہیں۔حقیقت میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے جھٹلا رہی تھی۔ اس کی سوچوں کو اور باتوں کو رد کر رہی تھی۔اس کی سوچوں کو کالعدم قرار دے رہی تھی۔اس کی خفگی اس کے لہجے سے عیاں تھی اور وہ بجائے برا ماننے کے اس کے شدید ردعمل پر مسکرا دیا تھا۔ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں تک آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''تم نہیں جانتی ہو مگر تمہاری باتیں میرے حوصلے پست کرنے کے لئے کافی ہیں۔میں جانتا ہوں تم نے طے کر رکھا ہے کہ میری حوصلہ شکنی کر کے مجھے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دو گی۔تم قصداً ایسی صورتحال بنا دی ہے۔تم نے پرسکوت ٹھہرے ہوئے سوچوں کے سمندر میں ایک تلاطم برپا کر دیا ہے۔خواہشوں کی پرسکون دنیا میں ایک ہلچل مچا دی ہے۔انہیں بے چین اور بے قرار کر کے ان کو دیدہ ور کر دیا ہے۔ان کو طغیانی کے حوالے کر اردگرد تغافل اور بے اعتنائی کا ایک کڑا حصار بنا دیا ہے۔ایک مضبوط باڑ لگا دی ہے۔وہ باہر نکلنے کو بے تاب ہیں مگر تم ان کی راہیں مسدود کرنے میں سرگرداں ہو۔تم ایسا کیسے کر لیتی ہو حسین شاہ؟ تم ایسے سدباب کر کے پھر بھی اتنی متفکر سی کیوں رہتی ہو؟ مجھے طوفانوں کی نذر کر کے خود اتنی ہراساں سی کیوں ہو جاتی ہو؟ اگر تغافل ہے تو پھر یہ دبی دبی اضطرابی کیوں ہے؟'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ مدھم لہجے میں کتنے انکشافات کر رہا تھا جیسے اسے لفظ لفظ حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ہر سطر پر درج کتنی ہی ان کہی کہانیوں کو زبان دے رہا تھا۔ اور حسین شاہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔اک خوف نے اسے دبوچ لیا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو حسین شاہ؟ تم نے کہا تھا مجھے زرد پتوں کی داستان سنائی تھی۔جب تمہارے خدشات کی تیز ہوا چلی تھی تو زرد پتوں نے ایک عجیب قصہ سنایا تھا۔گلاب کے ایک جھاڑ کو بغور دیکھا تھا۔اس سرخ رو خوبصورت گلاب کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد کانٹوں نے اپنا پہرہ لگایا ہوا تھا۔اور اس کے اردگرد زرد پتوں نے وفاداریاں نبھاتے ہوئے اس کی حفاظت پر مامور تھے۔وہ پتیاں کانٹوں سے چھین کر برداشت کو دی تھیں۔وہ گلاب سے مدھم سرگوشیاں کر رہی تھیں۔گلاب ان کانٹوں کو خود سے دور رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔مدھم سرگوشیوں میں کیسی درخواستیں کر رہی تھیں جیسے کہہ رہی تھیں مجھے بچاؤ۔میرے اردگرد زرد پتوں کا حصار بنا دو۔اے زرد پتو میرے چاروں طرف ایک محاصرہ بنا دو۔میں زمین سے سارا پانی نہیں پی سکتا۔مجھے پتا ہے میری زندگی مختصر ہے۔میرے اندر خدشات نے ایک جمگھٹا لگا دیا ہے۔آسمان بھی میرے ان اندیشوں سے آگاہی پا گیا ہے۔جان گیا ہے میری روح سلگ رہی ہے۔وہ برس کر ان خدشات کو کم کرنے کے درپے ہو جاتا ہے مگر میرے زرد پتے پھر بھی ہرے نہیں ہو سکتے۔کانٹے دل مسوس کر ان زرد پتوں کو دیکھتے ہیں جو بوڑھے ہو کر کمزور اور لاغر نظر آنے لگتے ہیں۔اپنی زندگی تو گزار کر اگلے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔مجھ سے جدا ہو کر ادھر ادھر گرنے لگتے ہیں اور مجھے ٹنڈ منڈ

جھاڑی پر تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔قصہ کچھ عجیب سا ہے مگر یہ سچ ہے۔زندگی کی حقیقت ہے۔زندگی کا سفر اسی طرح تمام ہوتا ہے۔مگر یاد رکھو وہ زرد پتے اس گلاب کو تنہا نہیں چھوڑتے ہیں۔سوچوں کی ہواؤں سے اڑتے ہوئے دوبارہ اس گلاب کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ہالا بنا لیتے ہیں۔ان کی محبت کا کوئی ثانی نہیں ہے۔تم نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجہ عجیب حکایتوں کو بیان کر رہا تھا۔زندگی کے تلخ حقائق سے آگاہ کر رہا تھا۔اس فلسفے کو زندگی اور موت سے جوڑ کر اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کے دکھ سے آگاہ تھا۔اسے مثالوں میں جتانا چاہتا تھا۔

''میں ان کی حقیقت سے آگاہ ہوں۔میں جانتی ہوں اپنے پیار جب نا چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر کہیں دور چلے جاتے ہیں دوسرے جہانوں کی سیر کو نکل پڑتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے پیاروں کو تنہا نہیں چھوڑتے۔دور چلے جانے کے باوجود بھی وہ اردگرد ہی ہوتے ہیں۔آس پاس رہتے ہیں۔اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔مگر کیا کروں اس گھڑی دل اور بھی مشکل میں گھر جاتا ہے۔یہ جاں گسل لمحات ہوتے ہیں۔ان لمحوں کو جھیلنا دشوار ترین مرحلہ ہوتا ہے۔آپ نہیں سمجھیں گے۔مگر یہ حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیحات پیش کر رہی تھی۔

''میں اس درد سے آگاہ ہوں عین شاہ۔اس تکلیف کا احساس ہے مجھے تبھی تو تمہارے اندر ڈرے سہمے خدشات سے آگاہ ہو جاتا ہوں۔ان وسوسوں کو پہچان جاتا ہوں جو تمہیں ہراساں کرتے ہیں۔جو تمہاری سوچوں کو الجھا کر گنجل کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔تمہاری خوف زدہ سوچوں کو کونوں کھدروں سے نکال کر دبوچ لیتے ہیں اور پھر ان کو اپنا پابند بنا کر بغاوت کی ترغیب دیتے ہیں۔انہیں کمزور سمجھ کر ڈراتے ہیں۔انہیں محصور کر کے ان کے اندر خوف بھر دیتے ہیں۔میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس ڈر اور خوف سے نکالنا چاہتا ہوں۔میں تمہارا مددگار بن کر آیا ہوں۔تمہیں اس کرب سے بچانا چاہتا ہوں۔تمہیں سوچوں کی قید سے رہائی دینا چاہتا ہوں۔تم مجھے خودغرض کہہ سکتی ہو کیونکہ میں دراصل تمہیں بچا کر خود کو بچانا چاہتا ہوں کیونکہ تمہاری بقا ہی میری زندگی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔اور عین شاہ حیران تھی۔وہ کیسے جان جاتا تھا اس کے اندر بھرے ہوئے خوف سے کیسے آگاہی پا جاتا تھا۔

وہ کچھ دیر میں اس حصار سے نکل آئی تھی۔

''فضا آفتاب کیسی ہے اظل سہام مرزا؟ تم اس کے ساتھ نئی زندگی کب شروع کر رہے ہو؟ تم نے اسے بتا تو دیا تھا کہ اس کی محبت نے کیسے تمہارے دل کو جکڑ لیا ہے۔تم نے اسے بتایا تھا کہ کیسے اس کی محبت تمہیں چاروں شانے چت کر چکی ہے۔یا وہ ابھی اس بات سے بے خبر ہے؟'' اس نے دھیمے لہجے میں کتنے سوالات ایک ساتھ پوچھ لئے تھے۔دھیما لہجہ متجسس تھا کہ اگر اس کے لئے آگاہی کے در وا کر چکا تھا۔اگر ایسا تھا تو وہ جاننے کو متلاشی کیوں تھی۔وہ خود بھی حیران تھی۔اور اظل سہام مرزا اچانک اس طرح پوچھنے پر حیران رہ گیا تھا۔اس نے خوبصورتی سے موضوع کا رخ دوسری طرف موڑ دیا تھا۔

''حین شاہ تم جو یوں موضوع بدل کر باتوں کے رخ کو اپنے سوالوں کے پروں سے پرواز بھرنے کے لئے چھوڑ چکی ہو۔تم میرے جنون سے آگاہ نہیں ہو ورنہ یوں بے جواز باتوں کو جواز بنا کر اس طرح سوالوں کی بوچھاڑ نہ کر رہی ہوتیں۔مگر میں تمہیں بدگمانی میں مبتلا رہنے نہیں دینا چاہتا مگر تم میری وضاحتوں کو رد کر کے ماننے سے منکر ہو جاتی ہو۔میری بھرپور نفی کرتی ہو۔تمہیں میری مخالفت میں سفر کرنا اچھا لگتا ہے نا تبھی تو تم میرے چاروں طرف محاذ بنا کر کبھی جنگ کا اعلان کرتی ہو۔میں تمہارا کیا کروں حین شاہ۔تم مجھے بے بس کر دیتی ہو۔مجھے چاروں شانے چت کر کے میری ہار یقینی بنا دیتی ہو۔میں کوئی تردد نہیں کر پاتا۔سد باب کرنے کی ہمت مجھ میں ناپید ہوتی ہے۔کہاں سے سیکھتی ہو تم ایسے گر؟'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں تھا۔مدھم لہجہ شکایتیں کر رہا تھا۔مگر اس کی شکایتیں حین شاہ کو طیش دلا گئی تھیں۔

''میرا بس چلے تو آپ کے اس جنون کو قفس میں مقید کر دوں۔اس کے پروں کو باندھ دوں مگر.....!'' حین شاہ نے خفگی سے کہا تھا مگر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''مگر کیا حین شاہ؟ کیا تم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ادھوری باتیں کر کے مجھے ان ادھوری باتوں کی بھول بھلیوں میں گم کر دو گی اور میں ان ادھوری باتوں کے اسرار و رموز کو جاننے کے جتن کرنا شروع کر دیتا ہوں۔پوری جانفشانی سے ان ادھورے قصوں کو پورا کرنے کی تگ و دو میں جت جاتا ہوں۔ان بھیدوں تک رسائی پانے کی جستجو میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہوں۔جنوں دبے پاؤں چلتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔راہ بھٹکنے کے خدشات بڑھنے لگتے ہیں مگر جنوں کے قدم رکتے نہیں ہیں۔تھمتے نہیں ہیں۔وہ بلا خوف و خطر چلتے چلے جاتے ہیں۔انہی بھول بھلیوں میں کہیں بھٹک جاتا ہے۔گمشدہ ہو جاتا ہے۔کھو جاتا ہے۔بھولی بسری داستان بن جاتا ہے۔ایک جست میں مجھے پسپا کر کے پانسہ پلٹ دیتی ہو۔کس کمال مہارت سے فتح کو مات میں تبدیل کر دیتی ہو۔میں تو سوچتا ہوں تو حیرت میں پڑ جاتا ہوں۔حیرت سے کھڑا دیکھتا رہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہا تھا۔اس نے حتمی رائے دی تھی۔اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔اگر وہ حین کو حیران کرنا چاہتا تھا تو وہ کامیاب بھی ہوا تھا۔

''آپ بے ربط باتوں میں ربط جوڑنے کی بھرپور سعی کر رہے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔یہ عمل سراہے جانے کے لائق تو ہرگز نہیں ہے۔میں اس کی حمایت نہیں کر سکتی۔آپ کچھ بھی کہہ کر اس طرح دقیق باتیں کر کے اپنے جنوں کے قصے سنانے میں اتنا شغف کیوں رکھتے ہیں۔آخر معمہ کیا ہے۔اس کے پیچھے راز کیا ہے؟ یا پھر ایسا ارادتاً کرتے ہیں تاکہ میں بے جواز باتوں میں جواز تلاش کرتے کرتے ساری عمر بسر کر دوں؟ یا پھر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میری ترجیحات بدل دینی چاہئیں۔الجھی ہوئی باتیں میری سوچوں میں تلاطم برپا کر کے ان کی ہیئت کو تبدیل کر رہی ہیں۔میں الجھی ہوئی سوچوں کے نقش پا پر قدم رکھتی ہوئی دور نکل گئی ہوں۔جا کر ماضی کی اُن یادوں سے ٹکرا گئی ہوں۔وہ سارے لمحے روز اول کی طرح روشن ہیں۔ان کی تروتازگی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔وہ سانس لیتی جیتی یادیں ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں۔میرے اردگرد ایک دائرہ بنا رہی ہیں۔میں ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو کر محسوس کرنا چاہتی ہوں مگر.....!'' وہ مدھم لہجہ بے ربط تھا۔اس الجھاؤ

میں مزید الجھتا جا رہا تھا۔ اور اظل سہام مرزا کو حالات کی سنگینی کا اندازہ پورے طور ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت Nostalgia کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ ہزار کوشش کر کے اس کو موضوع سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس کی سوچوں کا رخ موڑنا چاہتا تھا مگر وہ پوری طرح ناکام ہو چکا تھا اور اسے مان لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ اس کی بے چینی اور بھی سوا ہو گئی تھی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس اور بھی شدت سے ہو گیا تھا۔ وہ اسے موقع دینا چاہتا تھا وہ دل کا غبار دھو لے۔ دل کا بوجھ ہلکے کر کے پرسکون ہو جائے مگر اسے یہ دشوار گزار مرحلے لگ رہے تھے۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''مگر کیا حین شاہ؟'' اس نے پوچھا تھا۔ پوری دل و جان سے متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ جان لینے کو بے چین تھا کہ اس کی سوچیں کس نہج پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔ وہ چند لمحے خاموش رہی تھی پھر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''یادوں کے کتنے ہی ٹمٹماتے جگنو ہیں جو ان گھپ اندھیروں میں ادھر ادھر اڑتے ہوئے میرے اردگرد ایک محاصرہ بنا کر مجھے اس میں مقید کر رہے ہیں۔ میں ان یادوں کے جگنو کو تھامنے کے لئے ان کی طرف لپکتی ہوں۔ ان کو ایک پنجرے میں بند کر لینا چاہتی ہوں مگر جب اچانک میں ان یادوں کے ان چمکتے، لودیتے، پر حدت جگنوؤں کو تھامنے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوں تو عقدہ کھلتا ہے۔ یہ جگنو گھپ اندھیرے میں چند لمحوں کو روشنی تو بکھیر سکتے ہیں مگر انہیں پکڑنے کا قصد کرو تو یہ ان گھپ اندھیروں میں کہیں غائب ہو جاتے ہیں اور خیالوں کے جنگل میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر ہاتھوں پر ان کی حدت ثبت ہو جاتی ہے اور ہاتھوں سے دل تک سرایت کر جاتی ہے اور دل کو جلاتی رہتی ہے اور یہ جلن کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ خود کلامی کا سا تھا۔ وہ ان یادوں کے حصار میں مقید ہو چکی تھی۔ بے ربط باتوں کا گہرا ربط صاف نظر آنے لگا تھا۔

''حین شاہ۔ تم آنکھیں بند کرو۔ سونے کی کوشش کرو۔ میں یہیں ہوں تمہارے ساتھ۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم تو بہت بہادر ہو نا۔ تم ان یادوں سے لڑنا سیکھو ان سے ڈرنا چھوڑ دو۔'' وہ دھیمے لہجے میں تلقین کر رہا تھا۔

''یہ یادیں مجھے ڈراتی نہیں ہیں۔ یہ تو میری زندگی کا اثاثہ بن چکی ہیں۔ میں ان یادوں سے لڑنا نہیں چاہتی۔ مجھے ان یادوں کے ساتھ جینا ہے۔ ان یادوں کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کرنا ہے۔ یہ یادیں روشنی بن کر میری رہنمائی کرتی ہیں۔ مجھ پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔

"I felt these memories are timeless treasures of the hearteven just a piece of stitched together in a quite warm my heart and soul. And heat of these memories warm to my heart."

وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں حین شاہ۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ میں نے بھی ان جگنوؤں کو تھامنے کی کوشش کی تھی مگر اس میں ناکام ہو گیا تھا۔ تب

میں نے جانا تھا کہ یہ اتنا آسان عمل ہرگز نہیں ہوتا۔ بیتے لمحوں کو تھامنے کے لئے ان کے پیچھے سرپٹ بھاگتے رہنا بے وقوفی ہے۔ ان لمحوں کو تلاش کرنے کے لئے باہر دیکھنا نہیں پڑتا کیونکہ ان یادوں کا دیا تو ہمارے دل میں جلتا رہتا ہے۔ کبھی بجھتا ہی نہیں ہے۔ یہ سنہری یادیں دل کو تسکین دیتی ہیں۔ ان کی مدھم روشنی دل کو گرما دیتی ہے۔ روشنی سے منور کر دیتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"I know one thing my memories are a golden chain and death attempts to break but... all in vain. To here, to love, and then to part, I know it is a greatest sorrow of one's heart. I felt that too. The years may wipe out many things.. But some they wipe out never like memories of those happy times when we were all together."

وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اس میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اور اس کی جان اور مشکل میں گھر گئی تھی۔

''سنئے.....!!'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں پکارا تھا اور اس کا دل سماعت بن گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اس طرح پکارنے کا مقصد تھا کسی خاص بات سے آگاہ کرنا یا پھر کچھ ایسا سوالات پوچھنا جن کا جواب اس کے پاس بھی ناپید تھے۔

''کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے حیین شاہ؟ تم ایک بار کہہ کیوں نہیں دیتیں؟ اس طرح بے اعتباری کی مار سے کیوں ادھ موا گر رہی ہو تم؟ جو خوف تمہارے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا ہے اس کو نکال کر باہر کیوں نہیں پھینک دیتیں؟ اس خوف کو گہری نیند سلا کیوں نہیں دیتیں؟ تم امید کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑ دیتی ہو؟ یہ خوف تمہیں کمزور کر رہا ہے اور تم جانتی ہو نا پاپا ہمیشہ تمہیں مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔

"Do you know what Hayyin Shah... expect to have hope rekindled. Do prayer for them and expect your prayers to be answered in wondrous ways. This dry season which seemed stuck here in your life it will be not longer stay forever. The dry seasons in life do not last. The spring rains will come again."

وہ مدھم لہجہ اس کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ اس کے زخموں پر پھائے رکھ رہا تھا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ جانے وہ کیا پوچھنا چاہتی تھی اور پوچھ نہیں پا رہی تھی۔ جانے اسے کونسے خدشات ستا رہے تھے۔ اسے ہراساں کر کے اس کی آنکھوں سے نیند کو کوسوں دور پھینک چکے تھے اور اظل کا دل ملال سے بھر گیا تھا۔ مگر وہ اس کی خاموشی کو نہیں سہہ پا رہا تھا۔ یہ اس کے لئے محال ہو گیا تھا اس گھڑی۔

"Hayyin Shah I can't bear your silence. I know silence is golden unless you have a toddler. In that case silence is very very suspicious."

وہ مدھم لہجے میں شکایت کر رہا تھا۔ وہ اس کی گھمبیر خاموشی سے خفا خفا ہو گیا تھا۔

''دیکھا میں جانتی تھی۔ میں ہمیشہ سے آگاہ تھی۔ اس لئے میں نے آپ پر کبھی اعتبار نہیں کیا میں آپ اعتبار کرنے کی غلطی کبھی کر ہی نہیں سکتی۔ آپ کو میری خاموشی سے بھی وحشت ہونا شروع ہو گئی ہے۔ آپ کی سوچ میں کس قدر تضاد ہے یہ جان گئی ہوں میں۔ چند لمحے پہلے آپ کو خاموشی بھی سنائی دے رہی تھی اور اب آپ کو شکایت ہو گئی میری خاموشی سے۔ یہ خاموشی آپ کو کاٹ کھانے کو دوڑنے لگی ہے۔ ایسی متضاد سوچ کے ساتھ آپ کو لگتا ہے کہ مجھے آپ پر اعتبار کرنا چاہئے۔ آپ کو اعتبار سوچنے کی غلطی کرنی چاہے؟ آپ تو قطعی قابل اعتبار نہیں ہیں نا ہی قابل بھروسہ۔ آپ کا مزاج تو موسموں کی طرح بدلتا ہے اور مجھے بدلتے موسموں کے ساتھ چلنے کی عادت نہیں ہے۔ میری زندگی میں تو موسم ٹھہر جاتے ہیں۔ موسموں کی تمازت بس جھلسا رہی ہے اور دور تک سائے کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ آپ پر اعتبار کرنا عبث ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں اسے سخت سست سنا گئی تھی۔ اس کے لہجے میں خفگی پھر سے عود آئی تھی اور اظل سہام مرزا اس کے مزاج کے بدلتے تیور سے آگاہ تھا تبھی ایک گہرا سانس لیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تم جانتی ہو حیین شاہ..... میں تمہیں کھلا چیلنج دیتا ہوں۔ ایک دن تم صرف مجھ پر ہی اعتبار کرو گی۔ کرتی تو تم اب بھی ہو۔ میں جانتا ہوں مگر بدگمانی کا شکار ہو۔ اسی لئے ماننے سے خوفزدہ ہو۔ قرار سوچنے سے ڈرتی ہو۔ جب بھی تم بولنا چاہتی ہو۔ اچانک کہیں سے وسوسے نکل کر تمہارے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور تمہاری ساری راہیں مسدود کر دیتے ہیں مگر اعتبار کو رکاوٹوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم جلد یا بدیر مجھ پر اپنے خوف کو فوقیت ہرگز نہیں دو گی۔ یہ خوف ہار جائے گا اور پھر اعتبار تمہارے دل میں اپنی جگہ بنا لے گا۔''

"Hayyin Shah acceptthis challenge!"

وہ مدھم لہجہ میں اکسا رہا تھا۔ اس کو باتوں میں الجھا رہا تھا۔

''آپ فضولیات پر بھروسہ کرتے ہیں اور میں کلیات پر۔ ہم دونوں میں کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ ہم ایک جیسا ہرگز نہیں سوچ سکتے۔ ویسے بھی میں آپ کس سوچ سے آگاہ ہوں۔ جانتی ہوں آپ مجھے الجھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ متفکر ہیں کہ میں آپ کی چال کیسے سمجھ جاتی ہوں۔ کیسے جان جاتی ہوں ان تمام خیالات کو جو آپ کی دماغ کی گہرائیوں میں پل رہے ہیں۔ آپ میرا اعتبار کبھی نہیں جیت سکتے ہیں کیونکہ اعتبار کی عمارت جھوٹ کی بنیادوں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔'' وہ مدھم خفگی بھرے لہجے میں جتا رہی تھی۔

"I don't care what has done, I only see what remains to be done."

اب میں سچ کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اب شک کی کوئی گنجائش قطعی نہیں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں باور کروا رہی تھی۔ مدھم لہجہ خفا خفا سا تھا۔ جانے کتنا غصہ بھرا ہوا تھا اس کے اندر۔

اظل سہام مرزا ان لمحوں کو کشید کر رہا تھا۔ ان لمحوں کو جی رہا تھا۔ یہ دلچسپ مرحلہ تھا۔ اس کے مزاج کے سارے رنگوں سے آشنائی پا

رہا تھا۔ وہ اسے موسم کہتی تھی اور خود موسموں کی طرح بدلتی تھی۔ وہ اس کی بدگمانی کو دور کرنے میں جت گیا تھا۔

''تم جانتی ہو ھین شاہ میرا جنون متزلزل قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اعتبار کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہے۔ وہ ان رازوں کی رسائی پانا چاہتا ہے۔ جن کو تم نے صیغہ راز بنا کر رکھے تھے۔ جنوں کو ضد سی ہوگئی ہے۔ وہ بضد ہوگیا ہے ان بھیدوں کو جاننے کے لئے درپے ہوگیا ہے۔ جستجو میں جت گیا ہے۔ اعتبار اور بے اعتباری کے درمیان ایک مہین سی لکیر ہے۔ وہ جنوں اس بدگمانی اور گمان کے درمیان کھینچی لکیروں پر چلتا جا رہا ہے۔ سج سج کر قدم رکھ رہا ہے۔ دل کے دروازے تک پہنچ چکا ہے۔ بدگمانی کی لکیروں کو مٹا چکا ہے۔ اس کے نشان کو مٹا چکا ہے۔ دل کا دروازہ کھلا ہے اور جنون نے اندر قدم رکھا ہے۔ ایک طویل جنگ سے فتح یاب ہو کر یقین کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ چکا ہے۔ آنکھوں میں روشنی بھرے اعتبار کے خوابوں کو تعبیر پاتے دیکھ رہا ہے۔ تم یہ مانو مگر یہ حقیقت ہے۔ دل میں جھانکو گی تو جان جاؤ گی۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ وہ دھیمہ لہجہ جنوں کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ انداز مدلل تھا۔

"I would must say you wouldn't believe that I know but there is no pillow so soft as dreams and couldn't be vivid a clear conscience and there is not any powerful thing more than my passion".

وہ مدھم لہجہ مدلل تھا۔ اس کا تجزیہ کمال تھا۔

''آپ اپنی یہ حکایتیں اس کو بیان کریں جو سننے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ مجھے اس جنوں سے نہ کوئی سروکار ہے نہ ہی کوئی واسطہ۔ میں اگر برہم ہوں، خائف ہوں اور بدگمان ہوں تو اس کے پیچھے چھپی کئی وجوہات ہیں۔ ان وجوہات کی بنیاد پر میں نے اگر فیصلہ لیا ہے تو میں غلط کہاں ہوں۔ آپ کچھ بھی کہیں مگر اس پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ منکر تھا۔ اس نے کہا تھا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ اظل نے فون اسکرین کو بے بسی سے دیکھا تھا۔

وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی ماما پاپا کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ ساری مجتمع کی ہوئی ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ ان کا لمس ہر چیز پر اب بھی جوں کا توں موجود تھا۔ جیسے میں ابھی ابھی یہاں گئے تھے لوٹ آنے کے لئے۔ مگر وہ جانتی تھی ایسا ممکن نہیں تھا۔ سوچوں نے غلبہ پا لیا تھا۔ چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ کتنی ہی آوازوں کی بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔ کتنی ہی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''سنئے.....آپ جایئے ناھین کو پک کر لیں آج اس کی گاڑی کچھ پرابلم کر رہی تھی۔ عفان نے پک کیا تھا صبح اسے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تو ھین نے آپ کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔ پوری رات وہ آپ کے سرہانے بیٹھی رہی تھی۔ ایک پل کو بھی پلک جھپک کر نہیں دیکھی تھی۔ مجھے تو اس کی فکر ہو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی جلد آ جائے گی مگر ابھی دیکھیں کتنا ٹائم گزر گیا ہے۔ ابھی تک نہیں آئی ہے۔

آپ کا بخار قدرے کم ہوگیا ہے تو آپ اسے لے آیئے گا۔ جانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ آج رات میں نے اچھا خواب نہیں دیکھا تھا۔'' حسنہ شاہ نے شایان شاہ کو جگاتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟ ھین ابھی تک نہیں آئی۔ تم نے کال کیا اسے؟ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟ میری بچی کو کتنی پریشانی اٹھانی پڑی ہوگی میری وجہ سے۔ تم بھی کمال کرتی ہو حسنہ۔ میں اتنا بھی بیمار نہیں ہوا کہ اپنی بیٹی کو پریشان کردوں۔ فون پکڑاؤ میرا تم۔ مجھے خود پر بھی غصہ آرہا ہے۔ تم نے مجھے اتنا کمزور سمجھ بھی کیسے لیا کہ میری جان کو میری وجہ سے Suffer کرنا پڑا۔'' وہ مدھم مگر نحیف سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی تبھی وہ چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی اس نے ان کی بات سن لیں شاید۔

''پاپا آپ تو شیر بہادر مجھے آپ کی بہادری پر ناز ہے۔ فخر کا باعث ہیں آپ میرے لئے۔ میں تو آپ کے نقشِ قدم پر چل رہی ہوں۔ آپ تو میرے لئے مثال ہیں۔ آپ کا ہر کہا ہوا لفظ میرے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں پاپا کے پاس بیٹھی ان کی طرف دیکھتے ہوئے یقین دلا رہی تھی۔

''آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے پاپا۔ میں نے رامین کو کال کرلیا تھا۔ وہ مجھے چھوڑنی آئی تھی۔ عفان ڈراپ کرنے والا تھا مگر ضیاء انکل کی کال آگئی تھی اسے۔ انہیں کچھ ضروری کام تھا۔ وہ میرے لئے کافی دیر رکا تھا مگر میری Presentation دیر میں ختم ہوئی تھی اس لئے تھوڑی دیر ہوگئی آج۔ آپ کو خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں اور پاپا کو بھی فکرمند کردیتی ہیں۔'' وہ حسنہ شاہ کی طرف بڑھی تھی اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر ان کو اپنے سامنے بٹھایا تھا۔

''آپ نے ضرور صبح سے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ میں جانتی ہوں۔ ایک تو میں آپ کے ان خوابوں سے بے حد پریشان ہوں۔ میرا بس چلے تو ان ڈراؤنے قسم کے خوابوں کی آمد ممنوع قرار دے دوں۔ ان خوابوں کو ڈانٹوں، ڈپٹوں اور ان کی آمد پر مکمل طور پر پابندی عائد کردوں جو نجانے کہاں سے آکر میری ماں کی خوبصورت آنکھوں کو پریشان کردیتے ہیں۔ ان میں ایک خوف بھر دیتے ہیں۔ ان کی آمد سے دنوں تک یہ آنکھیں بے چین رہتی ہیں اور مجھے یہ بے چینی ان آنکھوں میں اچھی نہیں لگتی۔'' وہ مدھم لہجے میں فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''تم باپ بیٹی دونوں ایک جیسی باتیں کرتے ہو۔ میری کسی بات کو کبھی سیریس نہیں لیتے مذاق میں اڑا دیتے ہو۔ میری فکروں اور خدشات کو کبھی نہیں سمجھتے ہو۔ میں تو تم دونوں کے درمیان ایک فضول سی چیز بن کر رہ گئی ہوں۔ تم دونوں نے میری فکروں کو بڑھانے کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے۔ قسم کھائی ہے کہ مجھے کبھی چین سے نہیں رہنے دو گے۔ تمہیں کتنا کہا تھا کہ آج مت۔ جاؤ۔ بھاڑ میں ڈالو ان اسائنمنٹس کو مگر تم میری کہاں سنتی ہو۔ ایک تمہارے پاپا کی وجہ سے فکرمند تھی صبح سے انہوں نے آنکھ تک نہیں کھولی تھی۔ دس بار جگا چکی تھی ناشتے کے لئے مگر اٹھ ہی نہیں رہے تھے اور جب تمہارا نام لیا تو جھٹ سے یوں اٹھ گئے جیسے کبھی سوئے ہی نہیں تھے۔ صبح سے کتنی بار ہی عفان کو کال کرچکی ہوں کہ تمہارا خیال رکھے اور تمہیں ساتھ لے کر آئے۔ ایک وہی ہے میرا خیر خواہ جو میری پرواہ کرتا ہے اور میری سنتا بھی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا

تو نجانے میرا کیا ہوتا۔تم دونوں نے تو مجھے پاگل کر دینا تھا۔ایک اسی کا سہارا ہے مجھے تو.....!'' وہ دکھی دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ ہزاروں شکایتیں اور لہجے ان کے لہجے میں نمایاں تھے۔اور ان کے شکووں پر وہ دونوں باپ بیٹی مسکرا دیئے تھے۔

''دیکھ لیجئے آپ پاپا۔اصل غصہ تو آپ کا تھا جو انہوں نے لگے ہاتھوں مجھ پر اتار دیا۔اب آپ کی وجہ سے ان کو صبح سے بھوکا بیٹھنا پڑا ہے۔یہ آپ کا فرض بنتا ہے کہ ان کو منائیں بھی آپ۔اب آپ جلدی سے اٹھ جایئے اور فریش ہو جائیں۔میں کچھ بنا کر لے آتی ہوں۔'' وہ پاپا کی طرف متوجہ ہوئی تھی مسکراتے ہوئے ان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دیکھ لیجئے آپ کی وجہ سے توپوں کا رخ میری طرف ہو گیا ہے۔آپ کو انہوں نے بیمار سمجھ کر تھوڑی مروت کا مظاہرہ کر دیا تھا مگر مجھ پر تو پوری شدت سے حملہ آور ہوئیں ہیں مسز حسنہ شاہ.....ان کے غصے اور خفگی سے میں بہت ڈر جاتی ہوں۔آپ کی ہمت ہے جو انہیں جھیلتے ہیں۔میرا تو ان کے ساتھ قطعی گزارا نہیں ہوتا۔سنبھالئے آپ اپنی فکر مند شریکِ حیات کو۔میں تو کچن میں چلی۔'' وہ مسکراتے ہوئے شایان شاہ کو چھیڑ رہی تھی۔اس کی شرارت سمجھ کر حسنہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔مسکراتے ہوئے اس کا سارا چہرہ کس قدر روشن ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔حسنہ شاہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتاری تھی اور اسکی دائمی خوشیوں کے لئے دعا کی تھی۔

''بیٹھو تم اپنے پاپا کے پاس۔میں تم دونوں کے لئے کچھ بنا کر لاتی ہوں۔صبح کا ناشتہ جوں کا توں پڑا ہے۔تم کچھ کھا کر نہیں گئیں تھیں نا اور مجھے پکا یقین ہے تم نے وہاں کیفے ٹیریا سے بھی کچھ نہیں کھایا ہوگا۔تم دونوں باتیں کرو۔میں بنا لاتی ہوں۔ویسے بھی تمہیں کچھ ٹھیک سے بنانا تو آتا ہی نہیں ہے۔میں نے لاکھ بار تمہارے پاپا سے کہا ہے اس کو اس قدر ایڈونچرس نہ بنائیں اس کو گھر داری بھی سکھانے دیں۔کھانا بنانا آنا چاہئے اسے۔اگلے گھر جائے گی تو یہی کام آئے گا مگر ان کو تو کوئی خیال ہی نہیں ہے۔میری کہاں سنتے ہیں۔بیٹی کو شہزادی بنا کر رکھا ہے۔سسرال والے تو مجھے ہی الزام دیں گے نا کہ بیٹی کو کچھ سکھایا ہی نہیں ہے۔کوئی عقل سمجھ بوجھ نہیں دی ہے۔ان کو کیا خبر کہ اس کے والد صاحب تو اسے کسی ریاست کی شہزادی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔'' حسنہ شاہ کے لہجے میں فطری ممتا کا احساس تھا۔شایان شاہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور حسین شاہ منہ بسور کر رہ گئی تھی۔اس نے شکایتی نظروں سے شایان شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

''پاپا دیکھ لیجئے آپ۔اس سے زیادہ بے عزتی کی متحمل نہیں ہو سکتی میں۔آپ نے واقعی بے جا لاڈ پیار سے مجھے بگاڑ دیا ہے۔ماما کی شکایتیں بے جا تو نہیں ہیں۔میں واقعی ادھر ادھر کے کاموں میں لگ کر ماما کی کم سنتی ہوں۔ان کی شکایت درست ہے۔شکوہ کرنا ان کا حق بنتا ہے اور یہ شکوے قدرے جائز بھی ہیں۔آئندہ آپ کے ساتھ باہر جانے پر پابندی لگ گئی ہے پاپا۔بس اب سے میں مکمل طور پر ماما کی بیٹی بن گئی ہوں۔اب ان سے گھر داری سیکھوں گی اور کچن سنبھالوں گی۔مگر ماما آج جو بھی بناؤں نا کھا لیجئے گا۔کم از کم تمنا بی بی سے زیادہ برا تو ہرگز نہیں بناؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے حسنہ شاہ کے گلے میں بانہیں ڈال چکی تھی اور حسنہ شاہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیں تھیں۔ اسے پیار سے گلے لگا لیا تھا۔

''میری جان میں کوئی تمہاری دشمن تھوڑی ہوں۔تمہاری فکر ستاتی ہے مجھے۔میں بے وجہ ناراض نہیں ہوتی ہوں۔نجانے کیوں میرا دل دہلتا رہتا ہے۔وسوسوں میں پڑ جاتی ہے۔میں نہیں چاہتی میری جان کو کوئی بات کرے۔اسے کسی وجہ سے باتیں سننی پڑیں۔نجانے تمہاری ساس کا مزاج کیسا ہوگا۔ماہ نور تو بے حد نفیس خاتون تھیں۔ان کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھی۔وہ تم سے بے حد محبت رکھتی تھیں مگر اللہ نے ان کی زندگی کم لکھی ہوئی تھی۔اس معصوم سے بچے کو دکھ سے گزرنا پڑا مگر لکھے کو کون ٹال سکا ہے بھلا۔یہی باتیں دن رات بے چین کرتی رہتی ہیں۔تم کیا جانوں ماں کو کیسے کیسے اندیشے گھیرے رکھتے ہیں۔راتوں کی نیند کوسوں دور چلی جاتی ہے۔ہزاروں فکریں جمع ہو کر جھمگٹا لگا دیتی ہیں۔دل مشکل میں گھر جاتا ہے۔'' مدھم لہجے میں کتنے خدشات چھپے ہوئے تھے۔کتنے اندیشے پریشان کر رہے تھے انہیں۔وہ جانتی تھی ماں کی فکریں فطری تھیں۔والدین کو شاید ایسے ہی وسوسے ستاتے رہتے تھے۔وہ ان کی فکروں سے آگاہ تھے۔انہوں نے بغور اپنی پیاری بیٹی کے صبیح چہرے کو دیکھا تھا اور پھر اس کی روشن چمکتی پیشانی پر لب رکھ دیئے تھے۔

''حسنہ شاہ..... یوں پریشان ہوتی ہو تو مجھے اور میری بیٹی دونوں کو ہی پریشان کر دیتی ہو۔ان خدشات کو دور بھگا دو۔پلیز مجھے جتنا مرضی ڈانٹ لو۔جتنا چاہو ڈپٹ لو مگر میری عزیز از جان بیٹی کو تناؤ میں مبتلا مت کرو۔تم جانتی ہو نا۔اس کے چہرے پر پریشانی کی ایک لکیر بھی نہیں دیکھ سکتا۔مجھے لگتا ہے میں کمزور پڑ گیا ہوں۔یا پھر ناکام ہو گیا ہوں کہ تمہاری پریشانی کا سبب بن جاتا ہوں اور اپنی بیٹی کی بھی۔مجھے ایک ملال گھیر لیتا ہے۔جب تک میں صحیح سلامت ہوں تمہارے ساتھ ہوں تو یوں دکھی مت ہوا کرو۔خوش رہا کرو۔اگر دکھی ہو گی تو میں بھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔میرا اطمینان مشکل میں پڑ گیا ہے۔اپنی شریکِ حیات کو یوں خدشات میں گھرا ہوا نہیں دیکھ سکتا ہوں میں۔یہی خوف میرے اندر ڈیرہ جما چکا ہے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تمہارا اور میری پرنسس کا کیا ہو گا۔کسی بڑے نقصان کا احتمال ستاتا رہتا ہے مجھے۔اضطرابی بڑھتی جاتی ہے مگر تمہاری ایک مسکراہٹ میرے دل کو طمانیت سے بھر جاتی ہے۔تمہیں کیسے بتاؤں کہ تم میرے لئے کس قدر اہم ہو۔میری سانسوں کے چلنے کی وجہ تم ہو۔تم خود بھی بے وجہ کی باتوں پر پریشان ہوتی ہو اور میری بچی کو بھی فکروں میں ڈال دیتی ہو۔ابھی دیکھو تم نے اسے ڈپٹ کر خوفزدہ کر دیا ہے۔تھکی ہوئی آئی ہے اور تم نے اس کو آتے ہی سنا دی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں جذباتی ہو گئے تھے۔جذبات سے مغلوب ہو گئے تھے۔ان کی آواز رندھ گئی تھی اور حسین شاہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔وہ اس وقت خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔وہ کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی مگر اندر سے آتی آوازیں اس کے کانوں میں اب بھی پڑ رہی تھیں۔

''حسنہ شاہ اسد بھائی کی کال آئی تھی۔وہ رشتے کی بات کر رہے تھے۔اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتے۔وہ کہہ رہے ہیں اظل کی شادی میں تاخیر نہیں چاہتے۔وہ اپنے بزنس کو کامیابی سے چلا رہا ہے۔وہ ماہ نور کی خواہش کو اس کے خواب کو حقیقت کا روپ دھارتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور میرا خیال ہے یہ کچھ خاص غلط بھی نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حسنہ شاہ کو آگاہ کر رہے تھے۔

''پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ کب کیا انہوں نے؟ آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔اب آپ مجھ سے بھی باتیں چھپانے لگے ہیں؟''

حسنہ شاہ کی آواز میں شکوہ اپنے آپ آ گیا تھا۔ مگر فطری ممتا کی فکرمندی نمایاں تھی۔ وہ شاید ان کو اطمینان دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ایسا نہیں ہے حسنہ شاہ۔ تم کتنے شکوے کرنے لگی ہو ان دنوں۔ ایسا بھی ہوا کہ میں نے تم سے کبھی کچھ چھپانے کی کوشش کی؟ تم تو مجھے اندر تک پڑھ لیتی ہو نا۔ میرا اور تمہارا تو دلوں کا اور اس سے بڑھ کر روح کا رشتہ ہے۔ جانتی ہو نا تم دلوں کا تعلق صدیوں تک قائم رہتا ہے۔ روحوں کا رشتہ انمول ہوتا ہے بے حد مضبوط ہوتا ہے۔ سالوں، صدیوں یا مدتیں گزر جائیں تو ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ان کے دلوں میں محبت جوں کی توں موجود رہتی ہے۔ میلوں کی دوری پر بھی چلے جائیں، کتنے ہی فاصلے آ جائیں، کتنی ہی دوریاں کیوں نہ آ جائیں، کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پڑ جائیں، دل میں پہچان پھر بھی قائم رہتی ہے۔ دلوں سے محبت کم نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔ فاصلہ اس محبت کے الاؤ کو اور بھی بھڑکا دیتا ہے۔ میلوں کے فاصلے صدیوں پر محیط بھی ہو جائیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دلوں میں محبت خود راستے بناتی ہے اور سارے بند توڑ کر پہنچ جاتی ہے۔ تم جانتی ہو میری روح کا تم سے پرانا تعلق تھا۔ ایک پرانا واسطہ تھا۔ ان دلوں کو محبت نے چن لیا تھا۔ اس نے دلوں کو محبت سے بھر دیا تھا۔ جب میں نے تمہاری طرف دیکھا تھا وہ اچانک مجھ پر قیامت ڈھا گیا تھا۔ حالانکہ ہم تو بچپن سے ساتھ ساتھ بڑھے تھے مگر جانے وہ ایک لمحہ مخصوص تھا۔ محبت کو جاننے کا پرکھنے کا..... یا پھر یوں کہوں کہ محبت کے کیوپڈ نے اسی لمحے حملہ آور ہو کر مجھے میرا چین و قرار چھین لیا تھا حالانکہ میں کسی اور سے منسوب تھا اور تم کسی اور سے۔ پھر بھی ہمارے دل نے محبت کی راہ پر سفر شروع کر دیا تھا بغیر کسی خوف کے، بغیر کسی خطرے کے اس نے ان راہوں پر قدم رکھ دیئے تھے۔ محبت کی انگلی تھام کر اس دہکتے الاؤ میں قدم رکھ دیئے تھے۔ ان آنکھوں میں کسی خوف کا کوئی شائبہ دور دور تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ محبت نے ان آنکھوں میں خواب بھرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان آنکھوں کو رنگین خوابوں کا لبادہ پہنا کر ایک نئے پیراہن میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔ چاروں طرف رنگوں کی بہار اتر آئی تھی۔ قوس وقزح نے چاروں طرف رنگوں کا ہالہ بنا دیا تھا۔ دل نے محبت کی داستان پر سر دھننا شروع کر دیا تھا۔ اور محبت اپنی فتح پر سرشار ہو رہی تھی۔ مسرور سی ان راہوں پر قدم رکھتی جا رہی تھی۔ محبت اپنی جیت پر کامران سی تھی۔ پھولے نہیں سما رہی تھی۔ دلوں کو اپنی لے پر رقصاں کر رہی تھی۔ سمجھتی تھی کہ کسی کو بھنک بھی نہیں پڑے گی مگر محبت چھپ نہیں سکتی۔ اس کی خوشبو تو کستوری کی طرح چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ میرے دل سے تمہارے دل تک پہنچ چکی تھی۔ تم نے تب بھی تو جان لیا تھا۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا اور تم نے مجھے اندر تک پڑھ لیا سطر سطر حرف حرف اور پھر کہا اسے کہاں کہ کبھی کوئی راز رکھا ہو کبھی۔ میری ہمت کہاں کہ کبھی کوئی بات چھپائی ہو۔ تم سے صغیرہ راز رکھی ہو۔ تم تو میری زندگی کے ہر پل سے آگاہ ہو۔ ہر راز سے واقف ہو۔ تم تو میرا اپنا آپ ہو۔ میری روح کا حصہ ہو۔ تمہارے بغیر ادھورا ہوں۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں یقین دہانی کروائی تھی۔

''میں جانتی ہوں ان سب باتوں کو چھوڑیں آپ۔ یہ بتایئے آپ نے کیا جواب دیا۔ اتنی اہم بات تو آپ نے ادھوری چھوڑ دی ہے۔ مجھے بتایئے ابھی۔ آپ میری بے قراری کو بڑھا رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''ابھی تو ہماری بچی چھوٹی سی ہے۔ابھی کیسے کر سکتے ہیں اس کی شادی۔ابھی تو پڑھ رہی ہے۔اتنی جلدی تو میں اسے خود سے جدا کرنا نہیں چاہتا۔ ہمارا تو گھر سونا ہو جائے گا۔ ہم دو نفوس تو بولائے بولائے پھریں گے۔ ہمارے گھر کی رونق تو اسی کے دم سے ہے۔آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا قرار تو وہی ہے۔اس کے بغیر تو زندگی ادھوری ہو جائے گی۔ جب اسد بھائی نے پوچھا تو کتنی ہی دیر تک میں کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ میں تو حیران تھا۔وقت کیسے گزر جاتا ہے۔وقت کو جیسے پر لگ گئے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں تفصیل بیان کر رہے تھے۔

''آپ درست کہتے ہیں۔وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔کل تک وہ گڑیا تھی اور اب کتنی بڑی ہو گئی ہے۔کتنی سمجھدار ہے کہ ہمیں سمجھاتی ہے۔میرا خیال رکھتی ہے۔اسے ہماری کتنی پرواہ ہے۔بہت سعادت مند بچی ہے ہماری۔ میں تو حیران ہوں وقت کتنی تیزی سے گزر چکا ہے۔اسد بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہماری اپنی زندگی میں ہی اپنے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے نا۔'' وہ دھیمے لہجے میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''میرا ابھی یہی خیال ہے۔ میں نے اسد بھائی سے کہا تھا۔آپ کی امانت ہے آج بھی اور کل بھی مگر تیاریاں کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا زندگی کا کیا بھروسہ کب کیا ہو جائے۔اسی لئے میں بھی اپنے فرض کو اپنی زندگی میں ہی نبھانا چاہتا ہوں۔اس فرض کی ادائیگی اپنی زندگی میں ہی کرنا چاہتا ہوں۔ جانے کیسا خوف مجھے خدشات میں مبتلا کر رہا ہے۔اسی لئے میں نے ان سے وعدہ لیا ہے کہ اگر مجھے کبھی کچھ ہو جائے تو میری بیٹی اور تمہارا خیال رکھے۔کل معید بھی آیا ہوا تھا۔کافی دیر تک بات ہوئی تھی۔ جب تم بھابھی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں تب۔انہوں نے بھی میری بات کی تائید کی تھی۔اسی لئے میں نے کافی سوچ بچار کی اس مسئلے پر۔ ھین شاہ سے ایک بار بات کر لو پھر انہیں کوئی جواب دوں گا۔انہوں نے کہا ھین اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہے۔اظل کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس بات پر۔'' وہ مدھم لہجے میں راز و نیاز کر رہے تھے۔انہیں تفصیل سے تمام صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے۔

''یہ تو اچھی بات ہے نا۔ھین شاہ اسٹڈی ٹرپ پر یورپ جا رہی ہے۔اس کی واپسی پر اللہ کا نام لے کر شروع کریں۔ طے کریں یہ معاملہ۔ نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بچی کی خوشیاں دیکھیں گے۔اس کو اس کے بچوں کے اور شوہر کے ساتھ خوشحال زندگی جیسے ہوئے دیکھ کر خوش ہوں گے۔اس سے بڑی خوشی ہمارے لئے اور کیا ہو سکتی ہے بھلا۔آپ تو آج مجھے حیران کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔تو آپ نے اسی بات کی Stress لی تھی کل تبھی سے آپ بیمار ہو گئے ہیں۔آپ سے اپنی بیٹی کی جدائی دیکھی نہیں جائے گی۔تبھی صرف سوچ کر ہی اپنا BP ہائی کر لیا ہے آپ نے۔ ویسے تو مجھے کمزور دل کہتے ہیں اور خود اپنی حالت دیکھ لیں۔آپ نے تنہا جھیل لیا ہے اس صورتحال کو۔ مجھے قصداً آگاہ نہیں کیا نا؟ تاکہ میں پریشان ہو جاؤں گی؟ آپ میرے ردعمل سے خوفزدہ ہو گئے تھے نا؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اور انہوں نے اپنی پیاری اور عزیز از جان شریکِ حیات کی طرف دیکھا تھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں جانتا تھا تم بھی اچانک اس بات کو سن کر کچھ لمحوں تک بے یقینی کی کیفیت میں گذارو گی۔ تب پھر کہیں سوچ پاؤ گی۔ میں تمہاری باتوں سے متفق ہوں۔ کل میری ننھی منی شہزادی میری انگلی تھام کر چلنا سیکھ رہی تھی اور آج دیکھو رات بھر دادی اماں کی طرح میری تیمارداری کر رہی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں مگر بادشاہوں کو بھی اپنی بیٹی کو رخصت کرنا پڑتا ہے۔ یہ زمانے کا دستور ہے۔ تم بھی تو اپنے والدین کی جان تھیں نا اور اب دیکھو ہم اپنی زندگی کو اچھی طرح گزار رہے ہیں مگر ایک خلش ہمیں بے چین رکھتی ہے۔ ہر پل ان خوشیوں بھرے لمحوں کو ایک خوف سے بھر دیتی ہے۔ میں نہیں چاہتا ہماری بیٹی کو بھی ایسے وقت گزارنا پڑے۔ اسے تو کبھی گرم ہوا بھی چھو کر گزرے گی تو میری دھڑکنیں ساکت ہو جائیں گی۔ یہ سوچ کر ہی دل دہل جاتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ دن رات اسی تگ و دو میں لگا رہتا ہوں۔ اپنی بیٹی کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو رہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں پدرانہ شفقت کے سارے رنگ تھے۔

''آپ درست کہتے ہیں۔ مگر ابھی ھین کے سامنے کوئی بات مت کیجئے گا۔ کوئی مناسب موقع دیکھ کر اس سے پوچھ لیں گے۔ ویسے اظل نے کبھی ھین کو نہیں دیکھا۔ پھر وہ کیسے سمجھ پائے گا ہماری بچی کو۔ اس کے مزاج کو۔ ہماری بیٹی تو بہت حساس ہے۔ بہت نرم دل واقع ہوئی ہے۔ چھوٹی سی بات پر بے چین ہو اٹھتی ہے۔ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ آپ نے تو اسے ہتھیلی کا پھپھولہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اسے تو زمانے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی ہے۔ وہ تو زمانے کے سرد و گرم سے نپٹنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتی۔ وہ ایسے ان تمام معاملات سے انجان ہے۔ وہ تو کسی معمولی سی بات پر بھی گھنٹوں پریشان رہتی ہے۔ فکروں میں گھل جاتی ہے۔ آپ نے اسے بچی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ابھی جب اسٹڈی ٹرپ پر جانے کی بات کر رہی ہے تو آپ کیسے خوفزدہ ہو گئے ہیں حالانکہ دوسرے اسٹوڈنٹس بھی تو جا رہے ہیں نا..... مگر..... ان کے والدین بھی تو ان کو جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں دے پا رہے اسے اجازت۔ آپ اسے اجازت دینے میں اتنی حیل و حجت کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں؟ آپ اجازت دینے میں اتنا تعامل کیوں برت رہے ہیں؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے شایان شاہ کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں اور وہ مسکرا دیئے تھے۔

''خوفزدہ تو تم بھی ہو رہی ہو نا ھین کی ماما۔ آج تک ہماری بچی نے ہمارے بغیر کبھی تنہا سفر نہیں کیا ہے۔ اس نے کبھی ہمارے بغیر تنہا وقت نہیں گزارا ہے۔ اسے عادت نہیں ہے۔ ہر جگہ تو ہم تینوں ساتھ ساتھ ہی گئے ہیں نا۔ دنیا گھومی ہے ہم نے۔ اب جب وہ پہلی بار یوں تنہا جانے کی بات کر رہی ہے تو دل عجیب سے وسوسوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ جانتا ہوں رامین بھی اس کے ساتھ ہو گی۔ یہ بات باعث اطمینان ہو گی مگر پھر بھی تم تو جانتی ہو نا۔ میں اپنی بیٹی کو لے کر کس قدر Possessive ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''مگر آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں عفان ہے نا ساتھ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بہت ذمہ دار بچہ ہے۔ ضیاء بھائی اور بھابھی نے اس کی تربیت بے حد اچھے اصولوں پر کی ہے۔ بڑا ہی سعادت مند بیٹا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تو کسی

فکر کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ اس گھر کا بچہ ہے۔ دونوں ساتھ پہلے بڑھے ہیں۔ وہ ساتھ ہے ان دونوں کا خیال رکھے گا۔ اس کا ساتھ ہونا ہی ہمارے لئے بہت بڑا سہارا ہے۔ وہ اس کا بہترین دوست ہے۔ اس کا خیال رکھتا ہے۔'' حسنہ شاہ نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ لہجے میں اطمینان اتر آیا تھا۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں وہ اچھا بچہ ہے اور رامین بھی ساتھ ہے تو مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ اور ہاں اظل شاید رامین کے گھر کسی تقریب میں حین کو دیکھ چکا ہے۔ شاید ملا نہیں ہے بات نہیں ہوئی ان کی لیکن وہ اس سے آگاہ ہے۔ جانتا ہے اسے اور میں نے اس کی تصویر بھی دی تھی اسد کو..... اب لگتا ہے ہمارے مسئلے آہستہ آہستہ حل ہونے لگے ہیں۔ بس تم چاچی جان سے مل سکو تو میرے لئے اس سے بڑی خوشی کچھ اور نہیں ہوگی۔ میری خاطر تم نے اپنوں کی دوری سہی ہے۔ ان کی بے اعتنائی کو سہا ہے۔ زندگی کو سزا کی طرح گزار دیا ہے۔ کسی بھی خوشی کو کبھی پوری طرح نہیں منا سکی ہو۔ ہر لمحہ تمہاری آنکھوں میں ایک چلتا پھرتا خوف مجھے صاف دکھائی دیتا ہے جسے چھپانے کا تردد کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہو۔ مگر میں جان جاتا ہوں۔ میں تمہیں پوری طرح خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ان الجھی ہوئی سوچوں سے نجات دینا چاہتا ہوں۔ میں ایک اچھا شریکِ حیات ثابت نہیں ہو سکا نا۔ تمہارے دکھ کی وجہ بن جاتا ہوں۔ یہ ملال مجھے ستاتا رہتا ہے۔ راتوں کو سوتے میں سے اچانک جاگ جاتا ہوں۔ بے چین ہو جاتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں داستان سنا رہے تھے۔ اور حسنہ شاہ نے اسے خفگی سے گھورا تھا۔ وہ خائف ہو گئی تھی۔

تبھی وہ ناشتہ ٹرے میں سجائے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور وہیں باتیں کرتے ہوئے اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔

''ارے واہ میری بیٹی نے کیا کچھ بنا دیا؟ خوشبو تو بے حد اشتہا انگیز ہے۔ کھانا دیکھنے میں تو بے حد لذیر لگ رہا ہے۔ تم تو کہہ رہی تھیں میری بیٹی کو کھانا نہیں بنانا آتا مگر خود دیکھ لو اس نے کتنی محبت سے کتنا بہترین کھانا بنایا ہے۔ میرا تو دیکھ کر ہی دل خوش ہو گیا ہے۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور اپنی تعریف سن کر وہ مسکرا دی تھی۔ چمکتی ہوئی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کی تعریف میرے لئے بے حد اہم ہے پاپا۔ اب آپ کھائیے اور ماما آپ کھا کر بتائیے آپ کی بیٹی بالکل آپ جیسا کھانا بناتی ہے نا۔ اس کے ہاتھوں میں بالکل آپ جیسا ہی ذائقہ ملے نا؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور حسنہ شاہ نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''میری جان تم تو ہر چیز میں مکمل ہو۔ میرے جیسی ہو اور واقعی تمہارے ہاتھ میں بے حد ذائقہ ہے۔ میں نہیں جانتی تھی تمہیں کھانا پکانا بھی آتا ہوگا۔ کیونکہ میں نے تمہیں بھی کچن میں جانے ہی نہیں دیا نا کبھی۔ تو قصور تو میرا ہے نا۔ مگر آپ کو لگ رہا ہے میں نے تمہیں بے جواز باتوں پر بلاوجہ ڈانٹا تھا۔ تو تو میری جان ہے۔ مجھے ہر حال میں عزیز ترین ہو تم۔'' حسنہ شاہ نے فطری ممتا بھرے لہجے میں کہا تھا۔ دھیمے لہجے میں اپنی عزیز از جان بیٹی سے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا اور حین شاہ جانتی تھی وہ کس قدر جذباتی تھیں تبھی تو موضوع پلٹ دیا تھا۔

''تو پاپا پھر آپ مجھے اجازت دے رہی ہیں نا۔ رامین بھی جا رہی ہے۔ معید ماموں نے تو فوراً اجازت دے دی ہے اور پھر عفان بھی تو ہے نا۔ آپ اب تو آپ کو اعتراض نہیں ہے نا۔ پھر صرف چند دن کی تو بات ہے۔ صرف پندرہ دن اور اس کے بعد فوراً سے پیشتر گھر واپس آجاؤں گی۔ پکا وعدہ ہے۔ آپ لوگوں کے بغیر رہنا دشوار ہوگا۔ جاں گسل لمحے ہونگے مگر کیا کروں اسٹڈی ٹرپ ہے نا۔ جانا تو پڑے گا نا۔'' وہ مدھم لہجے میں شایان شاہ سے درخواست کر رہی تھی۔

''تم نے کھانا بے حد اچھا بنایا ہے میں نے تو عرصے بعد نہایت رغبت سے کھایا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں بالکل تمہاری دادی جان کے ہاتھ کا ذائقہ ہے۔ مجھے تو لگا میں نے اپنی اماں کے ہاتھ کا کھانا کھایا ہے۔ مدتوں بعد کھانے کا اصل ذائقہ چکھا ہے۔ میری اماں بالکل اسی طرح کھانا بناتی تھیں۔ وہ ذائقہ تو میں آج تک نہیں بھولا ہوں۔ تم نے مجھے آج یاد دلا دیا۔ میرا دل اس قدر خوش ہوا ہے کہ میں نے خوش ہو کر تمہیں جانے کی اجازت دے دی ہے اور تمہاری ماما کی طرف سے بھی ہاں ہے۔ مگر یاد رکھنا۔ ادھر ادھر کہیں نہیں جانا ہے تم نے۔ فون ہاتھ میں رکھنا۔ کال فوراً پک کرنا اور میسج کرتی رہنا ورنہ تو تمہیں پتا ہے نا تمہاری ماما مجھ سے لڑائی شروع کر دے گی۔ پھر میری تو خیر نہیں مگر ذرا سی غفلت بھی ہوگی تو..... اپنی ماما کو جانتی ہو نا تم سارا نزلہ مجھ پر ڈال دیں گی۔ اپنی توپوں کا رخ میری طرف موڑنے سے ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کریں گی۔'' وہ مدھم لہجے میں تنبیہ کر رہے تھے اور حسین شاہ بے یقینی سے پاپا کی طرف دیکھا تھا۔

''واقعی پاپا میں جا سکتی ہوں نا؟ میں تو آپ کو بتا نہیں سکتی میں کس قدر خوش ہوں۔ آپ لوگوں کو بہت مس کروں گی مگر جانا ضروری ہے نا پاپا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا۔'' حسین شاہ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں بیٹا میں جانتا ہوں۔ اس لئے اجازت دے دی ہے۔ لیکن دل ڈر رہا ہے۔ تمہیں جی بھر کر دیکھ لینا چاہتا ہوں۔ پھر اگلے پندرہ دن تک تو تمہیں دیکھ نہیں سکوں گا نا۔ میری تو آنکھیں اندھی ہو جائیں گی نا۔ میری آنکھوں کی روشنی تو تم ہو نا۔ تم جاؤ گی تو میری آنکھوں کی بینائی بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گی۔ تمہارے بغیر میں اس دنیا کو کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ تم نہیں جانتی ہو میری بچی..... یہ پندرہ دن پندرہ صدیوں کی طرح لگیں گے۔ میں نے تو ابھی سے دن گننا شروع کر دیئے ہیں۔ سوچتا ہوں جب پندرہ دن کی جدائی سوہانِ روح تو تمہاری شادی کے بعد ہمارا کیا ہوگا۔ اب تو سوچ رہا ہوں کہ گھر داماد رکھنے کی بات کر لوں اسد سے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے حسین شاہ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا۔

''تمہارے پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں تو رات والے خواب سے ویسے ہی پریشان ہوگئی ہوں۔ پندرہ دن کا سوچ کر ہی میری تو جان جا رہی ہے۔ میں نے تو تمہارے پاپا سے کہا ہے ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ تمہاری اسٹڈی کا حرج ہوگا۔ وہاں اگر ہم بھی چلے گئے تو تم اپنی دوستوں کے ساتھ وقت نہیں گزار سکو گی۔ اپنے پروجیکٹ پر پوری توجہ مرکوز نہیں کر سکو گی اور یہ انہیں گوارہ نہیں ہے۔ وہ تمہاری اسٹڈی کو لے کر کس قدر Possessive ہیں یہ تو تم جانتی ہو۔ وہ کہتے ہیں تعلیم ہی ترقی کا راستہ ہے۔ تعلیم انسان کو

شعور اور آگہی دیتی ہے۔اس پر آگہی کے در وا کر دیتی ہے۔تعلیم انسان کو تذیب اور تمدن سکھاتی ہے۔نئے راستے پر گامزن کر دیتی ہے۔نئی راہوں سے روشناس کرواتی ہے اور میں ان سے متفق ہوں۔سوچ کو پرکھنے کے لئے تعلیم ضروری ہے۔ہم رسموں اور رواجوں سے گندھے ہوئے لوگ ہیں۔اپنی روایتوں سے جڑے ہوئے انسان ہیں۔ہم اپنی اقدار کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور تعلیم کے شعور سے اچھائی اور برائی کی پرکھ رکھتے ہیں۔اچھے اور برے کی تمیز کرنا اچھائی ہے۔تم آنے والی نسلوں یہی روایات، تہذیب اور تمدن، ثقافت اور Morals منتقل کرو گی۔تم ان کو بھی انہی روایات سے آشنا کراؤ گی۔ان کی اچھی تربیت کرو گی۔ان میں وہ تمام خوبیاں بھر دو گی جو تم میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔تم بہت سمجھدار ہو میری بچی۔بس ایک بات کا دھیان رکھنا کسی پر بھی جلد ہی اعتبار مت کرنا۔چیزوں کو بننے میں وقت درکار ہوتا ہے۔تعلقات وقت کے ساتھ مضبوط ہوتے جاتے ہیں اور جو تعلقات دلوں سے بنتے ہیں ان کو جھٹلانے کی کوشش مت کرنا کیونکہ دل ہمیشہ سچ کہتا ہے۔سچ بولتا ہے۔سچ کو پہچان لیتا ہے۔دل کی آنکھوں میں سچائی کو پرکھنے کا ہنر ہوتا ہے۔دل جان جاتا ہے۔پل بھر میں چھان پھٹک کر لیتا ہے۔دل محبت کے راستے پر چل پڑتا ہے۔جھوٹ لاکھ راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کرے مگر دل کو خبر ہو جاتی ہے۔دل پہچان جاتا ہے۔محبت بس دبے پاؤں آ کر اس کو دبوچ لیتی ہے۔میری دعا ہے اللہ تمہیں ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ رکھے۔تمہیں نظر بد سے بچائے۔تم میرے دل کا سکون ہو۔میرے دل کا قرار ہو۔میرا سب کچھ تم ہی ہو۔ہمارا قیمتی اثاثہ ہو تم۔اپنا خیال رکھنا۔اب پیکنگ دھیان سے مکمل کر و کل جانا ہے نا۔رامین کو کال کر کے بتا دیتا ہوں اور دیکھو کوئی چیز بھول مت جانا۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں اسے نصیحتیں کر رہی تھیں۔

''ماما آپ فکر مت کریں میں آپ کی بتائی تمام باتوں پر عمل کروں گی۔آپ پریشان ہونا چھوڑ دیں۔آپ کی بیٹی بہت بہادر ہے نا۔آپ کی بیٹی تو شیر ہے بالکل اپنے پاپا جیسی۔آپ اپنا اور پاپا کا خیال رکھنا۔پندرہ دن تو یوں چٹکیوں میں گزر جائیں گے۔پتا بھی نہیں چلے گا۔'' وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر یقین دہانی کرا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

شاید کوئی کھٹکا ہوا تھا۔اس نے اچانک پلٹ کر دیکھا تھا۔یادوں کا تسلسل اچانک ہی ٹوٹ گیا تھا اور اس کے دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔وہ چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔کاش وہ اس دن ان کو چھوڑ کر نا گئی ہوتی۔کاش وہ ان کے ساتھ ہوتی مگر یہ سچ نہیں تھا۔وہ ان کو کھو چکی تھی۔اس نے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔پوری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی جب وہ سوئی تھی اور نجانے کتنی دیر وہ سوتی رہی تھی۔فون بیل مسلسل ہو رہی تھی۔اس نے موندی ہوئی آنکھوں سے کال پک کی تھی۔

''تم ابھی تک سو رہی ہو۔میں کتنی ہی بار آ کر جا چکا ہوں۔ماما پاپا بھی آئے تھے تم نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔جانتی ہو کیا ٹائم ہو گیا ہے؟ شام کے چار بج چکے ہیں۔تم پورا دن خواب غفلت کے مزے لیتے رہی ہو۔لگتا ہے سارے گھوڑے گدھے بیچ کر سوئی ہو تم۔اب اُٹھ

جاؤ۔ میں آرہا ہوں اب۔ اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاؤں گا۔'' اس کا انداز دھمکی بھرا تھا۔ وہ فون اسکرین کی طرف حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کب کال ڈسکنیکٹ کر چکا تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ کی تھی۔ اس نے پیر کارپٹ پر رکھے تھے اور کھڑی ہوئی تھی۔ پھر چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔ دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی اور جب اس نے دروازہ کھولا تھا تو اس کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اس کا دل ساکت ہو گیا تھا۔ دھڑکنیں تھم گئی تھیں۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ دسویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

کتاب گھر کے قارئین کے لیے
آمنہ ریاض کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

بساطِ دل

آپکو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط (15th, 20th, 25th) کتاب گھر پر پبلش ہوں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشناء کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

''تم.....؟'' وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح وہاں چلا آئے گا مگر وہ مسلسل اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ھین شاہ کو خوفزدہ کر دینا جیسے اس کی اولین ترجیح بن گئی تھی۔ وہ ہراساں سی عمیر شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ خوف سے اس کا دل ساکت ہو گیا تھا۔

''تم کیوں آ گئے ہو یہاں؟ تمہیں منع کیا تھا نا میری راہوں میں آنا ترک کر دو مگر تم نے ایک نہیں سنی۔ تم مجھے پریشان کرنے کے لیے پھر چلے آئے؟ کیا سمجھتے ہو تم خود کو؟ مجھے خوفزدہ کرو گے؟ اور کیا میں ڈر جاؤں گی تم سے؟ جانتی ہوں تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔ تمہارا فعل اس بات کا گواہ ہے کہ تمہاری نیت میں فتور ہے۔ تم تمام حربے آزما رہے ہو۔ جس سے تمہیں کامیابی مل جائے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ مگر تم ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ تم اپنے عزائم میں کامیاب ہرگز نہیں ہو گے۔ تمہاری کوئی چال کامیاب ہونے والی نہیں ہے۔ یہ بات جتنی اچھی طرح تم سمجھ لو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔'' وہ سخت لہجے میں اسے ڈپٹ رہی تھی۔

''تم مجھے کہیں آنے جانے سے روک نہیں سکتیں۔ مجھ پر پابندی عائد نہیں کر سکتیں۔ میں اپنی مرضی کا خود مالک ہوں۔ جہاں چاہے آ جا سکتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے۔ امید ہے تم سمجھ گئی ہو گی۔'' عمیر شاہ نے اسے باور کرایا تھا۔

''ویسے تم میرے یہاں آنے پر حیران کیوں ہو رہی ہو؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ جہاں بھی چلی جاؤ مجھ سے بچنا مشکل ہے۔ میری تمام راہیں تم تک آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ تم تک آ کر تھم جاتی ہیں۔ آگے کا سفر یہیں پر تمام ہو جاتا ہے۔ تمہیں بارہا جتانے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ؟'' عمیر شاہ نے اس کی آنکھوں میں ٹھہرے خوف کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

''میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ یہ تمہارا وہم ہے۔ تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری مضبوط قوری ارادی سے تم اچھی طرح آگاہ ہو۔ پھر یوں پوچھ کر اور مجھے خوفزدہ دیکھ کر اپنے کس جذبے کی تسکین چاہتے ہو تم؟ وہ ایک لمحے کو رکی تھی اور خود اعتمادی سی کھڑی تھی۔

''تم اگر مجھے خوف میں مبتلا دیکھنے کی خواہش رکھتے ہو تو یہ سراسر تمہاری خام خیالی ہے کیونکہ ایسا حقیقت میں کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ میری آنکھوں میں کسی ڈر یا خوف کا دور دور تک شائبہ بھی نظر نہیں آتا ہے۔'' وہ پراعتماد لہجے میں جتا رہی تھی۔ اسے وہاں دیکھ کر حیران ہونے کے باوجود بہادر بنی کھڑی تھی۔

''تمہارے پاس مہمانوں کو دروازے پر ہی کھڑا رکھنے کا رواج ہے کیا؟ اندر آنے کی اجازت نہیں دو گی کیا؟ وہ مزید مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''حالانکہ میں جانتی ہوں تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔ تم اگر یہاں آئے ہو تو تمہارے عزائم خطرناک ہو سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری روایت میں مہمان نوازی شامل ہے۔ تم اندر آ سکتے ہو۔ تمنا بی بی تمہاری خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گی۔'' ھین شاہ

نے رسماً اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی اور اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ جیسے اس کو توقع نہیں تھی کہ وہ اسے واقعی اندر آنے کی اجازت دے دینے والی تھی۔ وہ اسکی فراخدلی پر حیران ہوا تھا۔

''حیرت کی بات ہے۔ تم مجھے حیران کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ تمہاری بہادری کی داد دیتا ہوں۔ تم پر یقین ہو کہ میں نیک عزائم لے کر نہیں آیا ہوں پھر بھی تم مجھے اندر آنے کی اجازت دے رہی ہو۔ مگر تمہارا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ میں بے حد ضروری کام سے آیا ہوں۔ معید چاچا کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ پھر کبھی چکر لگاؤں گا۔ بس تمہاری خیریت مطلوب تھی سو اسی لیے چلا آیا۔ تم لاکھ دشمن سمجھو مگر مجھے پھر بھی تمہارا خیال رہتا ہے۔ تمہاری فکر ستاتی ہے مجھے۔ تم مجھ پر خواہ مخواہ شک کرتی ہو۔ میری مخالفت پر اتر آتی ہو۔ میں تمہیں کبھی نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ بات ذہین نشین کر لو تم۔ چلتا ہوں پھر ملیں گے۔'' وہ بغور اسکی طرف دیکھتے ہوئے جتا رہا تھا پھر جانے کے لئے مڑا تھا مگر دو قدم چل کر رک گیا تھا۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ایک بات تو تمہیں بتانا بھول گیا۔ جب تمہاری آنکھوں میں یوں اچانک خوف بھر جاتا ہے، ایک ڈر بسیرا کر لیتا ہے تو وہ خوف تمہاری آنکھوں سے ہوتا ہوا تمہارے چہرے پر پھیل جاتا ہے۔ اس کے آثار صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ تم چھپانے کی کوشش میں جت جاتی ہو مگر وہ خوف ایک جست میں تمہارے اندر سرایت کر کے تمہاری آنکھوں میں وحشت بھر دیتا ہے۔ تم ایک لمحے میں اس خوفزدہ ہرنی کی طرح لگتی ہو جو صحرا میں کہیں بھٹک جاتی ہے اور جانے کی کوئی راہ اس کو دکھائی نہیں دیتی۔ تمام رہیں اچانک ہی مسدود ہو جاتی ہیں اور وہ بچنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ امید و یاس بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہے۔ خطرہ کو بھانپ جاتی ہے۔ پھر بھی ہمت نہیں ہارتی۔ حالانکہ جانتی ہے کہ اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہے پھر بھی اس کا یوں بہادری سے ڈٹے رہنا قابل تحسین عمل لگتا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا کہ اس کے جسم میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی تھی۔ وہ جو بظاہر پراعتماد سی کھڑی تھی۔ اندر کسی خوف کو دبانے کی کوشش میں سرگرداں تھی مگر وہ جانے کیسے جان گیا تھا۔ صیاد تھا۔ پھر پہچانتا کیسے نہیں۔ وہ جان گیا تھا اس کی کمزوری کو بھانپ گیا تھا اور یہی بات اسے مسرور کر گئی تھی۔ تبھی وہ مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔

''تم دن میں خواب دیکھتے ہو۔ جاگتے میں خواب دیکھنے کی تمہاری عادت پرانی ہے۔ اس بات سے آگاہ ہوں میں۔ اگر تم قصداً کسی خطرناک ارادے سے بھی آئے تھے تو اتنا جان لو تمہارا واسطہ کسی کمزور انسان سے نہیں پڑا ہے۔ مقابلہ کرنے کے لئے تمہارے حوصلے ناکافی ہیں کیونکہ جب یہ حوصلوں کی چٹانوں سے ٹکرائیں گے تو تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔ تب پست حوصلوں کے ساتھ مجھ سے جیت نہیں سکو گے۔ تم پہلے بھی کوشش کر کے دیکھ چکے ہو۔ تم کامیاب نہیں ہوئے اور نا ہی کبھی ہو گے۔'' وہ مدلل انداز میں جتا گئی تھی۔

''اگر میں یہاں تک آ گیا ہوں تو سوچ لو میرے لئے کچھ بھی کرنا ناممکن ہرگز نہیں ہے۔ اگر مروتاً کچھ نہیں کیا تو اس کا مطلب ہر

گزیہ نہیں کہ آگے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ کبھی کبھی مصلحت کے تحت بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے بھی بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ امید ہے تمہیں سمجھ آ گیا ہوگا۔ ویسے بھی تم تو خاصی سیانی ہو نا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور پھر چلتا ہوا دور نکلتا چلا گیا تھا اور وہ وہیں کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی اور پھر پلٹ کر اندر کی طرف مڑی تھی اور دروازہ بند کر کے وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ ٹھہری ہوئی سوچوں میں ایک تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ دل پھر شدت سے دھڑک کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ کب کی رکی تھمی دھڑکنیں خوف سے دوگنی رفتار سے دھڑک رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی زندگی میں ایسے لمحات آجاتے ہیں جہاں چاروں طرف ایک یخ بستگی کا احساس تمام حسیات کو منجمد کر کے سوچنے کی صلاحیتوں کو کم کر دیتا ہے اور جامد کر دینے والا احساس اس کی تمام حسیات کو ناکارہ کرتا جا رہا تھا۔ اس نے ان ماؤف ہوتی سوچوں کو جگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو یادوں کی گرمی سے پگھلانے کی کوشش کی تھی مگر اسے لگ رہا تھا وہ بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ کامیابی اس سے دور بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ چاروں طرف ہریالی تھی۔ پاپا کو پھولوں سے بہت محبت تھی۔ ان کی محنت کا حصہ تھا چاروں طرف رنگ ہی رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ بارش ہو رہی تھی اور بارش میں پھول اور پودے دھل کر کچھ اور بھی نکھر گئے تھے۔ املتاس کے پھول زمین پر بکھرے ہوئے زمین کو رنگوں سے بھر چکے تھے۔

سب کچھ ویسا تھا مگر بس وہ سانس لیتی زندگیاں خوابوں کی طرف دل میں مقید ہو گئی تھیں۔ ان یادوں کی گرمی سے دل سیال بن کر بہہ رہا تھا۔ قطرہ قطرہ پگھل کر آنکھوں کے رستے راستہ بنا رہا تھا اور آسمان بھی اس کے ساتھ رو رہا تھا۔

اس کے قدم آگے بڑھ گئے تھے اور ہاتھ بڑھا کر ان قطروں کو ہتھیلیوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ قطرے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ ہتھیلیوں کو چھو کر ٹھہرتے نہیں تھے۔ ان ہتھیلیوں کو چھو کر زمین پر گرتے جا رہے تھے اور حمین شاہ کو وہ بارش یاد آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''تم بارش جیسی..... تمہارے سارے خواص بارش سے ملتے جلتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا کر اسے جھٹلایا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

اس نے سر جھٹکا تھا پھر ہولے سے خود کلامی کی تھی۔

''میں اس بارش کو اپنی ہتھیلیوں پر لینا چاہتی ہوں۔ میں بارش کے قطروں پر رقم کہانیوں کو ازبر کرنا چاہتی ہوں۔ محبت کی بارش میں بھیگ جانا چاہتی ہوں۔ ان تمام قطروں کو جمع کر کے محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔ اگر بارش محبت ہے تو میں اس محبت کو زمین پر گر کر بے وقعت کرنا نہیں چاہتی۔ اگر یہ زمین پر گر کر بے وقعت ہو گئے تو یہ داستان یہیں ختم ہو جائے گی۔ یہیں اختتام پذیر ہو جائے گی اور دل کی دھرتی پیاسی رہ جائے گی۔ اس کی قسمت میں ایک لامتناہی ویرانی لکھ جائے گی اور خدشات کی دھوپ اس کو جھلساتی رہے گی۔ تب کوئی

تدارک ممکن نہیں ہوگا۔اب جب ادراک کی منازل طے کر رہی ہوں تو دل کی زمین کو سیراب کر لینا چاہتی ہوں۔ مجھے خدشات کی پرواہ نہیں ہے۔ میں اس خوف سے نکل جانا چاہتی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔تبھی تمنا بی بی چلتی ہوئی باہر نکلی تھیں اور اسے بارش میں بھیگتا دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی تھیں۔وہ شاید اسے تلاش کرتی ہوئی وہاں تک آئی تھیں۔

''بیٹا کیا کر رہی ہو.....موسم بدل رہا ہے میرے بچے۔اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی ہو۔ پھر ڈھنگ سے آرام بھی نہیں کیا تم نے۔ پوری رات آنکھوں میں کاٹی تم نے اور ابھی اٹھی ہو تو یہاں آ کر بھیگنا شروع کر دیا ہے تم نے۔کچھ کھانے پینے کا ہوش نہیں ہے تمہیں۔ایسا کیسے چلے گا۔ایسے بارش میں بھیگنے سے بیمار پڑ جاؤ گی تو کتنا مسئلہ ہو جائے گا۔چلو میرے ساتھ۔'' وہ پر شفقت لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''تمنا بی بی آپ جانتی ہیں یہ بارش کے قطرے کہاں سے آتے ہیں؟ آپ نے کبھی ان کو ہاتھوں میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے؟ میں تو اس کوشش میں ہلکان ہو رہی ہوں مگر یہ قطرے ہاتھ میں آ کر نکل جاتے ہیں۔ہاتھوں کے سوراخوں سے راستہ تلاش کر کے غائب ہو جاتے ہیں جیسے ابھی ہاتھ میں آئے ہی نہیں تھے۔اگر احتیاطاً مٹھیاں بھینچ بھی لیں تب بھی یہ مٹھی میں مقید نہیں رہتے۔بالکل ایسے غائب ہوتے ہیں جیسے کونوں کھدروں سے دکھ دبے پاؤں اندر داخل ہوتے ہیں۔میں تو اس الجھن کو سلجھا نہیں پا رہی ہوں۔آپ کو کچھ خبر ہو تو بتائیں۔'' وہ سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ھین بیٹا.....!'' وہ ابھی کہنے ہی لگی تھیں تب وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔بارش میں بچنے کے لئے چھتری لئے کھڑا تھا۔وہ شاید اس کی بات سن چکا تھا۔

''آپ ایک کام کریں تمنا بی بی گرم گرم کافی اور کچھ سنیکس بنائیں جا کر۔پکوڑے بھی اور یہ کچھ چیزیں ماں نے ھین کے لئے بھجوائی ہیں۔وہ ابھی آ رہے ہیں بارش رکنے کا انتظار ہے انہیں۔ان کے سارے سوالوں کے جواب میں دے دوں گا۔ان کی عادت ہے سب کو پریشان کرنے کی۔آپ تو ان کی عادتوں سے اچھی طرح واقف ہیں نا؟'' وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ ھین کو بچوں کی طرح محبت کرتی تھیں اور ھین ان کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی تھی۔ان سے ہمیشہ اپنی بے جا ضد پوری کرواتی تھی۔

''آپ بے فکر ہو جائیں میں ان کو بارش میں بھیگنے نہیں دوں گا۔ان کے پاس یہ چھتری لیے کھڑا رہوں گا کیونکہ مجھے اندازہ ہے اگر یہ بیمار ہوگئی تو ساری مصیبت آپ کو اٹھانی پڑے گی اور اس کے نخرے تو کچھ اور بھی بڑھ جاتے ہیں جب یہ بیمار ہوتی ہے تو پھر تو یہ اور بھی بے جا ضد پوری کرواتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔شرارت سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''تم کیوں آ گئے ہو؟ تمہیں منع کیا تھا کچھ لمحے مجھے اپنے ساتھ گزارنے دو۔کچھ لمحوں کے لئے مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتے تم؟'' وہ چڑ گئی تھی۔

تبھی خفگی سے کہہ رہی تھی۔

''تم میری اکلوتی دوست ہو۔تمہاری فکر ہے مجھے پھر تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ابھی پوچھو کیا کہہ رہی تھیں تم؟ میں جانتا ہوں تمہارا مقصد کیا ہے۔تم جانتی ہو کہ اس بارش میں بھیگ کر بیمار پڑ جاؤ اور میں تمہاری تیمارداری کرتا ہوں۔تم مجھے سزا دینا چاہتی ہو۔یہ تو میں جان گیا ہوں مگر میں نے بھی تہیہ کرلیا ہے تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

مگر اس نے عجیب الجھی ہوئی نظروں سے عفان ضیاء ہاشمی کی طرف دیکھا تھا۔اس کی آنکھیں بارش کا ساتھ دے رہی تھیں یا پھر بارش اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ایک عجیب سا منظر تھا۔عفان کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے۔اس نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے برستی بارش کو اپنے پوروں پر جمع کرنے کی کوشش کی تھی۔ان قیمتی موتیوں کو سمیٹ لیا تھا۔وہ شاید اس کے لئے تیار نہیں تھی۔یہ عمل اچانک ہی اس سے سرزد ہوا تھا۔وہ خود کو روک نہیں پایا تھا۔وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور خفگی سے اسے دیکھا تھا۔وہ سمجھی تھی اس کا وہم تھا مگر ایک لمحے کے لئے اس محبت کی خوشبو کو محسوس کیا تھا۔

''پیچھے ہٹو..... مجھے جانے دو۔میرا رستہ مت روکو۔'' وہ جانے کے لئے قدم بڑھانے لگی تھی۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟ میں تمہیں اکیلے کہیں نہیں جانے دوں گا۔تمہیں جہاں بھی جانا ہے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔یہ اچھی طرح سمجھ لو تم۔'' وہ اسے آگاہ کر رہا تھا۔

''تم کیوں میرا پیچھا نہیں چھوڑ دیتے۔کیوں آجاتے ہو مجھے پریشان کرنے۔مجھے خود کو تلاش کرنا ہے۔اس محبت کو تلاش کرنا ہے جس کی خوشبو اب میں نے محسوس کی تھی۔اس کی نگاہیں آنے والے راستے پر ٹکی ہوئی تھیں۔وہاں کوئی آیا تھا۔یہ اس کا وہم ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔اس کی نگاہیں کسی کی تلاش میں سرگرداں تھیں مگر وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔اس نے جو خوشبو محسوس کی تھی وہ اس کا وہم قطعی نہیں تھا۔

''تم محبت کو تلاش کرنا چاہتی ہو حسین شاہ؟'' وہ حیرت زدہ سا اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''اگر تم محبت کی پہچان رکھتیں، اس کی پرکھ ہوتی تمہیں تو میری آنکھوں میں چلتی پھرتی محبت کو پہچان لیتیں۔تم یوں انجان نہ بنی رہتیں۔جب تم اس محبت سے انجان رہیں اس محبت نے تمہارے دل پر بار بار دستک دی مگر تم نے دروازہ کیوں نہیں کھولا۔اس محبت کی پذیرائی نہیں کی تب میں سمجھ گیا تھا کہ تم محبت کی پرکھ ہرگز نہیں کرسکتیں۔تم لاکھ ذہین سہی مگر تم محبت کو ذہن نشین نہیں کرسکیں۔اس کے اسلوب کو پڑھ نہیں سکیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی ذہانت کو کھلا چیلنج دے رہا تھا۔

''تم محبت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ تم تو خود محبت کے احساس سے عاری ہو۔تم محبت کی بات کرتے ہو۔صد حیرت ہے۔'' وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔وہ شاید کسی اور کا غصہ اس پر نکال رہی تھی۔

''مگر تم محبت کو تلاش کرنے کے لئے کن جہانوں کی سیر کرنا چاہتی ہو؟ تمہیں کیونکر قیاس ہوا کہ محبت تمہارے ساتھ آنکھ مچولی

کھیل رہی ہے اور وہ کہیں چھپ گئی ہے؟ وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے قدرے کامیابی ہوئی تھی۔ وہ اسے بولنے پر مجبور کر کے موضوع بدل چکا تھا۔

''یا پھر تم قصداً اندازے لگا کر قیاس آرائیاں کر رہی ہو یا پھر صرف جاننے کو متجسس ہو کہ محبت کن جہانوں میں رہتی ہے؟ کیسے دلوں کو آباد کرتی ہے؟'' وہ سوالات کا انبار لگا چکا تھا۔

''محبت دلوں کو آباد نہیں کرتی ہے۔ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ اپنی کم فہمی کا ثبوت دے رہے ہو۔ محبت اگر دلوں کو آباد کرنے کی دعویٰ دار ہے تو پھر بتاؤ دل بے چینی سے کیوں بھر جاتا ہے۔ ایک ویرانی سی کیوں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ ایک ان دیکھی چاپ کیوں سنائی دیتی ہے اور دل کو خوف سے بھر دیتی ہے۔ محبت ہے تو پھر یقین کیوں نہیں؟ اگر محبت ہے تو پھر وحشت کیوں بھر جاتی ہے دل میں۔ اگر محبت دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر وسوسوں کے لئے جگہ کہاں سے اور کیسے نکل آتی ہے؟'' وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس پر سوالیہ نگاہیں جمائے جواب کی منتظر تھی۔ اتنی خفگی نجانے کہاں سے آ کر اس کی نگاہوں میں سما گئی تھی۔

اور عفان ضیاء ہاشمی اپنی کامیابی پر مسرور سا تھا۔ وہ جو اسے اکسا کر اس کے دل کا غبار نکالنا چاہتا تھا تو وہ کامیاب ہوا تھا۔ وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی اور وہ اس کا دوست ہونے کے ناطے اس کی الجھن کو درست اور صحیح سمت دکھانا چاہتا تھا۔ الجھی ہوئی محبت کی کتھا کو سلجھا کر راستہ دکھانا چاہتا تھا۔

''جانتی ہو کیا حسین شایان شاہ؟ تم محبت کی کوئی الجھی ہوئی کتھا لگ رہی ہو۔ رازوں اور بھیدوں سے بھری ہوئی۔ اس کتھارسس کے اسرار و رموز نرالے ہیں مگر اس محبت کے الجھے ہوئے قصے کی آنکھوں میں شک کے بادلوں نے جگہ بنائی تھی اور اب علاقہ غیر میں آ کر وہ بادل شدت کے ساتھ برس رہے ہیں۔ شاید وہ اس شک کے بادلوں کی بھنک اس محبت کو پڑنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے وہاں برسنے سے گریز کیا تھا مگر یہ اسم یہاں بکھر رہا ہے اور فضا میں چار سو ایک فسوں پھیل رہا ہے۔ محبت باندھ رہی ہے۔ اس سے بچنا دشوار لگ رہا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ شاید اندازے لگانے میں ماہر تھا۔

اور حسین شاہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیسے جان گیا وہ جو اس نے خود سے راز بنا رکھا تھا۔ وہ اس کی کتھارسس کو کیسے پڑھ رہا تھا۔

''عفان ضیاء ہاشمی..... محبت کو خوبصورت لفظوں کے لبادے میں لپیٹ کر، دلکش رنگوں سے مزین پیرہن پہنا کر حنوط کر دیا گیا ہے۔ محبت کی سانسیں کب کی تھم چکی ہیں۔ تمہیں اگر کبھی اسے تلاش کرنا ہو تو ان بند ورقوں کو پلٹنا جو گہری نیند سو چکے ہیں۔ اس محبت کو ان خوبصورت لفظوں کے پیرہن میں قرطاس پر بکھیر کر سمجھتے تھے کہ حق ادا ہو گیا؟ کتابوں کے اوراق ایک قصہ بنا دیا۔ ماضی کا حصہ بنا دیا۔'' وہ الجھا لہجہ مدھم پڑنے لگا تھا۔

''وہ کہتا تھا میں محبت ہوں۔ وہ کہتا تھا میں بارش کی طرح ہوں اور محبت بارش کی طرح برستی ہے۔ وہ قیاس آرائیں کرتا تھا۔ اگر سچ ہوتا تو محبت ماضی کا قصہ کیسے بن جاتی؟ اگر وہ کتھارسس کے بھیدوں سے واقفیت رکھتا تو پھر اس کا جنوں کہاں کھو گیا؟ اگر محبت بارش کی طرح برستی ہے تو دل کی زمین بنجر کیوں ہو جاتی ہے۔ اگر محبت راستوں کی خبر رکھتی ہے تو بھٹک کر انجان راہوں پر کیسے نکل جاتی ہے؟ کہیں کھو کیوں جاتی ہے اور پھر اس کھوئی ہوئی محبت کو تلاش کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں الجھے ہوئے جال کا منظر پیش کر رہی تھیں اور عفان کے پاس اس کے سوالوں کے کوئی جواب نہیں تھے۔ وہ جانتا تھا وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی۔ محبت کو کھونے کا ڈر اس کی آنکھوں میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کو مطمئن کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر وہ اس کے سوالوں کے جواب دے کر اسے مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

''محبت اگر کبھی راستہ بھٹک بھی جائے تو..... اگر کہیں کھو بھی جائے تو تب بھی وہ اتنی اہلیت رکھتی ہے کہ محبت کے ریت پر بنے نقش پا تلاش کے لئے محبت تک دوبارہ سفر کرتی ہے۔ لمحے طویل سے طویل ترین ہو جائیں تو ان کو کوئی فکر نہیں ہوتی ہے۔ جب تک محبت اپنی منزل تک پہنچتی ہے تو محبت عشق کی منازل طے کر چکی ہوتی ہے۔ تم نا مانو مگر یہ حقیقت ہے۔ وہ مدلل انداز میں محبت کے دل میں دلائل دے کر اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اگر تم محبت کو سمجھتے تو تم رامین کے دل کو ضرور سمجھ جاتے۔ اگر تم محبت کو جاننے کے دعویدار ہو تو اس کی محبت کے احساس نے تمہارے دل کو کیوں نہیں چھوڑا؟'' وہ سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکائے پوچھ رہی تھی۔ اگر وہ اسے حیران کرنا چاہتی تھی تو وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''عین شاہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو تم۔ تم آج کل کتنی بحث کرنے لگی ہو۔ تم تو سراپا بدل گئی ہو۔ یہ ضرور اس شخص کی محبت کا کمال ہے جو تم میری کھنچائی کرنے لگی ہو۔ ابھی چلو اندر ورنہ تم سچ مچ بیمار پڑ جاؤ گی اور ایسے بھی اتنی دیر تک اس بارش میں کھڑے ہو کر میری تو ٹانگیں شل ہو جائی ہیں مگر تمہیں تو میرا کچھ احساس ہی نہیں کہنے کو تو تم بیسٹ فرینڈ ہو مگر کام بالکل دشمنوں والے کرتی ہو۔ ابھی بھی دیکھو میرا ہاتھ چھتری پکڑے شل ہو گیا ہے مگر تم ہو کہ اندر جانے کا نام ہی نہیں لے رہی ہو۔ وہ تمہارے صاحب بہادر تو میرا برا حال کر دیں گے۔ سارا قصور میرے سر پر ہی دھر دیں گے۔ ان کے عتاب کا نشانہ تو مجھے ہی بننا پڑے گا۔'' وہ مظلوم سی شکل بنائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ موضوع کو بدل چکا تھا۔ وہ اس کی مسکین شکل دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''صد شکر تم مسکرائیں تو۔ مجھے تو لگا تھا تم مسکرانا ہی بھول چکی ہو۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔ تم کتنے عرصے بعد یوں مسکرائی ہو؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کیوں؟ ایسے کیوں کہہ رہے ہو تم؟ مسکرانے کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ویسے مسکراتے ہوئے کافی خوبصورت لگ رہی ہو اور تم در پردہ کہیں یہ بھی تو نہیں کہنے کی کوشش کر رہیں کہ کوئی کارٹون ہوں؟ کوئی جوکر ہوں جو تمہیں ہنسا سکتا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو بھی میں خوش ہوں۔ اب یہ سزا ختم کردو۔ میں سچ میں گر جاؤں گا۔'' وہ گرنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا اور حین شاہ نے اس کے بال بکھیر دیئے تھے۔ پھر اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ وہ جانتی تھی اس کا بہترین دوست تھا۔ اس کا خیر خواہ تھا۔ اور عفان نے اس کی تقلید کی تھی۔ قدم اندر کی طرف بڑھائے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت پر لگا لیتا ہے اور اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ حیرانگی ہوتی ہے۔ شاید سارے زمانوں کی رفتار وقت اپنے ساتھ باندھ لیتا ہے۔ اسی وجہ سے ان موسموں کے اثرات ان موسموں کے چہروں پر صاف لکھے نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ آج کا دن نہایت مصروف گزرا تھا۔ ضیاء انکل اور آنٹی کے آجانے سے سارا ماحول بدل گیا تھا۔ ان کی شفقت بھرے انداز سے ماما پاپا کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ ان کی آمد سے ٹھہرے ہوئے سکوت میں کچھ ہلچل ہوئی تھی۔ ایک زندگی کا احساس جاگا تھا۔ ان کے سمجھانے کے انداز بالکل ماما پاپا جیسے ہی تھے اور حین شاہ سوچ رہی تھی رشتے کس قدر اہم ہوتے ہیں۔ تنہائی کو اور تمام درد کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اندر نئی توانائی بھر دیتے ہیں۔ اس نے سارا دکھ اور درد ضیاء انکل کے کندھے پر بہا دیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک اس کا سر تھپکتے رہے تھے۔ ان کا انداز پر شفقت تھا۔ وہ دھیمے اور شفیق لہجے میں ہولے ہولے سمجھا رہے تھے۔ پاپا کی کہی باتیں دہرا رہے تھے اور اس کے اندر توانائیاں بھرتی جا رہی تھیں۔

اور آنٹی کتنی محبت سے ڈپٹ رہی تھیں۔ اس کو ساتھ لے جانا چاہتی تھیں اپنے گھر مگر وہ اس گھر میں ان یادوں کے ساتھ چلنا پھرنا چاہتی تھی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ ان کی ضد کے باوجود ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ ان کے منع کرنے کے باوجود کتنی ساری Dishes اس کے لئے بنا دیں اور زبردستی اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا۔ اور حین شاہ شرمندہ ہو رہی تھی۔ ان کے حسن سلوک نے اس کے دل کو روشنی سے بھر دیا تھا۔ اس کو طاقت دی تھی کہ وہ ان تمام مصائب کے ساتھ لڑ سکے۔ ہمت کے ساتھ اس کا مقابلہ کر سکے۔ وہ لمحے بہت قیمتی تھی مگر کتنی جلدی گزر گئے تھے۔ وہ جاتے ہوئے اسے تاکید کر کے گئے۔ اس نے وعدہ کیا تھا وہ جلد ان کے گھر رہنے کو آجائے گی۔ اس بھروسے پر انہوں نے اسے کچھ دن مزید یہاں رہنے کی اجازت دی تھی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ روز شام کو ان کیساتھ ڈنر کرے گی اور وہ انکار نہیں کر سکی تھی۔ ان کی محبت کے آگے انکار ممکن ہی نہیں تھا۔ ان کی شرائط کو ماننے کے سوا کوئی چارہ ہی نا تھا۔

وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ باہر سے آتی آواز نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اس وقت شام کے اس پہر کون ہو سکتا تھا۔

''تمنا بی بی کون آیا ہے؟'' اس نے جاننا چاہا تھا مگر اسے وہاں ڈرائنگ روم میں بیٹھے دیکھ کر وہ وہیں دروازے پر ہی ٹھٹک گئی تھی۔

وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے شاہانہ انداز میں صوفے پر براجمان تھا اور تمنا بی بی اسے ناشتہ سرو کر رہی تھیں۔

''تم.....؟تم پھر چلے آئے؟منع کیا تھا یہاں مت آنا؟''اس نے تمنا بی بی کو باہر جانے کا اشارہ کیا تھا اور اس کی طرف غصے سے بڑھی تھی۔

''ھین شایان شاہ تم کمال باتیں کرتی ہو۔یہ گھر میرے چچا کا گھر ہے۔مجھے یہاں آنے سے کون روکے گا۔اور تم مہمان نوازی کے اصول قطعی نہیں جانتیں۔اگر تمنا بی بی کو ان اصولوں سے واقفیت تھی تو تم نے انہیں ہی یہاں سے چلتا کر دیا۔ویسے ایک بات کہوں گا۔یہ کافی تمنا بی بی نے کچھ ٹھیک بنائی ہے ورنہ پہلے دو کپ کافی تو بالکل تمہارے مزاج کی طرح کڑوے وکسیلے تھے۔لگتا تھا انہوں نے تمہارے مزاج کی کڑواہٹ اس کپ میں انڈیل دی تھی۔اس کافی کی تلخی اور تمہارے مزاج کی کڑواہٹ نے مل کر اس کو ایک عجیب سا کسیلا ذائقہ دیا تھا۔اس کی تلخی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔اس کو پینا تو جوئے شیر لانے کے مترادف تھا مگر تم تو جانتی ہو نا مجھے عادت ہے تمہاری تلخ باتوں کو سہنے کی۔سو اسی لیے آرام سے پی گیا۔اس تلخی کو اور کڑواہٹ کو سہہ گیا۔''وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کو مشکل میں ڈال کر شاید وہ لطف لے رہا تھا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟جو پوچھا جائے صرف اسی کا جواب دو۔میرے پاس تمہاری فضول باتیں سننے کے لئے قطعی وقت نہیں ہے۔مقصد کے بغیر تو تم کچھ بھی نہیں کرتے ہو۔اپنے مقصد کے بغیر ایک انچ بھی نہیں سرکتے ہو۔اف صاف بیان کرو مدعا کیا ہے تاکہ میں جان سکوں۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ کر خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ویسے بھی تم سے نپٹنا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔تمہارے ارادوں کو توڑنا مجھے آتا ہے۔سو مدعے پر آ کر صاف اور سیدھی بات کرو۔''ھین شاہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

وہ اس کی بے چینی کو دیکھ کر مسرور سے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''ھین شاہ تم بہادر بننے کی لاکھ کوشش کرو مگر مجھے تمہاری آنکھوں کی پتلیوں پر تیرتا ڈر صاف دکھائی دے رہا ہے۔تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو۔میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آیا ہوں۔تم تو میرا اپنا آپ ہو تو خود کو نقصان کیسے پہنچا سکتا ہوں میں۔ہیں بولو؟''وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔فاصلوں کو کم کر دیا تھا۔

اور ھین دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور فاصلوں کو پھر سے بڑھا دیا تھا۔

''تم اپنی حد میں کیوں نہیں رہتے ہو؟مجھے تنہا سمجھ کر مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو۔مجھے ہراساں کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا اگر سوچنے کی غلطی بھی کر رہے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔یہ تو طے ہے ناکامی تمہارا مقدر بنے گی جیسے کہ پہلے بنی تھی۔تم اظل سہام مرزا سے آگاہ نہیں ہو۔اس کی امانت پر کوئی نگاہ کرے اسے یہ قطعی پسند نہیں اور اس کا غصہ سب کچھ جلا کر بھسم کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ایک طوفان کی طرح آتا ہے وہ اور سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔اسی لئے تمہیں تنبیہ کر رہی ہو۔تمہاری پرواہ

نہیں ہے مجھے مگر صرف بڑے پاپا کا خیال ہے۔ان کو دکھی نہیں دیکھ سکتی اور اگر ان کو پتہ چلا کہ تم یوں منہ اٹھا کر یہاں چلے آئے ہو اور مجھے پریشان کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو تم اچھی طرح واقف ہو وہ کیا کریں گے۔تمہاری خیریت خطرے میں پڑ جائے گی۔اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ اپنے بے لگام ارادوں کو لگام دو۔ان کو ایک پوٹلی میں باندھو اور واپسی کی راہ لو۔شکست ہو چکی ہے تو اس کو مان لو۔تسلیم کر لو اس کو۔فاتح کوئی اور ہے۔ویسے بھی دلوں پر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو تم۔تم میں نا ہی اتنی اہلیت ہے نا ہی حوصلہ نا ہی تمہاری فطرت۔تمہاری عادت ہے دوسرں کی چیزوں پر نگاہ رکھنے کی مگر بہت ہو چکا اب یہ عادت ترک کر دو۔چاند کو چھونے کی تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا ہے۔یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔چاند اپنی روشنی وہیں بکھیرتا ہے جہاں چاند کے دل کے قدم ٹھہر جاتے ہیں۔وہ وہیں ساکت ہو جاتے ہیں اور وہ وہیں ڈیرہ لگا لیتا ہے۔چاند کے تمنائی تو لاکھوں ہیں مگر چاند جس کی تمنا کرتا ہے اسی کے آنگن میں اترتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کرا رہی تھی۔آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں نکل کر اسے جلا دینے کی سعی کر رہی تھیں۔

''تم سے کہا تھا کہ تم میرے دل کا آسمان ہو۔جب آسمان سارا اپنا ہوا تو چاند تو خود بخود اپنا ہو جاتا ہے کیونکہ اس آسمان کی ریاست پر چمکنے والی ہر چیز پر میرا اختیار ہے۔چاند پر بھی اور اس کے اردگرد چمکتے ہوئے ستاروں پر بھی۔تم نا مانو مگر یہ سچ ہے۔تم منکر ہو بھی جاؤ تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ کرخت لہجہ اس وقت نئے اسلوب بیان کر رہا تھا۔

اور اس کی بات حین شاہ کو مزید طیش دلا گئی تھی۔

جس ریاست کی تم بات کر رہے ہو وہ سارے کا سارا مکمل آسمان کسی اور کی سلطنت بن چکا ہے۔صدیوں پہلے یہ فیصلہ ہو چکا تھا۔یہ تمہاری لاعلمی کہ تم اس سے انجان تھے مگر اب جب تم جان چکے ہو تو پھر یہ کھیل کھیلنا بند کرو اور چلتے بنو۔اپنی راہ لو تم ورنہ یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔اگر حکمران کو پتا چل گیا کہ اس کی سلطنت پر نظر جمائے بیٹھے ہو تو ایک ہی جست میں میں خواب بن جاؤ گے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی۔''اس نے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا تھا۔

اور وہ بجائے ڈرنے کے مسکرا دیا تھا۔ایک قدم آگے بڑھ کر فاصلوں کو کم کیا تھا اور بغور اسکی طرف دیکھا تھا۔

''نقصان تو میرا ہوا ہے۔اس کا اندازہ ہو گیا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کوہ نور کو نکال دیا۔تم میرے نقصان کا تخمینہ نہیں لگا سکیں مگر تم نہیں جانتیں اس چاند کو ایک بار چھونے کی کوشش کی تھی اور میرے ہاتھ تو اب تک اس حدت سے جل رہے ہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔عجیب دیوانگی تھی لہجے میں۔

اور حین شاہ کی نگاہوں میں ایک خوف سرایت کر رہا تھا۔اس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر احتیاطی تدبیر کرنا چاہی تھی۔پھر خود اعتمادی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''تم ان فضول باتوں سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں بڑے پاپا کو آگاہ کر دوں اور وہ پہلی فرصت میں یہاں

آجائیں یا پھر وہ جس کی ریاست کو تم ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا اس سلطنت پر اور آسمان پر صرف میرا حق ہے اور اس حق کو حاصل کرنے کے لئے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ تم میری حدود کا تعین ہرگز نہیں کر سکتیں اور جس کی دھمکی مجھے دے کر ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو اگر وہی نا رہا تو پھر؟ کیا کرو گی تم؟'' وہ اس کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی اس نے پینترا بدلا تھا اور اس کی بات سن کر حسین شاہ کا دل جیسے ایک لمحے کے لئے تھم گیا تھا، ساکت ہو گیا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ ایک سنسنی اس کے جسم میں دوڑ گئی تھی۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم۔ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی اظل کے بارے میں کچھ ایسا بولنے کی؟ اپنی حد میں رہو تم۔ آئندہ تم نے اس کے خلاف ایسا سوچنے کی بھی کوشش کی تو تمہاری سوچوں پر پابندی لگا دوں گی۔ تمہیں ایسی سزا دوں گی کہ تم سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہو گے۔ اب فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی اور اب میں کوئی رعایت نہیں برتوں گی۔ میں ابھی بڑے پاپا کو انفارم کر رہی ہوں۔ اب جو بھی ہوگا اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ میں نے بہت برداشت کیا تمہیں مگر اب میری برداشت کی حد ختم ہو گئی ہے۔'' وہ غصے سے کپکپا رہی تھی۔ ضبط کی حد ختم ہو گئی تھی۔ بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جو لفظ اس نے اظل کے لئے کہے تھے وہ دماغ پر ہتھوڑے کی برس رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں ساکت پڑتی جا رہی تھیں۔

''تم کچھ بھی کہو مگر یہ تو قانونی طور پر جائز ہے نا۔ ایک بیوہ کے ساتھ تو نکاح ہو سکتا ہے نا؟'' وہ سفاک انداز میں کہہ کر رکا نہیں تھا۔ چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا اور حسین شاہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی پھر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی اور اظل کو کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر مسلسل بیل جا رہی تھی۔ کال پک نہیں ہو رہی تھی۔ اور اس کا دل بند ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ ٹرائی کیا تھا مگر مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اس نے ای میل کیا تھا۔

"You had better send me your telephone number might I lost your number or might I'm dialing wrong... I haven't any email from you so presume net is not working over there so you probably won't get this anyway but I just let you know that I tried to ring you but problem is that I couldn't get through."

وہ اسے ای میل بھیج کر دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگی تھی مگر جواب ناپید تھا۔ اس نے دادا جان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ جتنی دعائیں یاد تھیں ساری پڑھتی جا رہی تھی مگر دل کی اضطرابی کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔ دادا جان نے دوسری بیل پر ہی کال پک کر لی تھی۔

''السلام علیکم دادا جان..... آپ کیسے ہیں؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ پریشانی اس کے لہجے سے عیاں ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا تم کیسی ہو؟ میں کب سے کال کر رہا ہوں تمہارا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔ دل بے چین ہو رہا تھا۔ مجھے تمہاری

بے حد فکر ہو رہی تھی۔ تو تبھی تمہیں کال کیا۔ تم نے کہا تھا مجھے ساتھ آنے دو مگر تم نے ضد پکڑ لی تھی۔ اب اس باپ کا دل اپنی بچی کے لئے بے چین ہے۔ فکر میں گھلا ہوا ہے تو بولو کیا کروں۔ تمہاری دادی الگ مجھ سے خفا ہیں کہ میں نے تمہیں اکیلے بھیج کر غلطی کی ہے۔'' وہ فکر مندی سے پوچھ رہے تھے۔ ان کا پر شفقت لہجے سنتے ہی اس کی آنکھوں سے نمکین سمندر بند توڑ کر نکل آئے تھے اور اس نے کوئی تردد بھی نہیں کیا تھا۔

''بیٹا کیا ہوا ہے جلد کہو۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ تم رو کیوں رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔ ایک باپ کا دل شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔ میلوں کی دوری پر بھی اپنے بچے کی تکلیف سے آگاہ ہو جاتا تھا۔ اپنے بچے کے درد سے رسائی پا جاتا تھا۔ اس کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جیسے ابھی دادا جان کو پتہ چل گیا تھا۔

''کچھ نہیں دادا جان میں ٹھیک ہوں۔ وہ اظل کا نمبر نہیں مل رہا تھا۔ میں پوچھنا چاہتی تھی وہ ٹھیک تو ہے نا؟ مجھے فکر ہو رہی تھی دادا جان اسی لیے آپ کو پریشان کر دیا تھا۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

''تم مجھ سے جھوٹ بول رہی ہے میرے بچے؟ مجھے صاف لگ رہا ہے کوئی بات ہے۔ اظل تو کسی کام کے سلسلے میں ملک سے باہر ہے۔ تم نے اس کو Email کر کے دیکھا ہے؟ اس کو Skype پر کال کرو وہ آن ہوتا ہے ہمیشہ اس کی بزنس کال وہیں پر آتی ہیں۔ اس کا نمبر میں تمہیں Text کر دیتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ۔ میں اس کو کال کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ تمہیں کال کرے گا۔ وہ اتنا غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہیں کال کیوں نہیں کیا اس نے۔ وہ آئے گا تو میں اس کے کان کھینچوں گا۔ ابھی کال کر کے ڈانٹوں گا اسے میری بچی کو پریشان کیا اس نے۔ اس کی خیر نہیں آج۔'' وہ شفقت سے کہہ رہے تھے۔

''نہیں دادا جان آپ پلیز اسے مت ڈانٹئے گا۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے کال کی تھی میں نے مسڈ کر دی تھی۔ بس فکر ہوئی تو پوچھ لیا۔ میں رکھتی ہوں دادا جان۔ آپ دادی جان کو میرا اسلام دیجئے گا۔ میں ان کو کسی وقت کال کر کے معذرت کر لوں گی۔ اللہ حافظ دادا جان اپنا خیال رکھئے گا۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ فکر مزید بڑھ گئی تھی۔ اس کو Skype پر بھی کتنی بار کال کی تھی مگر وہ جان بوجھ کر پک نہیں کر رہا تھا یا پھر وہ کہیں بزی تھا مگر ھین کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ ہزاروں طرح کے برے خیالات نے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ کچھ برا سوچنا نہیں جانتی تھی مگر خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے کہیں دور چلی جائے۔ اس کو پچھتاوے ستا رہے تھے کیوں اکیلی چلی آئی وہ کتنا منع کر رہا تھا۔ اس کی آواز مسلسل کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس سے سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا چاروں طرف سے راستے مسدود ہو گئے تھے۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

اس نے کچھ سوچا تھا اور پھر عفان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اس نے دوسری بیل پر کال پک کر لی تھی۔

''تم ابھی آ سکتے ہو مجھے بیچ پر جانا ہے۔ رانیہ کو ساتھ لے آؤ۔''

"I'm feeling my heart is tumbling down."

وہ مدھم لہجے میں بمشکل کہہ پائی تھی اور اس کا جواب سنے بغیر کال ڈسکنیٹ کر دی تھی۔ اسے اس پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اگلے ہی پل اس کے سامنے ہوگا۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے بغیر ایک لفظ کہے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اور پھر گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے مڑ کر رانیہ کو گلے سے لگایا تھا جو ساتھ چلتی ہوئی تیزی سے اس کے ساتھ قدم ملا رہی تھی۔ وہ رک گئی تھی۔

''ھین کیا ہو گیا سویٹی؟'' رانیہ نے اسے گلے سے لگایا تھا۔

اور ھین کے آنسو تواتر سے بہنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے میں یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ میرا دم گھٹ جائے گا رانیہ۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ استطاعت سے بڑھ کر دکھ کیوں ملتا ہے۔ میری برداشت ختم ہو رہی ہے۔

I cannot bear that pain anymore. Enough is enough. Why I should? I don't' want to lose anything now. I won't. I will not run off from any fear I will stand front it and face it."

وہ رندھے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ایک عزم تھا یا پھر وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پر اعتماد نظر آنے کے جتن کر رہی تھی اور رانیہ کا دل اس کی تکلیف پر کٹ گیا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی وہ کس صورتحال سے گزر رہی تھی۔

''ماما پاپا اتنی جلدی مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ وہ تو جانتے تھے نا میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم تو مجھے ماما گرل کہتی تھی نا۔ میں تو ماما کے پلو سے بندھی ہوئی تھی نا۔ ان کے بغیر میں تو کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے بے جا ضد کی تھی تب بھی۔ میں ان سے ضد کر کے پندرہ دن کے لئے چلی گئی تھی اور وہ منع بھی کر رہے تھے کہہ رہے تھے کہ پندرہ دن پندرہ صدیوں کے لگیں گے اور وہ درست تھے۔ ان کی کہی ہر بات درست تھی۔ پندرہ دن کی طوالت پندرہ صدیوں پر محیط تھی اور یہ طوالت مزید بڑھتی جا رہی ہے۔ میں اس ضد کے ہاتھوں نقصان اٹھا بیٹھی ہوں۔ میں ان آنکھوں کو محوِ انتظار چھوڑ کر گئی تھی اور پھر اس آنکھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ پاپا نے کہا تھا میں ان کی آنکھیں اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں اور یہی بات اس نے بھی کہی تھی۔ میں اس کو چھوڑ کر چلی آئی۔ اس کو بھی ضد کی نظر کر دیا۔ میں کھونا نہیں چاہتی۔ میں کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میرا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہے۔ میں کیسے رہوں گی۔ اس نے کہا ہے کہ.....'' مگر اس نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

وہ بے ربط باتیں کرتی ہوئی بے انتہا الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

اور رانیہ اور عفان حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے اور عفان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی۔ مگر اس کے خوف کی وجہ جاننے سے وہ قاصر تھا۔ وہ اچانک اتنے دکھ سے کیوں بھر گئی تھی۔ اتنا خوف اس کے اندر کہاں سے سرایت کر گیا تھا۔ وہ جان نہیں پا رہا تھا۔

http://kitaabghar.com

''ھین سویٹ ہارٹ چپ ہو جاؤ۔تم اس طرح کیسے کمزور پڑ سکتی ہو۔تم تو بہادر شیرنی ہو نا۔انکل یہی کہا کرتے تھے نا۔اب چلو ہم Camber Sand East Sussex جا رہے ہیں۔تمہیں وہ بیچ بہت پسند ہے نا۔وہاں پر Horse Riding کرنا کتنا پسند ہے یہ میں جانتی ہوں۔اس کا صحرائی لک تمہیں ہمیشہ سے بہت Attract کرتا ہے۔تمہاری توجہ ہمیشہ سے اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔Rye کے مغرب سے چار میل دور۔یہ تقریباً لندن سے ایک گھنٹہ اور 20 منٹ کی ڈرائیو ہے۔اب تم جلدی نکلو گی تو ہم وقت پر پہنچ پائیں گے اور پھر جلد واپس بھی آنا ہے نا۔ماما سے کہا ہے شام ڈھلنے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کا دھیان اس موضوع سے ہٹا گئی تھی۔

''ویسے ایک بات بتاؤ.....تمہیں صحرا جیسا ساحل ہی کیوں پسند ہے؟ ہم کسی اور بیچ پر بھی تو جا سکتے ہیں جیسے کہ Hove بیچ جو کہ Brighton میں واقع ہے۔مجھے وہ اچھا لگتا ہے مگر تمہاری خاطر میں تمہارے لئے ہر جگہ جا سکتی ہوں۔

"But I know the impressive dunes system that makes Camber Sands the South Coast's most Arabian-looking beach and destination is filled with wonders. It is perfect for watching kitesurfers on the water and horseback rides along its edge."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اور ھین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔بے توجہی سے اسے سن رہی تھی اور پھر نگاہیں کھڑکی کے باہر گزرتے مناظر پر لگا دی تھیں۔راستہ بھر رانیہ مسلسل بولتی رہی تھی اور اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔منزل مقصود پر پہنچ کر گاڑی رک گئی تھی اور ھین شاہ تیزی سے اتری تھی اور پھر بیچ کی طرف بڑھی تھی اور عفان نے رانیہ کو روک لیا تھا۔وہ کچھ دور رک کر اسے تنہا وقت گزارنے کا موقع دیا تھا۔

اور پھر عفان چلتا ہوا دور نکل گیا تھا اور پھر فون نکال کر کسی کو کال کیا تھا۔

''تم جانے کیسے سنبھالتے ہو۔یہ تمہاری ہمت ہے۔ہم یہیں ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں رازداری سے کہہ رہا تھا اور پھر فون بند کر کے رانیہ کو ساتھ لے کر ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا تھا۔

ھین شاہ نے ریت پر قدم رکھے تھے اور پھر چلتی ہوئی لہروں کی طرف بڑھی تھی۔ایک گہرا سانس لیا تھا جیسے تازہ ہوا کو اپنے اندر سمیٹ رہی تھی جیسے اندر بھر لیا تھا۔قدم مسلسل لہروں کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔سمندر کی شوریدہ لہریں اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔سمندر بھی اس کی طرح ہی بے چین تھا۔بے قرار سا تھا۔لہروں میں طغیانی تھی۔ وہ پورے راستے اسے مسلسل کال کر رہی تھی مگر کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔اس کا دل دہل رہا تھا۔دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔وہ اتنا غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتا تھا۔اس کو اندازہ بھی نہیں تھا وہ کس قدر بے چین تھی۔کس قدر تکلیف دہ مراحل سے گزر رہی تھی۔ہزاروں وسوسوں نے گھیرا تنگ کر کے جکڑ لیا تھا۔کتنے ہی اندیشے دبے

پاؤں دل کی دنیا تہہ و بالا کرنے آ گئے تھے۔اس کی دھڑکنوں کی طغیانی سمندر کی شوریدہ لہروں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔لہروں کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔بے خبر تھی اردگرد سے۔

وہ چلتے ہوئے لہروں میں الجھنے لگی تھی۔الجھی ہوئی سوچوں کے ساتھ بڑھی جا رہی تھی۔اس کو اندازہ نہیں ہوا تھا کتنا آگے نکل آئی تھی۔ایک لہر اسے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی وہ لڑکھڑائی تھی۔اس سے پہلے وہ ڈوبتی کسی نے اسے تھام لیا تھا۔اسے بانہوں میں بھر لیا تھا اور ھین شاہ کا دل ساکت ہو گیا تھا۔اس نے آنکھیں زور سے میچ لی تھیں اور جب آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ اس کے حصار میں تھی۔اس کی خوشبو اس کے نتھنوں میں سما رہی تھی۔وہ حیران سی سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔اس کی بانہوں کا حصار اس کے اردگرد تھا۔وہ اس کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی۔جس کو دیکھنے کے لئے بے چین تھی وہ اسے اپنے حصار میں لئے کھڑا تھا۔اسے لگا جیسے اس کا وہم تھا۔اسے لگا جیسے اس کا خیال تھا۔وہ سنبھل کر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔وہ خواب نہیں تھا۔اس کی آنکھوں میں اس کے لئے کتنی فکر تھی۔وہ اسے اپنے حصار سے نکالنے کو تیار نہیں تھا۔اسے پھر سے بھینچ لیا تھا۔گھیرا مزید تنگ کر دیا تھا۔وہ کسمسائی تھی۔اس حصار سے نکلنے کے لئے پر تولنے لگی تھی۔اس نے اسے پرے دھکیلا تھا۔اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے اور اپنے درمیان فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔وہ اسے ساتھ لئے پیچھے ہٹا تھا اور پھر اسے بانہوں میں بھر کر لہروں کی مخالف سمت چلنے لگا تھا۔اور پھر اسے اتار کر زمین پر کھڑا کیا تھا مگر بانہوں کا حصار پھر بھی بنائے رکھا تھا۔

ھین شاہ نے ریت پر قدم رکھے تھے اور پھر اس کے حصار سے نکلی تھی اور غصے سے گھورتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر مکے اس کے سینے پر برسانے شروع کر دیئے تھے۔وہ چپ چاپ سامنے ڈٹا کھڑا تھا۔

''آپ اتنے لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہو بھی کیسے سکتے ہیں۔کہاں تھے آپ؟ جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟ جانتے ہیں میں کس قدر پریشان تھی۔کتنے برے برے خیال آ رہے تھے۔اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟ لیکن آپ کو پرواہ کیوں ہو گی؟ آپ تو کہیں انجوائے کر رہے تھے نا۔آپ کو اندازہ کہا ہو گا کہ کیسے میری جان پر بن آئی تھی۔آپ خیریت سے ہیں اتنا نہیں بتا سکتے تھے آپ؟'' وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔

"How dare you Azal Saham Mirza? How could you do that? Oh now I know. How could I couldn't found you were trying to ignore me? I was so stupid an awful."

وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔پھر دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔نمکین سمندر میں طغیانی بڑھتی جا رہی تھی اور سرمئی سمندر حفاظتی بند توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔

وہ جنون خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کی پریشانی کو بھانپ گیا تھا۔اور اس کا خود کے لئے یوں رونا اور پریشان و بے چین ہونا اس کے لئے تقویت کا باعث تھا۔اگر وہ کھل کر سامنے تو آئی۔کچھ تو ظاہر ہوا۔وہ اس کے لئے کس قدر اہم تھا۔اس کے دل

کے کتنے قریب تھا۔ وہ اس کے ہاتھ تھامے بغور اسے دیکھ رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے بہتے موتیوں کو بے وقعت ہونے نہیں دیا تھا۔ اس کو پوروں پر چن لیا تھا۔ حین نے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال کر اس کا ہاتھ جھٹک کر خفگی کا مظاہر کیا تھا۔ مگر وہ خاموشی سے قیمتی موتیوں کو چن رہا تھا۔

''حین شاہ کتنا بے چین کر دیتی ہو تم۔ کتنا تڑپاتی ہو تم۔ کس طرح لاتعلق بن جاتی ہو۔ بیگانگی کا مظاہرہ کرتی ہو اور پھر اچانک محبت کے گہرے سرمئی سمندروں میں ڈبو دیتی ہو۔ تم میں پاگل کر دینے کے سارے وصف ہیں۔ تم نے تو سدھ بدھ چھین کر مجنوں بنا دیا ہے مجھے۔ میں تو صحرا کی خاک چھاننے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔ مایوسی کے صحرا میں جل رہا تھا۔ سلگ رہا تھا۔ پاؤں آبلہ پا ہو گئے تھے۔ تمہاری بے اعتنائی مجھے مار رہی تھی اور تمہاری بیگانگی کی دھوپ جھلسائی جا رہی تھی۔ پھر اچانک تم نے یوں محبت کے ابر کو اس پیاسے صحرا پر برسا کر سیراب کر دیا۔ اپنی توجہ کی بارش اس تپتے سلگتے صحرا پر برسا کر اس کی تپش کو کم کر دیا اور اس بنجر پیاسی زمین کو خوابوں کی آبیاری کے لئے تیار کر دیا۔ محبت نے اچانک مہربان ہو کر معجزوں کے ہونے پر یقین اور بھی پختہ کر دیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں فسوں بکھیر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات لمحہ بھر میں بدلے تھے۔

''جب تم میری طرف دیکھتی ہو تو یقین کے کتنے دیئے تمہاری آنکھوں میں جلنے لگتے ہیں۔ لیکن اچانک ہی وسوسوں کی ہوا چلنے لگتی ہے۔ یہ دیئے بے یقینی کی زد پر آ کر ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ یہ جگنوؤں سے جلتے دیئے بجھنے لگتے ہیں اور ہر ایک بجھتے دیئے کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی مدھم پڑنے لگتی ہیں اور جب آخری دیا بجھتا ہے تو میرا دل یاس بھری نگاہوں سے اس دیئے کو دیکھتا ہے اور اس بجھتے دیئے کے ساتھ ہی دل ساکت ہو کر ان سمندروں میں مدغم ہونے لگتا ہے اور گہرے سرمئی سمندروں کی عمیق گہرائیوں میں کہیں کھو جاتا ہے۔ گمشدہ ہو جاتا ہے اور میں تلاشنے کے لئے سرگرداں ہو جاتا ہوں۔ بھٹکتا رہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ وہ مدھم لہجہ راز منکشف کر رہا تھا۔

اور حین شاہ نے شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر خفگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ کتنے ہی بیگانگی کے رنگ اس کی آنکھوں میں تیر گئے تھے۔ پھر اس کی طرف مڑی تھی اور جارحانہ انداز میں بولی تھی۔

"You don't care about me I know that if I was sad, cease fallen and subdued - you are a liar. You always speak tongue-in-cheek, you never take things seriously."

وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ایک لمحے کو رکی تھی پھر کہنے لگی تھی۔

"You say all rubbish things I'm feeling I was an awful who was thinking to trust you. You couldn't be trustworthy. I know you would never know what I felt in those moments. I was downhearted even though I felt I lost you."

وہ مدھم مگر سرد لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو مزید روانی سے گرنے لگے تھے۔ مگر اس نے بے دردی سے ہاتھ کی پشت

سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں بدگمانی کے سمندر تیرنے لگے تھے اور اظل سہام مرزا اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے تاثرات پر حیران تھا۔ خود کو بے بس پا رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس کی بدگمانی کو دور کیسے کرے۔ اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا اور پھر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سرد سا احساس ٹھہر گیا تھا۔

''عین شاہ میرے خواب گھروندے تمہاری آنکھوں کی سرد یخ بستگی سے جامد ہو کر منجمد ہو گئے ہیں۔ ایک خواب پر دوسرے خواب کی تہہ بنتی جا رہی ہے مگر اچانک ہی تمہاری آنکھوں کے رنگ بدلتے ہیں اور بدگمانی کا سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگتا ہے اور اس بدگمانی کے سورج کی روشنی کی حدت سے میرے خوابوں کا گھروندہ قطرہ قطرہ پگھلنے لگتا ہے۔ سیال بن کر بہنے لگتا ہے اور اس کے بہاؤ کا رخ ان سرمئی سمندروں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ میلوں کا سفر طے کر کے یہ سیال ان سرمئی سمندر میں جا گرتا ہے۔ جیسے دریا سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔ میرے خوابوں کی مٹھاس ان نمکین سمندروں میں تحلیل ہو کر حل ہونے لگتی ہے۔ اور یہ نمکین سمندر ان خوابوں کی مٹھاس سے بھرنے لگتے ہیں۔ یہ منظر کچھ عجیب سا ہے مگر میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ وہ مدھم لہجہ کیسے عجیب انکشافات کر رہا تھا اور عین شاہ نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور بدگمانی کچھ اور بھی بڑھنے لگی تھی۔

''آپ کو اچھی طرح جان گئی ہوں۔ سمجھ گئی ہوں یہ سب فضول کے ڈھکوسلے ہیں۔ آپ باتوں کے جال میں مزید نہیں الجھا سکتے۔ اچھا ہوا میں نے آپ کا اصل چہرہ دیکھ لیا۔ آپ کے چہرے سے قلعی اتر گئی ہے۔ میں ٹھیک سوچتی تھی۔ آپ کے ورغلانے پر اس بارے میں سوچا تھا مگر اب جانا ہے کہ کتنی غلط تھی میں اور کتنی غلطی کرنے والی تھی۔ اچھا ہوا وقت پر جان گئی ہوں اور پہچان بھی گئی ہوں۔ اب کوئی بھی حتمی فیصلہ لینے میں کوئی ملال نہیں ہوگا۔ آپ کی باتوں نے مجھے راستہ دکھا دیا ہے۔ اب تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی ہے۔ آپ کے لفظوں کے جال میں نہیں پھنس سکتی۔ اعتبار کرنا عبث ہے اب۔'' وہ سرد لہجے میں جتا رہی تھی۔

''آپ خود غرض ہو گئے تھے۔ اپنی خوابوں کی بات کرتے ہیں۔ کسی اور کے خدشات کی آپ کو پرواہ تک نہیں۔ غیر ذمہ داری کی حد کر دی تھی آپ نے اور اس کا دور دور تک کوئی ملال بھی نظر نہیں آتا۔ صاف لگ رہا ہے آپ کو خدشات کی فکر نہیں ہے نہ پرواہ ہے۔ آپ نے تو جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ کس مشکل میں گھر سکتی تھی۔ میں قطعی رابطہ بحال نہ کرتی اگر اس نے آپ کو نقصان پہنچانے کی بات نہ کی ہوتی تو۔'' وہ بے دھیانی میں اصل بات زبان پر لے آئی تھی اور اظل نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

''کس کی بات کر رہی ہو تم؟ کیا ہوا ہے؟ کون آیا تھا وہاں؟ جلدی بولو عین شاہ۔ تم ٹھیک تو ہو نا؟ آئی ایم سوری میں فون گاڑی میں بھول گیا تھا۔ ایک اہم میٹنگ تھی۔ بے دھیانی میں یاد ہی نہیں رہا۔ جب آیا تو فون چیک کیا۔ پھر تمہیں کال کرنے کی کوشش کی مگر تمہارا فون مسلسل بزی جا رہا تھا۔ تمہیں کتنے ہی میسجز کیے تھے میں نے مگر کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ تم نے دادا جان سے میری شکایت کر دی۔ وہ کتنا خفا ہو رہے تھے۔ مجھے ڈانٹ رہے تھے۔ میری لاپرواہی پر کھری کھری سنا رہے تھے۔ تم تو خود بااختیار ہو۔ تمہیں تو سارے حقوق

حاصل ہیں لمحوں میں میری دنیا زیروزبر کردینے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ایک ہی جست میں مجھے چاروں شانے چت کردیتی ہو۔ بے چینی کو میرا مقدر کرر کے خود لاتعلق ہوجاتی ہے۔تم ایسا کیسے کرلیتی ہو؟لمحوں میں میری دنیا میں طوفان برپا کر کے خود پرسکون ہوجاتی ہو تم؟ میرے دل کی دنیا تہہ وبالا کر کے طمانیت کا سانس کیسے لیتی ہو تم؟ میری اضطرابیوں کو بڑھا کر تمہارے اندر اطمینان کی لہر سرایت کر جاتی ہے اور تمہاری آنکھوں میں سمندر پرسکون ہونے لگتے ہیں۔تم ایسا کیسے کرسکتی ہو حسین شاہ؟ میں تو صرف سوچتا ہی ہوں تو میرا دل بے چینیوں میں گھرنے لگتا ہے۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔سراپا سوال بنا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جوابدہی چاہتا تھا۔اس پر وہی مثل صادق آرہی تھی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔وہ اس کی تمام بدگمانیوں کا رخ اپنے سوالوں سے موڑنے کی کوشش کررہا تھا اور حسین شاہ نے اس کے اس فعل کرنا پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''مجھے آپ کے سوالوں کے جوابات دینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔آپ جو اپنی غلطی کی پردہ پوشی کرنا چاہ رہے ہیں۔اپنی غلطی کو میری بدگمانیوں کے لبادے میں چھپانے کے جتن کررہے ہیں تو یہ سراسر کھلا تضاد ہے جو آپ کی منافق سوچوں کا عکاس ہے۔آپ کی متضاد سوچوں کی ترجمانی کرتا ہے۔یہ فعل سراہے جانے کے قابل تو ہرگز نہیں ہے۔میں آپ کے اس فعل کی مذمت کروں گی۔آپ اپنی لاپرواہی کو ان لفظوں کے ہیر پھیر سے چھپا نہیں سکتے۔ویسے آپ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں تامل کیوں برت رہے ہیں؟ اپنی غلطی کو چھپا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ بہت بڑے بزنس مین ہیں آپ۔دو اور دو چار کرنا تو خوب آیا ہے آپ کو۔آپ کو ضرب کا عمل کافی پسند ہے نا۔ تو پھر اپنی غلطیوں کو تقسیم کر کے کیوں مطمئن ہورہے ہیں آپ؟ دوسروں کی پریشانی سے تو آپ کو کوئی سروکار نہیں۔یہ توطے ہے۔اس کا عملی مظاہرہ تو میں دیکھ چکی ہوں۔جایئے آپ جا کر اپنے فرائض ادا کیجئے۔جو آپ کے لئے زیادہ ضروری ہے وہ کیجئے۔آپ پر بھروسہ کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔اس کا اندازہ ہوگیا ہے مجھے۔مگر اب اور نہیں۔مزید نہیں۔اب کسی غلطی کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔ اب میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔جو مرضی آئے کیجئے میری بلا سے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا تھا اور بے تعلقی سے چہرے کا رخ پھیر کر نگاہیں سمندر کی شوریدہ لہروں پر جمادی تھیں۔اس کو مکمل طور پر نظرانداز کردیا تھا جیسے وہ یہاں پر موجود ہی نہ ہو۔مکمل طور پر گریزاں تھی۔ بیگانگی کا مظاہرہ خوب تھا اور اس کے اس طرح کے رویئے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ اظل سہام مرزا کے لبوں پر آکر معدوم ہوگئی تھی۔وہ چلتا ہوا دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

''میرا جنون مجھے شدت سے اکسارہا ہے کہ تمہیں اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپالوں۔کسی اور کا سایہ بھی نہ پڑنے دوں۔ دل میں اس طرح مقید کرلوں کہ کسی اور کی نگاہ بھی تم پر نہ پڑے۔تمہیں کھودینے کا خوف دل کی اضطرابیوں کو بڑھا رہا ہے۔یہ خوف اکسارہا ہے یا کچھ پالینے کی حیرت دل میں جگہ بناتی جارہی ہے۔جو کچھ کھودینے کے خوف کو پرے دھکیل رہی ہے۔لیکن اچانک ہی تمہاری آنکھوں میں اندیشوں کے بادل چھا جاتے ہیں۔شک اور بدگمانی ان وسوسوں کو بڑھانے لگتی ہے لیکن جنون بے خوف وخطر عشق کی منازل طے

کرنے میں جت جاتا ہے لیکن تمہاری آنکھوں میں تیرتے گنجل شک کی رسیاں جنون کے پھڑ پھڑاتے پروں کو باندھ دیتی ہیں۔اس کے پیروں میں بدگمانی کی بیڑیاں ڈال کر اس کی راہیں مسدود کر دیتی ہے۔جنوں کی آنکھوں پر شک کا پہرہ لگ جاتا ہے۔جنوں کو محصور کر کے شک نے طمانیت بھری سانس لی ہے مگر جنوں ہاتھ پیر مار رہا ہے۔وہ شکست ماننے کو مائل نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔آنکھوں میں بے چینیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

اور ھین شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ کی بے سروپا باتوں پر اعتبار کرنا عبث ہے۔یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے یہ جانتی ہوں میں۔آپ کس یادور راستے کے مسافر ہیں۔بس راہوں کو زبردستی موڑنے کے درپے ہیں۔لیکن آپ کی باتوں میں دم نہیں ہے۔صرف لفاظی ہے۔لفظوں کو جوڑ کر پہاڑ کھڑا کرنے کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں آپ۔مگر آپ کے قول وفعل میں تضاد ہے۔آپ اپنے اصولوں پر کارفرما ہیں۔آپ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔آپ کی سوچ اور عمل میں کھلا تضاد صاف چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔یہ اس بات کا غماز ہے کہ آپ کی سوچ جھوٹ کی چغلی کھا رہی ہے۔'' وہ کھردرے لہجے میں جتا گئی تھی۔اسے جھٹلا رہی تھی۔ویسے بھی آپ صرف اپنے نفع کے بارے میں سوچتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔

''ھین شاہ تم میرے نقصان کا تخمینہ لگا ہی نہیں سکتیں۔میرا عشق نفع نقصان سے مبرا ہے۔میرے جنوں کو نفع ونقصان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔جنوں نے لڑکھڑاتے اور لرزتے قدموں سے عشق کی منزلیں طے کرنی شروع کر دی ہیں۔نفع ونقصان سے بے پرواہ ہو کر عشق کی کٹھن راہوں پر چل نکلا ہے۔راستے کی صعوبتوں کو سہتا جا رہا ہے۔تغافل کی بھٹی میں چلتا تپتا ہوا کندن بھی بن چکا ہے۔لیکن شک کا خوف اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیتا ہے۔شدت سے حملہ آور ہو کر اسے ناکام بنانے کی بھرپور کوشش میں جت جاتا ہے۔مگر عشق ہر خطرے سے بے پرواہ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔بس منزل پر پہنچنے ہی والا ہے۔دو قدم دوری پر کھڑا ہے۔شک کو ادراک ہو گیا ہے ہر تدارک کی گنجائش نہیں ہے۔کس لیے تلملا رہا ہے۔پیچ وتاب کھا رہا ہے مگر عشق اپنا تسلط جما چکا ہے۔اب بچنے کی راہ نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ عشق کا حکایتیں بیان کر رہا تھا لیکن اس نے جھٹلایا تھا۔

''آپ کے منہ سے عشق کا ذکر کچھ خاص اچھا نہیں لگ رہا ہے۔آپ تو افراط زر کی بات کریں تو یہی آپ کے لئے فائدہ مند ہوگا۔آپ تو صرف نفع کمانا چاہتے ہیں۔آپ تو ہر قسم کے نقصان سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ تو انقلابی سوچ رکھتے ہیں نا۔آپ تو اپنے فائدے کے اصول بناتے ہیں اور اس کی ترویج کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔متروک اور غیر مستقل طریقے رائج کرنے سے گریز نہیں کرتے ہیں آپ۔اس کا ثبوت تو مل چکا ہے مجھے اور میں اچھی طرح پہچان گئی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں جھٹلا رہی تھی۔

''ویسے آپ تو بہتر جانتے ہوں گے نا۔یہ طلب اور رسد کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے۔طلب اور رسد کے فرق کے باعث قدر میں

کمی واقع ہو جاتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہی تھی۔طنز کر رہی تھی۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہم دونوں میں بہت فرق ہے۔دونوں کی سوچوں میں تضاد ہے۔میرا حقیقتوں سے تصادم ہوا ہے۔میں حیران ہوں میں صحیح سلامت یہاں کھڑی ہوں۔حالانکہ حقیقتوں کی تلخیوں نے خوابوں کو دبوچ لیا تھا اور خوابوں کا دم گھٹ گیا تھا۔'' وہ عجیب بے ربط باتیں کر رہی تھی۔اس کی ساری سوچیں ایک نقطے پر آ کر ٹھہر گئی تھیں اور اظل کو اندازہ ہو گیا تھا غلطی کر چکا تھا۔اس کا خمیازہ تو بھگتنا تھا۔

''ھین شاہ تم ٹھیک ہو نا؟ دیکھو مجھے کچھ نہیں ہوا۔میری طرف دیکھو۔آئی ایم سوری۔معاف کر دو مجھے۔جان بوجھ کر ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔تم تو میری جینے کی وجہ ہو۔میری سانسیں صرف تمہاری وجہ سے چل رہی ہیں۔تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔تم کیوں اتنا خوفزدہ ہو گئی ہو۔میری طرف دیکھو۔اس طرح خفا مت ہو۔میں تمہاری خفگی سہہ نہیں سکتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں خفا نہیں ہوں۔میں کہیں کھو گئی ہوں۔اور محبت بھی گم ہو گئی ہے۔گمشدہ ہو گئی ہے۔ان الجھے ہوئے گنجل جاں گسل راستوں پر چلتے ہوئے ان کے پیچ و خم میں کہیں کھو گئی ہے۔میں تو اپنی تلاش میں نکلی تھی۔محبت کھو کر جنگل کی تاریکی میں بھٹک رہی ہوں۔لا پتہ ہو کر بھٹک رہی ہوں۔ان دیکھی راہوں پر قدم رکھ دیئے ہیں۔نہیں جانتی کہ راستہ کس طرح لے جائے گا۔اگر اندیشے تھے تو درست تھے۔اندیشے ان راہوں پر مسلط ہو کر اپنا تسلط جما چکے تھے۔میں بے خبر تھی جان ہی نہیں پائی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تمہاری محبت تو تمہارے سامنے کھڑی ہے۔وہ کھو کیسے سکتی ہے۔تم ایسا کیسے سوچ سکتی ہو ھین شاہ؟ وہ کہہ رہا تھا مگر دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔صرف سمندر کا شور سنائی دے رہا تھا۔

اس نے اس کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''میں محبت کی تلاش میں گہرے تاریک جنگل میں بھٹک سکتا ہوں لیکن تم سے لاتعلق نہیں ہو سکتا۔تمہاری بے اعتنائی سہہ سکتا ہوں۔تغافل کو برداشت کر سکتا ہوں لیکن تمہیں سوچنا ترک نہیں کر سکتا۔میں تمہاری دلیلوں سے غافل نہیں ہو سکتا۔میرا فلسفہ محبت میرے اپنے اصولوں پر کاربند ہے۔محبت میرے لئے متروک کبھی نہیں ہو سکتی۔ہماری سوچوں میں لاکھ تضاد ہو مگر ہمارا دل ایک ہی لے پر دھڑک رہا ہے مگر ساری سوچیں ایک ہی نقطے پر آ کر رک گئی ہیں۔ایک ہی نقطے پر آ کر تھم گئی ہیں۔میں تمہاری دلیلوں کو مان بھی لوں مگر غافل نہیں ہو سکتا۔اگر مان بھی لوں تو مجھے شکست قبول کرنا منظور نہیں۔اپنے جنوں کے خلاف نہیں جا سکتا۔میرا جنوں مشعل بن کر مجھے روشنی دکھا رہا ہے۔میری راہوں کو منزل کا پتا دے رہا ہے۔تم نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں نئے انکشافات کر رہا تھا۔آنکھوں میں ایک چمک تھی اور عزم تھا۔مدھم لہجہ پر یقین تھا۔

''محبت اپنی راہیں خود بناتی ہے۔اپنے آئین بھی خود ہی بناتی ہے۔اپنے اندر تمام اسباب اور خصوصیات رکھتی ہے۔خود ہی ترمیم

کرتی ہے۔ کسی اور کو اجازت نہیں دیتی کہ اس کی راہوں کا تعین کوئی اور کرے۔ تم تو جانتی ہو ناھین شاہ۔ محبت کی حکمت میں جو راز پوشیدہ ہیں اسے سمجھنا فہم رکھنے والوں کے لئے مشکل نہیں ہونا چاہئے اور تم تو کافی خردمند ہو۔ تمہیں سمجھنے میں دشواری نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مدھم لہجے میں کتنے ہی راز پوشیدہ تھے۔

''اگر تم خوابوں میں پوشیدہ بھیدوں کو جان سکتے، اگر ان کے اسرار و رموز کو جان سکتے تو جان جاتے۔ تمہیں تو اندازہ ہی نہیں کہ اس تکلیف کو نہیں جان سکتے جب خوابوں کی تتلیاں اڑ جاتی ہیں اور ان کے رنگ ہتھیلیوں پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ خوابوں کے گھروندے اندیشوں ے سمندر میں بہہ جاتے ہیں۔ وسوسوں کی لہریں انہیں اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہیں اور ریت پر ان کے نشان رہ جاتے ہیں۔ ریت ان کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے اور خوابوں کے نشان ہراساں سے زمین کے سینے پر سر رکھ دیتے ہیں اور آنکھیں موند لیتے ہیں۔ لہریں آ کر ان خوابوں کو تھپکیاں دیتی رہتی ہیں اور وہ خواب گہری نیند سو جاتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں داستانیں سنا رہی تھی۔ اور وہ حیران سا دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ رازوں سے آگاہی پا رہا تھا۔ جان گیا تھا کہ خوابوں کے ٹوٹ جانے پر وہ اتنی تکلیف میں تھی۔ بدگمانی نے اس کی سوچوں کو غلط سمت میں موڑ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خفگی جوں کی توں موجود تھی بلکہ کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

اظل سہام مرزا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اس کو اتنا بے بس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے سارے اختیار سونپ دینا چاہتا تھا۔ ایک یقین اس کی آنکھوں میں بھر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ھین شاہ کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''آنکھوں میں جو سنہری تاروں نے ایک عنکبوت بنا دیا ہے۔ آنکھوں کی پرسکوت سطح پر سنہرے بادلوں کا عکس واضح تیرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ جو یقین کے پانی میں ہلچل مچا رہا ہے۔ اس کو ہراساں کر کے اس کی طبیعت کو بے چین کر رہا ہے۔ یقین کے اندر ایک تلاطم سا برپا کر دیا ہے اور بے یقینی کی ہواؤں نے ان وسوسوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا ہے۔ بے یقینی کی ہوائیں مخالفت پر اتر آئی ہیں۔ جب وسوسوں کی سنہری کرنیں اس یقین کی سطح سے ٹکراتی ہیں تو منعکس ہو کر میری آنکھوں تک آتی ہیں تو ان میں خدشات کے رنگ صاف اور واضح ہونے لگتے ہیں اور یقین کا رنگ ان خدشات میں ہی کہیں گم ہو جاتا ہے۔ اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے اور خدشات کا رنگ اس پر حاوی ہونے لگتا ہے۔ میں یہ منظر دیکھ کر ہراساں سا کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہوں۔ یقین کے رنگ بچانے کی کوشش میں جت جاتا ہوں۔ جتن کر کے ہار جاتا ہوں مگر کوئی سدِ بات نظر نہیں آتا۔ میں بے بسی سے بے یقینی کی ہواؤں کے تھپیڑوں کی زد میں آ جاتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ بے چین تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی بڑھ گئی تھی۔ تمہیں کیسے بتاؤں میرا جنوں کن رنگوں میں ڈھلتا جا رہا ہے۔ یہ بے یقینی اس کو ضد پر اکسا رہی ہے۔ جنوں کو آتش میں جھونک کر کندن بنا رہی ہے۔ لیکن تمہاری سوچوں کو الجھی ہوئے دھاگے جنوں کے اردگرد ایک حصار بنا کر اس پر ایک جمود طاری کر رہے ہیں۔ خدشات نے جنوں کے سورج کو اپنے پیچھے چھپانا شروع کر دیا ہے۔ اندیشوں نے اچانک عشق اور جنوں کے درمیان آ کر روشنی کی ترسیل روک دی ہے۔ بے یقینی نے گھیرا تنگ کر کے محاذ بنا لیا ہے۔ جنوں کو محکوم بنانے کے درپے ہے۔ تمہاری آنکھوں سے نکلتی

شعاعیں اس بے یقینی کی دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ رہی ہے اور یہ روشنی جنوں تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ جنوں گھپ اندھیروں میں ڈوبنے لگا ہے۔ جنوں کو تاریکی میں راستہ نہیں مل رہا ہے۔ بچاؤ کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے جنوں گرہن کی زد میں آ گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ بے بس تھا۔ اپنی شکست کو تسلیم کر رہا تھا۔ اسے اپنی ہار صاف نظر آ رہی تھی۔

"I want to let you know when I first saw you, you were like an innocent deer in the desert. My thoughts once silent will begin shout. After that every day I kept growing in your presence and understanding you, you became my obsession. With every day passed it seemed I grew old in love and young in hatred. I couldn't let you know you became my source of life, life the freshness of the ocean."

وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔ اور ھین شاہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس نے یقین دلانے کے لئے سر اثبات میں ہلا کر اسے یقین دہانی کرائی تھی۔

''مجھے کسی بھی بات پر یقین نہیں ہے اب۔ آپ نے یقین کی پہلی سیڑھی پر ہی میرے قدموں کو روک دیا تھا۔ اپنے عمل سے اس کو یقین کی منازل طے نہیں کرنے دیں۔ آپ اب یوں شکوہ کناں ہیں۔ مجھے یقین دہانی کرانے کے درپے ہیں۔ تب آپ کہاں تھے جب مجھے آپ کی ضرورت تھی۔ میں تو پریشان رہی تھی۔ آپ کی فکر ہو رہی تھی مجھے۔ اس نے ایک خوف میرے اندر بھر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا اگر.....!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور اظل سہام مرزا کا دل سماعت بن گیا تھا۔ ساری حسیات سننے کے لئے سرگرداں ہو گئی تھیں۔

''کون؟ کیا وہ یہاں آیا تھا؟ کیا کہا اس نے تمہیں بولو ھین شاہ؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی تم سے بات کرنے کی۔ تم تک آنے کی۔ میں ابھی بڑے پاپا سے بات کرتا ہوں۔ ایک آخری اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک موقع اسے دے رہا ہوں وہ بھی صرف بڑے پاپا کی وجہ سے ورنہ میرے دل کو کوئی پریشانی کرنے کی سوچے گا بھی تو اس کو کڑے نتائج کو جھیلنا ہوگا۔ اس لئے میں نے منع کیا تھا۔ اتنا سمجھایا تھا تمہیں تنا نہیں آنے دینا چاہتا تھا مگر تم کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھیں۔ ضد پر اڑ گئی تھیں۔ اس کی ہمت بڑھ گئی تمہیں تنہا دیکھ کر تمہیں کمزور سمجھ بیٹھا تھا۔ مگر اسے اندازہ نہیں ہے اس نے میرے دل کو ہراساں کیا ہے۔ میرے دل کے آسمان پر خوف کے بادلوں کو لا کھڑا کیا ہے۔ میرے دل کے آسمان پر خدشات کے بادلوں کو پھیلا دیا ہے اور سوچتا ہے کہ میں خاموشی سے سب سہہ جاؤں گا۔ برداشت کر جاؤں گا۔ مجھے کچھ کہتا تو شاید میں اسے معاف کر دیتا۔ برداشت کر لیتا لیکن اس نے تمہیں زک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں دھمکانے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں ذہنی اذیت اور کوفت میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کے لئے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔ اس کے لئے کوئی معافی نہیں۔ وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔ چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھ گئی تھی اور آنکھوں میں نرمی کی جگہ غصے نے اپنی جگہ بنا لی تھی۔

''نہیں آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔آپ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔مجھے اس نے نہیں آپ نے تکلیف پہنچائی ہے۔ میری تکلیف کا باعث آپ کی لاپرواہی تھی نا کہ وہ۔اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے میری نظر میں نا ہی کوئی وقعت۔مگر وہ بڑے پاپا کے لئے اہم ہے۔ان کے لئے خاص ہے۔ان کا مستقبل ہے۔ان کے بڑھاپے کا سہارا ہے۔میں اتنی خودغرض اور ظالم نہیں ہوسکتی کہ کسی کو تکلیف پہنچاؤں۔میں اس درد سے گزری ہوں۔کھودینے کا احساس ہے مجھے۔میں کسی اور کو اس احساس سے روشناس نہیں کرا سکتی۔آپ اس واقعے کو بھول جایئے۔بڑے پاپا سے مناسب موقع دیکھ کر بات کریں گی۔اگر میں نے ان کو اچانک بتادیا تو وہ چلے آئیں گے۔ایک لمحہ کی دیر نہیں کریں گے۔اور ان کو گہرا صدمہ پہنچے گا اور اگر ان کو کچھ ہوگیا تو پھر؟ میں نے پاپا کو کھودیا ہے اب بڑے پاپا کو نہیں کھوسکتی۔پلیز آپ اسے کچھ مت کہنا۔بڑے پاپا کی خاطر اس کی بے وقوفی کو بھول جائیں۔میں جارہی ہوں۔ہم پھر بات کریں گے۔میں تھک چکی ہوں۔ مجھے اب کوئی بات نہیں کرنی۔جو کہنا تھا کہہ دیا۔اب سب ختم ہو چکا ہے۔کہنے سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچی ہے۔آپ بھی اس بات کو سمجھ لیں تو اچھا ہے۔ویسے بھی میں نہیں چاہتی آپ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف اٹھانی پڑے۔آپ کو کسی مشکل میں پڑتا نہیں دیکھ سکتی۔یہ مجھے قطعی قبول نہیں۔سو آپ دور رہیے مجھ سے۔اور ایک طرح سے یہ اچھا ہے تو ہے نا۔آپ کو رواداریاں نہیں نبھانی پڑیں گی۔مزید اس تعلق کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔آپ کے راستے آسان ہوجائیں گے۔وہ اپنی اصل کی طرف بڑھتے ہوئے منزل سے جاملیں گے۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا گئی تھی اور اظل سہام مرزا نے سر نفی میں ہلایا تھا۔پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اس پر گرفت مضبوط کردی تھی اور دبے دبے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"I won't let you go - I can't even think like that ever. You are reason of my survival - the wounds you left on my heart need your healing. You and I will really be something as I can't breathe without you - might you don't believe me but it's true. Unite with me when we reach the end of the road. Gaze into my eyes as I will to yours. Hold my hand as I lead you to the path of life."

وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کررہا تھا۔مدھم لہجہ پرملال تھا۔ایک ملال اس کی بے چینی کو بڑھا رہا تھا۔اس کو ہچکولے لگا رہا تھا۔وہ اس کی پریشانی کا باعث بن گیا تھا اور وہ سدِ باب کرنے میں جت گیا تھا۔

اورھین شاہ کا متزلزل قدموں پر کھڑے رہنے مشکل ہوگیا تھا۔اس کی مجتمع ہمتیں جواب دے رہی تھیں۔

''کل رات میں نے جنوں کے کالے اور سفید اوراق پر تحریر ایک کہانی پڑھی تھی۔میں نے زندگی کے اسباق سے پیچیدہ اور دقیق اقتباسات سے معنی اخذ کرنے میں ساری رات بتادی مگر ان لفظوں کے معنی بدلتے جارہے تھے۔میں قیاس آرائیاں کر کے تھکنے لگی تھی۔ میں اپنی زندگی کے پوشیدہ حصوں کو جان لینے کی خواہاں تھی۔لابیانیاں قصے پڑھنے کے لئے بے چین تھی۔ان لفظوں کی انگلی تھام کر سیاہ تار

کول جیسے راستوں پر چلتی رہی اور قدیم دور میں پہنچ گئی کہ شاید قدیم زمانے میں اس درد کا علاج ممکن ہو جائے۔ اور میرے دل کے درد کو روک دے۔ میرے خیالات کی اسرار تک رسائی پانے سے قاصر تھے اور میں اس سیاہ اور سفید لکیروں میں مزید الجھتی جا رہی تھی۔ جیسے سچ کے افق پر جھوٹ کی سیاہی پھیلتی جا رہی تھی۔ سارے رنگ سیاہ رنگ میں شامل ہو کر اس میں جذب ہو رہے تھے۔ اور جھوٹ کی طاقت کو بڑھاتے جا رہے تھے اور سفید ان تمام رنگوں کو پرے دھکیل رہا تھا۔ تنہا کھڑا جھوٹ کے پھیلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ سارے سفید اوراق بھی میری سوچوں کی طرح سیاہ ہونے لگے تھے۔ گہرے سیاہ اور لفظوں کے راستے انہیں میں کہیں کھو گئے تھے۔ تمام قصے کہانیوں میں ان اندھیروں میں بھٹکنے لگے تھے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مدھم سرگوشیاں کر رہی تھی۔ وہ بمشکل اس کو سن رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گرد ایک حصار بنا دیا تھا۔ وہ اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔ وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی اور اس نے تھک کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا تھا اور آنکھوں سے نمکین سمندر رواں ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ نجانے وہ کیا کہہ رہا تھا۔ مگر اس کی آواز اسے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ساری آوازیں کہیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہ اندھیروں میں کھونے لگی تھی جیسے وہ داستانیں اور قصے اندھیروں میں کھو گئے تھے اور اظل نے اسے بانہوں میں بھرا تھا اور پھر تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ عفان اس کی مدد کے لئے اس کی طرف بڑھا تھا۔ رانیہ نے رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس صورتحال سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رانیہ جلدی چلو۔'' عفان نے کہا تھا اور پھر گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔

''دیکھ لیا نا آپ نے آپ کا سرپرائز اس کی جان کو آ گیا۔ آپ نے کیوں اسے اتنا پریشان کیا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ ایسا ہونا ہی تھا۔ جس ذہنی اذیت سے وہ گزر رہی تھی۔ یہ سب تو صاف ظاہر لگ رہا تھا۔ آپ کی ذمہ داری تھی نا۔ انکل آنٹی کو کتنا بھروسہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ آپ حین شاہ کو کبھی زک نہیں پہنچنے دیں گے مگر آپ نے اسے زک پہنچایا اور عفان ضیاء تم تو اس کے دوست تھے نا جس پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتی تھی۔ تم نے کیسے اس کو دھوکا دیا؟ اس کے ساتھ مل کر تم نے اس معصوم کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی حالانکہ تم اچھی طرح واقف تھے۔ تم تو تمام صورتحال سے آگاہ تھے۔ اس کی حالت تم سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ تو تمنا بی بی نے بتایا اس خبیث نے آ کر اس کو کس قدر خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ آپ کے لئے فکرمند تھی۔ آپ کو کال کر کے خیریت دریافت کرنا چاہتی تھی مگر آپ دونوں ہی اس کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش تھے اور عفان کو تم نے دشمنوں والا کام کیا ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ کبھی بات نہیں کرنی۔ آج میں نے تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لیا۔ میں نے پاپا کو فون کر دیا ہے وہ مجھے لینے کے لئے آ رہے ہیں۔ میں نہیں اصل بات بتا دی ہے۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور عفان شرمندہ سا کھڑا تھا اور اظل اس وقت کسی بھی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس وقت حین کی صحت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں تھی۔ اس نے ان کو مکمل طور پر نظر انداز کرے حین شاہ کے چہرے پر نگاہ کی تھی اور گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند ہو گیا تھا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔ اظل کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت ٹھہر جاتا ہے۔ رک جاتا ہے، تھم جاتا ہے اور لمحے طوالت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ وقت کس سانسیں ساکت ہونے لگتی ہیں۔ وقت کی نبض تھمنے لگتی ہے۔ سارے منظر رک کر حیرت سے دیکھنے لگتے ہیں۔ وقت کی مدھم مدھم سرگوشیاں سننے کی جستجو میں جت جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وقت رک گیا تھا۔ اس کی آواز کی بازگشت اظل کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کی باتیں اس کے دل پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں اور اظل کا دل ملال سے بھر گیا تھا۔ دل ساکت ہو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی مدھم مدھم سانسیں لے رہی تھی۔

اتنا طویل سفر اس نے زندگی میں بھی نہیں کیا تھا جتنا بیچ سے لے کر Bolingbrook اسپتال سے لے کر 45 Parklane لگژری ہوٹل تک۔ اس کے دل میں کتنے ہی خدشات نے سر اٹھایا تھا۔ کتنے ہی اندیشوں نے دل کی دھڑکنوں کو ساکت کر دیا تھا۔ کھو دینے کا احساس کیا ہوتا ہے اس احساس سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی۔ اس خوف سے آگاہی پا گیا تھا وہ۔ دل خوفزدہ سا ہو کر دبک گیا تھا۔ سہم کر ایک طرف سکڑ کر چھپ گیا تھا اور خوف نے پوری قوت سے اس پر اپنے پنجے گاڑ کر دبوچ لیا تھا۔ دل کی دھڑکنیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ وہ ساکت نگاہوں سے سارا عمل دیکھ رہا تھا۔ وہ بنا پلکیں جھپکے کھڑا تھا۔ ڈاکٹر کو اسے ٹریٹمنٹ دیتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ اگر وہ پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو نجانے کیا ہوتا۔ وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس لمحے۔ وہ صرف اس کی خیریت کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ ڈاکٹر پوچھ رہا تھا۔

"She is my wife!"

اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔

''میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو کہیں کھو گئی ہوں۔ اپنی تلاش کے عمل سے گزر رہی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ساری داستانیں اور کہانیاں ان گھپ اندھیروں میں کھونے لگی تھیں اور میں بھی ان اندھیروں میں کہیں راستہ بھٹک گئی تھی۔'' وہ مدھم سرگوشیوں میں کہہ رہی تھی۔

اظل کے کانوں میں اس کی آواز کی بازگشت گونج رہی تھی۔ عفان چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کتنے ہی قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔ وہ انجان تھا۔

اس نے چونک کر عفان کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ نگاہیں اس دشمن جان پر جما دی تھیں جو اس کی وجہ سے تکلیف دہ مراحل سے گزر رہی تھی۔ دادا جان کی کتنی ہی کالز آ چکی تھیں۔ تبھی ضیاء انکل اور آنٹی اندر داخل ہوئے تھے اور پاس کھڑے اظل کے پاس آ رکے تھے۔ تبھی ڈاکٹر نے آ کر کہا تھا۔

"She is better now - but you have to be careful - stress is not good for her."

انہوں نے پروفیشنل انداز میں کہا تھا اور اظل نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔

"Can I take her home doctor?"

وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا اور ڈاکٹر نے لے جانے کی اجازت دی تھی اور اس کے اندر طمانیت سرایت کر گئی تھی۔ وہ اسے لے کر ہوٹل میں آ گیا تھا۔ وہ مسلسل سو رہی تھی۔ چہرے پر کچھ دیر قبل والی تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ وہ قدرے پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ جیسے وہ بہت سی راتوں سے سو نہیں پائی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیڈ کے قریب کرسی رکھ کر بیٹھا تھا۔ وہ اس پر سے نگاہ نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔ پلک جھپکنے سے خوفزدہ تھا۔ اگر اس نے پلک بھی جھپکی تو نجانے کیا ہو جائے گا۔ وہ اس کی سانسوں کی زیر و بم پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ اگر اسے کچھ بھی ہو جاتا تو..... اور اس سے آگے اس سے کچھ بھی سوچا نہیں گیا تھا۔ وہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات پر نگاہیں جما دی تھیں۔ اس کے پرسکون چہرے پر اچانک ہی تغیرات کا سایہ لہرانے لگا تھا اور اظل کا دل ایک نجانے خوف سے بھر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ بھاگتی جا رہی تھی۔ نجانے کیسا خوف تھا جو اس کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ اس کو ڈرا رہا تھا۔ اس کو خوفزدہ کر رہا تھا اور وہ سرپٹ بھاگتی جا رہی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ خوف پوری رفتار سے بھاگتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ اندھیرے میں کچھ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ سارے منظر اندھیرے کی وجہ سے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔ ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ رکنے کا مطلب زندگی کو کھو دینا تھا۔ وہ خوف کو جیتنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ہار نہیں مان سکتی تھی۔ وہ کمزور ہرگز نہیں تھی۔ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ خوف کو حاوی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی مگر اس کے قدم اچانک ہی رک گئے تھے، تھم گئے تھے۔ خوف نے راستہ بدلا تھا۔ اور چور راستوں سے نکلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے تھے۔ خوف نے ہاتھ سامنے کیا تھا اور ایک تیز نوکیلی سی چیز اس کے پیٹ میں کھب گئی تھی اور اس کو زخمی کر گئی تھی۔ خوف نے حملہ کر دیا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے خوف کو اپنی جیت پر تفاخر سے مسکراتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ پیٹ پر رکھا تھا۔ تکلیف سے کراہ گئی تھی۔ روشنی ہوئی تھی اور وہ خوف کا چہرہ صاف دیکھ رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ گیارہویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

خوف کا چہرہ روشنی میں واضح نظر آ رہا تھا۔اور پھر خوف کا چہرہ عمیر شاہ کے چہرے سے ملنے لگا تھا۔اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔پھر اس کی طرف بڑھا تھا۔ایک قدم اور پھر دوسرا قدم فاصلے کم ہو رہے تھے۔اس کی آنکھیں یوں کھلی تھیں جیسے وہ سوئی ہی نہیں تھی۔وہ اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔وہ عمیر شاہ کا نام لے رہی تھی۔کچھ بڑبڑا رہی تھی۔اس کے ہاتھ پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''حمین شاہ.....!''اس نے پکارا تھا۔وہ فکرمندی سے دیکھ رہا تھا۔

اور حمین شاہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوف کا احساس اب بھی نمایاں تھا۔اظل سہام مرزا نے اس کی گال کو ہولے سے تھپتھپایا تھا۔پھر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔وہ جان گیا تھا کہ وہ اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

''میں یہاں ہوں تمہارے ساتھ۔تم تنہا نہیں ہو۔کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔تم کوئی برا خواب دیکھ رہی تھیں۔میرے ہوتے ہوئے تمہیں خوفزدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ریلیکس ہو جاؤ۔پرسکون ہو جاؤ تم۔''وہ اسے دلاسہ دے رہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔اس کو قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔وہ خواب تھا۔اس کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑ گئی تھی۔وہ شاید دواؤں کے زیر اثر تھی۔اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔مگر اس خوف کے تحت وہ آنکھیں بند کرنا نہیں چاہتی تھی۔اظل اس مشکل کو بھانپ گیا تھا۔اس نے اسے بغور دیکھا تھا۔پھر کرسی سے اٹھا تھا۔اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔حمین شاہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا وہ کرنے والا تھا۔وہ اسے چھوڑ کر جانے والا تھا۔اسے احساس تھا کہ وہ اس کی وجہ سے بے آرام ہو گیا تھا۔وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔شاید میڈیسن کا اثر ختم ہو رہا تھا۔اس کی وجہ سے وہ ہوش و حواس میں لوٹ آئی تھی۔وہ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا اور دو قدم چلتا ہوا بیڈ کی طرف بڑھا تھا پھر اس کے سرہانے جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا اور اس کی یخ بستہ پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔اس نے حیرانگی سے کمرے کو دیکھا تھا۔پھر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"I'm here with you. I will never let you live alone ever - so you can sleep. I will be sitting here. I will never close my eyes...!"

وہ دھیمے لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا۔

''ہم کہاں ہیں؟ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟ مجھے گھر جانا ہے۔''وہ کہنے کے ساتھ ہی بیڈ سے اترنے لگی تھی مگر اظل نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ہم صبح گھر چلیں گے۔ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔تم سب کچھ بھول کر اپنی ساری پریشانیاں سارے خدشات ایک

گٹھڑی میں باندھ کر میرے حوالے کر کے خود مطمئن ہو جاؤ۔ تم سے پہلے بھی کہا تھا۔ آج پھر کہہ رہا ہوں۔ تم میری ذمہ داری ہو۔ تمہیں کبھی کوئی زک ہرگز پہنچنے نہیں دوں گا۔ ہر خطرے کو تم تک آنے کے لئے پہلے مجھ سے ٹکرانا ہوگا کیونکہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح تمہارے اور اس تم تک آنے والے ڈر، خوف اور خطرے کے درمیان کھڑا ہونگا۔ کیا تم مجھ پر یقین نہیں کر سکتیں؟ تم نے کہا تھا نا کہ اچھے دوست ہیں۔ تو کیا ایک دوست کو اپنا بھروسہ نہیں سونپ سکتیں تم؟'' وہ ایک آس سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اور حین شاہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ کھڑی ہوئی تھی مگر دواؤں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے گرتی اظل نے اسے نازک سی گڑیا کی طرح اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے کسمسائی تھی مگر اس کا گھیرا تنگ ہو گیا تھا۔ اس نے تھک کر سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''دنیا میں سب سے خوبصورت اور پرسکون جگہ کون سی ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں عجیب سا سوال پوچھ رہی تھی۔ وہ جاننے سے قاصر تھا اگرچہ وہ بتانے کی کوشش کر رہی تھی یا پھر پوچھ رہی تھی۔ ایک مبہم سا انداز تھا اس کا۔ وہ اسکی مدھم مدھم دھڑکن کو سن رہا تھا۔ حین شاہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔

''گھر..... گھر کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی جگہ پرسکون نہیں ہو سکتی۔ لیکن تم جہاں کہوں میں تمہیں لے جانے کے لئے تیار ہوں۔ بس تم حکم کرو۔'' وہ مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اسے متاع حیات کی طرح سمیٹے کھڑا تھا۔ وہ منتظر تھا مگر دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ جیسے وہ تھک گئی تھی۔

''حین شاہ!'' اس نے مدھم سرگوشی کی تھی۔ وہ فکرمند ہوا تھا۔

''ہوں!'' اس نے موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو؟ کہو نا۔ میں منتظر ہوں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کی خاموشی سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔

''کیا تم نہیں جانتے؟ لفظوں نے میلوں کا سفر طے کیا ہے۔ صدیوں محوِ سفر رہے ہیں اور لفظوں کا سفر طوالت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ سفر کی طوالت نے لفظوں کو تھکا دیا ہے اور لفظوں نے خاموشی کے ہالے میں بسیرا کر لیا ہے۔ تھک کر خاموشی کی گود میں پناہ لے لی ہے۔ لفظ بولنے کا ہنر کھو گئے ہیں شاید۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیحات بیان کر رہی تھی۔

''کیا تم نہیں جانتیں میں ان لفظوں کو سننے کی جستجو میں ان لفظوں کا تعاقب کرتا ہوا آیا ہوں۔ ان خاموش لفظوں کے قدموں کے ثبت نشانوں پر قدم رکھتا ہوا ان خاموشیوں کو سن رہا ہوں۔ یہ خاموشیاں نجانے کتنی عرضیاں بھیج رہی ہیں لیکن میری خردان عرضیوں کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ میں عشق کی منازل طے کر رہا ہوں ابھی طفل مکتب ہوں۔ ان اسرار و بھیدوں کے رموز سے آگاہی نہیں ہے۔ ان اسلوب کو زبر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ تم جو لمحوں میں میری دنیا زیر و زبر کر دیتی ہو میں اس اسم کو سمجھنے میں قطعی طور پر ناکام واقع ہوا ہوں۔

تبھی تو ان خاموشیوں کے بھنور میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔'' مدھم لہجہ نئے راز منکشف کر رہا تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ منکر ہوئی تھی۔ اس کی تمام باتوں کو لمحوں میں رد کر دیا تھا۔ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور سر پھر کندھے پر ٹکا دیا تھا۔ وہ شاید غنودگی میں تھی اور اظل کا دل جیسے کسی نے ایک لمحے کے لئے ساکت کر دیا تھا۔ وہ اسے اعتبار دلانے کے جتن کرنے لگا تھا۔ اس کی زندگی جیسے خطرے میں پڑنے لگی تھی۔

"I know you don't believe in me but I would must say action will remove the doubts which are making you worried but action speaks louder than words and that action will remove all doubts that theory cannot solve."

وہ مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔

مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اس کی دلیلوں کو رد کر دیا تھا۔ وہ اس کی دلیلوں کو ماننے سے انکاری تھی۔ وہ منکر ہوئی تھی۔

"I know you still have doubt about me but I will just say I will clear your all doubts and I will prove you wrong your all doubt with my action.

وہ مدھم لہجے میں یقین دہانی کرانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں عزم تھا۔

وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی پھر دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تیر گئی تھی۔

''تم اپنے حواس میں ہی نہیں ہو اسی لئے اس طرح کی باتیں کر رہے ہو مگر جب ہوش میں آؤ گے تو تب سب بھول جاؤ گے۔ جیسے پہلے ہوا تھا۔ تب بھی تو تم یقین دلانے کے درپے تھے پھر کیا ہوا تھا۔ ماضی لوٹ آیا تھا اور محبت نے تمہارے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

''تم اس بات سے آگاہ نہیں ہو اھین شاہ۔ تم انجان ہو۔ بھولی ہوئی۔ تم اردگرد سے بے خبر ہو۔ اردگرد سے بے نیاز چلتی جا رہی ہو۔ تمہیں تو اندازہ ہی نہیں کہ کس مشکل سے گزر رہا ہوں۔ سدھ بدھ کھو چکا ہوں۔ جانتا ہوں تمہاری مسکراہٹ کا سبب نہیں بن سکتا پھر بھی تمہارے چہرے پر نگاہ اٹھتی ہے تو ایک ٹک دیکھتی رہتی ہے۔ تمہارے چہرے کے ساتھ بندھ جاتی ہے۔ واپس پلٹ کر ہی نہیں آتی ہے۔ اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ جنوں ان حواسوں پر چھا جاتا ہے۔ جنوں کمر کس کر اس مہم پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جنوں کی حدود کا تعین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جنون کسی بھی حد سے گزر جاتا ہے۔ ان دشوار گزار راہوں پر سے با آسانی گزر جاتا ہے جہاں خرد قدم رکھتے ہوئے ڈرتی ہے۔ جہاں محبت کی خرد پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ محبت کی عقل پر قفل لگ جاتے ہیں جہاں جنوں بنا خوف و خطر ایک تسلسل سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جنوں کے قدم رکتے نہیں ہیں تھمتے نہیں ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں جنون خیزیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

مگر حسین شاہ کی سوچیں صرف ایک جملے پر اٹک گئی تھیں۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ کیوں کہہ رہا تھا کہ میری مسکراہٹ کی وجہ وہ نہیں تھا تو کیا وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو چکا تھا تو اس لمحے جو اسے ایک آہٹ محسوس ہوئی ایک خوشبو محسوس ہوئی تھی تو کیا وہ اس کا وہم نہیں تھا۔ وہ آیا تھا اور عفان ہاشمی کو دیکھ کر واپس لوٹ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کتنے شکوے آکر ٹھہر گئے تھے۔ اس کا دل ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گیا تھا۔ وہ ایسا کیسے سوچ سکتا تھا مگر اس کی سوچوں پر پابندی نہیں لگا سکتی تھی۔ وہ خود مختار تھا اور اپنی سوچوں پر کل اختیار رکھتا تھا۔ دل میں گرہ پڑ چکی تھی۔ شک کا بیج دل کی زمین کی مٹی میں بویا گیا تھا اور راتوں رات تناور درخت بن چکا تھا۔

اظل نے اس کی آنکھوں کے بدلتے تاثرات کو حیرت سے دیکھا تھا۔ جو شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تم نہیں جانتیں پانی کے حقیر قطرے ریت کے معمولی ذرات سے طاقتور سمندر کو جنم دیتے ہیں۔ ان سمندروں کے وجود میں آنے کی وجہ بنتے ہیں اور خوشنما زمین خوابوں کی آبکاری کرتی ہے۔ محبت کے معمولی الفاظ ہماری جینے کی امنگوں کو بڑھا دیتے ہیں۔ ویرانوں میں محبت کا شہر آباد کرتے ہیں۔ صحرا میں نخلستان بنا دیتے ہیں۔ محبت میں یہ طاقت ہے کہ طاقتور طوفانوں کو حکم دے کر راستوں کو موڑ دے۔ تپتے سلگتے دشت میں محبت کے بادل برست کر جنت بریں کی مانند کر دیتے ہیں۔ تم شاید محبت کی طاقت سے آگاہ نہیں ہو۔ تم محبت کو کمزور سمجھنے کی غلطی کر چکی ہو یا پھر محبت تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے یا پھر تم دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ تاحد نظر محبت کی صاف و شفاف ندیاں کبھی نہ ختم ہونے والے عرصہ سے سنہرے ذرات پر بہہ رہی ہیں مگر تمہاری نگاہوں پر شک نے پہرہ لگا دیا ہے۔ تبھی تمہاری نگاہ وہ دیکھنے سے قاصر ہے یا پھر یوں کہوں کہ ان نگاہوں کا زاویہ کسی اور طرف مڑا ہوا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ اپنی شکایتیں درج کرا رہا تھا۔

''تو اس وقت آپ آئے تھے اور عفان کو دیکھ کر پلٹ گئے تھے؟ میری کال پک نہ کرنے کے پیچھے یہی وجوہات تھیں نا؟ آپ مجھے جان بوجھ کر اگنور کر رہے تھے۔ مجھے نظر انداز کرنا آپ کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ فون گاڑ میں بھول گئے تھے؟ تو وہ میرا وہم نہیں تھا۔ آپ نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنی خود ساختہ سوچوں کو مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ میری سوچوں پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کی۔ میں پریشانی سے ادھ موئی ہو گئی تھی۔ میری جان مشکل میں پڑ گئی تھی اور آپ۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔ ایک ہی لمحے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کا نظر انداز کرنا سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں کے رنگ بدلے تھے۔ ایک سرد مہری کا احساس ٹھہر گیا تھا۔ وہ احساس ان تمام احساسات پر حاوی ہونے لگا تھا۔ اس نے ہمتیں مجتمع کی تھیں اور پھر جیسے کوئی حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔ نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے تھے۔ اس کا

یہ فعل یکلخت بدلنے والے برتاؤ کا شدید ردعمل تھا۔

اور اظل سہام مرزا جان گیا تھا وہ کتنی بڑی غلطی کر چکا تھا اور اب اس کا خمیازہ اسے بھگتنا تھا۔ اس کا ردعمل شدید ہو سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا اور تب تک وہ دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے ناب پر ہاتھ رکھ کر گھمایا تھا اور اظل نے اس کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو۔ رات کے اس پہر کہاں جا رہی ہو تم۔ تمہاری طبیعت خراب ہے۔ تم کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔ اس وقت تمہیں خود کو پرسکون رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ مگر تم پھر غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو۔ بدگمانی ہمارے درمیان اپنی جگہ بنا رہی ہے۔ چپکے چپکے دبے قدموں چل کر آ گئی ہے اور فاصلوں کو بڑھانے لگی ہے۔ بدگمانی اپنے پنجے گاڑ چکی ہے۔ میں بدگمانی کو تمہاری آنکھوں میں چلتا پھرتا دیکھ رہا ہوں۔ بدگمانی اپنی جیت پر مسکرا رہی ہے۔ رشتوں میں دراڑ ڈال کر پرغرور انداز میں اپنی جیت پر نازاں سی ٹھہر گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری اتر آئی ہے۔ اپنا مقصد پورا ہو جانے کے بعد اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری ہو گئی ہیں۔ بے تاثر نظر آنے کے جتن کر رہی ہیں۔ اب بدگمانی نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں تبھی تو تمہارا لہجہ بھی سپاٹ ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔ اس کے دھیمے لہجے میں کتنی شکایتیں درج تھیں۔

''ہاتھ ہٹائیے آپ مجھے آپ کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان بے سروپا قصوں سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے نا ہی کوئی مطلب۔ میں ان بے سر پیر کی باتوں سے کچھ معنی اخذ نہیں کر سکتی۔ آپ کی تمام باتیں بے جواز ہیں۔ آپ کی خود ساختہ سوچ ہے۔ آپ نے دیکھا وہ آپ کی نظر کا دھوکا ہے۔ اس کو غلط سمجھنا آپ کی غلط سوچ اور کم فہمی کی عکاسی کر رہی ہے۔ مجھے ان بے جواز باتوں سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اور نا ہی ان سوچوں کے تسلط تلے آنا۔ اس لیے اپنی بے جواز باتوں کی گٹھڑی اٹھائیے اور چلتے نظر آئیے۔ میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر بیوقوفی کر چکی ہوں تو اب سب کچھ واضح ہو گیا ہے۔ اب مزید کوئی غلطی نہیں ہو گی۔ جانتی ہوں یہ تعلق آپ کے لئے بوجھ ہے جس کو ڈھونا آپ کے لیے کسی طور ممکن نہیں ہے اور نا ہی مجھے خود کو آپ پر مسلط کرنا ہے۔ اب مزید نہیں۔ میں سب لوگوں کو جواب دے دوں گا۔ آپ سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔ اس لیے آپ بے فکر ہو جائیں اور ایک اور بات غور سے سن لیں۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔

وہ پوری جان سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مگر اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا کپکپا رہا تھا۔ وہ غصے سے اس کی طرف گھور رہی تھی۔

''آپ اپنی غلطی کا الزام مجھ پر مسلط ہرگز نہیں کر سکتے۔ آپ خود کو بچانے کے لئے مجھ پر الزام تراشی پر اتر آئے ہیں جو کہ سراسر غلط فعل ہے۔ میں اس کی حمایت نہیں کرونگی۔ میں آپ کی سوچ کی پرزور مزمت کرونگی اور آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش ہرگز مت

کیجئے گا۔ میں جارہی ہوں۔ آج سے اور ابھی سے میرا آپ سے ہر تعلق ختم ہوگیا۔ سب ختم ہوگیا۔ کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ آپ نے مجھے مار دیا۔ مجھے ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ آپ نے مجھے گہرے دکھ سے دوچار کردیا ہے اس کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔ اس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔'' وہ سلگتی نگاہوں سے اس کی طرف خفگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ گہرے کرب سے دوچار تھی اور اظل کا دل ملال سے بھر گیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے معاف کردو۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں نے کبھی تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ وہ شک صرف ایک لمحے میں دل میں جگہ بنا گیا تھا۔ ایک حسد نے مجھے گھیر لیا تھا۔ میں حاسد بن گیا تھا مگر ایک گہرے ملال نے مجھے گھیر لیا ہے۔ دل میری سوچوں کی مخالفت پر اتر آیا ہے۔ مجھے تنبیہ کررہا ہے، ڈانٹ رہا ہے، ڈپٹ رہا ہے۔ میری کھنچائی کررہا ہے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوچکا ہے۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردو۔'' وہ پرملال سا اپنی غلطی کو فراخدلی سے تسلیم کررہا تھا۔ مداوا کرنے کی سرتوڑ کوشش میں جت گیا تھا۔

مگر حسین شاہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ کوئی بھی بات ماننے سے منکر تھی۔ وہ ضد پر اڑ گئی تھی۔

''مجھے ابھی اور اسی وقت گھر جانا ہے۔ مجھے کچھ نہیں سننا۔ مجھے جانے دیں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مزید ٹھہر نہیں سکتی۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ میرا فیصلہ حتمی ہے۔ اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تعلق جب بوجھ بن جاتے ہیں تو ان کا ٹوٹ جانا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ ویسے بھی زبردستی کے رشتوں کی مدت کم ہوتی ہے۔ ہمارے رشتے کی مدت بھی شاید اتنی ہی تھی۔ مجھے اس کے ٹوٹنے پر کوئی ملال نہیں ہے۔ اب آپ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے اور خوشی کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ اب راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے ساری رکاوٹیں دور کردی ہیں۔'' وہ دھیما لہجہ حتمی تھا۔ جس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نظر نہیں آرہی تھی۔

اظل سہام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر خاموشی سے سرنفی میں ہلایا تھا۔

''ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ ابھی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا عادی ہوں اور جو فیصلہ ہوچکا ہے میں اس میں ترمیم کبھی نہیں کروں گا۔ تم مجھ سے منسلک ہو۔ تمہارا ہر راستہ صرف مجھ تک ہی آتا ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح سمجھ لو میں تمہارے لیے اچھا ہے۔ میں تم سے بے خبر کبھی نہیں رہ سکتا۔ ہر حال میں تمہاری خبر رکھتا ہوں۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔ ویسے میں بھی کمزور دشمن پر وار نہیں کرتا۔ مقابلہ برابری والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلے پوری طرح تندرست ہوجاؤ پھر مجھ سے جتنا چاہو لڑ لینا۔ جتنا چاہے جھگڑا کرلینا مگر ابھی یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ ان باتوں کو کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔'' وہ مدھم لہجے میں بردباری سے سمجھا رہا تھا۔ الجھے مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

''مجھے ماما پاپا کی یاد آرہی ہے۔ اس گھر کی در و دیوار میں ان کی یادیں بسی ہوئی ہیں۔ وہاں جاکر مجھے سکون ملے گا۔ میں بے سکونی میں جی رہی ہوں۔ اب اور برداشت نہیں ہوتا۔ راستہ چھوڑیے میرا۔'' اس نے نحیف لہجے میں کہا تھا۔ وہ کھڑی کھڑی تھکنے لگی تھی۔ متزلزل

قدموں کی لرزش بڑھنے لگی تھی۔اس سے مزید کھڑا رہنا دشوار لگ رہا تھا۔

''چلو میرے ساتھ میں تمہیں ماما پاپا سے ملواتا ہوں۔''اس نے اس کو بانہوں کے گھیرے میں لیا تھا اور اسے ساتھ لیے چلتا ہوا کمرے کے دوسری طرف بڑا تھا۔وہ حیرانگی سے اسے دیکھتی ہوئی چلنے لگی تھی۔اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔وہ کمرے کے دوسرے کونے پر پہنچا پر تھا اور پھر دروازے پر ہاتھ رکھ کر کھولا تھا اور دوسری طرف ٹیرس تھا۔نیلا شفاف کھلا آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔آج موسم قدرے تبدیل ہوا تھا۔ایسا شفاف آسمان کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتا تھا وہاں۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں ہوٹل کا وہ کمرہ کچھ خاص پسند نہیں آیا۔تبھی تم یہاں رکنا نہیں چاہتی تھیں۔حالانکہ 45 پارک لین بہت نفیس اور Sophisticated ہوٹل ہے۔ایک قابل رشک مقام میں ہوٹل Basks لندن کی خوبصورت Mayfair میں کی کی تاریخی فن تعمیر، متحرک اندرونی اور معاصر آرٹ کلکیشن کے ساتھ کافی آرادہ اور پر تعیش مقام ہے۔مگر مجھے لگتا ہے تمہیں کمرے سے زیادہ یہ بالکنی اور لندن کا نظارہ کھلا آسمان تمہارے مزاج پر اچھا اثر ڈالے گا۔اس کو ڈیزائن کرنے میں لندن کے تجربہ کار ڈیزائنر Jetsertters کے ساتھ نیویارک سے تعلق رکھنے والے ڈیزائنر Thairi Despond کی طرف سے ایک مصحور کن اور Captivating نظریات کا حامل ہے۔ سابیان سوٹ کے آرٹ ڈیکو کے ڈیزائن اور panoramic لندن city scape کو دیکھے جانے کیسا تھ دلکش اور حیران کن منظر کو دیکھنا ایک حتمی تجربہ ہے۔

It's an oasis of art deco and statement Al-Presso art on culturally parched concrete promenade.

مجھے یہاں آکر کھڑے ہو کر گھنٹوں آسمان کو دیکھتے رہنا بہت اچھا لگتا ہے۔میں جب بھی آتا ہوں یہاں ٹھہرتا ہوں۔''وہ اس کو لے کر چلتا ہوا کاؤچ پر بٹھا کر خود اس کے سامنے رکھے دوسرے کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔وہ جانتا تھا وہ تھک چکی تھی۔حنین شاہ نے اسے دیکھا جو بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔وہ موضوع کو یکسر تبدیل کر چکا تھا۔

''آپ تو مجھے ماما پاپا سے ملوانے والے تھے نا؟ پھر کیا ہوا؟ میں نے ہوٹل کی تاریخ جاننے کی خواہش ہرگز نہیں کی تھی جو آپ نے مجھے معلومات دیں آپ کے لئے مفید ہوں گی مگر میرے لئے اس وقت کچھ اور زیادہ اہم ہے۔''وہ خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''آپ کے قول و فعل میں تضاد ہے۔آپ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور۔''مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔

''میں اپنے لفظوں پر ہمیشہ قائم رکھتا ہوں۔تم ایک لمحے کے لئے اپنی آنکھوں کو بند کرو اور پھر میجک دیکھو۔''اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔''وہ تنبیہ کر رہا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چند لمحے گزرے تھے جب نے آنکھیں کھولنے کے لئے کہا تھا۔ اور جب اس نے آنکھیں کھولی تھیں تو وہ حیران رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

راحم سہام مرزا چلتا ہوا کمرے سے نکلا تھا اور کسی سے بری طرح ٹکرا گیا تھا۔ سامنے بھی تھی وہ کوئی پری پیکر تھی۔ جس کو خاصی چوٹ لگی تھی شاید تبھی وہ سر پر ہاتھ رکھے اسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے؟ آپ کو دو عدد آنکھیں دیکھنے کے لئے ہی دی گئی ہیں نا؟ پھر ان کا استعمال کرنے میں کیا قباحت ہے؟ اتنا تامل کیوں برتتے ہیں ان کو استعمال کرتے ہوئے؟'' وہ اسے کھری کھری سنا رہی تھی۔

اور راحم سہام مرزا بجائے برا ماننے کے اس کے طرز تخاطب پر مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ آپ کو زیادہ تو نہیں لگی؟'' وہ مروتاً اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''دراصل میں تیزی سے نکلا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کوئی اچانک سے ایسے آ کر ٹکرا جائے گا۔ ممی مجھے بار بار کال کر رہی تھیں تو جلدی بازی میں دھیان نہیں رہا۔'' وہ فراخدلی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔

اور رامین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ ہوتا ہے ایسا کبھی کبھی۔'' وہ جانے کو مڑی تھی۔

''سنئے آپ کوئی مہمان ہیں یہاں پر؟ آج سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔ دراصل میں یہاں کبھی کبھار ہی آتا ہوں۔ ایک عرصے بعد آیا ہوں۔'' وہ جو بھی تھا کافی باتونی تھا یا پھر اس کو بات کرنے والا کوئی نہیں ملا تھا۔ اپنی کسی ہم عمر کو دیکھ کر اس کو شاید کافی ڈھارس ملی تھی۔

''آپ اندازے لگانے میں خاصے ماہر ہیں۔ میں مہمان نہیں ہوں یہ میرا گھر ہے۔ مگر یہ سچ ہے میں بھی ایک مدت بعد آئی ہوں یہاں۔ یہ میرے نانا جان کا گھر ہے۔ تو میں مہمان تو قطعی نہیں ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر اعتماد تھا۔ اس کی بڑی بڑی ستارا آنکھوں میں تمکنت تھی۔ روشن آنکھیں پوری دنیا کو فتح کرنے کی اہلیت رکھتی تھیں اور وہ ایک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتا جا رہا تھا۔

''اوہ تو آپ رامین شاہ ہیں؟ ھین بھابھی کی کزن؟ مجھے تو آپ کو دیکھتے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔ وہی آن بان، وہی تمکنت۔ آپ تو بالکل ان جیسی ہی ہیں۔ آج تو صاف ثابت ہو گیا میں ذرا کم فہم واقع ہوا ہوں۔ تبھی تو پہچان نہیں سکا۔ بھائی کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ میں تو حاسد ہو گیا تھا۔ گلے شکوے کرنے لگا تھا۔ جلن سے برا حال ہو گیا تھا میرا کہ ان کا سامنا پری سے کیسے ہو گیا۔ شاید وہ پرستان چلے گئے تھے۔ مگر اب اندازہ ہوا ہے کبھی کبھی پریاں زمین پر اتر آتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ جھیل سیف الملوک کے علاوہ کہیں اور بھی اتر آتی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں تعریف کر رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت کی چمک واضح دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے پرستان میں اچانک ہی اندھیروں نے گھر کر دیا ہوگا کیونکہ ساری روشنی تو یہاں آ گئی ہے۔آپ کی آنکھیں تو دو چمکتے ستارے ہیں.....روشن اور چمکدار۔میری تو آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔میری تو حد نگاہ ہی نہیں ٹھہر رہی۔دیکھنے کی جسارت کر رہا ہوں مگر نگاہ دیکھنے سے قاصر ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پرفسوں تھا۔

رامین شاہ نے اس کی بے تکلفی کو ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔مگر مجھے آپ کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔رات کے اس پہر آپ کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے کیا؟ صاف لگ رہا ہے کہ آپ کے دماغ کی کوئی کل ڈھیلی ہے۔تبھی تو آپ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ایسی بے معنی باتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔آپ جو کوئی بھی ہیں آپ کو علاج کی سخت ضرورت ہے۔'' اس نے غصے سے دیکھا تھا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی۔اور وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔پھر مسکرایا تھا اور چلتا ہوا مسز اسد سہام مرزا کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔وہ جو تھی اس کے دل پر گہرے اثرات مرتب کر گئی تھی۔

وہ منتظر نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے شاید اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''کہاں رہ گئے تھے تم؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' انہوں نے ڈپٹا تھا۔

''ممی میں عافیہ سے بات کر رہا تھا۔آپ تو جانتی ہیں نا اس کی برتھ ڈے آ رہی ہے اور اس کی فرمائشیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔اظل بھائی کو بھی دھمکا رہی تھی وہ۔اکلوتی بہن ہونے کا فائدہ اٹھاتی ہے۔جانتی ہے نا دو ہینڈسم بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونا کتنا بڑا ایڈوانٹیج ہے اس کے لئے۔اس بار کوئی بڑی کروز پارٹی ارینج کرنا چاہتی ہے تبھی تو بھائی کے بھی کان کھا رہی تھی کل اور آج میری پکڑ وائی ہوگئی۔آپ کے اور بھائی کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا ہے۔'' وہ دھیما لہجہ محبت بھرا تھا۔اس کے لہجے میں اپنی پیاری بہن کے لئے محبت بول رہی تھی۔

''لاڈ تو تم بھی اس کے اٹھاتے ہو ابھی تک اسے بچی بنا کر رکھا ہے تم دونوں بھائیوں نے۔میرا نام تو یوں ہی لے رہے ہو۔میں تو اکثر اسے ڈانٹ بھی دیتی ہوں مگر تمہارے پاپا اور اظل کو اس کی طرفداری میں پیش پیش دیتے ہیں۔ان دونوں کی سپورٹ کی وجہ سے وہ قدرے ضدی ہوگئی ہے۔اپنی منوانا شروع ہوگئی ہے حالانکہ میں اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔بیٹیوں کی بے جا ضد کو پورا نہیں کرنا چاہئے۔زندگی میں بہت سی چیزیں نہیں ملتی ہیں۔اگر وہ سب کچھ حاصل کرنے کی عادی ہوگئی تو یہ بات اس کی آنے والی زندگی میں مشکلات کھڑی کر دے گی۔'' ان کے لہجے میں فطری ممتا کی فکرمندی کے خدشات نمایاں تھے۔

''ممی ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ہم اپنی بہن کو دنیا کی ساری خوشیاں دیں گے۔اس کی جھولی میں پوری دنیا کی خوشیاں ڈال دیں گے۔جو وہ کہے گی اس کے لئے حاضر کر دیں گے۔'' اس نے محبت پاش نظروں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ان کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھ میں لیا

تھا۔ پھران کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں ممی۔ یوں فکروں میں گھرا ہوا چہرہ قطعی اچھا نہیں لگتا۔ آپ بتایئے مجھے کیوں بلایا تھا آپ نے؟ کوئی خاص بات کرنی تھی۔ میں دیکھ رہا ہوں جب سے میں آیا ہوں آپ کے چہرے پر ایک فکروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ایسا کیا ہوا ہے؟ آپ اظل بھائی کی نکاح کی بات سے خفا ہیں؟'' وہ مدھم لہجے میں فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے تم بزنس پر توجہ دو۔ یہ لاابالی پن چھوڑ دو۔ بچپنا چھوڑ دو۔ آج کل میں چھٹیاں ہو جائیں گی اپنے پاپا اور اظل سے بزنس کے گر سیکھو۔ اظل کو دیکھو وہ تو پوری بزنس دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ اس نے اپنا فارم اور مقام بنا لیا ہے۔ تمہارے پاپا ہر فیصلہ کرنے میں پہلے اس کی رائے لینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ میں اسی فکر میں گھل رہی ہوں اگر تمہارے پاپا نے اپنا بزنس ایمپائر بھی اس کے حوالے کر دیا تو پھر تمہارے پاپا کے بزنس کے تمام امور بھی وہی دیکھتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قابض ہوتا جا رہا ہے۔ تمہارا حصہ بھی اس کے پاس چلا جائے گا۔ تمہیں اس کا محکوم بن کر گزارا کرنا پڑے گا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے اس کے آگے ہاتھ بھی پھیلانا پڑے گا۔ غلامی جیسی زندگی ہو جائے گی تمہاری جو کہ مجھے کسی صورت بھی قبول نہیں ہے۔ یہی بات میری پریشانی کی وجہ بن رہی ہے۔ وہ تمہارا بھائی ہے مگر ہے تو سوتیلا نا۔ میں نے کبھی اس فرق کو نمایاں نہیں کیا نا ہی کبھی رشتوں میں تفریق کی ہے لیکن پھر بھی رشتے میں جو دراڑ ہے اس کو بھرنا کسی طور ممکن نہیں ہے۔ تمہیں ہزار بار سمجھایا ہے مگر تم میری ایک نہیں سنتے ہو۔ یہی بات میری پریشانی کی وجہ ہے۔ نجانے تم کب سمجھو گے۔'' وہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اور راحم سہام مرزا نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ پھر ان کی طرف دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ممی آپ کی فکریں خود ساختہ ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اظل بھائی مجھے اور عاقبہ کو بے حد محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے آج تک کبھی فرق نہیں سمجھا۔ اگر میرا سگا بھائی بھی ہوتا تو شاید مجھے اتنی محبت اور کیئر نا دیتا جتنا کہ اظل بھائی نے دیا ہے۔ مجھے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ کوئی فکر نہیں ہے مجھے بزنس اور دولت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ ابھی مجھے اپنی تعلیم پر توجہ دینی ہے۔ جیسا بھائی نے کہا ہے۔ پھر بعد میں ان سے سب سیکھ لوں گا۔ ممی پلیز آپ کا اس طرح سوچنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جب اس فرق کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور مجھ سے زیادہ محبت جتاتی ہیں تو کہیں نا کہیں یہ فرق یہ تفریق واضح طور پر آپ کے ان خدشوں میں دکھائی دیتی ہے۔ صاف محسوس ہوتی ہے۔ میرے بھائی اور میرے درمیان کبھی کوئی نہیں آ سکتا ممی۔ نا دولت نہ حسد، نہ جلن اور نہ ہی کوئی سوتیلا رشتہ۔ ہمارے دل جڑے ہوئے ہیں اور جب دل مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں تب کسی اور چیز کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ آپ تو یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں نا ممی۔ آپ کو اچانک اتنی فکریں اور خدشات کیوں ستانے لگتے ہیں۔ آپ کو لگتا ہے بھائی نکاح کے بعد بدل جائیں گے؟'' وہ مدھم لہجے میں سنجیدگی سے ماں کو سمجھا رہا تھا۔ وہ نہایت بردباری سے کہہ رہا تھا۔

''آپ میں کہیں ساس والی فطری جیلسی تو نہیں آ رہی کہ کہیں وہ آپ کے بیٹے کو آپ سے دور نہ لے جائے؟'' وہ مسکراتا ہوا انہیں چھیڑ رہا تھا۔ وہ موضوع بدل گیا تھا۔ کمال مہارت سے ان کے فکروں بھرے چہرے پر مسکراہٹ لے آیا تھا۔

انہوں نے ایک چپت اس کے کندھے پر لگائی تھی۔

''تم نہایت کی فضول بولتے ہو۔ میں کیوں جیلسی محسوس کروں گی۔ میرا بیٹا نہایت فرمانبردار ہے۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔'' انہوں نے اس کے بال بگاڑ دیئے تھے۔ محبت پاش نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''اوہ اب سمجھا پھر یہ سارے خدشات آپ کو میری ہونے والی بیوی سے ہیں؟'' وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

''تمہاری شادی کا ذکر کہاں سے آ گیا درمیان میں؟ ابھی کچھ بن تو جاؤ پھر شادی کے بارے میں سوچ لینا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

''لیکن ممی سوچنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے نا۔ ھین بھابھی جیسی کوئی پری اگر مجھے بھی اچانک مل جائے تو؟ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا نا؟ یعنی آپ کی طرف سے کھلی اجازت ہوگی نا؟'' وہ شرارت سے چمکتی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتا ہوا ان کی اجازت کا طلبگار سا کھڑا تھا۔

''کہیں تم رامین شاہ کی بات تو نہیں کر رہے نا؟ اس سے ملے ہو تم؟ مجھے وہ بہت اچھی لگی ہے۔ اگر بات تمہاری پسند کی ہے تو یہ ممکن بھی ہو سکتا ہے۔ تمہاری پھپھو کی بیٹی ہے تو تھوڑی نخریلی سی مگر اچھی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''تو آپ اسی لیے پریشان ہو رہی ہیں کیونکہ آپ جانتی ہیں میں تو آپ کا فرمانبردار بیٹا نہیں ہوں اور بہو کے آتے ہی میں تو آپ کے ہاتھوں سے نکل جاؤں گا تبھی آپ اس قدر فکرمند دکھائی دے رہی تھیں۔ ساری بات تو میری سمجھ میں اب آئی ہے۔'' وہ مسلسل ان کو چھیڑ رہا تھا۔ وہ جانتی تھیں وہ بے حد شرارتی تھا۔ ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتا تھا۔

''میں نہیں چاہتی مگر تمہارے دادا جان اور دادی جان کل بات کر رہے تھے۔ ان کی خواہش ہے کہ رشتوں کو استحکام دیا جائے۔ وہ رشتوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ برسوں بعد بیٹی سے ملے ہیں تو بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ میں نے کہا تھا اس بات پر بات کریں گے تم ابھی چھوٹے ہو۔ ابھی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے میں تمہیں وقت درکار ہے مگر تمہارے دادا جان کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے اور تم اپنے پاپا کو جانتے ہو نا۔ تمہارے دادا جان کے سامنے ان کی زبان کبھی نہیں کھلتی۔ کجا ان کے سامنے انکار کرنا۔ انہوں نے تو اقرار میں سر ہلا دیا تھا۔ میں نے کہا تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اور وہ تو بھلا ہو معید بھائی کا جنہوں نے میرا ساتھ دیا۔ انہوں نے رامین شاہ سے بات کر کے ہی کوئی حتمی فیصلہ لیں گے۔ دادا جان نے بھی ہماری تائید کی تھی۔ تبھی بات تھوڑی ٹل گئی تھی مگر یہ تو طے ہے وہ پھر بات کریں گے۔ ان کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ اس کو جھٹلانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی لیے تمہیں بلایا تھا تاکہ پوچھ سکوں۔ آگاہ کر سکوں کہ کہیں

تمہاری کوئی پسند تو نہیں ہے نا۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتا دو۔ میں معاملہ سنبھال لوں گا مگر تمہاری خوشی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ہمیشہ تمہاری پسند اور خوشی کو ترجیح دوں گی۔'' انہوں نے شفقت سے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''میں جانتا ہوں ممی۔ آپ کی محبت پر کوئی شک نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ ماں اپنے بچوں سے بہترین سوچتی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وقت ہی نہیں ملا اگر کچھ ہوتا تو آپ کو نہیں تو اظل بھائی کو ضرور بتا دیتا۔ آپ تو جانتی ہیں نا میں ان سے کبھی کوئی بات نہیں چھپا سکتا۔ وہ تو خود ہی جان جاتے ہیں۔ میں سوچ کر بتاؤں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں وضاحت دے رہا تھا مگر دل و دماغ پر دوستاروں جیسی چمکتی آنکھوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ وہ آنکھیں حواسوں پر چھانے لگی تھیں۔ اس نے سر جھٹکا تھا مگر وہ آنکھیں جوں کی توں موجود تھیں۔ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور مسز سہام مرزا نے اچانک اس کے بدلتے تاثرات کو نوٹ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچانک خوشیاں چاروں طرف گھر کر لیتی ہیں اور ایک گہرا سکوت چھا جاتا ہے۔ شور و غل ہونے کے باوجود وہ خاموشیاں ختم نہیں ہوتیں۔ سکوت ہے کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ سارا گھر بھرا ہوا تھا مگر پھر بھی انہیں ایک عجیب سا سناٹا چھایا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سوتے ہوئے اچانک جاگ گئے تھے اور پانی سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر پیا تھا۔ ہلکی سی آہٹ ہوئی تھی تو نفیسہ بیگم کی آنکھ کھل گئی تھی۔ انہوں نے موندی ہوئی آنکھیں کھول کر سہام مرزا کو دیکھا تھا جو بیٹھے ہوئے تھے۔ سیل فون اٹھا کر کچھ میسجز چیک کر رہے تھے۔

''کیا ہوا آپ کو۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ جاگ کیوں گئے ہیں آپ اچانک؟ ابھی تو تہجد کی نماز میں کافی وقت ہے۔'' وہ ٹائم دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ جانتی تھیں وہ صبح منہ اندھیرے اٹھنے کے عادی تھے۔ مگر ابھی تو سوئے کچھ دیر ہی گزری تھی۔ اتنی اچانک اٹھ جانا ان کو پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ مسلسل خاموش تھے کچھ کہہ نہیں رہے تھے۔ یہ بات باعث تشویش تھی۔

''سہام میری طرف دیکھیے کیا چھپا رہے ہیں آپ مجھ سے؟ کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ میں کل دوپہر سے دیکھ رہی ہوں یہی حال ہے۔ مجھے کیوں نہیں بتا رہے کہ ماجرا کیا ہے؟ مدعا کیا ہے آخر؟ اگر کوئی بات ہے تو مجھ سے کیوں چھپا رہے ہیں؟ میں نے ایک عمر آپ کے ساتھ بتائی ہے۔ آپ کے کہے بغیر جان جاتی ہوں۔ مجھ سے کچھ چھپانا آسان نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنے شریکِ حیات کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے میں ٹھیک ہوں۔ مگر وہ بچی ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے حیدر شاہ سے بات کرنی ہوگی۔ بچے پریشان ہیں۔ اگر اظل نے جذبات میں آ کر کچھ غلط قدم اٹھا لیا تو ساری عمر کا پچھتاوا رہ جائے گا۔ حسین شاہ اس وقت مشکل وقت سے گزر رہی ہے۔ اس نے بے جا ضد کر کے جانے کی اجازت تو لے لی تھی مگر وہاں جا کر وہ اور بھی پریشان ہو گئی ہے۔ عمیر شاہ نے اسے اظل سہام کو مارنے کی دھمکی دی تھی

جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔اس نے مجھے بھی کال کی تھی۔میری بچی تنہا اس خوف کے ساتھ لڑ رہی تھی۔اظل نے پہنچنے میں دیر کردی ۔اس کو نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔اظل سے بات ہوئی ہے اب وہ ٹھیک ہے مگر دل کو ایک پل بھی قرار نہیں آرہا۔دل بے چین ہے مجھے تو لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔اس معصوم بچی کے بارے میں سوچتا ہوں تو دل دہل جاتا ہے۔کیسے اس تکلیف کو اکیلے سہہ گئی وہ۔اس کو کتنے محاذوں پر تنہا لڑنا پڑ رہا ہے۔ہمیں جانا ہوگا۔میں نے فلائٹ بک کروالی ہے۔تمہیں جانا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔میری بیٹی مشکل میں ہے۔میں اظل کو اس کا ذمہ دار سمجھتا ہوں۔مجھے اس سے اتنی غیر ذمہ داری کی توقع نہیں تھی۔وہ قصوروار ہے اس بچی کی تکلیف کا۔کسی نا کسی حد تک اس کا ہاتھ ہے اس میں۔اگر وہ اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کرتا تو وہ آج اتنی تکلیف سے نہ گزر رہی ہوتی۔وہ اچھی طرح آگاہ تھا۔وہ جانتا تھا۔پھر وہ کیسے اس نہج پر سوچ نہیں سکا؟ وہ کیوں انجان بن گیا اس کے درد سے وہ کیسے بے خبر ہوسکتا تھا۔میں اس سے خفا ہوں اور خود اپنے آپ سے بھی۔میں تو خود کو الزام دے رہا ہوں۔سارا قصور میرا ہی ہے۔'' ان کا مدھم لہجہ پر ملال تھا۔ وہ خود کو الزام دے رہے تھے۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔آپ کب سے پریشان تھے اور مجھے خبر نہیں ہونے دی۔آپ مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتے مگر خود اپنے آپ سے لڑ رہے ہیں۔اس بچی کی تکلیف کا احساس ہے مجھے اپنوں سے دوری کا درد کیا ہوتا ہے یہ مجھ سے زیادہ کون سمجھے گا۔وہ بچی اپنے والدین کو کھو چکی ہے اور میں نے اپنی بیٹی کی جدائی کا درج سہا ہے۔اس لئے میں سمجھ سکتی ہوں وہ کس دور سے گزر رہی ہوگی۔اس کرب کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔معید کو خبر ہوگی تو کہاں رکے گا۔وہ تو پہلے ہی خفا ہو رہا تھا۔آپ کا فیصلہ اسے کچھ خاص بھایا نہیں تھا۔اس نے اسے بڑی مشکل سے روکا تھا۔کل بھی جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔میرا خیال انہیں جانا چاہئے۔اگر وہ وہاں ہوتے تو بچی کو کچھ ڈھارس تو ہوتی۔اس کو ضرور کوئی حوصلہ دینے والا ہوتا۔رامین اس کی اچھی دوست ہے اور معید اسے اپنی رامین جتنا ہی عزیز رکھتا ہے۔کیسے بے چین ہو رہا تھا وہ۔'' وہ آہستگی سے انہیں صورتحال سے آگاہ کر رہی تھیں۔

''میں جانتا ہوں معید ھین کو اپنی رامین جتنا ہی عزیز رکھتا ہے۔اللہ اس کو زندگی دے۔اس نے ہماری بچی کا بہت خیال رکھا۔اللہ ضرور اسے اس نیکی کا اجر دے گا۔ہم انسان بھی کبھی کبھی جلد بازی میں بہت غلط فیصلے لے لیتے ہیں جو بعد میں پچھتاوے کا سبب بن جاتے ہیں۔اللہ ہمارے لئے بہتر فیصلہ کرتا ہے۔اس کے لکھے کو مان لینے میں ہی ہماری عافیت ہوتی ہے۔اسی میں سب کی بھلائی لکھی ہوتی ہے۔جیسے اظل اور ھین شاہ کے لئے درست فیصلہ پہلے ہی آسمانوں پر لکھا جا چکا تھا۔بس اس کو تھوڑا وقت لگ گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کی عمر اتنی ہی لکھی تھی۔زندگی نے وفا نہیں کی ان کے ساتھ اور وہ اپنی بیٹی کی خوشیاں دیکھ نہیں سکے۔مگر لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ اس بچی کو بھی صبر آجائے گا۔ابھی زخم تازہ ہے تو تکلیف زیادہ ہو رہی ہے۔میرا دل چاہ رہا ہے میں اپنی بیٹی سے ابھی بات کروں مگر شاید وہ آرام کر رہی تھی۔دواؤں کے زیر اثر ہوگی شاید۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں دل کی خواہش کو بیان کیا تھا۔

اور نفیسہ بیگم نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا تھا۔

''آپ اس کو نہیں تو اظل کو کال کر کے پوچھیں اگر وہ جاگ رہی ہے تو بات کر لیں۔ آپ کو سکون آ جائے گا ورنہ تو آپ یوں ہی بے چین رہیں گے۔'' وہ انہیں مشورہ دے رہی تھیں۔ ان کی شریکِ حیات تھیں ان کی عادت سے آگاہ تھیں۔ انہوں نے اظل کو کال ملائی تھی اور پھر سہام مرزا کی طرف فون بڑھا دیا تھا۔ انہوں نے فون ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ پھر فون کان سے لگا لیا تھا۔ دوسری تیسری بیل پر فون اٹھا لیا تھا۔

''السلام علیکم دادا جان۔ کیسے ہیں آپ؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کس قدر حساس تھے اور ھین کی وجہ سے اپ سیٹ ہو گئے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ میری فکر چھوڑو۔ یہ بتاؤ میری بیٹی کیسی ہے۔ میرا تو دل تڑپ رہا ہے اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے۔ میں تم سے خفا ہوں۔ اگر میری بیٹی جاگ گئی ہے تو میری بات کرا دو۔'' انہوں نے خفگی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

اور اظل جانتا تھا ان کا غصہ جائز تھا۔ وہ حق پر تھے۔ خفگی بے وجہ نہیں تھی۔

''لیجئے آپ ان سے بات کر لیں۔'' اس نے فون ھین شاہ کی طرف بڑھایا تھا۔

''السلام علیکم دادا جان۔ آپ کیوں فکرمند ہو رہے ہیں؟ جانتے ہیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس آپ سب کی یاد آ رہی تھی اسی لئے۔'' اس نے ان کے سوال پوچھنے سے پہلے ہی جواب تفصیلاً دیا تھا۔ کچھ پوچھنے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی تھی اس نے۔

''میری فکر چھوڑو بچے۔ آپ نے تو بالکل غیر کر دیا اپنے دادا جان کو۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟ اللہ تمہیں تندرستی دے۔ میری دعا ہے تمہیں دلی سکون ملے۔ بیٹا والدین اس دنیا میں ہوں تو بھی بچوں کی فکروں میں گھلتے رہتے ہیں اور جب اس دنیا سے چلے جائیں تب بھی اگر بچوں کو تکلیف ہوتی ہے، کوئی دکھ ہوتا ہے تو ان کی روحیں بھی اس درد کو محسوس کرتی ہیں۔ وہ بے سکون ہو جاتی ہیں لیکن جب بچے ان کے دعا کرتے ہیں تو روحوں کو سکون ملتا ہے۔ ان والدین کی روحوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ وہ جو چلے جاتے ہیں لوٹ کر واپس نہیں آتے میرے بچے۔ سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ دنیا فانی ہے۔ جلد یا بدیر ہم سب کو یہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔ جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کی یادوں سے دل کا خزانہ بھرا رہتا ہے۔ وہ لوگ یادوں میں مقید ہو جاتے ہیں۔'' وہ مدھم اور مدلل انداز میں سمجھا رہے تھے۔ ان کا لفظ لفظ اس کے اندر اتر رہا تھا اور ایک سکون اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ان کی باتوں کی صداقت سے انکار کسی طور ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکے تھے پھر دھیمے اور شفیق لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا جب دل میں یادوں کے دیئے روشن ہوتے ہیں تو اس دل میں کبھی خوف کے اندھیرے نہیں پھیل سکتے۔ اس دل میں محبت

آباد ہوتی ہے تو دل یقین کی روشنی سے روشن ہو جاتا ہے۔ تب خوف کا اندھیرا کہیں چھپ جاتا ہے۔ کونے کھدروں میں کہیں دبک جاتا ہے۔ وہ کبھی خوفزدہ نہیں کر سکتا۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی قادر ہے ہر چیز اس کی تابع ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی ہل نہیں سکتا۔ اس کی مرضی کے بغیر ایک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ سو وہموں کو دل میں جگہ مت دو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بگڑے کام بنا دیتا ہے۔ دلوں کو طمانیت سے بھر دیتا ہے۔ اس کا ذکر دلوں کو روشنی سے منور کر دیتا ہے۔ کسی بات سے کبھی خوفزدہ مت ہونا۔ آپ بہت اچھی بچی ہیں۔ بہت سمجھدار اور سلجھی ہوئی ہیں۔ آپ کو سب کی فکر ہے سب کا خیال ہے۔ آپ رشتوں میں گندھی ہوئی بچی ہیں۔ ایک عربی کہاوت ہے کہ اولاد والدین کا عکس ہوتی ہے۔ آپ بھی اپنے والدین کا عکس ہیں۔ آپ میری بیٹی ہو۔ میری دعا ہے اللہ آپ کے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ بیٹا آپ دادی جان کو اور مجھے بے حد عزیز ہو۔ میرے پوتے پوتیاں ہیں لیکن اتنی باتیں کبھی کسی سے نہیں کرتا۔ حالانکہ اظل مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے میں نے اس کی پرورش کا فرض احسن طریقے سے نبھایا ہے مگر اتنی باتیں تو میں اس سے بھی نہیں کرتا جتنی آپ سے کرتا ہوں کیونکہ آپ مجھے اظل سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ میری بہو نہیں بلکہ بیٹی جیسی ہیں۔ آپ نے ہم سب کا دل جیتا ہے۔ آپ کی تکلیف میں ہم دونوں بھی اس تکلیف اور درد کو محسوس کرتے ہیں جس سے آپ گزری ہیں۔ جب بچے خوش ہوتے ہیں تو والدین بھی خوش ہوتے ہیں اور جب بچوں کو کوئی پریشانی ہوتی ہے تو والدین کی راتوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ میرا بس چلتا تو اڑ کر اپنی بچی کے پاس پہنچ جاتا۔ لیکن صبح تک انتظار کرنا دشوار لگ رہا ہے۔ وقت جیسے تھم گیا ہے۔" انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ اورھین شاہ ان کی اتنی شفقت پر شرمندہ ہو گئی تھی۔ رات کے اس پہر وہ اس کی فکر میں جاگ رہے تھے۔ اس کی وجہ سے بے آرام ہو گئے تھے۔ کتنے شفیق لوگ تھے وہ۔ واقعی وہ درست کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ اگر کچھ لیتے ہیں تو اس کا نعم البدل ضرور دیتے ہیں۔ اس نے والدین کو کھویا تھا مگر کتنے ہی محبت کرنے والے شفیق رشتوں کو پایا تھا۔ اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ لفظ جیسے حلق میں ہی اٹک گئے تھے۔ پھر اس نے تمام ہمتیں مجتمع کر کے بمشکل کہا تھا۔

"دادا جان میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ میری وجہ سے بے آرام ہوئے ہیں۔ یہ بات مجھے شرمندہ کر رہی ہے۔ آپ سو جائیے دادا جان۔ آپ کی دعاؤں کی بدولت میں ان تمام مصائب سے مقابلہ کر پا رہی ہوں۔ آپ کی بیٹی بہادر ہے۔ وہ سب ٹھیک کر لے گی۔ میں نے آپ کے آرام میں خلل ڈالا یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا دادا جان۔ جب آپ آئیں گے تو ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ آپ کے لفظ میرے زخموں پر پھائے رکھ رہے ہیں۔ مجھے سکون مل رہا ہے۔ شب بخیر دادا جان کل بات کریں گے۔" اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ اور پھر اظل کی طرف فون بڑھایا تھا۔

"چلو اندر تم تھک گئی ہو گی۔ کل گھر چلیں گے۔ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک ہو جائے گی تو پھر مزید باتیں تفصیل سے بیان کریں گے۔" وہ اس کے تھکے تھکے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بہت پرسکون ماحول ہے۔ کھلا آسمان اور اس پر تیرتے ہوئے سفید روئی جیسے گالے اور چمکتے ستارے بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ میں ایک بات پر آج بھی حیران ہوتی ہوں۔ یہ بات مجھے سمجھ نہیں آئی کہ یہ چاند ہمارے ساتھ کیوں چلتا ہے۔ جب ہم رک جاتے ہیں تو چاند کے قدم بھی رک جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' وہ ایک آس سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی قدرے الجھی لگ رہی تھی۔

"Why does the moon follow me when I move?

میں پاپا سے بھی ہمیشہ یہی سوال کیا کرتی تھی۔'' وہ دھیمے لہجے میں پرانے وقت میں کھو گئی تھی۔

''تو پاپا کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کیا جواب دیتے تھے پھر؟'' اظل دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"Papa always smile and told to me many stories.

وہ مجھے سمجھانے کے لئے کتنی کہانیاں بنا لیتے تھے اور اس ایک سوال کا جواب سننے کے بعد فوراً دوسرا سوال داغ دیتی تھی۔ میرے سوال ختم ہونے کے نام ہی نہیں لیتے تھے۔ لیکن پاپا کبھی بھی میرے سوالوں سے تنگ نہیں آتے تھے۔ کبھی بھی چڑتے نہیں تھے۔ کبھی خفگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔'' وہ مدھم لہجے میں بتا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پرانی یادوں کے سارے رنگ جمع ہو گئے تھے۔

''میں بھی تمہارے سارے سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔

As you walk or drive along, things much closer to you like trees and houses, appear to move between you and the moo because the moon is so far away, it doesn't seem to move at all (compared to you) and appears to be following you."

وہ مدھم لہجے میں اس کے سوال کے جواب دے رہا تھا۔

''جب میں بچی تھی تو بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ تب علم ناقص تھا۔ میں ان باتوں کے مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی مگر اب سب صاف سمجھ میں آ رہا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''جب چھوٹی تھی تو لگتا تھا جیسے چاند میرے تعاقب میں نکل آیا ہے اور چھپے چھپے دبے پاؤں میرا پیچھا کرتا ہوا میرے ساتھ چلتا تھا مگر اب بھی بہت سے سوالات مجھے پریشان کرتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں تو الجھ جاتی ہوں۔'' وہ الجھی الجھی سی لگ رہی تھی۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"I love your beautiful eyes."

اس نے اچانک کہا تھا۔ توصیفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا جملہ غیر متوقع تھا۔ وہ حیران سی استفہامیہ نگاہوں سے

اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''مجھے لگ رہا تھا میرے چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی تب میں نے آنکھوں کو زور سے میچ لیا تھا۔شاید کچھ خواب جلنے سے بچ گئے تھے۔شاید ان کے رنگ آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔اسی لیے آنکھیں شاید کچھ روشن لگ رہی ہیں یا پھر چاند کی روشنی آنکھوں میں ٹھہر گئی ہے۔موجب کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' وہ وضاحت دینا ضروری سمجھتی تھی شاید تبھی کہہ رہی تھی۔تو جیحات بیان کررہی تھی۔

''جب میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے ایک جنگ جاری ہے۔جیسے بہت سے سوالات نے گھیرا تنگ کردیا ہو۔آنکھوں کو ہراساں کردیا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے آنکھیں تامل برت رہی ہوں جیسے وہ سوال آنکھوں کو اکسا رہے ہوں راستہ بدل لینے کی ترغیب دے رہے ہوں۔جب آنکھیں اچانک امڈ آنے والی نمی کو چھپانے کی تگ ودو میں مصروف عمل ہوتی ہیں لیکن جب لفظ کمزور پڑنے لگتے ہیں لفظوں کا لہجہ ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے۔ان لفظوں کی مجتمع ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔تب لفظ خاموش ہوجاتے ہیں۔ساکت ہوجاتے ہیں۔تب سارے سوال کہیں دبک جاتے ہیں اور ایک ملال آکر ٹھہر جاتا ہے۔'' وہ کمال تجزیہ بیان کررہا تھا۔وہ کچھ لمحوں کے لیے رکا تھا پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا تھا۔

''مجھے لگتا ہے جیسے ایک سرد احساس نے تمہارے دل کے گرد ایک حصار بنالیا ہے۔تمہاری آنکھوں میں ایک سرد سا احساس ٹھہر جاتا ہے۔میں جاننے سے قاصر ہوں اگر برف پگھل سکتی ہے۔آئس برگ بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں حصوں میں بٹ جاتے ہیں جب برف کے جمے ہوئے تودے اور گلیشئر پگھل کر سمندر میں گر جاتے ہیں۔جب تمام دریا سمندر میں مدغم ہوجاتے ہیں تو میں حیران ہوں تمہارے دل کے اردگرد پھیلے اس سرد حصار کو میں کیوں توڑ نہیں پارہا ہوں۔تمہارے دل میں چھپے اور کونوں کھدروں میں دبے ہوئے منجمد بھید میرے دل میں آکر پگھلنے سے گریزاں کیوں ہیں؟ اگر یہ برف پگھل سکتی ہے تو پھر یہ منجمد سے بھید حصار کو توڑنے میں اتنی مزاحمت کیوں کررہے ہیں۔اتنا تامل کیوں برت رہے ہیں۔میں تو اس حصار کو توڑنے کے جتن کرکے ہارنے لگتا ہوں۔مگر نتیجہ صفر ہے۔عقدہ کھلتا ہے کہ ڈھاک کے وہی تین پات ہیں۔معاملہ جوں کا توں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔کتنی شکایتیں در آئی تھیں اس مدھم لہجے میں۔

''مجھے تو لگتا ہے میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے کہ ستارے کہاں ہیں۔چاند کہاں ہے حتی کہ آسمان کہاں ہے۔مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔مجھے لگتا ہے میں نے وہ نقشہ کہیں کھودیا ہے جس میں تمہارے دل تک جانے کا راستہ تھا۔وہ راستہ، وہ گزرگاہ جس پر چل کر میں تمہارے دل کو گرما سکتا تھا، پگھلا سکتا تھا، ان منجمد بھیدوں کو رسائی کا ذریعہ بنا سکتا تھا مگر تمہارے الفاظ غلطی سے راستہ بھٹک کر مجھ تک آگئے ہیں۔ان کی گونج تادیر پھیلتی رہتی ہے۔بازگشت اب بھی سنائی دے رہی ہے۔تمہاری خاموش خفگی سب کچھ کہہ رہی ہے۔میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ان فاصلوں کو بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔میں تمہارے خاموش لفظوں کو تھام کر اس بہاؤ میں بہنا چاہتا ہوں۔تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں سمیٹ لینا چاہتا ہوں۔تمہیں بھی گرنے نہیں دوں گا۔میں بھروسہ تمہیں سونپنا چاہتا ہوں۔ایک یقین ان آنکھوں

میں بھر دینا چاہتا ہوں تا کہ یقین کی حدت سے دل کا سرد حصار پگھل جائے اور تمہارے دل کا منجمد گلیشئر میرے دل کے سمندر کی طغیانی میں اضافہ کر دے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ وہ خاموش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اظل کی آنکھوں میں بے چینیاں سوا تھیں۔

''تمہاری شور مچاتی نگاہوں نے میرے شک پر یقین کی مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ جب صاحب ظاہر ہو گیا ہے ان آنکھوں میں ایک حیرانی سی ٹھہر گئی ہے۔ عقدہ یہ کھلا ہے کہ انہوں نے مجھے شکوک وشبہات کو یقین کی سند دے کر ثابت کر دیا ہے کہ میری ناکامی طے ہے کیونکہ جب بولتے لفظ اچانک ساکت ہو جائیں، جب ان لفظوں کے قدم رک جائیں، تھم جائیں تو ایک گہرا سکوت چھا جاتا ہے۔ یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس خاموشی میں سکون نہیں بلکہ ایک بے سکونی سرایت کر جاتی ہے اور اس سکوت سے خوف آنا شروع ہو جاتا ہے اور لفظوں کے قدم زمین کے ساتھ بندھ جاتے ہیں۔ لفظ ہراساں سے خاموشی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔'' مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔ اپنی ناکامی کا کھلا اعتراف تھا۔

"I'm crestfallen as I'm feeling I have completely failed, my heart is tumbling down why can't I melt the ice around your heart till yet? And your silence saying the reason of my failure."

وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہا تھا۔ اپنی ناکامی کو تسلیم کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ گھمبیر تھا۔ اورھین شاہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس کا دل اس کی تکلیف پر ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔ اسے اس کا شکست خوردہ لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ مضبوط سا انسان اس لمحے بہت ٹوٹا پھوٹا اور بکھرا ہوا سا لگ رہا تھا جیسے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

''خاموشی کے اندر بہت سے اسرار و رموز ہوتے ہیں۔ اگر خاموش ہیں تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ میں وضاحتیں دینے کی قائل نہیں ہوں۔ مگر آپ کی خود ساختہ سوچیں غلط راستوں پر چل نکلی ہیں۔ آپ ان سوچوں کو تنبیہ کیوں نہیں کرتے؟ سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟ کبھی کبھی خاموشی کو ہاں یا ناں کے پیمانوں پر پرکھ نہیں سکتے۔ خاموشی میں چھپے رازوں کو صرف ہاں یا ناں کی کسوٹی پر جانچ نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے اس خاموشی میں کچھ گلے ہوں۔ کچھ شکوے ہوں۔ کچھ شکایتیں ہوں۔ اگر آپ کی سوچیں اس نہج تک نہیں سوچ سکتیں اور آپ اپنی شکست کو تسلیم کر رہے ہیں تو یہ اپنی کمزوری کا کھلا اعتراف ہے اور مجھے کمزور لوگوں سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ہے۔ نا ہی آپ کوئی توقع رکھیے گا۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہی تھی۔ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ اسے برا لگا تھا۔ شاید اس کا شکست خوردہ لہجہ یا اس کا بکھرا ہوا سا انداز۔

وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اس بیماری میں اس کی تمکنت بھرا لہجہ اتنا ہی پرغرور تھا۔ آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا۔ جیسے ایک ہی

جست میں ساری دنیا کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔اس کے لہجے سے اور آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اظل کی بات کچھ خاص بھائی نہیں تھی۔اظل اس کی طرف دیکھتے ہوئے شاید نتیجے تک پہنچ گیا تھا۔وہ اس کی آنکھوں سے معنی اخذ کر رہا تھا۔ھین اس کی نگاہوں کی حدت اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔اس سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔وہ ایک ٹک سے دیکھے جا رہی تھی۔وہ اٹھی تھی اور شاید وہ منظر سے ہٹ جانا چاہتی تھی مگر اظل نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس کے مقابل کھڑا اسے ساتھ لیے دو قدم چلتا ہوا گلاس بالکونی کی طرف بڑھا تھا۔

''تم نہیں جانتیں ھین شاہ۔میرا دل بے یقین ہونے لگتا ہے۔اچانک ہی وحشتوں سے بھر جاتا ہے۔تمہیں کھونے کا سوچ کر ہی اس کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگتی ہیں پھر ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے اچانک میرا دل ٹکڑوں میں بٹنے لگتا ہے۔میں وہ تمام ٹکڑے جمع کر کے تمہیں دینا چاہتا ہوں۔تم ان تمام ٹکڑوں کو اپنی محبت کے دھاگوں میں پرو کر رفو کر دو۔تم تو رفو گری کے فن سے آشنائی رکھتی ہو۔خدشات نے جو میرے دل کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ان ٹکڑوں کو محبت کے دھاگوں سے سلائی کر دو۔ان میں یقین کی زندگی بھر کر اسے پھر سے زندہ کر دو۔اس کی جراحت کر کے اس کو زندگی کی طرف واپس لے آؤ۔ان جراحت کے نشانوں کو ہاتھ رکھ کر مٹا دو۔میں جانتا ہوں تمہارے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔کیونکہ تم اختیار رکھتی ہو تو پھر یہ تامل کیوں؟ پھر یہ تعرض کیوں؟ جب تمہارے لیے یہ ناممکنات میں شمار نہیں ہوتا پھر ہچکچاہٹ کیوں ہے؟ جب میں قیاس کرتا ہوں تمہیں برا لگتا ہے۔وضاحت تمہیں قبول نہیں۔کوئی معنی اخذ کروں تو تم رد کر دیتی ہو۔میں جاننے سے قاصر ہوں آخر ماجرا کیا ہے۔تم مسلسل مجھے حیرت کدوں میں دھکیل رہی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔مدھم لہجے میں بے شمار شکایتیں تھیں مگر آنکھوں میں امید کے دیے روشن تھے۔اچانک ہی پانسہ پلٹا تھا اور بازی اس کے ہاتھ آ گئی تھی۔

"You know Hayyin Shah you uncovered what's beneath my skin, there's no doubt your touch will heat it. I have given all pieces of broken heart in your hands and I believe there's nothing which you can't fix it. You can mend my heart stich by stich, so repair one, I'm still afraid of fallen so don't ever let me go."

وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔مگر اس کے لہجے میں وہ بے خدشات ھین شاہ سے جیسے چھپے نہیں رہے تھے۔اس نے ترش لہجے میں کہا تھا۔

''آپ کے ارادے ریت کی دیوار کی طرف ثابت ہوتے ہیں۔آپ کے قول و فعل میں تضاد واضح طور پر نظر آتا ہے۔ایک طرف تو آپ مجھے جاننے کے دعوے دار ہوتے ہیں اور دوسری طرف شک کی آگ میں جلتے ہیں اور حاسد بن کر فیصلے سنا دیتے ہیں۔باتیں تو عشق کی کرتے ہیں مگر راستے کی صعوبتیں برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔اپنے نوکیلے لفظوں سے دوسروں کی روح تک چھلنی کر دیتے ہیں اور خود

ایک کانٹا چبھنے پر بھی واویلا مچا دیتے ہیں۔آپ کے ارادوں کے پہاڑ ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔آپ کی متضاد سوچیں سارے فساد کی جڑ ہیں۔جو یقین کو پنپنے نہیں دیتیں۔'' وہ ترش لہجے میں حتمی رائے دے رہی تھی۔اس کا مدلل لہجہ کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔

اور اسے مان لینے میں ذرا بھی تعامل نہیں تھا کہ اگر دل ڈوبا تھا تو اس کا ڈوبنا طے تھا کیونکہ وہ بلا کی ذہین تھی۔اس کا تجزیہ کمال تھا۔ایک خفیف سی مسکراہٹ اظل کے لبوں پر آ کر معدوم ہوگئی تھی۔اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔اس کی طرف بغور دیکھتا ہوا دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔یہ بات قابل اطمینان تھی۔قدرے طمانیت کا باعث تھی کہ وہ اس ذہنی اذیت والے دور سے نکل آئی تھی اور اس کا ردعمل فوری طور پر بدلا تھا اور یہ بدلاؤ قدرے بہتر تھا۔

''کیا تم اب تک انجان ہو حین شاہ؟ کیا اب بھی اس بات سے غافل ہو کہ فیصلے جب آسمان پر سے اترتے ہیں جب فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں تو اس کے حکم کے آگے زمین کی جسارت نہیں کہ کوئی حکم عدولی کی جائے۔جب آسمان اپنا فیصلہ سناتا ہے تو زمین ہزار تاویلیں بھی دے تو آسمان ان دلیلوں کو رد کر کے کالعدم قرار دے دیتا ہے۔تب زمین کے حیلے بہانے کام نہیں آتے کہ آسمان زمین کی وکالت میں آئے اوہام کو دور بھگا دیتا ہے۔کوئی حسد اور شک قریب پھٹکنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔سب ناچاہتے ہوئے بھی مانتے ہی بنتی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر یقین تھا۔اسے باور کرا رہا تھا۔اسے جتانے کی بھرپور سعی کر رہا تھا اور وہ اس کے مسکرانے پر چڑ گئی تھی۔

''ضروری نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ درست بھی ہو۔آپ اپنی بات منوانے کی بھرپور کوشش کرنے کی تگ و دو میں جت گئے ہیں۔مگر ضروری نہیں اس پر اعتبار بھی کیا جائے۔آپ کی باتوں پر اعتبار کرنا دشوار ترین عمل ہے۔'' اس نے چڑ کر کہا تھا۔اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

''میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو شفق کے سارے رنگ پھیلتے نظر آ رہے ہیں۔لگتا ہے جیسے دور چمکتے ستاروں کی شاہراہ پر خوابوں نے قدم رکھ دیئے ہیں۔جنوں کے سلگتے سینے کے مہیب سناٹے اچانک خوابوں نے مدھم سرگوشیوں میں ایک ہلچل مچا دی ہے۔تم نے حیرانگی سے پلکیں جھپکی ہیں تو لگتا ہے جیسے فرشتوں نے پر پھڑ پھڑائے ہوں اور پھر آہستگی سے انکے نرم پر کھل گئے ہوں۔شفاف آنکھوں کی پتلیوں کو دیکھ کر لگ رہا ہے جیسے دل کی تمام کدورتیں دھل گئی ہوں۔ان روشن شاہراہوں پر خوابوں کا رواں زندگی کی سحر کا سراغ دے رہا ہے۔آنے والے روشن رنگین پلوں کی نشاندہی کر رہا ہے۔بس کچھ ہی قدم پر منزل سامنے کھڑی نظر آ رہی ہے۔بس چند قدم کا فاصلہ درمیان حائل ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا۔دل کی داستانوں کو لفظوں میں ڈھال رہا تھا۔

حین شاہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو جانے کون سے جہاں کے قصے اسے سنا رہا تھا۔وہ ٹکٹکی باندھے ایک تسلسل سے اسے دیکھ رہا تھا اور حین شاہ نے خجل سے انداز سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کا چہرہ جلنے لگا تھا۔اس نے نگاہیں آسمان پر جما دی تھیں۔

''آپ جانتے ہیں جو لوگ ہم سے بچھڑ جاتے ہیں ہم سے دور چلے جاتے ہیں وہ دراصل کہیں نہیں جاتے ہمارے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے مگر محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کی باتیں ان کی یادیں بن کر ہمارے دل میں گھر کر لیتی ہیں۔ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں مگر ہمارے دلوں میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور آسمان پر جب بھی چمکتے ستاروں کو دیکھتے ہیں تو ان روشن ستاروں کو ان یادوں میں اور بھی روشنی بھر جاتی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ دوبارہ اسی موضوع پر پلٹ آئی تھی یا پھر اس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے اس نے موضوع یکسر بدل دیا تھا۔

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ جانے والے لوگ چلے جاتے ہیں لیکن ذہن و دل پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ جیسے ماما پاپا اور میری ممی۔'' وہ دھیمے لہجے میں اس کی تائید کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دکھ ٹھہر گیا تھا۔

''چلئے اب باقی باتیں پھر کیجئے گا ابھی آپ تھک چکی ہونگی۔ آپ کی آرام کی ضرورت ہے۔ تندرستی کے لئے آرام ضروری ہوتا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں نا آپ کو بہت سارے کام کرنے ہیں۔ اس طرح بیمار پڑ جائیں گی تو وہ سارے کام رک جائیں گے۔'' اس نے کہا تھا۔ اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں جب دادی جان کا انتقال ہوا تھا اور پاپا بے حد دکھ اور کرب کی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ وہ مہینوں ملول سے رہے تھے۔ چپ چاپ اندر ہی اندر گھٹتے رہتے تھے۔ اپنا دکھ ہم سے نہیں کہتے تھے۔ وہ خود کو قصوروار ٹھہراتے تھے۔ ان کو دن رات ملال ستاتا رہتا تھا اور اس رات جب وہ ٹیرس پر بیٹھے آسمان کو ستاروں سے بھرا دیکھ رہے تھے اور ممی کافی بنانے کے لئے گئی تھیں تب وہ دادی جان کا ذکر کرتے ہوئے ایسے ہی ملول ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک ایسا ہی دکھ ٹھہر گیا تھا جیسے ابھی آپ کی آنکھوں میں اچانک ہی در آیا ہے۔ آپ میں پاپا میں بہت یکسانیت اور مماثلت نظر آتی ہے اس لمحے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے دکھ کر محسوس کرتے ہوئے آپ کا دکھ اس میں در آیا ہے اور تکلیف کا احساس کچھ اور بھی بڑھ گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں تجزیہ بیان کر رہی تھی۔ مدلل لہجے میں اس کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی تکلیف کو محسوس کر گئی تھی۔

اور اظل نے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ بے حد حساس تھی۔ وہ جان گیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف بڑھا تھا۔ سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی زندگی میں ایک وقت جیسے ٹھہر جاتا ہے۔ ہزار کوشش کر بھی لیں لیکن وقت کے قدم ساکت ہو جاتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے وقت کی رفتار تھم جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وقت رک گیا تھا۔ حمیرا بیگم کو اپنے بیٹے کے بغیر خود کو بے بس سا محسوس کر رہی تھیں۔ اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ رات اسے کتنی ہی بار ٹرائی کیا تھا مگر وہ کال پک نہیں کر رہا تھا۔ حمیرا بیگم کی پریشانی

بڑھتی جارہی تھی۔ پوری رات آنکھوں میں گزر گئی تھی۔ فکر سے برا حال تھا۔ حیدر شاہ کو بتا نہیں سکتی تھیں۔ انہوں نے عمیر کو جانے سے بارہا روکا تھا مگر حمیرا بیگم نے اس کی پرزور حمایت کی تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر ٹرائی کیا تھا۔ دوپہر ہونے کو آئی تھی اور ان کے حلق سے ایک نوالہ نہیں اترا تھا۔ جانے وہ کس حال میں ہوگا۔ بیٹے کی فکر انہیں بے حال کر رہی تھی۔ اسے بھیج کر اب پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔ وقت چیونٹی کی رفتار سے چل رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ کاٹنا محال لگ رہا تھا۔ مسلسل بیل جانے کے باوجود اس نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ انہوں نے ہمت ہار کر فون ایک طرف رکھ دیا تھا پھر کچھ سوچ کر فون دوبارہ اٹھایا تھا اور کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری بیل پر ہی کال پک کر لی گئی تھی۔

''ہیلو السلام علیکم آنٹی۔ کیسی ہیں آپ؟'' فضا نے پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ عمیر سے بات ہوئی تمہاری؟ میں پریشان ہوں۔ کل رات سے مسلسل کال کر رہی ہوں مگر وہ کال پک نہیں کر رہا تھا۔ میں اس کے پاپا کو بتا نہیں سکی وہ پریشان ہو جائیں گے۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہا تھا۔

''آنٹی میں نے رات کو اس سے بات کی تھی۔ وہ ٹھیک ہے کہیں بزی ہوگا۔ میں ائیر پورٹ پر ہوں۔ میری فلائیٹ ہے۔ ہوسکتا ہے وہ سویا ہوا ہوگا۔ آپ جانتی ہیں نا وہ کتنی گہری نیند سوتا ہے۔ میں جاتے ہی اسے کونٹیکٹ کروں گی۔ ابھی آپ کھانا کھائیں اور فکرمند مت ہوں۔ وہ آپ کو کتنا عزیز ہے اس کا اندازہ ہے مجھے۔ کل رات جب بات ہوئی تو کتنی دیر تک وہ بھی آپ کی باتیں کرتا رہا تھا۔'' وہ ان کا دھیان بٹانے کی خاطر کہہ رہی تھی۔

''جیتی رہو میری جان۔ جیسے ہی اس سے رابطہ کرو گی مجھے ضرور بتانا۔ جب تک اس سے بات ہو نہیں جاتی میری جان کو تو سکون نہیں ملے گا۔ چلو ٹیک کیئر۔ اپنا خیال رکھنا۔ خیر خیریت سے منزل مقصود تک پہنچو۔'' انہوں نے دعا دی تھی اور کال Disconnected کر دی تھی۔ اس سے بات کرتے ہوئے وہ مزید الجھ گئی تھیں۔ اگر اس سے بھی رابطے میں نہیں تھا تو پھر کہاں تھا۔

تبھی فون کی اسکرین پر اس کا نام ابھرا تھا اور انہوں نے بے چینی سے کال پک کی تھی۔

''کہاں تھے تم؟ کال کیوں پک نہیں کر رہے تھے؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟ میں کس قدر فکرمند ہو گئی تھی تمہیں تو اندازہ ہی نہیں۔ میری تو جان پر بن آئی تھی۔ کیسے بتاؤں دل میں کتنے برے برے خیال آرہے تھے۔'' وہ ایک ہی سانس میں بے قراری سے کتنے سوالات پوچھ رہی تھیں اور دوسری طرف وہ شاید عادی تھا اس طرح کے برتاؤ کا۔ وہ اپنی ماں سے واقف تھا۔ وہ اس کے لئے کس قدر Possessive تھیں۔

''آپ کتنا پریشان ہو جاتی ہیں نا اور پھر ساتھ ہی اپنی اس پارٹنر کو بھی ملا لیتی ہیں۔ ابھی دیکھ لیں کال کر کے اس نے جگا ہی دیا مجھے۔ کل رات دیر سے آیا تھا گھر۔ آپ کا کام کرنا چاہتا تھا۔ اس کو تھوڑا سا ڈرا دیا تھا اور وہ تو میرے اندازے سے بھی زیادہ کمزور نکلی۔ آپ خواہ مخواہ اس سے خوفزدہ ہیں، اسے اپنے لئے خطرہ سمجھتی ہیں۔ میں نے ایک دھمکی دی تو اس کی جان پر بن آئی۔ ہاسپٹل میں پہنچ گئی۔ میرا

دل تو ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا۔ مجھے تو تمام عمر ایک ملال اور پچھتاوا ستاتا رہتا۔ رات بھر خود سے جنگ کرتا رہا ہوں۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میں بابا جان کے عتاب سے کیسے بچتا۔ انہوں نے مجھے زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔ ان سے جھوٹ بول کر آیا تھا۔ اگر ان کو خبر ہو گئی تو ان کی لاڈلی کو نقصان پہنچانے میں میرا ہاتھ ہے تو وہ تو مجھے صفائی کا کوئی موقع نہیں دیں گے۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی وارن کیا تھا کہ ان کی لاڈلی سے دور رہوں مگر وہ نہیں جانتے اپنی چیز سے دستبردار ہونا کس قدر دشوار عمل ہوتا ہے۔ ان کو سمجھانا ناممکن ہے۔ اس نے آپ کا ذہنی سکون برباد کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے آپ ایک کرب اور اذیت سے گزر رہی ہیں۔ میں کیسے بھول جاؤں۔ یہ سب سوچتا ہوں تو اس کو مزید تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ اس کو ایسی اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتا ہوں جس سے آپ گزر رہی ہیں۔ وہ بچ گئی ہے۔ صد شکر اس نے موت سے مقابلہ کر لیا ہے اور اب وہ بھی اسی اذیت سے گزر رہی ہے۔ اسی کرب کو سہہ رہی۔ اپنوں کو کھو دینے کے خوف سے بے حال ہے۔ آپ کا انتقام ضرور پورا ہوگا۔ میں اسے پل پل اس تکلیف سے گزرتے دیکھنا چاہتا ہوں جس سے آپ گزری ہیں۔ جس سے زرتاج خالہ کو گزرنا پڑا ہے۔'' اس کے لہجے میں ماں کا دکھ بول رہا تھا۔

''میرے بچے تمہاری آواز سن کر میرے اندر جیسے زندگی دوڑ گئی ہے۔ میں پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔ کوئی بھی چیز تم سے بڑھ کر ہر گز نہیں ہے۔ تم میری زندگی ہو۔ میری سانسیں تم سے جڑی ہوئی ہیں۔ میں اتنی اذیت اور کرب سے تب بھی نہیں گزری تھی جتنا کل رات سے لے کر اب تک گزری ہوں۔ ہزاروں طرح کے برے خیال دل کو ہراساں کر رہے تھے۔ ایک ایک پل گن کر گزارہ ہے میں نے۔ تم نے میرا انتقام پورا کرنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے تم ضرور اس میں کامیاب ہو گے۔ مگر اپنا خیال رکھو۔ آئندہ کبھی ایسا مت کرنا۔ کہیں بھی رہو لیکن رابطے ضروری ہیں۔ رابطوں سے واسطے بنتے ہیں۔ درمیان میں رابطہ نہ ہو تو لگتا ہے جیسے صدیاں حائل ہو گئی ہوں۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے تمہاری آواز سن کر دل کو قرار آ گیا ہے۔ میری ممتا کو سکون مل گیا ہے۔ جیتے رہو۔ خوش رہو۔ چلو تم آرام کرو ابھی میں کھانے کا دیکھوں۔ حیدر شاہ آ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیں گے۔ تم تو آگاہ ہو نا ان کی عادت سے۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات ان کو گوارہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہنے کے ساتھ ہی کال Disconnected کر دی تھی اور پھر تیزی سے کچن کی طرف بڑھی تھیں۔ بیٹے سے بات کر کے دل کو اطمینان نصیب ہوا تھا وہیں ایک بات بے چین کر رہی تھی کہ وہ پھر سے بچ گئی تھی۔ ان کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے ابھی بھی زندہ تھی۔ ان کے دماغ نے پھر تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وقت خوف کو اپنے ساتھ باندھ لے آتا ہے اور دل کو دبوچ کر ایک لمحے کے لئے ساکت کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ رات وہ حسین شاہ کو سلا کر کتنی ہی دیر اس کے پاس بیٹھا اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ اور پھر اطمینان کر لینے کے بعد اٹھا تھا اور چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اس کے آرام میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر تک سوتا رہا تھا۔ لیکن

وہ اچانک جاگ گیا تھا جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا۔اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون اٹھا کر وقت کا اندازہ کرنا چاہا تھا اور پھر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جیسے اسے حواس بحال ہونے کے بعد پہلا خیال اس دشمنِ جاں کا آیا تھا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔ تبھی ارحم سہام مرزا کی کال آ گئی تھی۔اس نے چلتے چلتے کال پک کی تھی اور Skype پر Cam آن کیا تھا۔

''بھائی کیسے ہو آپ.....آپ کو مس کر رہا تھا اور بھابھی کی خیریت بھی دریافت کرنی تھی اسی لیے کال کیا۔یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔آپ تو بالکل مجنوں بن گئے ہیں۔دیکھئے چاچو جان میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''اس نے کیمرے کا رخ ساتھ بیٹھے چاچو کی طرف کر دیا تھا جو اپنے بھتیجے کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے۔انہیں اپنا یہ بھتیجا بے حد عزیز تھا۔وہ فطرتاً ان کا ہمزاد تھا۔

''بیٹا میری بہو کیسی ہے اب۔تم ٹھیک سے اس کا خیال تو رکھ رہے ہو نا؟ وہ بہت اچھی بچی ہے۔حساس دل مگر بے حد سمجھدار۔تم دونوں کی جوڑی بے مثال ہے۔اسد بھائی نے بہترین فیصلہ کیا ہے۔اپنی بہو سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔بیٹا چھوٹی چھوٹی پریشانیاں تو انسان کا امتحان ہوتا ہے لیکن ان پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا پڑتا ہے۔جوان پریشانیوں اور کٹھنائیوں کا مقابلہ کر کے جانفشانی سے نکل آتا ہے وہ ہی انسان زندگی میں کامیاب رہتا ہے اور بہادر لوگوں کو ان امتحان سے گزرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔وہ ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ان مصائب سے گھبرانا قطعی نہیں۔یہ وقتی پریشانی ہے مگر ساری زندگی بہت سہل گزرنے والی ہے۔اس کی میں ابھی سے پیشن گوئی کرتا ہوں۔''انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ وہ اس کی ہمت بندھا رہے تھے۔

''جی چاچو آپ درست کہہ رہے ہیں۔آپ کی باتوں نے میرے اندر نئے حوصلے بھر دیئے ہیں۔آپ کا شکریہ چاچو۔میں ابھی دروازے پر کھڑا ہوں۔کچھ دیر بعد آپ کی بہو سے بات کراؤں گا۔وہ آرام کر رہی تھی۔رات سے فون کالوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔اس کے آرام کے خیال سے میں نے کسی سے بات نہیں کرائی سوائے دادا جان کے۔ان سے بات کرنے کے بعد وہ قدرے اطمینان سے سو گئی تھی۔سو یہ اچھا ہی ہوا تھا۔''وہ مدھم لہجے میں اور مؤدب انداز میں انہیں آگاہ کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا میں سمجھ سکتا ہوں۔تم کال بند کرو اور اس کو میڈیسن ٹائم پر دینا اس کو خوش رکھنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ایک ذرا سی پریشانی اس کو انتہائی تکلیف پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔مجھے امید ہے تم کبھی اس کے بارے میں کوئی کوتاہی کا مظاہرہ ہرگز نہیں کرو گے۔میں فون رکھتا ہوں۔بعد میں بات کریں گے۔''انہوں نے فون Disconnected کر دیا تھا۔

اور اظل سہام مرزا نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔پھر ہلکی سی دستک دی تھی۔وہ نہیں جانتا تھا وہ سو رہی تھی یا جاگ گئی تھی۔مگر اس کا دل طوفان مچا چکا تھا۔اس کا خیال ہی اس کی دھڑکنوں میں طغیانی برپا کر چکا تھا۔وہ دروازہ کھلنے کے انتظار میں کھڑا تھا مگر دوسری طرف کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔کوئی آواز نہیں تھی۔اظل کا دل اچانک ہی خوف سے بھر گیا تھا۔دوبارہ دستک دی تھی مگر

پھر کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے جیب سے کارڈ نکال کر دروازے کا لاک کھولا تھا اور پھر اندر داخل ہوا تھا۔ مگر خالی بیڈ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ساکت قدموں اور ساکت دل کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے قدم جیسے زمین کے ساتھ ہی بندھ گئے تھے۔ کہاں جا سکتی تھی وہ۔ وہ اتنا لاپرواہ کیسے ہو سکتا تھا اسے سوتا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا کر پرسکون نیند سو گیا تھا۔ کتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا تھا اور اب نتیجہ اس کے سامنے تھا۔ اس نے واش روم میں دیکھا تھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا کوریڈور کی طرف بڑھا تھا مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا۔ اس نے اس کو کال کی تھی مگر اس کا نمبر بند مل رہا تھا۔ اس کا فون سوئچڈ آف تھا۔ اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک پچھتاوے نے اس کے اردگرد حصار باندھ دیا تھا۔ دل مشکلات میں گھر گیا تھا۔ ایک حشر برپا ہو گیا تھا۔ اس کو کھو دینے کا خوف ہی اس کی دھڑکنوں کو منجمد کر رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا گاڑی تک پہنچا تھا اور ڈرائیور کو ایڈریس بتا کر وہ مسلسل رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف عمل تھا۔ لیکن جواب ناپید تھا۔ اسے رہ رہ کر اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے حد سے زیادہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اس کی وجہ سے کرب سے گزر رہی تھی۔ اس نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا اعتبار جیتنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کو عفان ضیاء ہاشمی کے ساتھ دیکھ کر شک اور حسد میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور اس کو بتا بھی دیا تھا۔ وہ کس قدر حیران تھی۔ کتنی ہی دیر تک اس کی طرف خاموشی سے اور بے یقین نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ جیسے وہ بھی یہ توقع نہیں کرتی تھی کہ وہ اس پر یوں شک بھی کر سکتا تھا۔ اس بات نے اس کو بری طرح ہرٹ کیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی۔ کل رات جب وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ لایعنیاں، بے معنی، بے ربط باتیں، چند باتوں کے وہ معنی اخذ کر پایا تھا اور چند باتیں بہت سے معنی لیے ہوئے تھیں جن کی گہرائی تک وہ نہیں پہنچ سکا تھا۔ وہ اس کی تکلیف پر روئی تھی۔ اس کی مرنے کی بات سن کر کس قدر اپ سیٹ ہو گئی تھی۔ عمیر شاہ نے اسے خوفزدہ کیا تھا۔ وہ بہادر تھی۔ اس سے ڈرنے والی نہیں تھی مگر ضرور اس نے کوئی ایسی بات کہی تھی جس نے اس کے اندر خوف بھر دیا تھا اور اس سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل سوچوں میں غوطہ زن تھا۔ دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔ عفان نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ گاڑی ایڈریس کے سامنے رکی تھی۔ وہ تیزی سے اترا تھا اور بھاگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا اور دروازے پر زور زور سے دستک دی تھی جیسے وہ اپنی قسمت کے دروازے پر دستک دے رہا تھا جسے اس نے اپنے ہاتھوں بند کر دیا تھا۔ لیکن دوسری طرف کوئی جواب نہیں تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **بارہویں قسط** اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

اس نے دوبارہ دستک دی تھی اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا۔ تمنا بی بی سامنے کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر ایک طرف ہو کر اسے اندر داخل ہونے کا راستہ دیا تھا۔

''تمنا بی بی حمین شاہ کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''بیٹا وہ ٹھیک ہے۔ جب سے آئی ہیں نجانے کن کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ میری تو ایک نہیں سنتیں۔ کہہ رہی تھیں دادا جان اور دادی جان آرہے ہیں انہیں بہت سارے کام کرنے ہیں۔ بہت ساری تیاریاں کرنی ہیں۔ میں نے مدد کرنے کی کوشش کی تو مجھے منع کر دیا انہوں نے۔ ابھی اپنے کمرے میں گئی ہیں۔ آپ مل لیں ان سے۔'' تمنا بی بی نے تفصیلاً آگاہ کیا تھا۔ ان کے لہجے میں حمین کے لئے فطری ممتا صاف جھلک رہی تھی۔ وہ شایان شاہ اور حسنہ شاہ کی خیر خواہ تھیں۔ شایان شاہ کو انہوں نے پالا تھا اور جب وہ لندن آئے تھے تو ان کے ساتھ ہی چلی آئی تھیں۔ انہوں نے شایان شاہ کی پرورش میں اپنا کردار بخوبی نبھایا تھا اور پھر حمین شاہ کو بھی اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا۔

''حمین بہت ضدی ہے۔ بالکل اپنے باپ پر گئی ہے۔ شایان بھی ایسا ہی تھا۔ جب کوئی ضد کرتا تو اسے پوری کر کے چھوڑتا تھا۔ اس کو لاکھ منع کر لو مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔ ابھی بھی وہ کسی کی نہیں سن رہی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے دادا جان اور دادی جان کی وہ ضرور سنے گی۔ کیونکہ وہ ان کا بہت احترام کرتی ہے۔'' انہوں نے حمین کی طرف داری کی تھی اور اس کی خیریت کا سن کر اظل سہام مرزا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا تھا۔ پورا راستہ جانے کتنے ہی برے خیالات نے اس کے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔ اس کی سوچوں کا رخ موڑ دیا تھا جس کو سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا ہوتا تو پھر..... اس کے آگے وہ مزید کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس دشمنِ جان کی خیریت کا سن کر کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا اور اس نے تمنا بی بی کی طرف دیکھا تھا جو اس کی طرف آس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ اظل جانتا تھا ان کا مقصد اسے سمجھانا اور آگاہ کرنا تھا کہ وہ اس کو نرمی سے سدھارنے سے کوشش کرے۔ وہ ان کے خدشات سے آگاہ تھا۔ تبھی مسکرا دیا تھا۔

''آپ کی بیٹی نے تو میری جان نکال دی تھی تمنا بی بی۔ آپ اچھی سی کافی بنائیے تب تک میں آپ کی بیٹی کی کھنچائی کرتا ہوں۔ ان کی کوئی کل ضروری ڈھیلی ہے۔ بہت ہی خودسر ہیں۔ اپنی مرضی کر کے ہی دم لیتی ہیں۔ ان کو سدھارنا ضروری ہے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں اچانک سے ایک چمک در آئی تھی۔ شاید وہ اس دشمن جان کا ذکر کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں بات کر رہا تھا جس نے چند لمحے پہلے اس کی جان مشکل میں کر دی تھی۔

''وہ ابھی بچی ہے۔ ناسمجھ ہے اور پھر اچانک سے اس پر جو افتاد پڑی ہیں انہوں نے مل کر اسے پریشان کر دیا ہے۔ ایک ذہنی اذیت سے دوچار کر دیا ہے۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بہت بہادر ہے۔ معصوم سی بچی پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ یہ تو

فطری سی بات ہے۔کوئی بھی ہوتا اس کی جگہ تو شاید اتنا کچھ سہہ نہ پاتا مگر وہ مضبوط اعصاب کی مالک ہے۔شاید کسی طرح تبھی یہ سب جھیل گئی ہے۔ مگر عمیر شاہ نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔میری بچی نے بہت تکلیف برداشت کی ہے۔آپ اس کا بہت خیال رکھنا۔شایان شاہ کو آپ پر بہت بھروسہ تھا۔ایک آپ ہی ہی جو اس کو سنبھال سکتے ہیں۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہا تھا اور اظل نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور دلاسہ دیا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا تھا۔اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی مگر کوئی جواب نہیں موصول ہوا تھا۔پھر اس نے نوب پر ہاتھ رکھ کر گھمایا تھا اور دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔اس نے قدم اندر رکھے تھے مگر وہ اندر نہیں تھی۔وہ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔اس کی ایک چیز کو چھو کر اس کی خوشبو کو اپنے اندر جذب کیا تھا۔آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تھا تبھی واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ باہر نکلی تھی اور پھر اسے وہاں کھڑا ہوا دیکھ کر اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے تھے۔اظل اس طرح کھڑا رہا تھا آہٹ پر بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔آئینے میں اس کا عکس واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔اس کا ہراساں سا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔وہ نہا کر نکلی تھی۔ گیلے بال چہرے پر چسپاں تھے۔

''تم وہیں کیوں رک گئیں حین شاہ۔مجھے یہاں دیکھ کر حیران کیوں ہو تم؟ مجھے تو تمہاری تلاش میں نکلنا ہی تھا نا اور تلاش کا عمل چاہے کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو مگر منزل پر پہنچ کر ساری تھکن اور کوفت کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور جب منزل اتنی خوبصورت ہو تو پھر کسی تھکن اور راستے کی صعوبتوں کا تو ملال بھی نہیں رہتا۔تمہیں دیکھ کر اس بات کا یقین ہونے لگا ہے۔'' وہ پلٹا تھا اور اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کو دیکھ کر آنکھوں کی چمک میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور حین شاہ کو شاید توقع نہیں تھی اس کو اتنی جلدی تلاش کر کے اس تک پہنچ جائے گا۔تبھی تو ہراساں سی کھڑی تھی مگر یہ احساس وقتی تھے جنہوں نے اس پر غلبہ پا لیا تھا۔اس نے سر جھٹک کر خود کو اس کے اثر سے نکالا تھا اور پھر اس کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور پھر ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش اٹھا کر بالوں کو سلجھانے کی کوشش کی تھی۔اس کا سارا غصہ شاید بالوں پر اتار رہی تھی۔تبھی تو بالوں کو بے وجہ مزید الجھا دیا تھا۔اس کو سامنے دیکھ کر دل کی حالت غیر تھی۔دھڑکنوں میں اچانک ارتعاش بڑھ گیا تھا مگر وہ اس پر کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کی مشکلوں میں اضافہ کر چکا تھا۔صبح جب وہ جاگی تھی تو اس کو اپنے ساتھ نہ پا کر پریشان ہو گئی تھی۔پھر اس کو تمام باتیں یاد آنے لگی تھیں۔وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھی تھی اور اس کو پرسکون انداز میں سوتا دیکھ کر پلٹنے لگی تھی تبھی اس کی نظر اس کے فون پر پڑی تھی جو مسلسل بج رہا تھا۔وہ اس کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتی تھی تبھی چلتی ہوئی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا لیا تھا۔اسے لگا تھا شاید دادا جان ہوں گے لیکن جو آواز اس کے کانوں نے سنی اس نے اس کے دل میں بمشکل پنپتے یقین کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔دل ایک لمحے کو ساکت ہو گیا تھا۔اس نے بے یقینی سے فون کی اسکرین کو دیکھا تھا اور پھر سامنے پرسکون نیند میں سوئے اظل پر نگاہ کی تھی۔اس نے فون ڈسکنیکٹ کر کے فون کو سوئچڈ آف کر دیا تھا۔شاید وہ کوئی احتیاطی تدبیر تھی کوئی اور پھر تیزی سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔اسے یقین تھا وہ اٹھے گا تو وہ تمام میسجز دیکھے گا اور کال چیک ضرور کرے گا اور پھر شاید

ائیر پورٹ پہنچ جائے گا۔اس کو لے ہوٹل جانے کے پلان بنا چکا تھا۔شاید تبھی تو گھر کے ہوتے ہوئے اس نے ہوٹل میں ٹھہرنا پسند کیا تھا۔ یہ اس کی کوئی سوچی سمجھی چال تھی تو اس کے لئے نہیں آیا تھا۔اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا وہ۔وہ فضا کے ساتھ خوش تھا تبھی تو وہ اپنے آنے کی اطلاع دے رہی تھی اسے۔ابھی بھی وہ نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر حسین شاہ ساکت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔کچھ سن نہیں رہی تھی۔لفظ جیسے اپنے راستے بدل رہے تھے۔اس کے ارادوں کی طرح ان کی سمت بھی تبدیل ہو رہی تھی۔اظل نے اس کی آنکھیں دیکھی تھیں ان کے تاثرات تیزی سے بدل رہے تھے۔اسے وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر وہ مزید الجھ گیا تھا۔وہ بغور اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کے تاثرات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر قاصر تھا۔

''حسین شاہ تم صاف الفاظ میں بات کیوں نہیں کرتی ہو۔دل میں چھپا کر صیغۂ راز بنا کر کیوں رکھتی ہو۔جو بات اور جو راز تمہاری آنکھیں کہتی ہیں۔جو شکوے اور شکایات تمہاری آنکھوں میں درج ہیں وہ تمہاری زبان پر آتے آتے اچانک رک کیوں جاتے ہیں؟ وہ خدشات جو تمہاری آنکھوں کو ہراساں کرتے ہیں ان کو دل میں کیوں چھپا کر رکھنا چاہتی ہو۔کہہ کیوں نہیں دیتی ہو تم؟ خاموش رہ کر میری مشکلات میں اضافہ کیوں کرتی ہو۔تم دل پر تو قفل لگا دیتی ہو کہ میں اس تک رسائی نہ پا سکوں۔ان میں چھپے رازوں کو نہ جان سکوں مگر تم ان آنکھوں کے دروازے بند نہیں کر سکتیں۔ان میں چھپے بھیدوں کو چھپانے کی سعی بھی کرتی ہو تو ناکام ہو جاتی ہو کیونکہ یہ آنکھیں میرا ساتھ دیتی ہیں۔مجھ پر بھروسہ کرتی ہیں۔تبھی تو سب کہہ دیتی ہیں۔مجھ پر سب بھید عیاں کر دیتی ہیں۔تم انہیں لاکھ منع کرو۔انہیں ڈانٹو، ڈپٹو مگر یہ تمہاری نہیں سنتیں کیونکہ یہ میرے اختیار میں ہیں تبھی تو تم ہراساں ہو جاتی ہو کیونکہ میں وہ سب جان جاتا ہوں جس کو چھپانے کے تم جتن کر کے ہار جاتی ہو۔جیسے اب تمہارے ساتھ ہوا ہے۔تم حیران سی کھڑی ہو۔میں نے تمہارے قدموں کو اپنے ساتھ باندھ لیا ہو جیسے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا اور پھر چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔پھر اس کے سرد پڑتے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔وہ اس کی پریشانی کو جان گیا تھا جب وہ راستے میں فون میسجز چیک کر رہا تھا اور اس کو کال کر رہا تھا تو تبھی فضا کی کال آ گئی تھی۔وہ شکوہ کر رہی تھی اس نے صبح اس سے بات کیے بنا ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی اور تب ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔جب وہ سو رہا تھا تو وہ اس کے کمرے میں آئی تھی اور پھر فضا کی کال سن کر وہاں سے نکل آئی تھی۔اس نے اپنے طور پر قیاس کر لیا تھا۔اس سے کوئی وضاحت طلب نہیں کی تھی اور یہ بات اظل کو قطعی اچھی نہیں لگی تھی۔رشتوں میں یہ بے اعتباری اسے پریشان کر گئی تھی۔

''حسین شاہ اگر کوئی بدگمانی رشتوں میں جگہ بنا لے تو قیاس آرائیاں کر کے ان بدگمانیاں کو بڑھانے کی بجائے وضاحت طلب کر کے ان بدگمانیوں کو کم کرنے کی کوشش کرنے میں ہی دانشمندی ہوتی ہے۔جب شبہات اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور دل کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں تو ایسے میں بہترین حل یہی ہوتا ہے کہ بات چیت کر کے ان شبہات کو مٹایا جائے۔ان بدگمانیوں کو پلنے نہیں دینا چاہئے کیونکہ جب یہ بدگمانیاں بڑھتی ہیں تو رشتوں کو اژدھے کی طرح نگل جاتی ہیں سب کچھ باقی نہیں بچتا۔ان رشتوں کا نام و نشان بھی مٹ جاتا ہے۔

سوقیاس آرائیاں کر کے خود ساختہ سوچوں کو بڑھانے کی بجائے ان سوچوں کا رخ مثبت طریقے سے بھی موڑا جا سکتا ہے۔ وضاحت طلب کر کے ان سوالوں کا جواب تلاش کیا جا سکتا ہے جو باتیں پریشانی کا باعث بن سکیں ان سوالات کا جواب پا کر مطمئن ہو بھی سکتی ہیں تو پھر یہ تردد کیوں؟ جب تدارک ہو سکتا ہے تو پھر قیاس آرائیوں کو پنپنے کیوں دے رہی ہو؟ جب حل سامنے ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ پھر اتنی الجھن کیا ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی نگاہوں میں بدگمانیاں تیرتی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ھین شاہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا اور قدم پیچھے لیے تھے۔

''آپ جس بات کو بدگمانی کا نام دے کر بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جب سچ خود چل کر آ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے اور جھوٹ کو للکارے تو جھوٹ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا ہے کیونکہ سچ کی حیثیت کے سامنے جھوٹ کی کوئی اہمیت نہیں رہتی مگر میں آج حیران ہوں۔ جب سچ کا سامنا جھوٹ سے ہوا ہے تو جھوٹ اس سچ کو بدگمانی کا نام دے کر جھٹلا رہا ہے۔ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے ایسا سنا تھا مگر آج جھوٹ خود اپنے پیروں پر چل کر سامنے کھڑا ہوا ہے۔ تو ان تمام سنی سنائی باتوں اور کہاوتوں پر یقین ڈگمگانے لگا ہے۔ جیسے آج صبح ہوا تھا۔ آپ کون کون سی بات کو جھٹلائیں گے؟ جس طرح پہلے ہوا تھا اب بھی ویسا ہی ہوا ہے۔ یقین نے حیران نگاہوں سے اس جھوٹ کو دیکھا تھا۔ یقین کا ڈگمگانا تو طے تھا۔ بے یقینی اگر چلتی ہوئی آنکھوں میں آ ٹھہری ہے۔ اگر بدگمانیوں نے ڈیرہ جما لیا ہے تو آپ کو حیرت کیوں ہے۔ آپ کو ادراک ہو گیا تھا۔ یقین کمزور قدموں سے چلنے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔ اگر اب کوئی سدباب نہیں کر سکے۔ قصور تو آپ کا ہے۔ جو جانتے بوجھتے تدارک نہیں کر سکے۔ یا پھر آپ وہی کر رہے ہیں جو آپ کرنا چاہتے تھے۔ یا یوں کہیں کہ آپ وہی کر رہے ہیں جس میں آپ کے دل کی خوشی ہے۔ پھر چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح دکھاوا کرنے کیوں چلے آئے ہیں؟ مجھ سے بلاوجہ ہمدردی کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں آپ؟ آپ کو کیوں لگتا ہے مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت درکار ہے؟ میں آپ کو کمزور کیوں لگتی ہوں؟ ایسا ڈرامہ کرنے کی ضرورت آپ کو کیوں پڑتی ہے میرے سامنے؟ آپ خوفزدہ کس بات سے ہیں خود اپنے آپ سے؟ یا پھر مجھ سے؟'' وہ پراعتمادی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔ اس نے سوالات کا انبار لگا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا اعتماد تھا مگر آنکھوں میں بدگمانی اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ وہ جوں کی توں تھی۔ وہ اس کے سوال سن کر مسکرا دیا تھا۔ وہ اس کی ذہنی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ بظاہر خود کو سنبھال چکی تھی مگر اندر ریک طوفان مچا ہوا تھا۔ تبھی تو وہ ترش لہجے میں بولتی ہوئی سوالوں کے انبار لگا کر بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ نگاہوں میں الجھن کچھ اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

''ھین شاہ اتنی بدگمانیاں کہاں سے چلتی ہوئی تمہاری آنکھوں میں آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ اسی الجھنوں میں کیوں پڑ جاتی ہو تم؟ جب تم یقین کو پرے دھکیل دیتی ہو اور بے یقینی کے لیے در وا کر دیتی ہو تو بدگمانیوں کو راستہ مل جاتا ہے۔ جانتی ہو کیا ھین شاہ؟ جہاں یقین ہوتا ہے جہاں یقین بسیرا کرتا ہے وہاں بے یقینی اور بدگمانی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ دل میں اگر یقین اپنی جگہ بنا لیتا ہے تو بے یقینی کے لئے وہاں

کوئی کونا خالی نہیں بچتا۔ جب یقین دل پر اپنی مہر ثبت کر چکا ہے تو بدگمانیوں کو قدم واپس موڑنے پڑتے ہیں۔ اچانک خدشات کیسے تمہارے دل کو گھیر لیتے ہیں اور یقین کو بے گھر کر کے اپنے پنجے گاڑھ لیتے ہیں۔ یہ اندیشے کیسے تمہیں زیر کر لیتے ہیں۔ میں تو کوشش کر کے تھک جاتا ہوں مگر محبت تم پر اثر پذیر نہیں ہو سکتی۔ تم اس کے سارے راستے مسدود کر کے مطمئن سی دکھائی دیتی ہو تو پھر خوف کے راستے بند کرنے کی تم میں جرأت کیوں نہیں ہے؟ یا پھر میں یہ سمجھوں کہ تم جان بوجھ کر خوف کے داخل ہونے کے لئے راستے کھلے چھوڑ دیتی ہو تا کہ بدگمانی با آسانی تمہارے دل کو جکڑ لے اور تمہارا دل با آسانی اس کے چنگل میں آ جاتا ہے۔ تب میں حیران رہ جاتا ہوں جب میری محبت اثر پذیری ہونے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ جب میری محبت چاہ کر بھی اپنا تسلط جما نہیں سکتی وہاں بے یقینی کیسے اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔

''اس میں قصور بے یقینی کا نہیں ہے۔ قصور آپ کی سوچ کا ہے اور اس سے بڑھ کر قصور آپ کے عمل کا ہے۔ آپ محبت کو اور بدگمانی کو ایک ترازو میں رکھ کر نہیں تول سکتے۔ آپ شاید اس سوچ سے بیگانہ ہیں کہ محبت کا وزن ہر چیز سے زیادہ ہوتا ہے۔ بدگمانی اچانک آ کر اس ترازو کو غیر متوازن کر دیتی ہے اور جب کہ اس کا وزن کم ہوتا ہے تو اس کے ساتھ خدشات اور اندیشے آ کر اس کا وزن کئی گنا اضافہ کر دیں گے۔ تب شکوک و شبہات بھی آ کر اس میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ تب محبت کا پلڑا ہلکا پڑنے لگتا ہے۔ محبت کے لئے اتنے محاذوں پر لڑنا دشوار ہونے لگتا ہے تو محبت تھک کر بوجھل سر کو اس پلڑے پر جھکا دیتی ہے۔ دکھ سے بوجھل ٹکڑوں میں بٹتی جاتی ہے۔ تب یقین کی روشنی محبت کے پلڑے میں آ کر ان ٹکڑوں کو قیمتی پتھروں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ محبت رنگوں سے مزین پتھروں سے منعکس ہو کر روشنی بکھیرنے لگتی ہے جو محبت کے اندر ہی پنہاں ہوتی ہے اور محبت کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ محبت ایک جست میں ہی بازی مار جاتی ہے اور شکوک و شبہات اور بدگمانی منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ محبت فاتح عالم ہے۔ آپ شاید اس سے ناواقف ہیں حالانکہ محبت تو آپ بھی کرتے ہیں نا۔ محبت سے تو آپ کا برسوں پرانا رشتہ ہے نا پھر انجان ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ یا پھر انجانے بننے کی کوشش کر رہے ہیں؟'' وہ مدھم لہجے میں اس کو باور کرا رہی تھی۔ اس کو جتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ آگاہ تھی کہ وہ آگاہ تھی۔ فضا آفتاب سے اس کی محبت اس سے چھپی ہوئی تھی نہیں تھی۔ اور وہ جان گیا تھا اس کا اشارہ کس طرف تھا۔

''میں تم سے کہنا چاہتا ہوں تمہارا گماں تمہیں غلط راستوں پر گامزن کر چکا ہے۔ تم جان بوجھ کر حقائق کو جھٹلانے کی کوشش میں سرگرداں ہو۔ اپنے الفاظ مجھ پر مسلط کر کے مجھ پر اپنا تسلط جمانا چاہتی ہو۔ اپنی سوچوں کو تم نے اتنا حاوی کر دیا ہے خود پر۔ تمہیں اندازہ نہیں یہ غلط فہمیاں تمہیں کس غلط رخ کی طرف لے جا رہی ہیں۔ تغافل کو بڑھ کر اونچی فصیلیں کھڑی کر رہی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے شک تمہارے دماغ میں جگہ بنا چکا ہے۔ اپنا گھیرا تنگ کرتا جا رہا ہے۔ ہمارے درمیان ایک گہری خاموشی ہے ایک سکوت چھا گیا ہے۔ مگر تمہاری آنکھوں میں شکوک و شبہات کی لڑائی جا رہی ہے۔ ایک جنگ ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔ اس شک کے کہرے میں امید کا چہرہ

دھندلا گیا ہے۔اس شک کے کہرے نے امید کو اپنی دھند میں لپیٹ لیا ہے۔امید ہراساں آنکھوں سے اس کہرے کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہی ہے اور پھر خوف سے آنکھیں بند کر لی ہیں مگر خطرہ ٹلا نہیں ہے مزید اور بھی بڑھ گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں گہرے رازوں سے پردہ اٹھا رہا تھا۔گہرے راز منکشف کر رہا تھا۔اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔حین شاہ کی آنکھوں میں کھو دینے کا خوف بڑھ گیا تھا۔جو اظل سہام مرزا سے چھپا ہوا ہرگز نہیں تھا۔اظل نے چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھا تھا۔

''حین اگر میں غلط ہوں تو مجھ سے جواب طلبی کیوں نہیں کرتیں تم؟ میں جو اسوالات تمہاری آنکھوں میں پڑھ رہا ہوں وہ سوالات تم پوچھنے سے کیوں ڈرتی ہو؟ان سوالوں کے جواب جاننے کا قصد کیوں نہیں کرتیں تم؟اگر ادراک ہو چکا ہے کہ تم بدگمانی کے صحرا میں بھٹک رہی ہو۔تدارک کرنے میں اتنا تغافل کیوں برت رہی ہو؟ جب جانتی ہو کہ اس دشت کی سیاہی میں چلو گی تو ایک وحشت چاروں طرف سے گھیر لے گی جھلساتی ہوئی سلگتی ریت سے پاؤں آبلہ پا ہو ہی جائیں گے۔قیاس آرائیاں کرنے سے اس دشت میں راستوں کی نشاندہی نہیں ہو گی۔صحیح سمت کا تعین نہیں ہو گا۔تیز ہوا کے چلنے سے سارے نشان اور سنگ میل ریت کے نیچے دب جائیں گے۔منوں مٹی تلے دب جائیں گے۔تب تم محبت کا سراغ کبھی نہیں پا سکو گی۔ان نشانوں کی تلاش ہرگز نہیں کر سکو گی۔یہ ناگزیر ہو جائے گا۔ان نشانوں کو تلاش کرنا ناممکنات میں شمار ہو گا۔تب تم تدارک کرنا چاہو گی تو یہ ممکن نہیں ہو گا۔تب صرف پچھتاوا باقی رہ جائے گا۔پھر تا عمر ایک ملال تمہیں ستاتا رہے گا۔تب تم دوبارہ ان راستوں پر کبھی قدم نہیں رکھ سکو گی۔تمام عمر بھٹکتے ہوئے گزرے گی۔کوئی نقش پا نہیں ہو گا۔'' وہ مدھم لہجے میں تنبیہ کر رہا تھا۔اسے سمجھانے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔

حین شاہ نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا اور پھر استہزائیہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

''تم مجھے کس بات سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟ آپ کو کیا لگتا ہے میرے سوالات بے معنی ہیں؟ میرے سوالات بے جواز ہیں؟ یا پھر میرے خدشات بلاوجہ ہیں؟ ان کے پیچھے چھپے اندیشے کوئی وقعت نہیں رکھتے؟ اگر آپ ایسا سوچ رہے ہیں تو یہ سراسر قیاس آرائیاں ہیں۔یہ سوچ عقلمندی کے زمرے میں قطعی نہیں آتی۔دانشمندی کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان تمام غلط فہمیوں کو رد کر دیا ہوتا مگر آپ ان غلط فہمیوں کو رد نہیں کر سکتے کیونکہ کہیں نہ کہیں ان میں سچ چھلکتا ہے اور آپ چاہ کر بھی ان خدشات کو بے جواز قرار دینے کی غلطی ہرگز نہیں کر سکتے۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کو جھٹلا رہی تھی۔اس کی سوچوں کی نفی کر رہی تھی۔اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"There are so many doubts in my mind that true - you have to clear all my doubts. .I was determined I asked the perfect reason but you didn't reply, you couldn't clear my doubt. You asked cleverest way and you went away. Then I followed to my doubts and doubts hold my hand. I could instead answers. You threw me doubts. I couldn't let you know how was difficult to bear that pain I'm still fighting with my fear there I stood still again... still with any gain."

وہ مدھم لہجے میں توجیحات بیان کر رہی تھی۔

میں جانتی ہوں خوف مجھے کمزور کر سکتا ہے۔ یہ ایک انجانا سا احساس ہے جو اندر اپنی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ اس خوف کی جڑیں دور تک پھیل جاتی ہیں۔ غیر واضح اندھیروں کے درمیان ایک غیر محسوس سی گرفت ہے۔ ایک گہری تاریکی میں ایک ہولہ سا لہراتا ہے جیسے اچانک ہی خاموشی میں ایک یاد کی سانسیں مدھم پڑنے لگی ہوں پھر ایک مہین سی روشنی کی لکیر میں ان یادوں کا سیلاب سا امڈ آتا ہے۔ ایک باریک سی روشنی کا جھکاؤ ان یادوں کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ یادیں اس روشنی کی حدت پا کر پھر سے چلنے پھرنے لگتی ہیں ان کی سانسیں پھر سے چلنے لگتی ہیں۔ گہرے سکوت میں ان یادوں کی مدھم سرگوشیوں کا شور بڑھنے لگتا ہے۔ زندگی غیب کی کچھ چیزوں کو سمجھنے کی تڑپ میں مزید بے چین ہو جاتی ہے۔ مگر اچانک ہی ایک نامعلوم سا خوف ان یادوں کی راہوں میں حائل ہو کر ان کی راہیں مسدود کر دیتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ روشنی کی مہین سی لکیر وہ خوف نگل جاتا ہے۔ یادیں پھر سے گہرے اندھیروں میں خوف سے ساکت ہو جاتی ہیں۔ پھر سے سرد خانوں میں پڑ جاتی ہیں اور ان یادوں کی آنکھوں میں چلتے سوالوں کے قدم بھی وہیں تھم جاتے ہیں۔ وہیں ساکت ہو کر رک جاتے ہیں۔ منجمد ہو جاتے ہیں۔ جیسے وہ سوالات میری آنکھوں میں منجمد ہو گئے ہیں۔ اب کوئی خوف ان سوالوں کو ان یادوں کی طرف پگھلا نہیں سکتا۔ کوئی ڈر ان پر اثر پذیر نہیں ہو سکتا۔'' وہ مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہی تھیں۔ مدلل لہجہ حتمی تھا۔

اظل سہام مرزا نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا جیسے اس کی باتوں سے انحراف کر رہا تھا۔ اس کی باتوں سے منکر تھا۔

''محبت اتنی جاں گسل ہو گی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ محبت کرنا اتنی کٹھنائیوں اور جان جوکھوں کا کام ہو گا میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محبت کے سورج پر بے اعتباری کا گرہن لگ جائے گا۔ نجانے بدگمانیوں کا چلتا ہوا سورج اور یقین کے چاند کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ اس بدگمانی کے درمیان حائل ہو جانے سے میرے دل کے سورج کی روشنی یقین کے چاند تک نہیں رہی ہے۔ زمین نے حیرانگی سے اس منظر کو دیکھا ہے اور پھر بے قراری سے آگے بڑھی ہے۔ اس بدگمانی کو ہٹانے کی بھرپور سعی کی تھی لیکن نجانے کیسے وہ بدگمانی زمین کے اندر سمانے لگی تھی۔ زمین کی آنکھوں میں خدشات نے سر اٹھایا تھا اور سلگتی آنکھوں سے سورج کو گھورا تھا اور سورج اور زمین کے چاند کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ یقین کا چاند مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ ایک گہرا گھپ اندھیرا اس کا مقدر بن گیا تھا۔ ایک گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ یقین کے چاند پر گرہن لگ گیا تھا اور میرا دل بھی اس گرہن کی زد میں آ گیا تھا۔ مگر میں قیاس کرنے سے قاصر ہوں کہ اس گرہن کا دورانیہ کتنا طویل ہونے والا ہے۔ اس کا یقین کرنا دشوار گزار عمل ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ آنکھیں دھواں دھواں سی تھیں۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر زیادہ دیر تک اس کی نظروں کا سامنا نہیں کر پائی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا اور

ساتھ ہی ساتھ نگاہوں کا زاویہ بھی بدلا تھا۔ عجیب لاتعلقی اور بیگانگی سے بھرا انداز تھا۔ جیسے اس کو کچھ خاص فرق نہیں پڑتا کہ اس پر کیا گزری تھی۔ بظاہر وہ گریزاں تھی مگر ساتھ یہ صرف ایک دکھاوا تھا یا پھر کوئی احتیاطی تدابیر کی گئی تھیں۔

''میں جانتا ہوں میری ساری تدابیر رائیگاں جائیں گی۔ تمہاری خفگی بڑھتی جارہی ہے۔ تم اس خفگی کو چھپانے کے جتن کر کے ہار گئی ہو مگر میں تمہاری آنکھوں میں بیگانگی کی رمق صاف دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری سوچوں میں سکوت چھا گیا ہے مگر یہ صرف وقتی احساس ہے کیونکہ تمہارے دماغ میں لاوا پل رہا ہے۔ تمہاری خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ تمہاری آنکھوں میں الجھنیں بڑھتی جارہی ہیں اور سوچوں کو گنجل کر رہی ہیں۔ مجھے ایک ملال نے گھیر لیا ہے۔ میرے لئے تمہاری آنکھوں میں خوف دیکھنا مشکل ترین مرحلہ ہے۔ تمہارے شکوک وشبہات کے شعلے بدگمانی کی ہوا سے بھڑکنے لگے ہیں، آگ پکڑنے لگے ہیں۔ تمہارے دل میں سوچوں کا سلگتا لاوا ابلنے کو تیار ہے۔ یہ گرم سلگتا ہوا مائع راستے میں آنے والی تمام چیزوں کو تمام رکاوٹوں کو جلا کر بھسم کر دینے کے درپے ہے۔ یہ گرم سیال تیز رفتاری سے آگے بڑھتے جارہا ہے اور تمام خوابوں کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر چکا ہے۔ آنکھیں اس کی تپش سے جلنے لگی ہیں۔ اسکی حدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ سب کچھ اس آگ کی نظر ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی ناکامی کا اعتراف ہے۔ جلتے انگاروں میں سلگتے خواب کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں کیسے بتاؤں کیسی بے بسی ہے۔ دل کا کڑا امتحان ہے۔ ایک کبھی نہ ختم ہونے والی آزمائش شروع ہو چکی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر رہا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''جو لوگ اپنی ناکامی کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کو شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ حالات کو بدلنے کا جنون ان لوگوں کی فطرت میں نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ کمزور اور دوسرے لفظوں میں قدرے بزدل ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی تقدیر سے نہیں لڑ سکتے وہ حیلے بہانے بناتے ہیں۔ ہزار تاویلیں پیش کرتے ہیں تاکہ اپنی ناکامی کو کسی اور کے سر پر منڈھ سکیں۔ خواہ مخواہ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اپنی مظلومیت کا رونا روتے ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے کوئی خاص رغبت ہے نا ہی انسیت۔ ایسے لوگوں کو سیدھا باہر کا راستہ دکھانے میں ایک لمحے کا تعامل بھی نہیں برتتی۔ اس لئے مجھ سے کسی ہمدردی کی توقع مت رکھئے گا۔ مجھے آپ سے ہمدردی قطعی نہیں ہے۔ ایسے شخص کو بے وقوف کہا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا جو اپنے خیالات کو دوسروں پر مسلط کرے خود کو درست ثابت کرنے کے درپے ہے۔ اپنے فرسودہ خیالات کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔ ایسے شخص کو کم فہم کہنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔'' مدھم لہجے میں حتمی رائے دی تھی۔ دھیما لہجہ مدلل تھا۔ وہ ھین شاہ کی رائے پر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"I would must say there's the abyss between thought and actions. We have lot of conflicts. It seemed a deep or seemingly bottomless chasm. It seems a rope led down into the dark abyss.

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر چلتا ہوا ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔

ھین شاہ نے خاموش نگاہوں سے اظل کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی ایک نگاہ میں جانے کیا کچھ تھا۔ ھین شاہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''ھین شاہ.....!'' اس نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔ چاروں طرف ایک فسوں پھیل گیا تھا۔

''اظل سہام مرزا پلیز..... بند کریں یہ ڈرامہ بازی، یہ دکھاوا۔ آپ کو خوف ہے نا کہ میں دادا جان کو سب بتا دوں گی؟ اگر یہی بات آپ کو خوفزدہ کر رہی ہے تو بے فکر رہیے۔ ان کو کچھ بھی نہیں بتاؤں گی اور اگر ان کو پتہ چل بھی گیا تو میں ان کو سمجھا دوں گی۔ ان کو قائل کر لوں گی۔ ان کی طرف سے آپ بے فکر رہیے اور اپنی مرضی کے خلاف مت جایئے۔ اپنے دل کے خلاف کوئی بھی فیصلہ نہ کریں۔'' اس نے مدھم لہجے میں جتایا تھا۔ جیسے وہ اسے حرف حرف پڑھ رہی تھی۔ اس کی سوچوں تک رسائی پا گئی تھی اور اظل نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس کی تردید کی تھی۔

ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں تک آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

"You know what Hayyin Shah? I didn't let you know yet while I hear your voice my heart goes tachycardia."

وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ھین شاہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"Don't you think so it too clever for words."

ھین شاہ نے اس کی سوچوں کو رد کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ وہ اس کا خجلت بھرا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

"No it's not clever. It called brainy and an intellectual thought."

وہ مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے دل کا احوال اس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔

''میں ان لمحوں کو تھام لینا چاہتا ہوں۔ دل میں مقید کر لینا چاہتا ہوں۔ یہ لمحے زندگی کا حاصل ہیں۔ ان لمحوں کے تعاقب میں صدیاں گزاری ہیں میں نے۔ مدتوں انتظار کیا ہے۔ سیاہ رات میں چلتے ہوئے جگنوؤں کی طرح۔ دل دھیمی دھیمی آنچ پر سلگ رہا تھا۔ ان لمحوں کے راستے میں روشنی بکھیر رہا تھا کیونکہ اسے ان لمحوں کے راستہ بھٹک جانے کا اندیشہ تھا۔ دل کو خدشات نے خوفزدہ کر دیا ہے۔ دل رموزِ عشق و محبت سے واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ عشق کے اسرار سے آشنائی نہیں رکھتا تھا۔ عشق کے بھیدوں تک دل کی رسائی نہیں ہوئی تھی اور تمہاری آنکھوں میں چھپے اندیشوں کی ہوا اس دل کو سوکھے ہوئے پتوں کی طرح ادھر ادھر اڑا کر لے جا رہی تھی۔ دل کو صعوبتوں کا سامنا کرنا

پڑتا ہے۔ مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ دل قیاس آرائیوں میں جت جاتا ہے۔ مشکل میں گھرنے لگتا ہے۔ دل کو اوہام ستانے لگتے ہیں۔ دل ملول سا الجھے ہوئے گنجل راستوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔ تمہارے بے جواز خدشات کے جواب کی تلاش میں ان الجھی ہوئی بھول بھلیوں میں کہیں کھو جاتا ہے۔ راستے طویل سے طویل ہوتے جاتے ہیں۔ دل ان ویرانوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ راستوں کی طوالت ہے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ تم ہی کہو یہ ماجرا کیا ہے۔ مجھے تو لگ رہا ہے جیسے میرا دل بھولی کتھاؤں کا حصہ بن کر ایک بھولا بسرا قصہ بنتا جا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ کتنے گہرے راز منکشف کر رہا ہے۔ بغور اس کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرہ قوس وقزح کے رنگوں سے مزین تھا اور حسین شاہ کے لئے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا۔ دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو چکا تھا۔ متزلزل ٹانگوں نے مزید بوجھ برداشت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے قدم پیچھے ہٹ کر فاصلوں کو بڑھا دیا تھا اور پھر خجلت بھرے چہرے سے موضوع بدل دیا تھا۔

''آپ صبح سویرے نجانے کون سے قصے لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ میں آپ کے لئے ناشتہ لے کر آتی ہوں۔ تمنا بی بی نجانے کہاں رہ گئی ہیں۔'' اس نے کہا تھا اور موضوع یکسر بدل دیا تھا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھی۔ اظل نے اس کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی خوشبو ابھی تک اس کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے فرار کا راستہ نکالا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ ایک اطمینان کی لہر اس کے اندر سرایت کر گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی اچانک ہوا عجیب سمت میں چلنے لگتی ہے۔ وہ ہو جاتا ہے جس کے ہونے کا امکان دور دور تک نہیں ہوتا۔ یا پھر قسمت اچانک حیران کرنے پر تل جاتی ہے۔ یا پھر قسمت حیران کر کے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ کتنی بھی تدابیر کر لیں مگر قسمت کے لکھے کو تبدیل کرنا آسان نہیں ہوتا ہے یا پھر ناممکن ہو جاتا ہے۔ چیزیں اپنی سمت بدلنا بھی چاہیں تو بدل نہیں سکتیں۔ ایسا ہی رامین کے ساتھ ہوا تھا جب مسز معید نے اس سے رشتہ کی بات کی تھی۔ وہ حیران نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کو دل کے خلاف کبھی کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔ مگر ایسا ہو گیا تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ دل غلط جہاں پر ڈوبا تھا۔ کوئی امید، کوئی آس نہیں بھی پھر بھی نجانے کیوں اندر ہی اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ دل کو ایک ناکردہ جرم کی سزا ملنے والی تھی۔ اچانک ہی دل ملال سے بھر گیا تھا۔

''ممی میں نے ابھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ آپ تو جانتی ہیں نا اسٹڈی سے کبھی فرصت ہی نہیں ملی اور اب اچانک ہی ارحم سہام کا رشتہ۔ میں ابھی شادی کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کچھ وقت درکار ہے مجھے۔ جیسے ہی اسٹڈی ختم ہو جائے گی تو پھر جہاں آپ کہیں گی میں ہاں کر دوں گی۔ آپ سب کا فیصلہ مجھے قبول ہوگا۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں توجیح پیش کی تھی اور مسز معید نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلایا تھا۔

''میں جانتی ہوں میری بیٹی بے حد فرمانبردار ہے۔ تمہارے نانا جان اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں سے یہ رشتہ کر کے ان رشتوں کو

اور بھی مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ان کو نجانے کیوں خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اگر وہ ان رشتوں کو مضبوطی اور پائیداری نہیں سونپیں گے تو یہ رشتے کہیں یہیں ختم نہ ہو جائیں۔دلوں میں دوریاں نہ بڑھ جائیں۔اسی لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے لیکن بیٹا تمہارے بابا کو فکروں نے گھیر لیا ہے۔وہ نہیں چاہتے تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی ہو۔وہ تمہیں مکمل طور پر اپنا فیصلہ خود لینے کا حق دینا چاہتے ہیں۔انہیں تمہاری خوشی ہر حال میں زیادہ عزیز ہے۔تم جو بھی فیصلہ کرو گی تمہارے بابا تمہارے ساتھ ہوں گے۔اسی لئے انہوں نے تمہارے نانا جان سے کچھ وقت لیا ہے تاکہ تم اس بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔" وہ مدھم لہجے میں مدلل انداز میں سمجھا رہی تھیں اور رامین نے بانہیں ان کی گلے میں ڈال دی تھیں۔

"آئی لو یو بوتھ آف یو ممی۔آپ دونوں کی محبت اور سپورٹ کی بہت ضرورت ہے مجھے زندگی کے ہر قدم پر۔جب آپ میرے ساتھ کھڑے ہونگے تو میں زندگی کے بڑے سے بڑا امتحان با آسانی پاس کرلوں گی۔آپ دونوں میری طاقت ہیں۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور مسز معید نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"میری جان..... تمہیں خوش اور کامیاب دیکھنا ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔تمہاری ایک مسکراہٹ کے لئے کچھ بھی کر گزر سکتے ہیں۔ارحم اچھا لڑکا ہے۔اظل کی طرح ہی ہے۔سمجھدار ہے۔فرمانبردار ہے اور بہت حساس اور رشتوں سے جڑا ہوا لڑکا ہے۔اس کو فیملی اقدار کا بہت خیال ہے۔وہ اچھا انتخاب ثابت ہوگا۔پھر بھی بہر حال فیصلہ تمہارا ہی حتمی ہوگا۔" انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں اس کی ہمت بندھائی تھی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں وہ ضرور اظل بھائی کی طرح ہی ہوگا مگر مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔ابھی اسٹڈی کی بہت فکر ہے۔ابھی سوچنے کا وقت نہیں ہے۔جیسے ہی کچھ فارغ وقت میسر ہوگا تو ضرور اس مدعے پر سوچوں گی لیکن اگر آپ سب فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھے اس فیصلے سے انحراف نہیں ہوگا۔" اس نے رندھی آواز میں کہا تھا۔نجانے کیوں دل بھر پیا تھا۔جانے کونسی خلش نے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔ایک چہرہ آنکھوں میں آکر ٹھہر گیا تھا۔اس لہجے کی بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔اس نے جب بھی شریکِ حیات کا تصور کیا تھا تو نجانے کہاں سے عفان ضیاء ہاشمی کا چہرہ آنکھوں میں آکر رک جاتا تھا۔دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو جاتا تھا۔وہ جانتی تھی وہ غلط راستوں پر چل نکلی تھی۔اس کا دل بغاوت پر اتر آیا تھا حالانکہ دل آگاہ تھا کہ حال حصول کچھ نہیں ہونا تھا۔مگر دل کو غلط جگہ ڈوبنے پر بھی کچھ ملال نہیں تھا۔لیکن دل کا درد آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔اچانک ہی آنکھوں میں سمندر اتر آئے تھے۔

اور مسز معید اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں۔انہوں نے اس کے آنسو پوروں پر چنے تھے۔پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر ماتھے پر پیار کیا تھا۔

"میری جان کیا ہو گیا؟ اچانک اتنی اداسی کیوں اتر آئی ہے تمہاری آنکھوں میں؟ تو کیا؟ تم نے مجھ سے کچھ چھپایا تو نہیں نا؟ سارا قصور میرا ہے نا۔میں ہی تم سے غافل رہی تھی۔اپنی تکلیف اور درد میں تمہیں پوری توجہ نہیں دے سکی۔اپنے رشتوں سے بچھڑنے کا دکھ

مجھے ستاتا رہا لیکن اس دکھ کے احساس میں ڈوب کر میں نے تمہیں نظر انداز کر دیا۔ تمہیں ان رشتوں سے دور رکھا۔ تبھی تو میں تمہارے دل کا حال جان نہیں سکی۔ ماں ہو کر بھی تمہاری آنکھوں میں چھپے خوابوں کے رنگوں تک رسائی نہیں پا سکی۔ اپنی اکلوتی بیٹی کے دل کو نہیں پڑھ سکی۔'' انہوں نے پر ملال لہجے میں کہا تھا۔ وہ جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہی تھیں۔ بنا کہے ہی اس کے دل میں چھپے رازوں کو جان گئی تھیں اور رامین کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

''نہیں ممی آپ خود کو الزام مت دیں۔ آپ نے جس کرب کو سہا ہے اس کا اندازہ ہے مجھے۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ وہ دکھ جو میں نے آپ کی آنکھوں میں دیکھا تھا جو آپ کو اندر ہی اندر مار رہا تھا۔ بچھڑنے کا وہ درد میں نے پاپا نے بھی سہا ہے نانا جان کا خوف اور خدشہ بے وجہ نہیں ہے اور آپ پریشان نہ ہوں میں آپ ہی کی بیٹی ہوں۔ آپ جیسی بہادر ہوں۔ سب کچھ سہنے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔'' اس نے مدھم لہجے میں یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ایسا نہیں کہتے بیٹا۔ اللہ نہ کرے کبھی تمہارا سامنا دکھ اور تکلیف سے ہو۔ میرا بس چلے تو زمانے بھر کی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دوں۔ میری تو یہی دعا ہے۔ تم ہمیشہ خوف رہو کسی غم کا سایہ کبھی تم پر نہ پڑے کبھی۔ تمہاری خوشی ہی میں ہماری خوشی ہے بیٹا۔ اپنی ماں سے کبھی کچھ مت چھپانا ورنہ میں ملال میں گھر جاؤں گی۔ ساری عمر پچھتاوے میرا مقدر بن جائیں گے کہ اپنی بیٹی کے دل کو پڑھ نہیں سکی۔ اپنی بیٹی کے آنسوؤں کی وجہ جان نہیں سکتی۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''ممی میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی ابھی۔ کچھ وقت اور گزارنا ہے مجھے آپ دونوں کے ساتھ۔ اپنے پیارے چھوٹے بھائی کے ساتھ۔ صرف یہ سوچ کر ہی میرا دل بند ہونے لگا ہے کہ میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ میں کیسے رہوں گی آپ کے بغیر، بابا کے بغیر اور اپنے پیارے بھائی کے بغیر وہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے ہر چیز میں میری ضرورت رہتی ہے۔ وہ تو تنہا ہو جائے گا نا؟'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں عجیب توجیحات پیش کر رہی تھی۔ دل کے خدشات کو بیان کر رہی تھی۔

''بیٹا یہ تو دستور دنیا ہے۔ بیٹیوں کو والدین کا گھر چھوڑ کرنا ہی پڑتا ہے مگر دل کے رشتے ویسے ہی مضبوطی سے بنے رہتے ہیں۔ دوری کے باوجود یہ رشتے کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ فاصلے ان رشتوں پر اثر پذیر نہیں ہوتے۔ میلوں کی دوریاں بھی ان رشتوں پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ والدین کے دل میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور بھی بڑھ جاتا ہے اور جدائی محبت کو اور بھی بڑھا دیتی ہے۔ ویسے بھی ابھی تو ارحم سہام مرزا کو تعلیم مکمل کرتے کچھ وقت لگے گا۔ اس کا آخر سمسٹر چل رہا ہے۔ پھر اس کو اپنے پاپا کے ساتھ بزنس ہی تو سنبھالنا ہے نا۔ اپنے آپ پر بے وجہ بوجھ نہ ڈالو۔ یوں سوچوں میں مت الجھو۔ جب تم سوچوں کو دوسری طرف موڑو گی تو پریشانی اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔ ارحم کوئی غیر نہیں ہے۔ اجنبی نہیں تمہارے لئے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہاری ممانی نے بھی کبھی اس کو زیادہ گھلنے ملنے نہیں دیا۔ مگر فطرتاً وہ ایک نفیس اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود تم پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔ تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔ میں چلتی ہوں پھر بات کریں گے

اس موضوع پر اور یاد رکھو یا تو اپنے دل کی بات بتا دو ورنہ اس رشتہ کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا تمہارے پاس۔'' انہوں نے محبت سے اس کے بال بکھیرے تھے اور پھر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا اور چلتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی تھیں۔ وہ چلی گئی تھیں مگر رامین کی دنیا میں ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ ایک ہل چل سی مچ گئی تھی۔ وہ کیسے کسی طور کو اپنے شریکِ حیات کے طور پر سوچ سکتی تھی۔ وہ منافق نہیں بننا چاہتی تھی جب دل کسی اور کا نام الاپ رہا تھا۔ وہ دل کے خلاف جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر یک طرفہ محبت کا انجام شاید جدائی ہی ہوتی تھی۔ دل ماننے سے منکر تھا۔ ہماری سوچیں گنجل ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

اسد سہام مرزا نے ارحم سہام مرزا کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے اور ارحم جان گیا تھا کچھ تو خاص تھا جو وہ اس سے کہنا چاہتے تھے کیونکہ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ان کو تمہیں باندھنے میں اتنی دیر لگے۔ ارحم نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جس پر پریشانی کا جال بنا ہوا تھا۔

''بیٹا مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ مجھے امید ہے تم اس بات سے آگاہ ہو گے۔ تمہاری ماما نے اس بارے میں تم سے ضرور بات کی ہو گی۔ اگر نہیں تو اب میں بتا دیتا ہوں۔ تمہاری پھپھو نے زندگی میں بہت سی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اپنوں کا دکھ سہا ہے۔ معید ایک بہترین انسان ہے جس نے ہمیشہ اس کا بے حد خیال رکھا۔ ہماری بہن کو کبھی میکے سے دور کرن یکی کوشش نہیں کی۔ بابا جان اور اماں جان کی بے توجہی کے باوجود بھی وہ یہاں آتا رہا اور رامین کو ان سے ملنے پر کبھی پابند نہیں عائد کی حالانکہ وہ ایشو بنا سکتا تھا۔ جس گھر میں ماں کا داخلہ ممنوع تھا اس میں بیٹی کیسے داخل ہو سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہ کر کے بڑائی کا ثبوت دیا تھا اور اس کی عزت میری نظروں میں اور بھی بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت بہت اچھی طرح کی ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔ اس میں وہ سارے گن ہیں جو میری بہن میں تھے۔ سمجھدار اور سلجھی ہوئی بچی ہے اور رشتوں کی اہمیت کا اندازہ ہے اسے۔ اپنی اقدار کی قدر جانتی ہے۔ تمہارے دادا جان نے تمہارے لئے رامین کو چنا ہے اور میرا خیال ہے ایک بہترین فیصلہ ہے جس کی میں تائید کرتا ہوں۔ میری خوشی بھی اسی میں شامل ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں تمہاری زندگی میں کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ تم نے اپنی پڑھائی کے علاوہ کبھی کسی اور طرف توجہ نہیں دی ہے اور اگر دی ہے تو تمہاری ہے ہائکنگ Hiking ہے جس سے میں تنگ ہوں مگر میں نے کبھی تمہیں منع نہیں کیا کیونکہ تمہارا ایک بہت بڑا اسپورٹر ہے جو ہمیشہ تمہاری حمایت میں لگا ہوا ہوتا ہے اور اس کی بات میں جھٹلا نہیں سکتا اور تم صاف بچ جاتے ہو میری ڈانٹ ڈپٹ سے۔ کیونکہ وہ تمہاری ڈھال بن جاتا ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ اور نہیں سہنا۔ صرف اتنا کہوں گا کہ تمہارے دادا جان رشتوں کو مضبوط اور پائیدار بنانا چاہتے ہیں اس لیے وہ چاہتے ہیں آپس میں رشتہ کریں تا کہ ایک دوسرے سے غافل نہ ہو سکیں۔ درمیان میں ایک پل بن جانے سے رشتے کوں استحکام ملے گا اور رشتے اور بھی زیادہ طاقتور ہو جائیں گے۔ تم اتنا جان لو مجھے اپنی بہن بے حد عزیز ہے اور اس کی بیٹی تو اس سے بڑھ کر

عزیز ہے۔اس کا دکھ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا اور دکھ دینے والے کے لیے کوئی رعایت نہیں ہوگی۔اسے اس کی سخت سزا بھگتنی ہوگی۔ میں اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔وہ مجھے اپنی بیٹی جتنی ہی عزیز ہے اور ویسے ہی اصل بیٹی تو بہو ہی ہوتی ہے جو اپنا گھر بار اپنے والدین کو چھوڑ کر آتی ہے۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔اور ان کے الفاظ میں چھپی تنبیہ ارحم سہام مرزا کو صاف سمجھ میں آرہی تھی۔ان کے لہجے میں اپنی بھانجی کے لئے جس قدر شدید محبت تھی اس سے اندازہ ہوگیا تھا اگر اس نے رامین کو دکھ دینے کی کوشش کی تو وہ اس کو کبھی معاف نہیں کرنے والے تھے۔وہ صاف لفظوں میں جتا گئے تھے۔

''امید ہے بات تمہاری سمجھ میں آگئی ہوگی۔انکار کی گنجائش تو ہے ہی نہیں۔اس لئے ابھی سے اپنا مائنڈ بنالینا اور میری بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔'' انہوں نے بارعب لہجے میں جتایا تھا۔

اور ارحم سہام مرزا نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔کیونکہ ان کی بات سے بالکل بھی فیصلے سے انحراف کرنا ناممکن تھا اور اس حالت میں تو اور بھی مشکل تھا جب فیصلہ دادا جان کا تھا۔کیونکہ ان کے سامنے تو اسد سہام مرزا کی بھی انکار کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

''جی پاپا۔مجھے سمجھ میں آگیا ہے۔آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔آپ جانتے ہیں نا آپ کے کسی بھی فیصلے سے انحراف کرنے کی میری ہمت کبھی نہیں ہوئی۔تو پھر آج کیسے۔میری زندگی کے سارے فیصلے کرنے کا اختیار آپ کو ہی حاصل ہے۔میں آپ کی تمام باتوں کو ذہن نشین کرچکا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں انہیں یقین دہانی کرا رہا تھا۔

اسد سہام مرزا نے اپنے فرمانبردار بیٹے کو فخر سے دیکھا تھا اور پھر اطمینان کا سانس لیا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو مجھے بس یہی کہنا تھا۔'' انہوں نے کہا اور پھر اپنی ساری توجہ سامنے رکھی فائل پر مرکوز کردی تھی اور ارحم نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ اسے رک جانا پڑا تھا۔

''رکو.....!'' انہوں نے پکارا تھا جیسے انہیں کچھ یاد آگیا تھا۔

''جی پاپا!'' اس نے رک کر سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''فارغ اوقات میں آفس میں آیا کرو تاکہ میرا ہاتھ بٹا سکو اور ساتھ ہی ساتھ اپنے بھائی سے بزنس کے گر سیکھ سکو۔اب تمہیں ذمہ دار ہوجانا چاہئے۔یہ لاابالی پن چھوڑ دو۔اب تم بچے نہیں ہو۔تمہیں کسی اور کی ذمہ داری اٹھانا ہے۔تو ابھی سے تیار رہو اس کے لئے۔اس کی خوشیوں اور اس کو خوش رکھنے کی ذمہ داری اب سے تمہاری ہے۔امید ہے تم اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے کیونکہ تم جانتے ہو مجھے باتیں دہرانے کی عادت ہرگز نہیں ہے۔جو کہہ دیا وہی حتمی ہے۔'' انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے اور ارحم نے کچھ دیر رک کر ان کی طرف دیکھا تھا پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا تو اس کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا تھا۔کبھی کبھی بن مانگے ہی اس چیز سے نواز دیا جاتا ہے جس کی دل خواہش کرتا ہے۔اس کی آنکھوں نے خواب دیکھنے کا قصد بھی نہیں کیا تھا کہ وہ خواب تعبیر پاگئے تھے۔اس کا دل

خوشی سے بھر گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔ اس کا خوابناک چہرہ آنکھوں میں سما گیا تھا اور دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ وقت کے قدم ایک ہی جگہ ساکت ہو جاتے ہیں۔ وقت کو لاکھ دھکیلو مگر وقت ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ وہ وقت کا ایک ایک لمحہ گن کر گزار رہے تھے۔ مگر وقت جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ یا پھر انہیں ہی ایسا لگ رہا تھا۔ شاید ان کا دل حالتِ سکون میں نہیں تھا۔ دل کو بے چینی نے گھیر لیا تھا۔ انہوں نے فون اٹھایا تھا اور پھر حیدر شاہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری طرف سے فون مسلسل بج رہا تھا مگر جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے دوبارہ ٹرائی کرنے کا سوچا تھا تبھی حیدر شاہ کی کال آ گئی تھی۔ سہام مرزا نے ان کی کال پک کی تھی۔

''حیدر شاہ کیسے ہو تم؟'' سہام مرزا نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''السلام علیکم انکل سہام کیسے ہیں آپ؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ابھی آپ کو کال کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔ سب خیریت ہے تو نا؟ میں تو آپ کی کال دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔'' ان کے لہجے میں فکرمندی نمایاں تھی۔ اور سہام مرزا کو جاننے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ ہر چیز سے بے خبر تھے۔

''کچھ خاص تو نہیں مگر چند خدشات بہت پریشان کر رہے تھے۔ سوچا تم سے تبادلہ خیال کر لوں۔ مجھے لگا تھا شاید تم آگاہ ہو گے مگر تمہاری بات سے اندازہ ہوا ہے کہ تم ہر بات سے بے خبر ہو ابھی تک شاید۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور حیدر شاہ ان کی بات سن کر پریشان ہو گیا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ انکل کس بات کے خدشات؟ اور میں کس بات سے بے خبر ہوں۔''

''کیا ہوا ہے؟ حسین شاہ ٹھیک تو ہے نا؟'' میری بچی کو کیا ہوا ہے؟ جلدی بتائیے ورنہ میرا دل رک جائے گا۔ پلیز صاف صاف بات کیجئے۔ یوں پہیلیاں مت بجھوائیے آپ۔'' حیدر شاہ نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ ان کے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔ حسین شاہ ٹھیک نہیں تھی۔ کچھ ہوا تھا مگر کیا؟ وہ جاننے کے لئے بے چین تھے۔

''بات دراصل یہ ہے کہ آپ کو بات کر کے سمجھانا چاہتا تھا۔ آپ کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ میں جانتا ہوں آپ پریشان ہو جائیں گے مگر کسی بڑے خطرے کو ٹالنے کے لئے ضروری ہے کہ حفاظتی اقدامات کئے جائیں۔ حفاظتی تدابیر اختیار کر لی جائیں۔ بچے جوش میں ہوش گنوا سکتے ہیں۔ کچھ غلط ہو گیا تو پچھتاووں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔'' انہوں نے تمہید باندھی تھی۔

''سہام انکل مجھے لگ رہا ہے کہ کچھ غلط ہوا ہے اور یقیناً اس کا ذمہ دار عمیر شاہ ہی ہو گا۔ مجھے آپ کی باتوں سے اندازہ ہو گیا

ہے۔مگر آپ پلیز اتنی لمبی تمہید نہ باندھیں۔ مجھے اتنا بتا دیجئے میری بچی ٹھیک تو ہے نا۔آج صبح ہی میری بات ہوئی تھی۔وہ آواز سے مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ کچھ روئی روئی سی آواز تھی مگر مجھے ٹال گئی تھی۔ میں نے اصرار کیا تھا مگر اس نے وجہ نہیں بتائی تھی۔ بہانہ بنا کر بات بدل گئی تھی۔آج کل کے بچے بڑوں کو آرام سے ٹال دیتے ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ میرا خیال کرتی ہے تبھی مجھے پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔خیال کرنے والی۔سب کچھ خود ہی جھیل جاتی ہیں والدین کو خبر ہی نہیں ہونے دیتیں۔'' انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا۔اس کے لہجے میں حمین کے لئے پدرانہ شفقت محسوس ہوئی تھی۔

سہام مرزا کو افسوس ہوا تھا۔اتنے اچھے باپ کا بیٹا ایسے کیسے ہو سکتا تھا۔

''اظل بہت جذباتی ہے وہ اپنی چیزوں کے بارے میں بہت حساس ہے۔اور حمین شاہ تو اس کی زندگی ساتھی ہے۔اگر کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو یہ بات بھی اس کو طیش دلا سکتی ہے اور وہاں تو عمیر شاہ نے حمین شاہ کو ہراس کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کو دھمکایا ہے۔ذہنی اذیت سے دوچار کیا ہے۔اس کی وجہ سے حمین شاہ کو اسپتال جانا پڑا۔اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔اظل بہت غصے میں تھا مگر میں نے اسے سمجھایا تھا۔اس کے غصے کو ٹھنڈا کیا تھا۔لیکن آپ تو جانتے ہیں بچے کتنے جذباتی ہیں اگر کوئی حتمی قدم اٹھا لیا تو پھر جو نقصان ہوگا اس کا ازالہ بھی ممکن ہیں ہوگا۔ مجھے اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنی تھی۔عمیر آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔آپ کو کس قدر عزیز ہے مجھے اندازہ ہے مگر حمین شاہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ کوئی میری بیٹی کو نقصان پہنچائے۔اس کی تکلیف کا سبب بن جائے۔'' انہوں نے مدلل انداز میں کہا تھا اور ان کی بات سن کر حیدر شاہ شاکڈ رہ گئے تھے۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔عمیر شاہ تو بزنس ٹرپ پر گیا ہوا ہے۔وہ لندن میں تو نہیں ہے۔کل تو میری بات ہوئی تھی اس سے۔وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ حمین شاہ میرے لئے کیا اہمیت رکھتی ہے۔ میں اسے پہلے ہی وارن کر چکا تھا۔اسے باور کرا چکا تھا۔لیکن اگر آپ کی باتوں میں سچائی ہے تو میں اس کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ ساری عمر اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔ میں بھول جاؤں گا کہ میرا کوئی بیٹا بھی تھا۔ایسی نافرمان اولاد سے تو بے اولاد ہونا بہتر ہے۔ یہ سب حمیرا بیگم کا قصور ہے۔وہ اپنے اپنے انتقام کے لئے استعمال کر رہی ہے۔اس کے انتقام کی آگ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔ میں نے اسے کتنا سمجھایا تھا۔کتنا منع کیا تھا مگر وہ تو سمجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ میری بچی نجانے کس حال میں ہوگی۔کتنی اذیت کو خود ہی سہہ گئی۔ مجھے بتایا تک نہیں۔ میں اس کا مجرم ہوں۔اپنی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔اس کی تکلیف کا سبب بن گیا۔آپ مجھے معاف کر دیں۔اچھا ہوا آپ نے مجھے آگاہ کر دیا ورنہ میں تو بے خبر ہی رہتا۔ میں خطاوار ہوں۔اپنی بیٹی کا اور آپ کا بھی۔اظل کو کہئے گا مجھے معاف کر دے۔'' ان کا دھیما لہجہ بھرا گیا تھا۔ان کی آواز رندھ گئی تھی۔وہ تکلیف سے گزر رہے تھے اور سہام مرزا کو بہت دکھ ہوا تھا۔انہوں نے دلاسہ دینے کے لئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''میرا مقصد آپ کو دکھ دینا نہیں تھا نا ہی آپ کی معافی کی ضرورت ہے۔اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے بس آپ کو آگاہ

کرنے کا مقصد یہ تھا تا کہ حفاظتی اقدامات کئے جائیں۔ خطرات کی راہیں مسدود کردی جائیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بردباری سے اپنی بات ان تک پہنچا رہے تھے۔

''میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جایئے۔ میں اس مسئلے کو حل کرلوں گا۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ ٹہنیاں کاٹنے سے فرق نہیں پڑتا۔ جب درخت جلنے لگے تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے۔ اگر اس درخت کو جڑ سے نہیں نکالیں گے تو ٹہنیاں پھر سے اگ آئیں گی۔ انتقام کی آگ میں اندھا ہونا کسی بھی بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ میں نے سمجھایا تھا مگر بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ غصے سے کہہ رہے تھے۔ ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''غصہ کسی مسئلے کا حل ہرگز نہیں ہے۔ اب اس مسئلے کو تحمل سے حل کرنا ہوگا۔ ذرا سی بے احتیاطی یا جلد بازی اس مسئلے کو بگاڑ سکتی ہے اور پھر دونوں خاندانوں کا نقصان ہوگا جو کہ نا قابل تلافی ہوگا۔ تو اسی لئے میں بات کرنا چاہتا تھا کہ حتی الامکان کوشش کی جائے کسی نقصان کا احتمال نہ ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں بربادی سے مدلل انداز میں سمجھا رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں آپ جو بھی فیصلہ لیں گے وہ درست ہوگا اور حتمی بھی۔ مجھے آپ کی بردباری اور سمجھ بوجھ پر پورا بھروسہ ہے۔ میں آپ کی مانوں گا۔ جو آپ کہیں گے وہی کروں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں اصولوں کا پکا انسان ہوں۔ اپنے اصولوں پر سودا نہیں کرتا۔ اگر جرم ہوا ہے تو اس کی سزا تو ہوگی چاہے میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ میں اس کو کوئی رعایت نہیں دوں گا۔ آپ بھروسہ رکھئے یہ مت سمجھئے گا کہ اگر میرا بیٹا کچھ غلط کرے گا تو محفوظ رہے گا یا بچ نکلے گا۔ میری نظر میں انصاف زیادہ اہم ہے۔'' انہوں نے یقین دہانی کرائی تھی۔

''تمہارے دل کی حالت میں سمجھ سکتا ہوں مگر بچے یہ بات نہیں سمجھتے۔ اس عمر میں جوش سے کام لیتے ہیں۔ ہوش کے ناخن نہیں لیتے مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں جذبات میں بھی ہوش نہیں کھونے چاہئیں۔ بحرحال اس مسئلے کو سلجھایا جاسکتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم اس کا حل نکال لیں گے۔ مجھے تمہاری سمجھداری پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ مجھے دونوں بچے ہی عزیز ہیں۔ ان کی خیریت مطلوب ہے۔ اسی لئے تمہیں کہا۔ اصولوں کی پاسداری بھی ضروری ہے۔ جن حدود کا تعین ہو چکا ہے ان سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ یہ ان دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔'' سہام مرزا نے بردباری سے کہا تھا۔

''زندگی بہت مختصر ہے بیٹا اس کو چپقلش میں گزارنا دانشمندی نہیں ہے۔'' مدھم لہجے میں نصیحت کی تھی۔

''آپ نے بجا فرمایا انکل آپ کس سمجھداری اور مدلل دلائل ہمیشہ ہی قائل کر لیتے ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور آپ کو صحت دے۔ بزرگ رحمت ہوتے ہیں جو بڑے سے بڑے مسئلے کو اپنے تجربے کے نچوڑ سے حل کرے آسانی مہیا کردیتے ہیں۔'' حیدر شاہ نے مؤدب انداز میں سراہا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا۔ خوش رہے میرے لئے تم بھی میرے بیٹے جیسے ہی ہو۔ تم نے میری بات مان کر میرا مان بڑھا دیتا ہے۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے۔ تم نے میری عزت رکھ لی۔'' وہ شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''چلو بعد میں بات کریں گے۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ پھر بات کریں گے اللہ حافظ۔'' انہوں نے کہا تھا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ ان کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ کھڑا رہنا محال لگ رہا تھا۔ انہوں نے پوری رات جاگ کر گزاری تھی۔ بے تحاشہ ٹینشن لی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سینے میں چبھن بڑھتی جا رہی تھی۔ انہوں نے نفیسہ بیگم کو پکارا تھا۔ درد نا قابل برداشت ہو رہا تھا۔ اور نفیسہ بیگم ان کی آواز پر ان کی طرف پلٹی تھیں اور تیزی سے ان کو سنبھالا تھا۔ ملازم کو آواز دی تھی۔ ان کا دل جیسے تھم گیا تھا۔ سہام مرزا کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حیدر شاہ نے کبھی نہیں سوچا تھا کبھی ایسی صورتحال آ جائے گی جب اس کو اپنے بیٹے کو سزا دینے کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ مگر ایسا ضروری ہو گیا تھا۔ حمیرا بیگم سارے فساد کی جڑ تھیں۔ ان کے بار بار سمجھانے کے باوجود بھی وہ کچھ سننے کو تیار نہیں اور اپنی مرضی کر کے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کر رہی تھیں جو کہ سراسر غلط تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے حمیرا بیگم کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔ وہ فون پر کسی سے نہایت رازداری سے بات کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کو یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ ان کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا تھا۔ حیدر شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا راز کھل چکا تھا۔ ان کو اب حیدر شاہ کے سامنے جوابدہ ہونا تھا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اپنی شریک حیات کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر دکھ صاف دکھائی دے رہا تھا اور حمیرا بیگم ان کے غصے سے واقف تھیں۔ ان کو ایک ملال نے گھیر لیا تھا۔ کچھ بھی ہو وہ اپنے شریک حیات کو دکھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ان کی دل آزاری کرنا ان کا مقصد ہرگز نہیں تھا مگر اپنی بہن کی محبت اور ان کی اذیت بھری زندگی ان کو اکسا رہی تھی۔ ان کو انتقام لینے پر مجبور کر رہی تھیں اور یہ شدت اور بھی بڑھتی جا رہی تھی جب وہ اپنی بہن زرتاج شاہ کی سزا کی طرح گزاری زندگی کے بے کیف شب و روز دیکھتیں تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک سرد سا احساس ٹھہر گیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو زندگی کی خوشیوں کو خود پر حرام کر لیا تھا۔ زندگی کو ایک کرب سے گزار رہی تھیں۔

''حمیرا بیگم تو یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کے لئے میری کہی ہوئی کسی بات اور کسی قول کی کوئی عزت نہیں ہے اور نا ہی کوئی اہمیت؟ اس وقت مجھے احساس ہو گیا ہے کہ جب سکہ اپنا ہی کھوٹا ہو تو باہر کسی پر اعتراض کرنا بے فائدہ ہوتا ہے۔ تم نے اپنے مقصد اور اپنے گھناؤنے عزائم کو پورا کرنے کے لئے میرے بیٹے کا استعمال کیا۔ اپنے انتقام کی آگ کو بجھانے کے لئے تم نے اس بیٹے کو اکسایا جس کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتیں۔ پھر اس کو موت کے منہ میں کیسے دھکیل سکتی ہو؟ میں تو سوچتا بھی ہوں تو حیرت ہوتی ہے تم پر کہ تم ایسی بیوقوفی کر بھی کیسے سکتی

ہو۔ایسا فعل انجام دینے کا سوچ بھی کیسے سکتی ہو۔اپنے بیٹے کو ہتھیار بنا کر استعمال کر رہی ہو تم۔قسمت کے لکھے کو ماننے سے منکر ہو۔انکار ی ہو۔کیا تم نہیں جانتیں کہ اگر حسین شاہ کو کچھ ہو گیا تو کیا ہو گا؟ تمہارا بیٹا بھی نہیں بچے گا۔وہ بھی قانون کے شکنجے سے نہیں بچ پائے گا۔تم اس کو بچا نہیں سکو گی۔اپنے اکلوتے بیٹے کو کھو دو گی تم پھر کیسے جیو گی؟ تمہارے انتقام کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی تب؟ خالی ہاتھ، خالی گود کے کیا ملے گا تمہیں؟ عمر بھر کا اثاثہ انتقام کی نظر کر کے کیا فائدہ ہو گا۔گزرے وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔مگر گزرے وقت کے واپس لانے کے چکر میں حال اور مستقبل کو گنوا دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔کہاں کی دانشمندی ہے یہ؟ ماضی ک چپقلش کو دل میں رکھنے اور حال اور مستقبل کو خراب کر دینا کوئی اچھا فعل تو نہیں ہے نا۔اظل اور عمیر کی اگر مڈ بھیڑ ہو گی تو نقصان تو بہر حال ہمارا ہی ہو گا۔دونوں صورتوں میں دکھ ہمیں ہی ہو گا۔تم تو اپنے بیٹے کی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہو۔پھر اس کو کھونے کا سوچ بھی کیسے سکتی ہو تم۔میرا تو ایسا سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔دل بند ہوتا محسوس ہوتا ہے۔اس کو تکلیف میں سوچ کر میرے دل کی حالت غیر ہو گئی ہے۔تو سوچو حسین شاہ بھی تو کسی کی اولاد ہے۔کسی کی بیٹی ہے۔اس کے تو والدین بھی اس دنیا میں نہیں ہیں جو اس کی تکلیف کو بچا سکیں۔تم اس بچی کو ماں کا پیار نہیں دے سکتیں اس سے نفرت کرتی ہو مگر خدارا اس پر اتنا ظلم مت کرو۔اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔وہ بے بظاہر کچھ نہیں کہتی میرا دل کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ ناانصافی قطعی پسند نہیں آئے گی۔جب وہ انصاف کرنے پر آئے گا تو پھر کچھ بھی باقی نہیں بچے گا صرف پچھتاوے رہ جائیں گی۔اللہ تعالیٰ یتیم اور یسیر پر ظلم کرنے کو پسند نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ تو رحمدل انسانوں پر اپنا رحم برساتے ہیں۔وہ جب ہمارے بڑے بڑے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں تو تم ایک معصوم بچی کو معاف کیوں نہیں کر سکتیں؟ تم اپنے دل میں وسعت پیدا کیوں نہیں کرتی ہو؟ تم تو ماں ہو۔ماں کا دل تو بہت بڑا ہوتا ہے۔وہ تو دوسروں کے بچوں کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔پھر تم کیسی ماں ہو اپنے بیٹے کو ورغلا رہی ہو۔اس کو بدی کی طرف مائل کر رہی ہو۔اس کو ناانصافی اور ظلم کی راہ پر چلنے کی ترغیب دے رہی ہو۔ماں تو بچوں کو اچھے برے میں تمیز کرنا سکھاتی ہے۔ماں کی گود تو بچے کے لئے پہلا تعلیمی گہوارہ ہوتا ہے۔اس کی تربیت کرتی ہے۔اس کو نیک انسان بناتی ہے۔اس کو نیکی کی راہ دکھاتی ہے۔پھر تم اپنے بیٹے کے ساتھ ایسی ناانصافی کیسے رکھ سکتی ہو۔اس کو غلط راہ پر چلنے کی ترغیب کیوں دے رہی ہو۔اس بچی کو نقصان پہنچانے کا مطلب ہے کہ تمہارے جگر کے ٹکڑے کو مصیبت میں ڈالنا۔تم تو جانتی ہو نا وہ برطانوی شہری ہے۔اس کی ایک شکایت پر تمہارے بیٹے کو حراست میں لیا جا سکتا ہے۔پھر کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور اگر تم نے اب بھی آنکھیں کھول کر نہ دیکھا۔اپنے دماغ کو استعمال کر کے کوئی مثبت تبدیلی نہ لائیں تو زندگی بھر تمہیں بیٹے کو کھو دینے کا ملال ستاتا رہے گا۔اگر اظل نے جذباتی ہو کر طیش میں اگر کوئی سخت قدم اٹھا لیا تو پھر کیا ہو گا۔اگر دونوں کی لڑائی میں اگر عمیر کے ہاتھوں کوئی ناقابل تلافی نقصان ہو گیا تو پھر کیا ہو گا۔کبھی سوچا ہے تم نے؟ ابھی بھی وقت ہے حمیرا بیگم بس کرو۔بند کرو یہ انتقام کی رٹ اور اپنے بیٹے کو سکون کی زندگی جینے دو۔اس کی زندگی برباد مت کرو اور ساتھ ہی ساتھ اس معصوم بچی کو بھی بخش دو۔" انہوں نے مدلل انداز میں سمجھایا تھا۔ان کے مدھم لہجے میں فکرمندی نمایاں تھی۔آنے والے واقعات کے

خدشات ان کی آنکھوں میں امڈ آئے تھے۔ بولتے بولتے وہ تھک گئے تھے۔

''میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا۔ میں تمہارا دکھ سمجھ سکتا ہوں مگر ایک بار اس بچی کو پیار سے گلے لگا کر دیکھو تمہیں سکون مل جائے گا۔ اس کے والدین کو معاف کر دو تو ان کی روحوں کو قرار آ جائے گا۔ بہت ساری زندگیاں تباہ ہونے سے بچ جائیں گی۔ زرتاج کے بارے میں ہم کچھ سوچ سکتے ہیں۔ وہ زندگی کی طرف واپس لوٹ سکتی ہے۔ اسے ہماری توجہ اور بھروسے کی ضرورت ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں یقین دلاتا ہوں۔ ایک بار میری بات من کر دیکھ لو۔ پھر میں تمہارے ہر عمل میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ہم دونوں مل کر سب کچھ سدھار لیں گے۔ کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دیں گے۔ کبھی غلطیوں کو نہیں دہرائیں گے۔ جو ہو چکا اس کو بھول کر نئی سمت کی طرف سفر کریں گے۔ بچوں کی خوشیوں کو اولین ترجیح دیں گے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں یقین دلایا تھا۔ ان کی آنکھوں میں امید کی روشنی تھی اور حمیرا بیگم خاموش نگاہوں سے کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی تھیں پھر اٹھی تھیں اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں اور حیدر شاہ نے وہیں بیٹھے اسے جاتا ہوا دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر فون جیب سے نکالا تھا اور پھر کوئی نمبر ڈائل کیا تھا اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ وہ کوئی حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وقت حیران کرنے پر تل جاتا ہے۔ پریشانی کو اپنے پروں کے ساتھ باندھ کر لے آتا ہے اور زندگی کے حیرت زدہ چہرہ دیکھ کر مسکرا دیتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جب اس نے سوچا تھا کہ مصیبتیں شاید کچھ کم ہو جائیں گی مگر یہ اس کا وہم تھا۔ ایک نئی پریشانی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ دل کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ کھونے سے ڈرتی تھی۔ کھو دینے کا خوف اس کو مسلسل ڈرا رہا تھا اور اب یہ خوف مزید بھیانک شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس کا دل ساکت ہونے لگا تھا جب اس نے خبر سنی تھی اس کے ہاتھ سے فون گر گیا تھا۔ ٹانگوں میں سکت نہیں تھی کہ اس کا وزن سہار سکیں۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر کی طرف نکلی تھی۔

''وہ دواؤں کے زیر اثر ہو رہی تھی جب رامین کا فون آیا تھا۔ جو خبر اس نے دی تھی اس نے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

''اظل.....اظل.....!'' وہ چیخ رہی تھی۔ آنکھوں سے سمندر رواں تھے۔ وہ زور زور سے رو رہی تھی اور اظل کو تلاش کر رہی تھی۔ اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ پھر کچھ کھو دینے کے خوف نے دل کو دبوچ لیا تھا۔

اظل اس کی آواز سن کر کچن سے بھاگتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کو اس طرح روتا دیکھ کر اس کا دل ایک لمحے کے لئے بند ہو گیا تھا اور اسے سامنے دیکھ کر حسین شاہ کی ساری ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ وہ اظل سہام مرزا کے گلے لگ گئی تھی۔ اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں جیسے وہ محفوظ پناہ میں آ گئی تھی اور وہ سب کچھ درست کر لینے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اظل نے اسے بانہوں کے مضبوط

گھیرے میں لیا تھا اور بانہوں کا گھیرا تنگ کر دیا تھا۔ اس کے اس طرح رونے سے اس کا دل ساکت ہو رہا تھا۔ ایک خوف اس کے اندر سرایت کر گیا تھا۔ وہ سمجھے سے قاصر تھا۔ کس بات نے اسے اس قدر شدید دکھ سے دوچار کر دیا تھا جس کو سنبھالنا اس سے دوبھر ہو گیا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے اس کے سر پر کو تھپکا تھا۔

''حین شاہ کیا ہو گیا؟ پلیز کچھ تو کہو۔ کچھ تو بولو ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔ کچھ ہوا ہے کیا؟ تم ڈر گئی ہو اچانک؟ تم سو گئی تھیں میڈیسن دے کر تمہیں سلایا تھا اور پھر تمہارے لئے کھانا بنانے آیا تھا۔ تم اچانک جاگ گئیں اور.....!'' اس نے حین شاہ کو خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف بھرا ہوا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اس میں بولنے کی سکت نہیں تھی شاید۔ وہ بولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

''میں کچھ کھونا نہیں چاہتی اور کچھ کھو نہیں سکتی۔ نا ہی دادا جان کو اور نا.....!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

''اظل وہ دادا جان.....'' اس نے بمشکل کہا تھا اور اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا تھا۔ اس کے الفاظ کہیں کھو گئے تھے۔ اور اظل کو جاننے میں دیر نہیں لگی تھی کہ کونسے خدشات اسے ستا رہے تھے۔ اس کے خوف وجہ وہ جان گیا تھا۔

دادا جان آنے والے تھے مگر اچانک ہی ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ان کو مائنر ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اظل کو دادی جان نے فون کیا تھا۔ وہ فوراً وہاں پہنچنا چاہتا تھا مگر دادا جان نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ بہتر محسوس کر رہے تھے۔ ڈاکٹر باسط اور ڈاکٹر عابد اسحاق سے بات ہوئی تھی وہ Cardiologists تھے۔ وہ دادا جان کو خطرے سے باہر قرار دے چکے تھے۔ وہ حین شاہ سے یہ بات چھپانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں کہ وہ کوئی صدمہ یا ایسی خبر برداشت کر سکے مگر شاید رامین نے اسے بتا دیا تھا۔ اسی لئے وہ اتنے دکھ میں گھر گئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''اظل وہ دادا جان.....ان کو کچھ ہو گیا تو؟ تم سے کہا تھا نا۔ یہ خوف میرے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں لاکھ دھتکارتی ہوں، پرے دھکیلتی ہوں۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے جتن کر یک ہارنے لگتی ہوں مگر یہ کھونے کا خوف میرے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ اور جب میں تیز تیز بھاگتی ہوں تو میرے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ میں کتنی بھی تیز بھاگوں تب بھی میں اس سے دور نہیں جا پاتی۔ یہ خوف نجانے کونسے راستوں سے چلتا ہوا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور خوف کا چہرہ اور بھی بھیانک ہو جاتا ہے۔ خوف اپنی کامیابی پر مسرور ہو جاتا ہے جبکہ میرا دل دہشت اور کھو دینے کے احساس سے بند ہو جاتا ہے۔ ساکت ہو جاتا ہے۔ ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سرد خانوں میں پڑ جاتا ہے۔ منجمد ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہوا تھا نا جب ماما پاپا مجھ سے جدا ہو گئے تھے۔ کھو گئے تھے۔ میں ان کو تلاش کر کے ہارنے لگی ہوں مگر کوئی سراغ نہیں ملتا۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا اور اب..... میں کیسے رہوں گی۔ کسی اور کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ پہلے وہ خوف تمہارے پیچھے پڑ گیا تھا مگر.....!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ اور تھک کر اس کے

کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

اور اظل کی حسیات سماعت بن گئی تھیں۔ وہ پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ اس کا دل اس کی تکلیف پر تڑپ اٹھا تھا۔ اس نے بانہوں کا گھیرا مزید تنگ کر دیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس کو دل میں چھپا لے۔ اس کے سارے دکھ خود لے لے اور کسی خوف کا سایہ بھی اس پر نہ پڑنے دے۔ مگر وہ بے بس ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔ ایک خوف نے اس کی آنکھوں میں مسلسل ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ وہ اس کی مدھم پڑتی دھڑکنوں کو سن رہا تھا۔ ہولے ہولے اس کے سر کو سہلا کر دلاسہ دے رہا تھا۔

''اگر میں نے دادا جان کو کھو دیا تو.....؟ میں کیا کروں گی؟ پھر..... میں تو پہلے ہی تہی دست ہو گئی ہوں۔ تم نے بھی تو مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے نا۔ تم نے کہا تھا مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑو گے مگر.....؟'' اس نے بے ربط جملے بولتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کتنے گلے تھے اس کے لہجے میں۔ کتنے ہچکولے تھے اس کی سرمئی سمندروں سی گہری آنکھوں میں اور اظل کا دل تو ان آنکھوں میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی شکست تو طے تھی مگر اس کو جاننے کا تجسس تھا۔

''مگر کیا ھین شاہ.....؟ تم ادھوری باتیں کر کے میری مشکلیں کیوں بڑھا دیتی ہو؟ باتوں میں ربط بننے لگتا ہے تو فوراً موضوع بدل دیتی ہو۔ میں تمہاری ادھوری باتوں کے معنی تلاش کرنے میں جت جاتا ہوں۔ بے ربط باتوں کے ربط جوڑنے لگتا ہوں مگر میں ناکام ہو جاتا ہوں۔ تم بات کو مکمل کیوں نہیں کرتیں؟ میں تو ہمیشہ ہی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں نے تمہیں کب تنہا چھوڑا؟ تمہیں کھو دینے کا خوف میرا دل ساکت کر دیتا ہے۔ تمہارے بغیر جینے کا تصور نہیں ہے ھین شاہ۔ زندگی تم ہو۔ سانس لینے کی وجہ تم ہو۔ دل کی دھڑکن تم ہو۔ تمہارے بغیر کہیں کچھ نہیں ہے۔ میرا اور تمہارا تو صدیوں پرانا رشتہ ہے۔ جب محبت نے آنکھ کھولی تھی تو ایک روشنی نے محبت کی آنکھوں کو منور کر دیا تھا۔ تم وہ روشنی ہو۔ جس نے محبت کے دل کو رنگوں سے بھر دیا تھا۔ اس روشنی کے خط مستقیم پر سفر کر کے روشنی رنگوں میں ڈھلنے لگی تھی۔ قوس و قزح کے سارے رنگ آنکھوں کے آسمان پر پھیل جاتے ہیں۔ آسمان کو زندگی کا احساس دینے لگتے ہیں۔ محبت روشنی میں نہا جاتی ہے۔ مدھم مدھم سرگوشیوں میں ان رنگوں سے گفتگو کرنے لگتی ہے۔ محبت کو دل کی حکایتیں سنانے لگتی ہے۔ محبت کو داستانیں سنا کر زیر کر لیتی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔

وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھامے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ کے قول و فعل میں کھلا تضاد ہے۔ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ منکر تھا۔ اس کی آنکھوں میں خدشات نے ڈیرہ جما لیا تھا اور اظل کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''تم چلتا پھرتا جھوٹ کا کوئی چہرہ ہو۔ تم پر اعتبار کرنا دشوار گزار عمل ہے۔ جب بھی میں اعتبار کرنے کی کوشش کرتی ہوں تم میرے اعتبار کی کی دھجیاں بکھیر دیتے ہو۔ اسے ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہو۔ اب اعتبار کرنا عبث ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں منکر ہوئی تھی۔ سرنفی

میں ہلایا تھا اور پھر اپنا ہاتھ اپنے گلے میں پڑے پنڈنٹ پر رکھا تھا۔

''تم اعتبار کرنا ہی نہیں چاہتی ہو۔ جب اعتبار چلتا ہوا تم تک آتا ہے تو تم اس کی راہیں مسدود کر دیتی ہو۔ اس کو اپنے دل تک نہیں پہنچنے دیتی ہو۔ اعتبار دبے قدموں سے چلتا ہوا تمہارے دل کے گنجل راستوں پر قدم رکھتا ہے۔ ڈرے سہمے انداز میں چلتا ہوا ان بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہے۔ دل کے دروازے پر قفل دیکھ کر بھی حوصلہ نہیں ہارتا۔ اعتبار کا حوصلہ پست نہیں ہوتا۔ لیکن تم دل کے کواڑ مضبوطی سے بند کر لیتی ہو۔ اعتبار کی پذیرائی تو دور کی بات ہے اس قفل کی مضبوطی پر بھی اعتبار نہیں کرتی ہو۔ کونوں کھدروں کے سوراخوں اور دراڑوں کو میخیں لگا کر بند کر دیتی ہو۔ یہ میخیں باہر کھڑے اعتبار کے دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اعتبار نڈھال سا شکست خوردہ انداز میں سر جھکا دیتا ہے۔ زخمی دل کے ساتھ ادھ موا سا کھڑا رہتا ہے۔ اپنی مات کو فراخدلی سے برداشت کرتا ہے۔ بے اعتباری دور کھڑی مسکراتی رہتی ہے۔ اپنی جیت پر سرشار سی کھڑی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا دھیان اصل موضوع سے ہٹانا مقصود تھا۔ تبھی تو بات کو طول دے رہا تھا۔

''آپ خواہ مخواہ ان باتوں کو طول دے رہے ہیں۔ بے جواز باتوں میں جواب تلاش کر رہے ہیں۔ لایعنیاں باتوں کے معنی اپنی مرضی کے مطابق من پسند لفظوں میں ڈھالنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ سب رائیگاں جانے والا ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں جتایا تھا۔

''دادا جان کو کچھ نہیں ہوگا نا؟ کسی اور بات کی یقین تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ اتنا تو بتا سکتے ہیں نا؟ یاد رکھئے گا اگر دادا جان کو کچھ ہو گیا تو ہمارا یہ نام نہاد رشتہ بھی اپنی وقعت کھو دے گا۔ دادا جان کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔'' وہ مدھم لہجے میں کوئی درخواست کر رہی تھی۔ آواز بھرا گئی تھی۔

اظل نے ہاتھ بڑھا کر اس کے رخسار پر بہتے انمول موتی اپنی پوروں پر لئے تھے۔ ان کو قیمتی متاع حیات کی طرح سنبھال لیا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے یقین دہانی کرائی تھی۔

''دادا جان کو کچھ نہیں ہوگا۔ ان کے ساتھ تمہاری دعائیں ہیں نا۔ دادا جان نے کہا تھا جب بیٹیاں دعا کرتی ہیں تو ان کی دعائیں ضرور مستجاب ہوتی ہیں۔ تم اور رامین نے دادا جان کے لئے دعا کی تھی نا۔ ان کی لمبی زندگی کے لئے۔ تو تمہاری دعاؤں نے ان کو بچا لیا۔ ان کی طبیعت اب قدرے بہتر ہے۔ میری بات ہوئی تھی۔ میں نے آنے کہا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا تھا۔ تمہارا خیال رکھنے کی سختی سے تاکید کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا اگر میں نے تمہیں دکھی کیا یا رولایا کبھی یا تمہیں کبھی تنہا چھوڑا یا پھر بھی اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی برتی تو وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ اس لئے میں ان کے حکم سے انحراف کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا۔

اور حین شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔ میں میڈیسن کھا کر سو گئی تھی۔ مجھے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ شام ڈھل گئی ہے۔ میں تو دادا جان کا انتظار کر رہی تھی۔ انہوں نے خود مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ مجھ سے ملنے آنے والے تھے۔ میں نے تو کتنی تیاریاں کی تھیں۔ ان کا پسند کا

کھانا بنالیا تھا۔ان کے لئے کمرہ صاف کرایا تھا۔وہ تو ٹھیک تھے پھر اچانک ایسا کیا ہوگیا کہ ان کو ہارٹ اٹیک ہوگیا؟ کہیں آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا نا؟ کہیں ان کو کچھ پتا تو نہیں چل گیا کہ عمیر شاہ یہاں ہے اور اس نے مجھے.....؟ مگر ان کو کیسے خبر ہوئی۔ضرور آپ نے ہی بتایا ہوگا۔ مجھے تو کل رات کو ہی سمجھ جانا چاہئے تھا۔میں کیسے بھول گئی۔میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا۔ان کو کچھ نہیں بتایئے گا۔مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی۔اب تو آپ خوش ہیں نا۔یہی چاہتے تھے نا آپ؟'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔اسے الزام دیتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔دو قدم پیچھے ہٹ کر فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔

اور اظل نے پل پل رنگ بدلتے مزاج والی شریکِ حیات کو بے بسی سے دیکھا تھا۔وہ کتنی مشکل تھی۔اس کو سمجھنا اور بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔جتنا وہ اسے جاننے کی کوشش کرتا تھا وہ مزید پیچیدہ ہوجاتی جارہی تھی۔وہ کسی پہیلی کی طرح تھی جس کو جاننا ناممکنات میں شمار ہونے لگا تھا۔

''میں جانتا ہوں عشق کو سارے اختیار حاصل ہیں لیکن تم نہیں جانتی ہو کہ محبت کمال ضبط رکھتی ہے۔تم کچھ بھی الزام لگاؤ سرِ تسلیم خم کئے کھڑا ہوں۔جتنا بھی چاہو ہو جاؤ مگر یوں بے اعتباری کا مظاہرہ مت کرو۔تم اس بات سے مکمل طور پر واقفیت رکھتی ہو کہ دادا جان مجھے کس قدر عزیز ہیں۔میں ان کے ایک ایک حرف کو پتھر پر لکھی ہوئی تحریر کی طرح مانتا ہوں۔ان کا کہا ہر لفظ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔جو انہوں نے کہا ہے وہ تو ماننا ہی پڑے گا۔ورنہ ان کی خفگی برداشت کرنا ناممکن ہے میرے لئے۔میں جرأت بھی نہیں کرسکتا ان کی کسی بات سے انحراف کرسکوں۔اس کے لیے مجھے چاہے کسی بھی حد سے گزرنا پڑے میں رتی بھر بھی تعامل نہیں برتوں گا۔'' وہ مدھم لہجہ پر عزم تھا۔اس کی تمام جلی کٹی خاموشی سے سہ گیا تھا۔

''اوہ یہ یقین آپ خود کو کروا رہے ہیں یا مجھے؟ کیونکہ میں جانتی ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔آپ کو جو کرنا ہے وہ تو آپ ہر حال میں کر کے ہی رہیں گے۔آپ کے پلان تو پہلے ہی طے ہو چکے ہیں پھر اب ان میں وقتی ردوبدل ہو بھی جائے تو اس سے کیا فرق پڑنے والا ہے؟ یہ ادراک آپ کو آج ہی کیوں ہوا کہ میں آپ کی ذمہ داری ہوں؟ اس کا ادراک کچھ دن قبل کیوں نہیں ہوا تھا جب مجھے آپ کی ضرورت تھی؟ تب تو آپ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوگئے تھے اور اب بھی میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا۔مجھے تو آپ جھٹلانے کی کوشش نہیں کرسکتے؟ اگرچہ ماننے سے گریزاں بھی ہونگے تب بھی مجھے اس سے کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں ہے۔دکھاوا کرنے کی تو آپ کی پرانی عادت ہے اور مجھے اس دکھاوے کے رشتے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔مجھے کل ہی دادا جان کے پاس جانا ہے۔کچھ بھی ہو مجھے پرواہ نہیں ہے۔انہیں میری ضرورت ہوگی۔'' اس نے ضدی لہجے میں حتمی فیصلہ سنایا تھا۔آنکھوں میں کتنے ہی خدشات نے ڈیرہ جمالیا تھا۔

''تمہیں یاد ہے ناھین شاہ.....ان سرمئی تغافل بھری آنکھوں کتنے ہی خدشات گٹھڑی اٹھائے چلے آتے ہیں۔کتنے ہی اندیشے ان سرمئی سمندروں میں ہلچل مچا کر ان میں طغیانی برپا کردیتے ہیں۔بے یقینی کی لہریں تیزی سے یقین کے کناروں سے آکر ٹکراتی ہیں اور

یقین کو پرے دھکیل دیتی ہیں۔ان خدشات کی گٹھڑیاں ان سرمئی سمندروں میں تیرتی رہتی ہیں۔بدگمانی کی ہوا ان کو اپنے ساتھ بہاتی رہتی ہے اور یقین ان لہروں کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے اور پھر ان خدشات کی گٹھڑیوں کو دبوچ لیتا ہے۔ان پر ہاتھ رکھتا ہے اور ان کو پانی میں ڈبو دیتا ہے۔ان گٹھڑیوں کو سمندر عمیق گہرائیوں میں پہنچا کر سکون کا سانس لیتا ہے اور ان سرمئی سمندروں میں یقین کے رنگ پھیلتے لگتے ہیں۔لیکن خدشات کہیں سے پھر نمودار ہو کر یقین کو ڈگمگانے لگتے ہیں۔یہ عجیب منظر ہے تم نے شاید کبھی نہیں دیکھا۔مگر میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھا ہے اکثر یہ جنگ تمہاری آنکھوں میں جاری رہتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہا تھا۔وہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں اجنبیت کے رنگ تیرنے لگے تھے۔وہ لاتعلق سی نظر آنے لگی تھی۔

''مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔آپ کی باتوں نے میرے اندر ایک حبس سی بھری ہے۔گھٹن کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔مجھ سے سو سانس لینا بھی محال ہو گیا ہے۔آپ کی بے ربط باتوں سے گہرے اثرات مرتب ہونے لگے ہیں۔مجھے تو سمجھ نہیں آتی آپ اپنی ان باغی سوچوں کے سارے راستے کھلے کیسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ جس طرف چاہیں شتر بے مہار کی طرح منہ اٹھائے چلتی پھرتی رہیں۔آپ ان سوچوں کے راستے مسدود کیوں نہیں کرتے ہیں؟اگر آپ کو ادراک ہو چکا ہے تو سوچوں نے بغاوت کر کے غلط راستوں پر قدم رکھ دیئے ہیں تو ان کے بڑھتے قدموں کو روکتے کیوں نہیں ہیں۔کچھ تدارک کیوں نہیں کرتے آپ؟'' وہ دھیمے لہجے میں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔اظل سہام مرزا نے حین شاہ کی نگاہوں میں تیرتے ہوئے اندیشے دیکھے تھے پھر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا اور حین شاہ نے حیرت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کہاں.....کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟'' اس نے رک کر پوچھا تھا۔اظل نے پلٹ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا اور پھر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا تھا اور پھر اس کے لیے دروازہ کھولا تھا اور اس کے بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کر کے دوسری طرف آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔گاڑی میں گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

''تم خاموش کیوں حین شاہ.....تم تو خاموش ہوتی ہو تو لگتا ہے جیسے ایک گہرا سکوت چھا گیا ہو۔لفظ خاموش ہو گئے ہوں۔لفظوں کو ایک گہری چپ لگ گئی ہو۔لفظوں کی نگاہیں منجمد ہو گئی ہوں۔تم کچھ بھی کہو مگر ان لمحوں کو خاموشیوں کی نظر مت کرو۔اس گھمبیر جامد خاموشی کو یوں پنپنے مت دو۔اس سکوت سے خوف آتا ہے مجھے۔تمہاری گہری چپ کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی ہے۔لگتا ہے جیسے لفظ کہیں راستہ بھٹک گئے ہوں اور دور ویرانوں میں بسیرا کر چکے ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں درخواست کر رہا تھا۔

حین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر چہرے کا رخ موڑ لیا تھا اور نگاہیں باہر گزرتے مناظر پر جما دی تھیں جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی اور کام نہیں تھا۔اور اظل کی آنکھوں میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔لمحے طوالت اختیار کرتے جا رہے تھے اور خاموشی اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔گاڑی لندن برج کے پارکنگ NCP Car Park London SE1 3RU میں گاڑی پارک کی تھی۔پھر

اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر چلتا ہوا لندن برج کی طرف بڑھا تھا اور حین شاہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے اظل کی طرف دیکھا تھا۔وہ کیسے جان جاتا تھا اس کے دل کی بات۔اس میں چھپے بھید اس کے کو یسے از بر ہو جاتے تھے۔اچانک ہی وہ کیسے بنا کہے ان رازوں تک رسائی پا جاتا تھا۔اس سے سانس لینا محال ہو رہا تھا اور وہ اس کے دل کی بات جان گیا تھا۔اس نے ایک گہرا سانس لے کر ساری تازہ ہوا کو اپنے اندر بھرا تھا اور پھر اظل کی طرف تشکر بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔نیلے صاف آسمان کے وسط میں پیلا چاند اپنی چھب دکھا رہا تھا۔اچانک کی سنہرے بادل کہیں سے نمودار ہوئے تھے اور انہوں نے روپہلے چاند کے گرد ہالا بنانا شروع کر دیا تھا۔رات کی تاریکی میں یہ نظارہ لندن برج پر کھڑے ہو کر دیکھنا ایک مسحور کن عمل تھا۔دل کو اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔رات کی روشنی میں ایک جیتا جاگتا شاہکار لگ رہا تھا۔وہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"I would must say it is a magical sight, the city of London at night looks spectacular and it captured to heart and mind. It's truly mesmerizing moments indeed...

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔اس کی آنکھوں نے اچانک ہی رنگ بدلے تھے یا شاید دادا جان سے بات کرنے کے بعد اس کو کچھ اطمینان ہوا تھا تبھی تو آنکھوں میں فسوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔اس کی آنکھیں اظل سہام مرزا کو اپنے ساتھ باندھ کر لے گئی تھیں۔وہ پل بھر میں اس کی آنکھوں کے رنگ بدلتے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔اس کی آنکھوں میں اضطرابی اتر آئی تھی۔

''میں نہیں جانتا اتنے رنگ اچانک آنکھوں میں آ کر کیسے ٹھہر جاتے ہیں۔پھر اچانک ہی ان رنگوں میں کچھ اور بھی رنگ شامل ہو جاتے ہیں۔پھر اچانک ایک گہری دھند چھانے لگتی ہے اور میں اس دھند میں چلنے لگتا ہوں اور اسی دھند میں کھونے لگتا ہوں۔جیسے کوئی افراتفری میرے اندر پھیلنے لگتی ہے۔میری لامتناہی سوچیں مزید الجھنے لگتی ہیں۔روح ان الجھی ہوئی گنجل سوچوں میں کہیں بھٹک جاتی ہے اور تمہاری سوچوں کے دروازے مجھ پر وا نہیں ہوتے ہیں۔یہ در میرے لئے نہیں کھلتے ہیں۔مگر میں تگ و دو میں جت جاتا ہوں۔تمہاری سوچوں کے دروازے پر دستک دیتا رہتا ہوں تا کہ ان تک رسائی پا سکوں۔میں اس عمل میں سرگرداں ہو جاتا ہوں۔تمہاری سوچوں کو جاننے کے لئے بے چین ہو جاتا ہوں۔ان رازوں کو جاننے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہوں۔ان آنکھوں کی دبیز تہہ میں چھپے خوف کو محسوس کرنا چاہتا ہوں لیکن تم مجھے ان بھیدوں کے طلسم میں داخل نہیں ہونے دیتی ہو۔میری سوچوں کو متضاد راستوں پر ڈال دیتی ہو۔اور میں ان بھیدوں کو زیر کرنے کی جستجو میں تڑپتا رہتا ہوں۔ان آنکھوں میں صرف ایک خالی پن سا بھر جاتا ہے۔وہ آنکھیں برف کی طرح سرد پڑ جاتی ہیں جیسے ان میں سارے احساسات منجمد ہونے لگتے ہیں۔میں ایک مشکل دوراہے پر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ایک کبھی نہ ختم ہونے والا طویل راستہ بغیر کسی اختتام کے۔میں سدھ بدھ کھونے لگتا ہوں۔میں نہیں جانتا ان لامتناہی راستوں کا اختتام کہاں ہوگا۔میں دل و دماغ کی جنگ میں ہارنے لگتا ہوں۔کمزور پڑنے لگتا ہوں مگر ایک امید میرے حوصلے پست نہیں پڑنے دیتی۔میں پھر سے ہمت کر کے ان راستوں

پر گامزن ہو جاتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کے راز منکشف کر رہا تھا۔ بغور اسکی آنکھوں کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر حیران تھا۔ پھر دھیمے لے گویا ہوا تھا اور حین نے حیرانگی سے بھری نگاہوں سے اظل کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جان پائی تھی وہ کس بارے بات کر رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اظل اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''جانتی ہوں حین شاہ تمہاری سرمئی آنکھیں موسم کے ساتھ ساتھ رنگ بدلنے والی جھیل کی طرح ہیں۔ جب میں کولمبیا کے شہر Osoyoos گیا تھا تو Spotted Lake کو دیکھ کر میں حیرت کدوں میں کھو گیا تھا۔ ایک مسحور کن نظارہ تھا جسے دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور رنگوں کا ایسا تصوراتی نظارہ میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھا ہے۔ جیسے وہ انوکھی جھیل سالہا سال سے اپنے رنگ بدلتی رہتی ہے اور اس کا ہر بدلتا رنگ دوسرے رنگ سے کہیں زیادہ دلکش اور خوشنما ہوتا ہے۔ ایک مسحور کن نظارہ میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں جب خوابوں کی رنگوں سے بھری پگڈنڈی پر آنکھ مچولی کرتے ہوئے دور نکل جاتے ہیں۔ جب اچانک خدشات کی دھوپ ان رنگوں سے مزین جھیل پر پڑتی ہے تو ان رنگوں کے دھبوں کے بنے دائروں میں یقین کے پانی پر ڈوبتے تیرتے اندیشے اور خوف اس یقین کے پانی میں شامل ہو کر اس کے رنگوں میں تبدیلی رونما کر دیتے ہیں مگر پھر اچانک محبت کا سورج ان اندیشوں کی دھوپ کو نگل جاتا ہے۔ تب اس روشنی میں اندیشے، بے یقینی اور خوف کا پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ تب پانی خشک ہو جانے کی وجہ سے خوابوں کو راستہ مل جاتا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کی جھیل کی سطح پر آ جاتے ہیں اور ان بھول بھلیوں والے طلسم کدے میں راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ رنگ برنگے خواب رنگوں کا پیرہن پہن کر تاحدِ نظر تک پھیل جاتے ہیں اور تمہاری آنکھوں کو مزید دلکش بنا دیتے ہیں۔ چاروں طرف ایک فسوں پھیل جاتا ہے۔ ان خوابوں کو محبت کی کتھارسس ازبر ہونے لگتی ہے۔ تب اچانک موسم کی تمازت پھر اثر پذیر ہوئی ہے اور جھیل بدگمانی کے پانیوں سے بھر جاتی ہے اور پھر بدگمانی کا زہر اس جھیل کے پانی کو نیلا کر دیتا ہے۔ خوابوں کا بچنا دشوار ہونے لگتا ہے۔ وہ رنگوں سے مزین خواب اس بدگمانی کے پانی پر تیرنے لگتے ہیں۔ ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ ہراساں نگاہوں سے محبت کی طرف دیکھتے ہیں۔ زخموں سے چور یاس بھری نگاہوں سے محبت کی جانب ایک ٹک دیکھتے جاتے ہیں۔ محبت بدگمانی کے پانی کو پرے دھکیل کر اپنا نرم ہاتھ خوابوں کے پروں پر رکھ دیتی ہے۔ ان کی مسیحائی کرتی ہے۔ اور خواب پھر سے زندگی پانے لگتے ہیں۔ جھیل کے رنگ بھر سے بولنے لگتے ہیں۔ ان خوابوں کے پر چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور رنگوں کا ایک حسین امتزاج مسحور کر لیتا ہے۔ اپنے فسوں میں باندھ لیتا ہے۔ بچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑتا۔ فسوں اپنا حصار بنا لیتا ہے۔ ایک اسم پھونک دیتا ہے۔ میری آنکھیں تو ساکت رہ جاتی ہیں۔ اس منظر سے ہٹنے کی سعی چاہ کر بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہاری آنکھوں کی یہ جھیل مجھے طلسم کدوں میں دھکیل جاتی ہے۔ تم ہی کہو میں تو جتن کر کے ہار گیا ہوں۔ عقدہ کھلتا ہے کہ اس قید سے رہائی کسی طور ممکن نہیں۔ اس اسم کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ اس سے بچنا عبث ہے۔ ان رنگوں کے حصار سے نکلنا ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ وہ دھیما لہجہ محبت کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ عجیب رازوں سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ حین شاہ نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف

ایسے دیکھا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ وہ عجیب وغریب اصطلاحات متعارف کرا رہا تھا۔ حین نے اس کو غصے سے گھورا تھا اور پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ مگر اس کی نگاہ ایک جگہ ساکت ہوگئی تھی۔ اچانک ہی ایک خوف نے اسے دبوچ لیا تھا۔ ایک ڈر نے پنجے گاڑ لئے تھے۔ ایک خوف آنکھوں میں امڈ آیا تھا۔ اس کی گرفت اظل کے ہاتھ پر سخت ہوگئی تھی اور اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد پڑ گیا تھا۔ اس کی اچانک بدلنے والی کیفیت پر اظل نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر حین شاہ کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا اور اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔ عمیر شاہ تیزی سے حین شاہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور حین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **تیرہویں** قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

کتاب گھر پر شائع ہونے والا امائیہ سردار خان کا خوبصورت ناول

عشق جان طور آمد

اب کتابی شکل میں دستیاب ہے۔ آج ہی رابطہ کریں اور اپنی کاپی گھر بیٹھے حاصل کریں۔

ناول ملنے کا پتہ

علم وعرفان پبلشرز

40 ۔ الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

042-37232336, 37352332

''اظل کے ہاتھ پر اس کی گرفت اور بھی مضبوط ہوگئی تھی۔ اظل نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کے گرد بازو کا حصار بنا کر اس کو محفوظ پناہ میں مقید کر دیا تھا۔ پھر عمیر شاہ کی طرف دیکھا تھا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی فضا کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''تم سے کہا تھا میں تمہیں بار ہا تنبیہ کی تھی کہ حسین شاہ سے دور رہو۔ تمہارا سایہ بھی اس پر پڑتے دیکھنا نہیں چاہتا ہوں میں۔ لیکن لگتا ہے کہ تمہیں شرافت کی زبان سمجھ میں نہیں آتی اس لیے تمہیں اب سمجھانے کا دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اگر بڑے پاپا کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں تمہیں کب کا سبق سکھا چکا ہوتا مگر خوش قسمت ہو تم کیونکہ صرف بڑے پاپا کی بدولت ہی تم اب تک محفوظ ہو۔ لیکن تم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہو۔'' اظل سہام مرزا نے بردبار لہجے میں اسے سمجھایا تھا۔ اپنے غصے کو ضبط کر کے تحمل کا مظاہر کیا تھا۔

''اور فضا تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تم کب آئیں؟ مجھے کیوں نہیں بتایا تم نے؟ ممی کی کال آئی تھی کہ تم یہاں آئی ہو ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تم عمیر شاہ کے ساتھ ہو گی مگر تم نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔'' اظل نے فضا کی طرف دیکھ کر کہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ فضا کے چہرے پر خجلت پھیل گئی تھی۔ سارا چہرہ اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر سرخ پڑ چکا تھا۔ اس نے عمیر کو منع کیا تھا جب وہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھا۔

''تم اسے یہاں دیکھ کر حیران ہو یا پھر میرے ساتھ دیکھ کر حیران ہو اظل سہام مرزا؟ تم جو اس طرح حیرت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ اپنی چپقلش اس پر اتار رہے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دبی راکھ میں چنگاریاں اب بھی باقی ہیں۔ دیکھ لو تمہارا ماضی بھی میرے اختیار میں ہے اور تمہارا حال بھی اور مستقبل بھی میرے ہی اشاروں پر ناچنے لگا۔ تمہیں ادراک ہو چکا کہ تمہارے اختیار میں کچھ نہیں۔ یہ بات تمہاری تلملاہٹ کا باعث بن رہی ہے۔ تم جو غصے کو چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہو مگر تمہاری آنکھ سے عیاں ہو رہا ہے کہ تم کتنے شکست خوردہ سے کھڑے ہو۔ تمہارے ماضی کے دن میں میں براجمان ہوں اور حال اور مستقبل کے دل و دماغ پر میرے خوف کا تسلط جما ہوا ہے۔ میرے خوف نے تمہارے حال کے دماغ پر غلبہ پا لیا ہے۔ اب تم کیا تدارک کرو گے اظل سہام مرزا؟ تمہاری حالت قابل رحم ہے۔ مجھے تو تم پر ترس آ رہا ہے۔ میری ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر چاہو تو تم اس حصار کے چنگل سے اپنے حال کو اور مستقبل کو آزاد نہیں کرا سکتے۔ اگر جو دعویٰ ہے تو کوشش کر کے دیکھ لو۔ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔'' عمیر شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کھلا چیلنج دیا تھا۔ وہ اظل کے ہاتھوں پر حسین شاہ کی مضبوط گرفت دیکھ چکا تھا۔

''عمیر شاہ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ تم جس ماضی کی بات کر رہے ہو اس ماضی سے میرا کوئی خاص رشتہ نہیں تھا۔ جس نہج پر تم سوچ رہے ہو اس طرح تو ہرگز نہیں۔ لیکن میں اپنی دوست کے لئے بھی تم جیسے انسان کو کبھی اس قابل نہیں سمجھتا۔ کیونکہ تم جیسے انسان کبھی قابل بھروسہ نہیں ہوتے جو رشتوں کا احترام کرنا نہیں جانتے۔ لیکن تم میرے حال کو پریشان کرنے کی جسارت بھی کرو گے تو اس کا خمیازہ

تمہیں ہر حال میں بھگتنا پڑے گا۔اس کا ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔تم ہرگز میرے عتاب سے نہیں بچ سکو گے۔یہ بات تم اچھی طرح یاد رکھنا۔ میں اپنے حال اور مستقبل کی حفاظت اچھی طرح کر سکتا ہوں۔آئندہ بھی نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جسارت مت کرنا۔'' اس نے سخت لہجے میں تنبیہ کی تھی اور پھر حین شاہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا تھا۔دو قدم چلنے کے بعد رکا تھا اور پھر فضا کی طرف مڑا تھا۔

''تم اس جیسے شخص کے ساتھ ہے مجھے حیرت ہے۔اگر یہ تمہارا انتخاب ہے تو مجھے ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔میں تم جیسی ذہین اور دانشمند لڑکی سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھتا تھا۔ایسے غیر دانشمندانہ فیصلے کی امید نہیں تھی مجھے۔'' وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ چلتے ہوئے حین شاہ کی طرف دیکھا تھا جس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں برف ہو رہا تھا۔جو کہ اس کی اندرونی حالت کی قلعی کھول رہا تھا۔بظاہر وہ پراعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں وہ خوف جیسے ٹھہر گیا تھا۔وہ جانتی تھی وہ ایک محفوظ پناہ میں ہے مگر اسے ڈر اپنے لئے نہیں تھا۔وہ اسے کسی کو نقصان پہنچاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی نا ہی اس کو کسی دکھ میں یا مصیبت میں گھرتا ہوا دیکھ سکتی تھی۔وہ اس کے کسی نقصان کا پیش خیمہ نہیں بننا چاہتی تھی۔وہ اس کو کسی مصیبت میں دیکھ نہیں سکتی تھی۔وہ اظل سہام مرزا کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔یہی بات اس کو خوفزدہ کر رہی تھی۔وہ اظل کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔یہ سوچنا بھی سوہان روح تھا۔یہ سوچ ہی اس کا دل بند کرنے کے لئے کافی تھی۔وہ اس کے دکھ کی وجہ نہیں بن سکتی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلے تناؤ سے ثابت تھا وہ اس کے دکھ کی وجہ بن گئی تھی۔ذہنی چپقلش کی وجہ بن چکی تھی۔ اس نے اظل کی طرف دیکھا تھا اور پھر نگاہیں سامنے راستے پر جما دی تھیں۔وہ اس کے ساتھ ہمقدم تھا۔اس کے لئے ڈھال بنا اسے متاع حیات کی طرح سنبھال کر گاڑی تک بڑھا تھا اور پھر اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے اس طرح بٹھایا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا تھی۔پھر دروازہ بند کر کے پلٹ کر دوسری طرف آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور پھر گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔اس کے چہرے پر سے تناؤ کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا تھا۔اس کی ذہنی حالت کا اندازہ کر سکتی تھی۔اس نے اظل کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔اظل نے حیرت سے دیکھا تھا اور پھر نگاہیں دوبارہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی تھیں۔راستہ طویل ہو گیا تھا یا پھر اسے لگا تھا کہ طوالت بڑھتی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی جنگ صرف وہ ہی نہیں ہوتی کہ جب ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا ہے اور تباہی و بربادی جاتی ہے۔کچھ جنگیں ایسی بھی ہوتی ہیں جس میں دماغی تحریک چلائی جاتی ہے جب میں ذہنی اذیت سے دوچار کر کے پسپائی پر مجبور کر دیا جاتا ہے اور اس کی ہار کو یقینی بنا دیا جاتا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔اس نے جس طرح سے حین شاہ کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا تھا۔اس کو اپنی جیت یقینی نظر آنے لگی تھی اور جب حمیرا بیگم نے عمیر شاہ کو کال کر کے سخت سست سنائیں تھیں۔

''عمیر شاہ تم سے ایک کام کہا تھا میں تم وہ ڈھنگ سے نہیں کر پائے ہو۔تم نے تو میری ناک کٹوا دی ہے۔تمہارے بابا جان کو پتا چل گیا ہے۔وہ سخت خفا تھے۔مجھے قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔ان کا خیال ہے کہ تمہیں بگاڑنے میں میں نے خاصا اہم کردار ادا کیا ہے۔مگر وہ

میرے جذبات کو بھی کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ میری اذیت کا اندازہ ہرگز نہیں لگا سکتے۔ میں تو صرف سوچتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میری والدہ نے کیسے تکلیف میں آخری ایام گزارے تھے۔ زرتاج شاہ کی خالی اور بنجر زندگی نے ان کو دن رات رلایا تھا۔ ان کی تکلیف مجھ سے برداشت ہرگز نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے کتنا چاہا تھا زرتاج شاہ زندگی کی طرف لوٹ آئے مگر اس نے اپنے اوپر زندگی کی ہر خوشی حرام کر دی تھی۔ تم ہی کہو میں کہاں غلط ہوں۔ زرتاج کو ایسی زندگی جیتا دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ میرا بس چلتا تو زندگی کی ساری خوشیاں اس کے سامنے ڈھیر کر دیتی مگر میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکی۔ میری بہن کو محبت کرنے کی سزا ملی۔ لیکن اس کو دیکھ کر میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور میں اس آگ میں جلتی رہتی ہوں۔ اس آگ میں اس ھین شاہ کو بھی جلا کر بھسم کر دینا چاہتی ہوں۔ جو اس کے والدین نے کیا اس کی سزا اسے دینا چاہتی ہوں۔ جانتی ہوں وہ معصوم ہے اس نے کچھ نہیں کیا لیکن میں خود کو روک نہیں سکتی۔ شاید میں اس کو معاف کر بھی دیتی۔ میں اس واقعے کو بھول جاتی اگر میری بہن اپنی زندگی میں خوش ہوتی۔ پرسکون زندگی گزار رہی ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔ اور اب حیدر شاہ نے سارا الزام پھر سے میر سر پر رکھ دیا ہے۔ اس کا خیال ہے میں نے تمہاری زندگی برباد کر دی ہے۔ میں ماں ہو کر تم سے دشمنی نبھا رہی ہوں۔ میں تم سے دشمنی کیسے نبھا سکتی ہوں۔ تم تو میری جان ہوں۔ میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ میری سانسیں تم سے رواں ہیں مگر وہ یہ بات سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ ان کی باتوں سے میرا دل چھلنی ہو گیا ہے۔'' ان کا لہجہ پر ملال تھا۔ دکھ سے بھرا تھا۔ عمیر شاہ نے ماں کا یہ روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کا پر ملال لہجہ اس کو پریشان کر گیا تھا۔

''آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ میں ہوں نا آپ کے ساتھ ہمیشہ سے؟ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا کہ میں آپ کے مجرم کو سزا ضرور دوں گا۔ تو میں نے ایسا کر دیا ہے ماما۔ جنگ بغیر ہتھیاروں کے بھی لڑی جا سکتی ہے۔ جس میں دشمن کو ذہنی اذیت سے دوچار کر کے زندگی کو سزا بنا دی جاتی ہے۔ میں نے اس کی زندگی اور دل و دماغ پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ اس کی زندگی میں خوف کا بسیرا ہے۔ ایک خوف نے اس کے دل و دماغ پر قبضہ جما لیا ہے۔ وہ میرے خوف کے حصار میں سانس لے رہی ہے۔ پل پل جی رہی ہے اور پل پل مر رہی ہے۔ یہ خوف کم ہونے کی بجائے ہر لمحہ مزید بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کو ڈراتا جا رہا ہے۔ اس کو ایک ہی بار مار دینے سے پل پل مارنا زیادہ بہتر ہے۔ میں اسے وہی سزا دے رہا ہوں جس سزا سے زرتاج خالہ نے زندگی گزاری تھی۔ ایک خوف اس کے اندر سرایت کر چکا ہے۔ وہ بھی کھو دینے سے ڈرتی ہے۔ وہ ہر پل اسی احساس سے جاگتی ہے اور اسی خوف کے تسلط تلے سوتی ہے۔ یہ سزا زیادہ بھیانک ہے ماں۔ آپ کے تصور سے بھی کہیں زیادہ خوفناک اور تکلیف دہ۔ میں نے اس خوف کا چہرہ اس کی آنکھوں کی پرتوں پر چلتا پھرتا دیکھا ہے۔ اس جنگ کو آپ جیت چکی ہیں۔ آپ کا انتقام پورا ہو گیا ہے۔ وہ اسی خوف میں زندہ رہے گی اور میں اس کے خوف کو بڑھاتا رہوں گا۔ اس کو ماروں گا نہیں مگر اس کی زندگی کی حقیقی خوشیوں سے دور رکھوں گا جیسے زرتاج خالہ نے زندگی کی حقیقی خوشیوں کو کبھی نہیں برتا۔ سوچیں اگر وہ اس خوف سے کوما میں چلی گئی یا پھر ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ انسان کو مارنے کے لئے جسمانی موت دینا ہی ضروری نہیں ہوتا۔ اسے

ہر پل مار کر ذہنی اذیت سے دوچار کرنا اور ٹکڑوں میں مارنا اس موت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ میں نے یہ دیکھا ہے۔'' وہ سفاک لہجے میں اپنے فعل کر فخریہ بتا رہا تھا۔ جیسے اس نے کوئی عظیم کارنامہ انجام دیا تھا۔

''میں نہیں جانتی اگر وہ تکلیف میں بھی ہے تو پھر بھی میرے دل کو سکون کیوں نہیں مل رہا؟ اگر اس کو تکلیف میں دیکھ کر ہی میرا انتقام پورا ہونا تھا تو پھر اس کو تکلیف میں دیکھ کر بھی میرا دل اس کی تکلیف پر کیوں رو رہا ہے جبکہ میں اس کو اسی اذیت اور کرب سے گزرتا دیکھنا چاہتی تھی مگر جب ایسا ہو رہا ہے تو میرا دل مجھے کیوں ملامت کر رہا ہے۔ ایک ملال مجھے کیوں ستانے لگا ہے۔ میرا دل بے چینی سے کیوں بھر گیا ہے۔ میں خود کو ملامت کر کے تھکنے لگی ہوں۔ کل سے اب تک ہر پل مر مر کر گزارا ہے۔ کتنی ہی بار سوتے سے اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑتا رہتا ہے۔ مجھے آئینہ دکھاتا ہے۔ ایک بے سکونی نے میرے اندر گھر کر لیا ہے۔ دل چاہتا ہے اسے معاف کر دوں۔ مگر دماغ پھر اکسانا شروع کر دیتا ہے۔ میں اس دل و دماغ کی جنگ میں جینے لگتی ہوں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہوگا کس عذاب سے گزری ہوں۔ ایک آزمائش ہے جو ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی۔'' حمیرا بیگم نے متفکر لہجے میں دل کا احوال سنا رہی تھیں۔ وہ ایک عجیب کشمکش میں سے گزر رہی تھیں۔ عمیر شاہ کو ان کی ذہنی حالت کا اندازہ تھا۔ وہ اپنی ماں کی تکلیف سے آگاہ تھا۔

''پلیز آپ اس طرح مت سوچیں۔ آپ تو نہایت مضبوط اعصاب کی مالک ہیں پھر کیسے آپ اس طرح کمزور پڑ سکتی ہیں؟ خود کو سنبھالئے۔ اس طرح آپکی صحت خراب ہو جائے گی۔ آپ بیمار پڑ جائیں گی۔ آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ میرے لئے کس قدر اہم ہیں آپ کو اندازہ ہے۔ میری دنیا آپ سے روشن ہے ماں۔ آپ ایک بہترین ماں ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ کا دل کس قدر نرم ہے۔ بظاہر آپ کتنی بھی سخت نظر آنے کی کوشش کرتی ہیں مگر درصل آپ ناریل کی طرح ہیں۔ بظاہر سخت مگر اندر سے نرم اور حساس دل۔ اس لئے آپ اس کے درد پر بھی بے چین ہو جاتی ہیں جس کے والدین نے تمام عمر آپ کو اور زرتاج خالہ کو ذہنی اور قلبی اذیت سے دوچار کیا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں ماں کو اس جذباتی مخمصے سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ وہ شاید رو رہی تھیں۔ شدت جذبات سے مغلوب ہو گئی تھیں۔

''اگر آپ اس طرح پریشان رہیں گی تو میں سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔ میں واپس آ رہا ہوں۔ میں وہی کروں گا جو آپ کو سکون دے گا۔ آپ کے ذہنی سکون کے لئے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں نا؟'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کو یقین دہانی کرا رہا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے بغیر کچھ کہے فون ڈسکنیکٹ کر دیا تھا اور عمیر یاہ نے پریشانی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا اور پھر کال ملا کر فلائیٹ کنفرم کر دی تھی۔ وہ جلد از جلد ان تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کا دل خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ ان کی باتوں سے وہ بے چین ہو گیا تھا۔ سوچوں نے اسے الجھا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی محبت لامتناہی فاصلے طے کر کے تھکنے لگتی ہے۔ اونچی فصیلوں میں اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ محبت سر اٹھا کر ملتجی نگاہوں سے

دیکھتی ہے۔ قاصد بھیجتی ہے۔ اپنی گزارشات کو منوانے کے لئے کتنی ہی درخواستیں بھیجتی رہتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی محبت کی سماعت اور حسیات کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اچانک ہی دل بے چینیوں سے بھر گیا تھا۔ اسے یہ بات طیش دلا رہی تھی۔ وہ اس یک ساتھ ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ ہو رہی تھی۔ تو کیا اسے اس پر بھروسہ نہیں تھا یا پھر وہ اسے کمزور تصور کرتی تھی جو اس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہنے والا تھا۔ وہ خود پر ضبط کر کے تھکنے لگا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر اس سے سخت رویہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس نے حین شاہ کو اپنے حصار سے نکالا تھا۔ وہ چلتی ہوئی دو قدم آگے بڑھ گئی تھی۔ اس نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔ دھیمے لہجے میں بے چینی سوا تھی۔

''حین تم ٹھیک ہو نا؟'' وہ مدھم لہجہ پوچھ رہا تھا۔ دھیمے لہجے میں بے چینی تھی اور حین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ شاید اس میں بولنے کی ہمت ناپید تھی۔ وہ آگے بڑھا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

''میرا خیال ہے تمہیں آرام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ تم اپنا خیال بالکل نہیں رکھتی ہو۔ دادا جان مجھ سے خفا ہوں گے۔ تم چاہتی ہو کہ میں ان کے عتاب کا نشانہ بن جاؤں؟ ان کی سزا کو سہوں؟ اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو پھر میں تختۂ مشق بننے کے لئے تیار ہوں۔'' اس نے بولتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ چیزوں کو نارمل انداز میں معمول پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اگر میں دادا جان کی جگہ ہوتی تو آپ کو کڑی سزا سنا چکی ہوتی۔ آپ خطاوار ہیں سزا تو بنتی ہے۔ آپ کوئی اتنے معصوم نہیں ہیں جتنے آپ بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ پکے ڈرامہ باز ہیں۔ اپنی جیت کے لئے اور مفاد کو مدنظر رکھ کر فوراً پینترا بدل لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسا تو آپ کی فطرت میں شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہوں تو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں آپ۔'' وہ مدھم لہجے میں غصے کو دباتے ہوئے کڑے تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر قبل خوف کا دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔ تو وہ صرف اس کی وجہ سے ہوتی تھی کیونکہ وہ اسے کھونے سے ڈرتی تھی۔ ورنہ تو وہ خوف زدہ کر دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نے طمانیت کا سانس لیا تھا۔ وہ اس کا موڈ بدلنے میں کامیاب ہوا تھا۔

''میں حیران رہ جاتا ہوں جب میں تمہاری آنکھوں میں وہ خوف ٹھہرا ہوا دیکھتا ہوں۔ حالانکہ خوف تو خود تم سے ڈر کر دو چار قدم دور بھاگ جاتا ہے۔ پھر تم کونسے خوف سے ڈرتی ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں صاف کیوں نہیں کہتیں کہ تم مجھے کھونے سے ڈرتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو کہہ دینے میں قباحت کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تمہیں مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں ہے یا پھر تم مجھ سے قصداً چھپانے کے درپے ہو۔ مجھ پر ظاہر ہونے نہیں دینا چاہتیں تم۔ لیکن شاید تم انجان ہو کہ عشق کو تمام بھیدوں پر فوقیت حاصل ہے۔ عشق خرد کے اصولوں سے انحراف برتتا ہے۔ خرد کے کلیات کو رد کر کے کالعدم قرار دے دیتا ہے۔ تم لاکھ خرد کو جھمیلوں کے ہیر پھیر میں عشق کو الجھانے کی کوشش میں سرگرداں ہو جاؤ تمہیں بھی تم عشق کو جھٹلا نہیں پاؤ گی۔ عشق خرد کو چاروں شانے چت کر دیتا ہے۔ ہر خوف پر حاوی ہو جاتا ہے۔ سارے خوف، فکریں اور اندیشے اور

تمام خدشات دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔ جہاں کی عشق حکمرانی ہوتی ہے وہاں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔تم یہ بات سمجھ جاؤ تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔اپنے اس خوف کو مجھے سونپ دو۔ان تمام خدشات کو ایک پوٹلی میں باندھ کر میرے حوالے کردو۔تم سے پہلے بھی کہا تھا۔خودساختہ سوچوں کے حصار سے باہر نکل آؤ۔اگر ادراک ہوگیا ہے تو تدارک کرنے میں کیا قباحت ہے؟ کتنے ہی لمحے تم خاموشی کی نذر کردیتی ہو۔میرے سوالات کیا اتنے مشکل ہیں کہ ان کے جوابات کے حصول کے لئے میں ایک عمر رائیگاں کردیتا ہوں لیکن پھر بھی مجھے کوئی ملال نہیں ستاتا۔میں کوئی گلہ نہیں کرتا۔کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔آپ کو نہیں لگتا کہ یہ عشق کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ خرد کو مراعات دیتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کررہا تھا۔اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اس کو بیڈ پر لٹا کر کمبل درست کیا تھا۔پھر تکیہ اونچا کرنے کے لئے اس کے اوپر جھکا تھا اور حسین شاہ کی ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی جیسے۔سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔کانوں کی لوؤں تک سرخ ہوگئی تھیں۔اس کے کلون کی خوشبو اس کے نتھنوں میں سمارہی تھی۔اس کی سانسوں میں گھل مل رہی تھی۔وہ تکیہ درست کرکے پیچھے ہٹا تھا۔اور پھر اس کے چہرے کے قوس وقزح کے رنگوں کا جھمگھٹا لگا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔حسین شاہ نے خفت سے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔نگاہیں اپنے آپ جھکتی چلی گئی تھیں۔لمحوں میں کیا ماجرا ہوگیا تھا۔اس کی ایک لمحے کے غیر ارادی فعل کے ایک بے اختیاری عمل نے ایک داستان اس کے چہرے پر رقم کردی تھی۔اظل نے پاس رکھے کاؤچ پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔اس اسلوب کو ازبر کرنے لگا تھا اور حسین شاہ کی ساری جان مشکل میں گھر گئی تھی۔وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔اس کی ساری خود اعتمادی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔اظل سہام مرزا کو اس کی حالت پر جیسے رحم آ گیا تھا۔اس نے حسین شاہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ایک طمانیت نے اس کے اندر گھر کرلیا تھا کہ وہ اس کے خوف کے اثر کو زائل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

''حسین شاہ تمہیں کیسے بتاؤں کہ عشق کو کڑے امتحانوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔عشق ابھی طفل مکتب ہے مگر تم نے عشق کی راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا قصد کرلیا ہے۔عشق کو پسپائی کی طرف کھینچنے کی بھرپور سعی کررہی ہو۔لیکن یہ ادراک تمہیں ہراساں کررہا ہے کہ سارے تدارک رائیگاں جانے والے ہیں۔کیونکہ عشق کے سامنے ساری احتیاطی تدابیر دھری کی دھری رہ جانے والی ہیں۔تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ جہاں عشق کے قدم وہاں صحرا میں بھی پھول کھل جاتے ہیں۔صحرا دریا بن جاتا ہے جہاں عشق کے قدم پڑتے ہیں تو وہاں خرد کی پسپائی شروع ہوجاتی ہے۔جب عشق وارد ہوتا ہے تو خردمندی بے ٹھکانہ ہوجاتی ہے۔ادھر ادھر بھٹکنے لگتی ہے۔عشق اس ریات پر قبضہ جمالیتا ہے وہیں ڈیرہ جمال کر براجمان ہوجاتا ہے تو تب خردمندی کوسوں دوران حدود سے باہر چلی جاتی ہے۔لاچار اور بے بس سی میلوں کا سفر طے کرتی ہے۔مارے خوف کے الٹے قدموں چلتی ہوئی کوسوں دور خیمہ زن ہوجاتی ہے۔چاہ کر بھی کوئی تدارک نہیں کرسکتی۔'' وہ مدھم لہجے میں مدلل انداز میں کمال تجزیہ بیان کررہا تھا یا شاید جتانا مقصود تھا۔وہ مدھم لہجے میں باور کرارہا تھا۔حسین شاہ نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔اس یک تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کے خیالات سے متفق نہیں تھی۔اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔جیسے وہ منکر تھی اس کی

خود ساختہ سوچوں سے۔ پھر اس کی دیکھتی ہوئی تیکھے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''خرد کو عشق کی طرح طراری نہیں آتی۔ خرد کو اپنے کلیات کی پیروی کرنا تسکین دیتا ہے۔ ان کلیات نفوذ اس کے لئے باعث طمانیت ہوتا ہے۔ اس کو حکمرانی کے وصف آتے ہیں۔ حکمرانی کے اصولوں سے واقف ہے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خرد عشق کو رعایت دیتی ہے۔ اس کو پنپنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ انجان بن کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ نظر انداز کر کے عشق کو اس کی چالیں چلنے کا بھرپور موقع دیتی ہے۔ عشق بے دریغ شطرنج کے سارے مہرے استعمال کرتا ہے۔ سارے حربے استعمال کرتا ہے۔ خرد کی رعایت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ خرد کے کلیات اور اصولوں کو اپنے مفاد کے لئے توڑ موڑ کر اپنے حق میں کر لیتا ہے۔ ان کا جینا دوبھر کر دیتا ہے۔ شتر بے مہار کی طرح یہاں سے وہاں پوری ریاست پر دندناتا پھرتا رہتا ہے۔ حکمرانی کا نشہ سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ وہ اردگرد سے غافل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب خرد اچانک یہ رعایت دینا بند کر دیتی ہے۔ عشق کی غفلت اس کے لئے نقصان کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ ایسے میں عشق کی ساری چالیں الٹی پڑنے لگتی ہیں۔ عشق کی بوکھلاہٹ عروج پر ہوتی ہے۔ عشق جو بظاہر مراعات سے بے توجہی برتتا ہے، لاتعلقی اور بے گانگی کا مظاہر کرتا ہے، پر غرور ہو جاتا ہے، تمکنت اور تفاخر سے سر اٹھائے کھڑا ہوتا ہے۔ ایسے میں خرد عشق کی کم فہمی پر بردباری سے مسکرا دیتی ہے۔ جانتی ہے کہ عشق کم فہم ہے، بے عقل ہے۔ سمجھ بوجھ سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ خردمندی اس سے ہمیشہ ہی نالاں رہتی ہے۔ خرد اپنے کلیات کے رد کئے جانے پے ملول دکھائی دیتی ہے۔ چپ چاپ عشق خاموش نگاہوں سے تنبیہ کرنے کی بھرپور سعی کرتی ہے لیکن عشق کسی سرزنش پر کان نہیں دھرتا۔ عشق دھونس جماتا ہوا خرد کے آئین معطل کر کے اپنے آئین لاگو کر دیتا ہے۔ اپنی اجارہ داری پر پھولا نہیں سماتا۔ ایسے عشق کو نجانے کیسے خدشات لاحق ہو جاتے ہیں۔ عشق اپنی ریاست کو خرد سے مستثنیٰ قرار دے دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی عشق کی حرص ہرگز کم نہیں ہوتی یا پھر کامرانی کا سرور اس کے قدموں کو رکنے نہیں دیتا۔'' وہ مدھم لہجہ ترش تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں خرد کا دفاع بھرپور طریقے سے کر رہی تھی۔ خرد کے حق میں مدلل دلائل دے کر اس کو چاروں شانے چپ کر چکی تھی۔ یا پھر دوسرے لفظوں میں وہ جتانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی کہ وہ اپنی نرمی سے مراعات دے چکی تھی کیونکہ وہ جان گئی تھی وہ اس کی بات کر رہا تھا۔ اس کو خرد سے تشبیہ کر رہا تھا۔ تبھی تو وہ دفاع کرنے کے لئے میدان میں اتر آئی تھی کیونکہ وہ عشق کی ہمراہی میں آگے بڑھ رہا تھا۔ حسین نے کمال انداز میں فرق کو واضح کیا تھا اور اظل کو اس کا یہ تپا تپا سا تیکھا انداز لطف دے گیا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔ آنکھوں کی چمک کچھ اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

''تم نہیں جانتیں تم ہیں ابھی مکمل آگاہی نہیں ہے۔ تم انجان ہو۔ بے خبر ہو۔ تم نہیں جانتی ہو یہ تو ادھورے قصے ہیں۔ اسلوب نئے ہیں جواز برہونے سے قاصر ہے۔ دل کی نہاں خانوں میں کئے حصے ہیں جو نفس گم کردہ کچھ گم شدہ لمحے اب بھی چھپے ہوئے ہیں۔ خرد جن تک رسائی پا نہیں سکی اب تک۔ لیکن اپنی ناکامی کا اعتراف کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہی ہے یا پھر خود پسندی یا خود ستائشی کے

منطقے میں مقید ہے جو عشق کے اصولوں کی پاسداری نہیں کرتی۔ عشق کی مخالفت پر اتر آتی ہے۔ اس کو اپنی کڑی شرائط اور اپنے کلیات پر چلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اپنے سامنے عشق کو سرنگوں کرنے کی حسرت دل میں زور پکڑتی جاتی ہے۔ مگر ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات کہ عشق ابھی طفل مکتب ہے۔ برسوں خرد کے تسلط تلے رہا ہے لیکن جب اس کے دل میں بغاوت نے سر اٹھایا تب وہ خرد کو خود پر مسلط نہیں ہونے دیتا۔ عشق نے کتنی ہی صدیاں خرد کی قید میں گزاری ہیں۔ ایک رات عشق نے فیصلہ کیا کہ سرنگوں ہو جائے اور خرد کی تمام شرائط و ضوابط کو منظور کر لے مگر پھر اگلے ہی پل عشق نے اس فیصلے کو رد کر دیا۔ انحراف کر دیا اور تب سے عشق نے خرد کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ خرد اچانک پانسہ پلٹ جانے پر تلملا رہی ہے، ہلکان ہو رہی ہے۔ خرد کا رنگ تو فق ہو گیا ہے اور عشق کے دل میں بھی عجیب ہلچل مچ گئی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں عجیب انکشافات کر رہا تھا۔ وہ شاید اس کو حیران کرنے پر تلا ہوا تھا اور حسین شاہ کے چہرے پر رنگوں نے بسیرا کر لیا تھا لیکن نگاہوں میں ناپسندیدگی کے گہرے رنگ ٹھہر گئے تھے۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کا چہرہ جلنے لگا تھا۔ وہ ایک تسلسل سے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

''آپ کو عادت ہے بات کا بتنگڑ بنانے کی۔ آپ باتوں کو طوالت دینے میں ہمیشہ سے ماہر ہیں۔ خود ساختہ سوچوں کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ ابھی بھی آپ نے ایسا ہی کیا ہے۔ آسان سی بات کو پیچیدہ بنا کر مزید مشکل کر دینے میں کیوں سرگرداں رہتے ہیں آپ؟ آپ کی سوچوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ آپ ان ٹھہری ہوئی سوچوں کو متحرک کر کے آگے بڑھنے کا راستہ کیوں نہیں دیتے؟ ان کی سمت متعین کر کے ان کا رخ اپنی زبردستی مت موڑیں۔ ان کو خود اپنی راہوں کا تعین کرنے دیں۔ اس میں خرد اور عشق کی بھی بہتری ہوگی۔ دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں دلائل حتمی فیصلہ سنا رہی تھی۔ مفصل اور مدلل انداز سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مدھم لہجہ اس کے دل میں گھر کرنے لگا تھا۔ دل میں عجیب حشر برپا ہو گیا تھا۔ دل میں ہزاروں خواہشوں نے سر اٹھایا تھا۔ لیکن ضبط لازم تھا۔

''حسین شاہ عشق کو لازم نہیں ہے کہ خرد کے اصولوں کی پاسداری کرے۔ عشق کو اس اس قفس سے رہائی کسی طور پر بھی گوارا نہیں ہے۔ لفظوں کے ہیر پھیر سے دنیا بدل سکتی ہے مگر عشق کو شہ و مات سے کوئی انسیت نہیں ہے۔ سوچوں کو موڑنے کا مقصد صرف خرد کو یقین دلانا مقصود تھا کہ خوف کے پنجے چاہے کتنی بھی گہرائی سے کیوں نہ گڑے ہوں۔ جب عشق خرد کا مضبوط سے تھام لیتا ہے تو اس کو یقین دہانی کرا دیتا ہے کہ وہ اس خوف کو مار بھگائے گا۔ اس خوف کا قلع قمع کر دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ خرد کو کبھی کوئی نقصان پہنچنے نہیں دے گا۔ عشق کے خرد سے لاکھ اختلاف سہی لیکن کسی تیسرے کو اپنے درمیان نہیں آنے دے گا۔ اس کو بچانے کے لئے کسی بھی حد سے گزر جائے گا۔'' وہ مدھم لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔ وہ اس پر جھکا تھا اور اس کی روشن پیشانی پر جلتے ہوئے لب رکھ دیئے تھے۔ اور پھر اٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا تھا اور حسین اس اچانک ہونے والے حادثے سے حیران سی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ دل نے شور مچا دیا تھا۔ دھڑکنوں کی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے دل کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس کی

نگاہیں اظل کی پشت پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر پلٹا تھا اور حسین شاہ ایک ہی لمحے کی کی بات تھی اگلے ہی لمحے وہ نگاہوں کا رخ پھیر چکی تھی۔

اظل نے لائٹ آف کی تھی اور پھر اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن اس کے لئے کتنے نئے در وا کر گیا تھا۔ حسین شاہ نے سونے کی کوشش کی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ الجھی سوچوں نے اسے اپنے حصار میں لے کر مزید الجھا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی زندگی میں وقت جیسے ٹھہر جاتا ہے۔ صدیوں پر محیط ہو کر طوالت کو بڑھاتا جاتا ہے۔ ایک پل ایک صدی کے برابر لگنے لگتا ہے یا پھر اس سے زیادہ اس نے کبھی گنتی کرنے کی کوشش ہرگز نہیں کی تھی یا پھر اس میں ہمت ناپید تھی یا پھر وہ پل ان صدیوں پر بھاری تھے۔ وہ چند لمحے جب اس کی آنکھوں میں دیکھ پایا تھا۔ اسے تو یاد بھی نہیں تھا کہ وہ زیادہ پرکشش تھی یا پھر اس کی آنکھوں کا فسوں زیادہ باندھ لینے والا تھا۔ وہ جان نہیں پایا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا تھا۔ جب وہ مسکراتی تھی تو خوبصورت لگتی تھی یا پھر جب وہ خاموش ہوتی تھی تو اس کی آنکھوں میں ایک گہری خاموشی اتر آتی تھی۔ تب چاروں طرف سکوت پھیل جاتا تھا۔ یا پھر اسے ایسا لگتا تھا کہ وہ تمام موسموں پر اختیار رکھتی تھی جیسے تمام موسموں کو اپنے ساتھ باندھ لیتی تھی اور ان کو حکم دیتی تھی تو اچانک ہی موسم بدلنے لگتے تھے۔ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتی تھی تو وقت کی سانسیں تھمنے لگتی تھیں۔ اسے تو لگتا تھا وہ صدیوں سے اسے سوچتا رہا تھا۔ مدتوں اس کی سوچوں کے حصار میں رہا تھا۔ پل پل اس کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ کافی لیتے ہوئے مسلسل اس کی تصویر پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ نگاہیں ایک مرکز پر جیسے منجمد ہو گئی تھیں۔ وہ خاموش نگاہوں سے ایک نقطے کو مرکز بنا کر تکتی جا رہی تھی۔ اس نے یہ تصویر تب بنائی تھی جب وہ لوگ اسٹڈی ٹور پر ناران گئے تھے اور ارسلان کو فوٹو گرافی کا بے حد شوق تھا۔ ایک خوبصورت منظر کو مقید کرتے ہوئے نگاہ اچانک اس پر ٹھہر گئی تھی اور اس نے اسی منظر کو کیمرے میں مقید کر لیا تھا۔ وہ حسین کے کنارے غروب ہوتے ہوئے سورج پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ آسمان پر سنہرے بادلوں نے سورج کے اردگرد گھیرا سا بنا لیا تھا۔ چاروں طرف رنگ پھیلنے لگے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ روشنی اس کی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی یا پھر رنگوں نے اس کی آنکھوں کی خاموشی پر رنگوں کی ایک تہہ بچھا دی تھی۔ وہ جاننے سے قاصر تھا کہ جھیل زیادہ گہری تھی یا پھر اس کی آنکھوں میں جھیل کا سارا پانی سما گیا تھا۔ تبھی تو ایک تیرگی سی اس کی آنکھوں میں تیر رہی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"آپ اس طرح خاموش بیٹھی ہیں لگتا ہے چاروں طرف ایک سکوت چھا گیا ہے جیسے سارے منظر ساکت ہو کر رک گئے ہیں اور آپ کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے جو پلکیں جھپکی ہیں تو فضاؤں کی سانسیں تھم گئی ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے خوابوں نے ادھ کھلی آنکھوں سے فضاؤں کو دیکھا ہے اور ہواؤں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں۔ سارے منظر حیرت کدوں سے بھر گئے ہیں۔ جیسے ان خوابیدہ آنکھوں

نے ایک فسوں پھونک دیا ہو اور سارے منظر اس اسم کے حصار میں آ گئے ہوں۔ مجھ سمت ہر ہر منظر حیران سا سانسیں روکے کھڑا ہے آپکی دھڑکنیں فضاؤں سے مدھم سرگوشیاں کر رہی ہیں تبھی تو سنہرے بادل مارے تجسس کے زمین پر جھک آئے ہیں۔ جھیل کی لہروں نے شور مچانا شروع کر دیا ہے۔ آسمان پر سارے پھیلتے رنگوں نے تمہاری آنکھوں کے قرطاس پر منعکس ہو کر ایک عجیب چھب جما دی ہے۔ یہ نظارہ مسحور کن ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں گہرے راز منکشف کر رہا تھا۔ نگاہیں ابھی تک محویت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

زرتاج شاہ نے اس کی طرف غصے سے دیکھا تھا پھر خفگی بھرے لہجے میں ڈپٹا تھا۔

''آپ سے ہزار بار کہا ہے آپ اس طرح کی فضول باتوں سے گریز کیا کریں۔ آپ خواہ مخواہ اپنے لفظوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ مجھ پر ان لفظوں کا کچھ اثر ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے ان لفظوں کو اس کے لئے سنبھال رکھیں جس کو اس کی ضرورت ہو اور قدر بھی۔'' وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی دور نکل گئی تھی تبھی حسنہ شاہ اس کی طرف بڑھی تھی وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں جھیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھیں۔ میں وہیں کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ سارا منظر جوں کا توں تھا مگر اس میں وہ پہلے جیسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ گئی تھی تو اس منظر کو ویران کر گئی تھی۔ اس منظر کی رعنائی بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

وہ محویت سے والٹ میں رکھی تصویر پر نگاہیں جمائے جیسے ماضی کا حصہ بن گیا تھا۔ اس تصویر کے رنگ اب بھی جوں کے توں تھے۔ اس کی جاذب نظر ویسے ہی قائم تھی۔ تبھی وہ چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ کر رکی تھی۔ وہ اتنا محو تھا کہ وہ اس کی آہٹ پر بھی پلٹ کر دیکھ نہیں سکا تھا۔ وہ چلتی ہوئی سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک کپ کافی کا اس کی طرف بڑھایا تھا اور دوسرا کپ ہونٹوں سے لگایا تھا۔ ایک کپ لینے کے بعد کپ ٹیبل پر رکھا تھا اور پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔ کتنے عرصے بعد دیکھا تھا۔ مدتوں بعد ملے تھے۔ وہ اس کا کزن تھا۔ اس کا اچھا دوست تھا مگر صدیوں پر محیط وقت نے ان فاصلوں کو طوالت دے کر درمیان میں اجنبیت کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ کافی دیر خاموشی رہی تھی پھر مسز معید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اس طرح زندگی کو صرف کیوں کر رہے ہیں؟'' مسز معید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور اسکی بات سن کر ارسلان سہام مرزا مسکرا دیا تھا۔

''شادی کسی مسئلے کا حل تو نہیں ہوتی ہے نا اور پھر شادی کے بغیر بھی اچھی خاصی گزر رہی ہے۔ ویسے آپ کو کیوں لگتا ہے مجھے شادی کر لینی چاہئے مسز معید شاہ۔ آپ مجھے سکون سے زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتیں کیا؟ آپ چاہتی ہیں ایک آپ جیسی ہٹلر بیوی میری زندگی کو بھی اتنا ہی مشکل بنا دے جتنا آپ نے معید شاہ کی زندگی کو اجیرن کر رکھا ہے۔ جیسے ان کی آزادی سلب کر رکھی ہے۔ ابھی کل صبح کی مارننگ واک پر ملے تھے۔ اپنے دکھڑے سنا رہے تھے۔ شادی نہ کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ بتا رہے تھے کہ۔ آپ نے کیسے ان کی زندگی پر اپنا قبضہ جما لیا ہے اور ان کو حقیقی خوشیوں سے دور کر دیا ہے۔ وہ غلامی کا طوق گلے میں ڈالے زندگی کے بوجھ کو ڈھو رہے ہیں۔ شیر ہوتے

ہوئے بھی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہوں تو چوہا بن گئے ہیں۔ آپ سے میری آزادی ہضم نہیں ہو رہی ہے کیا؟'' وہ شرارت بھری نگاہوں سے اس یک طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیوار حائل ہو چکی تھی اور وہ بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ اس لئے وہ دوستانہ انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا یا پھر اپنے کئے کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

اور اس کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی تھی۔

''یہ سب آپ سے معید شاہ نے کہا؟ آپ نے جھوٹ کب سے بولنا شروع کر دیا ہے ارسلان سہام مرزا؟ معید ایسا ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ایک بے حد نفیس انسان ہیں۔ ان کی اچھائی بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ کم پڑ جائیں گے۔ میں نے زندگی میں یقیناً کوئی اچھا عمل کیا ہو جس کے عوض معید شاہ میری زندگی میں آئے۔ وہ ایک انعام کی طرف ملے مجھے اور انہوں نے میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا۔'' مسز معید شاہ نے نہایت بردباری سے اپنے شریکِ حیات کی تعریف کی تھی۔

اور ارسلان سہام مرزا اس کی بات سن کر مسکرا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان اور طمانیت کے رنگ دیکھ کر اس کے اندر بھی سکون اتر آیا تھا۔ برسوں پہلے جو ہوا تھا اس کا ملال اسے ستا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کو ناکردہ نگاہوں کی سزا ملی تھی۔ وہ اپنی فیملی سے کتنے سالوں تک دور رہی تھی۔ لیکن جب اس کا ملال حد سے سوا ہو گیا تھا تو وہ سب چھوڑ چھاڑ کر چلا آیا اور پھر فیضان سہام مرزا کو نفیسہ بیگم کو سب کچھ بتا کر اس کے گھر آنے کے راستے ہموار کئے تھے۔ اب جو اس کی آنکھوں میں اطمینان ٹھہر گیا تھا تو اس نے اسے بھی طمانیت دی تھی۔ وہ اسے شرارت سے چھیڑ رہا تھا۔ معید شاہ واقعی ہی ایک بہترین انسان تھا اور ایک اچھا شریکِ حیات بھی ثابت ہوا تھا۔

''اس میں کوئی شک کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔ میں اس بات کی گواہی دینے کے لئے تیار ہوں مگر تم ہٹلر ہو یہ بھی غلط نہیں ہے۔ بیچارے معید شاہ کو رعب تلے دبا کر رکھا ہوا تھا۔ اب مجھ پر بھی اپنا تسلط جمانے چلی آئیں تاکہ میری شادی کرا کے مجھے بھی غلامی کی طرف دھکیل دو مگر مجھے اپنی آزادی بے حد عزیز ہے۔ میں آپ کے رعب میں آنے والا ہرگز نہیں ہوں۔'' ارسلان سہام مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''زرتاج نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے وہ اپنی زندگی کو ایک سزا کی طرح بسر کر رہی ہے۔ میں گئی تھی اس سے ملنے کے لیے۔ میں پہلے نہیں جانتی تھی وہ کون ہو سکتی تھی مگر پھر مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا تھا جب آپ اسے ایک ٹک دیکھتے جا رہے تھے۔ وہ جھیل کے کنارے جب سورج غروب ہو رہا تھا اور آپ کا دل بھی شاید ان آنکھوں میں ہی کہیں غروب ہو گیا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتی ہوئی اسے چونکا گئی تھی۔ اسے حیران کر گئی تھی۔

''آپ کب ملیں اس سے؟ کیسی ہے وہ؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''اندھیرے کمرے میں یادوں سے باتیں کرتی ہے۔ اندھیروں کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ وہ اندھیرے جن کی کوئی صبح نہیں۔ ایک گھپ اور گہرا کبھی نہ ختم ہونے والا اندھیرا اس کی زندگی کو نگل رہا ہے۔ اس کے پلوں کو کھاتا جا رہا ہے۔ مگر اسے اس کا احساس ہی نہیں۔ سرد

یخ بستگی میں وہ خود بھی سرد پڑ گئی ہے اور اس کا دل بھی۔ اس نے خود کو کڑی سزا دی ہے۔ یکطرفہ محبت شاید اتنی ہی تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن جہاں رابطہ نہیں ہوتا وہاں رابطہ بنانا مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ اسے آگاہ کر رہی تھی اور اس کی حالت کے بارے میں سن کر ارسلان کا دل ایک لمحے کے لئے تھم گیا تھا۔ آنکھوں میں ملال ٹھہر گیا تھا۔ اس کی تکلیف پر دل تڑپ اٹھا تھا لیکن ساتھ ہی ایک بے بسی نے گھیر لیا تھا۔

''اب آپ ہی کوئی حل نکال سکتے ہیں اس مسئلے کا۔ یہ مسئلہ سالوں سے بے توجہی کا شکار ہے۔ سرد خانے میں پڑا ہوا ہے۔ سب اپنی زندگی جی رہے ہیں لیکن اس کی زندگی منجمد ہو گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں وہ خواب جیسے جم گئے ہیں کیونکہ وہاں روشنی کا کوئی گزر نہیں ہے۔ کوئی حرارت نہیں ہے۔ کوئی حدت بھی اس برف کو پگھلا نہیں سکتی۔'' مدھم لہجے میں اس کی تکلیف اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

اور ارسلان کی سانسیں بھی سرد پڑنے لگی تھیں۔ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس سے شاید ضبط کرنا دشوار ہو گیا تھا اور مسز معید شاہ نے اسے جاتا ہوا دیکھا تھا اور اس کی اضطرابی اسے سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی وہ کس کرب سے گزر رہی تھی اور اس کا دل ان دونوں کے لئے دعا گو تھا کہ وہ مل جائیں تا کہ ان دونوں کی زندگی کسی طرح سہل ہو جائے۔ وہ ان دونوں کے لئے سچے دل سے دعا کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی نیند آنکھوں میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتی۔ آنکھوں سے روٹھ کر کہیں دور نکل جاتی ہے اور آنکھیں اس کے تعاقب میں چلتی ہوئی ان جنگلوں میں نکل جاتی ہیں اور رات بھر بھٹکتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ گنجل سوچوں نے نیند کو شاید فنا کر دیا تھا۔ تبھی تو نیند ناراض ہو کر الجھے ہوئے راستوں پر قدم رکھ چکی تھی۔ وہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔ ساری رات سوتے جاگتے گزری تھی اور پھر فریش ہو کر اپنے لئے کافی کا کپ بنایا تھا اور پھر چلتی ہوئی باہر گارڈن کی طرف بڑھی تھی۔ صبح کی پو پھوٹ رہی تھی۔ چاروں طرف روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔ تازہ ہوا نتھنوں سے پھیپھڑوں میں منتقل ہو کر ایک تازگی کا احساس جگا رہی تھی۔ پوری رات ایک عجیب سی کشمکش میں گزری تھی۔ وہ اس کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ جب دل کے واسطے کسی کے ساتھ جڑ چکے تھے تو پھر دوسری طرف رابطے بڑھانے کی ضرورت کیونکر پیش آ رہی تھی۔ الجھن تھی کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ فضا آفتاب کو دیکھ کر کیسے حق سے پوچھ رہا تھا۔ کتنے استحقاق سے باز پرس کر رہا تھا جیسے وہ سارے حق محفوظ رکھتا تھا۔ اصل ماجرا کیا تھا وہ سمجھنے کی کوشش کر کے نڈھال ہو گئی تھی مگر سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ سچ تھا جو اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا یا پھر جو کانوں نے سنا تھا۔ یا پھر وہ جو اسے بھرپور طریقے سے باور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ جتنا سوچتی تھی الجھتی جاتی تھی۔ خفگی اور بدگمانی کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔ شاید وہ اسے کم فہم سمجھتا تھا۔ اسے بہلانے کے لئے دکھاوا کرتا تھا تا کہ اس کا دھیان کسی دوسری طرف مرکوز ہو جائے اور اصل معاملے سے توجہ ہٹ جائے۔ وہ اس کی توجہ کسی اور طرف منتقل کرنے کی کوشش کا کوئی حصہ

تھا شاید۔ وہ کسی بھی خوش فہمی کا شکار ہو کر اپنی زندگی کو برباد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بہلاوے میں آ کر اس کی خوشیوں کو برباد نہیں بننا چاہتی تھی۔

اس کی ہمدردی کے عوض وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر اس کی خوشیوں کو اس سے دور کرنے کا سبب ہرگز بننا نہیں چاہتی تھی۔

موسم بدل رہا تھا۔ ہوا میں خنکی آ گئی تھی۔ اس نے چہرے پر آئے بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑسا تھا اور پھر چلتی ہوئی ایک ایک پودے کو چھو کر محسوس کر رہی تھی۔ پاپا نے کتنے پیار سے ان پھولوں کو لگایا تھا جو آج تناور درخت بنے کھڑے تھے۔ کیاریوں میں لگے پودوں پر پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ستمبر نے اپنا اثر دکھایا تھا۔ کچھ پودوں کے پتے گر کر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ چلتی ہوئی سفید Calla Lily کے پودوں کی باڑ کے سامنے جا کر رک گئی تھی اور کتنی ہی آوازیں اس کے کانوں میں بازگشت کر رہی تھیں۔

''آپ جانتے ہیں نا مجھے یہ Calla Lily کے پھول کس قدر پسند ہیں۔ آپ سے بارہا کہا ہے ان کو مت توڑا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مجھے لگتا ہے جیسے ان پھولوں کو زندگی سے دور کر دیا ہو جیسے۔ جیسے پھول مجھے شکایتی نظروں سے دیکھ رہے ہوں۔ یہ پھول ٹہنیوں پر زیادہ دلکش لگتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں پھولوں کو تھام کر کہہ رہی تھی اور شایان شاہ کی آنکھیں مسکرانے لگی تھیں جب حسنہ شاہ نے ان پھولوں پر لب رکھ دیئے تھے۔ وہ جانتا تھا وہ کس قدر حساس تھی مگر اس کو سفید للی کے پھولوں سے عشق تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ دیر قبل والی خفگی نہیں تھی۔

''میں جانتا ہوں تمہیں ان پھولوں سے عشق ہے۔ تم ان کو مجھ سے زیادہ چاہتی ہو۔ مجھ سے تو کبھی اس قدر لگاوٹ کا مظاہرہ نہیں کرتی ہو۔ میری تکلیف پر تو کبھی اس طرح نہیں تڑپ اٹھتی ہو جیسے ان پھولوں کے لئے ابھی تمہاری آنکھوں میں کتنی محبت امڈ آئی ہے۔ میں نے کتنی مشکلوں سے دن رات محنت کی ہے ان پودوں کو لگانے کے لئے اور جب پھول لگے ہیں تو ان پر صرف تمہارا ہی تو حق ہے نا اور ویسے بھی تم مجھ سے خفا تھیں اور اب دیکھو ان پھولوں کو دیکھ کر ساری خفگی کہیں غائب ہو گئی ہے ورنہ تو تمہاری دی ہوئی سزا کا دورانیہ تو نجانے کتنا طویل ہونے والا تھا۔ وہ تو بھلا ہو ان سفید پھولوں کا جن کی سفارش سے تمہارا دل تھوڑا نرم ہوا ہے۔ میں جانتا تھا اسی لیے ان پھولوں کی سفیر بنایا تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہے تھے اور عفان اور وہ شایان شاہ کی مسکین سی صورت دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''چچی جان اتنی آسانی سے معاف کر دیا آپ نے شایان چچا کو۔ یہ تو غلط ہے ان کو تھوڑی اور سزا تو ملنی چاہئے تھی نا۔ آپ مجھے بتائیں میں گارڈن میں لگے سارے پھول لگا کر آپ کی جھولی میں ڈال دیتا تاکہ ان کا چانس ہی نہ بچتا۔ کتنا مزا آ رہا تھا۔ جب آپ کے ہاتھ کھانا صرف مجھے ہی نصیب ہوا تھا اور چچا جان کو تمنا بی بی کے ہاتھ کا لذیذ کھانا زہر مار کرنا پڑ رہا تھا۔'' وہ شرارت سے بھری آنکھوں سے چچا کو چھیڑ رہا تھا۔

''کہتے ہیں کہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھاتا ہے اور ویسے بھی میر جعفر کی کمی تھوڑی ہے اس دنیا میں۔ میری شکایت بھی تم نے ہی لگائی تھی نا۔ جب میں تمہیں اور حین شاہ کو گھڑ سواری کے لئے لے کر گیا تھا۔ تمہاری غلطی کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گری تھی کیونکہ تم اس کو

ریس کے لئے اکسا رہے تھے اور گھوڑا بدک گیا تھا۔ وہ تو اچھا ہوا اس کو زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ صرف موچ ہی آئی تھی اور معمولی خراشیں لگیں لیکن تم نے آکر سارا قصہ ان کے گوش گزارا تھا۔ تم تو چچی کے چمچے ہو۔ میری نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اسے ڈپٹ رہے تھے۔ جو حسنہ شاہ کو ان کے خلاف اکسا رہا تھا۔

''آپ بھی کہاں اس فضول انسان کی باتوں میں آرہی ہیں ماما۔ اس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ یہ آپ کو ہمیشہ ہی ورغلاتا ہے پاپا کے خلاف اکساتا ہے تاکہ یہ آپ کے ہاتھ کا لذیذ کھانا کھا سکے۔ گھر سے اس کو کھانا نہیں ملتا۔ اس کے ان کارناموں کی وجہ سے انکل آنٹی کو منع کر دیتے ہیں اس کو سزا دینے کے لئے۔ تبھی یہ بھاگتا ہوا آپ کے پاس آجاتا ہے اور بی جمالو کا کردار ادا کرتا ہے۔ میرے معصوم سے پاپا کے خلاف آپ کو اکساتا ہے حالانکہ پاپا کو اس انکل کے عتاب سے ہمیشہ بچاتے ہیں۔ تبھی تو یہ بگڑ رہا ہے۔'' وہ اس کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی اور حسنہ شاہ مسکرا دی تھیں۔

''آپ اس کی باتوں میں مت آیئے گا یہ تو سدا کی دشمن ہے میری۔ میرے گھر میں تو پاپا صبح شام اس کی مثالیں دے دے کر میرا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ ویسے آپ کو کیا سوجھی تھی اتنی افلاطون قسم کی بیٹی پیدا کرنے کی جس کی وجہ سے مجھے ہر روز طعنے سننے پڑتے ہیں۔ اتنی لعن طعن ہوتی ہے اس کی ذہانت کی وجہ سے۔ خود تو رٹے مار کر پوزیشن لے کر پاس ہو جاتی ہے اور میرے لئے عذاب کھڑا کر دیتی ہے۔ میرا ایک نمبر بھی اس سے کم آئے تو میری سزا شروع ہو جاتی ہے۔ اب آپ ہی بتایئے میں کیا کروں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے اگر یہ سقراط بقراط کی خالہ ہے تو۔'' وہ مظلومیت چہرے پر سجائے ہوئے کہہ رہا تھا اور اس کی بات سن کر حسنہ شاہ اور شایان شاہ بے ساختہ مسکرا دیئے تھے اور حسین شاہ بھی اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو چھپا نہیں سکی تھی اور اب بھی وہی مسکراہٹ اچانک ہی اس کے چہرے پر در آئی تھی۔ وہ ماضی سے باہر آئی تھی۔ کتنی قیمتی یادیں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ اس نے Calla Lily کے سفید پھول پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ پھول جیسے سانس لے رہا تھا۔ جیسے یادیں اس کے دل میں مدھم مدھم سانس لے رہی تھیں۔

یہ ایک بہترین قسم کا House Plant تھا جو کسی بھی موسم میں اگایا جا سکتا تھا۔ پاپا کو گارڈننگ کا بے حد شوق تھا۔ وہ جب بھی پلانٹ لگاتے تو ان کے ساتھ آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔

''پاپا یہ پھول کس قدر خوبصورت ہیں نا۔'' اس نے سفید للی پر ہاتھ رکھا تھا۔ جب شایان شاہ ان پودوں کو پانی دے رہے تھے۔

''مجھے بھی سکھائیں پاپا میں ایک پودا لگانا چاہتی ہوں۔ اپنے ہاتھوں سے اور جب اس پر پھول آئیں گے تو میں بھی ماما کو دوں گی۔ وہ پودا ان پودوں سے کچھ دوری پر لگاؤں گی تاکہ پہچان سکوں۔'' وہ معصومیت بھری آنکھوں سے ان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ اس کی بات سن کر مسکرا دیئے تھے۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں بتاتا ہوں ان پودوں کو کیسے لگانا ہے۔ ان کو (Calla Lily) کنول بھی کہا جاتا ہے۔ جب Calla

Lily یا کو لگانا ہو تو جہاں لگانا ہو وہاں تو کنول جزوی سایہ تک مکمل سورج میں نم مٹی میں بڑھتا ہے۔اس پودے کو لگانے سے پہلے مٹی میں ایک نامیاتی مواد کو شامل کیا جاتا ہے۔کھاد جو زمین کو زرخیز کرتی ہے۔ یہ موسم گرما میں آزادانہ طور پر بڑھتا ہے جب مناسب پانی اور متوازن سیال کھاد کے ساتھ جو کہ پندرہ روز کے بعد ڈال جاتی ہے۔پانی کی گہرائی 12 انچ یا پھر 30cm تک ہونی چاہئے۔اگر یہ پلانٹ دسمبر میں دن کے دوران C(65)F18 اور رات کو C16F16 کے درجہ حرارت کی روشنی میں ٹھنڈی جگہ رکھیں اور فعال ترقی کے لئے اس میں ایک ملی نائٹروجن کھاد دینی ہے۔بس اتنی سی بات ہے۔تمہاری تھوڑی سی محنت اور توجہ سے یہ پودے جلد ہی پھولوں سے بھر جائیں گے۔چاروں طرف سفید پھول اپنی چھب دکھائیں گے۔تم اپنی ماما کو دے کر انہیں حیران کر دینا۔وہ یقیناً بے حد خوش ہوں گی۔'' وہ شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے اور حسین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔کچھ روز کے بعد ایسا ہی ہوا تھا جب اس نے وہ پھول حسنہ شاہ کو دیئے تھے تو وہ کتنے ہی لمحوں تک حیرت بھری نگاہوں سے اپنی عزیز از جان بیٹی کو دیکھا تھا۔جب شایان نے سارا قصہ ان کے گوش گزار کیا تھا تو انہوں نے بے قراری سے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔

''میری جان ہو تم میرے لیے دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی ہو۔انمول ہو۔تم نے میری خوشی کے لئے اتنی محنت کی۔میں بتا نہیں سکتی میں کس قدر خوش ہوں۔ تحفے انسان کو خوش نہیں کرتے مگر ان کے پیچھے چھپی ہوئی محبت اور کوشش دل کو جیت لیتی ہے۔خوشی سے بھر دیتی ہے۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیے کہہ رہی تھیں۔پھر اس کی روشنی پیشانی پر لب رکھے تھے۔

کیسے لمحے منٹوں میں خواب بن گئے تھے۔اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چھوا تھا۔جیسے ابھی تک ممتا کا احساس اس کے ماتھے پر ٹھہر گیا تھا۔ممتا بھرے احساس کی حدت وہ اب بھی اپنے ماتھے پر محسوس کر رہی تھی۔اچانک ہی آنکھیں بھر آئی تھیں۔تبھی فون کی بیل اسے ماضی کے حصار سے باہر نکال لائی تھی۔رامین کی کتنی ہی مسڈ کالز آ چکی تھیں۔اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون Unlock کر کے کال بیک کی تھی۔

''رامین تم ٹھیک تو ہو؟ دادا جان کیسے ہیں؟ میں تو نجانے کن خیالوں میں گھر گئی تھی۔دھیان ہی نہیں رہا میں نے تمہاری کال مسڈ کر دی۔جلدی بولو سب خیریت ہے نا؟'' وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی مگر دوسری طرف گہری خاموشی تھی اور حسین شاہ کا دل خوف سے بھر گیا تھا۔

''رامین تم بھول کیوں نہیں رہی ہو۔کل رات تو دادا جان سے بات ہوئی میری وہ کہہ رہے تھے وہ قدرے بہتر محسوس کر رہے تھے۔میں نے اصرار کیا تھا کہ میں واپس آ رہی ہوں لیکن انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ان کا کہنا تھا وہ ان کی وجہ سے اپنی تعلیم کو مت روکوں۔مجھے نا چاہتے ہوئے بھی ان کی ماننی پڑی۔پلیز جو بھی ہے جلدی بول دو۔یوں خاموش رہ کر میرے خوف کو مزید نہ بڑھاؤ۔میں سہہ نہیں پاؤں گی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ایک ڈر اس کے لہجے میں نمایاں تھا۔

''حسین شاہ۔میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔۔میں ٹوٹ رہی ہوں۔میں خود سے جنگ کرتے کرتے تھکنے لگی ہوں۔میں اندر ہی اندر مر رہی ہوں۔ٹکڑوں میں بٹ گئی ہوں۔اب مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ سب کچھ دل میں چھپا کر رکھوں۔محبت اتنی طاقتور کیسے ہو سکتی

ہے کہ دل کو لمحوں میں مات دے سکتی ہے اور دل کوئی تدارک کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتا۔ محبت کیسے پورے استحقاق کے ساتھ دل کو کھینچ کر اسے راستے پر ڈال دیتی ہے جو ایک بند گلی پر ختم ہوتے ہیں۔ ان راہوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ دلوں میں کوئی رابطہ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ دل بند گلی میں کھڑا روتا رہتا ہے، کرلاتا رہتا ہے لیکن کوئی اس آواز کو سن نہیں سکتا۔ سماعت ہر آنے والی آہٹ پر لگتی ہوتی ہے مگر قدموں کی کوئی چاپ سنائی نہیں دیتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے حمین؟ محبت دل کو اتنے مشکل دوراہے پر لا کر کیوں کھڑا کر دیتی ہے۔ ایسی دشمنی کیوں نبھاتی ہے؟ اتنے کڑے امتحان میں ڈال کر خود چین سے کیسے رہتی ہے؟ کیوں دل کو غلط راستوں پر چلنے پر اکساتی ہے؟ دل کی کوئی تجویز نہیں مانتی اور معصوم دل اس کے ورغلانے میں آجاتا ہے۔ اس کے بہکاوے میں آکر دشت کی خاک چھاننے نکل جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے جب راستہ منزل کی طرف نہیں جاتا تو ایسے راستے پر چلنا کیوں پڑتا ہے؟'' وہ مدھم لہجہ پر ملال تھا۔ اسکی آواز بولتے بولتے جیسے رندھ گئی تھی۔

اور حمین شاہ کا دل اس لہجے کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس کے دکھ سے آگاہ تھی کیونکہ وہ بھی تو اسی تکلیف سے گزر رہی تھی پھر کیسے اس کے درد کو سمجھ نہ پاتی اور حمین شاہ کی آنکھوں سے نمکین سمندر بند توڑ کر نکل آئے تھے۔ چپکے چپکے اس کے رخسار بھگو رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کے دکھ پر رو رہی تھی یا پھر اپنے دکھ پر آنکھیں سمندروں کو باہر دھکیل رہی تھیں۔ اسے کھڑا رہنا محال تھا۔ وہ وہیں سنگی بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ رامین نے پہلی بار اپنے دکھ کا یوں اظہار کیا تھا۔

''رامین..... کیا ہو گیا ہے تمہیں اچانک؟ ایسے کیوں رو رہی ہو تم؟ میں تمہاری تکلیف سے آگاہ ہوں رامین لیکن آئی ایم سوری۔ مجھے معاف کر دو میں تم سے غافل ہو گئی تھی۔ اپنی تکلیف میں ڈوب کر سارے مسئلے سے چشم پوشی کر لی تھی۔ مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں نے ایسا کیسے کر دیا۔ میں شرمندہ ہوں۔ مجھے تمہارے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ اس لمحے تمہیں ہمدرد کندھا دینا چاہئے تھا۔ میں نے عفان سے بات کی تھی۔ کل اس کو ڈانٹا تھا۔ اس کی ہمت ہی کیسے ہوئی تمہارے جذبات کو نظر انداز کرنے کی۔ وہ کیسے تمہاری تکلیف کا سبب بن گیا۔ وہ خود حیران تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کچھ ہو جائے گا۔ اس نے جان بوجھ کر تمہیں نظر انداز ہرگز نہیں کیا تھا۔ وہ شاید آگاہ تھا یا نہیں۔ میں نہیں جانتی مگر وہ ایک اچھا انسان ہے۔ وہ کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ میں اس کی فطرت سے واقف ہوں۔ وہ اچھے اوصاف کا حامل انسان ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے اچھے دوست تھے۔ وہ ان دونوں کو ایک جتنا ہی عزیز رکھتی تھی مگر اس لمحے رامین کا پلڑا بھاری تھا۔ شاید اس میں بوجھ زیادہ ڈال دیا گیا تھا جو اس نازک سی لڑکی کی سکت سے زیادہ تھا۔ اس بوجھ کو ڈھونا اس معصوم لڑکی کے لئے دشوار ہو گیا تھا۔ تبھی تو وہ دل کا بوجھ اس کو منتقل کر کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

''اب کوئی فائدہ نہیں ہے حمین اور تم نے اس سے کیوں بات کی؟ اور کیا بات کی؟ کیا تم آگاہ تھیں اس بات سے؟ اگر تم تھیں تو پھر وہ بھی؟ اوہ تم نے تو مجھے شرمندی سے دوچار کر دیا ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے کبھی خبر ہو اور ایسے میں تو ہرگز بھی نہیں جب رشتہ ارحم سے طے ہو چکا ہے۔ اب تو کوئی فائدہ نہیں ہے سوائے اس کے میں اپنی محبت کو چھپانے کی کوشش میں کمزور پڑ گئی۔ حالانکہ مجھے تو پہلے دن

جان جانا چاہئے تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں میں ایسے خوابوں کو جگہ دی تھی جن خوابوں کی تعبیر کبھی ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ آنکھوں نے ان خوابوں کو دیکھنے کی گستاخی کی تھی سو اب ان کو سزا بھگتنی ہی تھی نا۔ اسی لئے اب جو میں رو رہی ہوں۔ یہ جو آنسو قطرہ قطرہ میری آنکھوں سے سیال بن کر بہہ رہے ہیں یہ صرف پچھتاوا ہیں۔ صرف ملال ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔

''کیا ارحم کا رشتہ کب آیا؟'' یہ اچانک اتنا کچھ ہو گیا تھا اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ دادا جان نے اتنی جلدی سب کچھ طے کر دیا۔ اتنے سارے فیصلے لئے لیے۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھی۔

''تمہیں بتانا تھا۔ میں نے کال بھی کیا تھا مگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی پھر میں نے تمہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ دادا جان کافی دنوں سے کافی پریشان تھے۔ وہ اپنی زندگی میں ہی رشتوں کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ ماما نے جب مجھ سے پوچھا تھا تو ان کے لہجے میں چھپے مان کو دیکھ کر میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ اور ویسے بھی انکار کا کوئی جواز بھی تو نہیں ہے نا اور اگر ہوتا بھی تو میں نانا جان کے فیصلے کے سامنے کبھی سر نہ اٹھاتی۔ ان کے فیصلے سے کبھی انحراف کرنے کا سوچ بھی نہ سکتی۔ انہوں نے ضرور سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوگا۔ بڑے جو سوچتے ہیں جو ہمیشہ اچھا اور بہترین فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسے تمہارا اور اظل بھائی کا۔ اظل بھائی بے حد اچھے انسان ہیں۔ وہ پوری سچائی سے اور دل و دماغ سے تمہارے ساتھ ہیں۔ میں جانتی ہوں ارحم بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ ماموں جان خود بہت اچھے انسان ہیں۔ ان میں نانا جان کے اوصاف ہیں۔ اس لئے انہوں نے بچوں کی تربیت بھی انہی خطوط پر کی ہے جس پر نانا جان اور نانی جان نے ان کی تربیت کی تھی اور ان کو ایک بہترین انسان بنایا تھا۔'' وہ بولتے بولتے جیسے تھکنے لگی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکی تھی اور پھر دوبارہ گویا ہوئی تھی۔

''ویسے بھی تمہیں کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اب میں کسی بھی امتحان سے با آسانی گزر سکتی ہوں۔ تم میرے ساتھ ہونا۔ تمہارے حوصلے کی بدولت میں کسی بھی کام کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی ہوں۔ ایمانداری سے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں یہ صرف لحاتی محبت تھی۔ وقتی طور پر دل نے غلط جگہ پڑاؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ علاقہ غیر میں خیمہ زن ہو گیا تھا مگر جب ادراک ہوا کہ اس سرزمین سے کوئی واسطہ نہیں، دلوں میں کوئی رابطہ نہیں تو دل نے چپکے سے قدم پیچھے کی جانب موڑ لیے تھے۔ اب ناداں دل کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ غلطی ہوئی تھی۔ اس کو سدھارنے کی ضرورت ہے اور یہ ہی صحیح وقت ہے۔ کسی بھی حتمی فیصلے کا۔ سو دل نے فیصلہ کر لیا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی تعرض نہ برتا جائے اور بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا جائے۔ سو دل نے اسی میں عافیت جانی ہے اور ایک حتمی فیصلہ لے لیا ہے۔ اب کوئی پچھتاوا نہیں ہے کوئی ملال نہیں ہے۔ دل طمانیت سے بھر گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہی تھی۔ بڑوں کے فیصلے پر اپنی مہر ثبت کر رہی تھی۔ وہ مدھم لہجہ مضبوط تھا۔ فیصلے لینے کے بعد کسی دکھ کا شائبہ تک نہیں تھا جو کچھ دیر قبل لہجے میں در آیا تھا۔

اور حسین شاہ کا دل اس لڑکی کے لئے دعا گو تھا۔ اس کی دائمی خوشیوں کے لئے۔ اس کا بس چلتا تو زمانے بھر کی خوشیاں اس کی

جھولی میں ڈال دیتی۔ وہ اس کی بہترین دوست تھی اور بہن تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی کھو سکتی تھی۔ عفان کو کان سے پکڑ کر اس کے سامنے کھڑے میں ایک پل کی دیر بھی کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اب معاملہ اچانک ہی اتنا پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس کو حل کرنے کے لئے اسے سمجھداری کا مظاہر کرنا تھا مگر دادا جان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہ ان کی بے حد عزت کرتی تھی۔ وہ عجیب دوراہے پر کھڑی تھی۔ ارحم اظل کا بھائی تھا۔ وہ جانتی تھی اظل ارحم سے کس قدر شدید محبت کرتا تھا۔ ایسے میں کوئی بھی فیصلہ لینا آسان ہرگز نہیں تھا۔ رامین کب کی کال ڈسکنیکٹ کر چکی تھی مگر اس کے لئے لامتناہی سوچوں کا جال بچھا چھوڑ گئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر اندر کی طرف قدم بڑھانے والی تھی جب اس کی کال دوبارہ آ گئی تھی اور ھین شاہ نے ایک لمحے کی دیر کئے بنا کال پک کی تھی اور بے قراری سے پوچھا تھا۔

''کیا ہوا؟ تم نے کال دوبارہ کی اس تو صاف ظاہر ہے کچھ وجہ بہت خاص ہے جو بتانے سے رہ گیا تھا۔ اب جلدی بولو۔ تم میرے تجسس کو بڑھا رہی ہو بلکہ آج تم دھماکے کر رہی ہو۔ اب جلدی بولو۔'' اس نے کال پک کرتے ہی بے قراری سے پوچھا تھا۔ وہ اس کی عادت سے واقف تھی جب تک وہ اسے بتا نہیں لیتی تھی اسے چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہر بات اس سے شیئر کرتی تھی۔ تمہیں کچھ خبر ہے ھین شاہ۔ یہ محبت کیسی ہوتی ہے؟ تم کبھی محبت سے ملی ہو؟ تم تو ضرور ملی ہو گی؟ پھر بتاؤ نا، محبت کے رنگ کیسے ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھیں کیسے چمکتی ہیں؟ اس کے پروں پر سفر کرنا کیسا لگتا ہے؟ محبت جب مدھم سرگوشیوں میں بات کرتی ہے تو ایسے فسون بکھیر دیتی ہے۔ کیسے اپنے ساتھ باندھ کر لے جاتی ہے۔ محبت کو یہ آگاہی کیسے ہوتی ہے کہ اس کے اسم کا اطلاق دل پر ہو کر ہی رہے گا۔ محبت یہ اسم کہاں سے سیکھتی ہے۔ یہ جادو محبت کے پاس ہی کیوں ہوتا ہے کہ سب کچھ اختیار میں کر کے بے اختیاری لگا دیتی ہے۔ یہ سارے وصف محبت کو کیوں مل جاتے ہیں۔ محبت جب بولتی ہے دل کیسے ساعت بن جاتا ہے۔ کیسے محبت کی آنکھوں میں روشنی پھوٹتی ہے جو دل کے ایوانوں میں روشنی سی بھر دیتی ہے۔ تمہیں تو ضرور خبر ہو گی نا ھین؟ وہ محبت بھرے مدھم لہجے میں سراپا سوال بنی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

اور ھین شاہ کو لگا تھا جیسے یہ لہجہ کسی سے مماثلت رکھتا تھا۔ پہلے بھی کوئی ایسے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر چکا تھا۔ اس کا ذہن ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں زرتاج شاہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا لہجہ بھی تو ایسی ہی حیرانی لئے ہوئے تھا۔ یا شاید ان کا دکھ مشترکہ تھا یا شاید محبت کے دل کے خالی رہ جانے والے کونوں میں ایسی ہی بازگشت ہوتی تھی۔ جہاں محبت کی رسائی نہیں ہوتی تھی۔ جہاں محبت پہنچ نہیں پاتی تھی یا پھر دروازے سے ہی الٹے قدم واپس پلٹ آئی تھی۔ اس دل کے خالی کونوں میں ایسے ہی سناٹے گونجتے رہے تھے۔ ایسے کونوں میں سوالات نڈھال سے جوابات کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ لیکن کوئی جواب نہیں ملتا تھا سو نہیں ملتا۔

''ھین شاہ.....'' رامین نے پھر پکارا تھا۔ وہ گھمبیر خاموشی سے جیسے خائف ہوتی تھی۔

''تم زرتاج شاہ جیسی باتیں کیسے کر سکتی ہو رامین میں حیران ہوں۔ اسے بھی لگتا تھا کہ اس کے سارے سوالوں کے جوابات جیسے میرے پاس ہی تھے اور تمہیں بھی یہی الہام ہوا ہے۔ یہ بات مجھے حیرت میں مبتلا کر رہی ہے۔ دو انسان ایک جیسی بات کر سکتے ہیں۔'' وہ

حیرت زدہ سی اسے بتا رہی تھی۔

''میں تم سے زرتاج کی ہی بات کرنے والی تھی اور تم نے اس کا ذکر کر دیا یا تم جانتی ہو ارسلان انکل زرتاج سے محبت کرتے ہیں؟ ان کی وجہ سے انہوں نے آج تک شادی نہیں کی؟'' رامین نے جیسے دھماکا کیا تھا۔

اور حین کے لئے یہ بات حیران کن تھی۔

''کیا..... کیا کہہ رہی ہو تم؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟ کیسے خبر ہوئی؟ زرتاج شاہ کا ذکر وہاں کیسے ہوا تھا؟ وہ ایک ہی سانس میں کتنے سوال پوچھ گئی تھی۔

''کل رات جب میں پریشان تھی تو میں اپنے لئے کافی بنانے گئے تھی مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ تبھی ارسلان انکل وہاں آئے تھے۔ انہوں نے جنت بی بی سے بلیک کافی بنانے کو کہا تھا۔ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے تھے اور جیسے سب سمجھ گئے تھے۔ میرے بنا بتائے ہی ان کو سمجھ میں آ گیا تھا۔ مجھے واضح تو نہیں مگر باتوں باتوں میں سمجھا رہے تھے۔ ان انداز نہایت ہی شفیق تھا۔ مجھے تو بالکل پاپا جیسے ہی لگے تھے۔ پھر صبح ماما نے انہیں کہا تھا کہ انہیں شادی کر لینی چاہئے۔ تب انہوں نے زرتاج شاہ کا نام لیا تھا۔ میں وہاں سے گزر رہی تھی تو میں نے سن لیا۔ تمہیں بتائے بغیر میں کیسے رہ سکتی تھی۔ تم تو زرتاج شاہ سے مل چکی ہو نا۔ تم تو جانتی ہو گی۔'' رامین نے مدھم لہجے میں اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور حین شاہ کو حیران کر دیا تھا۔

''ہاں میں ملی ہوں۔ میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ کچھ ضروری کام ہے۔ اس نے تیزی سے کہا تھا۔ اظل چلتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے کال ڈسکنیکٹ کی تھی۔ اظل اس کے سامنے آ کر رک گیا تھا پھر کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا تھا اور حین شاہ کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ وہ باتوں میں لگ کر بھول گئی تھی کہ اتنے تمنا بی بی کو ناشتہ کے لئے کہنا تھا۔ جانے وہ کب کا اٹھا ہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا اگر وہ خائف بھی تھا تو لیکن اس کو ملال نے گھیر لیا تھا۔ اظل بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''صبح بخیر جاناں۔ کیا ابھی تک خائف ہو تم؟ رات والی خفگی کیا ابھی تک برقرار ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں نئے اسلوب لیے ہوئے تھا۔ آنکھوں میں چمک بتا رہی تھی کہ اس کے دماغ میں کچھ خاص چل رہا تھا۔

حین نے اس کے لہجے کے بدلتے رنگوں کو اس کے اتار چڑھاؤ کو جانچا تھا۔ اسلوب نیا تھا جو اس کے لئے حیرانگی کا باعث تھا۔ آج وہ اسے حیرتوں میں غوطہ زن کر چکا تھا۔ اسے اس کی خفگی کی پروا تھی؟ اور طرز تخاطب قدرے نیا تھا۔ اس کے اس طرح جاناں کہنے پر اس کا دل دوگنی رفتار سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو جانچ رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

''تم نے جواب نہیں دیا جاناں؟ تم ہی کہو تمہاری خفگی کیسے ختم ہوگی؟ اگر یقین دہانی چاہتی ہو تو میں کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہوں۔ تم کافی پیو نا۔ پی کر بتاؤ کیسی بنی ہے؟ دراصل بہت سے کام مجھے ٹھیک سے کرنے نہیں آتے۔ کافی کند ذہن ہوں نا۔ بہت سی باتوں کو سمجھ ہی نہیں پاتا لیکن غلطی ہو جائے تو اس کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش تب تک کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ سامنے والا معاف نہیں کر دیتا۔ اس کا دل نرم نہیں پڑ جاتا۔ سو میں بھی اسی راستے پر چل پڑا ہوں۔ کامیابی ملنے تک قدم رکیں گے نہیں نا ہی تھمیں گے۔'' وہ مدھم لہجہ پر عزم تھا۔ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ آنکھوں میں چمک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ کامیابی آپ کا ہی مقدر بننے والی ہے؟ آپ کو ایسے ابہام کیوں ہیں؟ یا یوں کہیں کہ آپ اوہام میں پڑ جاتے ہیں یا پھر یہ جاگتی آنکھوں کا خواب ہے۔ دو محاذوں پر لڑنے چلے ہیں آپ۔ بیک وقت دو محاذوں پر بازی لگائی ہے آپ نے۔ کھیل تو خاصا دلچسپ ہو گیا ہے۔ آپ کو یقیناً بہت سکون مل رہا ہوگا۔ کیونکہ بازی تو آپ کے ہاتھ ہی ہے یہ آپ کو لگتا ہے۔ آپ ایسا سمجھنے لگے ہیں کہ جیت بھی آپ کی اور پٹ بھی آپکی۔ کیونکہ دونوں طرف سے آپ ہی کا فائدہ ہونے والا ہے۔ یہاں سے ہار بھی گئے تو کیا دوسری طرف سے جیت بہر حال یقینی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں طنز کر رہی تھی یا اس کو کھری کھری سنا رہی تھی۔

اور اظل اس کی بات سن کر بجائے ناراض ہونے کے قہقہہ لگا کر بے ساختہ ہنسا تھا جیسے اس کے تجزیے سے لطف اٹھایا تھا۔

''جاناں..... تم میرے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟ محبت جب نئے اسلوب میں ڈھلتی ہے تو تمہاری جان مشکل میں کیوں گھر جاتی ہے؟ محبت کو از بر کرنے کی جستجو میں جب جاتا ہوں تو تمہیں بے چینی کیوں ستانے لگتی ہے؟ یہ حاصل اور لا حاصل کا ایک عجیب سا قصہ ہے جب محبت کسی چیز کے حصول میں ناکام ہو جاتی ہے تو سب محبت عشق کی منازل طے کرنے لگتی ہے۔ کتنی ہی صدیاں، ہزاروں سال اسی اعداد و شمار میں گزر جاتے ہیں۔ کتنی ہی ساعتیں سکوت سے بھر جاتی ہیں۔ عشق جنوں کو قاصد بنا کر خرد و دل کی طرف روانہ کرتا ہے جو دبے پاؤں چلتا ہوا پہنچا تھا تو حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ وہ حیرت کدوں میں ڈوب گیا تھا جب خرد کو طمانیت سے دل پر حکمرانی کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن خرد شاید اس بات سے آگاہ نہیں تھی کہ دل سرکشی پر اتر آئے گا۔ ضد پر اڑ جانے والا تھا۔ یہ گریز بھرے لمحے خواب بننے والے تھے۔ دل کو آگہی تھی کہ خرد کی دنیا تہہ و بالا کر دینی تھی تبھی پیشگی راستہ ہموار کرنے کے لئے پر تولنے لگا تھا۔ اگرچہ خرد اپنی طاقت پر پر غرور ہے مگر اسے شاید اندازہ نہیں کہ عقل پر تالے پڑتے دیر نہیں لگتی۔ لوہے پر زنگ بھی لگ جاتا ہے اور یہ زنگ اس لوہے جیسی مضبوط دھات کو کھا جاتا ہے۔ اس کی ہیئت تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کی مضبوطی کو بھربھرے ذرات میں تبدیل کر دیتی ہے۔ ٹھوس دھات کے ذرات میں تقسیم ہونے میں ایک درس ہے کہ ہر چیز فانی ہے۔ جنون پاگل پن ہے مگر جیت یقینی ہے۔ جنون اپنی کہانی سوچوں پر نقش کر کے عقل کو گھوڑے دوڑانے کا موقع فراہم نہیں کرتا۔ عقل لاکھ ہاتھ پاؤں مار لے لیکن دور کی کوڑی لانے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ اپنے نقصان کا تخمینہ لگا کر بے حال ہو جاتی ہے۔ اعداد و شمار کی گنتی کر کے تھکنے لگتی ہے سب خرد تھک کر ادھ کھلی آنکھوں سے جنوں کی طرف دیکھتی

ہے اور پھر عشق کے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیتی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔ عجیب انکشافات کر رہا تھا اور حین شاہ نے بھاپ اڑاتی کافی کو ایک ہی سپ میں ختم کر دیا تھا۔ پھر کپ وہیں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ کی کافی بھی آپ کی باتوں کی طرح ہی کڑوی کسیلی تھی اور اس پر آپ کی چالاک سوچوں میں اس میں تلخی کی مقدار کئی گنا بڑھا دی تھی یا پھر یہ آپ کے ہاتھ کا کمال تھا۔ آپ کے مزاج کی پیچیدگی اور رعونت اس میں شامل ہو گئی تھی اس لئے کافی کا کسیلا پن اور بھی بڑھ گیا تھا یا پھر آپ کے مزاج میں شامل جھوٹ نے اس کی کڑواہٹ میں دوگنا اضافہ کر کے اس کی تلخی اور بڑھا دی تھی۔ لیکن آپ کو اندازہ ہو جانا چاہئے تھا مجھے تلخی کو پینے کی عادت پڑ چکی ہے۔ سو اس تلخی کو بھی میں نے پی لیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ عجیب شکایتی لہجہ تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ابھی تک خائف تھی۔

Your complains do more than help. You are the reason I take my next breath.

اور اس کا شکایتی لہجہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لانے کا سبب بن گیا تھا اور اس کی مسکراہٹ اس کو اور بھی چڑا گئی تھی۔ وہ لب بھینچ گیا تھا۔ اٹھا تھا۔ پھر دو قدم آگے بڑھ کر فاصلوں کو کم کیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم خفا ہو۔ تم شکوے رکھتی ہو۔ شکایت کرنے کے تمام حق رکھتی ہو مگر میں شکایت کو دور کر سکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کروا رہا تھا۔ حین شاہ نے اس کی طرف دیکھ کر لاتعلقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ گریز پائی کا ایک عجیب انداز تھا۔

''میں خفا نہیں ہوں اور خائف ہونے کا حق بھی نہیں رکھتی۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں بے جواز باتوں کو جواز بنا کر باتوں کو طویل نہیں کرنا چاہتی۔ ناراض ان سے ہو جاتا ہے جن سے کوئی تعلق اور واسطہ ہو۔ جہاں کوئی رابطہ درمیان ہو۔ مگر جب کوئی رشتہ درمیان نہیں ہے کوئی واسطہ نہیں جو روابط کو بڑھا سکے تو جواز ہی نہیں بنتا خفگی کا۔ جب حقیقت روز اول سے منکشف تھی۔ رشتوں میں جہاں اعتبار نہیں بنتا۔ جہاں واسطہ اپنی جگہ نہیں بنا سکتا وہاں خفا ہونے کا حق بھی نہیں ہوتا۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا گئی تھی اور اظل نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے اندر کچھ ٹوٹنے لگا تھا۔ اس کی ساری کوشش رائیگاں گئی تھی۔ اس کا گریز اور بیگانگی جوں کی توں قائم تھی۔

''کاش کہ تم اندازہ کر سکتیں حین شاہ کہ دل کے زخم تمہاری بیگانگی سے کھل جاتے ہیں لیکن تمہارے لفظوں میں تاثیر مسیحائی ہے۔ اسی لیے جب تم بولتی ہو تو میرے دل پر تمہاری بے حسی اور بے توجہی کے گھاؤ دھرنے لگتے ہیں جاناں کیونکہ جب تم چپ ہوتی ہو تو خاموشی میں چھپے طوفان میرے اندر جنگ کا ماحول برپا کر دیتے ہیں۔ جس بات کو تم بنیاد بنا کر شک کو بڑھانے میں مدد دیتی ہو تمہیں جان لینا چاہئے کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے جو دکھائی دیتی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ بے بس تھا۔ آنکھوں میں اضطرابی اتر آئی تھی۔ بے چینی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''شام کو تیار رہنا ایک اہم میٹنگ ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھ چلو۔ یہ حکم ہے سو انکار کی کوئی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔ میں

چلتا ہوں بعد میں اس مسئلے کو پھر سے حل کرنے کی کوشش کریں گے کسی فرصت کے لمحے میں اگر کچھ پیش رفت ہو سکی تو ورنہ.....!'' اس نے فیصلہ سنایا تھا اور چہرے پر تناؤ کی کیفیت بڑھ گئی تھی۔ اس نے ایک نگاہ اس پر کی تھی اور پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور پھر اسپیڈ سے گاڑی نکالی تھی۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے۔ حین شاہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی مگر وہ چکا تھا۔ اور حین شاہ کے لئے نئی پریشانیاں چھوڑ گیا تھا۔ اس کے دل کی سوئی تو وہیں ورنہ پر اٹک گئی تھی۔ ورنہ سے آگے وہ کیا کہنے والا تھا۔ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس کے تلخ اور سخت رویئے سے خفا ہو کر گیا تھا۔ حین شاہ کو احساس ہو گیا تھا وہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گئی تھی۔ اس نے سخت رویہ اختیار کیا تھا جو اس کو ہرٹ کر گیا تھا۔ اس کو پشیمانی نے گھیر لیا تھا۔ ملال نے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر بڑھی تھی۔ شام کو کہاں لے جانے والا تھا وہ اسے۔ وہ کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھی۔ الجھن کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی تھی۔ اسے ہرٹ کر کے وہ خود بھی کیوں تکلیف میں مبتلا ہو گئی تھی۔ دل بے چینی سے کیوں بھر گیا تھا۔ وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔ یا شاید وہ انجان بنے رہنا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب محبت اپنی سمت کا خود ہی تعین کرتی ہے اور اپنی طرف آتے راستوں کا رخ چاہے تو زبردستی دوسری طرف موڑنے کی سعی کرتی ہے اور کبھی ضد پر اڑ جائے تو مخالف سمت میں چلتے ہوئے زاویوں کو اپنی طرف موڑ لیتی ہے۔ شاید یہی محبت کی لچک پذیری ہے یا پھر محبت کی فطرت۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے اس کی محبت کو بھی راستہ نہیں دیا تھا۔ بہتے دریا پر بند باندھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس کے لئے محبت کی پذیرائی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اچانک محبت نے سمت تبدیل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہو گئی تھی۔ رامین کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی جب عفان نے کال کی تھی۔ وہ حیرت سے گنگ رہ رہی تھی۔ ایک لفظ بھی بول نہیں پائی تھی۔ کتنے ہی لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تھے۔ جب توقعات کے برخلاف کچھ ہوتا تھا تو ایسی صورتحال میں ایسے واقعات کا متوقع ہونا معمول کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ دونوں میں ایک گہری خاموش چھا گئی تھی۔ صرف مدھم دھڑکنوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ حالانکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ دونوں بہترین دوست تھے پھر بھی اس صورتحال کو کنٹرول نہیں کر پا رہے تھے۔ رامین شاہ نے ہمت مجتمع کی تھی اور دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ نے کال کیا خیریت تو ہے نا؟ اچانک آج آپ کو میری یاد کیسے آئی عفان ضیاء ہاشمی؟ ضرور تمہیں کوئی کام ہو گا مجھ سے تبھی تم نے حین شاہ سے میرا نمبر لیا ہے۔ سمجھ گئی ہوں کہ تم نے کتنی تگ و دو کا مظاہرہ کیا ہو گا مگر اب جلدی بولو معاملہ کیا ہے؟'' وہ پراعتمادی دوستانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

اور عفان ضیاء ہاشمی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ کوئی بات کرنے کی حالانکہ وہ نہایت دوستانہ انداز میں بات کرنے کی کوشش کر کے

بظاہر اس کی ہمت بندھا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اگر اس نے کال کیا تھا تو کچھ مقصد تھا۔

''میں تمہیں مبارکباد دینا چاہتا تھا۔ مجھے پتہ چلا تم جلدی شادی کرنے والی ہو۔ صاف ظاہر ہے تعلیم میں تو تمہارا دل اب لگنے والا نہیں ہوگا تو میرا خیال ہے انکل آنٹی نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں اپنے گھر کا راستہ دکھانے لگے ہیں۔'' وہ بظاہر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا یا پھر اسے نارمل انداز میں ٹریٹ کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے ان کا فیصلہ درست ہے اور مجھے قبول بھی ہے اور نا قبول کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے نا۔ اظل بھائی کا بھائی ہے۔ یقیناً انہی جیسا جی دار ہوگا نا۔ اگر انہوں نے حسین شاہ کو جھیل لیا ہے تو یقیناً وہ بھی مجھے جھیلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہوگا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

وہ کمرے کا دروازہ بند کرنا شاید بھول گئی تھی۔ تبھی تو فون پر بات کرتے کرتے اس نے سامنے دیکھا تھا اور اسے وہاں کھڑے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی جو دروازے پر ناک کر کے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا پھر اسے اجازت درکار تھی اندر داخل ہونے کے لئے۔ رامین شاہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ وہ نجانے کیا کہہ رہا تھا مگر اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا کر اس کو اندر آنے کی اجازت دی تھی اور پھر عفان ضیاء ہاشمی کو خدا حافظ کہہ کر کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

''میں معذرت چاہتا ہوں میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا مگر بات ہی کچھ ایسی تھی میں خود کو روک نہیں پایا۔ آپ سے بات کرنا ضروری تھا۔ اسی لئے چلا آیا اور میں آپ کو یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کو جھیل نہیں سکتا کیونکہ.....!'' وہ شرارت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اور رامین شاہ کا چہرہ خجلت سے سرخ پڑ گیا تھا اور وہ اس کی باتیں سن چکا تھا۔

ارحم سہام مرزا نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر نگاہ ہٹانا بھول گیا تھا اور بات مکمل کرنا بھی۔ اس نے اتنا دلکش نظارہ کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا کبھی۔

''کیونکہ.....؟'' رامین نے اس کی توجہ خود سے ہٹائی تھی۔ اس کا اس طرح ایک ٹک دیکھنا اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

''کیونکہ جھیلا تو انہیں جاتا ہے جو زبردستی سر پر مسلط ہوتے ہیں۔ جو دل کی سلطنت پر براجمان ہوں ان کو جھیلا نہیں جاتا۔ ان کو قبول کیا جاتا ہے۔ ان کی تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت ان کو دل میں رکھا جاتا ہے عمر بھر کے لئے۔ کیونکہ یہ تعلق لحاتی نہیں ہے۔ عمر بھر کے لئے ہے۔ تو اس لئے میرا یقین دلانا ضروری ہوگیا تھا ورنہ تو آپ اسی طرح غلط فہمی میں مبتلا رہتی تو مجھے قطعی قبول نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس میں درستگی کر دی۔ امید ہے آپ نے برا نہیں مانا ہوگا۔ وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ نگاہیں اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھیں اور رامین نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے مسلسل تکتے رہنے سے وہ کنفیوژ ہوگئی تھی۔ ہچکچاہٹ کا

مظاہرہ کیا تھا۔

''آپ کو یہی واضح کرنا تھا یا پھر کچھ اور بھی کہنا تھا؟ آپ کی عادت ہے چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے کی؟'' وہ خفگی سے پوچھ رہی تھی۔ چہرے پر ناپسندیدگی واضح طور پر درج تھی۔ ارحم نے دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا تھا۔

''نہیں میں دوسروں کی باتیں ہرگز نہیں سنتا ہوں مگر جب مسئلہ میرا تھا، ذکر بھی میرا تھا اور مجھ سے جڑے ہوئے شخص کا تھا تو پھر تو میرا سننا بنتا تھا نا کہ وضاحت دے سکوں۔ کیونکہ اس رشتے کی مضبوطی اور پائیداری کے لئے میری وضاحت درکار تھی۔ تم فرضی باتیں کر رہی تھیں تب میں نے ضروری سمجھا کہ اس پر یقین کی مہر ثبت کر دو۔ کیا تمہیں لگتا ہے میں نے کچھ غلط کیا ہے؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''جیسے کہ آپ نے بتایا مجھے وضاحت مل چکی ہے۔ اب دوسری بات کیا تھی۔ وہ بھی کہہ دیجئے ابھی وقت ملا ہوا ہے آپ کو۔'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''چلئے صد شکر آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحے سونپ دیئے۔ دراصل میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا آپ کو اس رشتے سے کوئی اعتراض تو نہیں نا۔ آپ کو لگتا ہے کہ مجھ جیسا انسان آپ کا شریکِ سفر بن سکتا ہے؟ میں نے زندگی میں کوئی ایسا نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا جس کی بنیاد پر مجھے کوئی بھی لڑکی اپنا شریکِ حیات بناتے ہوئے فخر سمجھے گی۔ لیکن میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں میں زندگی ہر خوشی دوں گا اور کبھی کسی غم کو قریب پھٹکنے نہیں دوں گا۔ ہر مصیبت کے آگے ڈھال بن جاؤں گا۔ بس اتنا سا کہنا تھا اور یہی پوچھنا تھا۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو صاف بتا دیجئے گا میں سب سنبھال لوں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور رامین نے اس کی طرف دیکھا تھا اور وہ اسے لاابالی سمجھتی تھی مگر وہ تو خاصی بردباری کی باتیں کر رہا تھا۔

''کوئی جلدی نہیں ہے آپ سوچ لیجئے پھر جواب دے دیجئے گا جب آپ کو مناسب لگے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہنے کے ساتھ ہی پلٹا تھا اور پھر باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''سنئے.....!'' اس نے پکارا تھا اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے رک کر دیکھا تھا اور رامین نے ہولے سے لب وا کئے تھے۔

''آپ کا شکریہ.....شریکِ حیات بنانے کے لئے اچھا انسان ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا گیا ہو۔ ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی میں نے۔ میں اپنا جواب ماما پاپا کو دوں گی۔ آپ بے فکر رہئے۔'' اس نے جواب دیا تھا اور اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور پھر باہر کی طرف بڑھا تھا اور رامین نے نگاہوں سے اس کا دور تک تعاقب کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نانا جان کا انتخاب کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے کچھ تو خوبی دیکھی ہوگی۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب ماضی کو جتنا بھی پیچھے دھکیلنے کی کوشش کریں ماضی پھر چلتا ہا سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ایسے میں اس سے چاہ کر بھی پیچھا چھڑانا دشوار ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا ماضی اس کی زندگی میں قطرہ قطرہ زہر ٹپکا رہا تھا۔ اس کی زندگی کو مشکل بنتا جا رہا تھا مگر وہ پھر بھی ماضی سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہا تھا۔یا پھر ماضی اس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ بضد ہو گیا تھا کہ اس کے سامنے آ کر اس کے حال کو پریشان کر کے حال کے پرسکون سمندر میں طغیانی برپا کر دے گا۔ماضی نے قصد کر لیا تھا کہ حال کو ہراساں کر کے اس کی دنیا میں ہلچل مچا کر ایک حشر برپا کر دینا چاہتا تھا۔ماضی الٹے قدم چلتا ہوا حال میں آ کھڑا ہوا تھا۔حال ماضی کو دیکھنے پر کسی طور راضی نہیں تھا۔مگر ماضی حال کے حواسوں پر سوار ہو چکا تھا۔

''تم کہاں ہو۔مجھے تم سے ملنا ہے۔بہت ضروری کام ہے۔میں کال پر نہیں بتا سکتی جگہ بتاؤ کہاں مل سکتے ہو؟'' وہ چلنے پر بضد تھی حالانکہ وہ اسے منع کر چکا تھا مگر صبح سے کوئی بیسویں بار کال کیا تھا۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ایسا کیا معاملہ درپیش تھا جو وہ کال پر نہیں بتا سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری۔میں بے حد مصروف ہوں۔ایک اہم میٹنگ میں ہوں۔ابھی نہیں مل سکتا۔آج کے دن تو بالکل بھی نہیں۔'' اس نے بے مروتی کا مظاہرہ کیا تھا اور دوسری طرف سے شاید توقع نہیں کی جا رہی تھی۔اس سے انکار برداشت نہیں ہوا تھا۔

''کیسے خودغرض انسان ہو تم.....اور کچھ نہیں تو تم کم از کم دوستی کا ہی کچھ لحاظ کر لو۔کچھ تو مروت برتو.....تم میں تو مروت نام کی بھی نہیں ہے کتنی سفاکی سے منع کر رہے ہو۔دوست کو مشکل وقت میں تنہا چھوڑ رہے ہو۔مجھے تم سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی۔تم بھول چکے ہو کہ دوستی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں جو کہ تمہیں مکمل طور پر بھول چکے ہیں۔لگتا ہے تم ان اصولوں سے قطعی طور پر نابلد ہو۔حتیٰ کہ انسانیت کی پاسداری بھی نہیں رہی تمہیں۔تم تو خاصے انسان دوست ہوا کرتے تھے۔انسانیت کے علمبردار تھے۔بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔بات اور قول کے پکے انسان تھے پھر کیا ہو گیا؟ ایک لڑکی نے تمہیں اتنا بدل دیا؟ حتیٰ کہ تمہارے اندر پلتی انسانیت کو بھی مار دیا۔تمہیں بے مروت اور خودغرض بنا دیا۔میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔لیکن اچھا ہوا تمہارا اصلی چہرہ تو نظر آیا۔تمہارے چہرے پر جو ملمع کاری کی ہوئی تھی وہ اتر گئی۔تمہارا سفاک چہرہ صاف نظر آ رہا ہے۔تمہاری بلا سے کوئی مرے یا جیئے۔اگر مجھے کچھ بھی ہو گیا تب بھی مت آنا۔آج سے میری اور تمہاری دوستی ختم۔تم نے دوستی تو کیا اس محبت کا بھی لحاظ نہیں کیا جس کی جہ سے میں نے آدھی زندگی رول دی تمہارے پیچھے۔تب تو تم پتھر دل تھے اور اب اچانک ہی اس پتھر میں جان پڑ گئی ہے۔کمال کر دیا اس لڑکی نے۔جب میری باری تھی تو تمہارے دل میں محبت کے سوتے پڑ گئے تھے۔محبت کا دریا سوکھ کر صحرا بن گیا تھا۔دشت کا منظر پیش کر رہا تھا۔'' وہ بولتے بولتے تھکنے لگی تھی۔کتنے گلے تھے اس کے لہجے میں شکایات کا ایک انبار تھا۔وہ چند لمحوں کے لئے رکی تھی پھر بولنے لگی تھی۔

وہ اس کے شکوے سن کر مسکرا دیا تھا۔

''تم ایک بات صاف کیوں نہیں بتا دیتے۔گومگو میں کیوں رکھتے ہو تم؟ تمہارے دل میں کھوٹ ہے۔میں ایک بات تو شرطیہ کہتی

ہوں۔تمہیں اس لڑکی سے محبت ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ تمہارے دل میں ہر حال میں صرف میرا ہی قبضہ ہے۔تم مانو یا نا مانو مگر حقیقت یہی ہے۔اس کے ساتھ صرف سمجھوتہ ہے اور جب سمجھوتہ رشتوں میں آتا ہے تو رشتے اپنی وقعت کھو دیتے ہیں۔وہ رشتہ ایک بوجھ ہے جو تم ڈھو رہے ہو۔زبردستی کا سودا ہے۔ایک ہمدردی جو تمہارے گلے پڑ گئی تھی۔تمہاری جان کو آ گئی تھی اور تم رواداری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ایک فرض کی طرح اس رشتے کو نبھانے کی کوشش کر رہے ہو۔حالانکہ وہ کسی اور کے نام سے منسوب رہی ہے۔ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں کوئی اور ہو؟اور ہوسکتا ہے کہ وہ دلی طور پر کسی اور کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔کسی اور کے ساتھ منسلک ہو کیونکہ تم سے تو اسے محبت ہرگز نہیں ہے۔ہو بھی نہیں سکتی۔اس کے تیور تو بڑے نرالے ہیں۔بڑی ہی خودسر ہے۔اکھڑی ہے۔اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھتی ہے۔اسے منع کیا تھا۔تم سے دور رہے۔اپنے قدموں کو واپسی کی طرف موڑ لے۔بارہا تنبیہ کی مگر اس نے میری ایک نہیں سنی تھی۔تم نا جانے اسے کیسے جھیلتے ہو۔نجانے کیسے برداشت کرتے ہو۔تمہاری ہی ہمت ہے ایسے نمونے تم ہی سنبھال سکتے ہو۔تم نے آج تک ڈھنگ کا کوئی کام کیا ہی کب ہے جواب کرو گے۔تمہاری تو شروع سے ہی عادت ہے راہ چلتی مصیبت مول لینے کی۔اب بھی ایسا ہی ہوا تمہارے ساتھ۔'' وہ ترش لہجے میں اسے سخت سست سنا رہی تھی۔

''بس ہو چکا تمہارا لیکچر ختم؟تمہارے شکوؤں کی اور کتنی بڑی لسٹ ہے؟دیکھ لو۔ایک میٹنگ کینسل کر کے تمہاری شکایتیں سن رہا ہوں۔اب تو صاف کہو کہ مجھے تمہارا کوئی خیال نہیں۔دیکھ لو کتنی توجہ سے تمہارا ایک ایک حرف ازبر کر رہا ہوں۔پھر بھی تمہارے شکوے جوں کے توں ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہاں ویسے تو بڑے شکاری بنے پھرتے تھے۔شکار کرنے نکلے تھے اور خود شکار ہو گئے تھے۔ایک ہرنی کے ہاتھوں شیر کا شکار پہلی بار ہی سنا تھا۔اس سے پہلے کسی نے دیکھا نا سنا تھا۔یا پھر یوں کہیں کہ شیر خود ہی شکار بننا چاہتا تھا اور ہرنی کے لئے ترنوالہ ثابت ہوا تھا یا پھر اس ہرنی کو جتانا مقصود تھا۔معاملہ کچھ اور ہی لگتا ہے مجھے تو۔کہاں تو تمہارے پاس دل کا نام و نشاں بھی نہیں تھا اور کہاں سینے میں دل دھڑکنے لگا تھا۔آخر ماجرہ کیا ہے؟تم ہی اس کی وضاحت دو تو بہتر ہوگا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں اسے ڈپٹ رہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔وہ عرصے بعد اس طرح کھل کر ہنسا تھا۔

''دیکھا اب تو تمہیں ہنسنا بھی آ گیا تھا پہلے تو منہ پر بارہ بجے رہتے تھے جیسے ایک ہی منظر ٹھہر گیا ہو یا پھر گھڑی کی سوئیاں ساکت ہو گئی ہوں لیکن اب دیکھو کیسے قہقہے لگائے جا رہے ہیں۔کمال کا تضاد ہے اظل سہام مرزا۔'' وہ ترش لہجے میں اسے سنا رہی تھی۔

''میرے دکھ پر بھی ہنس رہے ہو تم۔خودغرضی کی انتہا ہے۔ایسے دوست سے تو اچھا تھا میں ایک دشمن پال لیتی۔کم از کم یہ ملال تو نہ ہوتا نا۔'' وہ چڑ کر کال ڈسکنیکٹ کر چکی تھی۔خفا ہو گئی تھی۔اظل نے اسے کتنی ہی بار کال ملائی تھی مگر وہ کال پک نہیں کر رہی تھی۔اس نے میسج دیا تھا۔مقام کا نام اور وقت لکھ کر اس کو بھیج دیا تھا۔نجانے اسے کیا کہنا تھا۔مگر وہ آواز سے خاصی پریشان لگ رہی تھی۔وہ وجہ بتانے

سے گریز کر رہی تھی۔ کچھ تو تھا جو وہ اس سے چھپا رہی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر توجہ فائل پر مرکوز کی تھی۔ پھر ٹائم دیکھا تھا۔ فائل پر جلدی سے سائن کر کے کچھ ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ آفس سے نکلا تھا۔ وہ ضرور انتظار کر رہی ہوگی۔ اس کو سختی سے تاکید کی تھی تیار رہنے کی۔ اس نے McQueen Flowers Shop سے اس کے لئے White Calla Lilie پھولوں کا بوکے اس کے لئے لیا تھا۔ اس کی خفگی دور کرنے کی ایک کوشش کی تھی یا پھر امن کا سفید پرچم لہرانے کی کوئی ریت تھی یہ۔ اس نے گاڑی کی رفتار تیز کی تھی۔ نگاہیں ونڈ اسکرین پر تھیں مگر دماغ کہیں اور پہنچ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب نا چاہتے ہوئے بھی زندگی کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ زندگی کے بتائے ہوئے راستوں پر قدم دھرنا پڑتا ہے۔ زندگی کے ہاتھوں اپنے آپ کو سونپ کر آنکھیں بند کر لینا پڑتا ہے تاکہ آنے والے راستی کو ڈر خوف زدہ نہ کر دے یا تیزی سے بدلتے منظر نگاہوں کو ہراساں نہ کریں۔ اس نے خود کو زندگی کے حوالے کر دیا تھا۔ تیار ہو کر اس نے قد آور آئینے میں اپنا عکس دیکھا تھا اور پھر لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں پر پھیری تھی۔ خود کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا تھا۔ ایک عرصے کے بعد وہ اس طرح تیار ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو خود سے غافل ہو گئی تھی۔ وہ تیار ہونا نہیں چاہتی تھی مگر ایک ملال مسلسل اسے پریشان کر رہا تھا۔ اسے تسلسل کے ساتھ ستا رہا تھا۔ اس نے صبح اسے بری طرح ہرٹ کر دیا تھا۔ اس کا ازالہ ضروری تھا۔ وہ کبھی اتنے سخت لفظ استعمال کر کے کسی کی دل آزاری نہیں کرتی تھی۔ وہ بھی جان بوجھ کر تو ہرگز بھی نہیں مگر صبح اس کو خاصے سخت اور ترش لہجے میں بہت کچھ سنا دیا تھا۔ وہ دل برداشتہ ہو کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس کو پریشانی میں مبتلا کر گیا تھا اور وہ سدا کی حساس تھی جو کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی تھی اور پھر اس کو قطعی کوئی زک پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تبھی وہ وقت پر تیار ہو گئی تھی۔ نگاہیں گھڑی کی سوئیوں پر لگی ہوئی تھیں اور دل کی دھڑکنوں میں ایک عجیب طوفان مچا ہوا تھا۔ ایک تلاطم برپا تھا۔ طغیانی بڑھ گئی تھی۔ وہ ہر گزرنے والا لمحہ دل کی دھڑکنوں پر گن رہی تھی۔ اسے کال کرنے کے خیال سے فون سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا تھا اور تبھی دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ پہلی بار اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی پارٹی کی نوعیت کیا تھی۔ اس نے قد آور آئینے میں اس کا عکس دیکھا تھا۔ وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔ آئینے میں دونوں ساتھ کھڑے نہایت ہی شاندار لگ رہے تھے۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اس کے بڑھتے قدموں کے ساتھ اس کی دھڑکنوں کی رفتار دوگنی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ پھر پیچھے سے ہاتھ آگے کیا تھا اور White Calla Lilies کے پھول اس کی طرف بڑھائے تھے۔ دوستی کا پیغام تھا کوئی یا امن کی طرف پہلا قدم۔

حمین نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کے ہاتھوں سے پھول تھام لیے تھے۔ پھول تھامتے ہوئے اس کے ہاتھ کے ساتھ ہی اس کی انگلیوں کی حدت اس کے ہاتھ پر ثبت ہو گئی تھی.....شاید.....اسے اپنا ہاتھ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ ایک ٹک بے ساختہ اسے

دیکھے جا رہا تھا۔صبح کی خفگی کے آثار اب بھی مکمل طور پر غائب نہیں ہوئے تھے۔حین نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔وہ بنا کچھ کہے واپس پلٹنے لگا تھا۔تو کیا یہ ساری تیاری رائیگاں جانے والی تھی؟ وہ ابھی تک خائف تھا۔اس قدر ہرٹ ہوا تھا کہ اس کو تیار کروا کر بھی ساتھ لے جانے کو تیار نہیں تھا۔اس نے پھول دے کر پہلا قدم لیا تھا۔اب حین شاہ کی باری تھی۔اس نے دو قدم آگے بڑھ کر تمام حوصلوں کو مجتمع کیا تھا اور پھر قدم آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔اس کے چلتے قدم رک گئے تھے۔اس نے حیرانگی سے اس کے اس اقدام کو دیکھا تھا اور ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھا تھا۔عجیب خفگی بھرا انداز تھا یا یہ فضا آفتاب کی باتوں کے اثرات تھے۔اس کے الفاظ نے اس کی سوچوں کے رخ کو توڑ کر نئے زاویوں کی طرف موڑ دیا تھا۔حین شاہ کو اس کا ہاتھ جھٹک دینا بہت برا لگا تھا۔اپنی بے وقعتی لگی تھی۔انا درمیان میں سر اٹھانے لگی تھی۔وہ اس کے بدلتے تیور سے حیران رہ گئی تھی۔دل و دماغ میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔دل اس کو منانے کے درپے تھا۔اس کو روک لینا چاہتا تھا۔اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ کس قدر بھروسہ تھا اسے مگر دماغ روک رہا تھا۔انا نے درمیان سر اٹھا کر سوچوں کے قدم کو روکا تھا۔اس کے قدم وہیں رک گئے تھے۔اس کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔نمکین سمندر بند توڑ کر نکلنے کو تیار تھے۔وہ واپس مڑی تھی اور White Calla Lilies کو سینے سے بھینچ لیا تھا۔متاع حیات کی طرح سنبھالا تھا اور اس کی خوشبو اپنے اندر سمونے لگی تھی۔اس کا لمس اور خوشبو پھولوں میں بس گئی تھی شاید۔وہ چلتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی تھی اور بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل اتارنے لگی تھی۔اس نے پلٹ کر دیکھا تھا اور پھر چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔نیچے جھک کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی سینڈل دوبارہ اس کے پاؤں میں پہنائی تھی اور پھر کھڑا ہوا تھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا تھا۔حین نے شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی گرفت سے ہاتھ آزاد کرایا تھا۔وہ واپس مڑا تھا اور قدم بڑھائے تھے اور حین شاہ کی جان مشکل میں آنے لگی تھی۔وہ اس کی دھڑکنوں کو اپنے ساتھ باندھ کر لے جا رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں پلٹتے ہوئے ایک عجیب سا احساس تھا۔ناکامی نے چہرے کا محاصرہ کر لیا تھا۔وہ شکست خوردہ سا آگے بڑھا تھا اور حین شاہ کو اس کا تمکنت بھرا انداز پسند تھا۔اس کا وہ تسخیر کر لینے والا انداز بھاتا تھا اسے۔اگر آج اس نے ان لمحوں کو یقین نہ سونپا تو بے یقینی بھڑتی جانی تھی۔اس کا ہر اٹھتا قدم فاصلوں کو بڑھا رہا تھا۔وہ اٹھی تھی۔انداز فیصلہ کن تھا۔تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔سفید لیلی کے پھول ہاتھ میں مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔دو قدموں کا فاصلہ طے کر کے اسے پیچھے سے بانہوں کا گھیرا اس کی کمر میں حائل کر کے اس کے قدموں کو زمین سے جڑ دیا تھا۔سر اس کی پشت سے ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی جیسے میلوں کا سفر طے کر کے آئی تھی۔اظل کے قدم ساکت تھے۔وہ اس سے اقدام کی توقع نہیں کر رہا تھا مگر اس کا یہ فعل اس کے دل کو جھکڑوں کے حوالے کر گیا تھا۔اس کی قربت سے دل کی حالت غیر تھی۔

''مجھے بھروسہ ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ.....اعتبار ہے.....آئی ایم سوری آپ کو ہرٹ کرنا مقصود نہیں تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں ادھوری باتیں کر رہی تھی۔مدھم لہجہ سرگوشی جیسا تھا اور اظل نے مڑ کر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔وہ جو اس کے کندھے پر سر رکھے مشکل امتحان سے گزر رہی تھی۔اس کے لئے اعتبار سونپنا کسی کڑے امتحان جیسا ہی تھا۔

''اگر اعتبار ہے تو پھر یہ سب کیوں حین شاہ؟'' وہ مدھم سرگوشی میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ ہر بار اعتبار توڑ دیتے ہیں۔اس اعتبار کو پنپنے ہی نہیں دیتے۔اس کو دل میں اترنے ہی نہیں دیتے۔اس کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔سارا قصور آپ کا ہے۔'' اس مدھم لہجے میں شکوے تھے اور اظل کے اندر ایک گہری طمانیت اتر گئی تھی۔ایک خفیف سی مسکراہٹ لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔معصوم سا شکوہ تھا۔

''تم نے کبھی کہا ہی نہیں۔اعتبار مانگا ہی نہیں۔اگر طویل راستے پر ہاتھ تھام کر چلو گی تو اعتبار تو آ ہی جائے گا نا؟'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔مدھم لہجہ پر فسوں تھا۔

''اعتبار مانگا نہیں جاتا۔سونپا جاتا ہے۔اتنا بھی نہیں جانتے۔'' اس نے سر اٹھا کر حیرت سے پوچھا تھا۔اس کی کم فہمی پر حیران تھی اور اس کے معصومیت بھرے انداز پر وہ پوری جان سے فدا ہو گیا تھا۔اس کی طرف مڑا تھا اور پھر اسے بانہوں کے حصار میں لیا تھا۔بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''کم فہم ہوں نا اسی لیے اندازہ ہی نہیں ہوا مگر تم تو خرد مند ہو نا تمہیں بتانا چاہئے تھا نا۔اگر میں کم فہمی میں کچھ سمجھ نہیں پاتا تو تمہارا فرض بنتا ہے مجھے آگاہ کر دو؟'' وہ بات کو بڑھا رہا تھا۔اسے لطف آنے لگا تھا۔اور وہ پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔اس کا چہرہ جلنے لگا تھا۔جانے کیا ہوا تھا سرمئی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔ایک مائع قطرہ رخسار سے بہنے لگا تھا۔

''تمہاری سرمئی تغافل سے بھری آنکھوں سے یہ جو محبت کے سفیروں نے صدیوں کی مسافت طے کر رہے ہیں یہ میرے دل کی سلطنت میں انمول خزانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ہر قطرہ دل کے سیپ میں گرے گا اور گوہر بن جائے گا۔ان پر رقم ان کہی داستان دل کے اوراق پر چھپ جائے گی۔دل کے قرطاس پر انمٹ نقوش چھوڑ جائے گی۔سرمئی آسمانوں سے جو روشن ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں جیسے چمکتے ہوئے مہتاب سرمئی آسمان کی آنکھوں سے گرتے ہیں اور تمہارے رخسار تک آتے آتے ان کی روشنی بجھنے لگتی اور میں اس جلتے بجھتے مہتاب کو اپنی مٹھی میں مقید کر لیتا ہوں لیکن اچانک ہی اس مہتاب کی حدت بڑھنے لگی ہے اور وہ اس حدت سے جلنے لگتا ہوں۔تم مجھے ایک آگ میں سلگا کر جلنے کے لئے چھوڑ دیتی ہو۔میں پل پل جلتا ہوں اس آگ میں سوکھی لڑکی کی طرح چٹختا ہوں۔مجھے طوفانوں کی زد میں دے کر خود پر سکون ہو جاتی ہو۔تم ایسا کیوں کرتی ہو حین شاہ؟'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔مدھم سرگوشیوں میں فسوں بکھیر رہا تھا۔اسے اپنے ساتھ باندھ رہا تھا اور حین شاہ نے خاموشی سے سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا تھا۔اور اظل نے اسے حصار میں مقید کر لیا تھا۔اس کی دھڑکنوں کو سن رہا تھا۔کتنے لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تھے۔حین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔ایک قدم پیچھے ہٹ کر فاصلہ قائم کیا تھا۔

''چلئے ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' چہرے پر خجلت نمایاں تھی۔سارا چہرہ تپش سے جل رہا تھا۔

''دیر نہیں ہوئی ہے مگر دل جانے پر مائل نہیں ہے لیکن جانا ضروری ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا پھر اس کا ہاتھ لیے باہر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اچانک عین کے قدم رک گئے تھے۔ اسے یاد آیا تھا وہ پرفیوم اسپرے کرنا بھول گئی تھی تبھی اسے کچھ ادھورا لگ رہا تھا۔ اظل شاہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف پلٹی تھی اور Acqua Di Gioia پرفیوم سپرے کیا تھا اور اظل نے اس سارے عمل کو نہایت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ ہاتھ میں تھاما بوکے وہیں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔ پورے راستے اس کا فون مسلسل بجتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ عین کو لگ رہا تھا وہ اس سے کچھ چھپا رہا تھا..... مگر کیا؟ وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔ گاڑی منزل پر رکی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر Clos Maggiore Restaurant کی طرف بڑھا تھا۔ وہ بے حد شاندار جگہ تھی۔ پورا ریستوران لکڑی سے مزین۔ اس ریسٹونٹ کا ماحول بے حد خواب ناک تھا جیسے خوابوں کی آنکھوں میں سنہرے روپہلے بادل ڈیرہ جما لیتے ہیں۔ جیسے پریوں کی سنہری آنکھوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ جیسے کہکشاں زمین پر اتر کر آ گئی تھی۔ جیسے جگنوؤں نے اندھیرے میں جنگل کو روشنی سے منور کر دیا تھا۔ جیسے کتنے ہی جگنو ٹمٹما رہے تھے۔ جیسے جنگل میں سفید پھولوں کی بہار اتر آئی تھی۔ اس کو سفید پھولوں سے آراستہ کر کے جنگل کی شکل دی گئی تھی۔ ماحول کو مزید خواب ناک بنانے کے لئے موم بتیاں جل رہی ہیں تھیں اور ہر طرف جلتی ہوئی شمعیں اپنی طرف توجہ مبذول کروا رہی تھی۔ شام کے وقت نہایت پرسکون اور مسحور کن ماحول تھا۔ گول میز پر سفید کور اور کالی کرسیوں کے ساتھ یہ جگہ مکمل طور پر دلفریب قرار دی جا سکتی تھی۔ یہ ایک فرانسیسی ریسٹورنٹ تھا۔ 33 سینٹ کنگ میں واقع تھا۔ وہ اسے وہاں بٹھا کر خود انتظار کرنے کا کہہ کر گیا تھا مگر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ معین شاہ کا پریشانی میں مبتلا ہوں کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ کتنی کالز کی تھیں مگر وہ کال پک نہیں کر رہا تھا۔ نہ کسی میسج کا جواب آیا تھا۔ اس نے قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ دل میں کتنے خدشات نے قبضہ جما لیا تھا۔ ایک خوف نے پھر سے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا۔ اچانک ہی اس کی نگاہ ساکت ہو گئی تھی جو اس نے دیکھا تھا۔ وہ دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھے رو رہی تھی اور وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دلاسہ دے رہا تھا۔ عین شاہ چلتی ہوئی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **چودھویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی**

اور اظل نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کی دھڑکنیں جیسے تھم گئی تھیں۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کی اک نگاہ میں۔ کتنے ہی شکوے، شکایتیں اور گلے ٹھہر گئے تھے اس کی آنکھوں میں۔ کتنی بے یقینی تھی جیسے اس کا اعتبار اچانک ہی ٹوٹ جانے سے اس کے یقین کے ٹوٹے ٹکڑوں نے اس کی آنکھوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا تھا اور آنکھوں میں نمکین سمندروں نے طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس نے بغیر ایک لفظ کہے نگاہ اس پر سے ہٹائی تھی۔ اچانک ہی بیگانگی نے نگاہوں میں جگہ بنالی تھی۔ وہ رکی نہیں تھی مڑی تھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے باہر کی طرف بڑھی تھی اور اظل سہام مرزا نے اس کو جاتا ہوا دیکھا تھا اور اسے لگا تھا جیسے اس کے ساتھ وہ دھڑکنوں کو بھی لے گئی تھی۔ وہ ساکت سا بیٹھا رہ گیا تھا جیسے اس سے حواس چھین لیے گئے تھے۔

فضا آفتاب نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر اظل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اظل سہام مرزا مجھے لگتا ہے حسین شاہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہے۔ تم جاؤ بات کرو اس سے۔'' اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور اظل جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر وہ تیزی سے اٹھا تھا اور تیز تیز ڈگ بھرتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا مگر وہ تو جیسے طوفان کی سی پھرتی سے نکلی تھی۔ نجانے کس طرف چلی گئی تھی۔ اس نے بے چینی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائی تھیں مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ اس کا دل تھم گیا تھا۔ وہ مسلسل اسے کال کر رہا تھا مگر اس کے فون سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بات اسے مزید بے چین کر رہی تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھا تھا اور پھر طوفانی انداز میں گاڑی نکال کر لے گیا تھا۔ راستے میں مسلسل وہ اس کو کال کرنے کی کوشش میں مصروف عمل تھا مگر جواب ناپید تھا۔ اس نے عفان ضیاء ہاشمی کو کال کیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ ضرور اس کو کال کرے گی کیونکہ وہ اس کا بہترین دوست تھا جس پر وہ بھروسہ کرتی تھی۔ وہ اس کے بارے میں لاعلم تھا۔ شاید ابھی تک اس نے عفان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ کہاں جا سکتی تھی وہ۔ اس کے دل میں برے برے خیالات نے جھمگھٹا لگا لیا تھا۔ اس کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔ بے چینی حد سے سوا تھی۔ اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے اسے تلاش کرے۔ آغاز کہاں سے کرے۔ اس نے تمنا بی کو کال کر کے پوچھا تھا اور اسے تاکید کی تھی جیسے ہی حسین شاہ گھر پہنچے اسے ضرور اطلاع کر دے۔ اس کو کھو دینے کے خوف نے اس کو دبوچ لیا تھا۔ خوف نے اس کے اندر پنجے گہرائی تک گاڑ لیے تھے۔ بالکل ویسا ہی خوف اس کی آنکھوں میں امڈ آیا تھا جیسا خوف وہ حسین شاہ کی آنکھوں میں دیکھتا تھا یا پھر شاید وہ خوف اس کی آنکھوں سے چلتا ہوا ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد اس کی آنکھوں میں آ کر بسیرا کر چکا تھا۔ اس خوف نے اس کو جکڑ لیا تھا اور دل کے اردگرد ایک حصار بنا لیا تھا۔ دل سوچ کر ہی ساکت ہونے لگا تھا اور خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک تسلسل سے خوف دل کی دھڑکنوں کو مدھم کرتا جا رہا تھا۔ دماغ خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے آگاہ کر رہی تھی مگر وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تمام خیالات ایک تسلسل سے آ کر دل کو پریشان کر رہے تھے۔ شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا یا کچھ اور کوئی

ایمبولینس تیزی سے گزری تھی اور اس کا دل ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب خوف کا بھیانک چہرہ سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ خوف جو ہمیں ہر لمحہ ڈراتا ہے۔ دل کو وسوسوں میں ڈال دیتا ہے۔ وہی وسوسے ڈراؤنا چہرہ لیے سامنے آ کر دل کو چند لمحوں کے لیے ساکت کر دیتے ہیں۔ ایک خوف مکمل طور پر تسلط جما کر دل کی دھڑکنوں کو منجمد کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے کبھی نہیں چاہا کہ ایسا ہو جائے۔ اس نے اس لمحے کو ٹالنے کے لئے کتنی دعائیں مانگی تھیں۔ کتنے احساسات کو دل میں دبایا تھا۔ ان خدشات کو یقین بننے سے روکا تھا لیکن اچانک ہی وہ وسوسے حقیقت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں جیسے سوئیاں چبھ رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے کانٹے اس کی آنکھوں میں چبھو دیئے تھے اور اس کی راہیں بھی کانٹوں سے ہی بھر گئی تھیں۔ وہ تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آسمان بھی اس کے دکھ میں شامل ہو گیا تھا۔ بارش شروع ہو گئی تھی اور ایک بار سرمئی آنکھوں سے ہو رہی تھی۔ کتنی ہی آوازوں کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اسے اعتبار ہی نہیں تھا اور وہ بھروسہ کرنے سے خوفزدہ تھی بظاہر مگر دل تو کب کا یقین سونپ چکا تھا مگر وہ بتانے سے گریزاں تھی۔ اس سے چھپا رہی تھی۔

''جب تم میری طرف دیکھتی تو یقین کے کتنے دیئے تمہاری آنکھوں میں جلنے لگتے ہیں لیکن اچانک ہی وسوسوں کی ہوا چلنے لگتی ہے۔ یہ دیئے بے یقینی کی زد میں آ کر ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ یہ جگنوؤں سے جلتے دیئے بجھنے لگتے ہیں اور ہر ایک بجھتے دیئے کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی مدھم پڑنے لگتی ہیں اور جب آخری دیا بجھتا ہے تو میرا دل یاس بھری نگاہوں سے اس دیئے کو دیکھتا ہے اور اس بجھتے دیئے کے ساتھ ہی دل ساکت ہو کر ان سرمئی سمندروں میں ڈوبنے لگتا ہے۔ ان سرمئی سمندروں میں مدغم ہونے لگتا ہے اور پھر ان گہرے سمندروں کی عمیق گہرائیوں میں کہیں کھو جاتا ہے۔ گمشدہ ہو جاتا ہے اور میں تلاشنے کے لئے سرگرداں ہو جاتا ہے۔ بھٹکتا رہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ کیسے راز منکشف کر رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا تھا۔ سوچوں کو پرے دھکیلنے کی بھرپور سعی کی تھی۔ سب جھوٹ تھا۔ سب فریب تھا۔ وہ جان گئی تھی۔ وہ جانتی تھی ایسا ہی ہونے والا تھا۔ تبھی تو وہ اعتبار کرنے سے منکر تھی تبھی تو وہ اعتبار سونپنے سے قاصر تھی۔ وہ خوفزدہ تھی اور اس کا خوف درست ثابت ہوا تھا۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ وہ آگاہ تھی ایسا ہی کچھ ہوگا۔ تو پھر دل میں بے تحاشہ درد کیوں ہو رہا تھا۔ اتنا کہ برداشت سے باہر تھی یہ تکلیف یا پھر اس میں برداشت کرنے کا حوصلہ ناپید ہو چکا تھا۔ اور اس کی عقل ناقص ہو گئی تھی۔ ان تبدیلیوں کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ وہ کچھ بھی کھونے کا سوچ نہیں سکتی تھی مگر وہ کھونے جا رہی تھی یا شاید کچھ کھو چکی تھی مگر دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ دل جیسے باغی ہو گیا تھا بغاوت پر اتر آیا تھا مگر اس سے دلی وابستگی جنوں کی طرح تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی تو کیا ہوا تھا کیسے اور کب دل نے اس کو اعتبار سونپ دیا تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ دل سے دل کا رابطہ بڑھتا گیا تھا۔ ایک لکیر نے دو دلوں کے درمیان ایک پل بنا دیا تھا۔ سب کچھ نہایت

افراتفری میں ہوا تھا کہ کچھ بھی جانچنے کا اور سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ نمکین قطرے دل پر گرتے جا رہے تھے دل میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا راستہ بدلنے کا وقت آ چکا تھا جب آنکھیں بنجر ہو گئی تھیں۔ اس نے مسلسل بجتے ہوئے فون کو مزید نظر انداز کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔ دادا جان کا نام اسکرین پر چمکتا دیکھ کر اس نے فون اٹھایا تھا۔ آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا۔

''السلام علیکم دادا جان۔ کیسے ہیں آپ؟ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے دادا جان؟'' اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں بیٹا۔ پہلے سے قدرے بہتر ہوں۔ گھر آ چکا ہوں۔ تم کیسی ہو بیٹا۔ میں تو تمہاری دعاؤں کی بدولت زندگی کی طرف لوٹ آیا ہوں۔'' انہوں نے شفیق لہجے میں پوچھا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو نا بیٹا؟ اظل کیسا ہے؟ نجانے کیوں دل میں بہت عجیب سے خیال آ رہے تھے۔'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں دادا جان..... بس آپ کی فکر تھی۔ آپ کو اور دادی جان کو بہت مس کر رہی ہوں دادا جان۔ آپ دونوں کی یاد آ رہی ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ میں جلد آپ کے پاس آ رہی ہوں۔'' وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ وہ حیران تھی دل سے جڑے رشتے کس طرح ایک دوسرے کو جان جاتے ہیں۔ کیسے ایک دل دوسرے دل کی حالت کو جان جاتا ہے۔ جب دادا جان صدیوں کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے بھی اس کے دل سے آگاہ تھے تو پھر وہ کیوں نہیں جس سے دل کا تعلق بندھا ہوا تھا۔ جس سے رشتے کی ڈور بندھی تھی۔ جو اس رشتے کو جوڑنے کی وجہ تھا۔ موجب بنا تھا رشتوں کو معتبر بنانے کے لئے۔

''بیٹا آپ کی آواز روئی ہوئی کیوں لگ رہی ہے۔ اظل سے لڑائی تو نہیں ہوئی نا؟ اگر کوئی چپقلش ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ میں اس کے کان کھینچوں گا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کو پریشان کرے۔'' انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔ اورھین شاہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ آنکھوں سے سمندر رواں ہو گئے تھے۔ اس سے ضبط کرنا دشوار ہو گیا تھا لیکن ان کے سامنے بھرم قائم رکھنا تھا۔ ان کو پریشان کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''نہیں دادا جان وہ میرا بے حد خیال رکھتے ہیں۔ آپ میڈیسن ٹائم پر لے رہے ہیں نا دادا جان؟ نمک بالکل نہیں کھانا آپ کو اور مکمل پرہیز کرنا ہے۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہے ورنہ میں خود آ جاؤں گی کوئی بھی لاپرواہی کی تو میں خفا ہو جاؤں گی دادا جان۔'' اس نے موضوع یکسر بدل دیا تھا۔ دل کی حالت غیر تھی۔ اندر طوفان برپا تھا مگر اس کو تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا۔

''میں اپنا خیال رکھ رہا ہوں۔ تمہاری خفگی کسی طور گوارا نہیں ہے میرے بچے۔ اپنی بیٹی کو خفا کیسے کر سکتا ہوں۔ میری اصل ڈاکٹر تو تم ہو بیٹا۔ تمہاری ہدایت پر عمل کیا ہے تبھی تو گھر آ سکا ہوں اور میڈیسن ٹائم پر لیتا ہوں اس لیے کیونکہ تم ہمیشہ مجھے یاد دلاتی ہو مجھے بھولنے نہیں دیتی اور اگر کبھی بھول بھی جاؤ تو تمہاری دادی جان ہیں نا وہ میرے سر پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔'' وہ شفیق لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''اتنا شور کیوں ہو رہا ہے۔ بارش ہو رہا ہے کیا وہاں؟ تم ٹھیک ہو نا بیٹا؟ تم کہاں ہو بھی اظل تمہارے ساتھ نہیں ہے کیا؟ اس کا فون مسلسل بزی جا رہا تھا تو میں نے تمہیں کال کیا تم کال کیوں پک نہیں کر رہی تھیں؟ میں تو گھبرا گیا تھا دل ہی دل میں کتنی ہی دعائیں مانگ لی تھیں تم دونوں کی خیریت کی۔'' وہ مدھم لہجے میں فکرمندی سے پوچھ رہے تھے اور حین شاہ کو مان لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی کہ رشتوں میں میلوں کے فاصلے ہی کیوں نہ حائل ہوں مگر رشتوں کو ان فاصلوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ میلوں کی دوریوں پر بیٹھے ہوئے بھی سارے احوال جان جاتے تھے۔

''دادا جان یہاں موسم لمحوں میں بدل جاتا ہے۔ یہاں پر موسم کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کب بدل جائے کوئی پیشن گوئی بھی کام نہیں آتی۔ ابھی اچانک ہی بارش شروع ہو گئی تھی حالانکہ کچھ دیر قبل موسم اچھا خاصا تھا۔ دور دور تک بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ موسم ابر آلود بھی نہیں تھا۔ مگر نجانے کہاں سے بادلوں کا ٹولہ آیا اور اس نے اپنا ڈیرہ آسمان پر جما لیا اور پھر ان بادلوں نے برسنا شروع کر دیا۔ وہ بادل شاید خفا تھے آسمان سے اسی لیے انہوں نے خفگی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ گرج چمک کے ساتھ برس رہے ہیں۔ اسی لیے اس قدر شور مچا رہے ہیں۔'' اس نے بات بنائی تھی ان کا دھیان موضوع سے ہٹانے کے لیے تفصیلاً بیان کر رہی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا میرے بچے اور اظل کا بھی وہ قدرے لاپرواہ تھے مگر تم ساتھ ہو نا تو مجھے زیادہ فکر نہیں ہے۔ تم سب سمجھدار ہو تم ہر قسم کی صورتحال کے رخ بدل دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہو۔ مجھے تمہاری دور اندیشی پر پورا بھروسہ ہے۔ تم معاملات کو اچھی طرح نپٹا سکتی ہو۔ تمام مسائل کو بردباری سے سلجھا سکتی ہو۔ تمہاری فطرت میں مصلحت پسندی ہے مگر اظل غصیلا ہے جلدی بازی کرتا ہے۔ تیز مزاج رکھتا ہے وہ ہے۔ جلد ہی بھڑک اٹھتا ہے مگر تم سبک روئی سے اس کے مزاج کو جھیل جاتی ہو۔ برداشت کر جاتی ہو۔ وہ اپنی من مانی کرتا ہے مگر تم نے اسے قدرے تبدیل کر دیا ہے۔ تمہارے آنے سے اس میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ وہ کسی کی نہیں مانتا تھا مگر تمہارے سامنے وہ جھک جاتا ہے۔ تمہاری باتوں اور ضد کو مان لیتا ہے۔ یہ میں نے تب دیکھا تھا جب تم نے جانے کی ضد کی تھی اور اس نے تمہاری حمایت کی تھی نا چاہتے ہوئے بھی تمہارا فیصلہ مان لیا تھا تب میں نے مشاہدہ کیا تھا کہ تم نے اس کے مزاج کو قطعی طور پر بدل کر رکھ دیا تھا۔ تم دونوں کی خوشحال زندگی میرے لئے باعث اطمینان ہوگی۔ میرے دل کی حالت تم دونوں کی زندگی سے مشروط ہو چکی ہے۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور حین شاہ سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ ضبط کرنا دشوار تھا۔

اس نے ہاتھ کی پشت سے بے دردی سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور پھر ساری ہمتوں کو مجتمع کیا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''دادا جان میں آپ کو بعد میں کال کرونگی۔ وہ اظل آ گئے ہیں۔ ہم باہر آئے ہوئے ہیں ابھی۔'' وہ مدھم لہجے میں کہنے لگی تھی اور دادا جان نے دعاؤں کے ساتھ کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ حین نے چلتے ہوئے عفان ضیاء کو کال ملایا تھا اور عفان نے پہلی بیل پر ہی کال پک کر لی تھی۔

''حسین کہاں ہو تم؟ کیا ہو گیا تمہیں؟ میں کب سے تمہیں کال کر رہا ہوں۔ پہلے تم پک نہیں کر رہی تھیں اور پھر تمہارا فون مسلسل بزی جا رہا تھا۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ جلدی بولو تم خاموش کیوں ہو؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کچھ ہو گیا تھا۔ اظل سہام مرزا کی کال آئی تھی۔ وہ حسین شاہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان بدمزگی ہو گئی تھی اسے جاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''تم کہاں ہو ابھی فوراً یہاں پہنچو لیکن مجھ سے وعدہ کرو تم کسی اور کو ہرگز نہیں بتاؤ گے کہ میں کہاں ہوں۔ اگر تم نے کسی اور کو بتایا تو میں تمہیں بھی نہیں بتاؤں گی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں بمشکل کہا تھا۔ اس کی ساری توانائیاں جیسے زائل ہو گئی تھیں۔ مزید چلنے کی سکت نہیں تھی۔

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا وعدہ کرتا ہوں۔ جلدی بتاؤ حسین شاہ ورنہ میرا دل رک جائے گا۔ میری دھڑکنیں تھم جائیں گی۔ تم جانتی ہو نا۔ تم مجھے کتنی عزیز ہو۔ تم مجھے ساری دنیا سے بڑھ کر میرے لئے معتبر ہو۔ میری بہترین دوست ہو تم۔ تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو نا حسین شاہ؟'' وہ بے چین لہجے میں سوال پوچھ رہا تھا۔ اسے قائل کرنے کے جتن کر رہا تھا۔

اور حسین شاہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ ضبط کے بندٹوٹ گئے تھے۔ اس نے رندھے ہوئے لہجے میں ایڈریس سمجھایا تھا۔

''تم پر بھروسہ ہے تبھی تو مدد کے لئے تمہیں پکارا ہے۔ جلدی آؤ۔ مجھ سے مزید چلنا محال ہو چکا ہے۔ میرا دل ساکت ہو رہا ہے۔ درد بڑھتا جا رہا ہے۔ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھمنے کا۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ کر کال منقطع کر چکی تھی۔ بارش میں بھیگنے سے وہ کپکپا رہی تھی۔ فارمل ہیل کے ساتھ چلنا دشوار لگ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مسلسل اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اپنی آنکھوں سے کسی اور کے ساتھ اس قدر قریب دیکھ کر اس کا دل طوفانوں کی زد میں تھا۔

''میں تمہیں کیسے بتاؤں حسین شاہ۔ تم نے عشق کو کبھی نہیں دیکھا مگر عشق کو میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری آنکھوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ دل کی دھڑکنوں میں ایک ردھم کے ساتھ دھڑکتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ میرا دل میرے پہلو میں ہوتے ہوئے بھی میرا ل نہیں رہا۔ یہاں صرف ایک خالی پن ہے۔ میں اپنے دل کو تمہارے دل میں دھڑکتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ ان دھڑکنوں کے ساتھ میری سانسیں جڑ چکی ہیں۔ میرا دل مجھ سے اجنبی ہو گیا ہے مگر تم سے گہرا رشتہ جوڑ چکا ہے۔ مجھے اس کا کوئی ملال نہیں کہ تم عشق سے بے بہرہ ہو کیونکہ میں جانتا ہوں عشق اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے لیکن اس کی تپش سے بچنا دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ عشق بے اختیاری لگا دیتا ہے۔ اپنی لپٹوں میں لپیٹ لیتا ہے۔ عشق سے بے اعتنائی برتنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا۔ اس کی بازگشت اس کے کانوں ا ۔ حسین گونج رہی تھی وہ خیالوں سے چونکی تھی جب کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس کے چہرے پر پڑی تھیں۔ اس کے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ Gucci کا Pink کلر کا گاؤن اور Ankle strap diamante high heel کی McQueen میں وہ کسی فیری ٹیل کا کوئی کردار لگ رہی تھی جو راستہ بھٹک کر اس طرف اچانک آنکلی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا اور حسین شاہ نے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا تھا اور پھر اسے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''تم..... تمہیں کہا تھا کہ میرے راستوں پر دوبارہ مت آنا۔ میں تم سے خوفزدہ ہرگز نہیں ہوں۔ اس لیے کہ اب کچھ بھی کھونے کا خوف نہیں ہے۔ اس لیے وہ خوف اچانک ہی کہیں رفو چکر ہو گیا ہے۔ چلتا ہوا کہیں دور نکل گیا ہے۔ اب تم کیوں چلے آئے۔ اب کیا چاہتے ہو تم؟ تمہارا مقصد مجھے پریشان کرنا تھا نا۔ اب تم مجھے مزید خوفزدہ نہیں کر سکتے ہو کیونکہ وہ خوف جو دل کو ہراساں کرتا رہتا تھا اب وہیں کہیں دل کے کونے کھدروں میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔ سو اب چلے جاؤ یہاں سے۔ تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ وہ تمام خوف کے قصے اب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ سب کچھ صیغۂ راز بن چکا ہے۔ سب ختم ہو گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ کمزور تھا۔ بجھے بجھے سے لہجے میں وہ اسے تنبیہ کر رہی تھی اور وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا دیا تھا جیسے وہ اس تمام داستان سے واقفیت رکھتا تھا جیسے وہ آگاہ تھا۔ اس سے کوئی راز چھپا ہوا نہیں تھا۔

''تم سے کہا نا۔ تمہیں سمجھایا تھا نا میں نے۔ دیکھ لو اب خالی ہاتھ کھڑی ہونا۔ شکست خوردہ سی ہاری ہوئی۔ بے حد کمزور اور ناتواں سی کھڑی ہو۔ چھڑ دیا نے اس نے تمہیں۔ کہا تھا مت آؤ اس کے چکر میں مگر تم نے میری ایک نہیں سنی۔ تم نے ہر بار جھٹلایا مجھے۔ مجھ سے خفگی کا اظہار کیا۔ مجھ سے نفرت کی ہمیشہ تم نے حالانکہ میں نے جو کیا سامنے سے وار کیا مگر کوئی اور تھا جس نے پیٹھ پر وار کیا اور اپنی بزدلی کو ثابت کر دیا۔ اب کہوں کون بہادر ہے میں یا وہ؟ کہا نا بزدل ہے وہ۔ اس کے ماضی پر میرا تسلط تھا اور اس کے حال اور مستقبل پر بھی میرا پہرہ ہے۔ اسے آگاہ کیا تھا مگر وہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ دیکھ لو آج سچ ثابت ہو گیا نا۔'' وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ احساس تفاخر سے اس کی گردن تنی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں جیت کی چمک تھی اور ھین شاہ نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ دبے دبے لہجے میں خفگی نمایاں تھی۔

''تمہاری عقل ناقص ہے اس لیے تم اپنی عقل گھوڑے دوڑانے کی کوشش ہرگز مت کیا کرو کیونکہ تم شاید بھول گئے کہ اکثر و بیشتر جو بظاہر نظر آتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے۔ وہ صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتا ہے سراب ہوتا ہے۔ حقیقت دراصل اس سے الٹ ہوتی ہے لیکن تم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ تم آنے والے حالات کو اپنی کم فہمی سے جانچ رہے ہو۔ اسکی حقیقت کو ان دیکھا کر رہے ہو کیونکہ تمہاری سوچ متضاد راستوں پر نکل پڑی ہے۔ وہ سکون کو تباہ و برباد کر کے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دینا چاہتی ہے۔ بے سکونی کی طرف راستہ ہموار کر رہی ہے مگر میں تمہاری اس سوچ کی راہ میں مسدود کر کے ان کے راستے بند کر دوں گی۔ تمہاری یہ سوچیں مجھ پر اثر پذیر نہیں ہو سکتیں۔'' وہ تلخ لہجے میں اسے جتا گئی تھی۔ اسے باور کرا گئی تھی۔

''جانتی ہو کیا ھین شاہ؟ جب رشتے پاؤں کی بیڑیاں بن جاتے ہیں، جب رشتے بوجھ بن جاتے ہیں اور زبردستی اس بوجھ کو ڈھونا دشوار گزار عمل ہو جاتا ہے تب ان رشتوں کو توڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ اب بھی وقت ہے آنکھیں کھول کر دیکھو تو تم صاف سمجھ جاؤ گی۔ تم اس کے راستے کی رکاوٹ بن چکی تھیں۔ زبردستی اس کے گھر میں گھس گئی تھیں مگر اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکیں تم۔ اس کے دل پر کسی اور کا قبضہ ہے۔ تم تو تہی دست رہ گئیں نا۔ کیا فائدہ ہوا؟ اب تم کیا کرو گی؟ کہاں جاؤ گی؟ تم تو تنہا رہ گئیں نا۔ ماضی نے اس کے دل پر اپنا

تسلط جما لیا ہے۔ اسے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ اس نے میرے دل کے آسمان پر مسلط ہونے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھول گیا تھا کہ لا حاصل چیزوں کے حصول میں عمر بتا دیں تب بھی لا حاصل کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ زبردستی کا سودا گھاٹے میں رہتا ہے۔ اس نے ایک نام نہاد رشتے کو نبھانے کی کوشش ترک کر دی ہے شاید۔ تبھی تو راہیں موڑ لی ہیں۔ وہ میرے دل کے آسمان پر قدم رکھ کر گزر گیا ہے اس نے بے توجہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے میرے دل کے آسمان کی بے وقعتی سے اس کو مٹھی میں مسل کر پھینک دیا ہے۔ تبھی تو تم یوں بھٹک رہی ہو۔ بے وقعت ہو گئی ہو۔ مگر میں اب یہاں موجود ہوں۔ ابھی بھی تمہاری طرف ہاتھ بڑھا رہا ہوں۔ اب بھی وقت ہے سوچ لو۔'' وہ احساس تفاخر سے اسے اس کی بے وقعتی کا احساس دلا رہا تھا۔

''یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے ہمارے درمیان آنے کی کوشش مت کرو۔ دور رہو اس معاملے سے۔ تم اپنے مفاد کی بات کرتے ہو۔ خود غرض ہو تم۔ مفاد پرست ہو۔ تم ہر بار نئی چال چلتے ہو اور پھر منہ کی کھاتے ہو۔ تم یاد رکھو۔ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ تمہاری ہر چال الٹی پڑے گی۔ میں اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت گوارا ہرگز نہیں کرتی۔ اس لئے ان معاملات میں مداخلت کرنا بند کر دو۔'' اس نے ترش لہجے میں اس کی حدود طے کی تھیں مگر اس کی بات اسے طیش دلا گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا اور اس کے ہاتھ پر گرفت جما دی تھی۔

''کون روکے گا مجھے؟ بولو کون کرے گا میری راہوں کو مسدود؟ کون میرے راستے کی رکاوٹ بنے گا؟ جس سے تم امیدیں لگائے بیٹھی تھیں وہ تو نئی منزل کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ تبھی تو ملال قطرہ قطرہ تمہاری آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔ میں جو تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں تو تمہیں میری مدد لینے کو تیار نہیں ہو۔ تم مجھ سے منسوب رہی ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں یہاں کھڑا ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' وہ اس کو زبردستی لے کر گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے احتجاج کیا تھا۔

تبھی ایک گاڑی اس کے پاس آ کر رکی تھی اور عفان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر حسین شاہ نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا اور اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر عفان کی طرف بڑھی تھی۔ وہ شاید صورتحال کو سمجھ چکا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھا تھا پھر اپنا کوٹ اتار کر اس کے کندھوں پر دھرا تھا۔ وہ مارے خوف کے سرد پڑ چکی تھی۔ بارش میں بھیگتے رہنے کی وجہ سے یا پھر اس خوف کے زیر اثر تھی عفان نے جب اس کا ہاتھ تھاما تھا تو اسے لگا تھا جیسے اس نے برف کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور پھر برق رفتاری سے آگے بڑھایا تھا۔ عمیر شاہ اپنی ناکامی پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ اس نے ایک مکا گاڑی پر مارا تھا۔

☆.....☆.....☆

اعظل سہام مرزا نے بے قراری سے میسج چیک کیا تھا اور عفان کے طرف سے مختصر سا میسج اس کے لیے اطمینان کا باعث بن گیا تھا۔

''وہ میرے ساتھ ہے۔ بے فکر ہو جاؤ۔'' اس نے اس میسج کو کوئی بیسویں بار پڑھا تھا۔ دل میں گہری طمانیت اتر گئی تھی۔ وہ

پاگلوں کی طرح اسے تلاش کر رہا تھا۔ گھر جا کر دیکھ چکا تھا۔ ہر جگہ جہاں وہ جا سکتی تھی وہاں پر جا کر دیکھا تھا مگر وہ کہیں نہیں ملی تھی۔ نجانے زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا۔ لمحوں میں ورہ کہاں نکل گئی تھی۔ اس کو کھو دینے کا یقین زور پکڑنے لگا تھا اور یہ سوچ دل کو ساکت کرتی جا رہی تھی۔ دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو چکا تھا۔ ایک خوف نے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی جینا محال لگ رہا تھا۔ ہر گزرتا پل ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں کو بھول نہیں پا رہا تھا۔ وہ دو شکوہ کناں آنکھیں اس کے دل و دماغ پر چسپاں ہو گئی تھیں۔ اس نے کال ملائی تھی۔ دل بے قرار تھا۔ اس کی آواز سننے کو مچل اٹھا تھا۔ اضطرابی بڑھنے لگی تھی۔ کچھ سوچ کر سارا اطمینان پھر سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کال پک نہیں کر رہی تھی۔ وہ جانتا تھا غلط فہمی اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ بدگمانی دل میں گھر کر چکی تھی۔ یہ بدگمانی دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس کو یقین میں بدلنے کے لیے کچھ لمحے درکار تھے تاکہ وہ اس کو بتا سکے کہ زندگی کے بغیر نامکمل تھی۔ اس نے ایک وائس میسج بھیج دیا تھا پھر عفان کو ایک میسج بھیج کر جواب کا انتظار کرنے لگا تھا۔ کتنی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ فضا آفتاب کی وجہ سے وہ پھر سے بدگمانی کا شکار ہو گئی تھی۔ الجھن کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی تھی۔ یہ امتحان ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ نہیں جانتی تھی آگے کیا ہونے والا تھا مگر اس لمحے اگر وہ بروقت نہ آتا تو شاید اس کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو چکا ہوتا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ کر سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں اور ساری مجتمع ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ وہ اس کے سامنے کمزور پڑ گئی تھی۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا جس پر وہ بھروسہ کر سکتی تھی۔ جب کے سامنے وہ آنسو بہا سکتی تھی۔ دل کے درد کو لفظوں میں بیان کرنا شاید ناممکن تھا یا پھر وہ بولنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

عفان نے اس کی طرف ایک نگاہ کی تھی اور پھر ہیٹ مزید بڑھا دی تھی۔

''تم ٹھیک ہو ناھین؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم بے فکر رہو۔ میں بہت سخت جان ہوں۔ ان صعوبتوں کا مقابلہ کر سکتی ہوں تبھی تو ان امتحانوں سے گزر رہی ہوں۔ ساری مشکلات صرف میرے حصے میں آنی تھی نا۔ اب ان مصائب کو اسلوبی سے جھیلوں یا روتے ہوئے ان کا مقابلہ کروں اس کا انحصار مجھ پر ہے۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس طرح بولتی ہوئی وہ قدرے الجھی ہوئی لگ رہی تھی اور عفان کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

''ھین شاہ۔ تم بہت بہادر ہو۔ ایسی معمولی پریشاں تمہارے راستے میں حائل ہو کر ان میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتیں۔ تم اہلیت رکھتی ہو کہ ان تمام رکاوٹوں کو عبور کر سکو۔ مجھے تمہاری ہمت اور بہادری پر پورا بھروسہ ہے۔ ایسا ہی بھروسہ جیسے انکل کو تھا۔ تمہیں یاد ہے کہ وہ تمہیں مضبوط اور ہر طوفان کے سامنے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ تم ان کی محنت کو ضائع نہیں کر سکتیں۔ خود کو یوں

کمزور ثابت نہیں کر سکتیں۔ تمہارا کمزور ثابت ہونا ان کی تربیت کی ہار ہوگی اور ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ بند کرو یوں رونا۔ جانتی ہو نا وہ تمہاری آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں دیکھ سکتے تھے نا۔ پھر آج ان کی روح کس قدر بے سکون ہو رہی ہوگی۔ تم کیا چاہتی ہو ان کی روح کو تکلیف ہو؟'' وہ بردباری سے سمجھا رہا تھا۔ اس کی دھکتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی کمزور اور طاقت اس کے والدین تھے جو اس کے لیے بے حد اہمیت رکھتے تھے۔

اور اس میں وہ قدرے کامیاب ہوا تھا۔ ھین شاہ نے سر نفی میں ہلانے کے ساتھ ہی آنسو صاف کیے تھے اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''وہ جو ہوا۔ وہ میرا بھروسے توڑنے کے لیے کافی ہے۔ میں کسی کو الزام نہیں دوں گی۔ غلطی شاید میری ہی ہے۔ میں نے اس حادثے کو یقین کے پیمانے پر پرکھنے کی غلطی کی۔ ایک سراب کے پیچھے بھاگنے میں عمر بسر کرنے کی کوشش میں یہ فراموش کر دیا کہ تشنگی یوں ہی بجھنے والی نہیں ہے۔ اس وحشت کی سیاہی زندگی وحشتوں کی نظر ہو جانی تھی یہ تو طے تھا۔ وہ کچھ حسین خواب تھے جو آنسوؤں میں پگھل گئے ہیں۔ آنکھوں کی روشنی میں اچانک بدگمانی کے اندھیروں نے ڈیرہ جما لیا ہے۔ ایک نمی اس چمک کو الجھا دیا ہے۔ میرے خیال دھواں دھواں ہو گئے ہیں۔ اس بدگمانی کی آگ نے میرے خوابوں کو جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑا دی ہے۔ ایک جلن اندر دل کو جلا رہی ہے۔ روح کو سلگا رہی ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتے اس کرب کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ان خوابوں کی راکھ سے بنے زاویوں نے یقین کے راستے کو بدل دیا ہے۔ ٹوٹے ہوئے بھروسے بے ربط روابط کا سلسلہ توڑ دیا ہے۔ جنوں کا رخ موڑ دیا ہے اور اپنی اڑان بھرنے کے لئے اپنے پروں کو پھیلا لیا ہے۔ یقین کو ان پروں پر بٹھا لیا ہے۔ کھوکھلے رشتے اس جنوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے لرزنے لگے ہیں۔ ان کا ختم ہونا طے ہے کیونکہ کمزور اور لرزتے قدموں کے ساتھ طوفانوں کا مقابلہ کرنا ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دانشمندی کا تقاضا ہرگز نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجہ بردباری لیے ہوئے تھا۔ وہ شاید خود کو دلاسہ دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ شاید وہ اظل سہام مرزا سے کچھ زیادہ ہی امید لگا بیٹھی تھی یا پھر اس سے اس فعل کی توقع نہیں رکھتی تھی۔

''ھین شاہ یوں بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی۔ محبت کرنے والوں کو اعتبار کی سیڑھی پر مضبوطی سے قدم جمائے رکھنے چاہئیں ورنہ عشق کی منازل طے کرنا دشوار ہو جائے گا۔ تم اپنے اندر یقین کو پنپنے کیوں نہیں دیتیں ھین شاہ؟ جب محبت ہے تو پورا اعتبار کیوں نہیں کرتیں؟ تم اظل سے بات کرو۔ کوئی بدگمانی اگر اپنی جگہ بنا چکی ہے تو تم باز پرس کا حق محظوظ رکھتی ہو۔ یوں اس کو صفائی کا موقع دیئے بغیر کوئی فیصلہ مسلط مت کرو ھین شاہ۔ اگر اس کی غلطی ہے تو اسے اپنے حق میں دلائل دینے کا ایک موقع تو ضرور دو۔ کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے بات کرنا ضروری ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا ھین شاہ؟'' وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کی تکلیف کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اس کرب سے گزرا تھا۔ ھین شاہ کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

''حین پلیز اس کی کال پک کرو۔ ایک بات کر کے اسے بتا دو۔ وہ پریشان ہو رہا ہے۔ اس کی بات سن لو۔ اسے ایک موقع تو دو۔ تم نے جو دیکھا ہے وہ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ جیسے سراب ہوتا ہے۔ دور سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔'' وہ مصلحت پسندانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''کیا تم اس کی طرفداری کر رہے ہو۔ میرے دوست ہو کر اس کے ساتھ مخلص ہو۔ میرے ساتھ تمہیں کوئی ہمدردی نہیں ہے؟ تم سچائی کو جھٹلانے کی سعی کر رہے ہو۔ مجھے دلیلوں سے قائل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہو۔ مجھے غلط ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو؟ تم اس معاملے سے دور کیوں نہیں رہتے؟ تمہیں نہیں لگتا تم میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے یہ قطعی گوارا نہیں ہے۔ سو اس معاملے سے دور رہو۔ تم اپنے فعل سے مجھے یہ سوچنے پر مجبور مت کرو کہ میں نے تم پر بھروسہ کر کے کوئی بڑی غلطی کی ہے۔'' وہ ترش لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آنکھوں میں اچانک ہی اجنبیت آ گئی تھی۔ غصہ کچھ اور بھی سوا ہو گیا تھا اور عفان کو اچانک ہی پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ میرا مقصد تمہیں جتانا نہیں تھا۔ مجھے تو بس اس پر ترس آ رہا ہے اس کی حالت پر۔ وہ بیچارہ کس قدر پریشان ہو رہا ہے۔ تمہارے لفظوں کی پاسداری کی ہے تبھی تو اسے نہیں بتایا۔ وہ پاگلوں کی طرح سارے شہر میں تمہیں کیوں تلاش کر رہا ہے۔ بھٹک رہا ہے ادھر ادھر۔ ایک بار بات کر لو پھر جو چاہے سزا سنا دینا۔ تم میری دوست ہو۔ تمہارے حوالے سے وہ بھی مجھے عزیز ہے۔ کچھ اور نہیں تو انسانیت کے ناطے ہی سہی۔ تم تو انسانیت کی بڑی علمبردار ہو۔ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ اسد انکل اور دادا جان اور دادی جان کا تمہیں بے حد خیال ہے تو پھر وہ ان کو عزیز ہے۔ اسی ناطے اس کو مطلع کر دو کہ تم خیریت سے ہو۔ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ اس ایک بار بات کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے نا؟'' وہ ناصح بنا اسے سمجھانے کی بھرپور سعی کر رہا تھا۔ اس کی فطرت سے آگاہ تھا۔ تبھی تو اسے جذباتی طور پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔ پھر سر ہاتھوں سے دبایا تھا۔ وہ جذباتی کشمکش سے گزر رہی تھی۔ گرمی کی حدت کی وجہ سے اس کا ایو ینگ گاؤن خشک ہو چکا تھا۔ تھوڑا ریلیکس ہوئی تھی تو دماغ نے پھر سے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ چہرے پر الجھن نمایاں تھی۔ ذہنی کشمکش چہرے سے عیاں تھی جیسے وہ کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کی جستجو میں لگی ہوئی تھی۔

اور عفان ضیاہاشمی جانتا تھا وہ کس ذہنی تناؤ سے گزر رہی تھی۔ اس نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روکی تھی۔

''تم کیا سمجھتے ہو اس کے حق میں دلائل اور تاویلیں پیش کر کے فیصلہ اس کے حق میں کروا لو گے۔ اس کی بے جا حمایت کر کے میری رائے کو تبدیل کر لو گے؟ اگر تم ایسا سمجھ رہے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تمہاری ساری دلیلیں بے کار جائیں گی۔'' وہ مدھم لہجہ حتمی تھا۔ اس نے اس کی حمایت کو سرے سے رد کر دیا تھا۔ وہ تو اظل سہام مرزا کی طرفداری کر رہا تھا۔ اس کو ادراک ہو گیا تھا اس کو قائل کرنا اتنا آسان ہرگز نہیں تھا۔

''تم نہیں سمجھ سکو گے ایسا ہوتا ہے بعض اوقات جب غلط فہمیاں درمیان حائل ہو کر رشتوں کے درمیان اونچی فصیلیں کھڑی کر دیتی ہیں اور دل کے درمیان دوریاں بڑھا دیتی ہیں۔ میں بے جا حمایت کا قائل ہرگز نہیں ہوں۔ اگر تمہیں اصرار کر رہا ہوں تو اس کی کوئی وجہ ہے جس سے تم آگاہ نہیں ہو کیونکہ کبھی کبھار آنکھیں دھوکا کھا جاتی ہیں۔ جو ہوتا ہے وہ نظر نہیں آتا اور نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ اس کا خیر خواہ تھا۔ اس کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح تکلیف سے گزرتے دیکھ کر اس کا دل بھی درد سے بھر گیا تھا۔

ھین شاہ نے اس کی طرف دیکھنے سے مکمل طور پر گریز کیا تھا۔ آنکھیں شاید پھر سے پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔ اس دشمن جان کا ذکر آتے ہی اس کی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔

''تم اندازہ نہیں کر سکتے عفان ضیاء ہاشمی بعض اوقات رشتے اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں ان رشتوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے ساری کوششیں رائیگاں ہوتی نظر آتی ہیں۔ ان رشتوں کو مضبوط کرتے کرتے انسان خود ٹوٹنے لگتا ہے۔ ساری حوصلے پست پڑنے لگتے ہیں۔ ساری توانائیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ تب ادراک ہوتا ہے کہ کوئی تدارک نہیں ہو سکتا۔ تب ایک بے بسی دل کو گھیر لیتی ہے۔ ایسے ہی مرحلے سے میں گزر رہی ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ قدرے کمزور تھا۔ ایک بے بسی تھی اس کے لہجے میں۔

اس نے ایک جگہ گاڑی روکی تھی اور ھین شاہ نے اچانک گاڑی روکنے پر حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا تھا۔ پھر اس طرح آ کر دروازہ کھولا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر Alain Ducasse The Dorchester Hotel کی طرف بڑھا تھا اور ھین نے اس فعل کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ اس کے اعصاب میں شدید تناؤ تھا۔ شاید اسے بھی اس لمحے ایک کپ کافی کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ پیش قدمی کی تھی۔ عفان کے قدم مطلوبہ ٹیبل کے سامنے رکے تھے پھر اس نے کرسی کھینچ کر اس کو بٹھایا تھا اور پھر چلتا ہوا دوسری سمت بڑھا تھا اور کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ فون پر پڑی تھی۔ اس نے کوئی میسج چیک کیا تھا اور پھر عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔ ھین نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری ھین میں اپنا والٹ تو گاڑی میں ہی بھول گیا ہوں۔ تم دو منٹ انتظار کرو میں نے کافی اور Snacks آڈر کر دیئے ہیں تم مینیو میں دیکھو جو تمہیں منگوانا ہے منگوا لو۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ باہر کی طرف بڑھا تھا اور ھین نے اسے جاتا ہوا دیکھا تھا جو تیزی سے نکل گیا تھا۔ اس نے اس کا جواب بھی نہیں سنا تھا۔ جانے کتنے لمحے گزر گئے تھے۔ اس نے ہاتھوں کو پھیلا کر بغور دیکھا تھا۔ جیسے لکیروں کو ملانے کی کوشش میں سرگرداں تھی۔ تبھی کوئی چلتا ہوا آیا تھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ ھین نے ہاتھ ٹیبل پر رکھا تھا اور پھر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اظل سہام مرزا سامنے آ کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ عفان کی

چال سمجھ گئی تھی۔ایک لمحے میں اسے سارا کھیل سمجھ میں آ گیا تھا۔وہ اٹھ کر جانے لگی تھی مگر اظل اس کے ارادے بھانپ گیا تھا۔اس کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھ کر اس کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

''ھین یہاں کوئی ڈرامہ کری ایٹ مت کرنا۔چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔مجھے تم سے بے حد ضروری بات کرنی ہے۔'' اظل نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں اور ماتھے کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔چہرے پر تناؤ واضح دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔آپ کو کیا لگتا ہے اظل سہام مرزا اب بھی کچھ کہنے کو باقی رہ گیا ہے؟ اب کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اور کتنے قصے بنائیں گے آپ؟ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اس لیے اب اس وضاحت سے کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں ہے۔میں نے جو دیکھنا ہے دیکھ لیا۔آپ اپنے حمایتیوں کے ذریعے مجھ پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔مجھے قائل کرنے کی کوششیں رائیگاں جانے والی ہیں۔یہ بات آپ سمجھ لیں۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔سلگتے لہجے میں اسے باور کرا دیا تھا اور اظل اس کے لہجے میں چھپی تلخی کو فراخدلی سے پی گیا تھا۔وہ جانتا تھا اس لمحے اسے تحمل کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت تھی۔وہ برداشت کے کڑے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہارے لہجے میں سوئی کی سی تیکھی چبھن ان لفظوں میں واضح محسوس ہو رہی ہے۔مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ مجھے ان رشتوں کی رفوگری کے لیے مجھے سوئی کے ناکے سے روشنی گزارنی ہے۔اس لمحے مجھے تمہارے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا میں آگاہ ہوں مگر میں تندہی سے اور جانفشانی سے جت گیا ہوں۔تمہارے ہر سوال کا جواب ہے میرے پاس۔تمہیں ہر بات سننی ہی ہوگی جاناں۔اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے قائل کرنے کی کوشش ہرگز نہیں کر رہا تھا بلکہ اسے فیصلہ سنا رہا تھا۔ھین نے اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا سرد ہاتھ اس کی گرفت میں کپکپا رہا تھا۔آنکھوں میں الجھنوں نے بسیرا کر لیا تھا بلکہ ان الجھنوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔

''تم نے کہا تھا تم فیصلہ کر چکی ہو پھر اپنے فیصلے پر خود الجھنے کیوں لگی ہو؟ اگر دل نے فیصلہ محبت کے خلاف لینے کا قصد کر لیا ہے تو پھر آنکھیں گنجل کیوں ہونے لگی ہیں۔ذرا سی بات پر یوں ٹوٹ کر بکھرنے کیوں لگی ہو؟ میری مخالف سمت قدم بڑھا کر تمہاری آنکھیں وصل کے موسموں کے انتظار میں ساکت سی ایک نقطے پر منجمد کیوں ہو گئی ہیں۔میرے اندر ایک طوفان برپا کر کے شک کی آگ میں جلا کر تمہاری آنکھیں سمندر کیوں بننے لگی ہیں۔تمہاری آنکھوں سے جو اچانک بن موسم کے برسات شروع ہو چکی ہے تم اس بارش میں سلگنے کیوں لگی ہو؟ یہ عجیب معمہ ہے میں تو حل کر کے ہارنے لگا ہوں۔میری عقل ناقص ہے۔خاصا کم فہم ہوں۔تم ہی کہو آخر ماجرا کیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اس کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے اس کے لہجے میں طمانیت اتر آئی تھی۔

اور ھین نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔نجانے کیا کچھ تھا اس ایک نگاہ میں۔کتنے شکوے تھے کتنی شکایتیں تھیں۔اس نے آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا اور اظل سہام مرزا کے لیے یہ کڑا وقت تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ان موتیوں کو سمیٹنا چاہا تھا

مگر اس نے اظل ہاہاتھ جھٹک کر اس کو روک دیا تھا۔ خفگی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میں حیران ہوں رشتے کیسے اپنا بھروسہ توڑ دیتے ہیں؟ ایک عجیب دوراہے پر لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ لمحوں میں رنگ بدل لیتے ہیں۔ کل تک لگتا تھا کہ جیسے کبھی جدا نہیں ہونگے۔ کبھی کوئی دیوار درمیان میں حائل نہیں ہوگی لیکن اگلے ہی پل ان رشتوں کے معنی بدلنے لگتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے رشتوں کو ان اسرار و رموز سے آگاہی پانے میں برسوں لگیں گے۔ اس اسرار و بھید کے پردے میں پوشیدہ رازوں سے جب آگاہی ہوتی ہے تو ان اسرار کے کھلنے سے رشتے اپنا بھرم کھو دیتے ہیں اور رشتے بھولا بسرا قصہ بن جاتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکایت کر رہی تھی۔ کتنے شکوے چھپے ہوئے تھے اس کے لہجے میں۔

''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے جو تم نے دیکھا اس میں کوئی سچائی بھی تھی؟ کبھی کبھی آنکھیں جو دکھاتی ہیں دراصل وہ اصل منظر نہیں ہوتا۔ وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ گماں ہوتا ہے جس کو یقین کے لبادے میں لپیٹ کر تم سمجھ کے مطابق پھیلاتی رہتی ہو۔ تم کسی بات کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ ابھی تم غصے میں ہو۔ تمہاری خفگی کو سہنا جاں گسل لمحات ہیں میرے لئے۔ تمہیں کیسے بتاؤں کس مشکل مرحلے سے گزر رہا ہوں۔ ساری جان مشکل میں پڑ گئی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں باور کرا گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں فیصلے کو اپنے حق میں کرنے کے لیے لاکھ جتن کریں گے۔ ہزار تاویلیں دیں گے۔ میری سوچوں کو غلط قرار دینے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اپنی دلیلوں سے فیصلے اپنے حق میں کرانے کی جستجو میں جت جائیں گے۔ اپنے خیالات کو مجھ پر مسلط کرنے کی بھرپور سعی کریں گے مگر آپکی سوچیں مجھ پر تسلط جمانے میں پوری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جا سکتی۔ یہ تو طے ہے کہ آپ کا دل اور خرد دونوں دو مخالف سمت کی طرف چل رہی ہیں۔ آپ سارے معاملات کو اپنے حق میں کر لینے کے درپے ہیں مگر ایسا ہونا کسی طور ممکن نہیں ہے۔ ایسا کر کے آپ اپنے ساتھ مجھے اور اس کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتی آپ کس کے ساتھ مخلص ہیں۔ اپنے ساتھ یا پھر اس کے ساتھ۔ لیکن مجھے تو آپ مکمل طور پر مفاد پرست لگتے ہیں۔ دھوکہ دہی شاید آپ کی فطرت میں شامل ہے تبھی تو اتنے اطمینان سے بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ کمال کا کھیل کھیلتے ہیں آپ۔ داد دینی پڑے گی آپ کو اس فعل کے لیے۔ کمال مہارت سے جال بنتے ہیں آپ۔ ایک ہی جست میں سب کچھ اپنے حق میں کر لیتے ہیں۔ کوئی اسم گر ہیں شاید تبھی تو دوسروں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں منجمد ہونے لگتی ہیں۔'' وہ دھیما لہجہ ترش تھا۔ مدھم دبے دبے لہجے میں دنیا جہاں کی تلخی سمٹ گئی تھی۔ آنکھوں میں تپش مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ پل بھر میں جلا کر خاکستر کر دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔

''اظل سہام مرزا نے کمال ضبط سے اس کی کھری کھری سنا رہا تھا۔ اس کی سلگتی نگاہوں میں بغور دیکھا تھا۔ وہ اسے بولنے کے لئے اکسا رہا تھا تاکہ وہ اپنے دل کا غبار نکال سکے۔ ابھی بھی وہ غصے سے سخت لفظوں میں اس کے حوصلے پست کرنے کے درپے تھی۔ وہ جانتا تھا اس محاذ پر شکست یقینی تھی۔ اس نے اس کی طرف دیکھ کر گہرا سانس لیا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ کر معدوم

ہوگئی تھی اور اس کی مسکراہٹ حسین شاہ کو مزید طیش دلا گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی مگر اغلب قطعی غافل نہیں تھا۔ اس لیے اس کے ہاتھ پر گرفت سخت ہوگئی تھی۔

''تم تمام حق محفوظ رکھتی ہو خفگی دکھانے کے۔ تمہارا غصہ جائز ہے۔ بے وجہ قطعی نہیں ہے مانتا ہوں مگر یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ تسلی سے بیٹھ کر مجھے وضاحت دینے دو۔ تم جانتی ہو میں کوئی بھی سزا سہہ سکتا ہوں۔ ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں مگر تمہاری خفگی اور تمہاری بے اعتنائی مجھے گوارہ نہیں۔ میرے لیے یہ مرحلہ مشکل ترین ہوتا ہے جب تم یوں بیگانہ ہو جاتی ہو۔ جب گریزاں ہوتی ہو۔ بے اعتنائی برتتی ہو۔ میں اس محاذ پر لڑنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پوری دنیا سے تمہارے لیے لڑ سکتا ہوں مگر تمہاری خفگی آگے ہار جاتی ہوں۔ میرے لیے یہ لمحات سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جب میں اس بدگمانی کو دور کر کے تھکنے لگتا ہوں۔ تم کمال کو یقینی بنانے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاتی ہو۔ چیزوں کو پرکھنے کے تمہارے اپنے پیمانے ہیں۔ میں اس کسوٹی پر پورا اترنے کی کوشش میں سرگرداں ہوں مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ تمہاری تغافل سے بھری سرمئی سمندر میرا راستہ مسدود کر دیتی ہیں۔ میں بے بس ہو جاتا ہوں۔ جیسے ابھی بے بسی محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایتیں درج تھیں۔ دھیمے لہجے میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔ بے چینی کچھ اور بھی سوا ہوگئی تھی۔

''تم نے لمحوں میں سب برباد کر دیا۔ میرا اعتبار میرا بھروسہ توڑ دیا۔ میں تم پر اعتبار ہرگز نہیں کر سکتی۔ مجھے کرنا ہیں نہیں چاہیے تھا۔ تم نے مجھے سبق سکھا دیا ہے کہ کبھی کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی کم فہمی پر شرمندہ ہوں۔ تمہارا قصور نہیں ہے۔ سارا قصور میرا ہے۔ مانتی ہوں۔ تم نے مجھے مجبور نہیں کیا تھا۔ سب ہونا تھا تو ہوگیا۔ مگر میں تمہارے لئے خوش ہوں۔ تمہیں اپنی خوشیوں کو حاصل کرنے کا پورا حق ہے۔ تم اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنے کا پورا حق رکھتے ہو۔ میں شکوہ کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بس ذرا سا برا لگا ہے وہ تو فطری سا عمل ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولتی ہوئی خاصی پراعتماد نظر آنے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔ لاپرواہی کا کمال مظاہرہ تھا۔ وہ اپنی کمزوری کو خود اعتمادی کے پردے کے پیچھے چھپانا چاہتی تھی اور اس میں قدرے کامیاب بھی ہوگئی تھی۔ سامنے رکھا ہوا کافی کا کپ ایک ہی سانس میں ختم کر گئی تھی۔

شاید وہ اس کے کیے کی سزا خود کو دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''حسین شاہ گھر چلو۔ پھر اطمینان سے بات کریں گے۔ تم جتنا چاہے غصہ کر لینا میں کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں ہرگز نہیں لاؤں گا۔ تم جو سزا دو گی مجھے قبول ہوگی۔ کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔ بس ایک بار میری درخواست پر غور کر لو۔ میری ساری جان مشکل میں پڑ گئی ہے۔ کاش کے تم سمجھ سکو۔'' وہ دھیمے لہجے میں یقین دلا رہا تھا۔ بغور اس کی آنکھوں تھا اور نجانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں حسین شاہ نگاہ چرا گئی تھی۔ دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھنے لگا تھا۔ چہرہ اس کی نگاہوں کی تپش سے جلنے لگا تھا۔ ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ ایک مکمل خاموشی نے احاطہ کر لیا تھا اور حسین شاہ کے لیے اس کی نگاہوں کے سامنے ٹھہرنا دشوار ہوگیا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جیسے سطر سطر پڑھ رہا تھا۔

ھین شاہ تم جب تمام تاثرات کو بیگانگی اور تغافل کے پردوں کے نیچے چھپانے کی کوشش کر کے نڈھال سی ہونے لگتی ہو۔ جب یقین کی روشنی کے اوپر بے اعتنائی کی تہہ بچھا دیتی ہو تو میری ساری جان مشکل میں پڑنے لگتی ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگتی ہیں۔ تمہاری آنکھیں مراعات دینے کو تیار نظر آتی ہیں۔ ان کے اسلوب اچانک بدلنے لگتے ہیں مگر تم ان اسرار و رموز کو مجھ تک پہنچنے نہیں دیتیں۔ تم ان اسلوب کو ازبر کرنے کی میری ساری کوششیں ناکام کر دیتی ہو۔ مگر تمہارے نا چاہتے ہوئے بھی ایک شکایتوں کا انبار تیزی سے بہتا ہوا مجھ تک آ پہنچتا ہے۔ تم سد باب کرنے کی بھرپور سعی کرتی مگر تمہاری آنکھوں کی حکایتیں مجھے ساری داستانیں ازبر کرا دیتی ہیں۔ تم لاکھ تغافل برتو مگر یہ ایک عجیب سفر ہوتا ہے محبت کی مسافتوں کا جس میں تمہاری آنکھیں ساکت ہو جاتی ہیں لیکن ان حکایتوں کا سفر تمہاری آنکھوں سے میری آنکھوں تک ایک تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے اور یہ حکایتیں طویل مسافت طے کر کے جب میری آنکھوں میں خیمہ زن ہوتی ہیں تو شکایتوں کی گٹھڑی پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیتی ہیں جیسے مسافر صدیوں کی طویل مسافت طے کر کے منزل پر پہنچ کر طمانیت بھری سانس لیتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ نگاہیں بغور اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

ھین شاہ نے حیرانگی بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اچانک کیسے پینترا بدل جاتا تھا۔ باتوں کے رخ موڑ کر اپنے حق میں کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا شاید۔ تبھی تو اس کو اپنی نگاہوں کے حصار میں مقید کیے ہوئے تھا اور ھین شاہ کو لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں کے ساتھ بندھ گئی تھی جیسے حصار میں مقید ہو گئی تھی۔ جیسے طلسم کدے میں قید ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ کے نیچے جل رہا تھا اور اس کی تپش اس کے سارے پر نمایاں ہو رہی تھی۔ اس نے خفت سے سرخ چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ وہ جس راز کو چھپنے کی کوشش میں سرگرداں تھی وہ اس راز سے بنا بتائے ہی رسائی پا چکا تھا اور یہ سوچ کر ہی ھین شاہ کی دھڑکنوں میں ایک تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ وہ واقعی حالات کو اپنے بس میں کر لینے کی صلاحیت رکھتا تھا یا پھر وہ اس کے زیر ہو گئی تھی۔ وہ جاننے سے قاصر تھی۔ وہ اتنی جلدی ہار ماننے کو قطعی تیار نہیں تھی۔ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ نے طے کر لیا ہے کہ مجھے اپنے کلیات پر چلانے کی کوشش کریں گے؟ یہ گماں آپ کو کیونکر ہوا میں جاننے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ مجھے زیر کرنے کا سوچ رہے ہیں تاکہ تمام اختیار حاصل کر کے اپنے حصے میں فتوحات لکھ لیں تو یہ سراسر آپ کی خام خیالی ہے۔ آپ میرے ارادے توڑنے میں سرگرداں ہیں۔ آپ کی ترجیحات وقت کے ساتھ بدلنے لگی ہیں۔ آپ چیزوں کی جزئیات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بے جواز باتوں میں جواز تلاش کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ یہ فعل دانشمندی کے زمرے میں قطعی نہیں آتا۔ میں نے پہلے بھی باور کرایا تھا آج پھر کہہ رہی ہوں۔ آپ اپنے فعل کے لیے آزاد ہیں۔ جس طرح چاہیں جیسا چاہیں کر سکتے ہیں۔ خوشیوں پر آپ کا حق ہے سو جو دل کی خوشی ہے اسے پورا کرنے میں کبھی نہیں روکوں گی۔ میں آپ کی خوشیوں کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہتی۔ کبھی بھی نہیں۔ نا ہی آپ

کے راستے کی رکاوٹ بننا چاہتی ہوں۔ سو آپ بے فکر ہو کر قدم ان راستوں پر بڑھا سکتے ہیں۔ جو آپ کی خوشیوں کی طرف جاتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے قیمتی مشورے سے نواز رہی تھی جیسے۔ آنکھیں ملانے سے کترا رہی تھی۔ مگر چہرے پر اندر کا حال صاف عیاں تھا کہ اس کے لیے یہ کہنا کتنا دشوار گزار مرحلہ تھا۔ وہ کس امتحان سے گزر رہی تھی۔

اور اظل اس کے بغور حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ اس کی حالت پر حظ اٹھا رہا تھا۔ ایک مسکراہٹ کی مہین سی لکیر اس کے لبوں کو چھو کر غائب ہو گئی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے حمین شاہ؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور حمین شاہ نگاہ چرا گئی تھی۔ وہ منتظر نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

اور حمین شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل نگاہوں کا زاویہ بدل گیا تھا۔

''تم جو یوں گریزاں ہو مجھے نظر انداز کرنے کے جتن کر کے ہارنے لگی ہو۔ دل کی سرحدوں پر اونچی باڑ لگا کر میرے راستے مسدود کرنے کی ناکام کوشش کر کے مطمئن نظر آنے کی سعی کر رہی ہو حالانکہ تم جانتی ہو میں تو چپکے سے دبے پاؤں چلتا ہوا صدیوں پہلے اس کے دل کے اندر داخل ہو چکا ہوں۔ صدیوں سے وہیں مقیم ہوں۔ مدتوں سے وہیں ڈیرہ جمائے ہوئے ہوں۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں تم یہ احتیاطی تدابیر مجھے اس دل میں مقید رکھنے کے لئے کر رہی ہو یا پھر تم قیاس آرائیاں کر رہی ہو کہ شاید میں تمہارے دل تک رسائی پانے میں ناکام ہوا ہوں۔ تمہیں ایسا الہام کیوں ستانے لگے ہیں کہ میرا دل محور سے ہٹنے لگا ہے۔ ایسے اوہام میں کیوں پڑ گئی ہو تم؟ تمہیں کیا لگتا ہے مرکز سے ہٹ کر دل کا سفر جاری رہے گا؟ یا پھر تمہیں لگتا ہے تمہاری آنکھوں کی بدگمانی میرے دل کے راستوں میں حائل ہو کر رکاوٹ کھڑی کرنے کی جرات رکھتی ہے؟ یا پھر تمہاری آنکھوں میں تیرتی وسوسوں کی مہین سی لکیر ان رازوں کو چھپانے میں کامیاب ہو جائے گی؟ تمہارے اندر اتنا انتشار پھیلنے لگا ہے تمہاری آنکھیں اچانک دھواں دھواں ہونے لگی ہیں حالانکہ محبت کی گرفت سے نکلنا محال ہے میرے لئے۔ فاصلے جب بڑھتے ہیں تو رابطوں کے دھاگے ٹوٹنے کا خدشہ بڑھنے لگتا ہے۔ ایسے میں تمہاری آنکھوں کے وسوسے دبے پاؤں میری آنکھوں کی طرف سفر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ خوف میری آنکھوں میں آ کر ٹھہر جاتا ہے۔ مجھ پر حاوی ہونے لگتا ہے۔ میں تم بننے لگتا ہوں۔ کھو دینے کا خوف مجھے دبوچ کر میری سانس ساکت کر دیتا ہے۔ میں اس تجربے سے گزرا ہوں۔ تجزیہ کیا ہے میں نے۔ اب وہ خوف میری آنکھوں سے ہوتا ہوا میرے دل میں چلنے پھرنے لگا ہے۔ عقدہ کھلا ہے کہ اس خوف کا شکار ہوں۔ یہ ڈر میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا ہے۔ تبھی تو میں پلکیں جھپکنے کا قصد بھی نہیں کر سکتا۔'' مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ اس پر کتنے راز منکشف کر رہا تھا اور حمین شاہ کی آنکھوں میں حیرانگی صاف عیان تھی جیسے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے یقین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا اور وہ اسے جھٹلانے سے قاصر نظر آ رہی تھی۔ اس کا تجزیہ قدرے درست تھا اسے اپنے اندر وہ خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ یا پھر وہ اس خوف پر حاوی ہو

چکی تھی یا وقتی طور پر اس خوف سے نگاہیں چرا گئی تھی مگر وہ وہی خوف اس کی آنکھوں میں تیرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ کھو دینے کا خوف۔ تو کیا واقعی وہ خوف اب اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا؟ اس کے اندر ایسے ہی سرایت کر گیا تھا جیسے اس کے اندر کر چکا تھا؟ اگر یہ سچ تھا تو پھر وہ کیا تھا جو اس نے دیکھا تھا؟ اس کے اندر سراسیمگی سرائیت کرتی جا رہی تھی۔ ایک کشمکش نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ سرمئی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں لیکن اچانک ہی بدگمانیوں نے سر ابھارا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا ہے نا آپ رابطے توڑ کر اپنے لئے نئی راہوں کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کے اندر خوف کیوں سرایت کر گیا ہے۔ جب اختیار مل رہے ہیں تو بے اختیاری کیوں لگ رہی ہے آپ کو۔ میں وجہ جاننے سے قاصر ہوں کہ اب ترجیحات کیوں بدل رہی ہیں۔ ان کی ہیئت میں تبدیلی کیوں رونما ہونے لگی ہے۔ اچانک ہی آپ واسطے بنانے پر مائل نظر آنے لگے ہیں؟ جب ہوائیں مخالف سمت چلنے لگی ہیں تو ان سرپھری ہواؤں کو قائل کرنے کے لئے تاویلیں دینے لگے ہیں۔ ان کو جواز دے کر دلیلوں سے اپنے حق میں کرنے کے درپے ہیں؟ آپ کے قول و فعل میں کھلا تضاد نظر آ رہا ہے اور یہی تضاد آپ کی آنکھوں اور دل میں بھی واضح دکھائی دے رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہی تھی۔ وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حتمی رائے دے رہی تھی اور اظل بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو چھپانے سے قاصر تھا۔

''تم کمال کی تجزیہ نگاہوں۔ لگتا ہے میرے دل کے حالات پر گہری نگاہ رکھتی ہو۔ تبھی تو ان کے بدلتے موسموں سے خاص واقفیت رکھتی ہو۔ تمہاری رائے بہت مستند ہے میرے لئے۔ میرے لئے یہ کڑی آزمائش کا وقت ہے۔ جانتا ہوں ساری تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ میری بات تو طے ہے لیکن میری شکست و ریخت کا یہ عمل تمہاری آنکھوں کی سرد مہری کو قطرہ قطرہ پگھلا رہا ہے۔ گرم سیال بن کر تمہارے رخسار پر پھیلتا جا رہا ہے۔ یہ نظارہ قدرے دلکش ہے۔ میں محویت سا دیکھتا جا رہا ہوں۔ میری نگاہ ایک نقطے پر ساکت ہو گئی ہے۔ بند ہو گئی ہے۔ نگاہ ہٹانا عبث ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اپنی شکست کو فراخدلی سے تسلیم کر رہا تھا۔ اس کی برتری کو مان رہا تھا اور ھین شاہ نے ہاتھ کی پشت سے بے دردی سے رگڑا تھا پھر خود اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''آپ کمال کے ڈرامہ باز انسان ہیں۔ بے جواز باتوں کو جواز بنا کر طوالت دے رہے ہیں۔ ان لفظوں کو اپنے من پسند معنی دے رہے ہیں۔ ان کی جزئیات کو بدلنے کی سعی کر رہے ہیں۔ جب میں آپ کو مراعات دے رہی ہوں تو پھر آپ کو مان لینے میں کیا قباحت ہے جب فاصلہ آپ کے حق میں ہو رہا ہے پھر اتنا واویلا کیوں مچا رہے ہیں؟ جب فیصلہ آپ کے دل کے دل میں ہوا ہے تو دماغ کو ثالثی کیوں کر رہے ہیں آپ؟'' وہ کڑے تیور لئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکی تھی پھر دھیمے سے بولی تھی۔

''یا پھر آپ بھی واپسی کا راستہ کھلا رکھنے کے قائل ہیں جو اپنے پیچھے در کھلے رکھنا چاہتا ہے۔ یہ شاید آپ کے اندر کا خوف ہے جو آپ کو یہ سب کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔'' وہ مدلل لہجے میں حتمی رائے دے رہی تھی۔

اور اظل سہام مرزا نے اس کی طرف بے بسی سے دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ھین شاہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں تمہارے بغیر میری سانسیں سوجھ بننے لگی ہیں جاناں۔ یہ تغافل جو تمہاری آنکھوں اتر آیا ہے اس تغافل اور وسوسوں نے میری آنکھوں سے خوابوں کو رخصت کر کے رتجگے میرے مقدر میں لکھ دیئے ہیں۔ تم جو مجھے دوسری راہوں پر دھکیلنے کے لیے کوشاں ہو مگر تم نہیں جانتیں کہ اسیرانِ قفس کو ان جھمیلوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تم نے جنوں کو قفس میں مقید کر رکھا ہے۔ میرا جنون ضبط کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ جب قفس میں محصور کر دیا ہے تو ان دائروں میں مقید جنون پر وہ اصول وضوابط لاگو کیوں نہیں کرتیں جس کی اشد ضرورت ہے۔ اس پر پابندیاں عائد کیوں نہیں کرتیں تم۔ جب جنون اسیری میں ہے تو وہ ان اصولوں سے مبرا کیوں کر ہو سکتا ہے۔؟؟ یہ قطع تعلقی کیا معنی رکھتی ہے۔؟؟ یا پھر تم جنوں کے پروں کو باندھ کر آزاد کر دینے کا دکھاوا کر رہی ہو کیونکہ تم آگاہ ہو میرے جنوں کو اسیری سے رغبت ہے یا پھر تمہیں تدارک ہو چکا ہے کہ بندھے پروں سے جنون کے لئے پرواز کا سوچنا بھی عبث ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور پھر دھیمے لہجے گویا ہوا تھا۔

''گھر چلو ھین شاہ۔ باقی باتیں اور مسائل بعد میں حل کر لیں گے۔ میں تمہارے سارے خدشات کو مٹانے کی بھرپور سعی کروں گا مگر اب مزید سکت نہیں ہے مجھ میں کہ اس محاذ پر مزید لڑوں۔ میں ہارنے لگا ہوں۔'' مدھم لہجے میں بے بسی تھی اور آنکھوں میں اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔ ھین شاہ کی آنکھوں میں عجیب کشمکش جا رہی تھی۔

ھین شاہ نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں ایک شرط پر چلوں گی۔ جو میں چاہوں گی وہ پورا کرنے میں میری مدد کریں گے۔ اسے ہر حال میں ممکن کریں گے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چہرے کا اطمینان بتا رہا تھا کہ کچھ خاص تھا جو وہ منوانا چاہتی تھی۔ اظل اندازہ لگانے سے قاصر تھا اس لمحے کہ اس کے دماغ کے اندر کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ لیکن اس نے ماننے میں عافیت جانی تھی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمہارے لئے سب کچھ ممکن کروں گا۔ سب کچھ۔ کچھ بھی ناممکن نہیں رہے گا۔ میں تمہارے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ تمہارے تعین کردہ ہر حدف کو پورا کر سکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا۔ اور ھین شاہ نے اس کے پر یقین لہجے پر سر اثبات میں ہلا کر یقین کی مہر ثبت کر دی تھی اور اظل سہام نے کب کی رکی سانس بحال کی تھی۔ ایک طمانیت کا احساس اندر سرائیت کر گیا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی اس نے مفاہمت کو اپنے حق میں کر لیا تھا۔ وہ فی الحال اس پر سرشار سا اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کسی سوچ کو دماغ میں جگہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ یقیناً ایک تھکا دینے والا عمل تھا۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب رشتوں کی ڈور الجھ کر گنجل ہو جاتی ہے اور سرا تلاش کرنے کی ہزار کوشش کریں تو کوئی سرا ہاتھ نہیں

آتا۔ یہ ڈور کچھ اور بھی الجھ جاتی ہے کوئی تدارک ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن جانفشانی سے ایک ہی عمل کو دہراتے رہنے سے خوش قسمتی ساتھ دیتی ہے۔ ان گنجلک دھاگوں کا کوئی ایک سرا ہاتھ لگ جاتا ہے تب یہ ڈور خود بخود سلجھ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ صبح جلدی اٹھ گیا تھا۔ چلتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ ایک بار ہلکی سی دستک دی تھی مگر جواب ناپید تھا۔ شاید وہ سو رہی تھی اس نے اس کے آرام میں خلل ڈالنا ضروری نہیں سمجھا تھا اور دبے پاؤں سے چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا تبھی تمنا بی بی نے پکارا تھا اور پھر کافی کا کپ اس کے ہاتھ میں تھما تھا۔ اس نے تشکر بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''بیٹا ناشتہ بنادوں یا پھر حین کا انتظار کریں گے؟'' وہ شفیق لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں تمنا بی بی ابھی نہیں وہ اٹھ جائے پھر ناشتہ اکٹھے کریں گے۔ ابھی یہی کافی ہے۔ ویسے بھی مجھے بہت ضروری کام ہے۔ کچھ دیر لگ جائے گی تب تک حین شاہ جاگ جائیں گی۔'' وہ مؤدب انداز میں کہتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ جلد از جلد کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔ مسلسل بجنے والی فون کی بیل نے توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی۔ اس نے دادا جان کا نام اسکرین پر چمکتا دیکھ کر فوراً کال پک کی تھی۔

''السلام علیکم دادا جان آپ کیسے ہیں؟'' وہ مؤدب انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی۔ آنہیں سکا بعض وجوہات کی بنا پر کہ تم جانتے ہو جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ میرا دل میری بیٹی کی وجہ سے پریشان ہے۔ کل رات میں نے شایان کو خواب میں دیکھا۔ کچھ مغموم سا دکھائی دے رہا تھا۔ میں پریشان سا اٹھ گیا تھا۔ میں وجہ جاننے سے قاصر تھا ایسا کیا ہوا ہے کہ شایان کی روح تکلیف میں گئی تھی کہیں تم نے حین کو دکھی تو نہیں کیا کسی بات کو لے کر بحث تو نہیں ہوئی تم دونوں کے درمیان؟ جس نے اس کو کرب میں مبتلا کر دیا ہو؟ وجہ کچھ بھی ہو لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہے ہونگے۔ تبھی شایان میری طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ صرف میرا وہم ہو مگر میں نے تم سے بات کرنا ضروری خیال کیا۔ کب سے انتظار کر رہا تھا۔ کچھ ضروری کام نپٹانے تھے سو جیسے ہی موقع ملا تمہیں کال کر لی۔'' انہوں نے دھیمے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا مگر ان کے لہجے سے فکرمندی عیاں تھی اور اظل کو ندامت نے گھیر لیا تھا۔ وہ حیران رہ گیا تھا۔ میلوں کی دوری پر بیٹھے ہونے کے باوجود دادا جان کیسے آگاہی پا گئے تھے اگر حین شاہ افسردہ تھی، دکھی تھی اس کی خبر دادا جان کو ہوگئی تھی شاید دلوں سے جڑے رشتے اتنے ہی گہرے ہوسکتے تھے۔ ان رشتوں کے واسطے دلوں میں رابطوں کو اتنا مضبوط کر چکے تھے کہ میلوں کی دوری بھی ان پر اثر پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اظل سہام مرزا کی زبان گنگ ہوگئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ اس سے کوئی جواب بن نہیں پڑا تھا۔

''وہ دادا جان.....!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور سہام مرزا کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان کے خدشات درست تھے۔ وہ پریشانی بے وجہ ہرگز نہیں تھی۔

''بیٹا رشتوں کو بننے میں کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ جیسے ہم زمین میں بیج بو کر اس کی آبیاری کرتے ہیں وقت تحمل سے گزارتے ہیں تب زرخیز مٹی سے کونپلیں پھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں اور یہ نازک کونپلیں پودے کی ہیئت اختیار کر لیتی ہیں اور پھر یہ پودا تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی جڑیں مضبوطی سے زمین کے اندر گہرائی تک پھیلا لیتا ہے۔ تب موسموں کی تمازت کا اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لاکھ طوفان آئیں، آندھیاں چلیں۔ وہ درخت تمام طوفانوں کے عتاب سہہ جاتا ہے۔ بدلتے موسموں کے ساتھ لڑتا ہے مگر زمین سے جدا نہیں ہوتا۔ زمین سے اس کی محبت کا یہ رشتہ صدیوں پر محیط ہونے لگتا ہے۔ سالوں کی طوالت اختیار کرنے لگتا ہے۔ تب بھی ان کی محبت کم نہیں ہوتی بڑھتی جاتی ہے۔ وہ زمین کے دل کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ اسے باہر سے پانی کی ترسیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی بقا زمین سے جڑے رہنے میں ہوتی ہے کیونکہ جب اس کی جڑ کو اکھاڑ کر باہر پھینک دیا جاتا ہے تو وہ تناور درخت سوکھنے لگتا ہے۔ ایسے ہی جب کبھی اس کی جڑوں کو دیمک لگ جاتا ہے تو وہ تناور درخت اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ دنوں میں ناکارہ ہو کر سوکھ کر مر جاتا ہے۔ یہ رشتے ایسے ہوتے ہیں۔ ان رشتوں کو کبھی بدگمانی کی دیمک مت لگنے دینا۔ اس کی خفگی اور بدگمانی کو دور کرنا تمہارا فرض ہے۔ اس کو خوش رکھنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ رشتوں میں انا کو بھی حائل مت ہونے دینا۔ ورنہ رشتوں میں دوریاں بڑھنے کا خدشہ ہمیشہ رہتا ہے۔'' وہ دھیما لہجہ مدلل تھا۔ وہ ٹھوس انداز میں رشتوں کی جزئیات کو بیان کر رہے تھے۔ دبے دبے لفظوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''تم سمجھ رہے ہو نا بیٹا؟'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ وہ اس کی خاموشی سے پریشان ہو گئے تھے۔

''جی دادا جان.....!!'' اس نے بمشکل کہا تھا۔

''بیٹا جب خاموشیاں طوالت اختیار کر کے صدیوں پر محیط ہونے لگتی ہیں تو تب بدگمانیوں کو اپنے پر پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس خاموش لمحے کی طوالت سے فائدہ اٹھا کر بدگمانیاں دل و دماغ کے وسیع رقبے پر پھیلنے لگتی ہیں۔ لیکن جب ان خاموشیوں کو طویل نہ ہونے دیا جائے تب ان کا دورانیہ کثیر سے قلیل ہونے لگتا ہے۔ وضاحتیں ضروری ہیں۔ تمہاری ایک چھوٹی سی کوشش ان بدگمانیوں کے قدم وہیں روک کر اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے۔ ان لفظوں کو دل میں مت رکھو جو تمہیں اوہام میں ڈال رہے ہیں۔ لفظوں کو قرینے آتے ہیں ان خاموشیوں میں راستہ بنانے کے۔ ان لفظوں کو اپنا سفر طے کرنے دو کیونکہ لفظ تاثیر رکھتے ہیں۔ دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ جانشفانی سے اثر پذیر ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ وضاحتیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے لیے سنگ میل کا کام کرتے ہیں یہ لفظ۔ لفظوں کی سیڑھیوں پر قدم رکھ کر دل تک با آسانی پہنچا جا سکتا ہے۔ میں حیران ہوں تم کیونکہ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکے۔'' وہ مدھم لہجہ بردبار تھا۔ وہ مدلل انداز میں سمجھا رہے تھے۔ اسے بند دماغ کھول کر اسے نئے راستے دکھا رہے تھے۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں دادا جان۔ میں جانتا ہوں آپ کا کہا ہوا ہر لفظ گہرے معنی رکھتا ہے۔ میں آپ کے سمجھائے ہوئے راستے پر چلنے کا قائل رہا ہوں ہمیشہ سے آپ کی انگلی تھام کر چلا ہوں۔ آپ کے کہے ہوئے کسی لفظ سے منحرف نہیں ہوا ہوں نہ کبھی ہونے

کی جسارت کرسکتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں آپ کا تجربہ اور تجربے کا نچوڑ ہیں یہ باتیں۔ان میں حقائق کا عکس واضح نظر آتا ہے۔آپ کی بردباری اور سمجھ بوجھ کے سبھی قائل ہیں دادا جان۔میں خوش قسمت ہوں آپ میرے ساتھ ہیں۔میری غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے لئے اوران کو سدھارنے کے لیے تجاویز ہمیشہ سے ہی مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔اب بھی میری زندگی میں خوشیوں کے دروازے میں آپ کا مشورہ کارآمد ہوگا۔آپ کی ہر کہی بات میرے لیے پتھر پر لکیر کی طرح ہے دادا جان۔'' وہ مدھم لہجہ مؤدب تھا۔نہایت فرمانبردارانداز تھا اس کا۔

''بیٹا خوشیاں تمہارے لیے دروازے کھولے کھڑی ہیں بس تمہیں چند قدم اٹھانے ہوں گے۔پہل تمہیں کرنی ہوگی۔وہ بچی بہت معصوم ہے۔بہت ہی سمجھدار ہے۔اس کا خیال رکھنا۔وہ مجھے بہت عزیز ہے۔اگر تم نے کبھی اس کو دکھی کیا تو سمجھ لینا تم مجھ دکھ دینے کا سبب بن جاؤ گے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا رہے تھے۔اسے باور کرا رہے تھے اور اظل سہام مرزا کو سوچ کر ہی جھرجھری سی آگئی تھی۔

''نہیں دادا جان۔میں کبھی آپ کو دکھ دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ایسا ہونا ناممکن ہے دادا جان۔میں آپ کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔آپ کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ان کو یقین دہانی کرا رہا تھا۔

''جیتے رہو میرے بچے مجھے تم سے یہی امید تھی۔میں تو بس تمہاری خوشی دیکھنے کے لئے زندہ ہوں شاید۔چند سانسیں مزید ملی ہیں مجھے تو لگتا ہے یہی کام مکمل ہوتا دیکھنا باقی رہ گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے شاید میرے ذمے یہ کام لگایا ہے اس بچی کے دل کو سکون میں لانا ضروری ہے میرے بچے۔وہ میری بہادر بیٹی ہے۔اس کی دعاؤں کی بدولت میں سانس لے رہا ہوں۔چلو میں رکھتا ہوں۔ایک اہم کام نپٹانا باقی ہے۔پھر باتیں کریں گے۔'' ان کے شفیق لہجے میں حسین شاہ کے لیے محبت صاف عیاں تھی۔وہ کال منقطع کرچکے تھے اور اظل سہام کتنی ہی دیر فون اسکرین کو خالی نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔پھر حسین کو کال کی تھی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔اس کا دل خدشات سے بھر گیا تھا۔وہ اٹھا تھا اور تیزی سے قدم آفس سے باہر کی طرف بڑھائے تھے۔پارکنگ میں سے گاڑی کو اسپیڈ سے نکالا تھا اور پھر گاڑی برق رفتاری سے منزل کی طرف رواں تھی اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر سوچیں گنجل ہونے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت کو فراموش کرنے کی سعی کردی جاتی ہے تاکہ وہ پل اس سکوت سے نکل کر راستوں کا تعین کرسکیں لیکن یہ ایک فرار کی راہ ہوتی ہے کیونکہ وقت کو فراموش کردینے سے مسائل حل نہیں ہوتے وقتی طور پر ان سے نگاہ چرا لینے سے ان کے حل نہیں مل جاتے۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے لیکن اسے خطرہ ٹلتا نہیں ہے جوں کا توں برقرار رہتا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔شاید بہت دنوں سے ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی دماغ مسلسل ایک کشمکش کا شکار تھا۔راشدہ کتنی دیر تک اس کا ہاتھ تھامے اس اس کے پاس بیٹھا رہا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اطمینان سے سو گئی تھی اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ایک گہرا سکوت چھانے لگا تھا۔اس گفتگو

کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور صبح جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو وہ حیران رہ گئی تھی۔ دل خاصا گزر چکا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا کر دیکھا تھا اور پھر تیزی سے بیڈ سے قدم نیچے رکھے تھے اور الماری کی طرف بڑھی تھی۔ آنکھوں پر چھینٹے مارتے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر رک گئی تھی۔ اس کے ہاتھ چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کی سرخ پتلیوں پر جیسے رات کے منظر ٹھہر گئے تھے۔ وہ ان مناظر کو دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے آنکھیں موند کر سر آئینے پر ٹکا دیا تھا۔ کتنا مشکل تھا خود کو دوسروں کے سامنے مضبوط ثابت کرنا مگر خود سے جھوٹ بولنا اتنا ہی دشوار گزار عمل تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر پھر آئینے پر نگاہیں جما کر بہادری کا ثبوت دینا چاہا تھا اور پھر کل کا ہر ایک منظر قطرہ قطرہ کر کے اس کی آنکھوں سے سیال بن کر بہنے لگا تھا۔ ایک خوف پھر سے اس کی آنکھوں میں جگہ جانے لگا تھا۔ اس نے ڈر کر تیزی سے پانی کے چھینٹے آنکھوں میں مار کر جیسے اس ڈر کو بھگانے کی سعی کی تھی۔ اس ڈر کو ان مناظر سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ڈر ان پرتوں پر اپنی تہہ جمانے لگا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تھی پھر فون چیک کیا تھا کتنی ہی مسڈ کالز تھیں اظل کی اور عمیر شاہ کی۔ اسکرین پر عمیر شاہ کا نام ایک تسلسل سے بلنک کر رہا تھا۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال موصول کی تھی۔

"کہاں تھیں تم۔ تم کال کیوں نہیں پک کر رہیں؟ ڈر گئی ہو نا؟ خوفزدہ ہو گئی ہو نا تم؟ اتنی جلدی۔ بس اتنی ہی تھی نا تمہاری ہمت؟ بہت بہادری کے دعوے کرتی تھیں نا تم مگر لگتا ہے تمہارے سارے دعوے ریت کی دیوار کی طرف ڈھے گئے ہیں۔ اسی لئے تو یوں بزدلوں کی طرح چھپ کر بیٹھ گئی ہو۔ تمہارے دعووں کی تو قلعی کھل گئی ہے۔ دیکھ لیا تھا میں نے کل۔ کیسے سمندر اتر آئے تھے تمہاری آنکھوں میں۔ چہرہ فق ہو گیا تھا۔ کتنی ہونق لگ رہی تھیں تم۔ خوفزدہ ہرنی کی طرح بھاگ رہیں جیسے معصوم بھولی بھالی ہرنی صحرا میں کہیں بھٹک جاتی ہے۔ مارے خوف کے ادھر ادھر مدد کے لئے دیکھتی ہے۔ تبھی تو میں تمہاری مدد کو آ گیا تھا۔ ترس آ گیا تھا مجھے تم پر۔ آہو چشم نگاہیں دیکھ کر رحم کے جذبے نے سر ابھارا تھا۔ مگر تم نے تمام راہیں مسدود کر کے اس رحم کو میرے دل کی حدود سے کوسوں دور دھکیل دیا تھا۔ اپنی ہٹ دھرمی فعل سے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا تھا۔ ہر سکتا تھا میں انتقام کا ارادہ ترک کر دیتا مگر تم نے موقع ہی نہیں دیا۔ اب اس کے نتائج تو بھگتنے پڑیں گے نا۔" وہ دھیما لہجہ قدرے سفاک لگ رہا تھا۔ سرد مہری لہجے میں صاف نمایاں تھی۔ ایک ایک لفظ میں تلخی نمایاں تھی اور حسین شاہ کے اندر ایک سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی اس کے سامنے تو ہرگز بھی نہیں۔ وہ اسی اعتماد سے اس کی طرف آنے والے ترکش کے تیروں کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی تبھی ترش لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"عمیر شاہ تم کتنے بھی حربے آزما لو، کتنے ہی ہتھکنڈے آزما لو لیکن تم ہرگز کامیاب نہیں ہو گے۔ مجھے خوفزدہ دیکھنے کا خواب ادھورا ہی رہ جائے گا۔ یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔ تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو اور پلو سے باندھ لو۔ تم کم فہم ہو لیکن خود کو خردمند ثابت کرنے کی چاہے جتنی بھی کوشش کرو۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے سو بہتر ہو گا میرے راستے میں آنا چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہو گی۔" وہ دھیمے لہجے میں اسے تنبیہ کر رہی تھی اور وہ اس کی بات پر استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا۔

''حسین شاہ تم خود کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کر رہی مگر میں چاہتا ہوں اندر سے تمہارا دل پتے کی طرح کانپ رہا ہے۔ کل اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکا ہوں مگر یہ ابھی صرف آغاز ہے۔ ابھی تو تمہیں بہت کچھ دیکھنا باقی ہے۔'' وہ بولتے ہوئے ایک لمحے کے لئے رکا تھا اور حسین شاہ کی سانسیں بھی رکنے لگی تھیں۔ وہ کیا کہنے والا تھا۔ اس کا اگلا قدم کیا ہونے والا تھا۔ وہ جاننے سے قاصر تھی مگر دل آگاہ کر رہا تھا۔ چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا تھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو تم؟ تو جو ہا اس میں تمہارا ہاتھ تھا۔ آہ۔ مجھے تو پہلے ہی سمجھ جانا چاہئے تھا۔ فضا آفتاب کا یہاں آنا ایک سوچا سمجھا منصوبہ بھی تو ہو سکتا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔'' اپنے اپنی کم فہمی پر افسوس ہوا تھا۔ اس نے جیسے خود کلامی کی تھی۔ آواز اتنی آہستہ تھی کہ وہ خود بھی بمشکل سن پائی تھی۔

تم تو سرے سے کسی بات سے آگاہ نہیں ہو۔ مگر میں تمہاری زندگی کو اتنا تکلیف بنا دوں گا یہ تم خود کو تلاشنے میں عمر تمام کر دو گی۔ ویسے ہی جیسے زرتاج خالہ نے اپنی زندگی اندھیروں میں بسر کر دی ہے۔ تم بھی ایسے ہی اندھیروں کی عادی بننا سیکھ لو۔ اب ایک ایسی ہی تنہائی تمہارا مقدر بننے والی ہے۔ ویسا ہی سرد تخبستگی کا احساس تمہارے اندر سرائیت کرنے والا ہے۔ تم دن بدن ان تنہائیوں میں قدم رکھتی جاؤ گی اور اظل سے کوسوں دوری پر کھڑی ہو جاؤ گی۔ تم دونوں کے درمیان فاصلہ صدیوں پر محیط ہونے والا ہے۔ ابھی سے لمحے گننے شروع کر دو۔ مجھ تو لگتا ہے تمہارے دل کی مدھم پڑتی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ اس گنتی کی رفتار مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ دور اور دور۔ طویل سے طویل تر..... طویل ترین..... اور ان فاصلوں کے درمیان کوئی اور اپنی جگہ با آسانی بنا سکتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ مدھم مگر ترش لہجے میں اگر اسے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو وہ اس میں قدرے کامیاب بھی رہا تھا۔

''عمیر شاہ اسے بڑے بول کر خود کو چھوٹا ثابت مت کرو۔ ویسے بھی تم سے آج کسی اچھائی کی توقع کرنا محال ہے۔ تم نے بڑے پاپا کا نام ڈبو دینے کا قصد کر رکھا ہے۔ تم ان کو دکھ دینے کے درپے ہو تبھی ایسی فضولیات میں پڑ گئے ہو۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ تم لکھے ہوئے کو بدلنے کی صلاحیت ہرگز نہیں رکھتے۔ تم لاکھ کوشش کر لو مگر تم اس میں کامیاب ہرگز نہیں ہو گے کیونکہ اچھائی برائی کو مات دینے کی طاقت رکھتی ہے۔'' وہ غصے سے جتا گئی تھی۔

''اچھا ایسا تمہیں لگتا ہے نا حسین شاہ؟ شاید تم میری طاقت سے واقف نہیں ہو یا پھر تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ سوچو اگر اظل کو کچھ ہو جائے کبھی وہ آنا چاہے اور نہ آ پائے تو پھر.....؟ کیا کرو گی تم.....؟ ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی روڈ ایکسیڈنٹ یا پھر کوئی بھی حادثہ۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔ ویسے پتا کرو اظل سہام مرزا ہے کہاں۔ کہیں وہ کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہو چکا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں اسے ڈرا رہا تھا اور حسین شاہ کا دل ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گیا تھا۔ اسے لگا تھا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔ چپ رہو۔ ایک لفظ اس کے آگے مت کہنا۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ میں اسے

کچھ نہیں ہونے دوں گی.....نہیں.....!!'' وہ فکر مند ہوئی تھی۔ وہ فون کا رابطہ منقطع کر کے باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ اظل کے کمرے کے سامنے پہنچ کر بیتابی سے دروازہ کھول کر قدم اندر رکھے تھے۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اگر.....اور اس کے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے فون کہاں گر گیا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا وہ تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھی تھی۔ راستہ طویل ہونے لگا تھا۔ راستے کے دونوں طرف اونچے ٹنڈ منڈ سے درخت کھڑے بے بسی کی تصویر لگ رہے تھے۔ زرد پتے فرش پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی ان پتوں پر پاؤں رکھتی جا رہی تھی۔ اس سانسیں تھمنے لگی تھیں مگر قدم تیزی سے بڑھتے جا رہے تھے تبھی وہ کسی سے ٹکرا گئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی نے اسے تھام لیا تھا۔ بانہوں میں بھر لیا تھا اور ھین شاہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اور اس کی سانسیں ساکت ہو گئی تھیں۔

''ھین شاہ کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایسے کیوں بھاگ رہی ہو۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہو جاناں؟ وہ اسے بانہوں کے حلقے میں لئے مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔ ھین شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور ہیجانی آواز میں بڑبڑانے لگی تھی جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

''نہیں تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں کبھی تمہیں زک پہنچنے نہیں دوں گی۔ کیا تم نہیں جانتے تم کیا ہو میرے لئے؟ میں نے کبھی نہیں بتایا تم میری سانسوں پر کل اختیار رکھتے ہو۔ تمہیں کھونے کے خوف سے بے کلی سی چھانے لگتی ہے۔ اس ڈر سے میں کتنی راتوں سے نہیں سوئی ہوں۔ پلک جھپکنے سے بھی خوفزدہ ہوں کہ اگر پلک جھپکی تو یہ لمحے کہیں خواب نہ بن جائیں لیکن یہ خوف میرے اندر سرائیت کرتا جاتا ہے۔ میری بے چینی کچھ اور بھی سوا ہو جاتی ہے۔ تمہیں کیسے بتاؤں یہ لمحے کتنے بھاری ہوتے ہیں۔ تم چاہو بھی تو اندازہ نہیں کر سکتے۔ تم کبھی جان نہیں پاؤ گے۔ تم کم فہم ہونا۔ تم کند ذہن ہو۔ تمہاری سمجھ چھوٹی ہے۔ خرد تم سے دس قدم دور ہو کر گزرتی ہے۔ خرد مندی کو تم سے بیر ہے۔ وہ تم سے نالاں ہے تبھی تو تم یوں انجان ہو ہر بات سے بے خبر ہو۔ دانشمندی کا تقاضا تھا کہ تم سمجھ جاتے مگر تم سمجھنے سے قاصر ہو اور مستقبل قریب میں بھی کوئی چانس نہیں کہ تم جان سکو گے۔ اس کا اندازہ لگانا کسی طور ممکن نہیں۔ خرد تمہیں کتنے اشارے دے چکی ہے مگر لگتا ہے سب رائیگاں جائے گا۔ محبت کے کلیات کو سمجھنا عبث ہے تمہارے لیے۔'' وہ مدھم لہجہ شکوہ کناں تھا۔ کتنی شکایتیں درج تھیں ان آنکھوں میں۔ کتنی خفگی تھی۔ غصہ تھا۔ کتنے سوالوں کا انبار تھا اور اظل سہام مرزا کے لیے یہ انکشاف خاصے دلکش تھے۔ اس پر راز منکشف کر کے وہ خبر بن گئی تھی کہ اس کے سینے سر رکھ دیا تھا۔ اتنے سارے شکووں نے اس کے دل میں ایک ہلچل سی مچا رکھی تھی۔ جنگ و جدل کا سا سماں تھا۔ وہ شاید خود سے لڑتے لڑتے تھکنے لگی تھی لیکن اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی جو کچھ اور ہی کہانی بیان کر رہی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اظل اس اظہار کو پا کر نہ جانے کیا کچھ نہ کر بیٹھتا مگر اس لمحے اس کی گرفت بتا رہی تھی بات کچھ اور تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ گہری گہری سانسیں لے کر جیسے آکسیجن اندر اتاری تھی۔ جیسے خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ وہ بے قراری سے اسے ٹٹول کر دیکھ رہی تھی جیسے یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے سامنے تھا یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ کوئی خیال یا وہم نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔

ایک طمانیت اندر اتر گئی تھی۔

''تم ٹھیک ہو نا؟ تمہیں کچھ ہوا تو نہیں نا؟ وہ کہہ رہا تھا کہ تم.....!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے وہی خوف ٹھہر گیا تھا۔

''کون کس نے کہا تم سے؟ عمیر شاہ نے؟'' اظل کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے اس کے خوفزدہ چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور پھر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یقین دہانی کرائی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے اور ایک خاص بات یاد رکھو۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔ دادا جان کہتے ہیں تم شیرنی ہو جس نے مجھے پہلی نظر میں شکار کر لیا تھا۔ جب مجھ جیسا طاقتور انسان تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک سکتا ہے تو سوچ لو۔ تمہاری طاقت مجھ سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کو اس خوف سے نکالنے کے لئے موضوع بدل گیا تھا حالانکہ وہ اس کے حصار میں تھی اس کی دھڑکنوں کے زیر و بم میں کھو رہا تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم کمزور ہو بے حد کمزور۔ دل پھینک قسم کے انسان ہو۔ تم نے میرے اردگرد اندھیرے پھیلا دیئے ہیں۔ اس ڈر کو تم نے میرے اندر پنپنے کی وجہ دی ہے۔ یہ خوف تمہاری وجہ سے میری رگ و پے میں سرائیت کر چکا ہے۔ تمہیں شکار کرنا پسند ہے نا شاید یہی وجہ رہی ہو۔ یہ تمہاری فطرت میں شامل ہے۔ میں خواہ مخواہ فضا آفتاب کو قصوروار ماننے کی غلطی کرنے چلی تھی۔ مجھے تو جان لینا چاہیے تھا تم تو سدا سے من مانی کرتے چلے آئے ہو۔ تسلط جمانے کا بہت شوق ہے نا تمہیں۔ محکوم بنانے کی پرانی عادت ہے نا۔ مگر یہ جان لو مجھے کسی کے حکم پر چلنا گوارا نہیں ہے۔ مجھے محکوم بنانے کے خواب چھوڑ دو۔ میرے دل پر حکمرانی کا خواب کبھی پورا ہونے والا نہیں ہے۔ ایسا کسی طور ممکن نہیں۔ یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہوا ہے نا ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔'' وہ مدھم لہجہ تمکنت بھرا تھا۔ وہ جتا گئی تھی کہ اس کے دل پر اس کا اختیار نہیں تھا۔ اور اظل سہام مرزا بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو روک نہیں سکا تھا۔ وہ شاید خود کو مضبوط ثابت کرنے کے جتن کر رہی تھی تبھی اسے باور کرا رہی تھی۔ اس کو جتانا مقصود تھا کہ اسے پرواہ نہیں تھی وہ کچھ بھی کرے اور اگر مان بھی لیا جاتا جو وہ جتانے کی سعی کر رہی تھی تو وہ درست تھا تو پھر وہ اتنی بے چینی میں کیوں گھر گئی تھی۔ اضطرابی حد سے سوا کیسے ہو گئی تھی۔ اظل نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا تھا پھر ایک ہاتھ سے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا تھا پھر اس کے خفت سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔ تبھی حسین شاہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ انداز سرگوشی جیسا تھا۔

"I didn't let you know ever but I always wanted to tell you - I have been waiting. I am always waiting for something new but it couldn't happen. Happiness has always

ended in the blink of an eye. I don't care. It doesn't matter how and where it all began... even I don't remembered but only one thing I know I got covered with fear and darkness. I would say ever wonder why I never really connect. Although my eyes are still open and gaze but I felt I am never conneted

Your eyes weren't shining for me --I wanted to see you in your hypnotist eyes
It was silence in your eye
I wanted to hear you
I whispered your name in the silence
I wanted to casted the of love
There was just silence
And the fear
There was no any desire
There was only the love
There was only
I couldn't melted them
I lost my voice
Don't know where it all went wrong
I bought into the lies
And nearly lost it all
But in the midst of fear
lost myself in the mist

وہ مدھم لہجے میں انکشافات کر رہی تھی۔آج شاید وہ حیران کر دینے پر تلی ہوئی تھی اور اظل اس کے انکشافات پر ششدر سا کھڑا تھا۔ اس کے انداز سے صاف عیاں تھا وہ بدگمانی کے حصار سے باہر آنے کو تیار نہیں تھی۔اس کے الفاظ نے اظل کے اندر طمانیت سی بھر دی تھی۔

''ھین شاہ.....!''اس نے پکارا تھا۔مدھم لہجے میں جنون تھا۔دھیمے لہجے میں بے اختیاری تھی۔

ھین شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔نگاہوں میں کتنے سوال آ کر ٹھہر گئے تھے۔وسوسوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔وہ سنبھل کر ایک قدم پیچھے ہٹی تھی۔فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔

''جاناں میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔میرے دل کا آسمان مکمل طور پر سیاہ ہو جاتا ہے، گہرے اندھیروں میں ڈوبنے لگتا ہے۔ تمہارے بغیر دل کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔میں تنہا بھٹکتا رہتا ہوں۔ان گھپ اندھیروں میں روشنی کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہوں مگر کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔سورج اپنے قدم مزید پیچھے ہٹا لیتا ہے اور اندھیرے مزید بڑھتے جاتے ہیں۔ایسے میں دل شدت سے چاہتا ہے

کہ دل کے چمکتے چاند کو کہیں سے تلاش کر کے کر دل کے اس سیاہ آسمان کے وسط میں ٹکا دوں۔ آسمان کی سیاہی کو مٹانے کے لئے تمہاری آنکھوں کے ستاروں کو روشنی سے بھر دوں۔ ان ستاروں کو اس سیاہ آسمان پر ٹکا کر اس کے اردگرد ایک حصار بنا کر ان کے باہر نکلنے کی ساری راہیں مسدود کر دوں تا کہ میرے دل کا آسمان بھی سیاہ نہ پڑے۔ ہمیشہ روشنی سے چمکتا رہے جیسے ابھی جگمگا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تھا تو ایک گہرا سکوت چھانے لگا تھا۔

''میں تمہیں باور کرانا چاہتا ہوں۔ جنوں کو واسطے بڑھانے بھی آتے ہیں اور رابطے بڑھانے بھی آتے ہیں۔ اس جنوں کی راہ میں چاہے کتنی ہی رکاوٹیں حائل کیوں نہ ہو جائیں جنون کے قدم نا رکیں گے نا تھمیں گے۔ حالانکہ عقد کھلا ہے کہ شدت عشق بڑھتی جا رہی ہے مگر دل اور عشق کا تعلق صرف چپ کا ہے۔ ان دونوں کے درمیان گہرا سکوت چھانے لگا ہے لیکن جنون ہر چیز بالائے طاق رکھ کر عشق کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا ہے اور عشق آگاہ ہے اس کو یہ گماں پر غرور بنا رہا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے جب وہ پلٹے گا تو جنون کو اپنے تعاقب میں پائے گا۔ یہی گمان اس کے لیے باعث اطمینان ہے اور یہی گمان اس کے اندر طمانیت بھر دیتا ہے۔ انتشار کی فضا کو پھیلنے سے روکتا ہے حالانکہ بظاہر عشق خفگی دکھاتا ہے۔ جنوں کو بیڑیوں میں جکڑنا چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ خوابوں کی تتلیوں کو اس ترتیب سے چھوڑتا ہے کہ ان رنگوں کی قوس وقزح پھیلتی دیکھ کر جنون کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور جنوں چندھیائی آنکھوں کے ساتھ اٹھتے قدموں کو روکنے سے قطعی طور پر قاصر نظر آتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز منکشف کر رہا تھا اور عین شاہ نے سر نفی میں ہلا تھا جیسے وہ منکر ہوئی تھی۔

اور اظل نے بے بسی سے سر ہلایا تھا پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیا تمہیں کچھ خبر ہے جاناں؟ تیرے عشق کے سبب سے کتنی الجھنوں کے سب سے کتنی الجھنوں میں گھر گیا ہوں۔ اس کتھارسس کو سمجھنے کے لئے کیسے جان گسل لمحات سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم میرے نقصان کا تخمینہ نہیں لگا سکتیں۔ لیکن میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اب تو مجھے صاف لگنے لگا ہے تمہارے ساتھ بھی خسارہ ہے اور تمہارے بغیر بھی مکمل خسارہ ہے۔ میں لاکھ جتن کر کے ہار جاؤں مگر نتیجہ وہی صفر ہوتا ہے۔'' مدھم لہجے میں بے بسی تھی۔ آنکھوں میں اضطرابی پڑھتی جاری تھی اور عین شاہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ نگاہ چرا گئی تھی۔ نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

''میں جب تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو کہکشاں کے مدار میں محبت کے دو چمکتے ہوئے ستارے جو اچانک ہی نمودار ہو جاتے ہیں جو شاید منوں خدشات کے نیچے دبے ہوئے تھے وہ رنگ جو خدشات پرے دھکیلنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ وہ رنگ اوہام کی دھند میں کہیں کھونے لگتے ہیں ابہام کے کہرے میں چھپ جاتے ہیں۔ لیکن ان چھپے ہوئے ستاروں سے اچانک ہی محبت کی اس روشنی کی کرنوں میں کتنے ہی رنگ قطار در قطار چلے آتے ہیں۔ اس چمکتے ستارے میں محبت کی شعاعیں زاویے بنائی ہیں اور میرے دل کی سطح سے ٹکرا کر جب منعکس ہو کر روشنی کے خط مستقیم کے سفر سے گزر کر واپس تمہاری آنکھوں کی دبیز پرتوں سے ٹکراتی ہے تو روشنی کے سارے رنگ

تمہاری آنکھوں کے کینوس پر کثرت سے پھیلتے چلے جاتے ہیں جیسے چاروں طرف رنگوں نے ڈیرہ جمالیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ عجب انکشاف کر رہا تھا۔ محبت کی نئی اصطلاح بیان کر رہا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا کر اس کو رد کیا تھا۔ وہ منکر تھی۔

''تم عجیب قیاس آرائیاں کر رہے ہو۔ پھر یوں کہو کہ یہ تمہارے تصورات کے واہمے ہیں۔ آپ حیلوں بہانوں سے چیزوں کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر آپ کی سوچ اور عمل میں کھلا تضاد صاف دکھائی دیتا ہے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ اتنی بڑی گیم پلان کیے بیٹھے ہیں تو میں کبھی آپ پر ایک فیصد بھی بھروسہ نہ کرتی مگر مانتی ہوں غلطی میری ہے۔ جو آپ کو یہ چالیں چلنے کا موقع دیا اور آپ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر دماغ کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ میرا شکوہ کناں ہونا عجیب نہیں ہے۔ حالانکہ آپ نے کوئی عہد و پیماں تو نہیں کیے تھے۔ یہ میری خود ساختہ سوچیں تھیں جنہوں نے آپ کو تھوڑا بہتر بنا کر پیش کیا تھا مگر یہ ضروری نہیں ہے جیسا ہم سوچیں ویسا ہی ہو۔ الجھی ہوئی سوچیں وسوسوں کے جنگل میں بھٹک جاتی ہیں۔ اندیشے راہ میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ الجھی سوچوں کو ہراساں کرنے کی جستجو میں جت جاتے ہیں۔ ان گنجل ہوتی سوچوں کو کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ کوئی راستہ متعین نہیں ہوتا۔ منزل کا دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ ایسے میں ایک خوف پوری شدت سے اس پر حاوی ہونے لگتا ہے۔ اب اگر الجھی سوچیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں تو غلط کہاں ہیں۔ آپ نے اس امید کی کرن پر خدشات کی پرتیں رکھ کر گھپ اندھیرا کر دیا ہے اور اس اندھیرے میں اعتبار کو ٹٹولنا کسی طور ممکن نہیں۔ امید معدوم پڑتی جا رہی ہیں۔ تلاشنے کا یہ عمل رکنے لگا ہے۔ خرد نے تھک کر قدم روک لئے ہیں۔ اب اور نہیں۔ ایک قدم بھی نہیں۔'' وہ مدھم لہجہ حتمی تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں مدعا بیان کر رہی تھی۔ اسے اعتبار ٹوٹنے کا ملال تھا۔ دھیمے لہجے میں اضطرابی تھی اور آنکھوں سے بے چینی سوا تھی۔

''جانتا تھا عشق مستقبل جان خطرے میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ خرد نے تنبیہ کی تھی مگر دل ماننے کا قائل نہیں تھا۔ نا ہی کچھ سننے پر مائل تھا۔ عشق کو ادراک تھا کہ اس نقطے کو پھیل کر دوسرے نقطے تک آتے اور دائرہ بنتے دیر نہیں تھی۔ ایک نقطہ جہاں میں نے قدم رکھے تھے وہ نقطہ ایک جست میں پھیل کر وتر دل کے مرکز تک پہنچ کر وتر قطر بن گیا تھا اور دائرے کی شکل اختیار کر چکا تھا اور نجانے کب سے ان دائروں کو پھر سے وتر میں بانٹا جا رہا تھا لیکن دائرے کی ساخت اور ہیئت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو رہی تھی۔ میرا دل جب اس وتر میں گردش کرتا ہوا تمہارے سامنے آ رکتا ہے تو الجھی ہوئی سی مبہم سی حیران کر دینے، رازوں سے بھری، بھیدوں سے جڑی ان آنکھوں میں کتنے ہی قصے میرے ساتھ ان دائروں میں سفر کرنے لگتے ہیں۔ اس سفر کے اڑتے ہوئے غبار میں بادلوں میں تیرا عکس مہتاب بن کر اتر آتا ہے۔ چار سو روپہلی روشنی کا ہالہ بننے لگتا ہے۔ چاروں طرف ایک فسوں پھیلنے لگتا ہے۔ یہ فسوں عشق کو اس حصار میں مقید کر لیتا ہے اور عشق سے چپکے چپکے کتنے ہی عہد و پیمان کرتا ہے۔ عشق ان اسرار سے رسائی پانے لگتا ہے۔ ان بھیدوں سے آگاہی پانے لگتا ہے اور مہتاب ان رازوں کا بوجھ عشق کو سونپ کر خود اس بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر لاپرواہ سا، بے تعلق ہو کر قدم پیچھے ہٹاتا ہے اور عشق اس

روشنی کے تعاقب میں نکل پڑتا ہے۔قصہ کچھ عجیب ہے۔مگر عشق کو کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔کڑی آزمائش کا سامنا ہے۔میں جتن کر کے ہارنے لگا ہوں تم ہی کہو یہ ماجرا کیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ٹکٹکی باندھے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مبہوت سا اس قصوں کو ازبر کرنے کی جستجو میں جت گیا تھا اور اس کے اس طرح بے خود سے انداز سے حین شاہ کا چہرے تپنے لگا تھا۔ سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے پر آٹھہرا تھا جیسے۔اس نے خفت سے سرخ پڑتے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔شاید بچنے کی کوئی تدبیر تھی یا فرار کی کوئی راہ۔دو قدم پیچھے مزید پیچھے ہٹ کر احتیاطی تدابیر کیں تھیں مگر الجھی سوچوں نے چہرے پر تناؤ کو بڑھا دیا تھا۔وہ کچھ سوچ رہی تھی جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اظل اس کے اردے بھانپ گیا تھا۔اس کا ہاتھ اظل کی گرفت میں آ گیا تھا۔

''آپ کو یاد ہے نا کل رات آپ نے میری شرائط کو مانا تھا تبھی میں نے آپ کے ساتھ آنے کی حامی بھری تھی۔اب اسی وعدے کو ایفا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔میں جو چاہتی ہوں وہ آپ کریں گے۔'' وہ پراعتماد انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔وہ موضوع یکسر تبدیل کر چکی تھی۔اس لمحوں کے حصار سے نکل آئی تھی۔

اور اظل نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔اس کی یوں تمہیں باندھنا کسی آنے والے بڑے خطرے کا پیش خیمہ تھا۔مگر اظل نے بغیر کسی نقصان کی پرواہ کئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔لہجہ پرسکون تھا مگر آنکھوں میں بے چینی سوا تھی۔

''کیا چاہتی ہو تم؟ میں اپنے وعدہ پر قائم ہوں۔تمہارے لیے کچھ بھی کر گزرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔تمہاری خوشی میرے لئے ہر حال میں مقدم ہے۔ یہ یاد رکھنا ہمیشہ۔تم ہر چیز سے بڑھ کر ہو میرے لئے۔حتیٰ کہ میری سانسوں سے زیادہ قیمتی ہو تم۔'' وہ دھیما لہجہ پرسکون تھا۔دھیما لہجہ اٹل تھا اور حین شاہ نے بے یقینی سے دیکھا تھا اور اظل کی سانسیں تھمنے لگی تھیں۔وہ سوالیہ نگاہوں سے منتظر تھا۔

''میں چاہتی ہوں ارسلان چچا اور زرتاج کی شادی ہو جائے۔اس کو ممکن کرنے میں میرا ساتھ دو گے؟ ارسلان چچا کو اور بڑے پاپا کو مناؤ گے تم؟ اتنا کر سکتے ہو تم میرے لئے؟ اتنا کر سکتے ہو تم میرے لئے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب طلبی چاہتی تھی۔اسے یقین دہانی مقصود تھی اور اظل اس کی بات سن کر حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔جو اس نے کہا وہ اس کے لیے یکسر مختلف تھا جو وہ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا۔اس نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا تھا لیکن جو اس نے کہا تھا وہ بھی حیران کن تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ارسلان چچا کی شادی زرتاج سے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔چچان جان شادی کرنے پر قطعی راضی نہیں ہونگے۔انہوں نے سالوں پہلے پھپھو کو انکار کر کے تنہا زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اب تک اس فیصلے پر قائم ہیں۔ان کو منانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔تمہارے ذہن میں یہ خیال کیونکر گزرا؟ میں تو سمجھنے سے قاصر ہوں تمہاری سوچیں کس نہج پر پہنچ جاتی ہیں اور کیا تمہیں لگتا ہے کہ زرتاج شاہ مان جائیں گی؟ انہوں نے تمام عمر شایان انکل کے نام پر بسر کر دی ہے۔تم تو ان کی حالت سے واقف ہو نا؟ یہ سزا انہوں نے خود اپنے لئے چنی تھی۔تم ان الجھنوں میں پڑو گی تو ان کی خفگی مول لو گی۔'' وہ حیران سا سمجھانے کی بھرپور سعی کر رہا تھا جو اس

نے کہا تھا اور سوچا تھا وہ اظل کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ ایسا سوچنا بھی محال لگ رہا تھا اسے۔ اسے حسین شاہ کی ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا تھا اور حسین شاہ نے طمانیت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''یہی وجہ ہے کہ تم اردگرد سے بے خبر ہو کیونکہ تم کبھی جان ہی نہیں پائے کہ محبت کے رنگ آنکھوں میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں ان کو تلاشنے کے لیے باہر جا کر ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔ جو فیصلہ لیا جاتا ہے اس کے پیچھے کوئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ارسلان چچا نے ممانی جان کو انکار کیا تھا اس کے پیچھے وجہ تو کسی نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ تم جانتے ہو ارسلان چچا زرتاج شاہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ یکطرفہ محبت کی سزا انہوں نے تنہا زندگی گزار کر جھیلی ہے۔ اور یہی سزا زرتاج شاہ کے حصے میں آئی تھی۔ ان دونوں اس اذیت سے گزرنا پڑا تھا۔ ان دونوں کو آگاہی تھی پہلے قدم سے ہی کہ محبت ان کو دیمک کی طرح کھا کر ان کے دل کو کھوکھلا کر دے گی۔ مگر انہوں نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ شاید محبت اتنی ہی طاقتور ہوتی ہے۔ وہ حاوی ہو جاتی ہے۔ اس کے قدم رکتے نہیں ہیں۔ تھمتے نہیں ہیں۔ بے خوف و خطر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس کو مشکل مراحل سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اسے سود و زیاں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ خود اپنی راہوں کا تعین کرتی ہے۔ وہ کسی کے دکھائے ہوئے راستوں پر نہیں چلتی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں گہرے راز منکشف کر رہی تھی۔ اس کے مدھم لہجے میں محبت کا احساس نمایاں تھا جیسے وہ ان کی تکلیف کو اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس پر حیران ہونے لگا تھا یا پھر وہ خود بھی اس تکلیف دہ مرحلے سے گزر رہی تھی تبھی تو اسے اس کرب سے آگاہی تھی اور اظل کی حیرانگی بڑھی جا رہی تھی۔ یہ انکشاف اسے حیرت کدوں میں دھکیل رہے تھے۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟ کس نے بتایا تمہیں؟ پھپھو جان نے؟ یا پھر خود ارسلان چاچو نے۔ ان سے کب بات ہوئی تمہاری؟''

اس نے ایک ہی سانس میں بے قراری سے کتنے ہی سوالات پوچھ ڈالے تھے۔

اور حسین نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر ساری بات اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

''رامین نے بتایا مجھے کل صبح میری بات ہوئی تھی اس سے۔ وہ بالکل زرتاج شاہ جیسی باتیں کر رہی تھی۔ مجھ سے کتنے سوال پوچھ رہی تھی۔ اسے بھی زرتاج شاہ کی طرح لگتا ہے کہ ان سارے سوالات کے جوابات صرف میرے پاس ہی محفوظ ہیں۔ جانے انہیں ایسا ادراک کیوں ہوا ہے۔ میں نے کبھی کوئی تردد نہیں برتا وجہ کوئی بھی ہو لیکن ایسا اکثر ہوتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں انکشافات کرنے پر تلی ہوئی تھی اور اظل نے اس کے الجھے ہوئے چہرے کو نگاہوں میں سمویا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ویسے وہ کچھ خاص غلط بھی تو نہیں ہیں نا۔ یہ تو قدرے درست ہے میرے بھی سارے سوالات کے جوابات صرف تمہارے پاس ہی محفوظ ہیں۔ یہ الگ بات ہے تم ان کو نظر انداز کرنے کی بھرپور سعی کرتی ہو۔ انجان بن جاتی ہو۔ بے صبر دکھائی دیتی ہو۔ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی ہو مگر اس سے میرے سوال اپنے قدم واپس نہیں موڑتے۔ وہ اپنے قدم آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔ جب تک ان کو جواب

موصول نہیں ہو جاتے وہ اپنے قدم روکیں گے نہیں یہ تو طے ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں جتا رہا تھا۔

اورھین شاہ نے اسے موضوع سے ہٹتا دیکھ کر خفگی کا مظاہرہ کیا تھا۔اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کا اظہار واضح تھا۔

''آپ موضوع سے ہٹ رہے ہیں۔اہم کام کی بات ہو رہی ہے۔آپ کن فضولیات میں پڑ گئے ہیں۔مجھے آپ سے اس غیر سنجیدہ رویئے کی توقع نہیں تھی۔'' وہ دھیمے لہجے میں ڈپٹ رہی تھی اور ایک خفیف سی مسکراہٹ اظل سہام مرزا کے ہونٹوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔ وہ جان گیا تھا وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی اور یہ بات اظل کے لیے قدرے اطمینان بخش تھی۔وہ جانتا تھا وہ کس قدر حساس تھی۔ہمیشہ دوسروں کے بارے میں سوچتی تھی۔اس کی یہی خوبی اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔اسی خوبی کی بنا پر وہ لوگوں کے دل میں جگہ بنا لیتی تھی۔وہ سوچ رہا تھا دادا جان درست کہہ رہے تھے۔وہ دلوں میں گھر کرنے کی اور ان کو جیتنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''میں موضوع سے چاہے ہٹ بھی جاؤں مگر ہمیشہ میرے قدم تمہارے طرف ہی اٹھیں گے میرے قدم تمہارے پاس آ کر ساکت ہو جائیں گے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔یہ تو طے ہے۔جب وعدہ کیا ہے تو ایفا تو کرنا پڑے گا۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔سمجھ لو یہ ممکن ہو گیا اور کچھ.....؟'' اس نے مضبوط لہجے میں یقین دہانی کروائی تھی پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔اس کی روشن پیشانی پر تناؤ کی لکیریں مٹ چکی تھیں۔آنکھوں میں اطمینان اتر آیا تھا۔کمال آئینہ تھا اس کا چہرہ لمحوں میں تاثرات بدلتا تھا اور سارے منظر چہرے پر عیاں ہو جاتے تھے۔

''آج کے لیے یہی کافی ہے باقی بعد میں طے کریں گے۔اس پر کام شروع کر دیں آپ۔ہر حال میں ممکن کرنا آپ کی ذمے داری ہے۔'' اس نے استحقاق بھرے لہجے میں جتایا تھا۔اسے باور کرایا تھا اور پھر رکی نہیں تھی۔مڑی تھی اور تمکنت بھرے انداز میں چلتی ہوئی اس سے دور نکل گئی تھی۔وہ وہیں کھڑا ہوا اسے جاتا ہوا دیکھتا جا رہا تھا۔پھر طمانیت بھرا سانس لیا تھا اور اس کے پیچھے پیش قدمی کی تھی۔ذہن میں مسلسل ترکیبیں سوچ رہا تھا۔اسے ہر حال میں ممکن کر دینا تھا اس کا یقین جیتنا ضروری ہو گیا تھا اس کے لئے۔

☆.....☆.....☆

وہ مسلسل ایک ہی نقطے پر سوچ رہی تھی۔کتنی ہی بار حمیرا بیگم کو کال ملانے کے لئے سوچا تھا مگر وہ اس کو حتمی شکل نہیں دے سکی تھی۔وہ حمیرا بیگم کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھی وہ اس کو زرتاج سے بھی بات نہیں کرنے دے سکتی تھیں۔ایسا ہونا کسی طور ممکن نہیں تھا۔اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔وہ کیسے بات کرے زرتاج شاہ سے۔کیسے اسے قائل کرنے کی کوشش کر سکے گی وہ جاننے سے قاصر تھی۔اچھا تھا اس کے ذہن میں جھما کا ہوا تھا۔وہ کیسے بھول سکتی تھی۔نانی جان وہاں تھیں۔ان کو کیسے بھول گئی تھی۔اس نے تیزی سے نانی جان کا فون نمبر بک سے تلاش کیا تھا اور پھر فون کان سے لگا لیا تھا۔

''اسلام علیکم نانی جان۔کیسی ہیں آپ؟'' وہ مؤدب انداز میں پوچھ رہی تھی۔میں تو ٹھیک ہوں میری جان تم کیسی ہو؟اپنی نانی جان کو بھول گئی ہو تم کتنے دن ہو گئے تم نے کال ہی نہیں کی۔اظل سے بات ہوئی تھی کل وہ بتا رہا تھا تم پڑھائی میں بہت مصروف ہو۔خود کو بھی بھلا بیٹھی ہو۔میں جانتی ہوں تمہیں۔تم جب کسی بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو تو اسے پورا کیے بغیر چین نہیں لیتیں۔بالکل اپنی ماں پر گئی ہو۔ وہ بھی ایسی ہی تھی۔'' وہ مدھم شفیق لہجے میں شکوہ کناں تھیں اور حین شاہ کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ان کا شکوہ بجا تھا۔وہ ان کو فراموش کر گئی تھی۔اپنی الجھنوں میں الجھ کر وہ اردگرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

''مجھے معاف کر دیجئے نانی جان۔آپ کو کال نہیں کر پائی مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ کو بھول گئی۔ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔میں خود کو بھول سکتی ہوں مگر آپ کو قطعی نہیں بھول سکتی۔لیکن غلطی سے سہی بھول تو ہوئی ہے معاف کر دیجئے آپ۔''اس کے دھیمے لہجے میں گہرا ملال تھا۔

''نہیں بیٹا کوئی بات نہیں اظل ہر دوسرے دن بات کرتا ہے۔بہت اچھا بچہ ہے۔اس کو میری فکر رہتی ہے ہمیشہ۔اکثر تمہاری باتیں کرتا رہتا ہے۔تم خوش قسمت ہو جو اظل جیسا انسان تمہاری زندگی میں آیا۔''انہوں نے اس کی تعریفوں کے پل باندھے تھے اور وہ سوچنے سے قاصر تھی کہ وہ ان سے اس کی کیا باتیں کرتا تھا لیکن اتنا تو جان گئی تھی وہ شعبدہ گر تھا۔تبھی تو دلوں میں گھر کر لیتا تھا۔

''بیٹا تم کچھ پوچھنا چاہتی ہو؟تمہارے دل و دماغ میں کیا کشمکش چل رہی ہے؟سب ٹھیک تو ہے نا؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں اور حین شاہ کا دل لمحہ بھر کو ساکت ہوا تھا۔وہ حیران رہ گئی تھی کہ محبت کرنے والے کیسے جان جاتے تھے سب چھپی ہوئی باتوں کیسے آگاہی پا جاتے تھے۔دل میں چھپے رازوں کی ایک ہی جست میں جان جاتے تھے۔انہیں کچھ بتانے کی ضروری نہیں پڑتی تھی۔دادا جان بھی اسے ہی سمجھ جاتے تھے اور نانی جان بھی۔

''نانی جان مجھے زرتاج شاہ سے بات کرنی ہے۔ابھی اگر آپ ممکن کر سکیں تو زحمت نہیں دینا چاہتی تھی مگر آپ کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ ہرگز نہیں کر سکتی۔بات کرنا بے حد ضروری ہے۔''اس نے مدھم لہجے میں معاملہ ان کے گوش گزار کیا تھا۔ان سے کچھ چھپانا کسی طور ممکن نہیں تھا۔

اور اس کی بات سن کر نانی جان گہری سوچ میں پڑ گئی تھیں پھر دھیمے لہجے میں مدلل انداز میں کہنے لگی تھیں۔

''بیٹا یہ تو نہایت نیکی کا کام ہے تم نے اگر ازالہ کرنے کا قصد کر لیا ہے تو میں اس نیک کام میں ضرور تمہارا ساتھ دوں گی۔میں حیدر شاہ سے بات کروں گی۔اس کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش ہو گی میری۔وہ اپنے طریقے سے حمیرا بیگم سے بات کر لے گا۔اس بچی کی زندگی میں رنگ بھر جائیں گے۔اس کی زندگی جو ایک نقطے پر ٹھہر گئی ہے اس ایک جگہ پر ساکت ہو گئی ہے وہ سیدھے راستے پر چل پڑے گی۔یہ بے حد نیک فعل ہے۔سرائے جانے کے قابل ہے۔ورنہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اگر ایسا بھی ہو سکتا تھا۔'' وہ شفیق لہجے میں اس

کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔

''تم دو منٹ بعد کال کرو میں زرتاج شاہ کے کمرے کی طرف جا رہی ہوں۔'' انہوں نے کہا تھا اور رابطہ منقطع کر دیا تھا اور ھین شاہ سے دو منٹ بھی انتظار کرنا بحال لگ رہا تھا۔

اس نے پھر نمبر ڈائل کیا تھا۔ دل کی دھڑکنوں کا شور کانوں میں سنائی دے رہا تھا۔

''ہیلو شایان کی آنکھیں۔ تم کیسی ہو؟ اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو؟ میرے ساتھ بات کرنے کے لئے اتنی بے چین کیوں تھیں تم؟ کچھ تو وجہ ہو گی نا؟ تم مجھے حیران کرنے پر تلی ہوئی ہو۔'' وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ ایک ہی سانس میں کتنے سوالات پوچھ گئی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے رکی تھیں پھر گویا ہوئی تھیں۔

''شایان کی آنکھیں جلدی بولو۔ خاموش کیوں ہو تم۔ میرا دل ساکت ہو گیا ہے۔ دھڑکنیں جو پہلے ہی مدھم پڑ چکی تھیں اب رکنے لگی ہیں۔ تمہاری آنکھوں نے میلوں کی دوری پر بیٹھے ہوئے بھی میری سانسوں کو اپنے ساتھ باندھ لیا ہے۔ تم سے کہا تھا نا تم شایان جیسی ہو۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح تھا ایسے ہی متوجہ کرنے کے بعد کتنے ہی لمحے خاموشی میں گنوا دیتا تھا۔ جب اسے کوئی اہم بات کرنی ہوتی تھی تو وہ بھی اسے ہی خود کو مجتمع کرنے میں وقت لیتا تھا۔ ایسے ہی کشمکش اور شش و پنج میں پڑ جاتا تھا جیسے ابھی تمہاری حالت ہے۔'' وہ جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہی تھیں۔ اس کے دل کے احوال سے آگاہ ہو گئی تھیں۔

''زرتاج شاہ.....'' اس نے حوصلے مجتمع کر کے بمشکل اس کو پکارا تھا۔ تمہیں باندھی تھی۔

''کہو شایان کی آنکھیں۔ تم کچھ بھی کہنے کا اختیار رکھتی ہو۔ میں تمہیں سن رہی ہوں۔ جو بھی دل میں ہے کہہ دو۔ بے خوف و خطر آگاہ کر دو مجھے۔ میری الجھنوں کو مت بڑھاؤ۔ آج صدیوں بعد پھر سے دل خوف سے بھر گیا ہے حالانکہ اب کھونے کو کچھ نہیں ہے پھر بھی ایک ڈر نے چاروں طرف احاطہ کر لیا ہے۔ سمجھ میں آ رہا شایان کی آنکھیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ اگر دل میں کچھ ہے تو وہ کہہ دینے کا خوف کیوں ہے؟ وہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔ انداز الجھا ہوا تھا۔

''زرتاج شاہ آپ ارسلان سہام مرزا سے شادی کر لیں۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اپنی بات کہہ دی تھی۔ گویا کوئی دھماکا کیا تھا۔ اور زرتاج شاہ حیرت سے ساکت کھڑی رہ گئی تھیں۔ حیرت سے کنگ رہ گئی تھیں کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تھے۔ ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا پھر انہوں نے ہمت کر کے ہولے سے پوچھا تھا۔ ان کو اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''شایان کی آنکھیں یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔ ایسا ہونا ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے میں حیران ہوں۔ تم اس نہج تک کیسے سوچ سکتی ہو؟'' وہ مدھم لہجہ کمزور تھا۔ انہوں نے کہا تھا اور ایک گہرا سکوت پھر سے چھانے لگا تھا۔ وہ اس خاموشی کا حصہ بننے لگی تھی۔ مگر وہ اس لمحے خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ اسے ہر حال میں انہیں منانا تھا۔ ان کی زندگی

میں خوشیوں کے رنگ بھرنے تھے۔ وہ ان کی اجڑی اور بے رنگ زندگی کو یوں ضائع ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''آپ منع نہیں کرسکتیں زرتاج شاہ۔ آپ کے پاس کوئی جواز نہیں ہے ان کو رد کرنے کے لیے آپ کو کوئی ٹھوس جواز پیش کرنا ہوگا۔ آپ یوں مخالفت مول لے کر کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں کرسکتیں۔ لوگوں کی پرواہ مت کریں۔ آپ کی زندگی میں رنگ داخل ہونے کے منتظر ہیں۔ کتنے خواب محوِ انتظار ہیں پورا ہونے کے لیے صدیوں سے منتظر ہیں۔ صدیوں سے کتنے کی خوابوں میں بس رہی ہیں۔ کسی کی آنکھوں میں وہ خواب مدتوں سے محوِ سفر ہیں۔ وہ خواب جو آپ کی آنکھوں میں منجمد ہوگئے ہیں وہ ان آنکھوں کی حدت سے پگھل بھی سکتے ہیں۔ پھر سے جاوداں ہوکر اس حدت سے زندگی پا سکتے ہیں۔ ایسا ممکن ہوسکتا ہے زرتاج شاہ۔ پلیز منع مت کریں۔ ورنہ آپ کے شایان شاہ اور حسنہ شاہ کی روحوں کو ملال ستاتا رہے گا۔ ان کو تکلیف ہوگی۔ ان کی روحوں کے سکون کے لیے۔ پلیز زرتاج شاہ۔'' وہ مدھم لہجے میں درخواست کررہی تھی۔ ان کو منانے کی حتمی کوشش کررہی تھی مگر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کردیا تھا اور حین شاہ نے خالی نگاہوں سے اسکرین کو دیکھا تھا۔ الجھنیں کچھ اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ اس نے بے توجہی سے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا پھر آنکھیں موند لی تھیں لیکن اگلے ہی لمحے فون پھر سے بجنے لگا تھا۔ حین نے بے قراری سے فون اٹھایا تھا اور اس پر عمیر شاہ کا نام دیکھ کر فون اٹھانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ مگر وہ بھی شاید ڈھیٹ بن گیا تھا۔ مسلسل فون بجتا جارہا تھا۔ اس نے ناچاہتے ہوئے بھی کال پک کرلی تھی۔

''کیا بات ہے عمیر شاہ؟ اب کیا کہنا ہے تمہیں؟'' وہ خفگی سے پوچھ رہی تھی۔

''کہا تھا نا تمہیں مجھے کال مت کرنا مگر تم سننے کو تیار نہیں ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے ڈپٹ رہی تھی۔

''حین شاہ میں تمہیں جو کہنے والا ہوں اس کو دھیان سے سننا۔ ایک بری خبر ہے۔ میں نہیں جانتا کیا ہوگا مگر پلیز دعا کرو۔ کچھ غلط نہ ہو۔'' وہ مدھم لہجہ قدرے کمزور اور مغموم تھا۔

''کیا ہوا ہے جلدی بولو۔'' وہ قدرے بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ **پندرہویں** قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

حین شاہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔اس کی سانسیں ساکن ہونے لگی تھیں۔انجانے اندیشے کے تحت سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اس برداشت کرنا دشوار ہو گیا تھا۔اس کا دل اسی لیے اتنا گھبرا رہا تھا۔اسے دل آگاہ کر رہا تھا کچھ ہونے والا تھا۔اسی لیے دل کو الہام ستانے لگے تھے۔

''جلدی بولو عمیر شاہ۔کیا ہوا ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''اس نے بمشکل ہمتیں مجتمع کی تھیں۔

''حین شاہ.....!''اس نے پکارا تھا۔ایسا لگا رہا تھا جو ہوا تھا اس کو بتانے کا حوصلہ نہیں تھا اس میں۔اس کی ہمت ناپید تھی۔اس نے پکارا تھا اور حین شاہ کی ساری حسیات سماعت بن گئی تھیں۔اس کے ذہن میں اچانک بڑے پاپا کا خیال کوندا تھا۔

''عمیر شاہ بڑے پاپا تو ٹھیک ہیں نا؟''اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔مدھم لہجے میں بے قراری تھی۔اس کی سانسیں ساکت ہو گئی تھیں اس خبر کو سننے کو لیے جو وہ کہنا چاہتا تھا۔

''ہاں پاپا ٹھیک ہیں مگر..... ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔وہ ICU میں ہیں جلدی پہنچو وہ تمہیں یاد کر رہی ہیں۔آپریشن تھیٹر جانے تک ان کی زبان پر تمہارا ہی نام تھا۔پلیز حین شاہ تم دعا کروان کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔اگر ان سے کوئی گلہ شکوہ ہے تو تمہارا نام ہی تھا پلیز حین شاہ تمام شکوے دل سے نکال دو۔''وہ مدھم لہجے میں ملتجی انداز میں کہہ رہا تھا۔کمزور لہجے میں کوئی درخواست کی تھی جیسے اور حین شاہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔اس کی آنکھوں میں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔کسی کو تسلی دو لفظ دینا بھی دشوار لگ رہا تھا۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا کچھ ہو جائے گا۔ایک گھمبیر خاموشی چھا گئی تھی۔سارے الفاظ کہیں کھو گئے تھے۔ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔وہ اس کرب سے گزری تھی۔وہ کسی کو اس تکلیف سے گزرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔اسی لیے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔اس نے ایک لمحے میں سارے گلے شکوے مٹا دیئے تھے۔

''عمیر شاہ..... بڑی ماما کو کچھ نہیں ہوگا۔بھروسہ رکھو۔کوئی برا خیال دل میں مت لانا۔صرف ان کے لیے دعا کرو۔میں جلد پہنچ جاؤں گی۔''اس نے مدھم لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

اس نے کہا اور عمیر شاہ نے فون کا رابطہ منقطع کر دیا تھا اور حین شاہ تیزی سے باہر نکلی تھی پھر تیزی سے اظل سہام مرزا کے کمرے کی طرف بڑھی تھی تبھی وہ کمرے سے نکل کر سامنے آ گیا تھا۔وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی اس سے پہلے وہ گرتی اس نے اسے سنبھال لیا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟''اس نے مدھم فکرمند لہجے میں پکارا تھا۔بے قراری سے پوچھا تھا۔

''اظل وہ بڑی ماما.....''وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

''بڑی ماما کو کیا ہوا؟ تم یوں رو کیوں رہی ہو حین شاہ؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ تبھی دادا جان کی کال آ گئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا تھا پھر ان سے بات کی تھی۔

''جی دادا جان..... میں ابھی کرتا ہوں۔'' اس نے دادا جان سے بات کرنے کے بعد کال منقطع کر دی تھی اور پھر کال ملا کر فلائیٹ کنفرمڈ کی تھی پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ پھر اس کے سر کو ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

''حین شاہ جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔ ہم بڑی ماما کے پاس جا رہے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ دعا کرو انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ بیٹیوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تمہاری دعائیں بھی ضرور مستجاب ہوں گی۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یقین دہانی کروائی تھی۔

''میں نہیں اظل۔ میری دعاؤں میں اگر اتنی طاقت ہوتی تو ماما پاپا مجھے چھوڑ کر ہرگز نہیں جاتے۔ یہی وجہ ہے میرا دل خوف سے بھر گیا ہے۔ مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ کوئی شکوہ نہیں ہے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ جیسے بڑے پاپا مجھے عزیز ہیں میں نے ہمیشہ دل سے ان کی عزت کی ہے۔ ان کا احترام کیا ہے۔ میں ان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی کبھی۔'' وہ مدھم لہجے میں بتا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ کس قدر حساس تھی۔

اسے ساتھ لگاتے ہوئے وہ کمرے کی طرف بڑھا تھا اور پھر اس کے لیے ڈریس نکالا تھا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور پھر اس کو خاموش نگاہوں سے دیکھا تھا اور حین شاہ ڈریس تھام کر چینجنگ روم کی طرف بڑھی تھی اور اظل نے اس کا بیگ ریڈی کیا تھا۔ وہ جب تک کمرے میں داخل ہوئی تھی وہ تمام کام مکمل کر چکا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اس کا بیگ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ ائیر پورٹ سے لے کر ہسپتال پہنچنے کا مرحلہ بہت طویل اور دشوار ترین تھا۔ حین شاہ کو لگ رہا تھا جیسے صدیوں پر محیط فاصلہ طے کر کے وہ وہاں پہنچی تھی۔ بڑے پاپا کے گلے لگی تھی تو سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ وہ کڑے ضبط کے مراحل سے گزری تھی۔ وہ اسے ساتھ لئے ICU کی طرف بڑھے تھے اور پھر ڈاکٹر سے کوئی بات کی تھی۔ اجازت ملنے کے بعد حین شاہ نے لرزتے قدموں سے فاصلہ طے کیا تھا۔ اس نے مڑ کر اظل کی طرف دیکھا تھا جو چلتا ہوا اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ تنہا اس امتحان سے نہیں گزر سکے گی۔ وہ اس نازک لمحے میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بڑی ماما کو شاید ہوش آ چکا تھا اور اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تبھی تو اس کی ایک آواز پر انہوں نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کتنے ہی انمول موتی ٹوٹ کر بکھرے تھے اور حین شاہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا اور اظل کے ہاتھ پر اس کی گرفت اور بھی مضبوط کر دی تھی۔

''میری بچی۔ تم آ گئی ہو۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے تمہارے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ اس کا ملال مجھے چین سے مرنے بھی نہیں دے رہا۔ اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ میرا ضمیر مجھے

ہچکولے لگا رہا تھا اس کی سزا ملی ہے مجھے۔ تبھی تو اس اذیت سے گزر رہی ہو۔ ہو سکے تو دل کو قرار دے دو۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ وہ بمشکل بول پا رہی تھیں اور حسین شاہ نے ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس لمحے ان کو یقین دہانی کرانا کس قدر ضروری ہو گیا تھا تاکہ ان کا دل مطمئن ہو جائے تبھی اس نے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کر کے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ اظل کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

''بڑی ماما میں نے اپنے دل میں آپ کے لیے کبھی بھی کدورت نہیں رکھی۔ میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے۔ آپ میرے لئے بھی اسی طرح اہم ہیں جیسے میری ماما تھیں۔ میں نے کبھی آپ کا برا نا نہیں چاہا ہے۔ میں نے کبھی آپ کو بد دعا نہیں دی ہے۔ کبھی کوئی گلہ یا شکوہ میرے دل میں جگہ نہیں بنا سکا۔ میں جانتی ہوں آپ نے جو بھی کیا وہ ردعمل تھا۔ آپ کی خفگی تھی غصہ تھا۔ آپ حساس دل ہیں۔ اپنی بہن کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھیں اسی لیے ایسا ہوا میں آپ کی محبت اور آپ کی توجہ نہ پا سکی مگر وہ سب ماضی کا حصہ بن چکا ہے۔ جو ہوا اس کو بھول جانے میں ہی بھلائی ہے۔ زرتاج خالہ کی تکلیف کا احساس ہے مجھے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی حصے کی خوشیاں ان کے حوالے ضرور کریں گے۔ اور آپ اس فیصلے میں میرا ساتھ دیں گی نا بڑی ماما؟'' اس نے ایک آپ سے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا اور انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ان کے چہرے پر طمانیت اتر آئی تھی۔ انہوں نے اطمینان کی گہری سانس لی تھی اور اظل نے ان کو سکون سے آنکھیں بند کر کے دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور ICU سے باہر لے کر نکلا تھا۔ وہ چلتی ہوئی بڑے پاپا کے سامنے جا رکی تھی۔

''میں نے کبھی نہیں چاہا کہ کبھی ایسا ہو ان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی بڑے پاپا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخسار پر پھیلنے لگے تھے۔ انہوں نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھا تھا۔

''روتے نہیں ہیں بیٹا۔ اپنے کیے کی سزا تو بھگتنی ہی پڑتی ہے نا۔ لیکن اللہ کا لاکھ شکر ہے وہ بہتر ہے۔ شاید تمہاری دعاؤں کا ثمر ہے یہ کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ اس کے حق میں دعا کرنا میرے بچے۔ دل سے کدورتیں نکال دینا۔'' انہوں نے شفیق لہجے میں کہا تھا۔

''شاید یہ کوئی مکافاتِ عمل تھا۔'' انہوں نے جیسے خود کلامی کی تھی۔

''نہیں بڑے پاپا۔ انہوں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ جذباتی ہیں تو ذرا جذبات کی رو میں بہہ گئی تھیں۔ انہوں نے جو بھی کیا وہ ان کا شدید ردعمل تھا۔ میں ان کے دکھ کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ وہ غلط قطعی نہیں تھیں۔ اپنوں کی تکلیف اتنی ہی اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کا خمیازہ کوئی نہیں ہے۔ کبھی کبھی کوئی مداوا بھی کام نہیں آتا۔ اس تکلیف کو کم نہیں کر سکتا۔ ان کا ہو جانا کسی معجزے سے کم ہرگز نہیں ہے۔ ان کی زندگی میں بہت سے کام مکمل ہونے والے باقی ہیں۔ وہ جلد صحت یاب ہو کر ہمارے ساتھ ہوں گی ان شاء اللہ تب ہم تمام ادھورے کاموں کو پورا کریں گے۔'' وہ مدھم مگر مدلل لہجے میں ان کی ہمت بندھا رہی تھی۔ اور بڑے پاپا نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور ان کے ساتھ کھڑے عمیر شاہ نے تشکر بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ دادا جان چلتے ہوئے ان کی طرف آئے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''جیتی رہو میری بچی تم نے یہاں آ کر بہت اچھا کام کیا ہے۔ خوش رہو۔ جیتی رہو میری بچی۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور پھر اس نے قدم دادی جان کی طرف بڑھائے تھے۔ نانی جان سے ملنے کے بعد وہ زرتاج شاہ کی طرف بڑھی تھی۔ پورا خاندان Waiting روم میں جمع تھا۔ حمیرا بیگم کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ یہ بات سب کے لئے باعث اطمینان تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وہ ہو جاتا ہے جس کے ہونے کی کوئی توقع بھی نہیں کر سکتا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا یا پھر اسے لگ رہا تھا۔ مگر جو بھی تھا تب کو حیران کر دینے کے لیے کافی تھا۔ سہام مرزا اور نفیسہ بیگم نے ارسلان سہام مرزا کا رشتہ لے کر حیدر شاہ کے گھر گئے تھے۔ حمیرا بیگم صحت یاب ہو کر گھر آ چکی تھیں۔ حسین شاہ کی نانی جان نفیسہ بیگم کی بچپن کی دوست تھیں۔ دونوں نے ایک ساتھ تعلیم کے مراحل طے کیے تھے۔ اتنے سالوں بعد ان سے مل کر دونوں کی عجیب حالت تھی۔ دونوں خاندانوں کی برسوں پرانی دشمنی کی وجہ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اب سالوں بعد جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو وہ دیکھ کر حیران تھیں۔ سہام مرزا نے نہایت بردباری سے مسئلے حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ نہایت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور زرتاج شاہ سے خود ملی تھی ان سے درخواست کی تھی۔ تب انہوں نے سوچنے کا وقت لیا تھا۔ وہ اس وقت خاندان کے بڑے بزرگ تھے دونوں خاندانوں کو ملانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کے سامنے انکار کرنا کسی طور ممکن نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے زرتاج شاہ اپنے والد حاکم شاہ کو انکار کرتی۔ اسی لیے اس نے ان کا احترام کرتے ہوئے ان کے مان کو توڑا نہیں تھا۔ بلکہ کچھ وقت لے کر ان لمحات کو ٹال دیا تھا۔ لیکن وقت رکنے والا نہیں تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ حمیرا بیگم کا ضمیر پہلے ہی ہچکولے لگا رہا تھا اس پر سہام مرزا اور نفیسہ بیگم کی آمد کے مقصد کو جان کر وہ اور بھی شرمندہ ہو گئی تھیں۔ ان کا ملال کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ تبھی تو ایکسیڈنٹ کے بعد سے ان کے لبوں پر صرف حسین شاہ کا ہی نام تھا۔ ان کو ایک پل بھی قرار نہیں۔ جب تک وہ آ کر مل نہیں گئی تھی ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی مگر اس سے مل کر ان کے دل کو قرار آ گیا تھا۔ تبھی تو اس سے کہہ سن کر ان کے دل پر پڑا منوں بوجھ سرک گیا تھا اور ان کی صحت تیزی سے بہتر ہوئی تھی اور وہ ٹھیک ہو کر گھر واپس آ گئی تھیں اور آج وہ زرتاج شاہ کے سامنے بیٹھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے سمجھا رہی تھی۔

''تم میرے لیے ہمیشہ سے اہم رہی ہو۔ میں نے تم میں عمیر شاہ میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا۔ اسی لیے میں نے جو بھی کیا تمہاری بہتری چاہی تھی مگر شاید جذبات میں آ کر ہی میں نے تمہارے ساتھ بہت ناانصافی کر دی لیکن اب وقت آ گیا ہے۔ مجھے اگر زندگی دوبارہ ملی ہے تو اس کا ضرور کوئی خاص مقصد ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ رکے ہوئے اور ادھورے کام تھے جن کو مجھے ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ اس کو مکمل کرنے کے لیے میں یہاں رک گئی ہوں۔ میں اپنی زندگی میں تمہیں خوشحال اور ہنستا بستا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لیے میں یہاں تمہارے سامنے دامن پھیلائے بیٹھی ہوں۔ بیٹا جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے ہم چاہے لاکھ کوشش کریں اس لکھے کو بدل نہیں سکتے یا

ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ جب زندگی کے در پر خوشیاں دستک دیتی ہیں تو ان کے لئے دروازہ کھول دینا چاہئے۔ ان خوشیوں کے لئے دل کے راستے کھلے چھوڑ دینے چاہئیں تا کہ خوشیاں چلتی ہوئی اندر داخل ہو سکیں۔ تم بھی ان خوشیوں کے لئے جو تمہارے دل کے دروازے پر کب سے کھڑی دستک دے رہی ہیں ان کے در کھول دو اور اپنی زندگی کو جی لو۔ رکی ہوئی جامد اور منجمد زندگی کو خوشیوں کی حرارت سے پگھلنے دو۔ اس میں ہم سب کی بھلائی ہے کیونکہ تمہیں خوش و مطمئن دیکھ کر میں بھی سکون کا سانس لے سکوں گی اور چچی جان کی بجی ہوئی زندگی بھی سہل ہو جائے گی۔ ھین شاہ نے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ چچی جان سے بات کر کے ان کو قائل کر کے اور سب سے بڑھ کر تب سے بات کرنے کا حوصلہ اور ہمت اپنے اندر پیدا کر سکی۔ میں تو حیران ہوں جب بات کے بارے میں ہم نے کبھی نہیں سوچا اس بارے میں اس نے کیسے سوچ لیا۔ اس بچی نے تمہاری خوشیوں کو مقدم جانا اور تمہاری زندگی جو رک گئی تھی جس کو تم نے ایک نقطے پر روک دیا تھا اور تمہیں لگتا تھا تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ ان بند راستوں سے اس نے ایک نیا راستہ نکالا جس پر روشنی نے قدم رکھ دیئے اور ان اندھیرا ہو گیا ہے جو تم نے خود اپنے مقدر میں لکھ لئے تھے۔ اب وقت آ گیا ہے۔ اپنے بارے میں سوچو اور زندگی اپنے طریقے سے جیو۔ باقی ماندہ زندگی کو یوں سزا کی طرح مت گزارو۔ ارسلان بہت اچھا انسان ہے۔ شاید دعاؤں کا ثمر ہے وہ۔ جو اتنا نیک فطرت انسان تمہاری قسمت میں لکھ دیا گیا۔ میں خود اس سے ملی ہوں۔ اگر چہ میں تمہاری زندگی کو ایک جگہ ساکن کر دینے کا سبب بن گئی تھی۔ میرا فیصلہ قدرے غلط تھا۔ میں انتقام لینے پر اتر آئی تھی۔ میں نے قسمت کے لکھے کا کسی اور کو ذمہ دار قرار دیا تھا۔ کسی اور کو قصوروار ٹھہرایا تھا مگر اب میں جان گئی ہوں مجھے سمجھ آ گیا ہے۔ لکھے ہوئے کو ٹالا نہیں جا سکتا ہے۔ جب کوئی ایک چیز نہیں ملتی جس کی ہم خواہش کرتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کچھ ایسی نعمت سے نواز دیتے ہیں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ قسمت کے لکھے کو فراخدلی کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے اور ہر حال میں اسی پاک ذات کا شکر ادا کرنا چاہئے جس نے ہمیں موقع دیا اور اس کی نوازشوں پر اس کی حمد و ثناء کر سکیں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ ہم سب کے مشترکہ فیصلے کو ماننے میں کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ ہرگز نہیں کروں گی۔ کیونکہ یہ فیصلہ تمہاری بہتری کے لیے ہے۔'' حمیرا بیگم نے دھیمے لہجے میں سمجھایا تھا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے زرتاج شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ نگاہوں میں ایک آس تھی امید تھی اور زرتاج شاہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کبھی کچھ ہو جائے گا۔ مگر آپ کی زندگی میرے لیے ہر خوشی سے بڑھ کر ہے۔ میں آپ کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ حالانکہ اب تو شاید عمر کا سفر تمام ہونے والا ہے لیکن اگر ایسا کرنے سے آپ کی خوشی ہو گی تو میں آپ سب کی خوشی کے لیے آپ کا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہوں کیونکہ میری خوشی سے کہیں زیادہ بڑھ کر آپ سب لوگوں کا اطمینان اور طمانیت زیادہ ضروری ہے۔ آنے والی نسلوں کی دلوں تک کدورت کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی ہوں میں۔ اس نسل نے جتنے امتحانوں سے گزرنا تھا گزر لیا۔ اب دو خاندانوں کو دشمنی اور کدورت کی نظر نہیں کر سکتی۔ کسی اور کی غلطیوں کی سزا کسی بے گناہ کو ہرگز نہیں دے سکتی۔ وہ معصوم بچی تو مشکل وقت میں

مشعل راہ بن گئی ہے۔ اندھیروں میں راستہ دکھا رہی ہے۔ زندگی کے ایک نئے باب کو رقم کر رہی ہے۔ وہ شایان اور حسنہ کا حصہ ہے جس نے ٹکڑوں میں بٹے خاندان کو پھر سے یکجا اور ایک جان کر دیا ہے۔ اس نے میرے لیے سوچا ہے۔ میری سرد اور جامد زندگی جو اندھیروں سے بھری ہوئی تھی اس نے جب اس کمرے میں قدم رکھا تھا تو اپنے ساتھ روشنی بھی لے کر آئی تھی۔ تبھی تو میں اسے شایان کی آنکھیں کہتی تھی۔ اس کے چہرے پر شایان کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ ویسی ہی چمکدار اور روشنی سے بھری ہوئی نگاہیں جن میں سے روشنی کوندر ہی تھی اور اب وہ روشنی اجالے کا سبب بن گئی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں حسین شاہ کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی اور حمیرا بیگم کے دل پر صدیوں سے پڑا ہوا بوجھ سرک گیا تھا۔ انہوں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا اور دھیمے سے گویا ہوئی تھیں۔

''تم نہیں جانتیں تم نے مجھے بڑی خوشی سے نوازا ہے۔ تم نے ناممکن کو ممکن کر دیا ہے۔ میں یہ خوشخبری سب کو سناتی ہوں۔ وہ لوگ زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ سوا گلے ہفتے تک کوئی تاریخ طے کر دیتے ہی۔ بس اب تم یہاں سے عمیر شاہ کے کمرے میں منتقل ہو جاؤ۔ اس کے لیے دوسرا کمرہ سیٹ کروا دیا ہے میں نے۔ تم نے میری بات مان کر میرا مان بڑھا دیا ہے۔ میں تمہاری مقروض ہو گئی ہوں۔ تم میری بیٹی جیسی ہو۔ میں نے تم میں اور عمیر شاہ میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا۔ ابا جان اور اماں جان کے انتقال کے بعد میں نے ہر ممکن طریقے سے تمہارا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کبھی کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔ اگر میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی ہو گئی تو مجھے اپنی بڑی بہن اور ماں سمجھ کر درگزر کر دینا۔'' وہ مدھم لہجہ پر شفیق تھا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کو پیار سے گلے لگا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

اور زرتاج شاہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ برسوں بعد وہ کھل کر روئی تھیں اور حمیرا بیگم نے پیار سے اس کے سر کو تھپتھپایا تھا۔ وہ معمول کی زندگی جینے لگی تھی۔ شاید تبھی تو برسوں کے منجمد آنسو اب اس کی آنکھوں سے بہہ کر زندگی کی حدت کا احساس دلا رہے تھے۔

''بس آج کے بعد تمہاری آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنا چاہئیں۔ اب مسکرا دو۔ برسوں ہوئے مسکراہٹ کو ان لبوں سے جدا ہوئے۔ میں تو ترس گئی ہوں تمہاری چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کے لیے۔'' انہوں نے شفیق سے انداز میں اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا تھا۔ وہ اب بھی اتنی ہی دلکش تھی۔ اتنے برسوں نے بھی اس پر کچھ خاص اثرات مرتب نہیں کیے تھے۔ ان کی باتوں سے ایک الوہی مسکراہٹ نے زرتاج شاہ کے چہرے کو جگمگا دیا تھا۔

''میرے لیے آپ ہمیشہ سے ایک شفیق بہن اور ماں جیسی رہی ہیں۔ میں نے آپ کی وجہ سے ماں کی کمی کو کبھی محسوس نہیں کیا۔ آپ نے مجھے ہمیشہ بے حد پیار دیا ہے۔ میری خاطر ساری دنیا سے لڑی ہیں۔ میں آپ کی خواہش کو رد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ کا ہر کہا ہوا لفظ حرفِ آخر ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور حمیرا بیگم نے جذباتی ہو کر اسے خود سے بھینچ لیا تھا۔ دل میں اس کی دائمی خوشیوں کی دعا تھی اور پھر چلتی ہوئی کمرے سے باہر کی طرف بڑھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی ناممکنات جب ممکنات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو بے یقینی حد سے سوا ہو جاتی ہے۔ ناممکن کا ممکن ہونا کسی معجزے سے کم نہیں ہوتا۔ یہ ایک حیران کن نظارہ ہوتا ہے۔ اظل سہام مرزا کے لیے بھی یہ خبر کسی دھماکے سے کم ہرگز نہیں تھی۔ مگر یہ حیران کن خبر اس کے لئے طمانیت کا باعث تھی کیونکہ اس خوشخبری سے حسین شاہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور اس کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اس کی نگاہوں سے ٹپکتی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ جب اس نے یہ نیوز حسین شاہ کو سنائی تھی تو اس کا ردعمل شدید تھا۔ وہ بے ساختہ اس کے گلے سے لگ گئی تھی اور اظل سہام مرزا کتنی ہی دیر تک بے یقینی کی حالت میں کھڑا رہ گیا تھا۔ اسے ان لمحات کو گرفت میں لینے میں کتنے ہی لمحے سرک گئے تھے۔ اس نے اسے بانہوں کے حصار میں لیا تھا پھر مدھم لہجے میں اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''تم خوش ہونا حسین شاہ۔ تم نے ناممکن کو ممکن کر دیا ہے۔ اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں نا تم جادوگرنی ہو۔ تم ہر کسی کو اپنے اسم سے باندھ لیتی ہو۔ تمہارا طلسم سے کبھی کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔ زرتاج شاہ اور ارسلان سہام مرزا کو تم نے اپنے سحر میں باندھ لیا ہے۔ ان کو بھی اپنے جادو کے حصار میں مقید کر دیا ہے۔ تم ایسے اسم سے واقفیت کیسے رکھتی ہو؟ تم نے اس اسم کو کیسے ازبر کیا تھا؟ کیسے تم دلوں کو فتح کر لیتی ہو۔ ایک ہی جست میں دل و دماغ کو اپنے بس میں کر کے اپنا مند پسند فیصلہ کر لیتی ہو۔ انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں بچتی ہے۔ ایسا کیسے کر لیتی ہو تم حسین شاہ؟ مجھے بھی سکھا دو نا یہ جادو۔ میرے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے بھی جینے کا احساس کرا دو۔ اس میں اپنی دھڑکنوں کو بھر کر دھیمی لے پر مدھم سروں میں سرگوشیاں کرنے دو۔ اسے ان اسرار و بھیدوں سے آگہی پا جانے دو جو برسوں سے صیغۂ راز بن گئے تھے۔ محبت کی کتھارسس دلوں میں پنپنے دو۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ اس کا سر اس کے کندھے پر تھا اور وہ اس کی دھڑکنوں کو سن رہا تھا۔ حسین شاہ اس کی بانہوں کے گھیرے میں کسمسائی تھی۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے ایک قدم پیچھے ہٹی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اسے آزاد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اپنے بے ساختہ اٹھائے جانے قدم پر شرمندہ سی کھڑی تھی۔ دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو چکا تھا۔ قربت کی وجہ سے سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ اظل کو اس کی حالت پر جیسے رحم آ گیا تھا۔ اس نے گرفت کو ڈھیلا کیا تھا اور پھر بازوؤں کا حصار توڑ دیا تھا۔ اس نے دو قدم پیچھے ہٹا کر فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔ اظل نے دلچسپی سے اس کے خجلت بھرے چہرے کو دیکھا تھا۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر کر مکمل طور پر بیگانگی دکھائی تھی۔ اچانک ہی چہرے کے تاثرات بدلے تھے جیسے بے اختیاری سے کیے عمل سے شرمندہ ہوئی تھی۔ ایک سرد سا احساس اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا اور اظل کو ایک لمحے میں وہ میلوں کی دوری پر کھڑی نظر آئی تھی۔ اس نے حسین شاہ کی طرف بغور دیکھا تھا اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''جب میں تمہاری سرد آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے دسمبر چپکے سے دبے پاؤں چلتا ہوا آ کر تمہاری آنکھوں میں ساکت ہو گیا ہو۔ جیسے دسمبر کے قدم تمہاری آنکھوں میں آ کر منجمد ہو گئے ہیں۔ جیسے سرد اور ٹھٹھرے ہوئے دسمبر کے منہ سے دھوئیں کے غبار تا حد نظر پھیلتے جا رہے ہیں۔ اور سارے منظر دھند کی لپیٹ میں آ کر دھندلانے لگے ہیں۔ گہرے بادل آسمان پر پھیلتے جاتے ہیں اور پھر اچانک ہی

برسات شروع ہو جاتی ہے تو برف کے ننھے منے منشور تمہاری آنکھوں سے نکل کر تمہارے رخسار پر پھیل رہے ہیں۔ برف باری کا یہ نظارہ قدرے محویت کر دینے والا ہوتا ہے۔ ہر منشور میں کتنے ہی رنگ منعکس ہو کر تمہارے چہرے پر پڑتے ہیں تو تمہارے چہرے پر عجیب رنگ پھیلنے لگتے ہیں۔ جیسے خوابوں نے ہراساں نگاہوں سے اپنے اوپر گرتے برف کے گالوں کو دیکھا تھا سفید روئی کے گالوں نے ان خوابوں کو برف تلے دبا دیا تھا اور ساتھ ساتھ میرا دل بھی اسی سرد لہر کے حصار میں آ گیا تھا۔ یہ سرد احساس دل کی دھڑکنوں کو بھی منجمد کر رہا تھا جس نے خوابوں پر ایک سفید تہہ بنا دی تھی اور میں اس امید کے ساتھ کھڑا ہوں کہ جب موسم بہار آئے گا تو میرے خوابوں کے گلابوں پر سے برف کی یہ جمی ہوئی تہہ اپنی حدت سے پگھلا دے گا لیکن میں ان طویل لمحوں کا انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے سرد دسمبر میں اپنا گلاب بننے کی اجازت دے دو کیونکہ میں ہمیشہ سے یہاں کھڑا ہوں۔ تمہاری محبت کے رنگوں سے رنگا ہوا ہوں۔ میں تمہارے لیے دسمبر کا کھلتا گلاب بننا چاہتا ہوں۔ برف میں اٹا ہوا سرخ گلاب۔ تمہاری آنکھوں سے گرتے اوس کے قطروں کو اپنی پنکھڑیوں پر لیتا اور جذب کرتا ہوا گلاب جو تمہارے لیے ہمیشہ تر و تازہ رہے گا۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ آنکھوں سے گرتے قیمتی قطروں کو پوروں پر سمیٹا تھا۔ شاید خوشی کے آنسو تھے وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ خوشی ہو یا غم ہر بار آنسو اس کی آنکھوں میں جگہ کیوں بنا لیتے تھے۔ اسے ان آنسوؤں سے حسد ہونے لگا تھا اور حسین شاہ کا چہرہ اس کی پوروں کی حدت سے جلنے لگا تھا۔ اس نے چہرے کا رخ بدل لیا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سے دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔

''تم میری طرف سے رخ پھیر کر سمجھتی ہو تم نے میری نگاہوں کی حدت سے بچنے کے لیے کوئی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں؟ تم سمجھتی ہو کہ رخ بدل لینے پر یا فاصلے بڑھا دینے سے تم میرے حصار سے نکل پاؤ گی تو ایسا کسی طور ممکن نہیں ہے کیونکہ تم ہمیشہ سے میری نگاہوں کے حصار میں ہو۔ تمہاری ایک جنبش بھی میری مرضی کی پابند ہے۔ تمہاری ایک ایک دھڑکن پر میرا اختیار ہے۔ میری مرضی کے بغیر یہ دل سانس بھی نہیں لے سکتا۔ میں چاہوں تو اس دل کی دھڑکنوں میں ایک حشر برپا کر دوں۔ میں جب چاہوں اس دل کی دنیا تہہ و بالا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔ میں ان سانسوں میں تلاطم برپا کر دیتا ہوں اور اگلے ہی لمحے ان دھڑکنوں کو اعتدال میں لا کر باعث سکون بن جاتا ہوں۔ تم لاکھ منکر ہو، انحراف کرو مگر مجھے چاہ کر بھی جھٹلا نہیں سکتیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم پر یہ عقدہ کھل چکا ہے۔ تم اس بات سے آگاہ ہو۔ نگاہ انکاری ہو بھی مگر دل تردد نہیں کرتا۔'' وہ مدھم لہجے میں اس کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔ وہ اس کے اندرونی خلفشار سے واقف تھا۔ اس کے اندر جو ایک حشر برپا تھا جو ایک انتشار پھیل چکا تھا وہ اس سے انجان نہیں تھا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔ اگر وہ خوش تھی تو پھر اظہار کیوں نہیں کر رہی تھی؟ کیا بات اسے پریشان کر رہی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپ نے قصد کر لیا ہے کہ اپنی خود ساختہ سوچوں کو مجھ پر مسلط کر کے مجھے ان سوچوں کے تسلط کے نیچے دبا دیں گے؟ آپ کو کیوں لگتا ہے جیسا آپ سوچتے ہیں وہ درست بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کو اتنے الہام کیوں ستاتے ہیں اور میری سوچوں کو اپنا پابند کیوں دیکھنا

چاہتے ہیں آپ؟ جب آپ کا دل کسی اور طرف مائل ہے تو اسے قائل کیوں نہیں کرتے آپ؟ اسے خواہ مخواہ ادھر ادھر بھٹکنے کے لیے کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ دل کو ہوش کے ناخن کیوں نہیں لینے دیتے آپ؟ اسے تنبیہ کیوں نہیں کرتے؟ جنوں کے ہاتھوں دل کو سونپ کر اتنے پرسکوں کیوں ہو گئے ہیں؟ آپ آگاہ ہیں آپ کا دل کسی اور منزل کی خواہش دل میں رکھتا ہے پھر دل پر خرد کو حاوی کیوں ہونے دے رہے ہیں؟ سمجھوتے کر کے دل کو پریشان کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک بار سوچ کر فیصلہ کیوں نہیں کرتے؟ خرد کو اختیار سونپ کر دل کو پابند بنانے کی ایک کوشش سراہے جانے کے قابل ہرگز نہیں ہے۔ آپ نہیں جانتے یہ بے اختیاری کا عمل بہت عجیب ہوتا ہے۔ نا چاہتے ہوئے بھی قدم اس طرف اٹھ ہی جاتے ہیں جہاں دل مائل ہوتا ہے۔ دل اپنی سکون کی راہیں تلاش کر ہی لیتا ہے۔ خرد کو قصے کہانیوں میں بہلا کر اپنے حق میں کر ہی لیتا ہے۔ تب خرد بھی دل کے فیصلوں پر سرنگوں ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ہونے والے نقصان کا اندیشہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ میرے دل کو کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ اندیشوں میں مبتلا کر رہا ہے۔ میں حیران ہوں آپ اتنے مطمئن کیسے نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کوئی شکوہ کیا تھا۔ دبے دبے لفظوں میں کتنی شکایتیں تھیں۔ وہ اسے جھٹلا رہی تھی۔ پھر کون سے اندیشے اسے ہراساں کر رہے تھے۔ اگر زرتاج کی خوشی اس کے لیے سب سے بڑھ کر تھی تو پھر وہ کون سی بات تھی جس نے اس کی مسکراہٹ کو ایک خوف نے معدوم کر دیا تھا۔ وہ خوف شاید اس کی خوشی پر حاوی ہونے لگا تھا۔ اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اعظم سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا۔ خاموش نگاہوں میں شکایتوں کے انبار تھے۔ شکایتی نگاہیں جو اس کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کروا رہی تھیں۔ وہ ایک لمحے کو رکی تھی پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''میں وہ لفظ نہیں سننا چاہتی جو آپ کہہ رہے ہیں مجھے وہ سننا ہے جو آپ نے اب تک نہیں کہا۔ میرا ابھی وہی شکوہ ہے جو آپ کی زبان پر آتے ہوئے رہ جاتا ہے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ محبت کے واسطے کے راستے بدل رہے ہیں۔ اس کوشش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ محبت کو مطمئن کرنے کے بہانے ڈھونڈنے کی سعی کر رہے ہیں۔ آپ کا مقصد مجھے جتانا ہے یا پھر حقیقت کو چھپانا۔ یا پھر گمان کو یقین بننے سے روکنا۔ آپ قصداً ایسا کر رہے ہیں۔ ایسے میں محبت الجھنوں کے گھنے جنگل میں بھٹکتی رہتی ہے۔ کتنے ہی اندیشے محبت کے دل کو دبوچ لیتے ہیں۔ کتنے ہی وسوسے محبت کو ہراساں کرتے ہیں۔ کتنے ہی خدشات محبت کے پیروں کو جکڑ لیتے ہیں اور محبت کے قدم وہیں تھم جاتے ہیں۔ وہیں ساکت قدموں کے ساتھ کھڑی محبت کا دل شک کے بیجوں کی آبیاری کرتا ہے اور ایسے میں شک کے درخت تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ گھنے جنگل میں بے چین سی محبت سے سمت چلتی رہتی ہے۔ ایسے میں آپ اس محبت کی تلاش میں نکل بھی آئیں تو آپ اس محبت کو پکڑ نہیں سکتے۔ ایسے آپ چاہے محبت کو یقین دلانے کی کتنی بھی کوشش کر لیں سب رائیگاں جانے کا اندیشہ بڑھنے لگتا ہے۔ آپ محبت کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کی کمزوری ان لمحات کو نگل جائے گی۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں تھی۔ آنکھوں میں یقین اور بے یقینی کی کیفیت نمایاں تھی۔

''میں نے خوابوں کی تتلیوں کو اپنی مٹھی میں مقید کرلیا ہے۔ان کے سارے رنگ نا صرف میری ہتھیلیوں پر چسپاں ہوگئے ہیں بلکہ میرے دل پر بھی۔تنکا تنکا جمع کر کے میں نے ساری رات جگنوؤں کا تعاقب کیا ہے۔لمبی طویل گھپ اندھیری راتوں میں چاندنی کی تلاش میں میلوں کا سفر طے کیا ہے۔نیند میں کوئی مدھم مدھم سرگوشی میں مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے جیسے ویرانوں میں کسی سودائی کی آواز گونجتی رہتی ہے۔کسی کا جنوں دبے پاؤں چلتا ہوا دل کے دروازے پر تسلسل سے دستک دیتا رہتا ہے۔پھر اچانک ہی گہرا سکوت چھانے لگتا ہے اور اس ویرانے میں ہوا کس سنسناہٹ سنائی دینے لگتی ہے۔تنہائی کی ریت اڑنے لگتی ہے

ایسے میں گہری تاریک رات میں خوابوں کے تاروں کی فصلیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔اچانک ہی کمان کی چاندنی درانتی بن کر میرے خوابوں کی فصل کی کٹائی شروع کردیتی ہے اور میرے خوابوں کو کاٹ چھانٹ کر ان پر اپنا تسلط جما لیتی ہے۔ان پر قبضہ جما کر میری آنکھوں کو سونا کردیتی ہے۔تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تم اس چاندنی سے باز پرس کیوں نہیں کرتے جس نے میرے خوابوں کے جگنوؤں کو ایک جار میں بند کر کے سنہرے بادلوں کی طاق پر رکھ دیا ہے۔اس نے میرے خوابوں کو میری آنکھوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔مجھے تو صاف لگتا ہے اس چاندنی کو میرے خوابوں سے بیر ہو چلا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کتنے خدشات تھے۔وہ دھیمے لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔اظل نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کا دل ان سرمئی سمندروں میں ڈوبنے لگا تھا۔وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ھین شاہ تمہارا انجان خوف اور وسوسے تمہاری خوشیوں پر حاوی ہو کر ان کے اثرات کو زائل کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔میں تمہاری آنکھوں میں درج شکایات کے انبار حرف حرف پڑھ سکتا ہوں۔میں جانتا ہوں وہ تمام باتیں جو تم نے مجھ سے کبھی نہیں کہیں، دانستہ یا غیر دانستہ تم کہنے سے ڈرتی ہو۔ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتی ہو مگر تمہاری اس چپ اور خاموشی میں مدفن سارے اسرار اور بھیدوں سے واقفیت ہے مجھے۔تمہاری آنکھوں میں درج کتھارسس کو جاننا جاں گسل عمل ہے۔لیکن جنوں کو ضد ہوگئی ہے تبھی چپکے سے دبے پاؤں چلتا ہوا آکر میری آنکھوں سے تمہاری آنکھوں تک سفر طے کر چکا ہے۔ان کتھارسس کی بھول بھلیوں کے گنجل پیچ دار راستوں پر چلتا ہوا عشق کی منازل طے کر رہا ہے۔تم جو یوں حیران نگاہوں سے دیکھ رہی ہو، بے یقینی سے بھری حیرت زدہ نگاہیں میرے بڑھتے قدموں کو ڈگمگانے کا سبب بن جائیں گی اور مجھے تو صاف لگتا ہے تم قصداً میرے قدموں کو روکنا چاہتی ہو۔تمہارا ارادہ مجھے کچھ خاص بھایا نہیں ہے۔اگر یہ تدارک کرنے کا کوئی طریقہ ہے تو میں اسے قطعی نہیں سراہوں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں جتا رہا تھا۔اسے باور کرا گیا تھا۔اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتا ہوا تنبیہ کر رہا تھا اور ھین شاہ سے بچنا دشوار ہوگیا تھا۔اندرونی چپقلش چہرے پر صاف عیاں ہو رہی تھی۔وہ اندر چھڑنے والی جنگ کے اثرات چھپانے میں قطعی طور پر ناکام ہوئی تھی۔نگاہیں چرا لینا بھی حل نہیں بن سکا تھا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے اس کی اجازت مجھے آپ سے لینا ہوگی۔آپ کے عمل پر اگر کوئی ردعمل ظاہر ہوتا ہے تو اس سے آپ کو اتنی پریشانی کیوں ہو رہی ہے؟ آپکا دل مشکل میں کیوں پڑ گیا ہے یا پھر آپ کو ادراک ہوگیا ہے

کہ معاملہ آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔آپ کو آگاہی ہوگئی ہے کہ تمام اختیارات آپ کے ہاتھوں سے نکل رہے ہیں۔آپ کے دل و دماغ میں کھلبلی مچ گئی ہے۔آپ کے دل و دماغ میں چپقلش چل رہی ہے۔اندرونی خلفشار صاف عیاں ہوگیا ہے۔آپ کے اندر جنگ کا سماں ہے۔آپ کو خدشہ ستا رہا ہے کہ آپ بے اختیار ہو جائیں گے حالانکہ آپ کو چیزوں کو اپنے حصار سے نکلنے نہیں دیتے۔آپ بااختیار ہو کر بھی ان خدشات کے زیر ہو گئے ہیں۔بہت عجیب لگ رہا ہے یہ فعل۔جب دل قدم آگے بڑھا چکا ہے تو پھر پیچھے مڑ کر کیوں دیکھتا ہے؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔آپ کے دماغ نے دل کے قدموں میں بیڑیاں کیوں ڈال دی ہیں؟ آپ کا دل دماغ کے خلاف چل رہا ہے دونوں میں فاصلہ بڑھ چکا ہے۔آپ ان فاصلوں کو ناپ نہیں سکتے؟ ان فاصلوں کی پیمائش نہیں کی جاسکتی ہے۔اگر اس پیمائش کے فاصلے ناپنا بھی شروع کردیں گے تو اس دل و دماغ کے فاصلوں کو ناپنے کی اکائی تلاش کرنا مشکل ہوگا۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی عجیب حکایتیں بیان کررہی تھی۔اگر وہ اسے حیران کردینا چاہتی تھی تو وہ اسے حیران کرنے میں کامیاب رہی تھی۔وہ اس کی بات کی گہرائی تک پہنچ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کس بارے میں بات کررہی تھی۔

''دل و دماغ کے فاصلوں کی آگاہی شاید بدگمانی ہے۔اسی بدگمانی نے فاصلوں کو صدیوں پر محیط کردیا ہے۔'' اس نے توجیح پیش کی تھی۔

''ایکسکیوزمی..... مجھے دادا جان بلا رہے ہیں۔ہم اس معاملے پر پھر کبھی بات کریں گے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔پھر رکی نہیں تھی۔شاید فرار کی کوئی راہ تھی تبھی تو تیزی سے نکلی تھی اور اس کے قریب سے گزر کر نکل گئی تھی اور وہ کھڑا ہوا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے فاصلوں نے چہرے پر تناؤ کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔بدگمانی کم ہونے کی بجائے بڑھتی جارہی تھی۔یہی بات اس کے لیے پریشانی کا باعث بنتی جارہی تھی۔وہ چلی گئی تھی مگر اس کی سوچوں کو مزید الجھا گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی زندگی حیران کردینے کے درپے ہوتی ہے۔واقعات کچھ اس طرح ایک تسلسل سے نمودار ہوتے ہیں کہ ان کو اگر بغور دیکھا جائے تو کڑی سے کڑی ملتی جاتی ہے اور تعلق کچھ اور بھی گہرا ہوتا ہے۔ان چیزوں اور باتوں کے درمیان ربط کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔روابط بڑھتے جاتے ہیں۔ان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ارسلان سہام مرزا حیران نگاہوں سے تائی کی طرف دیکھ رہے تھے جو اس کے کانوں نے سنا تھا اسے سن کر بھی اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔اس خبر کے درست ہونے پر اسے شک ہوتا اگر یہ خبر خود نفیسہ بیگم نے نہ دی ہوتی۔

''تائی جان مجھے تو یقین ہی نہیں ہورہا اگر ایسا ممکن بھی ہوسکتا ہے۔زرتاج شاہ کا مان جانا کسی معجزے سے کم ہرگز نہیں ہے۔مجھے تو کوئی خواب کی سی کیفیت لگ رہی ہے۔'' وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔وہ اس کو خوشخبری سنا کر حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی شاید۔

''بیٹا جو ہوا اس میں تمام تر کوشش حسین شاہ کی ہے۔کوئی اس مشکل کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔سچ کہوں تو میرے لیے تو ایسا سوچنا بھی محال تھا۔کسی کے اوسان وگماں میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ممکن ہو بھی سکتا ہے۔یہ یقینی طور پر ناممکنات میں شمار ہونے والا فعل تھا مگر اس بچی نے ناممکن کو ممکن کر کھایا ہے۔سچ کہوں تو مجھے اس کی سمجھداری اور بردباری پر کبھی بھی شک نہیں رہا مگر ایسا سوچنا بھی محال لگ رہا تھا۔کجا سب کچھ ممکن کر دکھانا۔مگر اس بچی نے ثابت کر دیا تا کہ اگر لگن سچی ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے اور اس بچی کی فطرت میں ہار ماننا شامل نہیں ہے۔اس نے تمہاری خوشیوں کی جنگ لڑی ہے۔اس لڑکی کی زندگی کو اندھیروں سے نکالا ہے۔آفرین ہے اس کی دانشمندی اور اس کی تربیت پر۔جس نے اپنی دانشمندی سے دو زندگیوں کو نئی راہ دی ہے مجھے اس پر فخر ہے کہ وہ میری پیاری بہو ہے۔اظل نے ضرور کوئی نیکی کی ہوگی جس کا اجر اسے ایسی شریک حیات کے طور پر ایسی نیک سیرت لڑکی ملی جو دوسروں کے بارے میں سوچتی ہے۔جسے اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کی خوشی زیادہ تسکین دیتی ہے۔یہ بات باعث اطمینان ہے۔ہمارے خاندان کی روایات برقرار رہیں گی اور خاندان کی داغ بیل اچھے ہاتھوں میں ہے۔''انہوں نے شفیق لہجے میں اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

''آپ درست کہتی ہیں تائی جان میں آپ کی بھرپور تائید کروں گا۔میں نے کبھی نہیں سوچا تھا زندگی یوں اپنے اپنے رازوں کے در وا کرے گی۔جس چیز کے حصول کے لیے کبھی خواہش بھی نہیں کی وہ خواہشات پوری ہو جائیں گی۔خوابوں کو اچانک تعبیر مل جائے گی۔اچانک جیسے کایا پلٹ گئی ہے۔مجھے تو لگتا ہے زندگی مجھ پر مہربان ہو گئی ہے۔مجھے اپنا کوئی ایسا نیک فعل یاد نہیں آ رہا جس کے عوض یہ انعام ملا ہو۔مگر میں اقرار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔یہ صرف اظل کی شریک حیات کی بدولت ہی ممکن ہو پایا ہے۔اظل اور اس کی شریک حیات کی طرف سے میرے لیے انمول تحفہ ہے۔''ارسلان سہام مرزا نے عجیب بے ربط سے انداز میں کہا تھا۔خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

''میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کل تک جیسے صرف سوچا تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آنے والا ہے۔حمیرا بیگم جیسی سخت مزاج خاتون کا مزاج بدلنا کسی معجزے سے کم ہرگز نہیں۔سب کچھ حیران کن ہے۔میں تو ابھی تک حیرت زدہ سا ہوں۔لگتا ہے کسی خوابوں کی انگلی تھام کر چل پھر رہا ہوں۔''وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میرے بچے خوشیاں ایسے ہی مہربان ہوتی ہیں۔تم دونوں نے مشکل اور دشوار وقت گزارا ہے۔اپنی خوشیوں کو دوسروں کے لیے قربان کر دینا بہت بڑی بات ہوتی ہے۔زرتاج شاہ نے اپنی محبت کی قربانی دی لیکن وہ قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ان دونوں کی بیٹی نے اس کے سوچا جو لڑکی کی اس کی ماں اور باپ کی خوشیوں میں حائل نہیں ہوئی بلکہ اس نے ان دونوں کی زندگی کو آسان کیا اور اپنے آپ کو اپنے احساسات اور جذبات کو ایمانداری کے ساتھ ایک انسان کے ساتھ وقف کر دیا۔میں امید کرتی ہوں تم بھی بھولے سے اسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دو گے۔اسے کبھی جتاؤ گے نہیں۔نا ہی اسے ان لمحوں کی یاد آنے دو گے۔ہمارے بھروسے کو ہمیشہ قائم رکھنا۔''

انہوں نے دست شفقت اس کے سر پر رکھا تھا اور پھر پر یقین نگاہوں سے ارسلان کی طرف دیکھا تھا اور اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر یقین دہانی کرائی تھی۔

''آپ نے ایسا کیوں سوچا تائی جان؟ میں ایسا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ایسا ہو جائے گا لیکن میں اس کے احساسات اور جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ اس کا احترام کرتا ہوں۔ اس کی ایمانداری اور وفاداری کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ مگر ایک بات مجھے مسلسل خدشات میں مبتلا کر رہی ہے کہ اس نے کہیں حمیرا بیگم کے دباؤ کی وجہ سے تو اس رشتے کو قبول تو نہیں کیا؟ کیونکہ ان کے لیے یقیناً یہ آسان نہیں ہوگا میں سمجھ سکتا ہوں۔ اندازہ ہے مجھے کہ کن کٹھن مراحل سے گزرنا پڑ رہا ہوگا۔ میں ایک بار ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جانتا ہوں ان کے دل میں بے شمار اندیشے ہوں گے۔ بے شمار خدشات اور اوہام ہونگے جو انہیں ہراساں کر رہے ہونگے۔ میں ان کو یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں۔ میں ان کی زندگی میں شایان شاہ کی جگہ لے کر ان کے احساسات پر قابض نہیں ہونا چاہتا۔ میں ان کی زندگی میں شامل ہو کر ان کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں زندگی کا وہ باب بند ہو چکا ہے اور محبت اپنے راستے خود تلاش کر لے گی اور زندگی اپنی راہیں خود تلاش کر کے چلنا شروع کر دے گی جب دونوں ساتھ ہوں گے تو تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو مل کر دور کر لیں گے۔ مجھے ان کو یہ سب بتانا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان سے مل سکتا ہوں تائی جان۔ صرف ایک بار۔ ان تمام معاملات کے طے ہونے سے پہلے۔ اگر آپ اجازت دیں تو پھر ورنہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ جو بھی آپ کا فیصلہ ہوگا مجھے قبول ہوگا۔ آپ کی نافرمانی کرنے کی جسارت بھی نہیں کر سکتا ہوں میں۔ یہ تو طے ہے۔'' وہ مدھم لہجہ احتراماً دھیما تھا۔ مؤدب انداز سے سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ تائی جان کو اپنی ماں ہی کی طرح احترام دیتے تھے۔ ان کے آگے اس نے کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ وہ جانتی تھیں تبھی سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''بیٹا تم دونوں کی زندگی کا فیصلہ لیا گیا ہے اس لیے یہ حق تم دونوں کو حاصل ہے کہ ایک دوسرے سے بات چیت کر کے غلط فہمیوں کو دور کر سکو اور بدگمانی کو درمیان میں آنے نہ دو گے اگرچہ زرتاج شاہ پر جذباتی دباؤ تھا۔ اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر ہاں کی ہوگی یہ خدشہ غلط نہیں ہے مگر اب تمہیں اس کے دل میں دبے ڈر اور خوف کو کم کرنا ہے۔ اس کو اعتماد اور بھروسہ دینا ہے کہ تم زندگی کے ہر قدم پر اس کا ساتھ دینے کی بھرپور کوشش کرو گے۔ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑو گے۔ اب تم پر یہ فرض ہے ان تمام معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھاؤ۔ میں حمیرا بیگم سے اور انکی چچی جان سے بات کر کے تمہیں بتاتی ہوں۔ تب تم مل سکو گے زرتاج شاہ سے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ شفیق انداز بردبار تھا اور مدلل تھا۔ وہ ان دونوں کے احساسات اور خدشات کو سمجھ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے تائی جان میں چلتا ہوں۔ اجازت دیجیے۔ میں اظل سے مل لوں۔ کتنے دن ہوئے ہم دونوں نے گھڑ سواری نہیں کی ہے۔'' وہ احتراماً سر جھکائے کھڑے تھے اور ان کی اجازت کے منتظر مؤدب سے انداز میں ان کے اگلے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔

''ٹھیک ہے۔ جیتے رہو۔ پھر بعد میں بات کریں گے۔'' نفیسہ بیگم نے اجازت دی تھی اور پھر اٹھی تھیں اور چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حین شاہ اسٹڈی روم کی طرف بڑھی تھیں۔ سارے معاملات خوش اسلوبی سے طے پا رہے تھے۔ جیسا اس نے چاہا تھا ویسا ہو رہا تھا مگر نجانے کیوں دل کو سکون میسر نہیں تھا۔ ایک عجیب بے چینی نے گھیر لیا تھا۔ ایک عجیب سی بے قراری دل کی دھڑکنوں میں حشر برپا کر رہی تھی۔ حمیرا بیگم تیزی سے صحتیاب ہو رہی تھیں ان کی طرف سے فکر نہیں تھی۔ تو پھر کیا معاملہ تھا؟ وہ شاید جان کر انجان بن رہی تھی مگر دل کی حالت غیر تھی۔ کچھ معاملات اب بھی پریشان کر رہے تھے۔ اسے دادا جان سے بات کرنی تھی تاکہ ان معاملات کو سلجھا سکے۔ ان الجھنوں کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ابھی دروازے کے قریب ہی پہنچی تھی جس زرتاج شاہ کی کال آ گئی تھی۔ وہ شاید عمیر شاہ کا نمبر استعمال کر رہی تھی۔ اس کی کتنی ہی مسڈ کالز تھیں جب اس نے کال پک نہیں کی تھی تو اس نے میسج بھیجا تھا۔

"It's me Zartaj Shah, I want to talk to you Hayyin Shah... ring me or pick call..."

حین شاہ نے کال پک کی تھی اور دوسری طرف زرتاج شاہ تھیں۔

''کہاں ہو تم حین شاہ؟ مجھے مشکل میں ڈال کر خود کہاں غائب ہو گئی ہو تم؟ شایان کی آنکھیں تم مجھ سے ملی ہی نہیں ہو۔ تمہاری خاطر میں نے کھٹنائیوں کی طرف سفر کرنے کا قصد کر لیا ہے مگر تمہاری روشنی بڑھنے کی بجائے کم ہوتی کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ تمہاری آواز میں ایک عجیب سا احساس ہے تم کب کس الجھن میں شایان کی آنکھیں؟ تم ایک کام کیوں نہیں کرتی ہو؟ ایک ہی بار تم اپنی ساری پریشانیاں تم میری جھولی میں ڈال کر خود پرسکون کیوں نہیں ہو جاتی ہو؟ اگر تم پریشان ہو گی تو شایان بھی تو پریشان ہو گا۔ تم کیا چاہتی ہو؟ اس کی روح بے سکون ہو جائے؟ ابھی فوراً آ جاؤ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا رہی تھی، اسے باور کرا رہی تھی جیسے وہ اس کی اندرونی حالت سے آگاہ ہو گئی تھی۔

اور حین شاہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے فون کی اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔ اسے کیسے اندازہ ہو گیا تھا۔ اتنے فاصلوں پر بیٹھ کر بھی وہ بغیر دیکھے اس کی آنکھوں کی روشنی اور اس کے تاثرات سے آگاہ تھی۔ اس کے احساسات اس سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔

''آپ کو کیسے خبر ہو گئی زرتاج شاہ؟ آپ مجھے دیکھ رہی ہیں کیا؟ میری آنکھوں کی روشنی مدھم پڑ گئی ہے۔ یہ آپ کا خیال مجھے حیران کر گیا ہے۔ میں حیرت کدوں میں کھو گئی ہوں۔ میرا دل بے چین ہے اس کی خبر آپ کو ہو گئی۔ میں نہیں جانتی یہ کیسا تعلق ہے۔ یہ کیسا ربط ہے، یہ کونسے واسطے ہیں جن کا احساس آپ کے دل کو چھو گیا ہے۔ تبھی تو آپ میرے دل کے احوال سے آگاہ ہو جاتی ہیں کیونکہ دلوں کے تار جڑے ہوئے ہیں۔ یہ روابط پرانے ہیں جن میں واسطے ہر گزرتے پل کے ساتھ مزید گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ میں جان گئی ہوں،

سمجھ گئی ہوں۔اس بات کا احساس ہوگیا ہے مجھے اور آپ مزید مجھے حیران کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔شاید اعتراف کررہی تھی۔دھیما لہجہ قدرے کمزور تھا۔شاید اندرونی خلفشار اسے توڑ پھوڑ رہا تھا۔

''میرا دل مجھے آگاہ کررہا تھا شایان کی آنکھیں۔تم مجھ سے چھپانے کی لاکھ جتن کرلو مگر تم اس تغافل کو چھپا نہیں سکتیں۔جب وسوسے تمہاری آنکھوں میں بسیرا کرلیتے ہیں تو روشنی کی راہیں مسدود کردیتے ہیں۔ان وسوسوں کے سائے کم ہوتی روشنی کے ساتھ مزید بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ان سایوں کا قد اور بھی لمبا ہوتا چلا جاتا ہے۔ایسے میں وسوسوں کو تقویت مل جاتی ہے۔ان کے دل میں طمانیت بھر جاتی ہے کہ انہوں نے سوچوں پر قابض ہوکر قلیل لمحوں کو کثیر کردیا۔دل ان سایوں کے قد کو کم کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہوجاتا ہے۔امید کے کتنے ہی دیئے جلاتا ہے مگر اس روشنی میں بھی سائے کہیں دور نہیں جاتے وہیں ڈیرہ جما لیتے ہیں۔ایسے میں آنکھوں کی مدھم پڑتی روشنی میں ان وسوسوں کے ساتھ کچھ اندیشے بھی اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔اور آنکھوں کی دبیز پرتوں پر یہ وسوسے مزید پھیلنے لگتے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بغیر دیکھے میلوں کی دوری پر بیٹھے ہوئے بھی اسے سطر سطر پڑھ رہی تھی۔نجانے کیسا عجب رشتے جڑا ہوا تھا اس کے ساتھ۔یا پھر محبت کے خواص اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ رشتوں میں عیاں ہورہے تھے جو دل سے منسلک تھے۔بظاہر ان رشتوں کو کوئی بھی نام دیا جاسکتا تھا مگر وہ رشتے دل سے قرب تر تھے۔زرتاج شاہ کے الفاظ عین شاہ کے لیے حیران کن تھے۔یا پھر وہ شروع سے ایسے ہی حیران کرنے کا عادی بنا چکی تھی۔اس کے لیے اب یہ معمول کی بات تھی۔

''میں آپ کے آس پاس آرہی ہوں زرتاج شاہ۔میرا انتظار کریں آپ۔پھر تفصیلاً ساری باتیں کریں گے۔'' اس نے مطلع کیا تھا۔اور کال منقطع کردی تھی۔وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''حلیمہ بی بی دادا جان کو بتا دیجئے گا میں زرتاج شاہ کی طرف جارہی ہوں۔جلد واپس آجاؤں گی۔'' اس نے حلیمہ بی بی کو دیکھ کر کہا تھا جو دادا جان کے لیے چائے لے کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ رہی تھی اور اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی عین بی بی میں بتادوں گی۔آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے مؤدب انداز میں کہا تھا۔

''ڈرائیور گاڑی نکالو۔بڑے پاپا کے گھر جانا ہے۔جلدی کرو۔'' اس نے ڈرائیور کو تحکم بھرے انداز میں کہا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا اور اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا پھر گاڑی کا دروازہ بند کیا تھا۔تبھی اظل چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا اور اس کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لے لی تھی۔اس کو جانے کا اشارہ کیا تھا اور خود چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔پچھلے دروازے کے پاس رک کر دروازہ کھولا تھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر اس کو باہر نکالا تھا اور ساتھ لے کر دو قدم چلا تھا اگلا دروازہ کھول کر اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا تھا اور پھر اس پر جھکا تھا اور سیٹ بیلٹ لگایا تھا۔اظل سہام مرزا کی قربت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور دھڑکنوں نے شور مچا دیا تھا۔وہ اس سے جتنا دور بھاگنے کی کوشش میں سرگرداں تھی وہ اتنا ہی اس کے پاس آکر اس کی فرار کی ساری راہیں مسدود کرنے پر تلا ہوا تھا۔تبھی تو یوں آکر اس کو پھر

سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اور اس لمحے وہ مکمل طور پر بے بس دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سیٹ بیلٹ لگا کر مڑا تھا۔ دروازہ بند کیا تھا اور پھر چلتا ہوا گاڑی کی دوسری طرف آیا تھا اور دروازہ کھول کر بیٹھا تھا۔ سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جو بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملنے پر اس کا چہرہ خجلت سے سرخ پڑ گیا تھا۔ اس نے نگاہیں یوں چرالی تھیں جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔

''اگر یہ کوئی فرار کی راہ تھی تو تم اس میں بری طرح ناکام ہو چکی ہو حین شاہ۔ تم کیا سمجھتی ہو اگر تم مجھ سے دور چلی جاؤ گی تو میرے حصار کو توڑ پاؤ گی جو تمہارے اردگرد عنکبوت کی طرح بنا ہوا ہے؟ تم یہ کیسے بھول جاتی ہو جب میری نگاہیں تمہارے اردگرد محاصرہ بنا چکی ہیں تمہیں محصور کر کے تمہاری باہر نکلنے کی ساری راہیں بند کر چکی ہیں پھر تم کوشش کر کے اپنا وقت کیوں برباد کرتی ہو تم یہ کیسے بھول سکتی ہو حین شاہ کہ میری آنکھوں چاروں طرف پھیل چکی ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں نئے طرز تخاطب کے ساتھ مخاطب تھا۔ اگر اسے جتانا مقصود تھا تو وہ اسے باور کرا گیا تھا۔ وہ نگاہوں میں حیرت لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ نگاہوں میں الجھن تھی مگر چہرے پر طمانیت پھیلتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے اظل سہام مرزا؟ آپ نے میری سوچوں پر قبضہ جما لیا ہے؟ میری دھڑکنوں کو محصور کر کے مقید کر لیا ہے؟ آپ کو یہ خوش فہمی کیونکر ہوئی ہے؟ آپ کتنی ہی کوشش کر کے دیکھ لیں آپ میرے دل کے اندر داخل ہونا تو دور دل کے الجھی ہوئی گنجل راہوں پر سفر بھی نہیں کر سکتے اور نا ہی میری سوچوں تک رسائی پا سکتے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں میری سوچیں آپ کے حصار میں ہیں تو یہ سراسر آپ کا وہم ہے۔ آپ میرے دل و دماغ تک کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔ یہ بات آپ تسلیم کر لیں کیونکہ آپ کی ساری کوشش رائیگاں گئی ہیں۔ یا پھر آپ نے قصداً ان راہوں کو ہموار کرنے کی کوشش جو گنجل ہو کر مزید الجھ چکی ہیں بھول بھلیوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں ایسے میں راستہ تلاش کرنے کا سوچنا بھی محال لگتا ہے۔ آپ کو بھی ادراک ہو چکا ہے مگر پھر بھی تدارک کرنے میں جتے ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والا معمہ بن گیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں اسے جتا رہی تھی۔ اس کا انداز ناصحانہ تھا۔ اس نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

''حین شاہ تمہارا رویہ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے جیسے تم جان بوجھ کر مجھے پریشان کرنے کے درپے ہو۔ اگر تم سب کچھ جانتی ہو اور سمجھتی ہو پھر اس طرح کا ناصحانہ رویہ سمجھ میں نا آنے والا ہے۔ تمہیں ناصح بننے کا اتنا شوق کیوں ہو چلا ہے؟ اپنی سوچ کو زبردستی مجھ پر مسلط کر کے اپنا تسلط میری سوچوں پر جمانا چاہتی ہو یہ عمل قطعی طور پر سراہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ دانشمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان حکایتوں کو لایعنیاں قصوں کی طرح بیان کرتی ہو۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا اس کی طرف دیکھا تھا جو استفہامیہ انداز میں دیکھ رہی تھی پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تم نے اپنی بدگمانی سے ہمارے رشتے کے دھاگوں کو الجھا کر گنجل کر دیا ہے۔ ان دھاگوں میں بدگمانی کی کتنی ہی گرہیں لگا دی

ہیں میں ان گرہوں کو کھولنے کی سعی کرنے میں بری طرح ناکام ہو جاتا ہوں۔ بمشکل ایک گرہ کھولتا ہوں تو تم دوسری گرہ لگا کر اس گرہ کو پھر سے مضبوط کر دیتی ہو۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں ان بدگمانی کی گرہوں کو کبھی کھول نہ سکوں۔ تم نے میرے لیے جاں گسل لمحات بنا دیئے ہیں۔ میری پوری جان مشکل میں کر دی ہے۔ میں ان الجھے دھاگوں کا سرا تلاش کر ان الجھے دھاگوں کو سلجھانے کی کوشش میں جت گیا ہوں۔ تناؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ الجھے ہوئے دھاگے سلجھنے کی بجائے کچھ اور بھی الجھ گئے ہیں۔ تم الجھے دھاگوں کا جال بن کر مجھے اس میں محصور کر کے پرسکون محسوس کرتی ہو۔ یہ جان گیا ہوں میں۔ میری مشکل تمہارے لیے باعث اطمینان ہے۔ تم مجھے حصار میں مقید کر کے مطمئن ہو جاتی ہو۔ کیوں کہ تم جانتی ہو ان دھاگوں کی گانٹھوں کے ساتھ مجھے بھی باندھ لیتی ہو۔ ایسا تم قصداً کرتی ہو یا ارادتاً میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں قدرے الجھا ہوا تھا۔ چہرے پر تناؤ قدرے بڑھ گیا تھا۔ آنکھوں میں الجھن کے آثار نمایاں ہو گئے تھے اور حین شاہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں ہوئی تھی۔ لاتعلق نظر آنے کی بھرپور سعی کی تھی۔

''تم جو گریزاں ہو لاتعلقی سے سرمئی سمندروں کے رخ موڑنے کی کوشش کر رہی ہو تمہیں کیا لگتا ہے اس طرح گریزپا ہو کر تم آنکھوں میں امڈ آنے والے تغافل کو چھپا پاؤ گی؟ یا پھر تم ڈرتی ہو کہ اگر تم ان سمندروں کا رخ میری طرف پھیرا تو کہیں یہ سرمئی بپھرے ہوئے سمندر مجھے اپنے ساتھ بہا کر نہ لے جائیں؟ تمہاری یہ لاتعلقی اور گریزپائی بے وجہ قطعی نہیں ہے۔ تمہارے خدشات جو تمہیں ہراساں کر رہے ہیں ان کے پیچھے چھپی وجوہات صاف عیاں ہیں صاف کہہ کیوں نہیں دیتی ہو تم؟ اگر وضاحت درکار ہے تو پوچھ لینے میں کیا قباحت ہے؟ خود کو سزا دے کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ اگر تم اذیت سے گزر رہی ہو تو میں بھی بے چین ہوں۔ میرا سکون و قرار تم نے چھین لیا ہے۔ تم نے بدگمانی کے قدموں کو روکنے کی بجائے ان قدموں کی رفتار کو مزید تیز کر دیا ہے۔ بدگمانی نے تمہاری آنکھوں کے سمندروں پر پہرے لگا دیئے ہیں۔ حفاظتی بند باندھ خدشات کے لیے راستے ہموار کر دیئے ہیں۔ ان خدشات اور اندیشوں نے مل کر ان سمندروں میں طغیانی کو بڑھا کر ایک حشر برپا کر دیا ہے۔ تبھی تو تمہاری آنکھوں میں تلاطم بڑھتا ہوا صاف دکھائی دے رہا ہے۔ مجھے تو صاف لگتا ہے تم اس طغیانی میں مجھے ڈبو دو گی۔ میرا بچنا محال ہے۔'' وہ مدھم لہجہ بے بس تھا۔ دھیمے لہجے میں اضطرابی تھی۔ آنکھوں میں بے چینیوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔

حین شاہ نے نا چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ آنکھیں نجانے کیوں سمندر بننے لگی تھیں۔ وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ایسا کسی طور ممکن نہیں تھا اس کے لیے۔ اس سے دستبردار ہونے کا سوچنا بھی محال تھا۔ وہ تو نجانے کب کا چپکے پاؤں چلتا ہوا اس کے دل کے تخت پر براجمان ہو چکا تھا۔ اس کی دھڑکنوں پر مکمل اختیار رکھتا تھا۔ اس کو دیکھ کر ہی دل میں طوفان مچ جاتا تھا۔ وہ اسے بتا نہیں سکتی تھی۔ اس سے بیگانگی برت کر دل کس مشکل میں گھر جاتا تھا۔ وہ اس سے گریزاں ہو کر خود کو سزا دے رہی تھی۔ دل کے تعلق اتنے ہی کٹھن اور دشوار ہونے والے تھے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اس کے دل کے خدشات سے آگاہ تھا۔ حرف حرف بیان کر کے اسے حیران کر رہا تھا مگر وہ اس کے سامنے تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ موضوع بدل دیا تھا۔

''آپ لفظوں کو فاصلوں کی صورت پھیلا رہے ہیں۔آپ کی ترجیحات ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور ان ترجیحات کی بنیاد پر آپ کے دل اور دماغ کے فیصلے بھی بدل جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتی لفظوں کے ہیر پھیر سے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ماسوائے اس کے سفر کی طوالت کے کچھ ہاتھ نہیں آنے والا۔ایک گوں مگوں کی سی کیفیت ہے۔آپ صاف کھل کر سامنے نہیں آتے۔سچ کو جھوٹ کے لبادے میں لپیٹ کر سچ کو چھپایا نہیں جا سکتا نا ہی جھوٹ کو سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔اگر میں اعتبار کر بھی لوں کہ آپ کا سچ میری بدگمانی پر حاوی ہونے لگا ہے تب بھی ایک خوف اچانک ہی دل کو اپنے حصار میں مقید کر لیتا ہے۔میں اس طوفان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے سے قاصر ہوں۔ قصور شاید آپ کا ہی ہے۔میرے اعتبار کو آپ نے توڑا ہے۔اب اگر میں الزام دے رہی ہوں تو آپ کو اتنا برا کیوں لگ رہا ہے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔وہ ایک لمحے کو رکی تھی پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"I couldn't let you know ever my heart and mind are flooded with fears, sometimes felt I have paralysed with that fear and frighten I feel unable to go on. I want to set off in dread and trepidation... these fears are overwhelming, they remain with me day and night then I decided and chose to hold your hand... yet I hold on to your truth. I know now you have experienced the most fearful places. I don't want to live with that fear... I want to run away somewhere so I could hide myself and could find the way of survival."

وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہی تھی۔اس نے ہمت کر کے وہ سب کہہ دیا تھا جو خوف اس کو دن رات پریشان کر رہا تھا اور وہی خوف چلتا ہوا اس کی آنکھوں سے اظل کی آنکھوں تک کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔اس خوف نے اس کی آنکھوں میں ڈیرہ جما لیا تھا۔تبھی تو اضطرابی مزید پھیلتی چلی جا رہی تھی تبھی گاڑی بڑے پاپا کے پورچ میں رکی تھی۔اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور قدم باہر رکھے تھے مگر تبھی اس کا ہاتھ اظل کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔اس کی گرفت مضبوط تھی۔حین شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔نگاہیں ملی تھیں نجانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ حین شاہ زیادہ دیر تک اس کی نگاہوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔نگاہیں جھکا گئی تھی پھر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''میں جانتا تھا کہ خوف نے تمہیں پکڑ لیا ہے۔تمہیں اور تمہاری سوچوں کو دبوچ کر اپنے چنگل میں پھنسا لیا ہے۔تم اس خوف کے زیر اثر ہو۔اس خوف نے تمہاری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔یہ خوف تمہاری ہڈیوں میں سرایت کر گیا ہے۔دل کے نہاں خانوں میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔تم چاہ کر بھی اس خوف سے چھٹکارہ نہیں پا سکتی ہو۔'' شاید قصور میرا بھی ہے جو اس خوف سے تمہارا پیچھا نہیں چھڑا سکا ہوں۔بہت سی باتیں ہیں جو ابھی تک ادھوری ہیں۔ادھوری باتوں نے الجھنوں کو اور بھی بڑھا کر گھنے جنگل کی صورت اختیار کر لی ہے۔الجھی سوچوں کے اس جنگل میں تاریکی بڑھتی جا رہی ہے۔سچ کہیں ان اندھیروں میں راستہ بھٹک گیا ہے اور جھوٹ اور بدگمانی کے

قدم مضبوطی سے جم گئے ہیں۔دل کے کونے کھدروں میں چھپے خوف نے سر ابھارا ہے اور چلتا ہوا آگے بڑھا ہے اور محبت کو اپنے پروں تلے چھپالیا ہے۔محبت نے پر پھڑ پھڑائے ہیں،اس حصار سے نکلنے کی کوشش کی ہے مگر محبت کمزور پڑنے لگی ہے۔بے اعتباری نے محبت کے قدموں کو لڑکھڑا دیا ہے۔متزلزل ہوتے قدموں کے ساتھ محبت نے سرنگوں کر دیا ہے۔اس خوف کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔خوف نے محبت کو مات دے دی ہے۔تم نے خوف کو خود پر حاوی ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ادھورے سچ کے ساتھ تم نے ساری باتوں کو ادھورا چھوڑ کر محبت کی تکمیل کے راستے مسدود کر دیئے ہیں۔مجھے ان ادھوری باتوں کو پورا کرنا ہے۔یہ اشد ضروری ہو گیا ہے کیونکہ میری تکمیل کے راستوں پر یہ خوف سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔اس رکاوٹ کو عبور کرنا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔دل تو چاہتا ہے ابھی اور اسی وقت ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دوں مگر مجھے انتظار کے کڑے مراحل سے گزرنا ہوگا۔ان رکاوٹوں کو عبور کرنے کے لیے کچھ خاص لمحوں کو مٹھی میں مقید کرنے کے لیے ابھی وقت درکار ہے۔تب تک تم ان لمحوں کو گنو جب میں تمہارے اس خوف ہمیشہ کے لیے تمہاری زندگی سے نکال باہر پھینکوں گا۔پھر اس خوف کا شائبہ بھی تمہاری زندگی پر کبھی نہیں پڑنے دوں گا۔" وہ دھیمے لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا۔دھیما لہجہ پر یقین تھا۔آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ایک عزم تیرتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا پھر چلتا ہوا دوسری طرف آیا تھا اور اس کا ہاتھ تھاما تھا پھر دروازہ بند کیا تھا اور چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا تھا اور حین شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر مطمئن سے انداز میں قدم اس کے ساتھ بڑھائے تھے۔اس کے ساتھ چلتے ہوئے گہری طمانیت اس کے چہرے کا احاطہ کر چکی تھی۔شاید وہ اس کے کہے لفظوں پر ایمان لے آئی تھی۔اگر یہ گمان تھا تو وہ اس گمان میں جینا چاہتی تھی۔ان لمحوں کو امر ہوتا دیکھنا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت ایک عجیب طرح کا برتاؤ کرتا ہے۔زندگی کو ایک ناسمجھ میں آنے والا معمہ بنا دیتا ہے۔زندگی کے الجھاؤ میں الجھ کر وقت میں تناؤ بڑھ جاتا ہے۔ایسے میں اس تناؤ کو کم کرنے کی جتنی بھی تدابیر کر لیں کم پڑتی نظر آتی ہیں۔اس کیساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔وہ زرتاج شاہ کے کمرے تک پہنچتے ہوئے مسلسل سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ کیا زرتاج شاہ نے ایسا کیا کہنا تھا۔وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہو گئی تھی۔وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ زرتاج شاہ کے ذہن میں کیا چل رہا تھا۔اظل کے ہاتھ میں اس کا سرد ہاتھ کپکپا رہا تھا۔اظل کو اس کی اندرونی خلفشار سے آگاہی دے رہا تھا۔اظل نیاس کے ہاتھ کو دبا کر اپنے ساتھ ہونے کا یقین دلایا تھا۔اس کی ہمت بندھائی تھی۔اس نے حین شاہ کی طرف نگاہ کی تھی۔حین اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اظل نے اسے تنبیہ کی تھی۔پھر زرتاج شاہ کے دروازے پر دستک دی تھی۔وہ شاید اس کا ہی انتظار کر رہی تھی۔اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا اور زرتاج شاہ نے حین شاہ کا ہاتھ تھام کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔پھر اسے ساتھ لگائے قدم آگے بڑھائے تھے۔حین شاہ نے مڑ کر اظل کی طرف دیکھا تھا۔نگاہوں میں کتنے سوال درج تھے اور اظل بنا کہے ہی سب جان گیا تھا۔

''میں آپ دونوں کو کچھ لمحات ساتھ گزارنے دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اندازہ ہے آپ دونوں کو کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میری موجودگی میں آپ شاید وہ باتیں نہ کرسکیں۔ اس لئے مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر میں آپ دونوں کے درمیان حائل ہو جاؤں۔ میں اتنی دیر میں بڑے پاپا سے کچھ ضروری باتیں ڈسکس کرلوں گا۔ آپ بے فکر رہئے گا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور پھر واپس مڑا تھا اور چلتا ہوا بڑے پاپا سے ملنے کے لئے اسٹڈی روم کی طرف بڑھا تھا اور زرتاج شاہ نے حسین شاہ کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے بٹھایا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''شایان شاہ کی آنکھیں تم کیوں اتنی پریشان ہوگئی ہو؟ مجھے تم سے چند ضروری باتیں کرنی تھیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ تم سے روبرو بات کرسکوں۔ تم نہیں جانتی ہو حسین شاہ میرے ساتھ شایان شاہ کی کتنی ہی یادیں ہیں جو میری زندگی کو کبھی ویران ہونے نہیں دیتیں۔ ان یادوں کے دیئے میری اندھیری راتوں میں روشنی بھر دیتے ہیں۔ یہ روشنی جزوی ہے یا کل یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے مگر یہ طے ہے کہ مجھے ان اندھیروں سے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا۔ ان یادوں نے کبھی مجھے تنہا ہونے کا ملال نہیں ہونے دیا۔ لیکن تمہیں نا جانے کیا سوجھی جو تم نے میری زندگی کے لئے ایک نئے ڈھنگ سے سوچنا شروع کردیا۔ تمہیں نجانے کیوں محسوس ہوا کہ میری روح کا کوئی گمشدہ حصہ کھو گیا ہے۔ تمہیں میری زندگی کی تاریکی دکھائی دے رہی تھی مگر میں نے اس تاریکی میں روشنی تلاش کر رکھی تھی۔ میں نہیں جانتی تم نے میرے بارے میں ہی کیوں سوچا۔ شاید یہ اس لیے ہوا کہ تم مجھ سے وہی محبت کرتی ہو جیسی شایان شاہ اور حسنہ شاہ کرتے تھے۔ تم ان دونوں کا پرتو ہو ان دونوں کا حصہ ہو۔ سارے خواص ان دونوں کے ہیں۔ تم بالکل ویسی ہی ہو۔ تم دوسروں کے لیے سوچتی ہو۔ شایان شان بھی تمہارے جیسا تھا۔ اس کی فطرت بہت معصوم تھی۔ وہ حسنہ شاہ سے محبت کرتا تھا مگر وہ میرا دل توڑنے سے ڈرتا تھا۔ محبت نہ ہوتے ہوئے بھی اسے میری بے حد پرواہ تھی شاید وہ بھی محبت کا کوئی احساس تھا۔ یا پھر محبت کا کوئی اور مختلف رنگ۔ اور میں اس رنگ نے میری محبت کے رنگوں کو کچھ اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ بظاہر لوگوں کو میرے اندر سناٹے چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے مگر میں ان سناٹوں میں چھپی ہزاروں داستانیں سن سکتی تھی۔ ان داستانوں کے اسلوب مجھے ازبر ہو چکے تھے۔ مگر اب اچانک زندگی کے نئے در وا ہو گئے ہیں۔ میں حیران نگاہوں سے ان آنے والے لمحوں کو دیکھ رہی ہوں۔ ان کا سامنا کرنے کی مجھ میں نا تو ہمت ہے نا ہی سکت۔ تم نے مجھے ایک عجیب امتحان میں ڈال دیا ہے شایان شاہ کی آنکھیں۔ تمہیں انکار نہیں کرسکتی تھی۔ تمہاری خواہش کو رد کرنے کی جسارت نہیں ہے مجھ میں نا ہی حوصلہ مگر یہ لمحے دشوار لگنے لگے ہیں مجھے۔'' وہ مدھم لہجہ بے بس تھا۔ دھیمے لہجے میں وہ دل کی حکایتیں بیان کر رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ بے چینی تھی۔ مدھم لہجہ پر ملال تھا۔

حسین شاہ نے ان کی طرف دیکھا تھا اور پھر اسے ایک عجیب ندامت نے گھیر لیا تھا۔ دل کی حالت غیر تھی۔ ایک ملال اسے ستانے لگا تھا۔ ایک خیال نے اسے دبوچ لیا تھا۔ کہیں وہ زبردستی اس کی زندگی میں دخل اندازی کر کے اسے تکلیف کے احساس سے دوچار تو نہیں

کر رہی تھی۔ اسے احساس ندامت نے ہچکولے لگانا شروع کر دیئے تھے۔ اسے کوئی حق نہیں تھا اپنی سوچ کسی اور کی زندگی پر مسلط کرنے کا۔ جب وہ اپنی زندگی میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی تو پھر زرتاج شاہ کی زندگی طوفان برپا کرنے کی اسے ہرگز اجازت نہیں تھی۔

''آئی ایم سوری زرتاج شاہ۔ میرا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔ میں آپ کو خوش اور مطمئن سا دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ کی زندگی میں رنگ اور خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔ محبت کی سمت شاید تبدیل ہوگئی ہے مگر راستے وہی ہیں۔ برسوں آپ نے اپنی زندگی ایک طویل انتظار کی نظر کر دیا تھا۔ ایک یک طرفہ راستے پر چلتے ہوئے آپ نے ان راستوں پر سفر کیا تھا جن کی کوئی منزل نہیں تھی۔ اور آپ کے ساتھ ساتھ کسی اور نے بھی ایک طویل انتظار سے آشنائی پائی ہے۔ اس محبت نے اپنا آپ منوانے کے لیے بغیر کسی غرض اور بغیر کسی روشن صبح کے ایک طویل رات گزاری ہے۔ میں محبت کو یوں الجھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ محبت کے ان الجھے دھاگوں کو سلجھانے کی ضرورت ہے زرتاج شاہ۔ تنہا زندگی کے طول مسافت طے کرنا دشوار گزار عمل ہے۔ میں اس کرب سے گزری ہوں۔ اس لیے مجھے اس بات کا مکمل احساس ہے۔ میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ اندھیروں میں آنکھوں کو راستہ تلاش کرنے کے لئے کتنا ٹٹولنا پڑتا ہے۔ اندھیرے میں گرتے پڑتے قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ کوئی انگلی تھام کر آپ کی راہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ کوئی ساتھ نبھانے والا نہیں ہوتا ہے۔ کوئی ساتھ چلنے والا نہیں ہوتا ہے ایسے میں مسافت کی طوالت مزید طویل ہوتی جاتی ہے۔ ایسے میں تھکن کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ تنہائی بذات خود اپنے اندر اذیت رکھتی ہے۔ میں نے اس اذیت کو برتا ہے۔ اس لیے میں اس کرب سے واقفیت رکھتی ہوں۔ میں آپ کی خیر خواہ ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ توجیحات بیان کر رہی تھی۔

اور زرتاج شاہ نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی تھی مگر آواز بھرا گئی تھی۔

''حین شاہ میری جان میں سمجھ سکتی ہوں۔ تمہاری محبت نے میرے دل کو ایک انمول احساس سے باور کروایا ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی تم نے مجھے اپنی محبت کا قرضدار کر دیا ہے۔ میرے پاس کوئی الفاظ نہیں جس سے میں تمہاری محبت کا بیان کر سکوں۔ تم نے میرے لئے سوچا، میری زندگی کو نیا راستہ دکھانے کی سعی کی، میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کبھی ایسا ہو جائے گا۔ میں نے کبھی اس نہج پر نہیں سوچا تھا۔ اب اچانک تم نے پرسکون زندگی میں ہلچل مچا کر تمام چیزوں کو اتھل پتھل کر دیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے ایک طوفان برپا ہو گیا ہے۔ میں تمہاری بات ماننے پر تیار ہو گئی ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔ میری زندگی تو تقریباً گزر گئی ہے۔ جتنی باقی بچی ہے مجھے اس کے ضائع ہو جانے کا کوئی ملال قطعی نہیں تھا لیکن جس طرح تمہارے لیے میری زندگی میں خوشیاں اہمیت رکھتی ہیں تم نے اپنی زندگی کی بجائے میری خوشیوں کو سوچا اور مجھے ترجیح دی کیونکہ تم سمجھتی تھیں شایان شاہ کے ادھورے کاموں کو مکمل کرنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ اسی طرح اب شایان شاہ کی غیر موجودگی میں میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمہاری خوشحال زندگی کے لیے اور دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو رہوں اور اس کوشش میں جت جاؤں۔'' وہ مدھم لہجے میں تمہید باندھ رہی تھی۔ حین شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ان کی شرط سننے کے

لیے بے قرار تھی۔

''کیا شرط ہے آپ کی زرتاج شاہ؟ آپ اس شادی کو کس بات سے مشروط کرنا چاہتی ہیں؟ آپ کو نہیں لگتا زندگی کو شرائط پر گزارنا کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ شرائط زندگی کی خوشحالی اور پائیداری کی ضمانت نہیں ہوتیں مگر پھر بھی آپ کہیے میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ کیونکہ ادھوری باتوں کی تکمیل ضروری ہوگئی ہے۔ اظل سہام مرزا ٹھیک کہتا ہے۔'' اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔ آخری الفاظ وہ صرف خود ہی سن پائی تھی۔ وہ ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

''زرتاج شاہ نے بغور حسین شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''حسین شاہ میں چاہتی ہوں کہ تم اظل سہام مرزا سے اسی دن شادی کرو جس دن میری شادی ارسلان مرزا سے طے ہوگی۔ یہ میری پہلی شرط ہے۔'' اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ اور حسین شاہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ زرتاج شاہ؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ابھی ایسا ممکن نہیں ہے اور وجہ آپ جانتی ہیں نا۔ میری شادی تو ہو چکی ہے بس رخصتی باقی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے موضوع سے بچنے کی بھرپور سعی کی تھی۔

''میں نے کہنا تھا کہہ دیا۔ میں اپنے کہے الفاظ میں ردوبدل کرنا پسند نہیں کرتی۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم جزئیات پر کلیات کو کس طرح ترجیح دیتی ہو۔ تم بے جواز باتوں کو لے کر پریشان ہو رہی ہو۔ بے جواز باتوں کو جواز بنا کر ناحق ہلکان ہو رہی ہو۔ میں نے محبت کو تمہاری آنکھوں میں چپکے سے چلتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ پھر کونسے خدشات ہیں جس نے تمہیں الجھنوں میں ڈال رکھا ہے؟ میں شفق کے سارے رنگ تمہاری آنکھوں میں تیرتے دیکھے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم دونوں کے درمیان جو ناچاقی چل رہی ہے اس سے سب انجان ہیں؟ بدگمانیوں نے اس رشتے پر جو اپنا اثر مرتب کیا ہے اس سے سب آگاہ ہیں۔ تم نے غلط فہمی کا شکار ہو کر شک میں پڑ گئی ہو۔ اپنی زندگی کے خوبصورت لمحات کو شک کی آگ میں جھونک رہی ہو۔ یہ کوئی دانشمندانہ فعل تو نہیں ہے حسین شاہ۔ تم خود کو بیوقوف بنا رہی ہو یا دوسروں کو؟'' وہ مدھم لہجے میں وضاحت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے زرتاج شاہ۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کے درمیان سب ٹھیک ہے۔ کوئی چپقلش یا ناچاقی ہرگز بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی چیزوں کو سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔ ہم دونوں بھی اس دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ ابھی تو آنکھوں نے خواب بننے شروع کیے ہیں اور ان خوابوں نے آنکھوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے۔ اپنا قبضہ جما لیا ہے کسی شک کے لیے کوئی گنجائش سرے سے نہیں چھوڑی ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں یقین دہانی کرانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی۔ جیسے اس کو یقین دلانا بے حد ضروری ہوگیا تھا۔ سوالات سے بچنے کے لیے کوئی احتیاطی تدابیر تھی یہ اگر ایسا تھا تو اس کو مطمئن کرنے میں کامیاب رہی تھی۔ اس کے ذکر پر ہی اس کے چہرے کا رنگ کھل گیا تھا۔ زرتاج شاہ اس کے دل کے احوال سے آگاہ تھی حرف حرف اسے پڑھ رہی تھی۔

اس کی جانچتی نگاہیں اسے اندر تک سطر سطر پڑھ رہی تھیں۔

''دوسری شرط کیا ہے زرتاج شاہ؟'' اس نے زرتاج شاہ کی جانچتی نگاہوں سے بچنے کے لیے سوال داغا تھا اور زرتاج شاہ نے چند لمحوں کی خاموشی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''مجھے ارسلان سہام مرزا سے ایک ملاقات کرنی ہے۔ ان تمام معاملات کے طے ہونے سے پہلے مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔ کیونکہ مجھے کسی کی ہمدردی درکار نہیں ہے۔ مجھے کچھ باتوں کی وضاحت طلب کرنی ہے۔ کچھ باتوں کے جواز چاہتی ہوں میں۔ جب تک مجھے میرے سوالوں کے جوابات نہیں مل جاتے تب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوگی۔ امید ہے تم سمجھ گئی ہوگی۔ اب اس گتھی کو سلجھانے کے لیے کچھ تمہاری مدد کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں مدعا بیان کر رہی تھی اور حسین شاہ نے سمجھ لینے میں دیر نہیں لگائی تھی کہ اس کے دل میں جو اندیشے پل رہے ہیں وہ بے وجہ قطعی نہیں تھے۔ اس کے چہرے پر فکروں کا جال بن دیا تھا۔

''زرتاج شاہ میں جانتی ہوں جن فکروں نے آپ کے چہرے پر اندیشوں کا ایک جال بن دیا ہے۔ وسوسوں نے آپ کو گھیر لیا ہے اور کتنے ہی خدشات نے آپ کی سوچوں پر قبضہ جما لیا ہے۔ میں اس خدشے سے آگاہ ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں آپ کو سارے سوالات کے جوابات ضرور مل جائیں گے اور ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ارسلان سہام مرزا نے کوئی ہمدردی نہیں دکھائی۔ آپ سے ان کے لیے کس قدر اہمیت رکھتی ہیں اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ جانتے بوجھتے انہوں نے تنہا زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ اس محبت میں میں کسی کی ساجھے داری برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی نقصان کی پرواہ کیے بغیر اپنی تمام محبت کو آپ کے لیے سنبھال کر رکھا تھا۔ اس بات کی میں گواہ ہوں۔ اس لیے تو میں نے اس نامکمل کام کو تکمیل کے مراحل سے گزارنے کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ آپ کی تمام شرائط ماننے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں چاچو کی محبت میں کوئی جھول نہیں ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مدتوں اس لمحے کا انتظار کیا ہے۔ اب جب یہ موقع میسر ہوا ہے تو وہ ضرور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں ارسلان سہام مرزا کی طرفداری کی تھی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان سے باتیں کرتے اسے وقت گزرنے کا دھیان ہی نہیں ہوا تھا۔ اظل کب سے انتظار کر رہا تھا۔ اسے تب برا لگا تھا اسے اس طرح محوِ انتظار چھوڑ کر جب وہ زرتاج شاہ کے ساتھ اندر آئی تھی اور اس نے اسے زرتاج شاہ کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

''میں آپ سے پھر بات کروں گی بہت دیر ہو گئی ہے۔ اظل کب سے انتظار کر رہا ہوگا۔ میں چاچو سے بات کر کے آپ کو بتا دوں گی۔ بلکہ اظل چاچو سے بات کر کے آپ کو بتا دے گا ہم سب جلد آپ سے ملنے کے لیے آئیں گے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی وقت کے قدم ساکت ہو جاتے ہیں۔ چاروں طرف ایک گھمبیر خاموشی چھا جاتی ہے۔ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھنے پر عقدہ کھلتا ہے کہ وقت کی دھڑکنیں اچانک مدھم پڑنے لگتی ہیں۔ دل وجوہات تلاش کرتے ہارنے لگتا ہے مگر اس الجھی ڈور کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا وہ اس سے دور ہوئی تھی اس نے قدم زرتاج شاہ کے ساتھ اندر بڑھائے تھے اور اسے لگا تھا جیسے ایک سکوت نے اس کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ وہ اسے نگاہوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس سے ایک لمحے کی دوری بھی سوہان روح تھی۔ مگر اسے چھوڑ کر بڑے پاپا کے کمرے کی طرف بڑھا تھا جب عمیر شاہ سے ٹکرایا تھا۔

''تم یہاں؟ کہیں تم خوفزدہ تو نہیں ہو گئے ہو نا اظل سہام مرزا؟ اب کہیں تم پر یہ عقدہ تو نہیں کھل گیا کہ میں نے تمہارے دل کے آسمان کو تسخیر کر لیا ہے اور اب اپنا آسمان کے تمہارے دل کی دنیا سونی ہو گئی ہے۔ کسی ویرانے کا منظر پیش کر رہی ہے اور اس ویران سناٹے میں ایک سکوت نے تسلسل کے ساتھ اپنا تسلط جما لیا ہے اور تمہارے شعور نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے کہ ان ویرانوں میں پنپتا سکوت کسی آنے والے خطرے کا پیش خیمہ ہے۔ تمہارے دل کے چمکتے چاند کو شک اور بدگمانی کے گرہن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ وہ چاند گرہن کے زیر آ گیا ہے اور پورا آسمان سیاہی میں گھر گیا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا تم حال اور ماضی دونوں گنوا چکے ہو۔ اب خالی ہاتھ کھڑے مجھ سے باز پرس کرتی نگاہوں سے گھور رہے ہو۔ اپنی کمزوری کو چھپانے کی جستجو میں جتے ہوئے ہو مگر اپنی شکست تسلیم کرنے سے ڈرتے ہو۔ تم میں حوصلہ نہیں ہے کہ اپنی مات کو سہہ سکو۔ مجھے تو تمہاری حالت پر ترس آتا ہے۔ سچ کہوں تو مجھے بہت برا لگ رہا ہے مگر کیا کروں۔ میں تمہاری کسی قسم کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوں لیکن.....!'' وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔ استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ احساسِ تفاخر سے سر کو اٹھایا تھا اور اس کے تنے ہوئے چہرے پر بغور نگاہ کی تھی۔ شاید وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلتے تناؤ کو دیکھ کر اسے دلی سکون مل رہا تھا۔

''لیکن کیا؟'' اظل سہام مرزا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیا تھا۔

''لیکن اگر تم درخواست کرو۔ میری منت سماجت کرو۔ تو میں تمہاری مدد کرنے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔ ثالث بن کر تم دونوں کے درمیان سے ان بدگمانیوں کو مٹا سکتا ہوں۔ تم دونوں کے درمیان حائل ان فاصلوں کی اونچی فصیلوں کو گرا سکتا ہوں۔ حسین شاہ کے دل میں دبے تمام شکوک وشبہات مٹا سکتا ہوں۔ اس کے لیے تمہیں سر جھکا کر مجھ سے مدد مانگنی ہو گی۔ تب شاید میں تمہاری درخواست پر غور کرنے کا سوچوں گا اور ہو سکتا ہے کہ میرا دل پسیج جائے۔ ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کس طرح اپنی الجھی ہوئی زندگی کی ڈور کو سلجھانا چاہتے ہو۔ یا پھر تمام زندگی اپنی انا کا تاج سر پر رکھ کر اپنی ساری زندگی ان شکوک وشبہات کی نظر کر دینا چاہتے ہو۔ اس کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی تگ ودو میں کب تک لگے رہو گے تم؟ تمہیں نہیں لگتا تمہیں اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر کوئی فیصلہ لے لینا چاہیے۔ دشمنی اپنی جگہ مگر مجھ میں انسانیت اب بھی باقی ہے۔ اسی لیے تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تمہیں صلاح دے رہا ہوں۔ اب

ان باتوں کو ماننے یا نا ماننے کا انحصار تم پر ہے۔تمہارے فیصلے کے اثرات تم دونوں کی زندگی مرتب ہونگے۔'' وہ دھیمے لہجے میں ناصح بنا اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن اس کی بات اظل سہام مرزا کو طیش دلا گئی تھی۔وہ کوئی بدمزگی کری ایٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔تبھی غصے کو دباتے ہوئے دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''عمیر شاہ.....تمہیں میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔سو بہتر ہوگا کہ میرے نجی معاملات کو مجھے اپنے طریقے سے حل کرنے دو۔مجھے اپنے معاملات کو سدھارنے اور سنوارنے کے لیے کبھی کسی اور مدد ہرگز درکار نہیں ہوتی۔میں اس کے لیے دل کے خدشات کو چاہوں تو چٹکیوں میں مٹا سکتا ہوں۔مجھے کسی ثالثی کی ضرورت نہیں ہے اس کے اور میرے درمیان میں کبھی کسی کو حائل نہیں ہونے دے سکتا۔تم شاید میری فطرت سے واقف نہیں ہو۔میں اپنے فیصلے خود کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہوں۔مجھے مشورے سے نوازنے کی بجائے اپنے معاملات کو حل کرو۔اپنی عقل اور توانائی کو صحیح سمت میں لگاؤ۔یہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔آئندہ ھین شاہ کے آس پاس بھی دکھائی مت دینا ورنہ اب کوئی لحاظ نہیں کروں گا میں۔اب میں کسی مروت کا اظہار نہیں کروں گا۔یہ بات یاد رکھنا تم۔تم نے جو کرنا کر لیا۔اب مزید کوئی حماقت مت کرنا۔تمہاری عقل کو تم سے دشمنی ہوگئی ہے۔اسی لیے تم اپنی زندگی کے معاملات تو سلجھا نہیں پاتے اور مجھے مشورے دے رہے ہو۔اب ہوش کے ناخن لو۔اور اپنے آپ کو سدھار لو۔قسمت نے تمہیں کتنے ہی موقع دیئے ہیں۔ان بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار کر تم ان دونوں خاندانوں کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو بھی صحیح ڈگر پر ڈال سکتے ہو۔اپنی منفی سوچوں کو ذہن سے کھرچ کر نکال دو۔مثبت انداز میں سوچو تمہاری والدہ کو نئی زندگی ملی ہے۔ان کو کسی نئی مصیبت میں مت ڈال دینا۔اب شاید ان میں کوئی ایسا دھچکا برداشت کرنے کی سکت نہیں ہوگی۔امید ہے تم سمجھ گئے ہوگے۔'' اس نے مدھم اور بردبار لہجے میں سمجھاتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔تبھی وہ نجانے کہاں سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔

''آئی ایم سوری۔تم نے میری بے حد مدد کی۔میں جانتی ہوں تم نے حق دوستی نبھا دیا ہے۔میں جب بھی کسی مصیبت میں اور مشکل میں گھری تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔میری مدد کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا حالانکہ اس کی وجہ سے تمہاری نجی زندگی کتنی بری طرح متاثر ہوئی ہے جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔میری وجہ سے تمہاری اور ھین شاہ کے درمیان کتنی بدگمانی آ گئی ہے۔بدگمانی کا وہ بیج جو میں نے بویا تھا وہ تناور درخت بن چکا ہے۔اس کی جڑیں زمین میں گہرائی میں دور تک پھیل گئی ہیں اور ان پر کڑوے کسیلے پھل لگنے لگے ہیں۔میں جانتی ہوں یہ بدگمانی اور شک کے پودے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتے ہیں اور ایسے میں کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔یہ حقیقت ہے میں نے تم سے محبت کی تھی مگر وہ یک طرفہ محبت اپنے راستے نہیں تلاش کر پائی تھی نا ہی کوئی سمت مقرر کر سکی تھی۔لیکن جب میں عمیر شاہ سے ملی تو میری محبت کے بہاؤ نے رخ موڑ لیا۔تمہاری بے توجہی کی شاید میں عادی ہوگئی تھی۔لیکن عمیر شاہ کی توجہ اور محبت کے احساس نے

میری آنکھوں میں خوابوں کو جگہ دی۔تب میری آنکھوں نے رنگوں سے آشنائی پائی۔آنکھوں نے خواب بننے شروع کر دیئے جب محبت نے ان خوابوں حقیقت رنگ بھرنے شروع کیے تو میں نے جانا محبت وہ نہیں تھی جو میں نے تم سے کی وہ تو لحاتی احساس تھا یا پھر کوئی ضد تھی جو تمہارے کھردرے رویئے کے باعث دل میں اپنی جگہ بنا گئی تھی۔میں تمہیں اپنے لیے بدلنا چاہتی تھی مگر زبردستی محبت اور تمہارے دل کے در اپنے لیے وا نہیں کر سکی اور ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔محبت کوئی زبردستی کا سودا نہیں ہے۔دل پر کسی کا زور نہیں چلتا۔محبت کے بہاؤ کا رخ موڑا نہیں جا سکتا ہے۔محبت اپنے راستے خود تلاش کرتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر چلتی ہے۔اپنے کلیات کی پیروی کرتی ہے۔اس بات کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب ھین شاہ تمہاری زندگی میں داخل ہوئی اور تمہاری زندگی کے رنگ ڈھنگ بدلنے لگے۔جب تمہاری آنکھوں میں چمکتی روشنی میں اس کا عکس نمایاں ہو گیا۔یا پھر شاید اس کی آنکھیں تمہاری آنکھیں تبدیل ہو گئی تھیں اور تمہاری آنکھیں اس کے چہرے پر چسپاں ہو گئی تھیں۔تبھی تو اس کی روشنی نے تمہارے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔ایک نرمی نے تمہارے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔تب میں نے جانا محبت کیسے انسان کو سرے سے تبدیل کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔میں یہ رنگ یہ تبدیلی اور بدلاؤ اپنے لیے دیکھنا چاہتی تھی مگر ایسا ناممکن تھا سو نہیں ہوا تھا میں تمہارے دل کو چھو نہیں سکی تھی۔اس احساس کو اجاگر نہیں کر سکی۔لیکن جب میں نے ھین شاہ کے لیے وہ جذبات تمہاری آنکھوں میں دیکھے تو میرے دل کو حسد نے گھیر لیا۔میں حاسد بن گئی۔تمہیں کھونے کے احساس نے دل کی حالت غیر کر دی تھی۔حالانکہ تم میرے کبھی تھے ہی نہیں۔مجھے ھین سے نفرت ہونے لگی۔میں نے تم دونوں کے درمیان آنا شروع کر دیا۔

عمیر شاہ نے جب مجھے پلان بتایا تو کچھ لمحوں تک تو میں خاموش رہی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے گیم پلان میں اس کا ساتھ دوں یا نہیں۔لیکن میں اس سے محبت کرتی تھی۔اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔تم سے خفگی اور چپقلش نے مجھے یہ فیصلہ لینے میں آسانی پیدا کر دی۔تم نے میرے انا پر کاری وار کیا تھا۔مجھے رد کر کے میری محبت کو ٹھکرا کر میرے دل میں غم و غصے کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ایسے میں عمیر شاہ نے مجھے جذباتی طور پر اس اندرونی خلفشار سے نکالا تھا۔مجھے سنبھلنے میں مدد دی تھی۔وہ میری زندگی کے مشکل ترین لمحات تھے۔ایسے میں میرا تمہاری طرف پھر سے راغب ہونا ایک سوچی سمجھی چال تھی۔ھین شاہ اور تمہارے درمیان حائل ہو کر ان بدگمانیوں کو بڑھانا میرا اور عمیر شاہ کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور آنٹی بھی اس منصوبے میں شامل تھیں۔وہ ھین شاہ کو اسی ذہنی اذیت سے گزارنا چاہتی تھیں جس ذہنی اذیت سے زرتاج شاہ گزری تھیں۔وہ اسے ایسی ہی تنہا اور شکستگی سے بھری سسکتی ہوئی زندگی دینا چاہتی تھیں جیسی ان کی بہن گزار رہی تھیں۔اسی لیے انہوں نے اس کی زندگی میں اندھیرے بھر دینے چاہے تھے مگر ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔شاید ھین شاہ واقعی خوش قسمت ہے جو وہ ان کے ارادوں کو بدلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔اپنے حسن سلوک اور اچھے اعمال سے ان کے پتھر دل کو بھی موم کر دیا تھا۔یا پھر میں یوں کہوں کہ وہ دلوں کو جیتنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہے تو غلط ہرگز نہیں ہوگا۔اسی لیے تو اس نے تم جیسے شخص کا دل جیتا جو محبت

جیسے جذبے کو سرے سے ماننے سے انکاری تھا۔ ہمیشہ محبت سے منکر رہا تھا۔ لیکن اسکو دیکھتے ہی دل ہار بیٹھا تھا۔ اور تمہاری اس ہار پر میرے دل کو عجیب طرح کی سبکی محسوس ہوئی تھی۔ میری انا پر کاری وار محسوس ہوئی تھی۔ میری انا اس چوٹ کے ہونے والے درد سے تلملا اٹھی تھی۔ دل کو ضد ہو گئی تھی۔ چپقلش نے سر ابھارا تھا۔ حسد کو پنپنے کا موقع میسر ہو گیا تھا۔ تب میں نے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمہارے اور حین شاہ کے درمیان آ کر تمہاری پریشانیوں کو بڑھا دیا تھا۔ حین شاہ کی بڑھتی محبت کے قدموں کو وہیں ساکت کر دیا تھا۔ اس کے اعتبار کو توڑنے کی کوشش میں سرگرداں ہو گئی تھی۔ اس کی بے قراری بڑھا کر مجھے دلی تسکین ملنے لگی تھی۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر مجھے قرار آنے لگا تھا۔ تم خوش قسمت ہو کہ اتنی بہترین لڑکی کی محبت تمہارے حصے میں آئی۔ مجھے دن رات پچھتاووں نے بے چین رکھا ہے جو بھی میں نے کیا اس فعل نے مجھے ایک پل بھی چین سے رہنے نہیں دیا۔ ایک ملال مجھے اندر ہی اندر ستاتا رہا ہے۔ ایک احساس ندامت نے میرے دل کو مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ مجھے ادراک ہو چکا تھا جو میں کر رہی تھی وہ غلط تھا لیکن میں نا چاہتے ہوئے بھی خود کو روک نہیں سکی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے جب مجھ سے یہ ندامت کا بوجھ مزید اٹھایا نہیں جاتا۔ اس لیے اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ حالانکہ جو میں نے کیا وہ معاف کر دینے کے قابل تو قطعی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی میں اس بوجھ کے ساتھ جینا نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے دو زندگیاں برباد ہو گئیں۔ حین شاہ تم سے محبت کرتی ہے اور محبت کرنے والوں کے دل بڑے ہوتے ہیں۔ وہ با آسانی معاف کر دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں معاف کر دے۔ تم اب دیر مت کرنا۔ پہلی فرصت میں اس کو مناؤ اور اپنی زندگی کو اچھی طرح بسر کرو۔ غلط فہمیاں زیادہ دیر تک رہیں تو زندگی پر برے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان لمحوں کو یوں گزرنے مت دو۔ انہیں زندگی کا حاصل بناؤ۔ ساری تشنگی کو مٹا دو۔ ان لمحوں کو ملال کی نظر مت ہونے دو۔ اگر تمہیں پہل کرنی پڑے تو اپنی انا کو درمیان حائل مت ہونے دینا۔ میں تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں فراخدلی سے اپنی غلطی مان رہی ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو میں حین شاہ سے بات کر لیتی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اس نے حین شاہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا اور اظل سہام مرزا حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ حین شاہ پر نگاہ کی تھی جو ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے تقریباً بھاگتے ہوئے باہر کی طرف نکلی تھی۔ نجانے کیا کچھ اس کی ایک نگاہ میں۔ اظل تیزی سے اس کے پیچھے بڑھا تھا۔ اس کا دل ساکت ہو گیا تھا۔ اس کی شکوہ کناں نگاہوں نے اس کا دل جکڑ لیا تھا۔ وہ جان گیا تھا وہ پھر بھی بدگمان ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑا دیکھ کر نجانے اس نے کیا سوچا تھا لیکن اس کا ردعمل شدید تھا۔ وہ نانی جان سے مل کر تائی جان سے ملنے کے لیے جانے لگی تھی نجانے دل میں کیا سمائی تھی کہ تیزی سے قدموں کو کوریڈور کی طرف موڑا تھا اور پھر ان دونوں کو اکٹھا ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی اور پھر شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر رکی نہیں تھی۔ تقریباً بھاگتی ہوئی بڑے پاپا کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور پھر ان کے ڈرائیور کو تحکم بھرے لہجے میں چلنے کے لیے کہا تھا۔ خود کو بمشکل سنبھالا تھا۔ دل کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔ جو خوف صدیوں سے اس کا پیچھا کر رہا تھا اس خوف نے اس کے دل میں

پنجے گاڑ دیئے تھے۔ جب بھی وہ اعتبار کرنے کا سوچتی تھی تبھی وہ پھر اس کے اعتبار کو چکنا چور کر دیتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا وہ اس کو سوچ رہی تھی۔ اس سے مل کر بات کرنا چاہتی تھی۔ سارے معاملات کو سلجھانا چاہتی تھی مگر یہ گتھی سلجھنے کے بجائے مزید الجھ گئی تھی۔ وہ اسے کتنی حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے یقین نہیں تھا وہ اچانک ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ لے گی یا پھر وہ اس سے اس طرح کے کسی ردعمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی جیسے ہی گاڑی پورچ میں رکی تھی وہ تیزی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھی تھی تبھی حلیمہ بی اس کی طرف بڑھی تھیں اور حسین شاہ کو رک جانا پڑا تھا۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''چھوٹی بی بی بڑے صاحب آپ کو کب سے پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا آپ جیسے ہی واپس آئیں ان سے مل لیں۔'' حلیمہ بی نے مؤدب انداز میں مطلع کیا تھا اور حسین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں ان سے مل لیتی ہوں۔ آپ دو کپ کافی کے اسٹڈی روم میں پہنچا دیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ دادا جان کے سامنے یوں جا کر ان کو پریشان ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ان کی صحت ہر بات سے بڑھ کر تھی۔ اس نے اسٹڈی روم کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی تھی اور پھر اندر داخل ہوئی تھی۔

''السلام علیکم دادا جان۔ آپ نے بلایا تھا مجھے۔'' اس نے مؤدب انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے کتاب پر سے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

''ہاں بیٹا بہت دن ہوئے اپنی بچی سے بات نہیں ہوئی۔ تو سوچا اپنی مفکر بیٹی سے بات چیت کر لی جائے۔ تم نے جس دانشمندی کا ثبوت دیا ہے اس نے تو مجھے حیران کر دیا تھا۔ تم میں بھرپور صلاحیت ہے خاندان کو جوڑ کر رکھنے کی۔ تم نے برسوں پرانی دشمنی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ اپنی خردمندی سے دو زندگیوں کو نئی ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ تمہارے اس فعل کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کسی نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا تم نے اس نہج پر جا کر سوچا ہے۔ اس کے حیران کن اثرات دونوں خاندانوں پر مرتب ہوئے ہیں۔ تمہارے بڑے پاپا تمہاری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور میرا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ تم اندازہ نہیں کر سکتی میرے بچے میں کس قدر خوش ہوں۔ اب اگر مجھے کچھ بھی ہو گیا تو اس کا افسوس نہیں ہوگا کیونکہ میں اپنے خاندان کی بھاگ ڈور ایسی نسل کے ہاتھوں دے کر جاؤں گا جو دانشمندی اور بردباری سے تمام مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جو مثبت انداز میں سوچتے ہیں اور اپنی اچھی سوچ سے دوسروں کے دل جیت سکتے ہیں۔ برائی کی فصل چاہے کتنی ہی کیوں نہ پھلی پھولی ہو مگر اچھائی کی درانتی سے اس کو کاٹا جا سکتا ہے بلکہ جڑ سے اکھاڑ کر سرے سے برائی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ تم نے یہ ثابت کر دکھایا تھا۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دے کر تم نے نئی روایات کو ترغیب دی ہے۔'' دادا جان نے مدھم اور مدلل لہجے میں اس کے فعل کو سراہا تھا۔ شفیق لہجے میں اس کی تعریف کی تھی اور حسین شاہ بمشکل مسکرا پائی تھی۔

''دادا جان میں نے وہی کیا جو مجھے بہتر لگا۔ دو خاندانوں کے درمیان چپقلش کم کرنے کے لیے یہ ضروری تھا دادا جان۔ ویسے

بھی ان دونوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ دونوں نے ناکردہ گناہوں کی سزا پائی ہے۔ ان زندگیوں کو منزل کی نشاندہی کی ضرورت تھی۔ میں تو صرف وسلیہ بنی ہوں دادا جان۔ اصل میں تو اظل اس تعریف کا حق دار ہے جس نے میری بھرپور مدد کی کیونکہ اس کی مدد کے بغیر ایسا ہونا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ بڑے پاپا اور آپ سے اسی نے بات کی۔ چچا جان کو اس نے قائل کیا۔ اس لیے اس تمام تعریف کا حقدار وہی ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں اپنی تعریف اظل کے نام کردی تھی۔

''تم دونوں کوئی الگ تو نہیں ہونا بیٹا۔ اس کی تعریف کروں یا تمہاری بات تو ایک ہی ہے نا۔ مجھے تم سے ایک اور بات کرنی تھی۔ تم خود بے حد سمجھدار ہو۔ اس لیے تم ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔ لیکن مجھے اور تمہاری دادی جان کو لگا ہے تم دونوں کے درمیان کوئی ایسی بات ہے کوئی الجھن ہے جو تم دونوں کو ستا رہی ہے۔ کچھ ایسا ہے جس نے تم دونوں کے درمیان حائل ہو کر بدگمانیاں بڑھا دی ہیں۔ کیونکہ وہ تناؤ اور الجھن تمہاری آنکھوں میں صاف تیرتی دکھائی دیتی ہے۔ تم دونوں دوسروں کے بارے میں سوچتے ہو لیکن خود کو نظر انداز کر رہے ہو۔ وقت آگیا ہے جب تم دونوں کو اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں اپنی زندگی میں تم دونوں کی خوشحال زندگی کو دیکھوں۔ میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ شاید کچھ ادھورے کام باقی ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کیے بغیر میں اس دنیا سے جانا نہیں چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کی شادی کی تاریخ بھی طے کردوں۔ باضابطہ طور پر تمہارا ہاتھ اظل کے ہاتھ میں دے کر اطمینان سے آنکھیں بند کرلوں۔ اپنی زندگی میں اپنی بیٹی کی ذمہ داری اور فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا میرے بچے؟ تم میری بیٹی ہو۔ مجھ پر فرض ہے اپنے فرائض جلد از جلد پورے کروں۔ زندگی کا کیا بھروسہ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو میری روح بے چین رہے گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا بیٹا؟'' انہوں نے شفقت بھرے انداز میں پوچھا تھا اور ھین شاہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ ان کے سامنے انکار کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی حالت غیر تھی۔ دل نے حشر برپا کردیا تھا۔ طغیانی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ نگاہوں میں الجھن کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ اسے احساس ندامت نے گھیر لیا تھا۔ وہ ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔ انہوں نے اس کی الجھی نگاہوں کی طرف دیکھا تھا۔ فکروں نے چہرے پر جال بن دیا تھا۔

''بیٹا کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب سارے منظر دھندلا جاتے ہیں۔ دل کے آئینے پر بدگمانی کی دھند چھا جاتی ہے۔ سارے عکس اس دھند میں کہیں کھو جاتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ضروری ہو جاتا ہے کہ دل کے آئینے کو صاف کرو۔ جب دل کا آئینہ صاف ہو جائے گا تو وہ سارے مناظر صاف اور واضح طور پر دکھائی دیں گے۔ ان مناظر کا عکس دل پر ثبت ہو جائے گا۔ جب کوئی بدگمانی کوئی شک اس آئینے کو دھندلا نہیں کر پائے گا۔ یقین کی روشنی میں اعتبار کے قدم منزل کی طرف بڑھیں گے۔ تب تمام خدشات اور خوف جس نے دل کو جکڑ لیا ہے اپنے آپ کہیں دبک جائیں گے۔ ڈر کر کہیں دور بھاگ جائیں گے۔ زندگی میں بھروسہ بے حد ضروری ہوتا ہے۔ رشتوں کے

درمیان یقین کی ڈور جتنی مضبوطی سے بندھی ہوگی رشتوں کی پائیداری اتنی ہی بڑھ جائے گی۔ رشتے مضبوطی سے جڑے رہیں گے۔ اس ڈور سے بندھے رہیں گے۔ ان رشتوں کے درمیان کوئی اور حائل نہیں ہو سکے گا۔'' وہ مدلل لہجے میں سمجھا رہے تھے۔ بنا کہے ہی وہ جیسے جان گئے تھے۔ اس کی الجھن سے آگاہ تھے۔ حین نے حیرت سے دیکھا تھا وہ جس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی وہ بغیر کہے جان گئے تھے۔ تو کیا وہ آگاہ تھے؟ اور حین شاہ کو مان لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی کہ دلوں سے جڑے رشتوں کو لفظوں کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ رشتے بغیر کہے دل کی ساری الجھنوں کی گتھی کو سلجھانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ چند لمحوں کے لیے رکے تھے اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''اظل کی پرورش میرے ہاتھوں میں ہوئی ہے۔ اس نے اپنے والد سے کہیں زیادہ میرے اور تمہاری دادی کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ اس کی دلی کیفیت مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ خود تمہیں اعتبار سونپے۔ وہ خود تمہارا اعتبار جیتے۔ تمہارے دل کو خود فتح کرے اور ان بدگمانیوں کا سایہ بھی کبھی تم دونوں کی زندگی پر نہ پڑنے دے۔ کسی شک کو تم دونوں کے درمیان حائل نہ ہونے دے۔ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ مجھے تم دونوں کی خوشی بے حد عزیز ہے۔ مجھے امید ہے تم اپنے دادا جان کی بات مان کر میرا مان بڑھا دو گی۔ میری آخری خواہش سمجھ کر اس کو پورا کرو گی۔ تم پر کوئی دباؤ نہیں ہے لیکن اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو۔'' وہ مدھم لہجے میں حتمی فیصلہ سنا رہے تھے۔ اپنی خواہش کو بیان کر رہے تھے اور حین شاہ کا دل ساکت ہو گیا تھا۔ وہ ان کو کھونا نہیں چاہتی تھی وہ اس کی طاقت تھے۔ وہ ان کی محبت کے قرض تلے دبی ہوئی تھی۔ ان کا شفقت بھرا ہاتھ جب اس کے سر پر آتا تھا تو اس کے اندر ایک سکون اور اطمینان کی لہر سرایت کر جاتی تھی۔

''آپ ایسی باتیں مت کریں دادا جان۔ آپ کو اجازت لینے کی یا پوچھنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر۔ آپ کا کہا ہوا ہر لفظ میرے لیے حتمی ہے۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ آپ جانتے ہیں نا آپ میری طاقت ہیں۔ آپ کی خوشی میرے لیے مقدم ہے۔ میں آپ کو آپ کے فرائض کی ادائیگی سے ہرگز نہیں روکوں گی۔ آپ کا اطمینان تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے میرے لیے۔ آپ مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنے پاپا۔ آپ نے جس طرح میرا خیال کیا اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتی۔ میں چاہتی ہوں آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔ آپ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ہم کتنے بھی بڑے کیوں نہ ہو جائیں ہمیں آپ کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔'' وہ مؤدب انداز میں کہہ رہی تھی اور انہوں نے دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

''جیتی رہو میری بچی تم نے میرا بڑھا دیا ہے۔ اب بے فکر ہو جاؤ اور ساری الجھنیں اپنے دادا جان کے حوالے کر خود پرسکون ہو جاؤ۔'' انہوں نے شفیق لہجے میں کہا تھا اور حین شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی فکر اور پریشانی چھو بھی نہیں سکتی دادا جان۔'' اس نے کہا تھا اور پھر دادا جان نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔

''اب تم آرام کرو بیٹا مجھے ایک اہم میٹنگ کے لیے نکلنا ہے۔ بس تمہارا انتظار کر رہا تھا تا کہ تم سے بات کر سکوں۔ اب کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میرا دل خوشی سے بھر گیا ہے۔ تم دونوں خوش رہو۔ میری یہی دعا ہے۔ جاتے ہوئے اپنی دادا جان سے مل لینا۔ اب تمام انتظامات ان کو ہی کرنے ہیں۔'' انہوں نے کہا تھا اور پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کوئی کال آ گئی تھی ان کی سو عجلت میں نکل گئے تھے اور حین شاہ سوچوں میں گھری دادی جان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی مگر قدم ادھ کھلے دروازے پر ہی ٹھٹھک گئے تھے۔ اندر سے آتی ہوئی آواز نے اس کے قدم روک دیئے تھے۔ مسز اسد سہام مرزا دادی جان سے خفگی کا اظہار کر رہی تھی۔

''اماں آپ نے ابا جان کو کیوں نہیں روکا؟ اظل کی شادی کا فیصلہ کرنے کا حق مجھے بھی ہے۔ میں اس کی ماں ہوں چاہے سوتیلی ہی سہی۔ میں نے کبھی اس میں اور اپنے بیٹے میں کبھی کوئی تفریق ہرگز نہیں کی ہے۔ میں اظل کی دل کی خوشی سے آگاہ ہوں۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا حین کے ساتھ وہ خوش نہیں ہے۔ اس کے دل کی خوشی کسی اور سے منسلک ہے۔ پھر ایسا فیصلہ لینا۔ آپ کو نہیں لگتا یہ غلط ہے؟ اظل اور حین شاہ کی شادی جس وقت ہوئی تھی وہ بالکل اچانک غیر متوقع فعل تھا جس کے لیے وہ دونوں ذہنی طور پر تیار ہرگز نہیں تھے۔ ایسے میں شادی کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ جب دونوں اس شادی کو سرے سے ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ دونوں ہی اس شادی سے منکر ہیں ایسے میں بات کو آگے بڑھانا دونوں کو زبردستی ایک مشروط تعلق میں باندھنے کے مترادف ہے۔ مجھے تو یہ کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔ باقی جو آپ بہتر سمجھیں۔ اگر میں کچھ کہوں گی تو سوتیلی کہلاؤں گی۔'' مسز اسد نے کھردرے انداز میں کہا تھا۔ ان کا انداز ڈپلومیٹک تھا۔ نفیسہ بیگم اس کی بات کو سن کر مسکرا دی تھیں۔ حین شاہ میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی۔ اس نے دادی جان کے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا اور چلتی ہوئی ٹیرس کی طرف بڑھی تھی۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟ ہم نے کبھی ایسا نہیں سوچا ہے۔ تم اظل کی ماں ہو تمہیں پورا حق ہے اس کی زندگی کے سارے فیصلے کرو۔ مگر اظل کی زندگی اور اس کی شادی کا فیصلہ اس کی ماں نے تب طے کیا تھا جب وہ زندہ تھی یہ اس کی خواہش تھی جو ہم نے پوری کرنے کی کوشش کی اور شاید قدرت کو بھی یہی منظور تھا۔ اسی لیے وہ اتفاق سے مل گئے اور یہ نیک فعل ہمارے ہاتھوں انجام پایا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے اس لیے مل بھی گئے۔ تم خواہ مخواہ اس کی فکروں میں الجھ کر خود کو ہلکان مت کرو۔ وہ دونوں بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔ ہمیشہ خوش رہیں گے۔ ان سب باتوں کو بھلا کر شادی کی تیاریاں کرو۔ میں تمہارے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ ہرگز نہیں بنوں گی۔ یہ کچھ زیورات دکھانے تھے تمہیں اگر حین شاہ کے لیے پسند ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جو تم چاہو ویسا کرو۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔'' نفیسہ بیگم نے بربادی سے معاملات کو سلجھایا تھا اور موضوع بدل کر اس تناؤ کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

اور مسز اسد نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ یہ بات ان کو تلملا گئی تھی۔ مگر وہ ضبط کر کے چھپا گئی تھی۔ جذبات پر قابو پا کر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''آپ جو بہتر سمجھیں اماں جان۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ میں آپ سے بہت کچھ سیکھ رہی

ہوں۔آپ کمال مہارت سے معاملات کو اپنی گرفت میں لیتی ہیں۔مجال ہے جو کسی مسئلے کو الجھنے دیں۔آپ کی پیشانی پر پریشانی کی ہلکی سی رمق بھی دکھائی نہیں دیتی۔میں بھی آپ جیسا بننا چاہتی ہوں۔آپ کتنی بربادی سے تمام مسائل حل کر لیتی ہیں۔مجھے تو کوئی فیصلے لینے کی ہمت سرے سے ناپید ہے۔'' وہ فراخدلی سے دھیمے لہجے میں ان کو فراخدلی سے سراہ رہی تھیں۔ان کی ذہانت کا اعتراف کر رہی تھیں۔نفیسہ بیگم نے جیسے ان سنا کر دیا تھا۔وہ زیورات کا باکس لیے رامین شاہ کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی زندگی دشوار گزار راستوں پر چل کر گنجل ہونے لگتی ہے۔ان گنجل ہوتے راستوں کو صحیح سمت میں موڑنا جاں گسل لمحات ہوتے ہیں۔مگر ان راستوں کو ہر صورت ان کی منزل کی طرف موڑنا بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔ایسے میں زبردستی ان راستوں کو منزل کی طرف موڑ کر صحیح سمت کا تعین کیا جاتا ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔حین شاہ کو راہ راست پر لانے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اس کی بدگمانی کو دور کیا جائے۔اس کو اس خوف کے احساس سے نکالا جائے جس کے زیر ہو کر وہ اس خوف کے تسلط تلے دب گئی تھی۔اس کی خفگی بجا تھی۔ناچاہتے ہوئے کچھ نا کچھ ایسا ہو جاتا تھا جو حین شاہ اور اس کے درمیان میلوں کا فاصلہ بڑھا دیتا تھا۔کتنی ہی اونچی اور لمبی فصیلیں قائم ہو جاتی تھیں۔حین شاہ کی نگاہوں میں تغافل بڑھتا چلا جاتا تھا اور اظل سہام مرزا کی جان مشکل میں پڑ جاتی تھی۔ابھی بھی وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔وہ طوفانی انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا پہنچا تھا۔تبھی دادا جان کی کال آ گئی تھی اور اظل نے اپنی شادی کی بات ان کے سامنے کر کے ساری ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا حین شاہ دادا جان کے سامنے ہرگز انکار نہیں کر سکتی تھی اور ویسا ہی ہوا تھا۔یہ بات باعث اطمینان تھی اس کے لیے..... پورا گھر چھان مارا تھا مگر وہ نظر نہیں آئی تھی۔اس کا اطمینان دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔تبھی اس نے قریب سے گزرتی ملازمہ کو روک کر پوچھا تھا اور پھر تیزی سے ٹیرس کی طرف بڑھا تھا۔آج کا دن بہت مشکل رہا تھا اس کے لیے مگر شام قدرے بہتر ثابت ہوئی تھی پھر ٹیرس پر پہنچ کر اس نے متلاشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔وہ اسے بالکونی کے پاس کھڑی نظر آ گئی تھی۔وہ چلتا ہوا اس کے پاس جا کھڑا ہوا تھا اور حین شاہ نے حیرت سے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔پھر جانے کے لیے چلی تھی مگر اس نے ہاتھ تھام کر احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں

''چاند حیرتوں میں ڈوبا اچھا نہیں لگتا۔چاند کو تمام باتیں دل میں صیغۂ راز بنا کر نہیں رکھنا چاہیے۔چاند کو باتوں کو چھپانے کا نہیں بلکہ بتانے کا ہنر آنا چاہیے۔چاند کو ان چھپے ہوئے ثقیل رازوں کے اسلوب ازبر ہو جانے چاہیں ورنہ ماحول ساکت ہو جاتا ہے۔چاند جب خاموش ہو جاتا ہے تو سارے ماحول پر سکوت چھا جاتا ہے۔شاید تم آگاہ نہیں ہو مگر میں چاہتا ہوں اس خاموشی کی اذیت کو سہہ رہا ہوں۔ساکت لمحوں میں خاموش نگاہیں ہراساں ہیں۔ایک گہری چپ نے تمہاری ہونٹوں پر قفل لگا دیے ہیں۔تم ان رازوں کو دل میں چھپا کر کیوں رکھنا چاہتی ہو حین شاہ؟ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں ان فاصلوں کو مٹا نہ سکوں؟ ان فاصلوں کی طوالت میں کھو گیا ہوں۔میں جانتے کے جتن کر کے ہار گیا ہوں۔تمہارے دل اور دماغ کے درمیان کا فاصلہ کتنا طویل ہے؟'' وہ مدھم لہجے میں دل کے خدشات بیان کر رہا تھا۔

"Tell me the way how do I get my faith from your heart to your mind? I'm feeling there the longest distance. Is the distance between your head and your heart and I couldn't fin the way."

وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہیں سمندر بننے لگی تھیں۔ اس نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کتنے شکوے درج تھے ان سرمئی نگاہوں میں۔ اس حصار نے اسے مقید کر دیا تھا جیسے۔

My mind has latest decide, my heart for feeling is that wrong or right. I think my mind decide with intellect."

وہ مدھم لہجے میں توجیحات پیش کر رہی تھی۔ خفگی سے دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

"I would must say you are afraid of action rather than of intellect."

وہ مدھم لہجے میں حتمی رائے دے رہا تھا۔ اگر اس کا مقصد اس کی خاموشی کو توڑنا تھا تو وہ قدرے کامیاب ہوا تھا۔

"I know love is the pain and heart gets used to suffering. I'm trying to find the way around the circles but it's always the same."

وہ مدھم لہجے میں شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور حین شاہ کی سرمئی آنکھیں سمندر بن گئی تھیں۔ آنسو بند توڑ کر رخسار پر بہنے لگے تھے۔

''محبت کبھی نہ سمجھ میں آنے والا معمہ ہے۔ میں جان گیا ہوں۔

"Love cannot understood by words."

وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"Don't cry, I can't stand it."

اسے تھام کر قریب کیا تھا اور لب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے اور۔ حین شاہ نے تھک کر سر اس کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔

❁ ❁

ناول **اک فسون تو** ابھی جاری ہے۔ سولہویں قسط اگلے ہفتے بروز بدھ پیش کی جائے گی

ھین شاہ کی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔نجانے کب کے رکے آنسو بند توڑ کر نکل آئے تھے اور وہ دل کا درد اس کے کندھے پر بہانے لگی تھی۔کتنی ہی دیر گزر گئی تھی۔خاموشی ان کہی داستانوں کی حکایتیں بیان کر رہی تھی۔صرف دل دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ محبت کا فسوں پھیلتا جا رہا تھا۔وہ اس کے حصار میں مقید تھی۔وہ مدھم سرگوشیوں میں کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اس کی سانسوں کی تپش سے جیسے جل رہی تھی۔اس کی جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔اس سے برداشت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔وہ کمزور پڑنے لگی تھی۔

''تم نہیں جانتیں ہو تم سمجھنے سے قاصر ہو یا پھر جان بوجھ کر انجان بن رہی ہو لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں تم میرے جینے کی وجہ ہو۔تم بن میں ادھورا ہوں۔ایک تم ہی ہو جو مجھے مکمل کر سکتی ہو۔مگر تم یقین کرنے کو تیار نہیں ہو۔تم نے مجھے اندھیرے جنگلوں میں تنہا بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔میرے قدم الجھی ہوئی گنجل راہوں پر پڑ گئے ہیں۔میں ان گنجل ہوتی راہوں کو سلجھا کر تم تک لانا چاہتا ہوں۔جانتا ہوں جان گسل لمحات میں تم پاس ہو،ساتھ ہو،اتنے قریب کہ میں تمہاری دھڑکنوں میں الجھ رہی ہوں۔اس ردھم میں کہیں کھو گیا ہوں۔تم ان لمحوں کو مزید دشوار کر رہی ہو میرے لئے۔مجھے امتحان میں ڈال کر خود کس طرح اتنی مطمئن دکھائی دیتی ہو تم؟ مجھے الجھاؤ میں الجھا کر خود اتنی پرسکون دکھائی کیسے دے سکتی ہو تم۔اگر آگ برابر لگی ہوئی یہ تو اس آگ کی تپش مجھے ہی کیوں سلگا رہی ہے۔صرف مجھے ہی کیوں جھلسا رہی ہے۔اس آگ کی لپٹیں تم تک کیوں نہیں پہنچ رہیں۔میں حیرت میں پڑ گیا ہوں۔سچ کہوں تو میں ان دھڑکنوں کا قرار چرا لینا چاہتا ہوں۔ان سلجھی ہوئی دھڑکنوں کی ڈور خود سے باندھ کر بے چینیوں میں الجھا کر ایک تلاطم برپا کر دینا چاہتا ہوں۔ان دھڑکنوں میں اپنی دھڑکنوں کو مدغم کر دینا چاہتا ہوں۔!!'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ھین شاہ نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔اظل سہام مرزا نے اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھا تھا اور نجانے کیا کچھ تھا اس کی آنکھوں میں ھین شاہ اس کی آنکھوں میں مزید نہیں دیکھ سکی تھی۔نگاہیں جھکا گئی تھیں۔اس پلکیں اس کے چہرے پر مرکوز رہی تھیں۔سارے جسم کے خون سمٹ کر چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ھین شاہ کو اپنا سارا چہرہ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا۔اس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر فاصلوں کو بڑھانا چاہا تھا۔لیکن اظل اس کے لیے تیار نہیں تھا۔اس کی گرفت کچھ اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ھین شاہ اس کی گرفت میں کسمسائی تھی۔بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اظل نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا پھر گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔ھین شاہ نے قدم پیچھے ہٹائے تھے اور فاصلوں کو بڑھا دیا تھا۔

''کیا تم جانتی ہو ھین شاہ؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے ھین شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور ھین شانہ بمشکل نگاہیں اٹھا کر اظل کی طرف دیکھا تھا وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔خاموش نگاہوں میں کتنے سوال چھپے ہوئے تھے۔

''جب تم میرے اور تمہارے درمیان کو بڑھاتی ہوں میلوں کی دوریاں حائل کر دیتی ہو ایسے میں میرا دل پریشانی میں گھر جاتا ہے سانس تھمنے لگتی ہیں ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہونے لگتا ہے۔دل کے چاروں خانوں میں خوف سرایت کر جاتا ہے۔دوری کا احساس ڈر

کے پنجے مضبوطی سے دل میں گاڑ دیتا ہے۔کونوں کھدروں میں دبکے وسوسے اچانک نکل کر سامنے آجاتے ہیں ایسے میں خدشات راستہ بنا کر دبے پاؤں چلتے ہوئے دل کا احاطہ کر کے اس کے اردگرد گھیرا تنگ کر دیتے ہیں اور خوف دل سے آنکھوں تک کا سفر کرتا ہے اور چلتا ہوا آنکھوں میں آٹھہرتا ہے۔وہی جو مجھے تمہاری آنکھوں میں دکھائی دیتا ہے میری آنکھیں بھی اس احساس سے جلنے لگتی ہیں۔تم نا مانو مگر یہ حقیقت ہے۔ایک جلتا بجھتا سا احساس میری آنکھوں کو سلگا رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔گہرے راز منکشف کر رہا تھا۔اس نے ایک نگاہ اس پر کی تھی اور پھر اگلے ہی پل نگاہ چرا گئی تھی۔

''میں تمہارے چہرے لکھی داستانوں کو ازبر کرنے کے جتن کر کے ہارنے لگتا ہوں مگر ہر بار اسلوب اور بھی دقیق ہو جاتا ہے۔ میں اس دقیق اسلوب کو جو ایک خوف کی مہین تہہ کے نیچے دب گیا ہوں اس خوف نے مجھے بھی زیر کر لیا ہے۔تبھی تو ان داستانوں کے بدلتے اسلوب نے خدشات کو تقویت دی ہے۔میں جانتا ہوں یہ خوف بے وجہ نہیں ہے۔میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا ہوں۔تمہیں خود سے دوری جاتا نہیں دیکھ سکتا۔اگر میں نے ان لمحوں کو یوں گنوا دیا تو شاید میں جی نہیں پاؤں گا۔'' وہ بولتے بولتے جیسے تھکنے لگا تھا۔

"I want to tell you when I think of all my sorrow while I have you here I won't let you go and I shouldn't let you go ever... because I can't live if living is without you...!"

وہ مدھم لہجہ جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا۔دھیمے لہجے میں ایک جنون تھا۔اور آنکھوں کی اضطرابی بڑھتی جا رہی تھی۔بے چینی حد سے سوا تھی۔

ھین شاہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے اظل کی طرف دیکھا تھا۔وہ اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔مسلسل پے در پے وار کر رہا تھا۔اگر وہ اپنے لفظوں کے جادو میں اسے مقید کرنا چاہتا تھا تو وہ اس میں قدرے کامیاب ہوا تھا۔وہ اس کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کروا چکا تھا۔اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔جیسے وہ اس کی باتوں سے منکر تھی۔وہ اعتبار کرنے سے قاصر نظر آرہی تھی۔پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔مدھم لہجے میں بے اعتباری تھی۔عجیب گریزپا سا انداز تھا۔

"I closed all doors not because of only doubts, pride, incapacity or arrogance. I did try to manage things in good manners. I trusted you... I tried to find the path but simply becaus they no longer lead somewhere... it seemed I'm failed completely.

وہ مدھم لہجے میں توجیحات بیان کر رہی تھی۔اپنے خدشات کو زبان دے رہی تھی۔آنکھیں پھر سے سمندر بننے لگی تھیں۔ان سمندروں میں طغیانی برپا تھی اور اظل خود کو ان سمندروں میں ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔اس کے لہجے میں چھپی بے بسی صاف عیاں تھی۔اظل نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا تھا پھر بازو اس کے گرد حمائل کیا تھا اسے خود سے قریب کیا تھا۔

''تم نہیں جانتی ہو حین شاہ عشق کی حدود لامحدود ہوتی ہیں۔ وہ بندگلی میں بھی راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ عشق کے اسرار و رموز سے آگہی پانا دشوار ہے۔ تم چاہے جتنی مرضی پرتیں لگا کر خود کو چھپا لو مگر تم بھیدوں کے اسرار کو ان پرتوں تلے مقید نہیں کر سکتیں۔ عشق کو عادت ہے دقیق اسلوب سے رسائی پانے کی۔ عشق کو تمام بھیدوں پر فوقیت حاصل ہے۔ عشق مشکل مراحل سے گزرتا ہے اور منزل کو تھام کر آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔ جیسے عشق نے تمہارے قدموں کو میرے سامنے لا کر ساکت کر دیا ہے اور تم چاہتے ہوئے بھی اپنے قدموں کو میری مخالفت سمت نہیں بڑھا سکتیں۔ عشق نے تمہارے قدموں کو جکڑ لیا ہے۔ تمہارے قدم دراصل میری دھڑکنوں سے بندھ گئے ہیں۔ جیسے ہی تم دور جانے کا سوچو گی فاصلوں کو بڑھاؤ گی میری دھڑکنیں ساکن ہونا شروع ہو جائیں گی۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ آنکھوں میں بے بسی نمایاں تھی۔ حین شاہ نہ سانسیں روکے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اظل نے اسے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔ پھر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کتنے ہی سمندر سرمئی آنکھوں کے بند توڑ کر باہر چھلک پڑے تھے۔ اظل نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے برستے انمول موتی متاع حیات کی طرح پوروں پر چن لئے تھے۔

''تم مجھے ان سمندروں میں ڈبو دینا چاہتی ہو حین شاہ؟ مجھے ان طوفانوں کی نذر کر کے تم اپنی خاموشی سے مار رہی ہو مگر بس تمہاری خاطر میں ان آوازوں کو سن رہا ہوں۔ دل ان بھیدوں تک رسائی پا گیا ہے جو ان طوفانوں کا موجب بنے ہیں۔''

"Silence tells me lot of tales and the secrets of those stories which your eyes are trying to hide... voices tell me I should carry on... I shouldn't stop loving you... but I am swimming an ocean all alone. It has written on your face... you still wonder if we made a big mistake.."

وہ دھیمے لہجے میں گہرے راز منکشف کر رہا تھا۔ اسی کی طرف بغور دیکھتا اسے حرف حرف پڑھ رہا تھا۔ اس کے دل کے اندر تک رسائی پا گیا تھا۔ وہ حیرت سے بھری بے یقین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سر نفی میں ہلا کر اس کے لفظوں کو رد کیا تھا۔ اظل نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا کر یقین دہانی کرائی تھی۔

"Listen Janna... Don't' be afraid to start over. I gave my all to you. So give me a chance to build something better this time.

وہ مدھم لہجے میں بولتا ہوا اس کی طرف پرامید نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بے چین نگاہوں میں ایک امید کا دیا روشن تھا۔ حین شاہ نے نگاہیں موڑ لی تھیں۔ عجیب گریزاں انداز تھا۔ دل میں کشمکش چل رہی تھی شاید تبھی تو چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔

''حین شاہ تم جو یوں گریزاں ہو۔ نگاہوں کا رخ موڑ کر زاویے بدل دیتی ہو۔ بے اعتنائی برتتی ہو۔ ایسے میں میرا دل برف کی چادر اوڑھ لیتا ہے۔ دل کی رگوں میں خوف کی سرد لہریں سرایت کرنے لگتی ہیں۔ دل کے موسموں پر اچانک جیسے خزاں بسیرا کر کے دل کے درخت کے کانپتے پتوں کو زرد کر دیتی ہے۔ میری آنکھوں میں خواب ان خزاؤں کی زد میں آجاتے ہیں۔ سرد ہوائیں خوابوں کو اپنے ساتھ

اڑا کر دور لے جانا چاہتی ہے میری آنکھوں کو ویران کر دینے کے درپے ہے مگر میں ان خوابوں کو ویران نہیں دیکھ سکتا۔ان خوابوں کی حدت سے ان خوابوں پر جمی برت کی چادر کو پگھلانا چاہتا ہوں۔اس برف کو پگھلا کر سیال بنا دینا چاہتا ہوں۔محبت کی تپش سے ان خوابوں کو پھر سے زندگی دینا چاہتا ہوں۔تم ان خوابوں کو میری آنکھوں سے دور کیوں کرنا چاہتی ہو جاناں.....؟تمہاری آنکھوں میں بے اعتنائی کا کہرا پھیلتا جا رہا ہے۔اس پھیلتی دھند میں سارے خواب غبار کی اوٹ میں کہیں کھونے لگتے ہیں اور میں اس دور تک پھیلی دھند میں ان خوابوں کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا ہوں۔تمہیں خوابوں سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے جاناں.....؟؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔مدھم لہجے میں کتنے سوال تھے.....عین شاہ نے ایک نگاہ اس پر کی تھی اور پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''میں خوابوں سے زندہ نہیں ہوں۔مجھے ان خوابوں سے ڈر قطعی نہیں لگتا۔مگر ان خوابوں کی حقیقت خاصی تلخ اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔جب یہ خواب ٹوٹتے ہیں تو ان کی کرچیاں روح کو زخمی کر دیتی ہیں۔آنکھوں کو سزا جھیلنی پڑتی ہے۔پلکوں پر منوں بوجھ آن پڑتا ہے۔آپ کیوں چاہتے ہیں میں اپنی زندگی منوں بوجھ تلے دبے ہوئے گزار دوں۔اتنی کڑی سزا سے کیوں دوچار کرنا چاہتے ہیں آپ ان خوابوں کے عوض آنکھوں کو۔آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔خواب ہمیشہ وسوسوں میں گھرے رہیں؟ یقین کے پاؤں ان کرچیوں پر چلتے ہوئے لہولہان ہو جائیں۔آنکھیں خدشات سے بھری رہیں۔اندیشے ان پر اپنا تسلط جما لیں؟ اگر آپ کو ادراک ہو چکا ہے کہ تدارک کرنا ممکنات میں شمار ہوتا ہے پھر بے وجہ کیوں ان لمحوں کو طوالت دے رہے ہیں آپ؟ مان لیں یہ فاصلے لامحدود حدود تک پھیلتے چلے جائیں گے.....آپ ان کو سمیٹ نہیں سکیں گے۔آپ کی ساری کوشش رائیگاں جانے والی ہیں۔کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی سمجھ لیجئے آپ.....!'' وہ مدھم لہجے میں جتا گئی تھی۔دھیمے لہجے میں بولتی ہوئی نجانے کیا باور کرانا چاہتی تھی۔وہ ایک لمحے کے لئے رکی تھی پھر گویا ہوئی تھی۔

''ویسے بھی یہ وقت ان باتوں کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے۔اس سے زیادہ اہم ہے ان معاملات کو نپٹانا اور ان کو نہج پر لانا جو کام ادھورے پڑے ہوئے رہ گئے ہیں مجھے آپ کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہے۔زرتاج ارسلان چچا سے ملنا چاہتی ہیں۔وہ کوئی فیصلہ لینے سے پہلے ان سے مل کر معاملات کو کلیئر کرنا چاہتی ہیں۔آپ چچا جان سے بات کریں تاکہ ہم جلد از جلد ان معاملات کو حل کر سکیں پھر باقی باتوں کے بارے میں سوچیں گے۔'' وہ پراعتماد لہجے میں بولتی ہوئی موضوع بدل گئی تھی۔شاید فرار کی کوئی راہ تھی یہ مگر وہ کمال مہارت سے موضوع کا رخ یکسر تبدیل کر گئی تھی۔انداز قدرے بے نیاز تھا اور اظل اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

''تم کمال مہارت سے گمان کے زاویوں کو یقین میں تبدیل کر دیتی ہو۔ایک نگاہ ڈال کر تمام موسموں کو اپنے بس میں کر لیتی ہو۔تمہارے یقین کے سامنے گمان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور مجھے گماں ہراساں سا نظر آ رہا ہے کیونکہ تمہارا یقین میرے گمان پر حاوی ہونے لگا ہے۔عشق نے گماں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ گمان قیاس آرائیاں کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔لیکن عقد کھلا ہے کہ گمان چاروں شانے چت ہو گیا ہے۔عشق نے اسے ایک ہی جست میں زیر کر لیا ہے لیکن ایسی ہار میں بھی جیت عیاں ہو رہی ہے۔عشق

مسرور ہے آنکھوں کی چمک قدرے بڑھ گئی ہے۔احساس تفاخر سے گماں کو دیکھ رہا ہے۔جانتا ہوں عشق نے ہار سے جیت کا سفر طے کرنے کے لئے طویل مسافت طے کی ہے لیکن یقین نے عشق کی راہیں استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں عجیب انکشافات کر رہا تھا۔وہ حیران کر دینے پر تلا ہوا تھا۔وہ حیرت سے کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ لامتناہی باتوں میں الجھ کر اصل مدعے سے ہٹ رہے ہیں۔دھیان اصل معاملے سے ہٹانے کے درپے ہیں مگر آپ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔یہ بات یاد رکھیں آپ۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے تنبیہ کر رہی تھی۔ایک لمحے میں ہی حیرت پر قابو پا گئی تھی شاید۔یا پھر اسے خود پر ضبط کرنا آتا تھا۔اپنے جذبات کو چھپانا سیکھ گئی تھی۔

''تم لمحوں میں موسموں کو اپنے اختیار میں کیسے لے لیتی ہو ھین شاہ؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے الجھنوں میں الجھا کر خود سراپا سوال بنے کھڑے ہوئے ہیں صد حیرت ہے۔'' وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تو خود ان گنجل ہوتے راستوں کی بھول بھلیوں میں الجھ گیا ہوں۔تم نے میرے راستوں کو اپنی سمت موڑ لیا ہے۔میرے قدم بے نشان جزیروں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔بدگمانی کے صحرا میں جھلستے ہوئے آبلہ پا قدموں سے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ان جاں گسل لمحات میں یقین کی لکیریں ان راستوں کی راہنمائی کرنا شروع کر دیتی ہیں یعنی بڑھتے قدموں کو روک لے یا بڑھنے دے۔ان ڈگمگاتے قدموں کو اپنے ساتھ باندھ لے یا گرنے دے اس یقین کی ہوا پر منحصر ہے کہ وصل کی مہین لکیروں کو مٹا دے یا ان لکیروں کو ملنے دے۔عشق کو ہمسفر بنا کر معتبر بنا دے یا پھر عشق کے بڑھتے قدموں کو خاک میں ملا ڈالے یا ہجر کی آگ میں جلا کر خاکستر بنا ڈالے یا پھر خوابوں کی جلی راکھ کو دریا میں بہا دے۔یا وصل کے جگنوؤں کے تعاقب میں دور تک نکل جائے۔عشق کو اجازت ہے دھواں کے غبار میں راستے بنا لے۔عشق کو اختیار ہے اچانک ہی پرسکون سمندر میں طغیانی برپا کر کے طوفانوں کی نذر کر دے۔جیسا تم کرتی ہو سو جب کچھ بھی رہا ہو مگر عشق بے اختیار میں سارے اختیار رکھتا ہے۔تم نہ مانو مگر تم اس بات کی سچائی کو جھٹلا نہیں سکتیں۔اس سے انحراف کرنا کسی طور ممکن نہیں ہے۔'' اس مدھم لہجے میں بے بسی نمایاں تھی۔آنکھوں میں اضطرابی قدرے بڑھ گئی تھی۔وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔وہ تمام اختیارات رکھتے ہوئے بھی اتنی بے چین کیوں تھی۔اس کی آنکھوں میں انجان سا خوف ہر لمحہ کیوں تیرتا دکھائی دیتا تھا۔

ھین نے سر نفی میں ہلا کر اس کی بات کو رد کر دیا تھا۔وہ اس کے خیالات سے اختلاف رکھتی تھی۔

''میں آپ سے بات کر کے لاحاصل بحث کو بڑھانا نہیں چاہتی۔میں آپ کے اصول اور کلیات کو رد کرتی ہوں۔آپ کی سوچوں سے شتر بے مہار کی طرح ادھر ادھر بھٹک رہی ہیں۔مجھے آپ کی سوچ سے اختلاف ہے۔اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنی سوچ ایک دوسرے پر مسلط کرنے سے گریز کریں۔یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔اور آپ کو اپنی منزل تک پہنچنے میں آسانی میں ہوگی۔'' اس نے مدھم لہجے میں توجیحات بیان کی تھیں۔وہ ناصح بنی اسے سمجھا رہی تھی۔

''خواب لاحاصل ہی سہی مگر جینے کی آس ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم یقین اور گمان کے درمیان محوِ سفر ہو تم نے گمان کے پروں پر اڑن بھرنے کا قصد کر لیا ہے حالانکہ تم جانتے ہو یہ کوئی دانشمندانہ فعل ہرگز نہیں ہے۔ میں تمہاری خیر خواہ ہوں۔ تمہیں گرنے سے بچانا چاہتی ہوں مگر تم سمجھنے کو سرے سے تیار ہی نہیں ہو۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نجانے اسے کیا جتانا چاہتی تھی۔ بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے اظل کی طرف دیکھنے سے مکمل طور پر گریز برتا تھا۔

"You know Hayyin Shah... the bitterest tears shed over graves are for words left unsaid and deeds left undone...!"

مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ دھیمے لہجے میں بغور نگاہیں اس پر جمائے اسے سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ اس پر گہرے راز منکشف کر گیا تھا۔

''تم اپنے یقین مجھے کیوں نہیں سونپ دیتیں؟ اگر تمہیں میری اتنی ہی فکر ہے تو یقین کے پر لگا کر میرے ساتھ اڑان کیوں نہیں بھرتیں تم؟ اگر تم میرا ہاتھ تھام کر یقین سونپ دو گی تو میرے گرنے کا خدشہ نہیں ستائے گا تمہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں سوالیہ نگاہیں اس پر جمائے پوچھ رہا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"I'm afraid of falling..."

وہ دھیمے لہجے میں خوف کو بیان کر رہی تھی۔

"Do you think I will let you fall, you know I have wings..."

اس نے دھیمے لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

''تم خوفزدہ کیوں ہو جب میں تمہارے ساتھ ہوں؟'' اس نے ایک اور سوال داغا تھا۔

''تم ساتھ نہیں ہو یہی خوف تو پریشان کرتا ہے۔'' اس نے مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

''اگر اوہام نے مجھے گھیر لیا ہے تو یہ بے وجہ تو نہیں حالانکہ.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی اور اظل کی ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ رکی تھی تو اس کی سانسیں بھی تھمنے لگی تھیں۔

''جب تم بولتے بولتے خاموش ہو جاتی ہو.....ادھوری بات کو مکمل نہیں کرتیں ایسے میں مجھے لگتا ہے جیسے زمین کی گردش اچانک رک گئی ہو۔ جیسے زمین کی دھڑکن تھم گئی ہو اور وہ ساکت آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہی ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں توجیحات بیان کر رہا تھا۔

''میں تمہیں کھونے کے ڈر سے اکثر اپنی باتوں کا ادھورا جواب سن کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ بے جواز خاموشیوں میں جواز تلاش کر کے ادھوری باتوں کے معنی اخذ کرنے میں جت جاتا ہوں۔ اوہام میں گھر جاتا ہوں۔ قیاس آرائیاں کرنے لگتا ہوں۔ لامتناہی خاموشی طویل ہونے لگتی ہے کوئی سراغ نہ پا کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ اب میں جان گیا ہوں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں جب تعلق کمزور پڑ جائیں تو کچھ باتوں کا جواب نہیں ملتا۔ الجھے ہوئے دھاگوں کو جتنا مرضی سلجھانے کی کوشش کر لیں ان گنجل دھاگوں کا کوئی سراغ ہاتھ نہیں

اظل نے کبھی نہ سوچا تھا اس کی بدگمانی کو دور کرنا اتنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ جان گیا تھا وہ اس پر اعتبار کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے محبت کے سارے رنگ کچھ اور بھی گہرے ہو جاتے تھے جب وہ اس کی نگاہوں کے حصار میں مقید ہوتی تھی۔ تب وہ ان نگاہوں کی تپش سے بچنے کے لئے ادھر ادھر دیکھتی تھی۔ خود کو پر اعتماد دکھانے کی بھرپور سعی کرتی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلتے شفق کے سارے رنگ آنکھوں سے منعکس ہو کر اس کے چہرے پر پھیلتے چلے جاتے تھے اور اس کا پورا چہرہ روشنی اور رنگوں سے مزین ہو کر قدرت کا اعلیٰ شاہکار نظر آتا تھا۔ روشن آنکھیں ایک الگ ہی داستان سناتی تھیں جو وہ زبان سے بیان نہیں کرتی تھی۔ چہرہ تمام راز افشاں کر گیا تھا۔ ایسے میں ان تمام رازوں سے آگاہی پانا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ ضد پر اڑ گیا تھا۔ وقت آ گیا تھا جب ضروری ہو گیا تھا وہ خود اپنی محبت کا اظہار کرے۔ اس کے لیے ضروری تھا وہ اسے اگنور کر کے خفگی کا مظاہرہ کرے اور اس نے ایسا کیا تھا۔ وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ اس کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا سی بڑے نقصان سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر ضروری تھیں۔ دادا جان نے اس سے شادی کی بات کی تھی وہ ان تمام لمحات کو یادگار بنانا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا ان الجھنوں کو جلد از جلد سلجھا لیا جاتا۔ وہ ارسلان چچا کے کمرے کی طرف بڑھتا ہوا اگلے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ارسلان چچا شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی پہلی دستک پر ہی اس کو اندر سے جواب موصول ہو گیا تھا۔

''کہاں رہ گئے تھے تم میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ ان کے لہجے میں بے چینی عیاں تھی۔

اور اظل سہام مرزا مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''میں تو جلد آ جانا چاہتا تھا چچا جان مگر آپ تو جانتے ہیں یہ خواتین جب باتیں کرنا شروع کرتی ہیں تو ٹائم کا کوئی دھیان نہیں رہتا ان کو..... زرتاج شاہ اور حسین نجانے کونسی داستانیں سنا رہی تھیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ مگر شکر ہے وہ مذاکرات جوان دونوں کے درمیان طے ہوئے وہ بے نتیجہ نہیں رہے۔'' وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا کہا زرتاج شاہ نے؟ تم قسطوں میں بات کیوں کر رہے ہو؟ ایک ہی بار کیوں بتاتے نہیں۔ میرے ضبط کا امتحان مت لو اظل ورنہ پٹائی کھاؤ گے مجھ سے۔'' انہوں نے بے چینی سے پوچھتے ہوئے اسے ڈپٹا تھا اور ان کی بے قراری پر اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ہاں اڑا لو میرا مذاق..... تم سے بات کرنے سے کہیں بہتر تھا میں اپنی بیٹی سے بات کر لیتا۔ وہ خاصی سمجھدار ہے۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' انہوں نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''زرتاج شاہ کسی بھی حتمی فیصلے سے پہلے آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ کچھ باتیں ہیں جو ان کو پریشان کر رہی ہیں۔ ان کے کچھ خدشات ہیں بہتر ہے آپ دونوں ان معاملات کو ابھی سے طے کر لیں تاکہ آئندہ آنے والی زندگی پر اس کے اثرات مرتب نہ ہوں۔'' اس

نے دھیمے لہجے میں بردباری سے کہا تھا۔

''کب ملنا ہے اور کہاں؟ تم بتاؤ میں چلنے کو تیار ہوں۔'' انہوں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر کہا تھا۔

''ابھی اور اسی وقت..... آپ میرے ساتھ چلئے۔'' اس نے کہا تھا اور پھر فون پر کوئی نمبر ملا کر بات کی تھی۔ پھر ان کی متوجہ ہوا تھا جو سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''تمہیں یقین ہے نا اس نے ملنے کے لے رضامندی دی ہے۔ کہیں تم نے غلط تو نہیں سنا؟ مجھے تو یہ کوئی خواب کا سماں لگ رہا ہے۔ ایسا ہونا ناممکنات میں شمار تھا۔ جو ہو رہا ہے وہ دیکھ کر عقل دنگ ہے۔ سچ کہوں تو مجھے تو اب بھی یقین نہیں ہو رہا کہ ایسا کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ ان لمحوں میں معجزوں پر یقین آنے لگا ہے مجھے۔ اس سے بات کرنا تو ایسے ہی تھا میرے لیے جیسے چاند سے بات کرنا۔ آج چاند کو زمین پر اترتا اور اپنے روبرو دیکھوں گا۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ کہیں دل ہی نہ تھم جائے۔'' دھیمے لہجے میں بے یقینی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجیب احساس ٹھہر گیا تھا۔

''ان باتوں کو سوچنے میں وقت ضائع مت کریں چچا جان۔ محبت کو انتظار کرانا قطعی مناسب نہیں۔ اس لیے وقت پر پہنچنا ضروری ہے۔ جلدی چلئے۔ ہمارے پاس صرف چند منٹ ہیں۔'' اس نے کہا تھا اور پھر چلتا ہوا باہر کی طرف بڑھا تھا۔ ارسلان سہام مرزا نے اس کی پیروی کی تھی۔ ان کا دل معمول سے کئی گنا تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ کیا کہنے والی تھی مگر دل کی حالت ابھی سے غیر ہو گئی تھی۔ اتنے سالوں کے بعد وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ کیسے ان لمحات کو برتے گا۔ مگر اسے ایک بات کا یقین ہو چلا تھا۔ اس کی دھڑکنیں ساکن ہونے والی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کتنا وقت گزر گیا تھا ارسلان کو لگا تھا جیسے ایک ایک پل صدیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں گننا کس قدر دشوار گزار عمل ہے اسے سمجھ آ گیا تھا۔ اس سے پہلے یہ لمحے مزید طوالت اختیار کرتے وہ اسے اپنے سامنے سے آتی دکھائی دی تھی اور اس کا ہر اٹھتا قدم ارسلان مرزا کی دھڑکنوں کو بڑھا رہا تھا اور نگاہیں اس پر جمائے ایک ٹک اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔ ارسلان آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اسے ساتھ لیے آگے بڑھا تھا۔ کرسی کھینچ کر اس کو بٹھایا تھا پھر چلتا ہوا ٹیبل کے دوسری طرف اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ کتنا ہی وقت خاموشی کی نظر ہو گیا تھا۔ زرتاج شاہ بولنے کے لئے ہمت مجتمع کر رہی تھی۔ ارسلان کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

''جانتی ہو کیا زرتاج شاہ.....؟'' اس نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔ زرتاج شاہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پل بھر کے لیے نگاہیں ملی تھیں مگر اگلے ہی لمحے زرتاج شاہ نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''میں نے آج سے پہلے آپ کو اس طرح کشمکش میں مبتلا نہیں دیکھا۔ اس طرح گومگوں کی حالت تو کبھی بھی نہیں۔ لگتا ہے چاند پر وقت گزرنے کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ گزرنے کے باوجود چاند کی روشنی جوں کی توں ہے بلکہ اس کی دلکشی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کا حسن نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا ہے۔ میں تو حیران ہوں مشکل میں پڑ گیا ہے اس چاند کو دیکھوں یا اس سے بات کروں۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ شاید یہ حسن دل کو قرار مل جانے کے باعث ہی ہوا تھا۔

زرتاج شاہ نے لرزتی پلکوں کو بمشکل اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی خود اعتمادی سے چل کر آئی تھی مگر اسے سامنے ٹکٹکی باندھ دیکھتا پا کر اس کا سارا اعتماد ہوا ہو گیا تھا۔ وہ آج بھی اتنا پاگل تھا۔ اس کا جنون کم ہونے کی بجائے کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔ مگر پہلے آپ مجھے اس طرح دیکھنا بند کریں۔ تب ہی کوئی بات ہو سکے۔'' زرتاج شاہ نے کہا تھا اور ارسلان نے اچانک امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل کنٹرول کیا تھا۔ وہ جانتا تھا معاملے کی نوعیت کیا تھی۔ وہ اس کی حالت سے واقف تھا۔ تبھی سر اثبات میں ہلا کر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''پوچھیں کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ؟ میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب دینے کو تیار ہوں۔ تمام وضاحتیں جو آپ کو درکار ہیں تمام کوشش بروئے کار لا کر آپ کو قائل کرنے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔ تاکہ آپ مطمئن ہو سکیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں اسے یقین دہانی کرا رہے تھے۔

''مگر اس سے پہلے آپ مجھ سے کچھ سوال کریں مجھے ایک بات کا جواب دیں۔ آپ نے کسی دباؤ کے تحت اس شادی کے لئے ہاں تو نہیں کی نا؟ اگر ایسا ہے تو میں آپ سے کہوں گا میں آپ کے ساتھ ہوں آپ اپنی مرضی کا فیصلہ لے سکتی ہیں اور وہ بھی بغیر کسی دباؤ کے۔'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

زرتاج شاہ نے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''سچ کہوں تو میں نے کبھی اس نہج پر نہیں سوچا تھا۔ ایسا سوچنا تو دور کی بات ایسے کسی خیال کا گھر بھی میری سوچوں میں نہیں ہوا۔ مگر جب ھین شاہ نے مجھ سے پوچھا تو مجھے لگا ایک لمحے میں اس نے مجھے طوفان کے حوالے کر دیا تھا۔ میں حیران تھی وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی تھی۔ تب پھر صورتحال اس طرح بدل کر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ باقی آگے کیا ہوا آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ جب حمیرا آپا نے مجھ سے پوچھا تو میں ان کو انکار نہیں کر سکی۔ وہ میرے لئے کس قدر اہم ہیں اس بات سے بھی واقف ہیں۔ انہوں نے والدین کے گزرنے کے بعد جس طرح میرا ل خیال رکھا، میری دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ وہ مجھے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتی ہیں۔ ان کے کسی بھی فیصلے سے انحراف کرنا کسی طور ممکن ہیں۔ میرے لئے وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہیں ان کا کہا ہر لفظ میرے لئے حرف آخر ہے مگر میں ایک بات سے پریشان تھی۔ ہاں کہنے کے باوجود میں مطمئن ہرگز نہیں تھی کیونکہ میں جاننا چاہتی تھی آپ اس بات سے آگاہ ہیں

میرے پر برسوں تک کسی اور کا تسلط رہا ہے۔ میں نے اپنی تمام عمر ایک انسان کے نام بسر کر دی ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی آپ ترس کھا کر مجھ سے شادی کریں اور ہمدردی اور وقتی جذبات بعد میں کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ بن جائیں۔ اسی لیے میں آپ سے مل کر ان تمام باتوں کو کلیئر کرنا چاہتی تھی۔ میں خالی ہاتھ ہوں۔ میرے پاس آپ کو دینے کو کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں اپنی زندگی برباد کرنا چاہتے ہیں؟ اگر شادی کرنا مقصود ہوتا تو آپ کسی بھی اچھی لڑکی کو اپنا ہمسفر بنا سکتے تھے۔ میں جاننے سے قاصر ہوں آپ نے یہ سب کس بنیاد پر کیا ہے۔ اس فیصلے کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟'' وہ مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ نگاہوں میں کتنے سوال تھے۔

اور اس کی بات سن کر ارسلان نے اطمینان بھرا ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ایک طمانیت کا گہرا احساس اس کے اندر سرایت کر گیا تھا۔ اس نے کسی دباؤ کے تحت ہاں نہیں کہا تھا اور یہ بات کافی خوش آئند تھی۔ وہ ان اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف سفر شروع کر چکی تھی یہ ایک مثبت تبدیلی تھی۔

''زرتاج شاہ مجھے اپنی محبت کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے۔ میری محبت اندھیروں میں اجالے کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ طوفانوں کے رخ بدل سکتی ہے۔ ایک ہی لمحے میں تمام چیزوں کو اپنی دسترس میں لے کر قبضہ جما سکتی ہے۔ تم چاہو بھی تو انکار کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس کا عملی ثبوت دیکھا ہے۔ مجھے اس کے ہونے پر یقین ہے۔ تم خالی ہاتھ میں اپنا ہاتھ اس ہاتھ پر رکھ کر اس ہاتھ کو بھر دوں گا۔ خالی دل ہو تو میں اس دل کے پیمانے اپنی محبت سے لبریز کر دینے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ محبت اپنے راستے تلاش کر لیتی ہے۔ ان تمام رکاوٹوں کو جو اس کے راستے میں آتی ہیں ان کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔ محبت اس روشنی جیسی ہوتی ہے جو منعکس ہو کر رنگوں میں بٹ جاتی ہے مگر ہر رنگ محبت کا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے خواص ایک جیسے ہوتے ہیں۔ شایان شاہ کی محبت نے میری محبت تک سفر کیا ہے۔ میری محبت کے رنگ اس محبت کے رنگوں پر چڑھ کر ایک نیا رنگ اختیار کر لیں گے۔ اس کی ہیئت بدل جائے گی مگر محبت کا احساس اسی طور برقرار رہے گا۔ اس محبت کے رنگ معدوم ہو چکے ہیں۔ تمہاری آنکھوں سے عیاں ہے ان رنگوں میں ان مدھم پڑتے رنگوں پر نئے رنگ نمایاں ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی میں ایک بات کو فوقیت دیتا ہوں ماضی سے حال پر اثر انداز ہر گز نہیں ہو سکتا۔ حال آج ہے اور آنے والے کل کا انحصار آج پر ہوتا ہے۔ وہ تمہارا کل تھا جو گزر چکا ہے۔ میں تمہارا آج ہوں اور آج کل پر بھاری پڑ گیا ہے۔ آج نے گزرے کل کو اپنا تسلط جمانے نہیں دیا۔ وہ تسلط دیرپا ثابت نہیں ہوا۔ آج نے اپنے گزرے ہوئے کل کی یادوں کو ایک جار میں ڈال کر ان یادوں کو حنوط کر ان یادوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ اس لیے اب تمہارے دل میں ان یادوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ آج اس خالی دل پر اپنا قبضہ جما چکا ہے۔ آج دبے پاؤں اس دل میں داخل ہو کر اس دل کے تخت پر براجمان ہو چکا ہے۔ آنکھوں میں خوابوں کا بسیرا ہے اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میری آنکھوں میں دیکھ لو۔'' وہ بولتے ہوئے شدت جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا۔ دھیمے لہجے میں مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔ محبت کا یقین آنکھوں کی چمک کو کئی گنا بڑھا گیا تھا۔

اورزرتاج شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ خجلت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ پھر اگلے ہی پل چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''میں نہیں جانتا کب سے مگر مجھے لگتا ہے صدیاں گزر گئی ہیں مجھے تمہیں چاہتے ہوئے۔ میں تم سے بے شمار محبت کرتا ہوں۔ لفظوں میں بیان کرنا دشوار ہے میرے لئے۔ مدتوں صرف اس آس میں بسر کی ہیں ایک خواب کو صدیوں سے آنکھوں میں سجائے ہوئے ہوں۔ آج تعبیر سامنے ہے اور مجھے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے میں اب بھی کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ قسمت کبھی یوں مہربان ہو جائے گی میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ مگر لگتا ہے میری دعائیں فتحیاب ہوگئی ہیں۔ تمہارا ملنا کسی معجزے سے کم ہرگز نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا صدیوں کی اذیت سے گزرا ہوں۔ تمہارے بغیر اپنی جی تو رہا تھا۔ زندگی نہیں تھی۔ اگر سانس لینے کو جینا کہتے ہیں تو پھر شاید وہ زندگی تھی مگر ایک سزا کی تھی۔ تمہارے بغیر ویران اور بنجر تھی۔ تپتے ہوئے صحرا کی طرح جلتی اور سلگتی ہوئی۔ لیکن آج تم ملی ہو تو لگتا ہے صحرا میں پھول کھل گئے ہیں۔ محبت اپنا تسلط جما چکی ہے۔ میرے دل سے تمہارے دل تک گہرا ربط بنا کر تمام رکاوٹیں عبور کر کے تمہارے دل کو جکڑ چکی ہے۔ دل پر قابض ہو کر اپنا تسلط جما چکی ہے۔ تم نا مانو مگر یہ حقیقت ہے۔ میں اس محبت کو تمہاری آنکھوں میں چلتا پھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ گہرے راز افشاں کر رہا تھا۔ آنکھیں محبت کے احساس سے چمک رہی تھیں۔

اورزرتاج شاہ سے نگاہ اٹھانا محال ہوگیا تھا۔ اس سے ملنے کا اس کا مقصد اسے غلط لگنے لگا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس سے رشتے میں منسلک ہونے کی وجہ سے تھا یا وہ اس کی محبت کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکی مگر دل اس کے تسلط تلے آچکا تھا۔ اس کی محبت اسے پر کر چکی تھی۔ اس کے دل پر اتنا اختیار جما چکی تھی۔ نجانے کب اور کیسے دل اس طلسم کدے میں مقید ہوگیا تھا۔ اس نے بچنے کی بھرپور سعی کی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

''نامکمل اور ادھورے لوگوں کے دل بھی آدھے ادھورے ہوتے ہیں۔ آپ کو ابھی سے آگاہ کر رہی ہوں۔ بعد میں کوئی شکایت مت کرنا۔ پھر مت کہنا کہ آپ کو دھوکے میں رکھا۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں۔ واپسی کے راستے ابھی بھی کھلے ہوئے ہیں آپ چاہیں تو واپس جا سکتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ بردباری سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی قیمتی مشورے سے نواز رہی تھی یا پھر آزما رہی تھی۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں مکمل دل کی تلاش میں ہوں۔ میں خود اس آدھے ادھورے دل کے ساتھ صدیوں سے اس کے مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک ایک پل دھڑکنوں پر گنے ہیں میں نے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایک لمحے کو رکا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"I always find beauty in things that are odd, imperfect they are much more interesting."

وہ مدھم لہجے میں جتا گیا تھا۔ دھیمے لہجے میں باور کرا گیا تھا۔

''میں تم سے کہنا چاہتا ہوں تم دنیا کی واحد لڑکی ہو جس کو میرے دل نے دن رات دعاؤں میں مانگا ہے۔

"You are all that I need."

وہ مدھم لہجے میں سرگوشی کر رہا تھا۔

'میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میری پلکوں پر نیند کا کوئی شائبہ تک نہیں رہا۔ تمہیں سوچوں میں کسی اور کا گزر ہوتا تھا یہ سوچ کر رات بے چینی میں گزر جاتی تھی۔ تم سے کچھ اور درکار نہیں ہے بس محبت کا ربط دلوں کے درمیان استوار کرنا چاہتا ہوں۔ نئے واسطے بنانا چاہتا ہوں۔ تمہارے دل کے میرے دل تک ستاروں کی کہکشاں بچھا دینا چاہتا ہوں اگر دل پر ہاتھ رکھ کر اسے مکمل کر دو۔ ادھورے دل کو پورا کر دو۔ دو دلوں کے درمیان اس احساس کو پنپنے دو۔ میرے دل میں محبت کا چراغ جلا کر اسے منور کر دو۔ زندگی کی طویل شاہراہ پر میرے ساتھ چلتے ہوئے عمر تمام کر دو۔ میں کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا یہ وعدہ کرتا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔ آخری سانس تمہارے ساتھ رہوں گا۔ ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں کبھی نگاہوں سے اوجھل ہونے نہیں دوں گا۔'' وہ بولتے بولتے جیسے تھکنے لگا تھا۔ ایک لمحے کے لئے رکا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔ اس کے نگاہ چرا لینے پر مسکرا دیا تھا۔

''جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا اسی ایک لمحے میں تمہارا عکس میرے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ ان آنکھوں نے میرے دل میں ایک حشر برپا کر دیا تھا۔ بے چینیوں نے دل کو ایک پل کسی مقام پر سکون سے ٹھہرنے نہیں دیا۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے میں ان آنکھوں کے حصار میں رہا ہوں۔ تم اب ان تمام باتوں سے بیگانہ تھیں انجان تھیں مگر وہ آنکھیں ان گنت داستانیں سناتی تھیں۔ مجھے ان آنکھوں کے سارے اسلوب ازبر ہو گئے تھے ان گزرنے دنوں میں۔ ان آنکھوں کے سارے اسرار و رموز سے آگہی پا گیا میں۔ تبھی تو اب جب دیکھا ہے تو انجان قطعی نہیں لگی ہو۔ تمہارے دل کی بات جاننے کے مجھے ان آنکھوں میں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بنا دیکھے جان گیا ہوں تم لاکھ نگاہوں کے زاویے کا رخ موڑ لو مگر پھر بھی میں اس راز تک رسائی پا گیا ہوں کہ ان آنکھوں میں میرے خواب بسیرا کر چکے ہیں تبھی تو ان آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی ہے۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ دھیمے لہجے میں دل کی حکایتیں بیان کر رہا تھا۔ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے دل کی داستانوں کو زبان دے رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اب بھی ارسلان کے ہاتھ کے نیچے کپکپا رہا تھا..... ارسلان اس کے دل کی حالت سے آگاہ تھا تبھی تو اظہار کے لیے لفظ کم پڑنے لگے تھے۔

زرتاج نے اس کے ہاتھ کے نیچے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لیے مزید سہنا دشوار ہو گیا تھا۔

''آپ تو نجانے کون سے قصے لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ نہایت ہی چالاک قسم کے انسان ہیں آپ۔ آپ نے باتوں میں الجھا کر میرا قیمتی وقت برباد کر دیا ہے۔ مجھے ان فضول کے قصوں کہانیوں میں کوئی خاص رغبت نہیں ہے۔ آپ قطعی طور پر قابل بھروسہ نہیں ہیں۔

نہایت ہی نظر باز قسم کے انسان ہیں آپ۔ خاصے شاطر ہیں تبھی تو سب کو قائل کرلیا ہے آپ نے اور فیصلہ اپنے حق میں کروالیا ہے۔ یہ تو ثابت ہو چکا ہے۔ بہرحال جو بھی ہوا اسے اپنی فتح سے تعبیر مت کیجئے گا۔ ابھی تک آپ نے میرے دل تک رسائی نہیں پائی یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ آپ کو کڑے امتحان کا سامنا ہوگا۔ اتنا جان لیجئے گا ابھی تو آغاز سفر ہے۔ کبھی سے کسی نتیجے پر پہنچنا اور قیاس آرائیاں کرنے کے مترادف ہے۔ کچھ چیزوں کا حصول اتنا آسان قطعی نہیں ہوتا۔ ویسے بھی کہتے ہیں جو چیز مشکل سے گزر کر حاصل ہوتی ہے اس کی قدر و قیمت قدرے بڑھ جاتی ہے۔ آپ پر وہی مقولہ پورا اترتا دکھائی دیتا ہے کہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں مدلل انداز میں بولتی اس کو چاروں شانے چت کر گئی تھی۔ انداز پر اعتماد تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی پھر مڑی تھی اور چلتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ اس کا ہر رنگ دوسروں سے جدا تھا۔ وہ منفرد تھی۔ خاص تھی۔ پر اعتماد انداز میں بولتی ہوئی وہ اسے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ وہ ابھی تک ان لمحوں کے حصار میں تھا ان لمحوں کو گرفت میں باندھ لینا چاہتا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسے جانے نہ دیتا مگر جانتا تھا یہ جدائی کے لمحے مختصر تھے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے ایک ڈور میں بندھ جانے والے تھے۔ وقت مہربان ہو گیا تھا۔ ساری الجھنیں سلجھ گئی تھیں۔ ارسلان سہام مرزا کے دل میں اندر تک طمانیت اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کبھی کبھی چیزیں اس طرح بکھر جاتی ہیں کہ ان کو سمیٹنا مشکل لگنے لگتا ہے۔ اسے بھی ایسا ہی لگا تھا جس ہراساں الماری میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا زندگی کے خوبصورت لمحے بھی اس کے ہاتھ سے ریت کی طرح پھسلتے جا رہے تھے۔ وہ مٹھی کو مضبوطی سے بند کر ان لمحوں کو مٹھی میں مقید کر لینا چاہتی تھی مگر ایسا ہونا ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ غیر حاضر دماغی سے ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی۔ وہ بھول گئی تھی اسے کیا چاہیے تھا۔ وہ چند لمحوں کی تلاش میں سرگرداں تھی لیکن ہولے ہولے زندگی بکھرتی جا رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے سر جھکا کر گہرا سانس لیا تھا پھر ماؤف دماغ کے ساتھ بکھری ہوئی چیزوں کو دوبارہ سمیٹ کر رکھا تھا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''کون ہے اندر آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔'' اس نے الماری میں چیزیں رکھتے ہوئے کہا تھا۔ عجیب الجھا ہوا انداز تھا۔ تبھی رامین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اس کو اس طرح الجھے ہوئے انداز میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے حین شاہ۔ تم اس قدر الجھی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ کیا تلاش کر رہی ہو تم؟ مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کر دیتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر اسے دونوں کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا تھا۔ حین نے کوئی تردد نہیں کیا تھا۔ پھر چیزوں کو الماری میں رکھ کر اس کی طرف پلٹی تھی اور اس کے سامنے بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم پریشان ہو حین سب ٹھیک ہے نا؟'' وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے اسے پڑھ رہی تھی۔

اور حین شاہ نے اپنے چہرے پر حیرانگی سے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ حیران تھی اس کا چہرہ کھلی کتاب بن گیا تھا ہر کوئی اس کی اندرونی جنگ کا منظر اس کے چہرے پر عیاں تھا جو ہر کوئی اس خلفشار سے با آسانی واقفیت پا جاتا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ بس کچھ چیزوں کی تلاش میں تھی نجانے کہاں رکھ کر بھول گئی ہوں۔ لیکن تم ان باتوں کو چھوڑو۔ اتنی افراتفری مچی ہوئی ہے کہ میں تم سے بات کرنا اور پوچھنا بھول ہی گئی۔ تم خوش تو ہونا اس منگنی سے؟'' حین شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور رامین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں بھی تمہارے جیسی ہوں حین شاہ۔ قسمت کے لکھے پر یقین رکھتی ہوں۔ جو مل نہیں سکتا اس کی خواہش کرنا فضول ہے۔ خواہشوں کے حصول میں ان کے پیچھے سرپٹ دوڑنے سے کہیں بہتر ہے رک کر ان سچائیوں کا سامنا کریں جو زندگی میں کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ بجائے اس کے لامتناہی خواہشوں کے انبار تلے دب جائیں۔ دادی جان کہتی ہیں خواہشیں جنگلی بیل کی طرح بڑھتی ہیں۔ راتوں رات ایک جنگل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور سوچوں کو اس گھنے جنگل میں بھٹکنے کے لئے تنہا چھوڑ دیتی ہیں۔ تب میں نے فیصلہ کر لیا تھا میں اس جنگل میں کبھی نہیں بھٹکوں گا۔'' رامین نے بردباری سے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور حین شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''تم نے ٹھیک فیصلہ لیا ہے۔ جب خوشیاں خود چل کر آتی ہیں اور دل کے دروازے پر دستک دیتی ہیں ایسے میں دروازہ نہ کرنا بیوقوفی ہوتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ بغیر کسی تعامل کے..... بنا تاخیر کیے، بنا تردد کیے اس در کو وا کر دینا چاہئے۔ خوشیوں کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دینا چاہیے تاکہ خوشیاں اندر داخل ہو سکیں۔ اور زندگی کے ورق پر تحریر رقم کر سکیں۔ خوشیوں کے رنگ ان اوراق پر پھیلنے سے قطعی نہیں رکنا چاہئے۔ کیونکہ رنگوں کے بغیر زندگی پھیکی اور بے رنگ ہوتی ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ اس کی خیر خواہ تھی۔ اسے الجھنوں میں گھرا نہیں دیکھ سکی تھی۔

''تم تو اتنی سمجھدار ہو حین شاہ پھر اتنی چھوٹی سی بات تم خود کیوں سمجھ نہیں پا رہی ہو؟ دوسروں کو نصیحت کرتی ہو، ان کی زندگی میں خوشیوں کے آنے راستے دکھا رہی ہو مگر خود تم نے خوشیوں کے لیے در وا نہیں کیے؟ خوشی جو کب سے تمہارے دل کے دروازے پر دستک دے رہی ہے تم اس خوشی کے لیے دروازہ کھولنے میں اتنا وقت کیوں لے رہی ہو؟ اتنی بدگمان کیوں ہو گئی ہو؟ گمان اور یقین کے درمیان الجھ کر کیوں رہ گئی ہو تم؟ اس طرح خود سے لڑتی ہوئی مجھے تو تم چھوٹی سی بچی لگ رہی ہو۔ تم تو دوسروں کے لیے مشعل راہ ہو پھر خوشیوں کو اس بدگمانی کی نذر کیوں کر رہی ہو تم۔ یقین کا ہاتھ تھامنے میں اتنا تردد کیوں؟ جب ادراک ہو چکا ہے کہ یقین کی انگلی تھام کر چلنے میں ہی عافیت ہے۔ اگر کوئی دشواری ہے تو دل سے مشورہ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا..... دل کو پرکھ ہے سچ اور جھوٹ میں۔ یقین اور گمان میں تمیز کرنا آتا ہے۔ میں حیران ہوں تم اتنا تعامل کیوں برت رہی ہو؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی

تھی۔اور ھین شاہ نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

Do you think I'm too young to understand? Do you think I'm caught up in a dream? I know life will pass me by if I don't open up my eyes. If it is going to happen well that's by me."

وہ رندھے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔دھیما لہجہ پرملال تھا۔

"I know it will be all over - all this time I was finding myself and I didn't know I was lost."

دھیما لہجہ قدرے کمزور تھا۔وہ اس کے سامنے کمزور پڑنے لگی تھی اور رامین کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔وہ اسے بے حد عزیز تھی۔ رامین اسے اس طرح درد سے گزرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ھین شاہ میں نے اظل بھائی کی آنکھوں میں تمہارے لیے بے حد محبت دیکھی ہے۔فضا آفتاب تمہاری زندگی میں مداخلت کر رہی ہے۔یہ سارا سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔تم اچھی طرح جانتی ہو اس کے پیچھے کیا عوامل کارفرما ہیں۔وہ صرف ایک مہرہ ہے عمیر شاہ کا شاطر دماغ اس طرح کے کھیل کھیلنے میں ماہر ہے۔مجھے تو حیرت ہے تم اسے یہ موقع کیوں فراہم کر رہی ہو کہ وہ تمہارے دل اور جذبات کو نقصان پہنچا سکے۔جانتے بوجھتے ہوئے تم اسے جیتنے کیسے دے سکتی ہو ھین شاہ؟ اگر فضا آفتاب اظل بھائی کے لئے کوئی اہمیت رکھتی تو ان کے لیے کیا مشکل تھی اس بات سے تم بھی انکار نہیں کر سکتیں اظل بھائی نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔تمہیں ان پر اعتبار کرنا چاہئے۔رشتے اعتبار کے سہارے آگے بڑھتے ہیں۔جب رشتوں میں بدگمانی آتی ہے تو اعتبار کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔ایسے میں رشتے بھربھری دیوار کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔ان کا تمہارا رشتہ صدیوں پرانا ہے۔میں ان کی وکالت نہیں کر رہی کہ وہ بھائی ہیں۔تم مجھے ان سے بڑھ کر عزیز ہو۔اور تمہارے حوالے سے وہ مجھے اور بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔تم دونوں کی جوڑی بے مثال ہے۔ساری بدگمانیوں کو بھلا کر ان پر اعتبار کرو۔ان کو اپنا یقین سونپ دو۔وہ کبھی بھی تمہیں کھونے نہیں دیں گے۔'' وہ ناصح بنی اسے سمجھا رہی تھی۔روشن آنکھوں میں ھین شاہ کے لئے فکرمندی نمایاں تھی۔ھین نے اس کے گال کو پیار سے سہلایا تھا۔وہ خاموش تھی اور رامین اس کی خاموشی سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر پائی تھی۔

''ھین شاہ میں تمہارے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر تم مجھے یوں الجھی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔اگر تمہیں برا لگا تو معافی چاہتی ہوں۔'' رامین نے معذرت کی تھی۔

''تم پاگل ہو۔تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تمہاری بات مجھے بری لگے گی۔میں جانتی ہوں ممانی جان نے تمہیں یہ سب کہنے کو کہا ہے۔وہ جانتی ہیں میں تمہاری بات ماننے سے انکاری نہیں ہو سکتی۔'' وہ مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔رامین نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر اطمینان کا گہرا سانس لیا تھا۔

''ویسے ایک راز کی بات بتاؤں.....فضا آفتاب کا کانٹا تمہاری راہ سے ہمیشہ کے لیے نکلنے والا ہے۔'' رامین نے گویا دھماکا کیا تھا اور حمین شاہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نگاہوں میں کتنے سوال چھپے ہوئے تھے۔

''تم ہر بات سے انجان ہو فضا آفتاب کی شادی عمیر شاہ سے ہو رہی ہے۔'' اس نے مطلع کیا تھا۔

''کیا.....؟'' حمین شاہ نے حیرت سے کھلی آنکھوں سے رامین کی طرف دیکھا تھا جو اس کو مسلسل حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ رامین نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''کس نے کہا تم سے؟'' حمین شاہ ابھی تک حیرانی کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ اس کی عقل یقین کرنے کو تیار نہیں تھی۔

پکی خبر ہے خاصے باوثوق ذرائع سے پتا چلا ہے۔ دراصل دادا جان فون پر حیدر شاہ انکل سے بات کر رہے تھے۔ میں وہیں تھی جب انہوں نے دادی جان کو مطلع کیا تھا۔ ان کی شادی زرتاج شاہ کے ساتھ ہی ہونا قرار پائی ہے۔ وہ دادا جان کو صلاح مشورے کے لئے بلا رہے تھے۔ اس لیے وہ دادی جان کے ساتھ شاہ ہاؤس گئے تھے۔ میں نے سوچا یہ خبر سب سے پہلے تمہیں ہی سنانی چاہئے۔ اسی لیے فوراً تمہیں بتانے کے لیے چلی آئی۔'' رامین نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا اور حمین شاہ نے سکون کا ایک گہرا نس سانس لیا تھا۔

ایک لمحے میں ساری الجھنیں رفو چکر ہو گئی تھیں۔ دل اطمینان سے بھر گیا تھا۔ چہرے کا تناؤ قدرے کم ہو گیا تھا۔ رامین شاہ نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو بغور دیکھا تھا پھر اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''ویسے میرے پاس ایک اور خبر بھی ہے۔ اگر تم کہو تو میں تمہیں بتا سکتی ہوں لیکن اس کے بدلے میں آپ کو کچھ دینا ہوگا۔ ویسے بھی رشتے میں آپ میری جٹھانی لگتی ہیں اتنا حق تو بنتا ہے میرا.....'' رامین نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔

''تم نے قصد کر لیا ہے کہ مجھے پریشان کرو گی؟ رہ رہ کر باتیں بتا رہی ہو۔ تم ایک ہی بار سارے رازوں پے پردہ کیوں نہیں اٹھا دیتی ہو؟ تم تو مجھ سے دشمنی پر اتر آئی ہو۔ اگر اتنی خوشی پا کر دل نے کوئی گڑبڑ کر دی تو نقصان کی ذمہ دار کون ہوگا؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سچ جاننے کے بعد وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

''تم نے اگر مجھے پہلے سے بتا دیا ہوتا تو میں ان کو اس طرح ہرٹ تو نہ کرتی۔'' حمین نے پرملال لہجے میں کہا تھا۔

''دراصل تم بے حد معصوم ہو۔ وہ تم سے خفا ہیں کیونکہ تم ان پر اعتبار کرنے کی بجائے کسی اور پر اعتبار کر کے بدگمان ہو رہی ہو۔ انہوں نے تم سے خفگی کا مظاہرہ کیا تھا کیونکہ وہ چاہتے ہیں تم دل کی بات کو زبان پر لاؤ۔ کھل کر وہ تمام شکایتیں ان سے کرو جو تمہارے دل کو ہراساں کرتی ہیں۔ وہ تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتے یہ بات تو تم بھی جانتی ہو۔ وہ تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں حمین شاہ۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے حقوق کے لیے ان سے لڑو جھگڑو۔ اپنی محبت کا اظہار کرو۔ بدگمان ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہو کر خود کو کمزور ثابت مت کرو۔ انہیں بھی تم یوں الجھن میں گھری ڈری سہمی خوف سے نبرد آزما ہوتی ہوئی حمین شاہ قطعی پسند نہیں۔ وہ تمہیں اس خوف سے ہمیشہ کے لئے

نجات دینا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں یوں دن رات خوف سے لڑتا ہوا قطعی نہیں دیکھ سکتے۔ یہ سب اس ڈرامے کا حصہ تھا۔ میں ان کی رازدار تھی۔ مجھے ان کا ساتھ دینا پڑا تھا تمہارے بھلائی کے لئے۔ تم سے یہ چھپانا پڑا۔ پلیز مجھ سے خفا مت ہونا۔'' رامین نے اس کا ہاتھ تھام کر درخواست کی تھی۔ اس کے انکشافات نے حین شاہ کو حیرت کدوں میں ڈال دیا تھا۔ وہ اسے مسلسل حیران کن انکشافات کر کے اسے پریشانی میں مبتلا کر گئی تھی۔ حین شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ اسے رامین کے ساتھ مل کر بیوقوف بنا رہا تھا اور وہ اسے ہرٹ کرنے کے بعد مسلسل خود کو کوش رہی تھی۔ اسے ہرٹ کرنے کا ملال اسے ایک پل چین نہیں لینے دے رہا تھا اور اب عقد کھلا تھا کہ وہ خائف ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا۔ یہ بات اسے طیش دلا گئی تھی۔

''اظل سہام مرزا نے غلط کیا ہے اسی لیے میں اس پر اعتبار کرنے سے ڈرتی تھی۔ اب تو اور بھی اعتبار کرنا مشکل ہے تم نے اس کا ساتھ دیا ہے مجھے ذہنی اذیت سے دوچار ہونا پڑا۔ تم نے میری دوست ہو کر میرے دشمن کا ساتھ دیا یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ اس کی سزا تو مل کے رہے گی تم دونوں کو۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ارحم سہام اندر داخل ہوا تھا اس کے آخری الفاظ سن چکا تھا۔

''بھابھی پلیز اس قدر برہم مت ہوں آپ۔ میری خاطر محبت کو کوئی سخت سزا مت دیجئے گا۔ بلکہ رامین کے حصے کی سزا آپ مجھے سنا دیں میں بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ تو معصوم ہے۔ اس معاملے کو غصے سے نہیں سمجھداری اور بردباری سے حل کرنے کی ضرورت ہے اور آپ کی سمجھداری کی تو مثالیں دی جاتی ہیں۔ بھیا بیچارے تو دل کے ہاتھوں مجبور ہیں ان کی حالت تو قابل رحم لگتی ہے مجھے۔ کچھ بھی کیجئے گا مگر پلیز ان کو تھوڑی رعایت دے دیں۔ انہوں نے جو بھی کیا آپ کا دل جیتنے کے لئے کیا۔'' وہ بھائی کی طرفداری کر رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے معاملہ کو ہلکے پھلکے انداز میں حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ جانتا تھا ان کا غصہ وقتی تھا۔ حین اسے سامنے دیکھ کر نرمی سے مسکرائی رہی تھی۔ وہ اظل کو عزیز تھا اور اس حوالے سے اس کے لیے بھی اہم تھا۔ بھائی جیسا تھا۔

''تم بے فکر رہو میں تمہاری محبت کو کوئی سخت سزا ہرگز نہیں سناؤں گی۔ تمہاری محبت تھوڑی چالاک ہو گئی ہے۔ میرے دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئی تھی۔ دشمنوں کے ساتھ مل کر اس نے کھلی جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مگر تم بھی کیا یاد کرو گے صرف تمہاری خاطر اس کو سزا سے مستثنیٰ قرار دے رہی ہوں۔ اس کو سزا دینا مطلب تمہیں سزا دینا۔ سو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اب تم اپنی محبت کو اس بات کی یقین دہانی کرا دو جب تک میں دادی جان سے مل لوں۔'' انہوں نے دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی موجودگی میں رامین کا چہرہ مارے خجلت کے سرخ ہو گیا تھا۔ حین شاہ باہر جانے کے لیے آگے بڑھی تھی جب رامین نے پکارا تھا۔ اچانک اسے یاد آ گیا تھا وہ اتنی اہم بات بتانا بھول گئی تھی۔

''حین شاہ آئی ایم سوری میں تمہیں بتانا بھول گئی تم نے باتوں میں اتنا الجھا دیا تھا کہ مجھے مطلع کرنا یاد ہی نہیں رہا تمہیں دادی

جان بلا رہی تھیں۔ انہوں نے تاکید کی تھی تمہیں فوراً ان کے کمرے میں بھیجوں۔ رکو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ حین شاہ کی طرف پیش قدمی کی تھی اور حین شاہ نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے ارحم سہام مرزا کی طرف دیکھا تھا۔

''بھابھی ہونے کے ناطے میں نے تمہاری مدد کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر تم اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ چاہتے تو دل کی بات بیان کر سکتے تھے مگر تم نے موقع ضائع کر دیا۔ لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا رامین مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس کو کبھی ہرٹ مت کرنا۔ کیونکہ اس کو دکھی کرنے کا مطلب مجھے تکلیف میں مبتلا کرنا ہے۔ مجھے تم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں امید ہے تم میرے بھروسے کو کبھی نہیں توڑو گے۔ ہم اپنے دل کا ٹکڑا تمہارے حوالے کر چکے ہیں۔ اب اس کسوٹی پر کھرے اترنے کی تمہاری باری ہے۔'' حین شاہ مدلل انداز میں رامین کی بہن ہونے کا حق جتایا تھا۔

''میں آپ کے جذبات سمجھ سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں رامین آپ کو کس طرح عزیز ہے۔ آپ سپر پاور ہیں میں سپر پاور کے عتاب کا نشانہ ہرگز نہیں بننا چاہوں گا۔ ایسے میں جب ایک انسان کی حالت راز صاف سامنے نظر آ رہی ہے ایسے میں میں ان راہوں پر چلنے سے اجتناب برتوں گا۔ جانتے بوجھتے خود کو مشکل میں نہیں ڈالوں گا کیونکہ سپر پاور کا عتاب سہنے کی نہ ہی مجھ میں ہمت ہے نہ ہی حوصلہ۔ آپ نے تو بھیا کو ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں ان جیسے مضبوط انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایک ہی وار میں ان کو چاروں شانے چت کر دیا ہے میں تو پھر ایک کمزور سا انسان ہوں۔ آپ کی بہن آپ سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہوگی اس کا یقین ہو چلا ہے مجھے۔ دل نے غلط جگہ ڈبو دیا ہے مجھے تو اپنا مستقبل خطرے میں پڑتا نظر آ رہا ہے۔'' وہ مسکین سی صورت بنائے آنکھوں میں شرارت کی چمک لیے بول رہا تھا اور حین شاہ اور رامین بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو روک نہیں سکتی تھیں۔

''شکر ہے آپ مسکرائیں تو ورنہ میں تو سمجھا تھا آپ کو مسکرانا آتا ہی نہیں ہے شاید۔ بھیا اگر آپ کو یوں مسکراتا دیکھیں گے تو میں شرطیہ کہتا ہوں وہ ایک بار پھر سے آپ کی محبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ بھیا نے شاید آپ کو ابھی تک یہ بتانے کی جرات نہیں کر سکے کہ آپ مسکراتے ہوئے بے حد حسین لگتی ہیں یا پھر انہوں نے کبھی آپ کو یوں بے ساختہ مسکراتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔ ایک عرصے بعد چیزیں معمول پر آنے لگی تھیں۔ دیور بھابھی کی خوبصورت سی نوک جھوک ارحم کو واقعی لطف دے گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ نیا تھا وہ اس تجربے سے پہلے نہیں گزرا تھا اور حین شاہ کو مان لینا پڑا تھا وہ زندگی کے خوبصورت رشتوں سے دور رہ کر کتنے لمحوں کو گنوا چکی تھی اپنی بیوقوفی کی وجہ سے مگر اب اسے سب کچھ سدھارنا تھا اور معمول پر لانا تھا۔

''تم سے تو میں بعد میں بات کروں گی۔ ابھی پہلے تو تمہارے بھائی سے نپٹنا ہے مجھے۔ پھر تمہارے کان کھینچوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے رامین کا ہاتھ پکڑے باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''ارے آپ جایئے اپنی دادی جان سے ملئے پھر اپنے شوہر نامدار سے جو چاہیں سلوک روا رکھیں آپ کو کون روک سکتا ہے مگر مجھ

پر ایک کرم کر دیں۔ رامین کو چند لمحوں تک یہاں چھوڑ دیں مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے ان سے۔'' اس نے درخواست کی تھی۔ ایک پل میں کمال چالاکی سے پینترا بدلا تھا۔

وہ جاتے جاتے رک گئی تھی پھر رامین کی طرف دیکھا تھا جس کا چہرہ مارے خجلت کے سرخ پڑ گیا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ کی درخواست رد کر دی گئی ہے اس لمحے۔ مگر اس درخواست پر سوچا جا سکتا ہے۔ تمہیں خاص جلدی ہے میرا خیال ہے مجھے تمہاری بات آگے پہنچانی ہوگی۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ کمال کی ذہین خاتون ہیں دیکھئے ابھی بھی بغیر کہے میرے دل کی بات سمجھ گئی ہیں۔ اب سمجھ آ گیا ہے اگر بھیا دل ہارے ہیں تو بے وجہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے آپ میری سفارش کریں گی تو اسے کوئی رد نہیں کر سکے گا۔ آپ کی اس نیکی کا صلہ آپ کو ضرور ملے گا۔'' ارحم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور حمین نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ مسلسل رامین کو نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

''حمین شاہ تم چلو تم بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہو۔ ان کو عادت ہے بے پر کی اڑانے کی۔ اس نے رامین شاہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ حمین شاہ کو ان کی چھیڑ چھاڑ نے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے پیار سے رامین کے گرد بازو حمائل کیے تھے۔

''ہمیشہ خوش رہو تم دونوں۔ تم دونوں کی جوڑی نہایت شاندار ہے۔ دادا جان کا انتخاب لاجواب ہے رامین شاہ۔ بڑے جو فیصلہ میرے لیے کرتے ہیں وہ بہترین فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے اس فیصلے کے پیچھے ان کے برسوں کے تجربے کا نچوڑ اس فیصلے میں شامل ہوتا ہے۔ وہ جس فیصلے پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کرتے ہیں وہ رشتہ معتبر ہوتا ہے اور جب ایک ڈور میں بندھ جاتے ہیں تو محبت دلوں میں اپنے آپ ایک جگہ بناتی ہے۔ دل محبت کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ جیسے ابھی تمہارے چہرے پر ارحم کی محبت شفق کے رنگوں کی طرح پھیل گئی ہے۔ اس کی آنکھوں سے نکلتی شعاعوں نے تمہارے چہرے کو رنگین کر دیا ہے۔ محبت کا گلاب تمہارے دل سے ہوتا ہوا تمہارے چہرے پر ثبت ہو گیا ہے۔ تمہاری آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ میرے دل سے تمام خدشات مٹ گئے ہیں۔ اب میں خود کو مطمئن محسوس کر رہی ہوں۔ تمہیں خوش اور مطمئن دیکھ کر میرے دل میں طمانیت اتر گئی ہے۔'' حمین شاہ نے اس کو سامنے کیا تھا پھر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''مجھے یقین آ گیا ہے محبت اپنے راستے خود تلاش کر لیتی ہے۔ محبت کو زیادہ تردد کرنا نہیں آتا۔ ارحم کی محبت نے میرے دل میں داخل ہو کر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ میں نہیں جانتی ایسا کب اور کیسے ہوا۔ نجانے وہ کب دبے پاؤں چپکے سے آیا اور اس نے دل کو فتح کر کے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دراصل میں نے محبت کا مفہوم اب ہی سمجھا ہے۔ میں شاید محبت کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔ تبھی تو اسے محبت سمجھ بیٹھی جو وقتی احساس تھا یا پھر ارحم کی محبت زیادہ طاقتور ہے جو اس محبت پر حاوی ہو گئی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں مکمل طور پر اس رشتے کو جان و دل سے قبول کر چکی ہوں۔ محبت کی طاقت سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے مجھے۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کا اقرار کرتے ہوئے بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ دھنک کے سارے رنگ اس کے چہرے پر آن ٹھہرے تھے۔ روشنی کے جگنوؤں نے

اس کی آنکھوں میں بسیرا کر اس کی آنکھوں کی چمک کو بڑھا دیا تھا۔

اور حین سوچ رہی تھی محبت واقعی اتنا اثر رکھتی ہے کہ پہاڑوں کا سینہ چیر کر اپنا راستہ بنا لیتی ہے۔ وہ رامین اور ارحم سہام کے لیے دل سے خوش تھی۔ دل ہی دل میں اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کی تھی اور عجلت میں دادی جان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ ان کے کمرے کے دروازے پر ہولے سے دستک دی تھی ان کی اجازت پا کر اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ شاید اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ الماری کھولے کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ بیڈ پر کتنے ہی زیورات کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم دادی جان۔ آپ نے بلایا تھا مجھے۔ کیا تلاش کر رہیں آپ دادای جان میں آپ کی کچھ مدد کروں مجھے بتائے اور آپ یہاں بیٹھ جایئے چپ چاپ۔'' اس نے آگے بڑھ کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں تھام کر بیڈ پر بٹھایا تھا۔

''جیتی رہو میری جان۔ تم آ گئی ہو نا تو میری ساری فکریں اور پریشانیاں ختم ہو گئی ہیں۔ میں نے اب کچھ کر لیا ہے۔ تم یہاں بیٹھو میرے سامنے اور یہ تمام زیورات کے ڈبے کھول کر دیکھ لو۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے اور یہ لو تمہارا ڈریس آج شام کی تقریب کے لئے۔ یہ پہن کر تیار ہو جاؤ وقت کم ہے۔ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا ہے کہ کچھ زیادہ کرنے کا موقع نہیں ملا مگر خاندان کی پہلی تقریب ہے۔ تمہیں اپنے خاندان کو احساسات کی عکاسی کرنی ہے وہاں پر۔ اس لیے تمہیں سب سے زیادہ نمایاں لگنا چاہئے اس تقریب میں تا کہ سب جان سکیں تم نفیسہ سہام مرزا کی بہو ہو۔'' انہوں نے شفقت بھرے انداز میں ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا تھا۔ ان کے ہر لفظ میں ان کی محبت چھپی ہوئی تھی۔ حین شاہ مسکرا دی تھی۔

''مگر جانا کہاں ہے دادی جان کونسی تقریب ہے آج؟'' وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تو تمہیں بتانا بھول گئی۔ عمیر شاہ اور فضا آفتاب کی نکاح کی تقریب آج شام کو رکھی گئی ہے۔ انہوں نے تمہارے دادا جان اور مجھے بلایا تھا صلاح مشورے کے لئے۔ حمیرا بیگم جب سے اسپتال سے گھر آئی ہے نجانے کیسا خوف اس کے دل میں سما گیا ہے کہ وہ ایک لمحے کی دیر برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ جلد از جلد تمام فرائض کی ادائیگی کر کے مطمئن ہو جانا چاہتی ہے۔ اس نے کہا وہ چاہتی ہے کہ اپنی زندگی میں تمام خوشیاں دیکھ لے۔ اسے لگتا ہے اس نے اپنی بیوقوفی کی وجہ سے بہت سی زندگیوں سے کھیلا ہے۔ ان قیمتی لمحوں کو دشمنی نبھانے میں ضائع کیا ہے اور عمیر شاہ کو اپنی سوچوں پر چلا کر اسے حقیقی خوشیوں سے دور کر دیا تھا۔ اس لیے وہ اب کسی لمحے کو ضائع کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے آج شام کو نکاح کی تقریب ہے اور ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا۔ میری بیٹی کی خوشیوں میں وہ سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں خوش ہو گی تو تمہاری اور اظل کی زندگی سے غلط فہمی اور بدگمانی کا کانٹا بھی ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ تم چاہو تو مجھے خود غرض کہہ سکتی ہو مگر یہ درست ہے۔ ماں کے لئے اپنے بچوں کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا اور میرے لئے بھی تمہاری اور اظل کی خوشی ساری دنیا سے بڑھ کر ہے۔'' انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور اس کا صبیح چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے ماتھے پر

ممتا کا لمس ثبت کیا تھا اور حسین شاہ نے جذبات سے مغلوب ہو کر ان کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔ نجانے کیوں دل بھر آیا تھا۔ آنکھوں سے کتنے ہی قیمتی قطرے ٹوٹ کر ان کے کندھے پر جذب ہو گئے تھے۔ شاید یہ خوشی کے آنسو تھے یا ان کی لے لوٹ محبت کی وہ مقروض ہو گئی تھی۔ وہ اس کے جذبات سے آگاہ تھیں۔ اس کے دل کے خدشات بنا کہے ہی جان گئی تھیں۔ وہ اس راز کو پا گئی تھی کہ محبت اور دل سے جڑ رشتوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان رشتوں میں لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دل خود ہی تمام رازوں سے آگاہی پا جاتا تھا جیسے دادی جان کا دل اس کے دل میں چھپے تمام اندیشوں اور وسوسوں سے آگاہ تھا۔

''میری جان محبت جب ایک بار دل کے دروازے پر دستک دے دیتی ہے تو پھر سوچوں کے گہرے سمندر سے آزادی کسی طور ممکن نہیں ہوتی۔ کسی طور اس سے رہائی نہیں ہو پاتی۔ ساری سوچیں محبت کے اس گہرے سمندر میں ڈوب جاتی ہیں اور چاہیں بھی تو اس سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ جب کچھ عجیب اور بے سبب سی الجھنیں دل کو گھیر لیتی ہیں کچھ جفت اور کچھ طاق لمحے دل کو وسوسوں میں ڈال دیتے ہیں لیکن بس ایسے ہی ہے جیسے لحاتی طور پر سمندر میں طغیانی برپا ہو جاتی ہے اور کچھ گزر جانے کے بعد سمندر پھر سے پرسکون ہو جاتا ہے۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا میری جان میری زندگی بھر کا نچوڑ ہے یہ جو میں نے زندگی سے سیکھا ہے جو جانا ہے سمجھا ہے وہ فقط یہی ہے کہ محبت تمہیں کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا اور کچھ نہیں مانگتی ماسوائے محبت کے..... محبت کا کلیہ بڑا ہی عجیب ہے اور یہی محبت کا مفروضہ ہے۔ محبت اپنے کلیات اور مفروضات پر چلتی ہے۔ وہ نا کسی کی سنتی ہے نا ہی مانتی ہے۔ محبت کے کلیات اور مفروضات کو بدلا قطعی نہیں جا سکتا۔ ان کلیات اور مفروضات میں ترمیم کی گنجائش قطعی نہیں ہوتی۔ محبت ترمیم کی درخواستوں کو رد کر کے کالعدم قرار دے دیتی ہے۔ محبت کو دلیلوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ صرف تاویلیں نہیں سنتی۔ محبت اپنے اصول خود بناتی ہے۔ اس کو کسی اور اصولوں پر چلا کر پابند نہیں کیا جا سکتا۔ محبت دل کو پابند کر لیتی ہے۔ محبت اپنے اصول اور اپنے قوانین رائج کرواتی ہے۔ محبت اپنے آئین کا نفاذ کرتی ہے۔ محبت کا انداز تحکم بھرا ہوتا ہے۔ وہ اپنا آپ منوا لیتی ہے۔ محبت حکم دیتی ہے اور ہو جاتا ہے۔ محبت حاکم ہے۔ وہ کسی اور کے حکم نہیں مانتی۔ محبت جب ایک بار دروازے کھول دے تو پھر اس در کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ جب محبت بولتی ہے تو فسوں بکھیر دیتی ہے۔ مدھم مدھم سرگوشیوں میں باتیں کرتی ہے۔ محبت اپنے کان ہمیشہ کھلے رکھتی ہے۔ وہ جو سننا چاہتی ہے وہ سنتی ہے اور جن باتوں سے اجتناب برنا چاہے وہ ان سے لاتعلق ہو جاتی ہے۔ محبت دل پر قابض ہو کر دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیتی ہے۔ محبت اپنے قوانین کو لاگو کرتی ہے یہ کسی طور ممکن نہیں ہے کہ محبت کے قوانین سے انحراف برتا جائے۔ محبت کی نفی کسی طور ممکن نہیں ہوتی۔ یہ ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ محبت مخفی باتوں کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ محبت سب جانتی ہے محبت تمام اسلوب کو ازبر کر لیتی ہے۔ ویسے ہی جیسے اظل نے تمہارے دل کے تمام رازوں تک رسائی پائی ہے۔ وہ تمہارے دل کو فتح کر چکا ہے۔ وہ بنا کہے ہی تمہاری دل کے خدشات کو سمجھ جاتا ہے۔ تمہیں اظہار کرنے کی ضرورت کبھی نہیں پڑی۔ اس نے خود کو بدل لیا ہے۔ تمہارے مزاج کے رنگوں میں ڈھل گیا ہے۔ تم نے اس کے دل پر اثر پذیر ہو کر کے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

وہ تمہارے حصار میں ہے۔ میں نے اسے پالا ہے۔ اس کی پرورش کی ہے۔ میں اس کے دل کی بات سمجھتی ہوں اور تمہارے دل سے بھی واقف ہوں۔ تم دونوں کے درمیان جو حد حائل تھی وہ اب نہیں رہی ہے۔ وہ پہلے دن سے ہی تمہارا تھا اور وہ صرف تمہارا ہی رہے گا۔ تم اس کے دل کی خواہش ہو اور خوش کی وجہ بھی۔ مجھے امید ہے کہ تم اس الجھن کو سلجھا لوگی اور اپنے اور اس کے درمیان آئی اس بدگمانی کی دیوار گرا دو گی۔'' وہ مدلل اور بردبار انداز میں اسے سمجھا رہی تھیں۔ ان کی باتوں میں محبت اور ان کی عمر بھر کے تجربے کا نچوڑ تھا۔ ان کی محبت اور شفقت بھرا انداز ھین شاہ کے دل پر گہرے اثرات مرتب کر رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک رکی تھیں پھر بولنے لگی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں محبت کا سمندر تھا۔ ماں کا دل سمندر جیسا گہرا تھا وہ جان گئی تھی۔

''تم دونوں کی خوشی میری خوشی ہے میری جان۔ مجھے امید ہے آج جب عمیر شاہ اور فضا آفتاب نئی زندگی شروع کر رہے ہیں تم دونوں بھی اپنی زندگی مثبت انداز میں شروع کرو۔ تمام باتیں بھلا کر خوشی کا ہاتھ تھام لو۔ ان حقیقی خوشیوں سے دور مت رہو میری بچی۔ زندگی کی خوشیوں پر تمہارا پورا حق ہے اور اظل اور اپنی زندگی اور خوشیوں کی بنیاد پھر سے قائم کرو۔ ایک دوسرے پر اعتبار کرو اور اس بھروسے کو کبھی ڈگمگانے مت دینا۔ زندگی میں چاہے جتنی بھی مشکلات اور امتحان کیوں نہ آجائیں کبھی ایک دوسرے کا ساتھ مت چھوڑنا۔ کبھی کبھی بدگمانی کو پھر سے اپنے درمیان جگہ مت بنانے دینا۔ امید ہے تم میری بات سمجھ گئی ہوگی اور اس پر عمل کروگی اس بات کا یقین ہے مجھے۔ کیونکہ میری بیٹی بے حد سمجھدار ہے بس ذرا سی بھول ہے۔'' انہوں نے محبت سے اس کے گال کو سہلایا تھا۔ اور یقین بھری نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا تھا اور ھین شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''میں آپ کے بھروسے کو ہمیشہ قائم رکھوں گی دادی جان۔ آپ کے بھروسے کو کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گی۔ آپ کا بے حد شکریہ آپ نے میری راہنمائی کی۔ مشکل گھڑی میں میرا ساتھ دیا۔ آپ نے ماں ہونے کا حق ادا کر دیا ہے میں خوش قسمت ہوں آپ اور دادا جان میرے ساتھ ہیں۔ آپ کی وجہ سے ساری پریشانیاں اور خدشات لمحوں میں اڑن چھو ہو گئے ہیں۔ دھند کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ مطلع صاف ہو گیا ہے۔ سارے منظر واضح ہو گئے ہیں۔ اب کوئی غم کوئی دکھ مجھے چھو کر بھی نہیں گزر سکے گی۔ کوئی خوف مجھے ڈرا نہیں سکے گا دادی جان۔ میرے پاس الفاظ ہی نہیں جس سے میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ آپ نے مجھے زندگی کے راستوں سے روشناس کروایا ہے۔ میری زندگی سے خوف کے اندھیروں کو بچایا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتی ہوئی جذبات سے مغلوب ہو گئی تھی۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''میری جان ماں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ بچوں کی خوشیاں ہی ماں کی خوشیاں ہوتی ہیں۔ تم دونوں میں میری جان بستی ہے۔ اظل کے حوالے سے تم مجھے اور بھی عزیز ہو گئی ہو۔ تم میری بہو نہیں بیٹی ہو۔ اب ان تمام باتوں کو چھوڑو اور یہ ڈریس لو اور تمام زیورات میں سے جو تمہیں پسند آئے وہ پہن لینا۔ جلدی کرو۔ باقی باتوں کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا کر رکھو۔ ان تمام معاملات میں تم دونوں کو ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اب تمام باتوں کو بھلا کر تم نے ان لمحوں کو خوبصورت انداز میں بسر کرنا ہے۔ میری خوشی کا دارومدار تم دونوں کی خوشحال

اور مطمئن زندگی پر ہے۔'' انہوں نے شفقت بھرے انداز میں کہا تھا اور حین شاہ اٹھی تھی اور تمام ڈبوں کو ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ دل ایک نئے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اندر تک ایک طمانیت بھرا احساس سرایت کر گیا تھا۔ اس کے بارے میں سوچ کر ہی دل کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھا تھا۔ The Body Shop کی لپ اسٹک Coral Kiss کا فائنل ٹچ دیا تھا اور پھر اپنے فیورٹ پرفیوم Guilty Gucci اسپرے کیا تھا۔ اچانک ہی دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر داخل ہوا تھا۔ چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ آئینے میں اس کا عکس کمال کی چھب دکھا رہا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس کی طرف ایک ٹک دیکھتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ واضح نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں کیا چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ دل نئی لے پر دھڑک رہا تھا۔ دھڑکنوں کا شور اسے اپنے کانوں سے سنائی دے رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تھا اور حین شاہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ دل ایک لمحے میں ساکت ہو گیا تھا۔ دھڑکنیں ساکن پڑ گئی تھیں۔ وہ سانسیں روکے دم بخود کھڑی تھی۔ جیسے کسی جادو کے زیر اثر تھی۔ ایک طلسم نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ سانس روکے کھڑی اس کے اگلے اقدام کی منتظر تھی۔ ساری جان مشکل میں پڑ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اس کے دونوں کندھوں پر رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور حین شاہ دم سادھے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر نجانے اس کی نگاہوں میں کیا تھا وہ زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی آنکھوں کی تپش سے اس کا چہرہ جلنے لگا تھا۔ دل دگنی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا بات کہاں سے شروع کرے۔ ساری باتیں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی سے چہرہ اوپر کیا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں کیسے بتاؤں حین شاہ تم کرشمہ محبت ہو فسوں ہو۔ مجھے لگتا ہے جیسے دل پر کوئی ستارہ چمک اٹھا ہو۔ میں سود و زیاں کے سارے قصے بھلا بیٹھا ہوں جان گیا ہوں عشق کا نام خرد نہیں جنوں ہے۔ دل کے سمندر میں ایک تلاطم برپا ہے اک بے خودی ہے جو بے چینیوں کو بڑھا رہی ہے۔ چاروں طرف محبت کا فسوں ہے۔ کہانیوں میں تذکرہ سنا تھا کوہ قاف میں پریاں رہتی ہیں جو چاند سے اترتی ہیں۔ صدیوں بیتیں بچپن گزرے۔ پھر تو ہم وقت کے بدل گئے تھے اب معصوم لمحوں کے حصار سے نکلنے نجانے کتنے ہی زمانے بیت گئے تھے۔ میں حیران تھا وہ چاند نجانے کیا ہوگا۔ وہ پریاں جو خواب و خیال کا حصہ بن گئی تھیں جو دھند کے غبار میں کہیں کھو گئی تھیں وہ شاید میرا مغالطہ تھا کہ ان کا وصل خواب تھا میں حیران تھا وہ جو چند سے میلوں کا سفر طے کر کے میرے لئے جھیل پر اتری تھی وہ خفا ہو گئی تھی۔ آج برسوں بعد وہ پری آسمان سے اتر آئی ہے اور اس کے چہرے پر دو چاند چمک رہے ہیں مگر دونوں چاند شاید خائف ہیں۔ میری طرف دیکھنے سے گریزاں ہیں۔ میں حیران ہوں میری دیدہ نم دعاؤں میں اثر کیوں نہیں آتا؟ میری ریاضتوں کا ثمر کیوں نہیں ملتا؟ اتنی بے اعتنائی کیوں ہے تمہاری

آنکھوں میں۔تم اس عرش تغافل سے اتر کیوں نہیں آتیں؟ میں حیران سا کھڑا سوچ رہا ہوں۔ میں یہاں موجوں ہوں مگر آپ کی آنکھوں میں میرا عکس نظر کیوں نہیں آتا؟'' مدھم لہجہ شکوں کناں تھا۔ دھیمے لہجے میں وہ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ دھیمے لہجے میں کتنی شکایتیں درج تھیں۔ آنکھوں میں بے چینیاں تھیں۔ حین شاہ اس کے سامنے کھڑی بمشکل سر اٹھا کر اس کو دیکھ سکی تھی۔ پھر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''جانتی ہو کیا حین شاہ؟ مجھے تو لگتا ہے جیسے دل میں کوئی خواہش رہی ہے نا ہی کوئی حسرت پنہاں ہے۔ عشق جنوں نے میرے دل کو بنجر کر دیا ہے۔ کبھی کبھی قسمت کی سمتیں بدل جاتی ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ریت کا طوفان یادوں پر پڑ کر ان یادوں کو دبا دے۔ لیکن یادیں اندر سے دل کو گرماتیں رہتی ہیں۔ تمہارے تغافل نے دل بہت جلایا ہے۔ میں جانتا ہوں میری باتوں پر اعتبار نہیں ہے تمہیں۔ میری محبت جھوٹ و فریب لگتی ہے تمہیں۔ یہ اک کھوکھلا جذبہ لگتا ہے۔ میں محبت کے اظہار کی خواہش رکھتا ہوں۔ محبت کو اظہار کی حاجت ہے۔ محبت کو کیسے جانے اور اس کے جاننے کی ضرورت ہر پل رہتی ہے اور جنون بڑھتا جاتا ہے۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ لفظ جو میں آج تک نہیں کہہ سکا۔ قصداً خاموش تھا۔ لیکن تم خاموشی کی زبان سمجھنے سے قاصر ہو۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں آنکھیں بند بھی کر لوں تو میری روح بیدار رہتی ہے۔ تمہاری محبت کا سحر مجھ پر صدیوں سے طاری ہے۔ مدتوں سے میں اس محبت کے حصار میں مقید ہوں جاناں۔ محبت سوگتے جاگتے بولتی ہے۔ میں چپ بھی ہو جاؤں تو دل کے راز کھولتی ہے۔ محبت روح سے پھوٹتی ہے۔ تیرا عکس آنکھوں میں بھرتی ہے۔ نقش دل پر کندہ کر دیتی ہے۔ میری محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہے جاناں۔ مجھے تم سے محبت ہے جاناں..... بے حد، بے حساب!'' وہ مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اک فسوں پھیلتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔

حین شاہ سانس روکے اس جادو کے حصار میں بندھ گئی تھی۔ اس کے اظہار نے حین شاہ کی دھڑکنوں میں ایک حشر برپا کر دیا تھا۔ سانس اتھل پتھل ہو گئی تھی۔

وہ شاید سانس لینے کے لئے رکا تھا۔ اس کے قوس و قزح سے مزین چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی مگر ہمت مجتمع کر کے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ کو نہیں لگتا آپ بھی خوش فہمی عبث ہیں۔ آپ نے جو کہا آپ کو کیا لگتا ہے آپ پر اعتبار کرنا اتنا آسان ہے؟ آپ نے ہمارے ذاتی معاملات میں دوسروں کو دخل اندازی کرنے کا موقع دیا۔ آپ نے ان لوگوں کو ہم دونوں کے درمیان ہونے والے اختلافات سے آگاہ کیا۔ ایسا کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ آپ پر محبت کرنا عبث ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بے تاثر انداز میں بولتی ہوئی عجیب لگ رہی تھی۔ اظل کو کھری کھری سنا رہی تھی۔ وہ اس کو اتنی آسانی سے فرار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ جتنا پریشان اس نے اسے کیا تھا اتنا تو حق بنتا تھا کہ اس کو سبق سکھا سکے۔ رامین ہم راز بنا کر حین شاہ کو واقعی برا لگا تھا۔

''آپ جانتے تھے مجھے لفظوں سے مات دینا کسی طور ممکن نہیں تھا آپ کے لئے۔ اس لئے آپ نے کمال چالاکی کا مظاہرہ

کر کے میرے جذبوں پر کاری وار کیا تھا۔ محبت کی بات کرتے ہو تم؟ تمہیں نہیں لگتا محبت لاحاصل سا جذبہ ہے۔ بس صرف لفاظی ہے۔ لیکن تمہیں محبت روشن ستارہ لگتی ہے اور تم اس روشن ستارے کے تعاقب میں نکل پڑتے ہو۔ تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم اس ستارے کا تعاقب منزل کا تعین کر لو گے؟'' وہ مدھم لہجے میں بولتی سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی خاص خود اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

اظل سہام مرزا بجائے برا ماننے کے کھل کر مسکرا دیا تھا۔ آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ حین شاہ کی ساری خود اعتمادی ہوا ہونے لگی تھی۔

وہ مکمل طور پر اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں ہوئی تھی مگر اظل کو یہ منظور نہیں تھا۔ اس نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی۔ اس کی نگاہوں کو ہی نہیں دھڑکنوں کو بھی اپنا پابند کر لیا تھا اور حین شاہ کے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ چہرہ اس کی نگاہوں کی تپش سے جلنے لگا تھا۔ کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر فاصلے بڑھائے تھے مگر اظل سہام مرزا نے ایک قدم آگے بڑھا کر فاصلوں کو کم کر دیا تھا۔ ان درمیان آئے ہوئے فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا۔ وہ شاید ان لمحوں کو امر کر لینا چاہتا تھا۔ ان قیمتی لمحوں کو رائیگاں نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ دل پر وہ حسن کی بجلیاں گرا رہی تھی۔ خائف سی دل میں اترتی جا رہی تھی۔

جب میں جب تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے میرے اردگرد ہزاروں جگنوؤں نے گھیرا ڈال لیا ہو۔ ٹمٹماتے جگنوؤں نے روشنی کا ایک جہاں آباد کر دیا ہو۔ جیسے دل کے آسمان پر بہت سے چمکتے ستاروں نے جھرمٹ ڈال لیا ہو اور وہ چمکتے ستارے دل کے آسمان سے ٹوٹ کر دل کی زمین کی طرف پرواز کر رہے ہوں اور دل کی زمین پر خیمہ زن ہو گئے ہوں۔ مدھم مدھم سرگوشیوں میں بے ربط لفظوں میں تمہارا تذکرہ کرتے ہوئے داستانوں کا انبار لگا دیتے ہیں۔ ہر طرف ایک جگنو بنتا جاتا ہے اور زمین ان جگنوؤں سے چمکنے لگتی ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو میری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ لو تمہیں سب صاف سمجھ آ جائے گا۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنوں تھا۔ آنکھوں میں یقین کی روشنی تھی۔ وہ اسے قائل کرنے کے جتن کر رہا تھا۔ دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ ان گنت رازوں سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''جانتی ہو کیا حین شاہ۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ محبت لاحاصل جذبہ ہے اور محبت کا حصول ممکن نہیں تو یہ تمہارا وہم ہے۔ محبت ایک لافانی جذبہ ہے۔ میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جو چیز لاحاصل ہوتی ہے اس سے محبت قطعی نہیں اس کو پانے کا جنون بڑھتا چلا جاتا ہے اور محبت آہستہ آہستہ عشق کی منازل طے کرتی جاتی ہے۔ تب محبت نہیں عشق جاتا ہے۔ اور عشق کے آگے ساری دنیا سرنگوں ہو جاتی ہے۔ تب پانے اور کھونے کا احساس باقی نہیں رہتا اک تشنگی رہ جاتی ہے مگر ایسے میں دل قلندر بن جاتا ہے۔ جہاں کبھی ایک قطرہ روح تک کو سیراب کر دیتا ہے۔ دل ایک قطرے پر تصرف کر کے صحرا کو گلزار بنا دیتا ہے اور کبھی دل کی راہوں میں سمندر آ ٹھہرتے ہیں مگر دل ان

سمندروں سے گریز پا ہو کر راستہ بدل لیتا ہے۔تم نہ مانو میری یہ حقیقت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں راز افشاں کر رہا تھا۔نگاہیں اس کے چہرے پر بندھ گئی تھیں وہ اس کے بدلے تاثرات سے اسے سطر سطر پڑھ رہا تھا۔

"I know you have been fooling yourself for so long, pretending you don't care about me you don't love me but I found it wasn't true."

''تم نے خود کو مجھ سے دور کر لیا مجھ سے خفگی کا مظاہر کیا تمہیں لگا اس طرح میں تم سے غافل ہو جاؤں گا۔تمہیں بھول جاؤں گا؟ تم کیسے بھول گئیں تم کوئی قصہ نہیں ہو۔تم میری زندگی کا حصہ ہو قیمتی اثاثہ ہو۔میرے جینے کی وجہ تم ہو۔'' اس مدھم لہجے میں جنون بول رہا تھا۔روشن چمکتی آنکھوں میں محبت کے گہرے رنگ ثبت تھے اور حسین شاہ سے خود کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔لرزتی ٹانگیں اس کے بوجھ کو مزید سہنے کو تیار نہیں تھیں۔اس نے تھک کر سر اس کے کندھے پر رکھ کر سرنڈر کر دیا تھا۔خود سپردگی کا یہ انوکھا انداز تھا۔دھڑکنوں میں تلاطم کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا تھا۔اظل سہام مرزا نے اس کے اس فعل پر اس کی طرف دیکھا تھا۔پھر مسرور سا اس کے گرد بانہوں کا گھیرا تنگ کر گیا تھا۔دو دل ایک لے پر دھڑک رہے تھے۔

''میری محبت کی کوئی حدود نہیں ہیں۔کوئی حد مقرر کی بھی نہیں جا سکتی جاناں کیونکہ تم میرے اندر موجود ہو۔میری سانسوں میں جیتی ہو۔میرے دل میں دھڑکتی ہو۔تمہارا عشق میرے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔میں میں نہیں رہا تم بن چکا ہوں۔میں تمہاری میں لفظ تلاش کرتا ہوں۔تمہیں حرف حرف پڑھتا ہوں۔محبت کے نصاب میں ضابطوں کے اسلوب کو ازبر کر کے اس کے تمام اسرار و رموز سے واقفیت پا چکا ہوں۔میں تمہاری سانسوں میں دبی دبی سرگوشیوں کو سن رہا ہوں۔وہ تمام باتیں تو تم نے کبھی نہیں کہیں قصداً لمحوں کو زیاں کر دیا۔میں بے جواز خاموشیوں میں جواز تلاش کرنے میں جت گیا۔ان خاموشیوں نے طوالت اختیار کر لی تھی۔وہ لمحے طویل ہو کر صدیوں پر محیط ہو گئے تھے۔لیکن میں تھکا نہیں تھا۔بنا رکے بنا تھمے چلتا جا رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں پرجنوں تھا۔وہ کتنے گہرے راز منکشف کر رہا تھا۔

حسین شاہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔خاموش نگاہیں گفتگو کے ہنر سے آشنا تھیں۔

"You know when you are silent, you have million thunder hidden inside... Perhaps you must pretend."

وہ مدھم لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔وہ ایک لمحے میں اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"Perhaps not surprising, you were cautious about committing yourself."

''تمہارے اس فعل سے میں حیران نہیں ہوں شاید یہ حیرت کی بات بھی نہیں اگر تم خود ارتکاب کے بارے میں محتاط تھیں۔'' وہ

دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور حین شاہ کا دل اس کی محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت سے بھر گیا تھا۔ وہ اس کو بنا کہے ہی اتنی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے جذبات اور احساسات سے بے خبر نہیں تھا۔ حین شاہ کو مان لینا پڑا کہ اگر دل نے دروا کمیئے ہیں تو بے وجہ قطعی نہیں تھا۔ دل اگر اس کی محبت میں غوطہ زن تھا تو حیرت کی بات نہیں تھی۔ دل نے اگر شکست کھائی تو اسے ہارنے کا ملال قطعی نہیں تھا۔ حین شاہ نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم اگر جیتنا چاہتے تھے تو تم نے سیدھا راستہ اختیار کیوں نہیں کیا اظل سہام مرزا؟ دوسروں کے کندھے پر پاؤں رکھ کر کیوں کھڑے ہوئے تھے تم؟ تمہیں سہارے تلاش کرنے کی ضرورت کیوں پڑی؟ تمہیں کیا لگا تھا بغیر سہاروں کے تم میرے دل تک رسائی نہیں سکو گے؟ بدگمانی بڑھانے کی وجہ تم تھے پھر بدگمانیوں کو کم کرنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی تم نے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ سب کچھ جان لینے کی متلاشی تھی۔ وہ کوئی راز راز نہیں رہنے دینا چاہتی تھی۔

"You know what Hayyin Shah I can't win, I can't reign, I won't win my territory. I want to let you know I am lost completely. I am vain, I can't run, I can't fly... I will never e make it by... I want to tell you I am paralyzed without you.

وہ مدھم سرگوشیاں کرتے ہوئے دل کی حکایتیں سنا رہا تھا۔ محبت کی داستان لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔ اظہار کے طریقے نئے تھے۔ اسلوب سب سے جدا تھا۔

''میں جانتا تھا تم محبت کرنے سے ڈرتی تھی تم Philophobia کا شکار تھیں۔ پہلے دن سے لے کر اب تک یہ خوف کم نہیں ہوا۔ بہت سے عوامل اس میں مزید شامل ہوتے گئے وسوسے بڑھتے گئے۔ خدشات نے ہراساں کیا اور بدگمانی کی ہوا مزید اس خوف کو بڑھانے کا سبب بن گئی تھی۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے میں سمجھ سکتا ہوں جس صورتحال سے تم گزر رہی تھیں ایسے میں اعتبار کرنا دشوار ترین عمل تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں مدلل انداز میں بردباری سے اس کے دل میں چھپے خوف کو بیان کر رہا تھا۔

حین شاہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیسے جان گیا تھا۔

''تم کیسے جان گئے یہ سب؟'' وہ بمشکل پوچھ پائی تھی۔

"Do you know what is Philophobia?"

وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

حین شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے کمزور سے انداز میں توجیح پیش کی تھی۔ اس کی سوچ کو جھٹلایا تھا۔ اپنے دفاع میں کمزور سا جواز تھا اس کا۔

"Philophobia is the fear of failing love or emotional attachment - fear of being in the risk is usually when a person has confronted any emotional turmoil relating to love in the pa but also can be chronic phobia... this affects the quality of life and pushes a person away from commitment. The worst aspect of fear of being in love and falling love is that it keeps a perso in solitude."

وہ دھیمے لہجے میں اس کے خوف کی توجیحات بیان کر رہا تھا اور حسین شاہ حیرانگی سے دیکھ رہی تھی پھر سر نفی میں ہلا کر ماننے سے منکر ہوئی تھی۔

''میرے اس خوف کی وجہ آپ تھے۔آپ جانتے ہیں اب فضول میں باتوں کو ادھر ادھر گھما کر دوسری سمت میں موڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں دل کی بات بالآخر زبان پر لے آئی تھی۔اگر یہ اظہار تھا تو بے مثال تھا۔

''میں آپ کو کھونے سے ڈرتی تھی۔یہی خوف مجھے ایک پل چین نہیں لینے دیتا تھا آپ نے مجھے حاسد بنا دیا تھا۔ایک خوف میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔اس خوف نے اپنے پنجے گہرائی تک گاڑ کر میرے دل کو جکڑ لیا تھا۔میرا سانس لینا تک محال کر دیا تھا۔وہ خوف بے وجہ ہرگز نہیں تھا۔اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔یہ سوچ کر ہی میری سانسیں تھمنے لگتی تھیں۔میرے دل میں ایک وہم بیٹھ گیا تھا میں جس سے محبت کرتی تھی وہ مجھ سے دور چلا جاتا تھا۔ماما پاپا کو کھونے کے بعد میں آپ کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔میرے لیے ایسا بھی محال تھا۔'' وہ بولتے بولتے تھکنے لگی تھی۔سارا الزام اس کے سر پر رکھ کر خود مطمئن دکھائی دے رہی تھی اور اظل کو اس کی معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔عجیب مبہم سا انداز تھا۔سمجھ میں نہ آنے والا۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ ہونا چاہئے تھا۔تم اعتبار کرنے سے کیوں ڈرتی تھیں؟'' اس نے ایک اور سوال داغا تھا۔

''اس لیے کیونکہ آپ اعتبار جیتنے میں ناکام ہو گئے تھے۔سارا قصور آپ کا ہی ہے۔آپ مان کیوں نہیں لیتے۔'' وہ تھکی نظروں سے اس کی طرف خفگی بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی۔شہزادیوں کی سی آن بان لیے کمال تمکنت بھرا انداز تھا اس کا۔وہ ایک لمحے میں اسے زیر کر چکی تھی۔

''حسین شاہ تم ایک لمحے میں بھری دنیا زیروزبر کر دیتی ہو۔تمہیں کمال ہنر آتا ہے۔تم تو میرے خیالوں پر قابض ہو چکی ہو۔میری سوچ کے ہر راستے پر تمہارا پہرہ ہے۔میں چاہ کر بھی تمہارے خیال سے رہائی نہیں پا سکتا۔ہمارے درمیان کوئی نہیں آ سکتا۔حتیٰ کہ کسی ہوا کا گزر بھی نہیں ہوگا۔میں ہوا کو بھی اس کی اجازت نہیں دوں گا۔'' وہ مدھم لہجے میں راز افشا کر رہا تھا۔وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا پھر گویا ہوا تھا۔

''تم بارش کی طرح برستی ہو تم کوئی جادوگرنی ہو۔اسم پھونک کر میری سانسوں کو اپنے بس میں کر لیتی ہو۔پھوار لہجے میں جب بولتی ہو تو صدیوں کے تپتے صحرا کو سیراب کر دیتی ہو۔خشک مٹی میں جان ڈال دیتی ہو۔تمہیں کیسے بتاؤں تم میرے لئے کیا معنی رکھتی ہو۔تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو لامتناہی لکیروں میں پھیلنے لگتی ہیں۔تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں تو سرمئی سمندروں کی طغیانی میں ڈوب

جاتا ہوں۔ان سمندروں پر تیرتے خوابوں کی کشتیاں میرے تذکروں سے بھری ہوئی ہیں۔ان تذکروں میں میرے ہونے کے حوالے ملتے ہیں۔سنہرے بادل ان کشتیوں پر جھک آتے ہیں۔سویا ہوا سمندر خوابناک ادھ کھلی آنکھوں سے ان سنہرے بادلوں کو دیکھتا ہے۔ان منظروں کے جادو سے لفظ جڑنے لگتے ہیں اور تمہارا چہرہ تغیر عشق بن جاتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کمال تجزیہ بیان کر رہا تھا۔

"I never knew what I wanted till I looked into your eyes..."

وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہا تھا اور حین شاہ کمزور پڑنے لگی تھی۔ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔اس کی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔وہ اس کی اچھائی کی معترف ہوگئی تھی۔

"I want to say that I'm so complicated and cause of that I messed everything up. I'm sorry."

وہ مدھم لہجے میں اعتراف کر رہی تھی۔اپنی غلطی کو تسلیم کر رہی تھی۔دو قطرے آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے تھے اور اظل نے ان کو بے وقعت ہونے سے پہلے متاع حیات کی طرح پوروں پر سمیٹ لیا تھا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔تم دنیا کے وہ واحد انسان ہو جس پر میں آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتی ہوں۔تم نے مجھے محبت کے رموز سے آشنائی دی۔تم میری طاقت ہو۔'' وہ مدھم لہجے میں اقرار سونپ رہی تھی اور اظل کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

"I like you because you join in on my weirdness."

وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''حین شاہ تم نے قصد کر لیا ہے کہ مجھے مار کر چھوڑو گی۔تمہارا انداز تکلم جادو بھرا ہے اور میرا دل ناتواں اس جادو کے زیر اثر کپکپا رہا ہے۔تمہاری آنکھوں میں مقناطیسی کشش ہے اور میں اس مقناطیسی کشش کے تحت دائروں میں گردش کر رہا ہوں۔بہت سے راز پنہاں ہیں کتنے اوہام ان پتلیوں کی پرتوں پر تیرتے ہیں۔کتنے الہام ستاتے ہیں۔تمہاری آنکھوں کی دبیز پرتوں پر تیرتے سارے رنگ حسین ہیں بے دلکش ہیں لیکن ایک خاص رنگ ہے قوس وقزح کے رنگوں کے درمیان ایک گہرا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔جو تمام رنگوں کو اپنے اندر مدغم کر لیتا ہے اور ایک نیا رنگ تشکیل دیتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔دھیما لہجہ پر جنوں تھا۔

''تم نے کبھی Aurora دیکھا ہے جب آسمان پر رنگوں کی بہار اتر آتی ہے۔جب آسمان کی آنکھوں میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ایسے ہی محبت کی شفق میں تمہاری آنکھوں میں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

''آپ یہ سب اس لئے کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ کے پاس کوئی راستہ نہیں رہا۔آپ کو اندازہ ہو گیا ہے اب آپکی دال گلنے والی نہیں ہے۔'' اسی لیے ایسی Statement دے رہے ہیں۔'' وہ کمال بے نیازی سے مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔عجیب اترایا ہوا پر غرور انداز تھا۔نجانے کونسے وہم اسے ستانے لگے تھے۔

''تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو حسین شاہ۔اب خفگی کی وجہ کو بنا دو۔فضا اور عمیر شاہ کا نکاح ہو رہا ہے۔اب تو تمہارے سارے اوہام ختم ہو جانے چاہیں۔میں جانتا ہوں عمیر شاہ کی وجہ سے تمہیں بہت ذہنی اذیت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔اس نے جان بوجھ کر میرے حوالے سے تمہیں تکلیف دی مگر جو ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔وہ دونوں نئی زندگی شروع کر رہے ہیں اور ہم بھی۔نئے راستوں پر چلنے کے لئے ماضی کے بوجھ کو وہیں پیچھے چھوڑ دینا چاہئے۔اس بوجھ کو ڈھونا نہیں چاہئے۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''حسین شاہ نگاہوں کے زاویے موڑ کر بیگانہ ہو گئی تھی اور اٹل کی جیسے جان پر بن آئی تھی۔وہ اس کے پل میں تولہ پل میں ماشہ بدلتے مزاج سے خائف تھا۔ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا۔اس نے اپنے گلے میں پڑے پنڈنٹ Pendant کو مٹھی میں مقید کر لیا تھا۔اور مٹھی کو زور سے بھینچ لیا تھا۔ماتھے پر فکرمندی کی لکیریں واضح ہو گئی تھیں جیسے بدگمانی پھر سے اپنی جگہ بنانے لگی تھی۔وہ جب پریشان ہوتی تھی ایسے ہی برتاؤ کرتی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے زیادہ دوسروں پر اعتبار کرتی ہو۔ان کو مجھ سے زیادہ قابل بھروسہ سمجھتی ہو۔جیسے عفان ضیاء ہاشمی..... یاد ہے جب تم مجھ سے خفا ہو کر چلی گئی تھیں میں پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کر رہا تھا۔سارا شہر چھان مارا تھا تم نے عفان کو بتانے سے منع کر دیا تھا تب اس لمحے مجھے اس سے بے حد حسد ہوا تھا۔لیکن وہ تمہارا سچا خیر خواہ ہے۔تم خوش قسمت ہو تمہارے آس پاس محبت کرنے والے لوگ ہیں جن کو تمہارا احساس ہے۔تمنا بی اور رامین شاہ بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں۔جب تم اسپتال میں تھیں تب رامین کا فون آیا تھا۔وہ مجھ سے لڑ رہی تھی، جھگڑ رہی تھی تمہاری وجہ سے اس نے مجھے کتنی ہی جلی کٹی سنائی تھیں۔مجھ سے وعدہ لیا تھا میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔تمہارے اردگرد رہ کر تمہیں اس ذہنی اذیت سے نکالوں گا۔وہ مجھے ان تمام باتوں کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔تم مجھ سے ہر بات چھپاتی تھیں خود کو ہلکان کرتی تھیں اور تمہیں پریشان دیکھ کر میری ساری جان مشکل میں پڑ جاتی تھی۔عمیر شاہ نے جو کیا وہ اپنی والدہ کے کہنے پر کیا۔تو میں اسے قصوروار نہیں مانتا۔اس نے جو کیا اس کے پیچھے ایک بڑا جواز تھا وہ اس چپقلش کا نتیجہ تھا۔اور فضا آفتاب نے اس کی محبت میں مجبور ہو کر اس کا ساتھ دیا تھا۔حالانکہ وہ میری بہترین دوست تھی۔مگر محبت اس دوستی پر حاوی ہو گئی تھی۔میں اس کے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں۔وہ عمیر شاہ کی محبت میں پاگل تھی۔اس بات سے آگاہ تھا میں۔مگر تمہیں خبر نہیں تھی۔تم ہمیشہ سے ہر چیز سے انجان رہی ہو۔اس لیے میں اندازہ کر سکتا ہوں۔تمہیں تو اس بات کی بھی خبر نہیں ہوگی کہ عفان کی شادی طے ہو چکی ہے یعنی کزن کے ساتھ۔وہ کتنی ہی بار میسج کر چکا ہے تمہیں مگر تم اس سے بھی خفا ہو ابھی تک کیونکہ اس نے مجھے تم سے ملانے کے لئے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔جب وہ تمہیں میرے کہنے پر ریسٹورنٹ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔میں نے اسے اپنی شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے دعوت دے دی ہے۔تم تو تمنا بی کو بھی بھول بیٹھی ہو۔کتنے دن ہوئے تم نے ان سے بھی بات نہیں کی۔بے فضول الجھنوں میں الجھی رہیں تم۔اب وقت آ گیا ہے ان تمام الجھنوں کو دل سے نکال کر پرسکون ہو جاؤ۔اپنے اردگرد محبت کرنے والے لوگوں کی قدر کرو۔کیونکہ نہیں تم بے حد عزیز ہو۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولتا ہوا

انکشافات کر رہا تھا۔اور حین شاہ حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔دل ملال سے بھر گیا تھا۔

''الجھنیں بھی تو آپ نے ہی بڑھائی تھیں نا۔مجھے تنہا چھوڑ کر اس فضا آفتاب کے ساتھ آپ ہی باتوں میں مصروف ہوئے تھے نا۔''

"You left me when I needed you most. It seemed you had decided to change your way. You left me in the rain without closing the door."

مدھم لہجے میں کتنی شکایتیں تھیں۔وہ دھیمے لہجے میں شکوں کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جتا گئی تھی۔دل میں دبے شکوے زبان پر آ گئے تھے۔اور اک خفیف سی مسکراہٹ اظل سہام مرزا کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا اپنے تمام اوہام تمام خدشات ایک پوٹلی میں باندھ کر میرے حوالے کر دو۔اور خود مطمئن ہو جاؤ مگر تم نے میری ایک نہیں مانی تھی۔ان سنی کر دی تھی تم نے۔اب جو تم شکوہ کناں ہو تم تمام حق محفوظ رکھتی ہو مانتا ہوں مگر میں نے تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔میں ہر وقت ہر پل تمہارے ساتھ رہا ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں یقین دہانی کرا رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی بھنچی ہوئی مٹھی پر ہاتھ رکھ کر اس Pendant کو بغور دیکھا تھا۔حین شاہ نے ہاتھ ہٹانا چاہا تھا مگر اظل نے اس کی مزاحمت پر توجہ نہیں دی تھی۔

''میں جانتا ہوں اس Pendant میں ایسا کیا ہے جس کو تھام کر تمہیں سکون ملتا ہے۔جس کو مٹھی میں مقید کر کے تمہارے اندر توانائیاں بھر جاتی ہیں۔تمہیں میرے حوالے سے دی ہوئی چیزیں مجھ سے زیادہ قابل بھروسہ لگتی ہیں نا؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر بیضوی لاکٹ کے لاک کو کھولا تھا۔وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور اظل اس کی بچپن کی تصویر اس میں لگی تھی جب اظل کی ماما نے اپنے گلے میں لاکٹ اتار کر حین شاہ کے گلے میں پہنا کر اسے اظل سے منسوب کر دیا تھا۔جب اس نے شعور کی منازل طے بھی نہیں کی تھیں۔

''اب تو تمہیں یقین آ گیا نا۔میں نے تم سے کہا تھا میرا اور تمہارا رشتہ صدیوں پرانا ہے۔صدیوں پہلے جب زمین نے سانس لینا شروع کیا تھا تب دل کی زمین میں تمہاری دھڑکنوں نے بسیرا کر لیا تھا۔تمہیں یہ فرضی قصہ لگتا تھا مگر یہ حقیقت ہے۔زمین کو تبھی ادراک ہو گیا تھا کہ عشق کو کٹھنائیوں کا سامنا ہونا تھا۔لیکن یہ طلب اور رسد کے عجیب قصے ہیں۔دل سمندر رکھتے ہوئے بھی تشنہ رہتا ہے۔وہ سمندر صحرا بننے لگتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں عجیب فلسفیانہ انداز میں قصے بیان کر رہا تھا۔عجیب مبہم سا انداز تھا۔حین شاہ نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

''ویسے ایک بات بتاؤں پر شکوے شکایات اور روٹھنے منانے کا عمل خاصا دلکش اور دلفریب ہے اس کو رکنا نہیں چاہئے۔چلتے رہنا چاہئے میں ان لمحوں میں تمام عمر گزار دینا چاہتا ہوں۔مجھے لگتا ہے اگر یہ عمل رک گیا۔یہیں پر تھم گیا تو ان لمحوں کو زنگ لگ جائے گا۔یا پھر یہ لمحے یہیں پر منجمد اور جامد ہو جائیں گے تو ایک سرد احساس اندر سرایت کر جائے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

I want to tell you there's a fire burning in our soul and it's only just begun."

مدھم لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔

''ھین شاہ تم دل کی باتیں مجھ سے کیوں چھپاتی ہو؟ جو دل میں دبا رکھا تھا۔ کہنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی؟ تم جانتی تھیں تمہارے لفظ مجھے بے پناہ خوشی سے ہمکنار کر دیں گے۔ میری سانسوں کو جاوداں کریں گے۔ پھر بھروسہ کرنے میں اتنے لمحے کیوں لگا دیئے۔ پلوں کو زیاں کر دیا۔ خدشات کی نذر کر دیا تھا تم۔'' وہ مدھم لہجے میں شکوہ کر رہا تھا اور ھین شاہ نے جواباً شکوہ کیا تھا۔

"How do you expect me to tell the truth you know trust belongs to you."

مدھم لہجے میں بمشکل کہہ پائی تھی۔ نگاہیں جھکا گئی تھی۔ چہرے پر رنگ خیمہ زن ہو گئے تھے اور اظل سہام کھڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ قوس وقزح کو اپنی نگاہوں میں مقید کیا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"I fall in love with you every time I look into your magical eyes."

وہ دھیمے لہجے میں اظہار سونپ رہا تھا۔ لفظوں کا فسوں چاروں طرف پھیل کر فضا کو معطر بنا رہا تھا۔ وہ بھی اس اسم کے زیر تھی۔

''جب میں تمہاری طرف دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے میں اپنی روح کا عکس سمٹ آیا ان آنکھوں میں نقش ہو گیا ہو۔ چلتا پھرتا سا احساس واضح محسوس ہوتا ہے۔ جیسے روح مسرور سی مسکراتی ہے۔'' ھین شاہ نے گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ دل کی حکایتیں بیان کی تھیں۔ اعتراف کا انداز جان لیوا تھا۔

''جاناں بھی تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ بے شمار باتیں ہیں لیکن میں ان قلیل لمحوں کو کثیر کرنا چاہتا ہوں۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں تم بن ادھورا ہوں۔ میرے عشق کی تکمیل صرف تم ہی ہو۔ میرا عشق صرف تم سے مکمل ہوتا ہے۔ تم میرے عشق کا جنوں ہو..... اک فسوں ہو..... اس فسوں نے دل کے گرد ایک حصار بنا کر اس میں مقید کر دیا ہے۔'' وہ مدھم لہجہ فسوں بکھیر رہا تھا۔ لفظوں میں چھپا جادو چاروں طرف پھیلتا جا رہا تھا۔ مدھم سرگوشیاں کرتے ہوئے وہ اقدار کے انمول موتی اس کی جھولی میں ڈال رہا تھا۔

"You know whatever our souls are made of yours and mine are the same..."

اظل نے مدھم لہجے میں سرگوشی کی تھی اور ھین شاہ کی روح تک سرشار ہو گئی تھی۔ ایک الوہی چمک نے اس کی آنکھوں کو مزید روشن کر دیا تھا۔ چہرے پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ انداز جھینپا ہوا تھا۔

"I want to say you are so precious to me... you are the one I know I can count on; you're the love of my life, you're the reason of breath, you're my one and only, you are everything..."

ھین شاہ جانتی اگر آج ان لمحوں کو گزر جانے دیا تو وہ کبھی نہیں کہہ سکے گی۔ وہ اس کے لیے ایک معنی رکھتا تھا۔ اور اظل کی ساری روح میں طمانیت اتر آئی تھی۔ ساری تشنگی مٹ گئی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر حین شاہ کو بانہوں کے حصار میں مقید کیا تھا۔ پھر اس کے اردگرد گھیرا تنگ کر کے خود سے قریب کیا تھا اور اس کے ماتھے پر محبت کی مہر ثابت کر دی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا حین شاہ۔ میں پھر تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے حین شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ عجیب مبہم سا انداز تھا۔

حین شاہ نے ناسمجھی سے نگاہوں میں سوال بھرے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کون سے سوال؟ کیا پوچھنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ؟ کیا جاننے کے خواہاں ہیں آپ؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے وہ کوئی معمہ تھا جسے حل کرنا دشوار تھا۔

''جاناں..... میں نے کہا میں تم بن ادھوراں ہوں۔ نامکمل ہوں۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ میرے نامکمل عشق کی تکمیل ہو جائے؟ عشق جو اعتبار اور بے اعتباری کے درمیان الجھ کر رہ گیا ہے۔ اسے ان الجھنوں سے نکال دو؟'' وہ مدھم لہجے میں بولتا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا کھڑا تھا۔ آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔ اس نے ایک مسکراتی ہوئی حین شاہ کو بغور دیکھا تھا۔ اس نے سر اثبات میں تب ہلا دیا تھا۔ ہاتھ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''جب تم مسکراتی ہو تمہارا چہرہ روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آسمان پر چمکتے ستارے ایک قطار میں آ کر ٹھہر سے گئے ہوں۔''

"I want to say I'm your smile I see something more brighter than stars..."

''میری اندھیری رات میں سورج کی طرح روشنی بکھیر رہی ہو۔ میرے خوابوں نے نکل کر حقیقت کی صورت اختیار کر گئی ہو۔ اور جب سے میری زندگی میں شامل ہوئی تو میری ساری کائنات روشنی سے مزین ہو گئی ہے۔ تمہاری آنکھیں چمکتی ہیں تو مجھے لگ رہا ہے جیسے ہزاروں سورج ایک ساتھ چمک رہے ہوں۔''

"The glow you bring to my life is more radiant than a thousand sunrises put together..."

ایک افسوں چاروں طرف احاطہ کر چکا ہے۔ تم میرے ساتھ ہو، میری بانہوں میں ہو تو لگتا ہے جیسے ستاروں سے بھرا آسمان میری بانہوں میں سمٹ آیا ہو۔ تمہاری آنکھوں سے نکلتی شعاعیں میرے دل کو منور کر رہی ہیں۔ تبھی تو اس فسوں سے نکل نہیں پا رہا ہوں نا ہی کبھی نکلنا چاہتا ہوں۔'' وہ مدھم لہجہ پر جنون تھا۔ محبت کا افسوں بکھیر رہا تھا۔ محبت کا اسم پھیلتا جا رہا تھا۔ نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر حین شاہ کی دھڑکنوں میں تلاطم برپا تھا۔ وہ کچھ سن نہیں پا رہی تھی۔ وہ ساتھ تھا۔ پاس تھا۔ وہ اس کی دھڑکنوں میں اپنا نام سن رہی تھی۔ اس کی

دھڑکنیں اسی کا نام الاپ رہی تھیں۔ محبت کا ورد کر رہی تھیں۔ وہ بلا شرکت غیرے اسی کا تھا۔ وہ اس کیدل کی سلطنت پر حکمرانی کر رہی تھی۔ کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں بچی تھی۔ وہ اس کی مدھم مدھم سرگوشیوں کو سن رہی تھی۔ سر اس کے سینے پر رکھے سکون سے آنکھیں موندلی تھیں۔ محبت کا اسم ان کو طلسم کدے میں مقید کر کے ان کے اردگرد محاصرہ بنا چکا تھا۔ اور اظل مدھم لہجے میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔

ایک فسوں ہے تو

ایک جنوں ہے تو

عشق کی ابتدا ہے تو

عشق کی انتہا بھی ہے تو

❁ ❁

(ختم شد)

بطور خاص سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے
لکھا گیا ریما نور رضوان کا خوبصورت ناول

محبت زیست کا حاصل

اس ناول کی اقساط ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو
سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

http://sohnidigest.com

سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے
لکھا گیا فرحین اظفر کا خوبصورت ناول

ردائے وفا

اس ناول کی اقساط ایک ماہ میں دوبار (15 دن بعد)
سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

http://sohnidigest.com